دلیل الفالحین

شرح اردو

ریاض الصالحین

جلد اوّل

تالیف: محمد بن علان الصدیقی الشافعی الاشعری المکی

مترجم: مولانا شمس الدین صاحب

تحقیق: عصام الدین الصبابطی

اس ترجمہ کی چند نمایاں خصوصیات

★ تمام احادیث کا آسان وعام فہم ترجمہ ★ احادیث کے حل طلب مسائل کی بہترین ودلکش تشریح

★ دور جدید کے مسائل کا بہترین حل ★ حل اللغات، نحو وغیرہ کے عنوانات سے آسان تشریح

★ ہر مسئلے پر فقہا کی آراء ★ آیات قرآنیہ مکمل حوالوں کے ساتھ ★ ہر حدیث کی مکمل ومدلل تخریج

★ "الفرائد" کے عنوان سے حدیث میں بیان کیے گئے ارشادات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر خلاصہ

ناشر

مکتبۃ العلم

۱۸۔ اردو بازار لاہور پاکستان

Ph:7211788-7231788

نام کتاب .... دلیل الفالحین شرح اردو ریاض الصالحین

تالیف: .... محمد بن علان الصدیقی الشافعی الاشعری المکی

مترجم .... مولانا شمس الدین صاحب

تحقیق: .... عصام الدین الصبابطی

طابع .... خالد مقبول

مطبع .... آر۔ آر۔ پرنٹرز

❖ مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ ☎ 7224228

❖ مکتبہ علوم اسلامیہ اقرأ سنٹر غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور ☎ 7221395

❖ مکتبہ جویریہ ۱۸ - اردو بازار ○ لاہور ○ پاکستان ☎ 7211788

عرضِ ناشر

حضور نبی کریم ﷺ، رؤف رحیم، خاتم المعصومین، علیہ التحیۃ والتسلیم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے کہ: ''میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں'' کیونکہ بنی اسرائیل کے علماء شریعت کی وضاحت وتشریح کا فریضہ سرانجام دیتے تھے اور یہی ذمہ داری اُمت مسلمہ کے علماء پر ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کی وفات سے لے کر آج تک ہر دور کے علماء نے شریعت مطہرہ کی وضاحت اور حفاظت کے لئے قابل قدر خدمت سرانجام دیں۔

امام نووی رحمہ اللہ بھی انہی عظیم المرتبت محدثین میں سے ہیں، جنہوں نے حفاظت واشاعت حدیث کے سلسلہ میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ کتاب ''ریاض الصالحین'' بھی آپ کا ہی بلند پایہ علمی شاہکار ہے جس سے لاتعداد انسانوں نے علم کا نور حاصل کیا۔ پھر اس کی بے شمار تشریحات وتراجم ہوئے۔ اردو زبان میں بھی اس علمی کتاب کے تراجم ہوئے اور علوم نبوت کے پیاسے اس سے سیراب ہوتے رہے۔ انہی میں ایک ترجمہ مولانا شمس الدین صاحب نے بھی کیا جو کہ ادارہ نے تین، چار سال قبل شائع کیا اور اس کو بے پناہ سراہا بھی گیا۔ اب مولانا صاحب نے ہی اس کی ایک عربی شرح ''دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین'' کا اردو ترجمہ کیا ہے اور ہمیں پوری توقع ہے کہ یہ ترجمہ بھی مولانا کے دیگر تراجم کی طرح عوام وخواص کی نظر میں دادِ تحسین پائے گا۔

اِس موقع پر اللہ عزوجل کے حضور سجدۂ شکر ادا کرتے ہوئے بندہ ان تمام احباب کا تہہ دِل سے شکر گزار ہے جنہوں نے دینی کتب کی اشاعت میں بندہ کی بھرپور حوصلہ افزائی کی اور دامے درمے سخنے بندہ کی ہمت افزائی کو ہنوز جاری رکھا ہوا ہے۔

مدیر! مکتبۃُ العلم

خالد مقبول

تعارف مترجم

اِس علمی ذخیرہ کو اُردو میں منتقل کرنے میں حضرت مولانا شمس الدین مدظلہ العالی کی شفقت ہی میرے لئے سب سے بڑا سبب بنی۔

مولانا شمس الدین مدظلہ کا تعلق اس علمی خانوادے سے ہے، جس کے ایک چشم و چراغ امت مسلمہ کے محسن، سفیر ختم نبوت، مناظر اسلام، حضرت مولانا عتیق الرحمٰن (مرحوم) چنیوٹی دامت برکاتہم ہیں جو مولانا شمس الدین صاحب چنیوٹی کے پھوپھی زاد بھائی ہیں اور وادیٔ علم میں ان دونوں بزرگوں نے بیک وقت قدم رکھا۔

مترجم کتاب مولانا شمس الدین مدظلہ العالی نے ابتدائی تعلیم دارالعلوم المدینہ میں استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالوارث رحمہ اللہ سے حاصل کی اور پھر دورۂ حدیث آسمانِ علم کے درخشندہ ستاروں استاذ الکل فی الکل، جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث مولانا رسول خاں رحمہ اللہ، استاذ المحدثین شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اور مفتی اعظم مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ ایسے نابغہ عصر بزرگوں کی زیر نگرانی مکمل کیا۔

علوم قرآنی اور تفسیر کے لئے آپ نے اپنے وقت کے جلیل القدر اساتذہ سے کسب فیض کیا جن میں علوم قرآنی کے اسرار و رموز سے آگاہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں قدس سرہٗ، حافظ الحدیث و استاذ التفسیر حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث مولانا محمد حسین نیلوی مدظلہ جیسے اکابر ہیں۔

تدریسی زندگی کے لئے اپنے استاذ مرحوم کے ادارہ دارالعلوم المدینہ، چنیوٹ کے لئے آپ نے اپنی زندگی وقف کر دی۔ جہاں سے سینکڑوں علماء آپ کی شاگردی کے اعزاز سے سرفراز ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس علم و عرفان کے چشمہ صافی کو مزید برکات سے نوازے، آمین۔

ادارہ مکتبۃ العلم لاہور کی درخواست پر آپ نے کمال شفقت و مہربانی کرتے ہوئے ''دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین'' کی علمی وراثت کو اردو کے جدید سلیس اور آسان قالب میں ڈھالا۔

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور ادارہ کے کارکنان آپ کی علمی و روحانی ترقی کے لئے دعا ہی کر سکتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ حضرت مولانا شمس الدین مدظلہ العالی آئندہ بھی ہماری علمی سرپرستی جاری رکھیں گے۔

خالد مقبول

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف کتاب رحمۃ اللہ علیہ کا نام ونسب

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل نام اس طرح ہے: ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام۔ اپنی جائے پیدائش نویٰ کی طرف نسبت کی وجہ سے النووی کہلاتے ہیں اور یہ بستی دمشق کے قریب حوران نامی مقام کے متصل ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد حزام سے سکونت ختم کر کے یہاں آ کر رہائش پزیر ہوئے۔

ولادت

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت اسی علاقے نویٰ میں ۶۳۱ھ میں ہوئی۔ ان کے والد محترم نے ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام اپنی خاص توجہ سے کیا اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم خود بھی ایک نیک بزرگ تھے اور انہوں نے اپنے پسر میں خداداد ذہانت و قابلیت کے جوہر نمایاں ہوتے اُس کی اوائل عمر ہی میں پرکھ لئے تھے۔

ابتدائی تعلیم

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ربّ ذوالجلال والاکرام نے تین چیزیں یکجا کر کے ودیعت کی تھیں اُن میں ۱) علم اور اس پر صحیح عمل، ۲) کامل زہد، ۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ایک اعلیٰ اخلاق کا نمونہ تھے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق شیخ یاسین یوسف مراکشی کہتے ہیں کہ میں نے امام نووی کو پہلی مرتبہ اس وقت دیکھا جب وہ دس سال کی عمر کے ہوں گے۔ امام رحمۃ اللہ علیہ کو دوسرے بچے اپنے ساتھ کھلانے پر بضد تھے اور وہ اُن سے درگزر کر کے کتراتے تھے لیکن بچے مسلسل اصرار کر کے تنگ کر رہے تھے اور یہ بچہ (امام نووی رحمۃ اللہ علیہ) رو رہے تھے اور اس حالت میں بھی وقفہ وقفہ سے تلاوتِ قرآن کو وردِ زبان بنائے ہوئے تھے۔ اُن کی قران سے یہ محبت دیکھ کر میں ششدر رہ گیا اور اُن کے استادِ محترم کے پاس جا کر کہا کہ اس بچے پر خصوصی توجہ دیجئے۔ انہوں نے کہا کیا تو کوئی نجومی قسم کی کوئی چیز ہے؟ میں نے کہا: ہرگز نہیں! یہ الفاظ تو شاید اللہ ہی نے مجھ سے آپ کے سامنے کہلوائے ہیں۔ استادِ محترم نے اُن کے والد سے اس بات کا تذکرہ کیا تو انہوں نے اس بچے (امام نووی رحمۃ اللہ علیہ) کو دین ہی کے لئے وقف کر دیا۔ بلوغت سے پہلے ہی قرآن مجید ناظرہ ختم کیا اور آگے پڑھنے کی لگن اس عرصے میں بڑھتی رہی۔

راہِ علم کی تکالیف وآلائم

اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں کہ میری عمر جب اُنیس برس کی تھی تو میرے والد مجھے دمشق لے آئے اور آنے کا مقصد صرف اور صرف تحصیل علم ہی تھا۔ اقبالؔ نے کیا خوب کہا ہے

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو! ☆ کتاب خواں ہے، مگر صاحب کتاب نہیں

شاید امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اپنی اس اوائل عمری ہی میں اس بات کا سراغ پالیا تھا کہ علم کے بغیر زندگی لایعنی و بے معنی ہے۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ میں مدرسہ رواحیہ میں رہنے لگا دو سال ایسے گزارے کی تھکن سے چور ہونے کے باوجود اک پل بھی آرام نہ کیا۔ مدرسہ کی روکھی سوکھی روٹی پر بخوشی گزارکرتا اور تنبیہ جیسی کتب میں نے تقریباً ساڑھے چار ماہ میں یاد کرلیں اور میں نے مہذب کی عبارات کا چوتھائی حصہ بھی یاد کرلیا پھر میں شیخ اسحٰق مغرب کے پاس رہ کر شرح و تصحیح کتب (نظر ثانی) کا کام کرنے لگا اور ان کے پاس دلجمعی سے کام کیا۔

خود ہی فرماتے ہیں کہ اللہ نے میرے اوقاتِ کار میں اتنی برکت دی تھی اور میں نے بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے بہتر طریقے پر استعمال کیا۔ آپ کے شاگرد فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے مجھے بتایا کہ میں بارہ سبق پڑھتا تھا۔ دو سبق وسیط کے ایک سبق مہذب کا ایک سبق جمع بین الصحیحین کا اور ایک سبق صحیح مسلم کا اور ایک سبق علم نحو میں ابن جنی کی لمع کا اور ایک سبق ابن سکیت کی اصلاحِ منطق کا اور ایک سبق صرف کا اور ایک سبق اصولِ فقہ کا۔ بھی ابو اسحٰق کی لمع کا اور بھی فخر الدین رازی کی منتخب کا اور ایک سبق اسماء الرجال کا اور ایک سبق اصولِ دین کا اور میں ان تمام کتب کے متعلقات (یعنی مشکلات کی شرح اور عبارت کی توضیح اور ضبط لغت کے بارہ میں نوٹ یا حواشی) لکھتا۔ شاید امام رحمہ اللہ کی اسی عادت نے ان کی تحریرات کو اتنا مدلل بنا دیا کہ ان پر تنقید کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگیا۔ فرماتے ہیں کہ مجھے علم طب سیکھنے کا بھی شوق پیدا ہوا لیکن بعد میں اپنی طبیعت کا میلان دین ہی کی طرف دیکھ کر کچھ عرصہ اس شعبے میں سر کھپانے کے بعد واپس اپنی اصل کی طرف آ گیا۔

شیوخ و اساتذہ

ابو ابراہیم اسحٰق بن احمد مغربی' ابو محمد عبدالرحمٰن بن نوح المقدسی' ابو حفص عمر بن اسعد الرابعی الدربلی' ابوالحسن سلار بن حسن الدربلی' ابو اسحٰق بن ابراہیم بن عیسیٰ المروی' ابوالبقا خالد بن یوسف النابلسی' سنیاء بن تمام الحنفی' ابوالعباد احمد بن سالم اصمصری' ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن مالک الجیانی' ابوالفتح عمر بن نبدر' ابو اسحٰق ابراہیم بن علی الواسطی' ابوالعباس احمد بن سالم المصری' ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن مالک الجیانی' ابوالفتح عمر بن نبدر' ابو اسحٰق ابراہیم بن علی الواسطی' ابوالعباس احمد بن عبدالداتم المقدسی' ابو محمد اسماعیل بن ابی الیسر التنوخی' ابو محمد عبدالرحمٰن بن سالم الانباری' ابو عبدالرحمٰن بن محمد بن قدامہ القدسی' ابو محمد عبدالعزیز بن محمد الانصاری اس کے علاوہ بھی اُن کا ذوق و شوق دیکھتے ہوئے امید واثق ہے کہ مشائخ کی تعداد بے شمار ہوگی لیکن تاریخ اس تفصیل سے خاموش ہے۔

شاگردانِ و تلامذہ

عطاء الدین' عطار ابوالعباس احمد بن ابراہیم بن مصعب' ابوالعباس احمد بن محمد الجعفری' ابوالعباس احمد بن فرج الاشبیلی' الرشید اسماعیل بن المعلم الحنفی' ابو عبداللہ محمد بن ابی الفتح الحنبلی' ابوالعباس احمد الضریر الواسطی' جمال الدین سلیمان بن عمر الدرعی' ابوالفرج عبدالرحمٰن بن محمد القدسی' البدر محمد بن ابراہیم بن جماعت' الشمس محمد بن ابی بکر بن النقیب' الشہاب محمد بن عبدالخالق الانصاری' الشرف ہبۃ اللہ بن عبدالرحیم الباری' ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمٰن نمری۔ اس کے علاوہ شاگردانِ رشید کی

اتنی تعداد ہے کہ قلم لکھنے سے قاصر ہے۔

علمی خدمات

جیسا کہ امام صاحب نے اپنی آپ بیتی میں خود لکھ چکے ہیں کہ مجھے اساتذہ سے اسباق لیتے وقت ان پر اپنی رائے حواشی کی صورت میں لکھنے کی عادت تھی اسی سے اندازلگایا جاسکتا ہے کہ کم ہی ایسے طلب علم ہوں گے جو علم کے شائق ہوں اور ایسے تو شاذ ہی ہوں گے جو کہ زمانہ طالب علمی ہی میں تحقیق وجستجو کے میدان میں اتر پڑیں۔ اسی پیمانے پر پرکھ لیجئے کہ ان کی تصانیف کس پایہ کی ہوں گی۔ ان کتب میں سے صحیح مسلم کی شرح' تہذیب الاسماء واللغات' کتاب الاذکار اور ریاض الصالحین جیسی نہایت اہم کتب شامل ہیں۔ ان سے ہزاروں نہیں لاکھوں فیض یاب ہو رہے ہیں۔ حالات وقرائن یہ بتلاتے ہیں کہ امام صاحب کے علمی شوق کی وجہ سے انہوں نے دیگر تصانیف بھی لکھی ہوں گی اگرچہ جونام ہم نے درج کئے ان کے علاوہ بھی کچھ کے نام معلوم ہیں مگر مرورِ زمانہ اور اشاعت کی آج جیسی سہولتوں کے فقدان کی وجہ سے جہاں دیگر علماء کرام کی کئی کتب ناپید ہوگئی ہیں وہیں امام صاحب کی کچھ کتب کے متعلق بھی یہ شبہ ظاہر کیا جاتا ہے۔

موت العالِم موت العالَم

امام صاحب رحمہ اللہ اپنی آمد کے بعد ۲۸ سال دمشق میں گزارنے کے بعد اپنے مولد نویٰ میں واپس تشریف لے گئے تاکہ اپنے آبھائی وطن میں رہنے والوں کو راہِ ہدایت سے فیض یاب کر سکیں اور ان کی صحیح راہنمائی کریں۔ کچھ عرصہ بعد ہی مختصر سی بیماری کے بعد ٦٧٦ھ میں انتقال ہوا۔ جنازہ میں اتنی کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوئے کہ بقول شخصے : اس سے پہلے اتنے اشخاص کسی جنازے کے موقع پر اکٹھے ہونے کی نظیر کم ہی ملتی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

کچھ دلیل الفالحین کے مصنف کے بارے میں

شیخ علامہ محمد علی بن محمد علان بن ابراہیم بن محمد بن علان البکری الصدیقی الشافعی، مکہ مکرمہ میں ۹۹۶ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۰۵۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کو شیخ الاسلام ابن حجر مکی کی قبر مبارک کے قریب ہی دفن کیا گیا۔

آپ نے ابتدائی عمر ہی میں حفظ القرآن کی سعادت حاصل کر لی تھی اور اس کے بعد دیگر علوم وفنون کی تحصیل میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی تصانیف میں:

۱) تفسير سماه ضياء السبيل إلى معالم التنزيل

۲) رفع الالتباس لبيان اشتراك معانى الفاتحة والناس

۳) رسالة فى ختم البخارى سماها الوجه الصبيح فى ختم الصحيح

٤) فتح الكريم القادر بيان ما يتعلق بعاشوراء من الفضائل والأعمال والماثر

٥) القول الحق والنقل الصريح بجواز أن يدرس بجوف الكعبة الحديث الصحيح

٦) مولفان فى التنباك والدخان، أحدهما تحفة ذوى الإدراك فى المنع من التنباك والآخر إعلان الإخوان

۷) العلم المفرد فى فضل الحجر الأسود

۸) شمس الآفاق فيما للمصطفى عليه الصلوٰة والسلام من كرم الأخلاق

۹) رسالة فى تعريف واجب الاستثناء وجائره، سماها فتح الممالك فى تجويز طريق ابن مالك

۱۰) شرح رياض الصالحين للنووى سماء دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، وغيره

فَهرسْت

دلیل الفالحین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ :اللہ تعالیٰ جوواجب الوجوداور انعامات عنایت کرنے والا ہے اس کے نام کی مدد سے میں کتاب کی ابتداء کررہا ہوں۔

لُغوی تشریح: لغت میں باب کے دومعنی ہیں:

① اندر سے باہر نکلنے یا اندر جانے کے لئے جو رخنہ استعمال ہوتا ہے۔

② چہرہ: دوسرے معنی کو ترجیح دی گئی مگر اس میں مشکل یہ ہے کہ باب کی جمع ابواب استعمال ہوتی ہے اور جس باب کا معنی چہرہ ہے اس کی جمع بابات آتی ہے۔

عرفی معنی: عرف میں کتاب کے مضامین کا ایک مجموعہ جو فصول ومسائل پر مشتمل ہو۔

اعراب: اس پر رفع نصب بلکہ جر بھی جائز ہے مگر زیادہ درست بات اس کے خلاف ہے۔

الاخلاص: اس کا ہمزہ مکسور ہے یہ اخلص کا مصدر ہے۔

قول امام راغب رحمۃ اللہ: ماسوااللہ سے علیحدگی اختیار کرنا۔

علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ: طاعات میں ایک اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا مقصود بنانا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی سے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنے والے کو اس میں کسی مخلوق کے ہاں تعریف ومحبت مقصود نہ ہو۔تقرب الٰہی کے سواء اس کی کچھ مراد نہ ہو اور اس طرح کہنا مناسب تر ہے کہ عمل میں محض اللہ تعالیٰ کا لحاظ ہو نہ کہ مخلوق کا۔

احضار النیہ ابھار زہ: یعنی نیت ظاہری وباطنی اعمال میں متحضر ہو۔

مقام نیت: شرعی فعل کا دارومدار ہی نیت پر ہے۔اس لئے نیت فرض ہے اور اس کا عمل کے اختتام تک متحضر رہنا محبوب و پسندیدہ ہے۔جن اعمال میں بعض چیزوں کو چھوڑنا پڑتا ہے ان میں چھوڑنے کے قصد پر حصول ثواب مقصود ہو اس میں بھی نیت ضروری ہے مثلاً ترک زنا کا قصد کرنا۔روزے میں بھی نیت ضروری ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ نفس کی عادات منقطع کر کے نفس کو مٹایا جائے۔

قال تعالیٰ: وہ ان سب باتوں سے سبحان ہے جو اس کی شان کے مناسب نہیں۔

۱: بَابُ الإِخْلَاصِ وَإِحْضَارِ النِّيَّةِ فِيْ جَمِيْعِ الأَعْمَالِ

بَابٌ: تمام ظاہری و باطنی اعمال اور اقوال و احوال میں حسن نیت اور اخلاص کو پیش نظر رکھنے کا بیان

قَالَ اللّٰه تَعَالٰی:

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ [البينة: ۵]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور ان کو اسی بات کا حکم دیا گیا کہ وہ اخلاص کے ساتھ یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کرتے رہیں اور یہی مضبوط دین ہے''۔ (البینہ)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ [الحج: ۳۷]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ کو ہرگز ان کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے''۔ (الحج)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ [آل عمران: ۲۹]

ارشادِ خداوندی ہے:

''فرما دیجئے اگر تم اپنے سینوں میں چھپاؤ (کوئی بات) یا ظاہر کرو۔ اللہ اس کو جانتے ہیں''۔ (آل عمران)

۱: وَعَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَبِيْ حَفْصٍ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بْنِ نُفَيْلِ بْنِ عَبْدِ الْعُزّٰى بِنِ رِيَاحِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قُرْطِ بْنِ رَزَاحِ ابْنِ عَدِيِّ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبِ الْقُرَشِيِّ الْعَدَوِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى: فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَي اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَي اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا، اَوِ امْرَاَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ'' مُتَّفَقٌ عَلٰى

صِحَّتِهٖ. رَوَاهُ اِمَامَا الْمُحَدِّثِیْنَ :اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ بَرْدِزْبَةَ الْجُعْفِیُّ الْبُخَارِیُّ وَاَبُوْحُسَیْنِ مُسْلِمُ بْنُ حَجَّاجِ بْنِ مُسْلِمٍ الْقُشَیْرِیُّ النَّیْسَابُوْرِیُّ فِیْ كِتَابَیْهِمَا اللَّذَیْنَ هُمَا اَصَحُّ الْكُتُبِ الْمُصَنَّفَةِ.

ا: حضرت امیر المؤمنین ابوحفص عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے- ہر ایک کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی- پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے شمار ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کے حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کے لئے ہوگی تو اس کی ہجرت انہی مقاصد کے لئے شمار ہوگی۔ متفق علیہ روایت ہے اس کو امام المحدثین ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ جعفی بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں اور امام ابوحسین مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں ذکر فرمایا ہے- یہ دونوں کتابیں قرآن مجید کے بعد کتب احادیث میں سب سے زیادہ صحیح کتابیں ہیں-

آیت: وَمَا اُمِرُوْا ضمیر کا مرجع یہود و نصاریٰ ہیں جن کو تورات وانجیل کی صورت میں احکامات ملے۔ اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک ماننے والے ہوں اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں۔

النحو: یعبدوا کی ضمیر سے پہلا حال ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں عمل کا ملاوٹوں سے پاک ہونا اخلاص ہے۔ حنفاء نحو یہ دوسرا حال ہے۔ حنفاء ①: تمام ادیان سے ہٹ کر اسلام کی طرف جھکنے والے ② حج کا قصد کر کے سب سے کٹ جانے والے۔ یقیموا الصلوٰۃ یہاں الصلوٰۃ سے فرض نمازیں مراد ہیں اور اقامت ان کو ان کے اوقات میں ادا کرنے کو کہا جاتا ہے۔

یؤتوا الزکوٰۃ: وہ اگر زکوٰۃ ان پر فرض ہو تو وہ ادا کرتے ہیں۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ان کو اس انداز کی عبادت کا حکم تورات وانجیل میں دیا گیا۔

النحو: ذلك دین القیمه: دین مذکر ہے۔ اس سے مراد ملت ہے تاکہ صفت قیمہ درست ہو جائے یعنی ملت مستقیمہ یا دین کا مضاف الیہ الجماعۃ محذوف اور القیمہ اس کی صفت ہے یا ھا مبالغہ کے لئے ہے۔

خلیل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

القیمة: نحو مفرد نہیں بلکہ قیم کی جمع ہے۔ قیم وقائم ایک ہی معنی لکھتے ہیں۔ یا دین القیمه سے مراد دین الملائکہ یا ملت ابراہیم ہے۔ جب دین کی تاویل ملت سے کریں تو اسے ذلك الدین القیمه پڑھتے ہیں۔ (تفسیر کبیر للکواشی)

قول سیوطی رحمۃ اللہ: امام نووی نے ما امروا کو عبادات میں نیت کے لازم ہونے کی دلیل بنایا ہے کیونکہ اس کے بغیر اخلاص میسر نہیں آسکتا۔ (اکلیل للسیوطی)

آیت ② لن تنالوا: تم کمال خیر جو کہ حقیقی نیکی ہے اسے ہرگز نہیں پاسکتے۔ برّ الله: تین چیزیں ہیں: ① رحمت ② رضا اور ③ جنت ہے۔

حتی تنفقوا مما تحبون: (یعنی مال خرچ کرو) یا ما سے مراد مال یا یہ عام ہے جس میں ہر وہ چیز جو خرچ کی جاسکتی ہو وہ مراد ہے مثلاً زندگی اور اس کے مفادات لوگوں کے لئے صرف کرنا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرنا اور روح کو اس کی راہ میں قربان کرنا۔

روایات میں وارد ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ! میرا سب سے زیادہ محبوب بیر حاء (اس زمانہ میں ایک باغ تھا جس میں یہ کنواں تھا اب یہ مسجد نبوی میں شامل ہو چکا ہے) اس کو آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہاں مناسب ہو خرچ کر دیں۔ آپ نے فرمایا: خوب خوب! یہ نفع بخش یا شاندار مال ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم سے اپنے قریبی رشتہ داروں میں بانٹ دو۔

۲: زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنا پسندیدہ گھوڑا لائے اور عرض کیا یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سوار کر دیا۔ حضرت زیدؓ نے عرض کیا میں نے اس کو صدقہ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تیری طرف سے قبول کر لیا ہے (وہ میں نے حقدار کو دیا ہے)

مسئلہ: اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ افضل ترین مال نہایت قریبی مستحق افراد پر خرچ کرنا زیادہ افضل ہے۔ آیت فرض و مستحب ہر قسم کے انفاق کو شامل ہے۔

وما تنفقوا: جو تم پسندیدہ یا غیر پسندیدہ چیز خرچ کرو گے۔ فان الله: اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے اور اس کے مطابق اُس کا بدلہ دیں گے۔

۳ قولہ لن ینال الله الایہ: علامہ قرطبی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نقل کیا کہ زمانہ جاہلیت میں قربانیوں کا خون لوگ بیت اللہ کی دیواروں کو لگاتے تھے (اور اس کو تقرب خیال کرتے تھے) جب اسلام آیا تو مسلمانوں نے ایسا کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

ینال: یہ قبولیت کی مجازی تعبیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہرگز اس تک نہ پہنچے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تفسیر فرمائی ''ہرگز نہیں چڑھے گا'' اور ابن عیسیٰ نے وصول کا معنی کیا۔ یعنی اس تک نہ خون پہنچے گا اور نہ گوشت بلکہ اس کے ہاں تمہارا تقویٰ پہنچے گا جو کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کیا۔ پس اسی کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے اور بلند کرتے ہیں اور اس پر ثواب عنایت فرماتے ہیں۔ انہی میں سے یہ حدیث انما الاعمال بالنیات ہے۔

نمبر۴ قولہ تعالیٰ: قل ان تخفوا: اللہ تعالیٰ تمام سینوں کی مخفی باتیں جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: واسروا قولکم (سورۃ الملک: ۱۳-۱۴) ''تم اپنی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو وہ سینوں کی باتوں کو جانتے ہیں۔ خوب سن لو کہ وہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے''۔ اس کے علم سے آسمان وزمین کا کوئی ذرہ چھپا ہوا نہیں اور نہ کوئی چیز چھپ سکتی ہے۔ وہ تمام عیوب سے پاک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔

ان تمام آیات میں اخلاص والے کو متنبہ کیا اور ریاکاری سے بچنے کی تاکید فرمائی کہ ظاہر میں کسی چیز کے چھپا لینے کے دھوکا میں نہ پڑنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مخفی ترین امور سے واقف ہیں سینے کے وساوس سے بھی اس سے مخفی نہیں۔

تشریح ❁ کچھ راوی کے متعلق: امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا پدری سلسلہ نسب یہ ہے۔ خطاب بن نفیل بن

عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ (تہذیب میں عدی نام لکھا ہے) بن قرط بن رزاح بن عدی یہاں بن کعب بن لوی (یہ لأی کی تصغیر ہے اس کا معنی بیل ہے) کعب میں آپ کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔ کعب بن لوی بن غالب القرشی العدوی رضی اللہ عنہ۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ نے پہلے اوپر والے خاندان قریش کا حوالہ دیا پھر قریش کی شاخ کی طرف العدوی سے بنوعدی کی طرف اشارہ کیا تاکہ تعمیم کے بعد تخصیص حاصل ہو۔ اگر اس کا عکس ہوتا تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوسکتا۔

بعض علماء عام کو ذکر کرنے یا خاص کو ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں' مگر یہ طریقہ بہت کم پایا جاتا ہے۔

عدد مرویات: ۵۷۳ روایات آپ سے مروی ہیں۔ ابونعیم کہتے ہیں طرق کے بغیر فقط متون کے ساتھ دوسو سے زائد روایات آپ کے واسطہ سے منقول ہیں۔ (تلقیح الفہوم لابن جوزی)

۲۶ روایتیں بخاری و مسلم میں ہیں۔ ۳۴ فقط بخاری میں اور مسلم نے ۲۱ روایات ذکر کیں۔ ہم نے تراجم کو طوالت کے ڈر سے چھوڑ دیا ہے۔ صرف روایات کی تعداد اہم حالات' زمانہ وفات ذکر کر دیا زیادہ تر محدث کو انہی باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

النَّحْو: قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول۔ یقول ماضی کے بعد مضارع کو استعمال کیا یہ سمعت کے مفعول سے ① بدل الاشتمال ہے یا نمبر ۲ حال ہے جو کہ مضاف محذوف کو واضح کر رہا ہے۔ ای کلامہ یہ دوسرا قول اسی طرح معروف ہے۔ ماضی کے بعد مضارع لانے کی وجہ یہ ہے: ① سننے کے وقت اپنی کیفیت کو بیان کرنا مقصود ہے۔ ② سننے والے کے ذہن میں اس کیفیت کو جاگزین کرنے کے لئے۔

ایک قول یہ ہے کہ محذوف کی ضرورت نہیں سمع متعدی ہے۔ اس کا پہلا مفعول رسول اور دوسرا جملہ مضارعیہ ہے اس کے متعدی ہونے پر اعتراض بے جا ہے۔

حیثیت روایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت کے ساتھ مروی نہیں حالانکہ اسے بیس صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ ان کی صحت پر اتفاق کے باوجود ابتداء کے لحاظ سے غریب کے درجہ میں ہے اور انتہاء کے لحاظ سے مشہور ہے۔ بعض طبقات میں تواتر کی تعداد مکمل نہ ہونے کی وجہ سے متواتر نہیں ہے۔

انما یہ تقویت حکم کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی لئے اس حکم کا مخاطب کو معلوم ہونا یا معلوم کے درجہ میں ہونا ضروری ہے۔

النَّحْو: جمہور اصولیین کے ہاں یہ کلمہ حصہ ہے۔ نحاۃ کے ہاں نہیں۔

حصر: مابعد کے لئے حکم کو ثابت کرنا اور ماسواء سے نفی کرنا اور کلام عرب میں اس کو اسی لئے لاتے ہیں اصل تو حقیقی معنی ہے مجازی معنی کو حقیقی معنی پر غالب کرنا خلاف اصل ہے اور حکم کا خبر میں بند ہونا یہ قصر مسند الیہ کی قسم سے ہے اور اس لئے موصوف اور مسند کو صفت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ حصر اضافی ہے کیونکہ بعض اعمال میں نیت ضروری نہیں بلکہ خبر میں ایک اور حصر بھی ہے۔ مبتداء جمع ہے اور اس پر الف لام استغراق ہے۔ ماہیت کے لئے نہیں۔ اور انما العمل والی روایت میں مبتداء مغرور ہے مگر الف لام استغراق کی وجہ سے اس میں بھی عموم ہے اور خبر کا خاص ہونا صدیقی زید کی طرح ہے۔ معرفہ ہونے کی وجہ سے مضاف میں عموم پیدا ہوگیا۔ تاکید میں اضافہ کے لئے ان کو یہاں جمع کر دیا گیا۔ ایک صحیح روایت میں انما کو اسی حصہ کے موجود ہونے

کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔

الاعمال: عمل کی جمع ہے یہ حرکت بدن کو کہتے ہیں۔ اقوال بھی اس میں شامل ہیں۔ حرکات نفس بھی مجازاً مراد لی جاسکتی ہیں۔ افعال کی بجائے اس کو اس لئے لاتے ہیں تا کہ افعال قلب جن میں نیت کی چنداں حاجت نہیں وہ اس میں شامل نہ ہوں اور خود نیت اس میں شامل ہو کر دور و تسلسل لازم نہ آئے۔

النحو: اس میں الف لام ① عہد ذہنی کا ہو تو اعمال عادیہ کے علاوہ اعمال مراد ہوں گے کیونکہ اعمال عادیہ میں نیت کی ضرورت نہیں۔ ② استغراق کا ہے مگر استغراق اضافی مراد ہے۔ کیونکہ دلائل سے بہت سی جزئیات خارج ہیں مثلاً قضاء دین' حرام سے باز رہنا اور نکتہ اصل بات یہ ہے کہ ثواب کا دارومدار نیت پر ہے نہ عمل کا۔ اس لئے کہ ترک عمل کے درست ہونے کے لئے نیت اس طرح لازم نہیں کہ اس کے چھوڑنے سے وہ گناہ گار ٹھہرے اور نیت سے خالی عمل میں کوئی ثواب نہ ہو بلکہ اس سے وہ ترک مراد ہے جو کہ فعل نفس ہے۔ جس کی حقیقت یہ ہے کہ شارع کے حکم کی پیروی کا قصد ہو اور اس کے ساتھ اپنے چھوڑنے کا قصد شامل کر لے۔

عمل لسانی: میں نیت لازم نہیں مثلاً قرأت' ذکر' اذان کیونکہ یہاں کوئی ایسی عادی چیز نہیں جس سے الگ کرنے کے لئے نیت کی حاجت ہو۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی غفلت سے بھی ذکر لسانی کرے تو اس کو ثواب ملے گا البتہ قرات و ذکر کی اگر نذر مان لی تو ان میں نیت لازم ہوگی تا کہ فرض و غیر فرض میں امتیاز ہو۔

النحو: بالنیات: ① باسببیہ ہو تو مطلب یہ ہوگا **وجود الاعمال شرعًا مستقر بسببها**۔ شرعی اعتبار سے اعمال کا وجود نیت کے سبب سے قائم ہوگا۔ ② ملابست و مصاحبت کے لئے ہو

قول المحققین: باسببیہ مانیں تو یہ عبادت کا جزء بنے گی اور دوسری صورت میں شرط بنے گی مگر یہ بات درست نہیں بلکہ ہر ایک میں شرطیت و رکنیت کا احتمال ہے کیونکہ ہر ایک ان میں شروط و ماہیت سے ملا ہوا ہے۔ اور ان دونوں کے وجود کا سبب ہے۔

وضاحت: اس کی وضاحت یہ ہے کہ ماہیت کا وہ رکن جزء ہونے کی وجہ سے ہے اور اس کا مغائر اس طرح ہے جیسے جزء کل کا ہوتا ہے۔ پس اس صورت پر جیسے سببیت صادق آتی ہے اسی طرح مصاحبت بھی اور شرطیت کی صورت میں سببیت کا معنی صادق ہونا واضح ہے کیونکہ مشروط کا تو شرط ہی پر دارومدار ہوتا ہے اور رکنیت کی صورت میں تو ماہیت کا جزء چھوڑنے سے خود ماہیت کی نفی ہو جاتی ہے۔ مگر جب اس کو مصاحبت کے لئے تسلیم کریں تو اس میں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہونے کا اعتبار ہوگا کیونکہ معیت سے یہی چیز ظاہر ہوتی ہے اور شرط کا حال بھی ایسا ہی ہے البتہ ملابست کی صورت میں ساتھ ساتھ ہونا لازم نہیں۔

علامہ کازرونیؒ نے شرح اربعین میں با کو استعانت کے لئے قرار دیا ہے۔ پھر اس نے مبتداء کے مضاف کو محذوف قرار دیا اور وہ صحۃ و کمال میں سے جو بھی مان لیا جائے درست ہے۔ میرے ہاں صحۃ الاعمال زیادہ صحیح ہے (دلیل کے لئے شرح الاذکار دیکھیں)

خبر: میں تقدیر عبارت کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے اقتضاء کی کوئی دلالت ہے کیونکہ کلام ظاہر میں اپنے مدلول پر باقی ہے۔

انتفاء نیت سے اعمال کا انتفاء ہو جاتا ہے لیکن شرعی تقاضا ہے جس کی وجہ سے تقدیر عبارت یہ ہے: **انما وجود الاعمال کائن بالنیة** جب وہ نہ ہوگی تو عمل نہ ہوگا اور شرط و رکن کی نفی حقیقت کی نفی کر دیتی ہے۔ یہ بات مسلک شوافع کی موید ہے۔

لطیفہ: پس ثابت ہوا کہ نیت ہر عمل میں لازم ہے۔ البتہ وہ عمل اس سے خارج ہے جس کے استثناء کی دلیل موجود ہو۔ عام مخصوص البعض بھی بعض کو چھوڑ کا بقیہ میں حجت ہوگا۔

النیات: جمع نیت یہ مصدر یا اسم مصدر ہے۔ لغت شرع میں قصد کو کہتے ہیں یہاں یہی مراد ہے۔

عزم وقصد کا فرق

بعض محققین کہتے ہیں کہ ہر چیز کا قصد اس کے فعل سے ملا ہوتا ہے۔ سوائے روزے اور زکوۃ کے کیونکہ ان میں تنگی ہے۔ اگر فعل نیت سے متاخر ہوگا تو وہ عزم کہلائے گا۔ النیات کا لفظ بخاری و مسلم کے ہاں تو جمع سے وارد ہے۔

قول سیوطی: اکثر روایات میں یہ مفرد منقول ہے۔ اس کی وجہ یہ بتلائی کہ نیت کا مقام دل ہے اور وہ ایک ہے پس مفرد مناسب ہے اور اعمال کا تعلق اعضاء ظاہرہ سے ہے اور وہ کئی ہیں پس اعمال کا لفظ جمع لانا مناسب ہے (التوشیخ) علامہ سیوطی کا قول تو مفرد کی حکمت ہے ورنہ یہ اصل میں مفرد ہے کیونکہ مصدر ہے اور اس روایت میں اس کو جمع انواع کے لحاظ سے لائے ہیں۔

انما لکل امرئ: گزشتہ جملہ یعنی وجوب وغیرہ اس لئے لایا گیا تھا تاکہ بتلا دیا جائے کہ عمل نیت کے ذریعہ شرعی عمل کہلائے گا اور یہ جملہ دو وجہ سے لائے کہ ① عمل کی جزاء عامل کی نیت خیر و شر کے مطابق ہوگی۔ ② عمل نیت معینہ سے درست ہوگا۔

ابن علان کہتا ہے کہ اس صورت میں وہ اعمال جن میں تعیین نیت فرض ہے مثلاً فرض نمازیں، سنن موکدہ وغیرہ اس میں سے خاص ہو جائیں گے یا جن میں نیت معتبر ہے۔ ان میں مطلق عبادت عام رہے گی اور مراد یہ ہوگی کہ جن اعمال میں نیت شرعی یعنی رضاء الٰہی سے مقصود ہوگی ان پر ثواب ملے گا اور جن بندوں کو ریا کاری مقصود ہوگی اس کو ثواب سے محروم ہوگی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ پہلے جملہ سے نیت میں نیابت کا ممنوع ہونا معلوم ہو رہا تھا اس جملے کو لا کر ان لوگوں کے لئے نیابت ثابت کر دی جو نیت کی اہلیت نہ رکھتے ہوں مثلاً بچہ، حج بدل کرنے والا وغیرہ۔

دوسرا قول یہ ہے۔ اخلاص کے راز پر متنبہ کرنے کے لئے اس کو پہلے جملے کی تاکید کے لئے لایا گیا۔ یہ مطلقاً جملہ موکدہ نہیں ہے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہ دونوں جملے متغائر ہیں اور یہ جملہ جو بعد میں اس لئے لایا گیا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ نیت بلا تعیین صحیح ہے اور ثواب اس کا لازمہ ہے۔

النحو: ما نوی: اس کے ما کے متعلق تین قول ہیں ①: موصولہ ②: موصوفہ ③ مصدریہ۔ یعنی ہر انسان کو وہی کچھ حاصل ہوگا جو اس نے نیت کی۔ ③ جس چیز کی نیت کی۔ ④ نیت کرنا۔ اس جملہ میں مسند کو مسند الیہ میں بند کیا گیا ہے۔

لطیفہ: علامہ سبکی مرحوم نے نووی کے چار معانی اشعار میں بیان کئے جن میں (امام نووی کی تعریف کی ہے)

اے مقام نووی تو نے خیر کو پالیا اور ہجران کے دکھ سے بچ گیا۔

② تیرے ہاں ایک عظیم عالم نے پرورش پالی۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر اس نے جس چیز کی نیت کی بہت مخلصانہ کی۔

③ وہ فضیلت میں دوسروں سے اس طرح بڑھ گیا جیسے مغز کو گٹھلی پر فضیلت حاصل ہے۔

فمن کانت هجرته: یہ اجمال کی تفصیل ہے کہ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ ہر آدمی کے لئے اپنی نیت کا بدلہ ملے گا خواہ وہ طاعت کی نیت کرے یا معصیت کی تو اب تمام اعمال کی ایک جامع مثال ہونی چاہئے جس میں امر و نہی دونوں جمع ہوں اور وہ ہجرت ہے۔ ممنوع چیز سے رکنا تو ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے متعلق فرمایا: **المهاجر من هجر ما نهى الله عنه**: کہ اصلی مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چیزوں کو چھوڑنے والا ہو۔

باقی کسی امر کی انجام دہی دواعی نفس اور خواہشات کو ترک کرنے سے ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ ہجرت کیونکہ اس کو شامل ہے اس لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے **فاجزاء به**: داخل کر کے اس کو ذکر فرمایا۔

النحو: من: شرطیہ یا موصولہ کیونکہ موصول شرط کے ساتھ عموم میں مشابہت رکھتا ہے اس صورت میں یہ خبر ہے یا عموم کا معنی اس کے اندر پایا جاتا ہے۔

هجرت: لغت میں چھوڑنے کو کہتے ہیں۔ شرعی معنی: دار الکفر کو فتنہ میں مبتلا ہونے کے خطرہ سے چھوڑنا۔

مسئلہ: ہجرت اب بھی واجب ہے۔ باقی **لا هجرة بعد الفتح**: اس روایت کا معنی مکہ سے فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے کیونکہ وہ دارالاسلام بن چکا ہے۔

حقیقت ہجرت: اللہ تعالیٰ کی ناپسند کو چھوڑنا (جیسا دوسری روایت میں فرمایا حقیقی مہاجر وہ ہے جس نے گناہوں کو چھوڑا)۔

ابتداء اسلام میں مکہ سے حبشہ اور پھر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی جاتی تھی۔ اگرچہ حدیث کا سبب خاص ہے مگر حکم عام ہے ہر کہیں سے ہجرت اس میں داخل ہے۔

الى الله و رسوله: یہ اخلاص سے کنایہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی طرف قصد و نیت کے لحاظ سے ہجرت کرے۔ جار مجرور ہجرہ سے متعلق بھی ہو سکتا ہے اور خبر مستقلہ بھی بن سکتا ہے۔

مهجرته الى الله و رسوله: یہ جزاء ہے۔ اس ہجرت کے شرف و مرتبہ کی طرف اشارہ ہے یا اس کا مقبول و منظور ہونا بتلایا گیا ہے۔

النحو: شرط و جزاء متحد نہیں اگرچہ لفظ ایک جیسے ہیں مگر معنی مختلف ہے اتنا تغایر شرط و جزاء وغیرہ میں کافی ہے۔

کان: کا مفہوم ہونا ہے۔ زمانہ مخصوص مراد نہیں ہے۔ ② اصل معنی گزرنا۔ ③ شرط کے موقعہ میں واقع ہونے کی وجہ سے استقبال کا معنی دے رہا ہے۔ شرط ماضی کو مستقبل کے ساتھ خاص کر دیتی ہے اور دوسرے کو اسی پر قیاس کیا جاتا ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہے کہ حکم تکلیفی میں مانع کے علاوہ تمام زمانے برابر ہوتے ہیں۔

و من كانت هجرته لدنيا: دنیا میں لام تعلیلہ ہے یا الی کے معنی میں ہے جیسا روایت میں گزرا **فهجرته الى ما هاجر اليه**: پہلا قول بہتر ہے کیونکہ تعبیر میں تغائر اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ جس کی ہجرت حصول دنیا کے لئے ہوگی تو اس کو سوائے دنیا کے اور کچھ نہ ملے گا۔

دنیا: دال مضموم ہے اس کی جمع دنی ہے جو دنو بمعنی قرب سے ہے۔ ① اس کو آخرت سے پہلے ہونے کی وجہ ② زوال کے قریب تر ہونے کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے۔ آخرت سے پہلے جو کچھ بھی ہے اس کو دنیا کہتے ہیں۔ مجازاً کسی ایک چیز کو بھی دنیا کہہ دیا جاتا ہے۔ پھر اس سے مراد اس کا سامان و اشیاء ہیں گویا یہ مجاز مرسل ہے کہ کسی چیز کو محل کا نام دے دیں جیسے اس آیت

میں فلیدع نادیه: (سورۃ العلق) حمایتیوں کو نادیہ کہہ دیا۔

النحو: یصیبها: یہ حال مقدرہ ہے یعنی اس کو پانے کا قصد کرنے والا ہو۔ مصیبت اور دنیا کے تذکرہ کو جمع کرنے میں نصیحت اور لطیف اشارہ ہے کہ (دنیا نری مصیبت ہے اس سے بچنا)۔ او: یا اس کی ہجرت عورت سے نکاح کی غرض سے ہو (عام کو ذکر کر کے خاص واقعہ کو لایا گیا تاکہ بتلایا جائے کہ عورت کا فتنہ انتہائی ضرر رساں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ما ترکت بعدی فتنة اضر علی الرجال من النساء**: میں نے اپنے بعد سب سے زیادہ نقصان دہ فتنہ مردوں کے لئے عورتوں کا پاتا ہوں)۔ ② سبب حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ علامہ سیوطی نے نقل کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس آدمی نے کوئی چیز پانے کے لئے ہجرت کی اس کو اس آدمی جیسا بدلہ ملے گا جس نے کسی عورت سے شادی کی خاطر ہجرت کی۔ اس عورت کا نام ام قیس تھا۔ اس آدمی کو لوگ مہاجر ام قیس کہنے لگے۔ صاحب فتح الدلہ نے نقل کیا کہ طبرانی نے اپنی سند سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم میں سے ایک آدمی نے ایک عورت ام قیس کو پیغام نکاح بھیجا۔ اس نے اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا اور شرط لگائی کہ اگر وہ ہجرت کرے تو شادی ممکن ہے۔ اس نے ہجرت کر کے اس سے شادی کر لی۔ ہم اسے مہاجر ام قیس کہتے تھے۔ (فتح الدلہ)

ایک قول یہ ہے کہ ام قیس کا نام فتیلہ بروزن قبیلہ۔ ستر پوشی کی وجہ سے اس کا معین نام نہیں بتلایا۔

سوال اس کا یہ فعل اگرچہ مباح تھا پھر دنیا کے ساتھ اس کا تذکرہ کیوں کیا؟

جواب جواب: یہاں دنیا کا تذکرہ یا تو ① اس وجہ سے کیا کہ دنیا کو مقصود نہ بنانا چاہئے۔ ② ام قیس نے اپنے جمال کے ساتھ مال کو بھی ملا لیا تو ام قیس کی خاطر ہجرت کرنے والا دونوں کا قصد کرنے والا تھا یا ③ اس کی ہجرت کے قصد کا سبب اس سے نکاح تھا' اور اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی کے علاوہ کا قصد یہ دنیا ہے۔

النحو: فهجرته الی ما هاجرا الیه: ① ظرف محذوف سے متعلق مبتداء کی خبر ہے۔ ② هجرته کا متعلق ہو کر مبتداء خبر محذوف' ای هجرته قبیحة: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ ما: موصول کو تحقیر اور فاعل کی مذمت کے لئے لائے باجودیکہ وہ مباح فعل ہے کیونکہ اس نے ظاہر تو ہجرت کا قصد کیا اور اس کے اندر الٹ بات کو چھپایا اور یہ قابل مذمت چیز ہے۔ پہلے جملہ میں جزاء وشرط کو اکٹھا لاتے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے تذکرہ سے تبرک حاصل کرنا اور تکرار سے ان کی عظمت بتلانا مقصود ہے اور اس کی ہجرت سے مقصود زیادہ حاصل ہونے والا ہے اس لئے کہ جو آدمی بادشاہ کی تعظیم کے لئے خدمت کرے وہ زیادہ عطیہ پائے گا اس آدمی کی بنسبت جس نے کسی [illegible] خوان سے ایک روٹی کا ٹکڑا لینے کے لئے دوڑ دھوپ کی۔

اور دوسرے موقعہ میں ان کا چھوڑنا ظاہر کرتا ہے کہ اس نے ان کی طرف توجہ نہیں دی۔ یہ انتہائی بلیغ انداز زجر [illegible] یوں کہا: "الی ماهاجر الیه": جس کی طرف اس نے ہجرت کی وہ حقیر و ذلیل اور بے کار ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کا اعراض کسی چیز میں منحصر نہیں پس ایسی چیز لائے جو دنیا میں پائی جاتی ہے اور وہ ماہاجر الیہ ہے نہ کہ هجرت الی الله و الرسول: کیونکہ ہجرت الی اللہ والرسول ایک ہی ہے اس لئے فقط دوبارہ لائے تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے۔

اقوال عارفین: انما الاعمال بالنیات: کا تعلق دلوں میں آنے والے انوار غیبیہ سے ہے۔

نیت: کام کو عملی صورت میں لانے کیلئے ارادے کو اس طرح جمع کرنا کہ اس کے غیر کا تذکرہ اس کے دل میں پھٹکنے نہ پائے۔
لوگوں کی راہیں الگ الگ ہیں: ① عوام تو فضیلت کو بھول کر صرف اغراض کے طلبگار ہوتے ہیں۔ ② جہال کی نیت یہ ہوتی ہے کہ قضاء وقدر کی تکالیف اور مصائب کے نزول سے حفاظت ہو جائے۔ ③ اہل نفاق کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ہاں شان بن جائے۔ ④ علماء کی نیت یہ ہوتی ہے کہ مقرر کرنے والے کی عظمت کی وجہ سے طاعات کو بجالایا جائے۔ طاعات کی عظمت کی وجہ سے نہیں۔ ⑤ اہل تصوف کی نیت یہ ہے کہ جو طاعات ان سے ظاہر ہوتی ہیں ان پر اعتماد چھوڑ دیا جائے۔ نمبر ۶: اہل حقیقت کی نیت ایسی ربوبیت جو عبودیت پیدا کرے۔ طیبی کی نقل کے مطابق اہل حقیقت کی نیت اس ربوبیت میں ہوتی ہے جو عبودیت سے پیدا ہوتی ہے۔
انما لکل امر ما نوی: یہ خوش بختوں کے مقاصد میں سے ہے۔ وہ نچلے درکات سے نکل کر بلند درجات پاتا ہے۔ کہ جو معرفت، توحید، علم، طاعت، اخلاق محمودہ اور جذباتِ حق، انانیت کی فنا اور اپنی معمولی خواہش کو باقی رکھنا وغیرہ ہیں۔ یا یہ مقاصد اشقیاء سے ہے یعنی وہ ایسی چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دور کر دیں۔
فمن کانت هجرته: پس جس کی ہجرت یعنی اس کا اس مقام سے نکلنا جس میں وہ پہلے تھا خواہ فطری استعداد یا منازل نفس میں سے کوئی منزل ہو۔ **الی الله**: اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے۔ **و رسوله**: آپ کے حکم کی اتباع کر کے اور آپ کے اخلاق کو اپنا کر۔
فهجرته الی الله و رسوله : ایسے لوگوں کو عنایات الٰہیہ حدوث وفناء کی ظلمتوں سے نکال کر نور شہود و بقاء کی طرف لے جاتے ہیں۔
ومن کانت هجرته الی دنیا: مال، جاہ بڑھائی وغیرہ کے ساتھ اپنی شہوت حرص کو حاصل کرنے کے لئے ہو وہ حق سے الگ کر دیا جائے گا۔ اس کو فرقت کی اس آگ میں ڈالا جائے گا جو دلوں کو جھانک لیتی ہے۔ جہنم[1] کی آگ مراد نہیں وہ صرف چمڑے کو جلاتی ہے۔ دل تک نہیں پہنچتی (کازرونی نے اربعین نووی کی شرح میں نقل کیا ہے)
تخریج: **متفق علیه**: اس سے بخاری ومسلم مراد ہوتے ہیں۔ مصنف نے اسی کی تشریح کی ہے۔ ان کے علاوہ اس روایت کو ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابوعوانہ، ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح ابن خزیمہ ابن ابی الجارود، طحاوی نے شرح معانی الآثار اور بیہقی نے سنن میں نقل کیا ہے۔ ابن دحیہ کو وہم ہوا کہ اس کو امام مالک نے موطا میں نقل کیا ہے (شرح عمدہ الاحکام قلقشندی) امام زہد، تقویٰ، روایات صحیحہ کی تخریج کا اہتمام کرنے میں علماء نے ان کو مقتدیٰ مانا ہے۔ اسی لئے ان کو امام کہا جاتا ہے۔ مغیرہ بن بردزبہ، بخارا کے حاکم یمان جعفی کے ہاتھ پر اسلام لایا۔ اس لئے جعفی کہلایا۔ ابراہیم بن مغیرہ کے حالات میسر نہیں آتے۔ البتہ اسماعیل نے امام مالک، حماد بن زید اور ابن مبارک سے حدیث سنی ہے۔ ابن حبان نے اس کو طبقہ رابعہ کے ثقات میں لکھا ہے۔ اہل عراق نے ان سے روایت لی ہے۔
الجعفی: یہ مغیرہ کا مولیٰ ہے جس کے ہاتھ پر اس نے اسلام قبول کیا۔ اس کو پہلے ذکر کر کے اشارہ کیا کہ علاقہ کی نسبت پر نسب کی نسبت مقدم ہوتی ہے۔ **البخاری** : یہ وطن کی طرف نسبت ہے۔ پیدائش ۱۹۴ھ ۱۳ شوال کو ہوئی۔ انہوں نے امامٔ احمد، یحییٰ

[1] سورہ ہمزہ میں تو رنار کی یہ صفت لکھی گئی ہے :**التی قطع علی الافئده**۔

بن معین اور دیگر ہزار اساتذہ سے حدیث لکھی۔ ان سے مسلم، ابوزرعہ، ترمذی، ابن خزیمہ، نسائی نے روایت کی ہے۔ ان کے مناقب بہت ہیں وفات ۲۵۶ھ عید الفطر کی رات ہوئی۔ خرتنگ میں مدفن ہیں۔ جو کہ سمرقند سے دو فرسخ ہے۔

بشارت: یہ بچپن میں نابینا ہو گئے خواب میں ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی انہوں نے دعا فرمائی ان کی نگاہ درست ہو گئی۔ اسی بناء پر موقعہ کرب میں بخاری کی تلاوت سے مصیبت دفع ہو جاتی ہے۔

یہ روایت بخاری میں سات مقامات پر مذکور ہے۔

مسلم بن حجاج بن مسلم القشیر ی۔ قشیر قبیلہ اسلم کی ایک شاخ ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ سے تھے۔ نیشاپوری۔ نیشاپوری یہ شہر کی طرف نسبت ہے۔ سابور نے اس مقام کو نزکل سے صاف کرا کر شہر آباد کیا۔ نیسا نزکل کو کہتے ہیں۔ پیدائش ۲۰۴ھ وفات ۲۶۱ھ انہوں نے امام احمد، حرملہ اور دیگر اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ ان سے ابو حاتم رازی ترمذی نے ان سے ایک روایت لی، اسی طرح ابن خزیمہ اور دوسرے بہت سے لوگوں نے علم حاصل کیا۔

کتابیھما: سے بخاری و مسلم مراد ہیں۔

اصح الکتب: محدثین نے اتفاق کیا کہ یہ دونوں اصح الکتب ہیں۔ صحہ کی سات اقسام ہیں۔ ① اعلیٰ قسم وہ ہے جس کو دونوں بیان کریں۔ ② جس کو بخاری نے ذکر کیا۔ ③ پھر اس کا درجہ ہے جس کو مسلم بیان کریں۔ ④ پھر جو روایت ان کی شرط کے مطابق ہو۔ ⑤ اس کے بعد جو بخاری کی شرط پر ہو۔ ⑥ پھر جو مسلم کی شرط پر ہو۔ پھر جس کی صحیح معتبر اور معارض سے محفوظ ہو۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں میں کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب موطا مالک کو پاتا ہوں یہ بخاری و مسلم سے پہلے کی بات ہے۔ جب یہ ظاہر ہوئیں تو یہ اس لقب کی زیادہ حقدار ہیں۔ قول جمہور جس کو بخاری نے اپنی مسند سے نقل کیا کا درجہ اس کے بعد کا ہے۔ البتہ تراجم، تعالیق، اقوال صحابہ و تابعین وہ مسلم سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ مسلم کو من حدیث کا زیادہ علم تھا اگرچہ وہ ان کا شاگرد ہے۔ اسی لئے دارقطنی نے کہا کہ اگر بخاری نہ ہوتے تو مسلم نہ آتا۔ اگرچہ اس سے منصف کا رجع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ مگر اصل بات یہی ہے۔ حافظ ابن حجر مقدمہ ابن صلاح پر ایک نکتہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں اجمالی اعتبار سے تو یہی بات ہے جو اوپر درج کی گئی ہے۔ مگر بخاری کی کتاب کو تفصیل کے لحاظ سے کتاب مسلم پر ترجیح حاصل ہے۔ دلیل یہ ہے کہ صحیح سند کا دارومدار اتصال اور عدالت رواۃ پر ہے اور کتاب بخاری مسلم سے روایت کے لحاظ سے زیادہ اعدل روایت کے لحاظ سے زیادہ متصل ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ جن روات سے صرف بخاری نے روایت لی ہے ان کی تعداد ۴۳۵ ہے ان میں جن پر تنقید ہوئی وہ اسی ہیں اور مسلم نے جن روات سے انفرادی طور پر روایت بیان کی ان کی تعداد ۶۲۰ ہے اور ان میں تنقید یافیہ ۱۶۰ ہیں۔ یہ ظاہر بات ہے کہ جس میں تنقید یافتہ روات کی تعداد کم ہے وہ دوسرے سے زیادہ قوی ہے۔ خواہ تنقید یافتہ روات پر دارومدار نہ بھی ہو۔ باوجودیکہ بخاری کے تنقید یافتہ روات اپنی احادیث کی تخریج سے نہیں بڑھے بخلاف مسلم کے۔

اور یہ بھی بات ہے کہ متکلم فیہ روات میں اکثریت اس کے شیوخ کی ہے جن کو وہ دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں۔ اس لئے کہ ان سے ملاقات ہوئی ان کو پہچانا ان کی روایات کو جانا، اس کے برعکس مسلم کے متکلم فیہ روات اکثر متقدین ہیں جن کی اطلاع نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ بخاری متکلم فیہ کو متابعات وشواہد میں لاتے ہیں۔ مسلم ایسا نہیں کرتے۔
اتصال کے سلسلہ میں امام مسلم کا مذہب ہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنی صحیح کی ابتداء میں اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ معنعن روایت متصل کے حکم میں ہوگی جبکہ معنعن اور معنعن ہم عصر ہوں اگر چہ ان کی ملاقات ثابت نہ ہو۔
جبکہ امام بخاری اس کو اس وقت تک متصل نہیں مانتے جب تک دونوں کی کم از کم ایک ملاقات ثابت نہ ہو۔ اسی بات کے پیش نظر نووی نے کہا کہ اسی بناء پر تو کتاب بخاری راجح ہے اور نووی نے یہ بھی کہا ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلم نے اپنی کتاب میں اس بات کو اپنایا ہو کیونکہ وہ روایت کے کئی طرق جمع کرتے ہیں جن کو دیکھ کر یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ اس قاعدہ پر چلے ہوں الخ۔ عام طور پر تو انہوں نے طرق روایات کو جمع کیا اگر کہیں رہ گیا تو ان کی عظمت کے پیش نظر یہ کہنا ہوگا کہ انہوں نے یقیناً اتصال کے ثبوت میں نہایت محتاط طریق کو اختیار کیا ہوگا۔
المصنفہ: اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ کے ارشاد کی پیروی کی ہے کہ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بعد اور تصنیفات کا درجہ تو ظاہر ہے کتاب اللہ کے بعد ہی کا ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (١/١٦٨) والبخاری (١) و (٥٤) و (٢٥٢٩) و (٢٥٩٨) و (٣٨٩٨) و (٥٠٧٠) و (٦٦٨٩) و (٦٩٥٣) و مسلم (١٩٠٧) و ابوداود (٢٢٠١) والترمذی (١٦٤٧) والطیالسی (٣٧) والبزا (٢٥٧) و ابن حبان (٣٨٨) و ابن خزیمة (١٤٢) والطحاوی (٣ / ٩٦) والدارقطنی (١ / ٥٠) والبیهقی (٧ / ٣٤١) والحمیدی (٢٨) والقضاعی (١١٧٢) وغیرهم من أئمة الحدیث الشریف۔

الفرائد: ① آدمی کو اپنے اعمال میں رضائے الٰہی مقصود ہونی چاہئے اور نیت بھی خالص اس کی رضا کی ہو۔ ② غیر مخلصانہ اعمال قابل قبول نہیں۔ ③ اگر نیت نہ ہو تو عمل نہ ہونے کے برابر ہوگا۔ ④ نیت اس وقت درست ہے جبکہ اس عمل کا حکم معلوم ہو۔ ⑤ نفلی اعمال میں متعدد اجناس کی نیت بھی کی جاسکتی ہے۔ ⑥ واقعہ میں دُنیا کا تذکرہ مزید تنفیر کے لئے ہو۔ ⑦ عموم لفظ کا اعتبار ہے خصوص مسبب کا نہیں۔

٢: وَعَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ اُمِّ عَبْدِ اللّٰہِ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یَغْزُوْ جَیْشُ الْکَعْبَۃَ فَاِذَا کَانُوْا بِبَیْدَاءَ مِنَ الْاَرْضِ یُخْسَفُ بِاَوَّلِھِمْ وَآخِرِھِمْ. قَالَتْ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ یُخْسَفُ بِاَوَّلِھِمْ وَآخِرِھِمْ وَفِیْھِمْ اَسْوَاقُھُمْ وَمَنْ لَیْسَ مِنْھُمْ؟ قَالَ یُخْسَفُ بِاَوَّلِھِمْ وَآخِرِھِمْ ثُمَّ یُبْعَثُوْنَ عَلٰی نِیَّاتِھِمْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ، ھٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ۔

۲: حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک لشکر کعبہ پر حملہ آور ہوگا جب وہ بیداء (ہموار زمین) میں پہنچے گا تو اس لشکر کے اوّل سے آخری آدمی تک تمام کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا ان کے اوّل و آخر کو دھنسا دیا جائے گا حالانکہ ان میں ان کے عام لوگ اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو ان میں سے نہیں ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے اوّل و آخر کو دھنسا دیا جائے گا۔ پھر اپنی نیتوں کے مطابق وہ اٹھائے جائیں گے۔ بالفاظِ بخاری (متفق علیہ)

تشریح ❁ **ام المؤمنین**: ان کو اُم احترام تعظیم اور حرمت نکاح کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ وہ خلوت اور چہرہ پر نگاہ ڈالنے کے لحاظ سے ماں کی طرح نہیں ہیں۔ تمام امہات المؤمنین کا یہی حکم ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب المؤمنین: رحمت ورافت کی وجہ سے ہیں جہاں آپ سے ابوت کی نفی وارد ہے۔ وہ نسب اور متبنیٰ بنانے کے لحاظ سے ہے (نیز رجال سے ابوت کی نفی اس لحاظ سے بھی ہے آپ کا کوئی بیٹا بالغ نہیں ہوا۔ سب چھوٹی عمر میں انتقال کر گئے۔

اُم عبداللہ: یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ہے جو عبداللہ بن اسماء کی وجہ سے اختیار کی۔ ایک قول یہ ہے کہ ناراضگی کی وجہ سے رکھی جوان سے کسی وجہ سے ہوگئی تھی۔

حضرت عائشہ بنت صدیق عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان رضی اللہ عنہم۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح چھ سال کی عمر میں سودہ سے نکاح کے ایک ماہ بعد اور ہجرت سے تین سال قبل ہوا۔ ۲ھ میں بدر سے واپسی کے بعد یہ آپ کے گھر آئیں اس وقت ان کی عمر ۹ سال تھی' آپ کی وفات کے وقت عمر ۱۸ سال تھی۔ آپ کی وفات کے بعد چالیس سال زندہ رہیں۔ ان کی وفات ۵۷۸ھ سترہ رمضان نماز وتر کے بعد ہوئی۔ اس وقت مروان کی طرف سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کی مرویات کی تعداد میں دو قول ہیں: ① ۲۲۱۰ء' ② ۱۰۱۰ مگر یہ کمزور قول ہے۔ بخاری و مسلم میں ۱۷۴ روایات ہیں۔ فقط بخاری نے ۶۴ اور مسلم نے ۶۸ نقل کی ہیں۔ **قالت ...... الکعبة**: مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے خواب دیکھا۔ ہم نے عرض کیا آپ نے آج وہ کام کیا جو پہلے کبھی نہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا عجیب بات یہ ہے کہ میری امت کے کچھ لوگ ایک قریشی آدمی کی خاطر اس گھر کا قصد کریں گے۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ یہ واقعہ ابن زبیر کے زمانہ میں پیش آچکا اور دوسری روایت عبداللہ بن صفوان نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ اللہ کی قسم یہ لشکر وہ نہیں جس کی روایت میں خبر دی گئی ہے۔

قرطبی کا قول: جو آپ نے فرمایا وہ ظاہر ہے۔ اسلئے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا جانے والا لشکر خسف کا شکار نہیں ہوا۔

علامہ عاقولی کہتے ہیں حدیث کو کسی سے مقید نہ کرنا چاہئے بلکہ اس کے اطلاق پر رہنے دیا جائے۔

الکعبة: کعبہ یہ بعتہ' بلندی مکان' ابھار سے ماخوذ ہے۔ **الکعبة**: ہر مربع گھر کو کہا جاتا ہے (قاموس) عرب کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو مربع بنایا۔ ارکان کے متعلق اختلاف اس کے مربع ہونے کے خلاف نہیں۔ کعبہ کو مربع ہونے کی وجہ سے کعبہ کہنا بہتر ہے نہ کہ بلندی کی وجہ سے جیسا کہ پاؤں کی ایڑی کو بلندی کی وجہ سے کعب کہتے ہیں اور یہ وجہ اس کو گول قرار دینے اور مجازاً مربع کہے جانے یا ٹخنے میں گولائی کو نام کا سبب قرار دینے سے زیادہ درست ہے۔ مگر یہ ائمہ لغت کے قول کے مخالف ہے۔

البیداء: چٹیل میدان جس میں کوئی چیز نہ ہو۔ ② یہ بید کی جمع ہے اس کا معنی جنگل ہے۔ (صحاح للجوہری)

سوال کیا اس سے مراد بیداء مدینہ ہے یا کوئی اور؟

جواب اس میں اختلاف ہے۔

من الارض: یہ بیداء کی صفت کے قائم مقام ہیں یعنی مقام بیداء۔

یخسف سیر: ترمذی نے ایک ضعیف روایت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ ''ان کے درمیان والے بھی نہ پہنچ سکیں گے''۔ مسلم

نے حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ لفظ نقل کئے کہ ان کے درمیان والوں کو دھنسا دیا جائے گا پھر ان کے پہلے پچھلوں کو آواز دیں گے تو بقیہ تمام کو بھی دھنسا دیا جائے گا صرف وہ منتشر لوگ رہ جائیں گے جو ان کے متعلق اطلاع دیں گے۔ ان روایات سے ظاہر ہو گیا کہ تمام کو دھنسا دیا جائے گا اعاذنا اللہ منہ۔

قالت: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تعجب سے سوال کیا کہ عذاب کی وجہ سے ان لوگوں کو کیوں دھنسایا جائے گا۔ جو لڑائی کا ارادہ نہ رکھتے تھے؟

باولھم و آخرھم: کا معنی تمام

اسواقھم: یا کم درجہ لوگ۔

من لیس منھم: ایسے لوگ جو لڑائی کے ارادہ سے نہیں آتے راستے سے ان کے ساتھ ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب یہ تھا کہ موت کا وقت آنے کی وجہ سے عذاب عام ہوگا۔ پھر قیامت کو نیتوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

یخسف: بروں کی نحوست سے تابع و متبوع تمام کو دھنسا دیا جائے گا۔

ثم: حساب کے وقت ان کی خیر و شر نیت کا بھی معاملہ برتا جائے گا۔ حدیث میں وارد ہے کہ قوم کی اکثریت اگر معصیت کو اختیار کرے تو سزا تمام کو لازم ہو جائے گی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ عمل کرنے والے کی نیت سے اعمال کا اعتبار ہے۔

مقام عبرت: ظالموں کی دوستی اور مجلس اور ان کی گنتی کو بڑھانا عذاب میں ابتلاء کا باعث بن سکتا ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔ مگر جس کو مجبوری ہو۔ بخاری، مسلم کے علاوہ نے بھی اس کو بیان کیا یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔ مسلم کے الفاظ میں یہ بھی ہے کہ ہم نے کہا کہ راستہ پر مختلف لوگ اکٹھے ہو جایا کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں ان میں کچھ ظالموں کے معاون بھی ہوتے ہیں اور مجبور بھی اور ابن السبیل راہ چلنے والے جو ان سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ آپ نے فرمایا وہ ہلاکت میں تو سب شریک ہوں گے مگر قیامت کے دن لوٹنے میں اپنی نیتوں کے مطابق لوٹائے جائیں گے۔

تخریج: أخرجه احمد (٣٤٧٩٢ / ٩) والبخاری (٢١١٨) و مسلم (٢٨٨٤) و ابن حبان (٧٦٥٥) و أبو نعيم في الحلية (١١/٥)

الفرائد: ① عامل کی نیت کے لحاظ سے عمل کا اعتبار ہے۔ ② ظالموں کے ساتھ اُٹھنا، بیٹھنا اور دوستی درست نہیں۔ ③ جو ظالموں کی نفری بڑھاتا ہے وہ بھی انہی جیسی سزا کا حقدار ہے۔

٣: وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَمَعْنَاهُ: لَا هِجْرَةَ مِنْ مَّكَّةَ لِاَنَّهَا صَارَتْ دَارَ اِسْلَامٍ۔

٣: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔ جب تم کو جہاد کی طرف دعوت دی جائے تو فوراً نکل جاؤ۔ (متفق علیہ) (مراد یہ ہے کہ مکہ سے ہجرت لازم نہیں لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔ پھر جب تمہیں جہاد کی طرف دعوت دی جائے تو

فوراً نکل کھڑے ہو)۔

تشریح ❁ **الاھجرۃ**: یعنی مکہ سے ہجرت نہیں۔

بعد الفتح: فتح مکہ کے بعد۔ بخاری کی مرفوع روایت میں **لاھجرۃ**: بعد فتح مکہ کے الفاظ وارد نہیں ہیں۔ مکہ کی فتح ۸ھ رمضان المبارک میں ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے مکہ دار الکفر تھا فتح سے دار الاسلام بن گیا۔ پس ہجرت کی ضرورت نہ رہی۔

مسئلہ: جن مقامات پر دین قائم نہیں ان سے بالاتفاق ہجرت واجب ہے اور اس روایت کا یہی مفہوم ہے **لا تنقطع الھجرۃ ما قوتل الکفار**۔

علامہ خطابی کہتے ہیں ہجرت کے دو معنی ہیں ① جب لوگ اسلام لاتے اور اپنی قوم میں اقامت اختیار کرتے تو قوم کے لوگ ان کو ایذا دیتے۔ ایسے لوگوں کو دین کی حفاظت اور ایذاء کے ازالہ کے لئے وطن چھوڑنے کا حکم ہوا۔ ② مکہ سے مدینہ کی ہجرت اس کا سبب یہ تھا کہ مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی۔ مسلمان ہونے والے کو ہجرت مدینہ لازم تھی تاکہ نصرت دین کی جب ضرورت پڑے تو بروقت میسر آ سکے۔ فتح مکہ سے یہ ضرورت ختم ہوگئی پہلے قریش مسلمانوں کے لئے جزیرہ عرب میں سب سے بڑا خطرہ تھے اب وہ خود اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس لئے آئندہ مسلمانوں کو اپنے اوطان میں اقامت کا حکم دیا گیا البتہ جہاد کے لئے ہر وقت مستعد رہنے کا حکم ہوا کہ جب ضرورت پڑے فوراً کوچ کریں۔

مصنف رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ اس ارشاد میں نبوت کا معجزہ مذکور ہے کہ مکہ دار الاسلام رہے گا اس سے ہجرت کا تصور بھی نہیں ہوگا۔ حدیث کا ایک اور معنی فتح کے بعد ہجرت تو نہیں مگر اس کی فضیلت فتح مکہ سے قبل ہجرت جیسی ہوگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لا یستوی منکم**......۔

النَّحو: علامہ طیبی رحمہ اللہ نحو لکن کا ما قبل و ما بعد ایک دوسرے کے مخالف ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوگا: **تکن جھاد و نیۃ مطلقاً** ترک وطن تو منقطع ہو گیا۔ لیکن جہاد کی وجہ سے ترک وطن قیامت تک باقی ہے۔ اسی طرح خالص رضاء الٰہی مثلاً طلب علم، حفاظت دین کے لئے ترک وطن اب بھی باقی ہے۔

قول مصنف: ہجرت کی وجہ سے تحصیل خیر تو فتح کے بعد ختم ہوگئی لیکن تم اسے جہاد اور نیت خیر سے حاصل کر سکتے ہو۔

استنفرتم: جب تمہیں جہاد کے لئے بلائے یا جب تم جہاد کی طرف بلائے جاؤ۔

النَّحو: **انفروا**: فا کا فتحہ و ضمہ دونوں جائز ہیں۔ اس کا معنی تم نکلو۔

اس روایت کو بخاری و مسلم کے علاوہ ابوداؤد نے، بعض حصہ امام احمد، ابن حبان، ابوعوانہ، دارمی، ابن الجارود نے بھی نقل کیا۔ ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا۔ (اربعین عز بن فہد)

حاصل کلام ❁ مطلب یہ ہے کہ فتح کے بعد مکہ سے ہجرت واجب نہیں۔ کیونکہ وہ دار الکفر تھا تو ہجرت واجب تھی۔ اب **لانھا صارت دار الاسلام**: علامہ خطابی کہتے ہیں معنی یہ ہے ہر ایمان لانے والے کو مدینہ کی طرف ہجرت واجب نہیں کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد مدینہ میں کم تھی اس لئے ہر مسلمان کو ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت واجب تھی۔ اب فتح کے بعد بڑا خطرہ ٹلنے کی وجہ سے واجب نہ رہی۔

تخریج: اخرجه احمد (۱/۱۹۹۱) والبخاری (۱۸۳٤) و مسلم (۱۸٦٤) و ابو داود (۲٤۸۰) والدارمی (۲۵۱۲) والنسائی ٤۱۸۱) والطحاوی (۳/۲۵۲) والقضاعی (۸٤٤) و ابن حبان (٤۵۹۲) و ابن ماجة (۲۷۷۳) واعبدالرزاق (۹۷۱۱) و ابن الجارود (۱۰۳۰) والطبرانی (۱۰۸٤٤) وغیرهم من ائمة الحدیث الشریف۔

الفرائد: ① اس روایت میں خبر دی گئی کہ مکہ اب ہمیشہ ہمیش کے لئے دارالاسلام رہے گا۔② جہاد کا عمل باقی ہے۔③ نیک اعمال کی نیت تو ہر وقت کی جاسکتی ہے۔

۴: وَعَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِیْ غَزَاةٍ فَقَالَ: اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ لَرِجَالًا مَا سِرْتُمْ مَسِيْرًا، وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا اِلَّا كَانُوْا مَعَكُمْ حَبَسَهُمُ الْمَرَضُ، وَفِیْ رِوَايَةٍ: "اِلَّا شَرِكُوْكُمْ فِی الْاَجْرِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ - وَرَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: رَجَعْنَا مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: اِنَّ اَقْوَامًا خَلْفَنَا بِالْمَدِيْنَةِ مَا سَلَكْنَا شِعْبًا وَلَا وَادِيًا اِلَّا وَهُمْ مَعَنَا، حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ.

۴: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک غزوہ میں آنحضرت ﷺ کی معیت میں تھے۔آپ نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جتنا تم نے سفر کیا اور وادیاں طے کیں وہ تمہارے ساتھ اجر میں شریک ہیں۔ان کو بیماری نے آنے سے روک دیا''۔ایک روایت میں شَرِكُوْكُمْ فِی الْاَجْرِ کے لفظ بھی ہیں۔(مسلم) بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت اس طرح ہے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک سے لوٹ رہے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہمارے پیچھے مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ ہم جس گھاٹی یا وادی میں سفر کریں وہ ہمارے ساتھ اجر میں شریک ہیں۔ان کو عذر نے ہمارے ساتھ آنے سے روک دیا۔

ابوعبداللہ جابر بن عبداللہ انصاری: یہ سلمہ بن سعد کی اولاد سے ہیں جو انصار کا ایک بطن ہے۔جابر رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۱۹ غزوات میں حصہ لیا۔البتہ میں بدر و احد میں حاضر نہ تھا کیونکہ میرے والد نے مجھے روک دیا تھا وہ احد میں شہید ہوگئے تو پھر میں ہر غزوہ میں آپ کے ساتھ رہا۔وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد و ماموں سمیت بیعت عقبہ میں شریک تھا۔میرے والد نقباء میں سے ایک تھے۔بیعت عقبہ میں شریک صحابہؓ میں عمر کے لحاظ سے یہ سب سے چھوٹے تھے۔یہ محبت رسول میں وافر حصہ پانے والے عظیم لوگوں میں سے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۵۴۰ روایات نقل کی ہیں۔جن میں ۶۰ بخاری و مسلم میں ہیں۔۱۶ صرف بخاری اور ۱۲۶ مسلم میں ہیں۔مدینہ منورہ میں ۷۳ھ ۹۴ سال کی عمر میں وفات پائی ان کی بصارت آخر عمر میں چلی گئی۔ان کی نماز جنازہ مدینہ منورہ کے گورنر ابان بن عثمان رحمہ اللہ نے پڑھائی۔مدینہ منورہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے یہی صحابی ہیں۔یہ خود اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں رضی اللہ عنہما۔

کنا مع...... غزا یغزوا غزوا غزوۃ: ایک مرتبہ غزوہ میں جانا۔

غزاة: غازی کی جمع ہے۔غین مفتوح ہے۔(نہایہ)
غُزاة: ضمہ سے غزی یغزِی۔ غُزاہ: یہ قضاة اور فساق کی طرح ہے۔
اِنّ بالمدینه...... مسیراً: مسیر یہ مصدر میمی یا ظرف (چلنے کی جگہ)
ولا قطعتم: اس میں سورۃ توبہ کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے: ولا یقطعون وادیاً......۔
الا کانوا معکم: وہ تمہارے ساتھ اجر میں شریک ہیں۔جیسا دوسری روایت میں وارد ہے: لهم مثل اجرکم مضاعفاً: کیونکہ اس سلسلہ میں ان کی نیت اپنے مجاہد بھائیوں کی طرح ہے۔
حبسهم: ان کو بیماری سے روک دیا۔نیتوں کی درستی کی وجہ سے ان کو نیک اعمال کرنے والوں کے برابر اللہ تعالیٰ نے اجر دے دیا۔(المفہم)
وفی روایة لا شرکوکم فی الاجر...... فی الاجر اور کانوا معکم کا بدل ہے۔
علامہ عاقولی: یہ دلیل ہے کہ وہ اجر میں برابر کے شریک ہیں۔
دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی هذا لی و لك کہے تو مساوات پر محمول کریں گے۔نصفا نصف ہوگا۔
لا یستوی القاعدون: آیت کو غازی کے لئے ترجیح میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔آیت میں وہ بیٹھنے والے مراد ہیں جو معذور نہیں اور اجر میں دونوں کی برابری روایت سے سمجھ آ رہی ہے۔
نووی کی احتیاط: یہ مسلم کی روایت ہے بخاری نے بھی اسے نقل کیا۔مصنف نے اسی لئے متفق علیہ نہیں کہا اگرچہ ایسا اختلاف متفق علیہ ہونے کو مانع نہیں۔
مقدمہ ابن الصلاح کی تشریح میں علامہ ابن حجر نے لکھا ہے۔تبوک شام کی جانب مدینہ منورہ سے ۱۴ مراحل پر واقع ہے۔یہ غزوہ ۹ھ میں پیش آیا۔یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ ہے۔
ازہری کہتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سے کچھ زائد دن گزارے۔
النحو: تبوک غیر منصرف ہے۔باقی بخاری کی کعب بن مالک والی روایت تبوگا: میں منصرف مستعمل ہے اس سے جگہ مراد ہے۔
مع النبی صلی الله علیه وسلم: آپ کی صحبت مراد ہے۔
قواما: سے مراد مرد ہیں جیسا کہ اس آیت لا یسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منهم ولا نساءٌ من نساءٍ: میں ہے۔
شاعر کہتا ہے: أقوم آل حصن ام نساء۔
خلفنا: پیچھے یا ہم نے ان کو پیچھے چھوڑ دیا۔
بالمدینه: یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دار الہجرت ہے۔علم بن گیا۔
شعب: پہاڑوں کے درمیان چھوٹا راستہ۔
وادیا: پانی بہنے کی جگہ (مفردات راغب)

هم معنا: یہ جملہ حالیہ ہے۔
حبسهم العذر: یہ سوال کا جواب ہے جو کہ روایت ابوداؤد میں واضح طور پر آیا ہے کہ مدینہ میں کچھ لوگ موجود ہیں تم جس راہ پر چلو یا جو چیز تم خرچ کرو اور جو وادی تم طے کرو وہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا وہ تو مدینہ میں ہیں وہ ہمارے ساتھ کیسے ہوئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو عذر نے روک دیا ہے (وہ نیت کی وجہ سے تمہارے ساتھ اجر میں پورے شریک ہیں)
عذر: ایسی حالت جو مکلّف کو پیش آ جائے تو وہ آسانی کا حقدار بن جائے۔
تخریج: فی هذا الحدیث فضیلة النیة فی الخیر' وأن من نوی الغزو وغیره من الطاعات' فعرض له عذر منعه' حصل له ثواب نیته' وأنه أکثر من التأسف علی فوات ذالك' و تمنی کونه مع الغزاة و نحوهم' کثر ثوابه' والله تعالیٰ أعلم۔ قاله النووی رحمه الله تعالیٰ۔
الفرائد: ① عمل خیر کی نیت۔ نیة المؤمن خیر من عمله کے مطابق بڑی شان رکھتی ہے۔ ② جس نے کسی بھی نیک کام کی نیت کی پھر شرعی عذر پیش آ گیا تو اس کا ثواب عند اللہ اسے مل گیا۔ ③ جس قدر وہ عمل میں نہ پہنچ سکنے پر افسوس کرے گا' اس کا ثواب بڑھتا جائے گا۔ (نووی)

❊ ❊ ❊

٥ : وَعَنْ اَبِیْ یَزِیْدَ مَعْنِ بْنِ یَزِیْدَ بْنِ الْاَخْنَسِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ ، وَهُوَ وَ اَبُوْهُ وَجَدُّهٗ صَحَابِیُّوْنَ، قَالَ : کَانَ اَبِیْ یَزِیْدُ اَخْرَجَ دَنَانِیْرَ یَتَصَدَّقُ بِهَا فَوَضَعَهَا عِنْدَ رَجُلٍ فِی الْمَسْجِدِ فَجِئْتُ فَاَخَذْتُهَا فَاَتَیْتُهٗ بِهَا۔ فَقَالَ : وَاللّٰهِ مَا اِیَّاكَ اَرَدْتُّ ، فَخَاصَمْتُهٗ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : "لَكَ مَا نَوَیْتَ یَا یَزِیْدُ ، وَلَكَ مَا اَخَذْتَ یَا مَعْنُ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

٥: حضرت ابو یزید معن بن یزید بن اخنس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ میرے والد یزید نے کچھ دینار صدقہ کی نیت سے الگ نکال کر ایک آدمی کو مسجد میں دیئے۔ میں مسجد میں آیا اور اس آدمی سے وہ دینار لے لئے اور والد کے پاس لے آیا۔ اس پر انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میں نے تجھے دینے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنا جھگڑا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: اے یزید! تیرے لئے تیری نیت کا ثواب ہے اور اے معن تو نے جو دینار لئے وہ تیرے ہیں۔ (صحیح بخاری)

معن بن یزید بن الاخنس رضی اللہ عنہم یہ تینوں صحابیؓ ہیں۔ صحابی وہ جس کو آپ کی زندگی میں ایمان کے ساتھ صحبت میسر آئی ہو خواہ ایک لحظہ کے لئے ہو اور اس کی ایمان پر موت آئی ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ تینوں بدری ہیں۔ کرمانی کہتے ہیں ایسا اور کسی کو میسر نہیں آیا۔ ایک قول یہ ہے کہ معن بدری نہیں باقی بدری ہیں۔ حضرت معن پہلے کوفہ پھر مصر پھر شام میں قیام پذیر ہوئے۔ مروان کے زمانہ ۶۴ھ میں مرج راہط میں شہید ہوئے۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ نے ان کو ان صحابہ میں شمار کیا جن کی پانچ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ علامہ

برقی کہتے ہیں انکی صرف دو روایتیں ہیں۔ بخاری ان کی اس روایت میں منفرد ہے۔ ابوداؤد نے بھی ان سے روایت بیان کی۔

کان ابی سے مراد یزید ہے۔

تخریج: أخرجه البخاری (١٤٢٢) والدارمی (١٣٦٨) وأحمد (١٥٨٦٠ . ٥)

الفرائد: ① مواہب وعطیات ربانیہ کو تحدیث نعمت کے طور پر بیان کرنا چاہئے۔

② باپ' بیٹے کو اپنے معاملات میں کسی سے فیصلہ کروانا درست ہے۔

③ صدقہ میں اس کو نائب بنانا درست ہے۔

④ صدقہ کرنے والے کو اس کا اجر پورا مل جائیگا خواہ وہ مستحق تک پہنچا یا نہیں۔ بشرطیکہ انسانی حد تک تحقیق کر کے دیا ہو۔

⑤ باپ' بیٹے سے صدقہ نفلی تو نہیں لوٹا سکتا' البتہ ہبہ لوٹا سکتا ہے۔

٦ : وَعَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ مَالِكِ بْنِ اُهَیْبِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ ابْنِ زُهْرَةَ بْنِ كَلَابِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَیِّ الْقُرَشِیِّ الزُّهْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ، اَحَدِ الْعَشَرَةِ الْمَشْهُوْدِ لَهُمْ بِالْجَنَّةِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ قَالَ :"جَآءَ نِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَعُوْدُنِیْ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ مِنْ وَجَعٍ اشْتَدَّ بِیْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ قَدْ بَلَغَ بِیْ مِنَ الْوَجَعِ مَا تَرٰی وَاَنَا ذُوْ مَالٍ وَلَا یَرِثُنِیْ اِلَّا ابْنَةٌ لِیْ اَفَاَتَصَدَّقُ بِثُلُثَیْ مَالِیْ؟ قَالَ : لَا قُلْتُ : فَالشَّطْرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ لَا قُلْتُ؟ فَالثُّلُثُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِیْرٌ اَوْ كَبِیْرٌ۔ اِنَّكَ اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْنِیَاءَ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً یَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ ، وَاِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِیْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ عَلَیْهَا حَتّٰی مَا تَجْعَلُ فِیْ فِیْ امْرَاَتِكَ قَالَ فَقُلْتُ : یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُخَلَّفُ بَعْدَ اَصْحَابِیْ؟ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تُخَلَّفَ فَتَعْمَلَ عَمَلًا تَبْتَغِیْ بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا ازْدَدْتَّ بِهٖ دَرَجَةً وَّرِفْعَةً ، وَلَعَلَّكَ اَنْ تُخَلَّفَ حَتّٰی یَنْتَفِعَ بِكَ اَقْوَامٌ وَّیُضَرَّ بِكَ آخَرُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اَمْضِ لِاَصْحَابِیْ هِجْرَتَهُمْ وَلَا تَرُدَّهُمْ عَلٰی اَعْقَابِهِمْ لٰكِنَّ الْبَآئِسَ سَعْدَ بْنَ خَوْلَةَ" یَرْثِیْ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ مَاتَ بِمَكَّةَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

٦: حضرت ابو اسحٰق بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جن کو (دنیا میں اکٹھی) جنت کی خوشخبری دی گئی۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ میرے پاس حجۃ الوداع والے سال عیادت کیلئے تشریف لائے کیونکہ میں شدید درد میں مبتلا تھا۔ میں نے عرض کیا آپ دیکھ رہے ہیں کہ میرا درد کس قدر شدید ہے اور میں مالدار ہوں اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے۔ کیا میں مال کا دو تہائی صدقہ کر دوں؟ ارشاد فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا آدھا مال یارسول اللہ؟ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا تیسرا حصہ یارسول اللہ؟ ارشاد فرمایا: تیسرا اور تیسرا حصہ بہت یا بڑا ہے اگر تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ تم ان کو تنگ دست و

محتاج چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں اور تم جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے خرچ کرو گے اس پر اجر پاؤ گے حتیٰ کہ وہ لقمہ بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے چھوڑ دیا جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا تم ہرگز پیچھے نہیں چھوڑے جاؤ گے (اگر ایسا ہوا تو اس میں تمہارے لئے بہتری ہے) جو عمل بھی ان کے بعد تم اللہ کی رضا مندی کیلئے کرو گے۔ اس سے تمہارے درجہ اور مرتبہ میں اضافہ ہوگا اور شاید تمہیں پیچھے رہنے کا موقعہ ملے۔ یہاں تک کہ اس سے کچھ لوگوں (مسلمانوں) کو فائدہ اور دوسروں (کافروں) کو نقصان پہنچے (پھر دعا فرمائی) اے اللہ میرے صحابہ کیلئے ان کی ہجرت کو پورا فرما اور ان کو نامراد واپس نہ فرما۔ لیکن قابل رحم سعد بن خولہ ہے کہ جن کیلئے رحمت و ہمدردی کی دعا اللہ کے رسولؐ فرما رہے ہیں۔ کیونکہ ان کی وفات مکہ میں ہوگئی تھی (وہ ہجرت نہ کر سکے)۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ کلاب: جمع کلب۔ یہ کالب کے مصدر سے منقول ہے۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ ایک اعرابی سے کسی نے پوچھا تم اپنے بیٹوں کے نام برے کلاب، ذئب اور غلاموں کے نام اچھے رباح مرزوق رکھتے ہو۔ اس نے جواب دیا بیٹوں کے نام دشمنوں کو جلانے کے لئے غلاموں کے نام اپنے کو سہلانے کے لئے۔ تو عربوں نے یہ نام منتخب کئے۔

کلاب: وہ شخص ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد و والدہ کا نسب جمع ہو جاتا ہے۔ ان کا نام حکیم یا عروہ تھا۔

ابن مرہ۔ کعب: یہ پہلا آدمی جس نے لوگوں کو عروبہ کے دن جمع کیا۔ جب قریش جمع ہو جاتے تو یہ خطبہ دیتا اور ان کو آپ کی بعثت کے متعلق بتلاتا اور کہتا وہ میری اولاد سے ہوں گے۔ وہ کہتا کہ تم ان پر ایمان لا کر ان کی اتباع کرنا۔

لوئ ابن غالب: حضرت سعد قریشی کی شاخ بنو زہرہ سے ہیں۔ یہ قدیم الاسلام ہیں۔ مہاجرین اولین سے ہیں۔ یہ بدر اور بعد والے معرکوں میں شریک رہے۔ یہ فارس الاسلام کہلاتے تھے۔ یہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ حافظ زین الدین عراقی نے ان کو جمع کیا ہے۔

وافضل اصحاب النبی مکانة ☆ ومنزلة من بشر وابجنان

سعید زبیر سعد عثمان عامر ☆ علی ابن عوف طلحة العمران

یہ مجلس شوریٰ کے ان چھ افراد میں سے تھے، غزوات میں یہ آپ کے خیمہ کا پہرہ دیتے۔

ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **فداك ابی و امی ایها الغلام الحرور**: اور یہ دعا فرمائی: **اللهم سدد رمیته واجب دعوته**: اے اللہ تعالیٰ ان کے نشانے کو ٹھیک بیٹھا اور ان کی دعا کو قبول فرما اور فرمایا یہ میرے ماموں ہیں کوئی میرے ماموں جیسا ماموں ہوتے (شرح الاذکار) ان کو زخم آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفایابی کی دعا فرمائی جو منظور ہوئی۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں کفر کا خون بہایا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہلا تیر چلایا۔ شجاعت و استقامت، اتباع سنت اور زہد و ورع، قبولیت دعا اور سچائی و تواضع میں معروف تھے۔ مرویات کی تعداد دو سو ستر۔ ابن جوزی نے تلقیح میں ۲۷۱ تحریر کی ہیں۔

ابو نعیم کہتے ہیں طرق کے علاوہ ایک سو نے زائد حدیثیں روایت کی ہیں۔

برقی کہتے ہیں محفوظ روایات کی تعداد ستر ہے۔ بارہ متفق علیہ صرف بخاری پندرہ اور مسلم نے ۱۸ روایت کی ہے۔

انہوں نے مقام عقیق جو مدینہ سے سات میل ہے اپنے محل میں وفات پائی۔ مدینہ میں کندھوں پر اٹھا کر لائے گئے۔ مروان بن حکم جو اس وقت مدینہ کا والی تھا نماز جنازہ پڑھائی۔ ازواجِ مطہراتؓ نے بھی ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ مہاجرین میں سب سے آخری صحابی ہیں جنہوں نے مدینہ میں وفات پائی۔ جب موت کا وقت آیا تو اپنا پرانا جبہ منگوایا اور فرمایا مجھے اس میں کفن دینا میں بدر کے دن مشرکین کے بالمقابل اسے پہنے ہوئے تھا۔ ان کی وفات ۵۸ یا ۵۵ ھ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر ۶۰ سے اوپر یا ۷۰ یا ۸۰ یا ۹۰ سال تھی۔

خاء نی: اس سے معلوم ہوتا بڑوں کو چھوٹوں کی عیادت کے لئے جانا چاہئے۔ اس سے تو تواضع اور نرمی کا سبق ملتا ہے۔

عام حجة الوداع: اس کا نام حجۃ الوداع اسی لئے پڑا کیونکہ آپ نے اپنی امت کو الوداع کیا۔ اس کو حجۃ البلاغ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: **هل بلغت**: اور حجۃ الاسلام بھی ہے کیونکہ یہ پہلا حج ہے جس کو فقط مسلمانوں نے کیا اس میں کوئی مشرک نہ تھا۔

من وجع: ایک روایت میں ہے کہ میں درد سے قریب المرگ ہو چکا تھا۔ **فقلت یا رسول الله:** اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مریض اپنے مرض کا اظہار علاج، دعا یا وصیت و استفتاء حال کے لئے کر سکتا ہے۔ البتہ جہاں ممانعت وارد ہے وہ ناراضگی مرض پر اظہار ناراضگی کی صورت میں ہے کیونکہ اس نے اپنی بیماری کے اجر کو ضائع کر دیا۔

انا ذو مال: ذو مال، کثیر مال کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے مال کا جمع کرنا مباح ہے۔

ولا یرثنی: بیٹا یا خاص وارث ورنہ ان کے عصبات تو موجود تھے۔ ایک معنی یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصحاب فروض میں سے میرا کوئی وارث نہیں۔

الا ابنة لی: اس کا نام عائشہ تھا۔ اس وقت یہی بیٹی تھی بعد میں ان کے ہاں اولاد ہوئی۔ حافظ ابن حجر اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس بیٹی سے مراد ام الحکم الکبریٰ ہے جس کی والدہ شہاب بن عبداللہ بن الحارث کی بیٹی تھی میری نظر سے نہیں گزرا کہ یہ کسی اور نے لکھا ہو۔

افا تصدق ثلثی مالی: یہاں صدقہ سے وصیت مراد ہو سکتی ہے اور صدقہ بھی مراد ہو سکتا ہے ہمارے ہاں دونوں کا حکم برابر ہے۔ تمام علماء کہتے ہیں کہ کل مال کے ثلث سے زائد وصیت ورثا کی رضامندی سے نافذ ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔

النحو: قال لا، قلت فالشطر: ① جملہ ابتدائیہ مانیں تو الشطر اتصدق به: کہ کیا میں نصف مال صدقہ کر دوں۔

② فعل محذوف کا فاعل ہے أفیجوز الشطر؟

③ علامہ ابن حجر نے مفعول قرار دے کر اسمی الشطر یا أعین الشطر: کہ میں نصف مقرر کرتا ہوں۔ پھر رفع کو بھی جائز کہا ہے۔

النحو: قال لا قلت فالثلث: رفع ونصب الثلثُ: سے ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الثلثُ، یکفیك الثلثُ یا المشروع الثلث۔ یا الثلث کافیك: خبر محذوف، اور نصب کی صورت مبتداء محذوف میں اعط الثلث: تم ثلث دے ڈالو۔

والثلث کثیر: یہ کثیر کا لفظ صحیح ہے (تحفۃ القاری)

کبیر: نووی نے شرح مسلم میں اس کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ مگر علامہ ابن حجر نے پہلے کو محفوظ کہا اور اس کا معنی یہ کیا کہ وہ ما دون کے لحاظ سے کثیر ہے۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ثلث مال سے صدقہ کے جواز کے لئے لایا گیا ہو اور بہتر یہ ہے کہ اس سے کم ہو اور میرے نزدیک یہی ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ثلث کا صدقہ اکمل ترین ہے۔ اس کا اجر تھوڑا نہیں بہت ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس معنی کو ترجیح دی ہے۔ کثرت ایک نسبتی چیز ہے۔

انّکَ: ہمزہ فتح زیادہ بہتر ہے۔ والثلث کثیر: میں جو چیز متضمن ہے اس کی یہ علت ہے کہ ① اس کو ثلث کی وصیت مناسب نہیں بلکہ اس سے کچھ کم کر لینا چاہئے۔ ② جملہ مستانفہ کے طور پر فتحہ ہے اور اس میں بھی اس علت کی طرف اشارہ ہوگا۔

النحو: ان تذر ورثتك اغنياء: ① ہمزہ مفتوحہ ہے اس سے پہلے لام مقدر ہے۔ لان: یہ جملہ محلاً مجرور یا منصوب ہے۔ ② مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کی خبر خیرٌ ہے اور پہلی صورت میں یہ ان کی خبر ہے۔ ③ ہمزہ کا کسرہ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ کہتے ہیں ہم نے رواۃ حدیث سے کسرہ سنا ہے۔ پھر یہ ان شرطیہ اور اس کا جواب قبل جملہ بمع محذوف فهو خير ہو اگر یہ روایت درست ہو تو حذف کی ضرورت نہ رہے گی۔

من ان تذرهم: کا معنی چھوڑنا۔

عالة: فقراء۔

يتكفون الناس: لوگوں سے خیرات مانگتے پھریں۔

مسئلہ: اس حدیث میں بتلایا گیا کہ ذی رحم اقارب کے ساتھ صلہ رحمی اور احسان کرنا چاہئے اور ورثہ پر شفقت کرنی چاہئے۔ قریبی رشتہ صلہ رحمی میں دوسے زیادہ حق رکھتا ہے۔

وانك لن تنفق تفقة: یہ انك ان تذر: کا معطوف ہے' یہ دونوں ثلث سے زیادہ وصیت کی نفی کی علت ہیں۔ گویا کلام اس طرح ہے تم ایسا مت کرو کیونکہ اگر تمہاری موت اس حالت میں ہو کہ تمہارے ورثا خوشحال ہوں تو یہ تیرے لئے بہتر ہے اور اگر تم زندہ رہے اور صدقہ کیا اور خرچ کیا تو دونوں حالتوں میں تمہیں اجر ملے گا۔ یہاں تنفق کی تعبیر ہے حالانکہ اخلاص کی شرط اسی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ ہر مالی یا فعلی تصرف میں تعاولاً جاری ہوتی ہے۔ انفاق کا لفظ اس مقام پر استعمال کرتے ہیں جو خیر میں خرچ کیا جائے۔ دیگر مال کے لئے حسنٰی اور صنیع کا لفظ بولا جاتا ہے۔ بقول ابوحمزہ اس میں متنبہ کیا گیا کہ اس کے علاوہ بھی اعمال بر میں صرف کرنا چاہئے۔

تبتغى بها وجه الله: یعنی محض اللہ تعالیٰ کے لئے جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہوتا ہے۔

الاجرت: یہ مجہول یعنی اللہ تعالیٰ تم کو اجر دے گا۔

عليها: اور بها: دونوں فتح ہیں کیونکہ یہ عمل صالح میں سے ہے۔

حتى ما تجعل: حتی عاطفہ ہے اور نحو ما اسم موصول محل نصب میں ہے۔ اس کا نفقہ پر عطف ہے۔ ② ابتدائیہ جملہ بنائیں تو مبتداء ہے ای الاجرت بالنفقة التي تبتغى بها وجه الله حتى بالتي الذى تجعله فى فم امرأتك: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اہل وعیال پر خرچ کرنے میں ثواب اس وقت ملے گا جب اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کسی مباح کام میں جب خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کیا جائے تو وہ ایسی طاعت بن جاتا ہے

جس پر ثواب ملے گا۔ بیوی کے منہ میں ملاعبت و مداعبت کے وقت لقمہ ڈالنا یہ معاملہ بھی طاعت سے دور تھا مگر شارع نے بتلایا کہ اس پر ارادے کی وجہ سے اجر ملے گا تو دوسرے اعمال پر بدلہ ملنا بالکل ظاہر ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب انسان کوئی کھانے پینے جیسا مباح کام کرتا ہے اور اس میں وہ رضا الٰہی کی نیت کر لیتا ہے مثلاً قیام لیل کے لئے وہ معاون بن جاتا ہے تو اس پر ثواب ملتا ہے۔

انك: کے پہلے انك: پر عطف کی وجہ یہ ہے کہ یہ بتلایا جائے کہ ثلث کثیر ہے اور دنیا و آخرت میں اس پر کتنا ثواب ملے گا۔ یعنی تم ثلث کو قلیل مت سمجھو۔ جب تم اس کو دے دو گے تو بہت بڑا ثواب پا لو گے اور جو ورثاء کے لئے باقی چھوڑ دو گے اس سے وہ ذلت سوال سے اپنی ذات کی حفاظت کریں گے اور اس سے تو اپنی زندگی میں کی جانے والی کوتاہیوں کا تدارک کرے گا۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے: ''ان الله اعطى عبده ثلث ماله في آخر عمره بيتدارك به ما فرط منه'': اللہ تعالیٰ بندے کو آخری عمر میں ثلث مال دیتے ہیں تا کہ اس سے اپنی زیادتیوں کا تدارک کرے۔

قال فقلت يا رسول الله اخلف: ایک نسخہ بخاری میں أأخلف: ہمزہ استفہام کے ساتھ ہے۔ کیا میں ساتھیوں سے مکہ میں پیچھے رہ جاؤں گا۔ بعد اصحابي: ان کے آپ کے ساتھ لوٹ جانے کے بعد۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ یہ بات انہوں نے مکہ میں موت آ جانے کے خطرے سے کہی کیونکہ وہ مکہ کو اللہ تعالیٰ کی خاطر چھوڑ چکے تھے اس سے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں یہ بات میری ہجرت یا ثواب میں کمی کا باعث نہ بن جائے یا مرض کی وجہ سے اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جانے کا خطرہ محسوس کیا۔ صحابہ کرام اس چیز کی طرف رجوع کرنے کو ناپسند کرتے تھے جس کو وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر چھوڑ دیتے تھے۔ اسی لئے دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں۔ أخلف عن هجرتي: میں اپنی ہجرت سے پیچھے رہ جاؤں گا۔ قاضی کہتے ہیں اسی حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ حکم ہجرت فتح کے بعد بھی باقی ہے اور بعض نے کہا یہ حکم اس کے لئے تھا جنہوں نے فتح سے پہلے ہجرت کی۔ اھ۔

تبتغي: قصد کرنا۔ وجه الله: محض اللہ تعالیٰ کے لئے۔ الا ازددت به درجة: جنت میں درجہ بڑھے گا۔ رفعةً: بلندی ملے گی۔ مسئلہ ① اس سے طویل عمر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے جو عمل صالح میں اضافہ کا ذریعہ بنے۔ ② عمل محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرنا چاہئے۔ ولعلك ان تخلف: کہ شاید تمہاری عمر طویل ہو۔ حتى ينتفع بك اقوام: کچھ لوگ تیری وجہ سے اپنے دین و دنیا کا فائدہ پائیں گے۔ ويضربك آخرون: اور دوسرے لوگ (کفار) کو نقصان پہنچے گا۔

اخبار مغيبات: یہ زندہ رہے اور عراق وغیرہ علاقوں کو فتح کیا۔ مسلمانوں کو ان سے فائدہ اور کفار کو دین و دنیا کا نقصان اٹھانا پڑا۔ کفار واصل جہنم ہوئے۔ کچھ قید ہوئے عورتیں اور بچے غلام بنے علاقے اور اموال غنیمت بنے۔ عراق کے والی بنے ان کے دست اقدس پر بہت سے کافر اسلام لائے اور انہوں نے حق کو قائم کیا۔

اللهم: یہ یا اللہ ہے (شرح اذکار ملاحظہ کریں) امض: ہمزہ مفتوح ہے تو پوری کر۔

لا صحابي هجرتهم: قاضی کہتے ہیں بعض نے اس سے استدلال کیا ہے کہ مہاجر کا مکہ میں رہنا کیسے قابل مذمت تھا۔ میرے ہاں اس میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ ان کے لئے دعا عامہ کا احتمال رکھتی ہے۔ لكن البائس: بائس وہ آدمی جس نے شدت فقر، تنگدستی کو ترجیح دی ہو۔

سعد بن خوله: یہ سبیعہ اسلمیہ کے خاوند کا نام ہے۔یرثی له: مشفقت ورحمت کا اظہار کرتے ہیں۔لانه مات بمكه: کیونکہ انہوں نے مکہ میں وفات پائی حالانکہ انہوں نے اس سرزمین سے ہجرت کی تھی۔

علماء کا قول: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تو سعد بن خولہ تک مکمل ہو گیا۔ بعد والے الفاظ راوی کے مدرج ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ الفاظ سعد کے ہیں اور بعض روایات میں وضاحت بھی موجود ہے۔ایک قول یہ ہے کہ یہ زہری کا کلام ہے۔سعد بن خولہ کے متعلق اختلاف ہے۔ ① انہوں نے مکہ سے ہجرت نہ کی اسی حال میں وفات پائی' ② ہجرت کر کے بدر میں حاضر ہوئے۔ پھر مکہ لوٹے اور وہیں وفات ہوگئی۔ ③ حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی' بدر کے معرکہ میں شرکت کی اور حجۃ الوداع ۱۰ھ مکہ میں وفات پائی۔بعض نے کہا ۷ھ میں وفات پائی۔ یہ مدینہ سے مکہ میں رہائش کے لئے نکلے۔ پہلے قول کے مطابق بؤس کا سبب ہجرت نہ کرنا ہے اور دوسرے قول کے مطابق اور آخری قول کے مطابق بؤس کا سبب عمل ہجرت کا ختم ہونا ہے کیونکہ انہوں نے مدینہ چھوڑ کر مکہ میں رہائش اختیار کر لی اور تیسرے قول کے مطابق بؤس کا سبب مکہ میں موت ہے خواہ اس کا سبب کوئی ہو۔اگر چہ یہ موت ان کے اختیار میں تو نہ تھی۔ کیونکہ مکہ میں موت سے وہ ہجرت کا کامل اجر فوت ہو گیا اور دارِ غربت میں جس کو اللہ تعالیٰ کی خاطر چھوڑا تھا وفات پا گئے۔

(شرح مسلم نووی' موطا امام مالک' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' جامع الاصول)

تخريج: أخرجه مالك (١٤٩٥) وأحمد (١٥٢٤ / ١) والبخاری (٥٦) وغیره و مسلم (١٦٢٨) وأبو داود (٢٨٦٤) والترمذی (٢١١٦) والنسائی (٤١٨٥) و ابن ماجه (٢٧٠٨) والبخاری فی الأدب المفرد (٧٥٢) وأبو يعلى (٨٣٤) و ابن حبان (٤٢٤٩) و (٦٠٢٦) و ابن الجارود (٩٤٧) و عبدالرزاق (١٦٣٥٧) والطيالسی (١٩٥) و (١٩٧) والبيهقی (٦ / ٢٦٨ / ٢٦٩) والدرامی (٣١٩٦) والبغوی فی المشكاة (١٤٥٩) وغيرهم من ائمة الحديث الشريف۔

الفرائد: ① بیوی پر خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر خرچ کرے تو اس پر بھی ثواب ملے گا۔

② معلوم ہوا کہ طبعی اعمال بھی نیک نیت سے قابل اَجر بن جاتے ہیں۔

③ بیوی کے مُنہ میں بطور ملاطفت ڈالا جانے والا لقمہ بھی قابل اَجر ہے۔

٧ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ صَخْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى اَجْسَامِكُمْ ، وَلَا اِلٰى صُوَرِكُمْ، وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

٧: حضرت ابو ہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور شکلوں کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے دلوں (اور اعمال) کو دیکھتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

ابی هريرة کا کرہ ہے کیونکہ یہ جزءِ اسم علم ہے۔ ② غیر منصرف ہے ۃ مفتوح پڑھیں گے یہ مکمل کلمہ بن گیا ہے۔ایک لفظ میں اصل وحال کا لحاظ کیا گیا اور یہ درست نہیں' بلکہ لفظ ہریرہ جب فاعل ہو تو اس پر اصل کا لحاظ کر کے مضاف الیہ کا اعراب آتا ہے اور حال کو دیکھیں تو غیر منصرف ہے تو جواب یہ ہے کہ ایک جہت سے دونوں باتوں کی رعایت ممنوع ہے۔ جانبین سے نہیں جیسا کہ یہاں ہے گویا تخفیف نے اس پر آمادہ کیا۔

یہ کنیت اس قدر مشہور ہوئی کہ اصل نام کو لوگ بھول گئے اس میں اختلاف ہوا اور والد کے نام میں بھی اس قدر اختلاف ہوا کہ ۳۵ اقوال وارد ہیں، سب سے زیادہ صحیح عبدالرحمٰن بن صخر رضی اللہ عنہ۔

علامہ عبدالبر رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ کنیت کی وجہ یہ ہوئی کہ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اپنی آستین میں بلی اٹھائے ہوئے تھا۔ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا تو آپؐ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا ہرۃ۔ آپ نے فرمایا: یا ابا ہریرہ: اسحاق کی روایت میں یہ لفظ ہیں میں نے ایک بلی پالی میں نے اسے آستین میں اٹھالیا۔ مجھے پوچھا گیا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا بلی ہے تو مجھے کہا جانے لگا: انت ابو ھریرہ بعض نے کہا پہلے قول کو راجح کہا اور اقوال بھی ہیں۔ یہ خیبر والے اسلام لائے۔ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حصول علم کے لئے مکمل خوشی سے لازم پکڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر وقت چمٹے رہے۔ اسی لئے یہ صحابہؓ میں سب سے زیادہ آپ کی باتیں یاد کرنے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علم وحدیث پر حرص کی گواہی دی۔ بقول بخاری ان سے آٹھ سو روایات ہیں جو صحابی و تابعی کے درمیان ہیں۔ ان کی روایات ۵۳۷۴ ہیں۔ بخاری و مسلم میں ۳۰۰ ہیں۔ فقط بخاری نے ۷۳ روایات نقل کی ہیں یہ مدینہ منورہ ہی میں رہے وہیں ۵۹/۵۸/۵۷ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئے۔ عسقلان کے قریب ان کی جو قربت لائی گئی ہے وہ درست نہیں وہ حیدرہ نامی صحابی کی قبر ہے۔

قال ...... **صورکم** اللہ تعالیٰ صورتوں اور شکلوں پر نہ اجر دیتے اور نہ قرب دیتے ہیں۔ جیسا اس آیت میں **وما اموالکم ولا اولادکم** ...... **عمل صالحاً**: الایۃ۔

نظر اللہ: بدلہ دینے کے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں **ولا ینظر الیھم** میں یہی معنی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے موجودات کو دیکھنے اور مطلع ہونے میں کوئی موجود دوسرے موجود کے لئے رکاوٹ نہیں۔ بلکہ اس کی اطلاع تمام اشیاء کے لئے عام ہے کیونکہ آسمان وزمین کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب وثواب اعمال ظاہر کے اعتبار سے نہیں بلکہ وہ دل کے اعتبار سے ہے۔

ولکن ینظر الی قلوبکم: حدیث میں دل کے احوال وصفات کی طرف توجہ کا حکم ہے کہ اس کے علوم پختہ اور مقاصد وعزائم درست ہونے چاہئیں اور ہر مذموم صفت سے وہ پاک ہو اور ہر اچھی صفت سے مزین ہو کیونکہ دل اللہ تعالیٰ کی نگاہ پاک کا محل ہے۔ پس عالم کو چاہئے کہ جس قدر اللہ تعالیٰ کو اس کے دل کے متعلق اطلاع ہے وہ اپنے دل کی صفات واحوال کا حتی الامکان جائزہ لے کہ کہیں دل میں کوئی ایسا مذموم وصف تو نہیں جو اللہ تعالیٰ کو ناراض کردے گا۔

شاندار قول: یہ بات ثابت ہوئی کہ دل کی اصلاح جوارح کی اصلاح سے زیادہ قابل توجہ ہے۔ کیونکہ قلبی عمل اعمال شرعیہ کی تصحیح کرسکتا ہے اور کوئی شرعی عمل اسی وقت ہی صحیح ہوتا ہے جب اس کا کرنے والا اپنے فرض کو جانتا ہو اور عمل مخلص نہ ہو اور پھر وہ عمل مکمل تو اس وقت ہوگا جب احسان کے درجہ کو پہنچے۔ اب جبکہ عمل قلب عمل ظاہر کو درست کرنے والا ہے اور عمل قلب تو ہمارے سامنے نہیں اسی لئے کسی عمل خیر کرنے والے کے متعلق خیر کا قطعی حکم نہیں لگا سکتے شاید کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے دل کا کوئی برا وصف معلوم ہو جس کے ہوتے ہوئے عمل صحیح نہیں ہوتا۔ اسی طرح گناہ گار کے متعلق شر کا قطعی فیصلہ نہیں دے سکتے ممکن ہے اللہ تعالیٰ کو اس کے دل کا کوئی اچھا وصف معلوم ہو جس سے اس کی بخشش ہو جائے۔ اعمال تو ظنی نشانات ہیں قطعی دلائل نہیں ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جس کے اعمال صالحہ ہم دیکھیں اس کی تعظیم میں غلو نہ کرنا چاہئے اور جس کے اعمال برے پائیں اس کی تحقیر نہیں کرنی چاہئے۔اس بری حالت سے ضرور نفرت ہونی چاہئے برائی کرنے والے کی ذات سے نہیں۔**ملتقط من المفهم للقرطبی**:اس روایت کو مسلم اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا۔

تخریج: أخرجه احمد (۷۸۳۲ / ۳) و فی الزهد (ص / ۵۹) و مسلم (۲۵٦٤ / ۳۳) و ابن ماجه (۳۱۳٤) و ابن حبان (۳۹٤) و أبو نعیم فی حلیة الأولیاء (٤ / ۹۸) و (۷ / ۱۲٤)

الفرائد :① دِل کے مقاصد وعزائم کے لحاظ سے اس کی حالت پر توجہ دینی چاہئے۔اسے پر مذموم ارادے سے باز رکھنا ضروری ہے تا کہ کوئی ایسی صفت اس میں نہ پیدا ہو جائے جو غضب الٰہی کا باعث ہو۔

۸ : وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَیْسٍ الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الرَّجُلِ یُقَاتِلُ شُجَاعَةً ، وَیُقَاتِلُ حَمِیَّةً وَ یُقَاتِلُ رِیَاءً اَیُّ ذٰلِكَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا فَهُوَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۸: حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جو بہادری کی خاطر لڑے اور غیرت کی خاطر لڑے اور ریاکاری کے لئے لڑے۔ان میں کونسا اللہ کی راہ میں ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اس لئے لڑائی کی تا کہ اللہ کی بات بلند ہو جائے وہ صرف اللہ کی راہ میں شمار ہوگا۔(متفق علیہ)

تشریح ۞ **عبد الله**: یہ ابوموسیٰ کا عطف بیان یا بدل ہے۔**ابن قیس الاشعری**: یہ اسم منسوب ہے اشعر یمن کا مشہور قبیلہ ہے۔اشعر مرہ بن ادد بن زید بن یشجب ہے اس کا نام پڑنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ماں نے اس کو جب جنا تو اس کے جسم پر بال تھے (کذا فی لب لباب) حضرت ابوموسیٰ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت سے پہلے حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا پھر ہجرت کی (حبشہ کی طرف) مدینہ منورہ میں حضرت جعفر اور ان کی جماعت کے ساتھ فتح خیبر کے بعد آئے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح حصہ دیا جیسا شرکاء خیبر کو دیا اور ارشاد فرمایا اے کشتی والو! تمہیں دو ہجرتوں کا ثواب ہے اور ابوموسیٰ کی تو تین ہجرتیں تھیں۔پہلی وطن سے مکہ دوسری مکہ سے حبشہ تیسری حبشہ سے مدینہ منورہ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو علاقہ زبید عدن ساحل یمن کا عامل مقرر فرمایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کی بڑی تکریم تھی۔زبان نبوت نے فرمایا:**لقد اوتیت مزمارا من مزامیر و آل داؤد**:(مزید تفصیل کے لئے شرح الاذکار)

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین سو ساٹھ احادیث مروی ہیں جن میں سے ۴۹ متفق علیہ ہیں منفرداً بخاری نے چار اور مسلم نے ۱۵ نقل کی ہے ان کی وفات مکہ میں ہوئی۔بعض نے کوفہ میں بتلائی ہے۔۲ یا ۶۴ھ۔

سئل: یہ ماضی مجہول ہے یہ سائل لاحق بن ضمرہ باہلی ہیں (تحفۃ القاری) **عن الرجل یقاتل** :

اَلنَّحْو :**یقاتل**: یہ الرجل کی صفت یا حال ہے کیونکہ الغلام جنس کا ہے اس کی نظیر یہ ارشاد ہے **و آیة لهم اللیل نسلخ منه النهار**۔جیسا شاعر نے کہا:

ولقد امر علی اللئیم یسبنی ☆ فمضیت ثمت قلت لا یعنینی

یہاں یسبنی: یہ اللئیم کی صفت یا حال ہے۔
شجاعه: دیکھتے ہوئے دشمن پر اقدام کرنا۔ شاعر نے کہا:

الرئ قبل شجاعة الشجعان ☆ هو اول وهی المحل الثانی

اس آدمی کے متعلق دریافت کیا گیا یقاتل حمية: غیرت اور قبائلی دفاع کے لئے لڑنا۔

یقاتل ریاء: اس لئے لڑے تا کہ لوگ اس کو بہادر کہیں وہ بہادر مشہور ہو۔ ایک روایت میں **یقاتل للذکر**: بھی ہے کہ جو اس لئے لڑے تا کہ اس کا تذکرہ ہو۔ لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کی طرف متوجہ ہوں۔

النحو: شجاعةً: اور اس کے تمام معطوفات مفعول لہ ہیں۔

ای ذلك: یہ اسمائے استفہام میں سے ہے اس کی خبر فی سبیل اللہ ہے۔

فی سبیل الله: جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے ہو۔ تعال..... **کلمة الله**: کلمۃ اللہ سے مراد ① دین اسلام ہے۔ اسلام اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے ظاہر ہوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان پر جاری کیا ہے۔ ② اسلام کی طرف دعوت دینا۔ **هی العلیا فهو فی سبیل الله**۔

مسئلہ: اس ارشاد کے تحت ثواب آخرت کی خاطر لڑنے والا اور رضائے الٰہی کے لئے لڑنے والا دونوں داخل ہیں کیونکہ یہ بھی اعلاء کلمہ اللہ کے لئے ہیں۔ آپ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ قتال فی سبیل اللہ وہ ہے جس کا منشا قوت عقلیہ ہو قوت غضبیہ یا شہوانیہ نہ ہو۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کا ثواب نیت سے ملتا ہے اور جن مجاہدین کے فضائل وارد ہوئے وہ وہی لوگ ہیں جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے لڑیں۔

تخریج: أخرجه البخاری (١٢٣) وغیره و مسلم (١٩٠٤ / ١٥٠) و أبو داود (٢٥١٧) والترمذی (١٦٤٦) و ابن ماجه (٢٧٨٣) والنسائی (٣١٣٦) وابن حبان (٤٦٣٦) وغیرهم من ائمة الحدیث الشریف و سیأتی تخریجه برقم (١٣٥٥) بأتم من هذا۔

الفرائد: ① جو آدمی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی فضیلت کا باعث ہے۔ ② اعمالِ خیر کا دارومدار نیت پر ہے۔

٩: وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ نُفَیْعِ بْنِ الْحَارِثِ الثَّقَفِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اِذَا الْتَقَی الْمُسْلِمَانِ بِسَیْفَیْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِی النَّارِ۔ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ؟ قَالَ: اِنَّهٗ کَانَ حَرِیْصًا عَلٰی قَتْلِ صَاحِبِهٖ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

٩: حضرت ابوبکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو مسلمان تلوار کے ساتھ ایک دوسرے کا سامنا کرتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاتل کا جہنمی ہونا تو سمجھ آتا ہے۔ مگر مقتول کا کیا معاملہ ہے؟ ارشاد فرمایا وہ بھی اپنے مسلمان ساتھی کو قتل کرنے کا حریص تھا۔ (متفق علیہ)

تشریح ابوبکرہ: ان کا یہ لقب اس لئے مشہور ہوا کہ محاصرہ طائف کے وقت یہ صبح سویرے طائف کے قلعہ سے لوٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ یہ اہل طائف کے تئیس غلاموں میں سے تیسرے تھے۔ **نقیع**: یہ ابوبکرہ کا بدل یا عطف بیان ہے۔ یہ ان کا نام ہے بعض نے نام مسروح بتلایا ہے۔ والد کا نام حارث ثقفی ہے۔ **ثقیف** رغیف: کے وزن پر ہے۔ یہ دربار نبوت میں منظور نظر اصحاب میں سے تھے۔ بصرہ میں مقیم ہوئے جنگ جمل میں موجود تھے مگر لڑائی میں شریک نہیں ہوئے۔

مرویات: ۱۳۲ روایات جن میں ۸ متفق علیہ ۵ میں بخاری ۱ میں مسلم منفرد ہیں۔

وفات: ۵۲ھ بصرہ میں وفات ہوئی۔

اذا التقى ...... بسيفها: یعنی ہر ایک دوسرے کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔

فالقاتل: اس سے پہلے اپنے مخالف پر وار کیا۔ **والمقتول**: وہ اس کے قتل کا خواہشمند تھا۔

فی النار: دونوں آگ میں جائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے معاف نہ کیا۔

قلت......: اگر معافی نہ ملے تو قاتل کا آگ میں جانا تو ظاہر ہے کہ اس نے ظلم کیا ہے۔

فما بال المقتول: یعنی مظلوم کا معاملہ کیا ہے۔ **قال انه**: وہ مقتول۔ **كان**: اس لئے نافرمان تھا کہ وہ **حريصًا**: اپنے ساتھی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔

حاصل کلام عدل سے معصیت کا ارادہ کرنے والا اور اپنے کو اس پر آمادہ کرنے والا قابل مواخذہ ہے اور جن خیالات کی معافی کا تذکرہ احادیث میں آیا ہے وہ آ کر گزر جانے والے خیالات ہیں جن کو دل میں جمایا نہ جائے۔ دونوں کو معصیت عزم معصیت کی وجہ سے کہا۔ جیسا کہ مذکور ہے: تكتب سيئة ويواخذ بها ان لم يحملها۔ اگر عمل کر لیا تو دوسری بار معصیت لکھی جائے گی اور اگر چھوڑ دیا تو نیکی درج کی جائے گی۔

حضرت ابوبکرہؓ نے فتنہ کے زمانہ میں اس حدیث پر عمل کیا۔ ان کے متعلق یہاں تک منقول ہے کہ اگر کوئی مجھے مکان میں داخل ہو کر قتل بھی کر دے تب بھی میں مدافعت نہ کروں گا کہ (ارادہ قتل سے جہنم کا حقدار بنوں)۔

تخریج: اخرجه احمد (٢٠٤٦١/٧) والبخارى (٣١) وغيره و مسلم (٢٨٨٨) و ابو داود (٣٢٦٩) ولنسائى (٤١٢٩) و ابن ماجه (٣٩٦٥) والطيالسى (٨٨٤) و ابن أحبان (٥٩٤٥) والبغوى (٢٥٤٩)

الفرائد: ① اس میں ایک مسلمان کو دوسرے کے متعلق ارادہ قتل سے آمنا سامنا کرنے کی شدید مذمت کی گئی۔ اگر رحمت باری شامل حال نہ ہو تو وہ جہنمی ہے۔

١٠: وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "صَلَاةُ الرَّجُلِ فِىْ جَمَاعَةٍ تَزِيْدُ عَلٰى صَلَاتِهٖ فِىْ سُوْقِهٖ وَبَيْتِهٖ بِضْعًا وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً وَذٰلِكَ اَنَّ اَحَدَهُمْ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ اَتَى الْمَسْجِدَ لَا يُرِيْدُ اِلَّا الصَّلَاةِ، لَا يَنْهَزُهٗ اِلَّا الصَّلَاةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ، وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ حَتّٰى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ، فَاِذَا دَخَلَ

الْمَسْجِدَ كَانَ فِي الصَّلٰوةِ مَا كَانَتِ الصَّلٰوةُ هِيَ تَحْبِسُهُ ، وَالْمَلَائِكَةُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى اَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِيْ مَجْلِسِهِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ يَقُوْلُوْنَ : اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهُ ، اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ ، مَا لَمْ يُؤْذِ فِيْهِ ، مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيْهِ"۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ وَقَوْلُهُ ﷺ : "يَنْهَزُهُ هُوَ۔ بِفَتْحِ الْيَاءِ وَالْهَاءِ وَبِالزَّايْ:اَيْ يُخْرِجُهُ وَيُنْهِضُهُ۔

۱۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا آدمی کی جماعت والی نماز، بازار یا گھر میں پڑھی جانے والی نماز سے بیس اور کچھ اوپر درجہ رکھتی ہے اور یہ اس لئے کہ جب کوئی اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پھر نماز ہی کے ارادہ سے مسجد میں آتا ہے اور اس کو نماز ہی ادھر اٹھا کر لاتی ہے تو وہ جو قدم بھی اٹھاتا ہے اس کے بدلہ میں ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ مٹتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے۔ جب وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو جب تک اس کو نماز روکے رکھتی ہے وہ نماز ہی میں شمار ہوتا ہے اور نمازی جب تک اپنی نماز والی جگہ میں رہتا ہے فرشتے اس کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں اور اس طرح کہتے ہیں: اے اللہ اس پر رحم فرما۔ اے اللہ اس کو بخش دے اے اللہ اس کی توبہ قبول فرما (یہ دعائیں جاری رکھتے ہیں) جب تک کہ کسی کو ایذاء نہ پہنچائے۔ جب تک بے وضو نہ ہو۔ (متفق علیہ)

یہ مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں۔

لفظ يَنْهَزُهُ اَيْ يُخْرِجُهُ : نکالے۔ اُٹھالے۔

صلاة الرجل جماعة: یعنی مسجد میں۔ صلاته: جس آدمی کی نماز سے۔ فی سوقه: بازار کو سوق اس لئے کہتے ہیں ① کہ لوگ اپنا سامان اس کی طرف لے جاتے ہیں۔ ② وہاں اپنی پنڈلیوں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ بيته: گھر میں جماعت سے ہو یا اکیلے۔ حافظ نے اسی کو صحیح کہا (فتح الباری)

قول نووی: صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد اس کی گھر اور بازار میں انفرادی نماز ہے۔

بعض نے اور بھی باتیں کہیں جو کہ غلط ہیں اھ۔

حافظ: اس سے یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں جماعت سے نماز' گھر میں جماعت سے اور انفرادی نماز سے زیادہ درجہ رکھتی ہے۔ یہ حافظ کا بقیہ کلام ہے۔

ابن دقیق العید: مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز کا تقابل دوسرے مقام پر انفرادی طور پر نماز ادا کرنے سے کیا گیا ہے۔ لیکن غالب استعمال کا اعتبار کیا گیا ہے کہ جو جماعت میں حاضر نہیں ہوا' اس نے اکیلے نماز ادا کی۔ اس سے وہ اشکال دور ہو جاتا جو یہاں پیدا ہوتا ہے کہ گھر اور بازار میں نماز برابر ہے اھ۔

مگر حدیث کو ظاہر پر محمول کرنے کی صورت میں بھی مذکورہ برابری لازم نہیں آتی کیونکہ مسجد سے ان دونوں کے کم درجہ ثابت ہونے کے باوجود یہ لازم نہیں کہ دونوں برابر ہوں ایک دوسرے سے افضل نہ ہو اور یہ بھی ثابت نہیں ہوتا کہ گھر اور بازار میں جماعت کے ساتھ نماز انفرادی نماز سے کسی درجہ میں بھی افضل نہ ہو بلکہ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ کئی گنا ثواب مسجد میں جماعت

کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کو حاصل ہے اور گھر میں مطلق نماز بازار کی نماز سے اولیٰ واعلیٰ ہے کیونکہ بازاروں کا محل الشیاطین ہونا احادیث سے ثابت ہے اور بازار اور گھر میں جماعت سے نماز انفرادی نماز سے بہر حال افضل ہے۔ بضع: تین سے دس تک عدد پر بولا جاتا ہے۔ بعض نے نو تک کہا ہے اور اقوال بھی ہیں۔ پہلا قول صحیح ہے اور اس سے مراد ۵، ۶، ۷ ہے جیسا کہ واضح طور پر روایات میں وارد ہے۔ وعشرین درجة: یعنی جماعت کی نماز مسجد میں گھر اور بازار کی نماز سے ۲۷ درجے زیادہ افضل ہے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب انفرادی نماز پڑھنے سے اس قدر زیادہ ملا (ابن دقیق العید)

ابن اثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ درجہ کا لفظ استعمال ہوا ہے کیونکہ وہ نماز درجہ اور بلندی میں اس نماز سے اونچی ہے۔ درجہ اوپر کی چڑھائی کے لئے آتا ہے۔ وذلك: اس سے اشارہ کیا کہ یہ امور مذکورہ علت تضعیف وتقدیر کے بعد ہے اور اس کی وجہ یہ ہے گویا اس طرح فرمایا کہ مذکورہ ثواب کے کئی گنا ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ جب تم سے کوئی آدمی اذا توضافا حسن الوضوء' احسن الوضو۔ کامل وضو جس میں آداب وسنن کا لحاظ ہو۔ ثم اتی المسجد۔ پھر مسجد میں آیا اس حال میں کہ وہ اور کوئی مقصد نہیں رکھتا۔ الا الصلاۃ: مگر جماعت کی نماز کا ثواب۔ الصلاۃ: الف لام عہد خارجی آنے کو نماز پر واقع کیا کیونکہ آنے کی وجہ نماز ہی ہے۔ ثم: یہاں مہلت وتراخی کے لئے نہیں کیونکہ مبادرت اولیٰ ہے۔ ارشاد باری ہے: اولئك یسارعون فی الخیرات وھم لھا سابقون: حدیث میں اخلاص کا لحاظ رکھنے کی طرف اشارہ ہے۔ لا ینھزہ الا الصلاۃ: یہ ما فعلہ کے معنی میں ہے یعنی آنا۔

الخُطوۃ: خا پر ضمہ وفتحہ دونوں درست ہیں دو قدموں کا درمیانی فاصلہ۔ فتحہ سے ایک بار کا قدم اٹھانا۔ قرطبی نے کہا کہ مسلم کی روایت میں ضمہ سے ہے مگر یعمری نے فتحہ کو فیصلہ کن قرار دیا ہے۔

النحو: رفع بھا: صیغہ مجہول اور باسببیہ ہے۔ درجةً: یہ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کا معنی مرتبہ ہے۔ جنت میں حسی درجہ بھی مراد ہوسکتا ہے اور رتبہ کی بلندی بھی مراد لے سکتے جو کہ معنوی درجہ ہے۔ حط عنه: اس مذکور شخص ہٹایا جاتا ہے یعنی مٹایا جاتا ہے۔ بھا خطیئة: اس کے سبب سے گناہ۔ حتی: ماقبل کی غایت ہے۔ یہاں تک کہ وہ یدخل المسجد' فاذا دخل المسجد: المسجد کو توسعاً ظرف قرار دے کر نصب دی ہے ورنہ وہ مخصوص مکان کا نام ہے۔

کان: اس کا اسم الرجل ہے۔

فی الصلاۃ: نماز کے ثواب کو پالیتا ہے۔ یہ مجاز ہے ورنہ نماز اور اس کا ثواب ظرف نہیں۔

ما کانت: ما مصدر یہ ظرفیہ ہے۔ پھر اسکو یہ مرتبہ ملتا ہے جب تک اسکے بیٹھنے میں کوئی اور غرض شامل نہ ہو جائے۔

سوال: جس آدمی نے مسجد میں جماعت کی نیت کی اگر وہ جماعت میں نہ پہنچ سکا تو آیا اس کو ثواب مل جائے گا؟

جواب: قلقشندی کہتے ہیں نہیں ملے گا۔ البتہ تبوک میں جو معذورین شریک نہ ہو سکے تھے۔

قرطبی کہتے ہیں کہ وہ ثواب میں شریک تھے نیت کے اخلاص کی وجہ سے شریک ہونے والوں کی طرح وہ ثواب کے حقدار ہوتے۔ اسی طرح صدق نیت کی وجہ سے اس کو بھی جماعت کا ثواب ملے گا۔ والملائکه: نورانی لطیف اجسام جو مختلف اشکال کی قدرت رکھتے ہیں۔ (مزید تحقیق علم کلام میں ملاحظہ ہو)

یصلون علی احدکم: اس کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ یہاں صلاۃ جماعت کا صلاۃ ملائکہ سے تقابل کیا تاکہ عمل وثواب

میں تناسب ہو جائے یہ ملائکہ حفظہ ہیں یا ان کے علاوہ ہیں۔

النحو :ما دام فی مجلسه: ما مصدریہ ظرفیہ ہے یعنی جب تک وہ اس مجلس میں ہے۔

الذی صلی فیه: جہاں مکمل نماز پڑھی ہے (ابن ابی جمرہ)

قلقشندی: جب تک وہ نماز کے انتظار میں رہا۔ ایسا صراحت سے مسلم کی روایت میں وارد ہے۔ اس کا مقتضیٰ یہ بنتا ہے کہ جب اپنے نماز کی جگہ بدل لی خواہ وہ نماز کے انتظار میں تھا تو یہ ثواب بھی منقطع ہو جاتا ہے حالانکہ یہ مراد نہیں جیسا حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ علامہ باجی کہتے ہیں جو آدمی نماز کے انتظار میں ہو خواہ وہ مسجد میں جگہ بدل لے اس کو انتظار نماز کا ثواب ملے گا۔ البتہ اپنی جگہ ہی پر نماز کا منتظر صرف فرشتوں کی دعا کا حقدار ہے (دوسرا نہیں)

النحو :یقولون: یہ یصلون کا بیان ہے۔ اللهم ...... : یہ دعائیہ کلمات ظاہر کرتے ہیں کہ صلاۃ سے دعا مراد ہے۔ فقط استغفار مراد نہیں۔

نکتہ: اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے نماز دیگر اعمال سے افضل ہے۔ جیسا کہ نمازی کے لئے فرشتوں کی دعا ظاہر کرتی ہے اور صالح لوگ فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ وہ اپنی عبادات سے درجات کے حصول میں مصروف ہیں اور فرشتے ان کے لئے استغفار و دعا کر رہے ہیں (قرآن مجید ان کے استغفار کو دعا قرار دیا گیا۔ ربنا وسعت کل شئ رحمة الاية)

ما لم یوذ فیه: ① ذکر اللہ کے علاوہ دوسری چیز۔ ② حدث مراد ہے جیسا کہ بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس کی تفسیر منقول ہے۔ ③ ہر مخل چیز مراد ہو سکتی ہے۔ مسلم کی روایت اس کی مؤید ہے ایذاء و حدث دونوں کو جامع ہے۔ اگر ثانی کو پہلے کی تفسیر نہ مانیں اگر تفسیر تسلیم کریں تو اس سے یہ ① مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ حدث لسان و ید سے پرہیز کرنا چاہئے۔ ② حدث فرشتوں کی دعا کو منقطع کر دیتی ہے اگر وہ اپنی نماز کی جگہ میں بیٹھا بھی رہے۔ اکثر علماء نے غیبت و ضرب سے تاویل کی ہے کیونکہ یہ ایذاء حدث سے بڑھ کر ہے۔

تخریج ۞ اخرجه البخاری (۴۷۷) و مسلم (۶۴۹ / ۲۷۲) (متفق علیہ و ہذا لفظ مسلم) اس کو مالک احمد ابو داؤد ترمذی نسائی نے بعض حصے نقل کئے اسی طرح ابن ماجہ اسماعیلی ابوعوانہ ابن الجارود نے مختصراً ذکر کیا۔ اسی طرح برقانی ابونعیم بیہقی وغیرہم (شرح عمدۃ الاحکام)

ایک نسخہ میں ینهزه: نکالنا اور اٹھانا۔ النهز: دھکیلنا۔ نهز رأسه: اس نے سر ہلایا۔ (النہایہ)

الفرائد : ① جماعت میں حاضری کی تاکید کی گئی ہے۔ ② نماز کا انتظار نماز کی طرح ثواب رکھتا ہے۔ ③ مسجد کی طرف چل کر جانے والا ملائکہ کی دعاء و استغفار کا حقدار ہے۔

---

۱۱ : وَعَنْ اَبِی الْعَبَّاسِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْمَا یَرْوِیْ عَنْ رَبِّهٖ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی قَالَ اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّیِّئَاتِ ثُمَّ بَیَّنَ ذٰلِكَ: فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ یَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً، وَاِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ اِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ اِلٰی اَضْعَافٍ كَثِیْرَةٍ ، وَاِنْ

هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، وَاِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً'' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

۱۱: حضرت ابو العباس عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ربّ تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھیں اور پھران کی وضاحت فرمائی کہ جو آدمی کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے مگر اس کو کر نہیں پاتا اللہ تعالیٰ اس کی ایک کامل نیکی لکھ دیتے ہیں اور اگر ارادہ کر کے اس کو کر گزرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ نیکیاں اس کی لکھ دیتے ہیں اور اگر وہ برائی کا ارادہ کرتا ہے مگر اس کو کرتا نہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی بھی ایک کامل نیکی لکھ لیتے ہیں اور اگر ارادہ کر کے اس کو کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک برائی لکھ دیتے ہیں۔ (متفق علیہ)

عباس: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں۔ یہ خواجہ عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔

عبداللہ: یہ عباس رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے ہیں۔ یہ شعب ابی طالب میں ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے جبکہ بنو ہاشم اس میں محصور تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی۔ بعض نے پندرہ سال بتلائی ہے اور بعض نے دس سال مگر پہلے قول کی تائید صحیح روایت کا یہ جملہ جو حجۃ الوداع کے متعلق کہا وہ کرتا ہے۔ ''وانا یومئذ قدنا هزت الاحتلام'' کہ میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر قریب البلوغ تھا۔ صحیح روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق یہ دعا فرمائی: اللهم فقهه فی الدین وعلمه الحكمة والتاويل' اللهم علمه تاويل القرآن' اللهم بارك فيه وانشر منه واجعله من عباد الصالحين' اللهم زده علما وفقها'': اے اللہ اس کو دین کی سمجھ عنایت فرما اور اسرار و تاویل کا علم دے' اے اللہ اس کو قرآن کی تفسیر کا علم دے اور اس میں برکت دے اور اس کو پھیلا دے اور اسے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما اے اللہ! اس کے علم و سمجھ میں اضافہ فرما۔ اور ان سے یہ بھی ثابت ہے کہ میں نے جبرئیل کو دو مرتبہ دیکھا اور آخری عمر میں ان کے نابینا ہونے کا یہی سبب ہے۔ ان کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔ (کتاب فضل زمزم) میں ملاحظہ ہوں)۔

مرویات: ۱۶۶۰۔ بخاری و مسلم میں ۹۵۔ صرف بخاری میں ۲۸' مسلم میں ۴۹ ہیں۔

وفات: ابن الزبیر کی خلافت کے زمانہ میں ۵۸'۹ھ طائف میں وفات پائی ۶۱'۲ سال عمر پائی۔ نماز جنازہ محمد بن حنفیہؒ نے پڑھائی اور کہا اس امت کا ایک ربانی رخصت ہو گیا۔

عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: انہوں نے حدیث قدسی روایت کی ہے۔

عن تبارك و تعالى: ① جس کی بھلائیں کثرت سے ہوں۔ یہ برکت سے نکلا ہے برکت کثرت خیر کو کہتے ہیں۔ (بیضاوی) ② وہ ہر چیز سے بڑھ کر ہے اور صفات و افعال میں بلند و بالا ہے۔ برکت میں اضافہ کا معنی ضمناً پایا جاتا ہے۔ یا دوام کے معنی میں ہے یہ برون الطیر علی الماء۔ کیونکہ گڑھے میں ہمیشہ پانی ہوتا ہے اس کی گردان نہیں ہوتی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اھ۔ دوسرے قول کے مطابق تعالیٰ کا معنی اس سے پاک ہے جو اس کے لائق نہیں جسے باطل پرست اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

علماء سلف احادیث میں یہی تعبیر استعمال کرتے ہیں۔اس لئے علامہ نووی نے اس کو ترجیح دی ہے۔
طریق محدثین: ایک اور تعبیر ہے: **قال اللّٰہ تعالٰی فیما رواہ عنہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم**'': مطلب دونوں کا ایک ہے قرآن مجید اور حدیث قدسی کا فرق باب الصبر میں ہم بیان کریں گے۔
ایک قول یہ بھی ہے کہ احادیث قدسیہ سے نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے: **فیما برویہ عن فضل ربہ او حکمہ**: جو آپ اپنے رب کے فضل وحکم سے بیان کرتے ہیں۔مگر ہر دو کا احتمال ہے۔
قول فیصل: سیاق احادیث قدسیہ کے سلسلہ میں اصطلاح سلف کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حدیث قدسی ہے۔بعض طرق صحیح میں ایسے الفاظ ہیں جو اس بات کی تصریح کرتے ہیں کہ یہ ان میں سے ہے مثلاً **یقول اللّٰہ عز وجل اذا اراد عبدی ان یعمل سیئۃ فلا تکتبوھا علیہ حتی یعملھا۔** :الحدیث۔
''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب بندہ کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اے فرشتو! تم اسے اس وقت تک نہ لکھو جب تک اس کا ارتکاب نہ کرلے۔جب وہ کرے تو اتنا ہی گناہ لکھو اور اگر اس نے میری خاطر چھوڑ دیا تو ایک نیکی اس کے لئے لکھ دو اور جب وہ نیکی کا ارادہ کرے ابھی اس نے کی نہ ہو تو ایک نیکی لکھ دو اور جب وہ کرلے تو اس کے بدلے دس نیکیاں لکھ دو اور جب وہ برائی کرنے کی بات کرے تو میں اسے اس وقت تک معاف کردوں گا جب تک وہ اس کا ارتکاب نہ کرے گا۔جب وہ کرے گا تو اس کی مثل ایک گناہ لکھوں گا''۔قال :یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ضمیر کا لوٹانا صحیح ہے۔ اس صورت میں اضمار کی بجائے اظہار ہوگا۔
اِنّ اللّٰہ: یعنی ① حفظہ کو لکھنے کا حکم دیا ② اپنے علم میں واقع کے مطابق لکھا ③ یہ لکھا کہ اس کو کس قدر بڑھایا جائے گا۔**ثم بین**: اللہ تعالیٰ نے وہ بیان کردیا۔ضمیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس بناء پر **عن ربہ**: سے مراد حکمت وفضل ربہ ہے۔
ثم: ترتیب ذکری کے لئے ہے۔پھر اس کو **بین ذلك**: لکھنے والے فرشتوں کو بتلادیا تاکہ وہ ہر وقت پوچھنے سے مستغنی ہو جائیں کہ کیسے لکھیں۔**فمن ھم بحسنۃ**: جو نیکی کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کا کرنا اس کے ہاں قابل ترجیح ہو۔پس اس سے پختہ ارادہ تو بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جائے گا۔**فلم یعملھا**: اور اس کیا نہیں تو اس کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاں لکھ لیتے ہیں۔**عندیۃ**: سے عندیت شرف ومرتبہ مراد ہے کیونکہ وہ عندیت مکانی سے پاک ہے۔**حسنۃ**: حسنہ کا ارادہ اس کے عمل کا سبب ہے اور خیر کا سبب بھی خیر ہوتا ہے۔رہا وہ خیال جو آکر بغیر پختہ ہوئے ختم ہو جاتا ہے اس کا یہ حکم نہیں۔
نکتہ: حسنہ کے لفظ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ کئی گنا کا وعدہ عمل کے ساتھ ہے فقط نیت کے ساتھ نہیں۔یہ دونوں اصل کے لحاظ سے برابر ہیں اگرچہ عمل کرنے والا۔تضعیف کے ساتھ خاص ہے۔
کاملۃ: یہ حسنہ کا وصف ہے اسے اس لئے لائے تاکہ اس گمان کی تردید کردی جائے کہ یہ لفظ ارادہ ہے تو اس کا ثواب کم ہو جائے گا۔
وان ھد بھا: ھا سے مراد حسنہ ہے۔**فعملھا**...... : کیونکہ وہ اس کو ارادہ سے عمل میں لایا۔پھر ارادے سے ایک نیکی لکھی گئی پھر بڑھا کر دس گنا کردی گئی۔یہ اضافہ عملی حسنہ میں ہے۔ارشاد الٰہی ہے: ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ [الأنعام: ١٦١] پھر جس کے لئے چاہتے ہیں کئی گنا بڑھا دیتے ہیں۔ارشادِ باری ہے: ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ......﴾ [البقرة :

۲۶۱ | دوسری دفعہ بڑھانا۔ الی سبع مائة: نیت کے اخلاص اور مقام کی زیادہ مناسبت فیه: آ جانے کی وجہ سے اور صحیحین کی ایک روایت میں سات سو گنا میں الا الصیام فانه لی وانا اجزی به: وارد ہے۔

نکتہ: اس روایت سے معلوم ہوا کہ روزہ میں اجر کے اضافہ کی حد معلوم نہیں فقط اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ صبر کی افضل ترین قسم ہے اور اس کے متعلق ارشاد فرمایا: انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب: کہ صبر کرنے والوں کو ان کا بدلہ بغیر حساب کے ملے گا۔

الی اضعاف کثیرہ: کثیرہ کا لفظ اگرچہ نکرہ ہے مگر یہ معرفہ کو بھی شامل ہے۔ پس اس کی توجیہ ممکنہ حد تک کثرت سے کی جائے گی۔ جیسا کہ گندم کا ایک دانہ صدقہ کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہترین زمین میں بویا جائے خوب حفاظت نگرانی سے پال کر پھر کاٹا جائے پھر زرخیز زمین میں قیامت تک بویا جائے تو وہ دانہ پہاڑوں کے برابر پہنچ جائے گا۔

نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ نیکی کا بدلہ دس گنا تو ہر ایک کو ملتا ہے البتہ سات سو اور اس سے زیادہ بعض کو مشیت الٰہی سے ملتا ہے۔

ان هم: ان کو ترک کر دیا یا اس اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے دور پھینکا ہو کسی کے حیاء یا دبدبہ والے کے رعب یا عجز یا ریاکاری کی وجہ سے نہ چھوڑا ہو۔ بلکہ بعض نے کہا ریاء کی وجہ سے چھوڑنے والا بھی گناہ گار ہوگا کیونکہ مخلوق کے خوف کو اللہ کے خوف پر مقدم کرنا حرام ہے اور ریا بھی حرام ہے۔

کتبها الله عنده حسنه: کاملہ کیونکہ یہ عزم سے رجوع بہت ہی بہتر ہے۔ اسی لئے حسنہ سے بدلہ دیا گیا اور کاملہ کے لفظ سے اس کی تاکید کر دی یہ لفظ ملا کر سابقہ کاملہ کی نظیر کی طرف اشارہ کر دیا مگر اس کو اس کی نظیر نہیں کہہ سکتے کیونکہ ارادۂ خیر میں اور ارادہ شر میں ایک برائی لکھی جاتی ہے۔ برائی کا ارادہ دل کے اعمال میں سے ہے کیونکہ ہم کہیں گے کہ برائی سے رکنا بڑی نیکی ہے اور وہ اس ارادے کے بعد ہونے کی وجہ سے اس کی ناسخ ہے۔ ان الحسنات یذهبن السیئات۔

مسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں انما ترکها من جرای: یعنی اس نے میری خاطر چھوڑا ہے۔

وان هم بها: احمد کی روایت میں ولم تضاعف علیه: کے الفاظ زائد ہیں اور اس پر یہ ارشاد الٰہی دلالت کرتا ہے: فلا یجزی الا مثلها: البتہ زمانے اور مکان کے شرف کی وجہ سے بڑھ گیا مثلاً حرمت والے مہینے رمضان مکہ شریف۔ ② کرنے والے کے شرف کی وجہ سے بڑھ گیا ③ اللہ تعالیٰ کی زیادہ پہچان کی وجہ سے بڑھ گیا کیونکہ بادشاہ کے بستر پر اس کی نافرمانی کرنے والا دور بیٹھ کر نافرمانی کرنے والے سے بڑا مجرم ہے۔

ان هم: تو ظاہر کرتا ہے کہ عزم لکھا نہ جائے گا لیکن قاضی ابن رزین رحمۃ اللہ نے عزم کو اصرار قرار دے کر فاعل کو گناہ گار قرار دیا اور سبکی کی بات میں تضاد ہے۔

ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ یوسف علیہ السلام سے ہم صادر ہی نہیں ہوا۔ آیت کا معنی ان کے ہاں یہ ہے کہ اگر وہ برہان رب کو نہ دیکھتے تو تو ھم کر لیتے لیکن انہوں نے ھم نہیں کیا کیونکہ برہان رب دیکھ چکے تھے۔

آیت کی مشہور تفسیر یہ ہے ان سے ھم صادر ہوا مگر وہ حدیث نفس کے درجہ میں تھا جو کہ معاف ہے۔

قصد معصیت کے درجات خمسہ: ① ھجس جو دل میں ڈالا جائے۔ ② خاطر: جو نفس میں جاری ہو جائے۔ ③ حدیث

النفس وہ قصد جس میں تردد واقع ہو جائے کہ کرے یا نہ کرے۔ ④ فعل کے ارادے کو ترجیح دینا۔ ⑤ عزم: ارادہ فعل میں پختگی اور یقین۔

ان میں پہلے پر بالاتفاق مؤاخذہ نہیں کیونکہ یہ اس کا اپنا فعل نہیں زبردستی ڈالا گیا ہے۔ اور ② ③ اگر ان کو دور کرنے پر قدرت پالی تو حدیث صحیح کے مطابق ان پر بھی گناہ نہ ہوگا۔ وہ یہ ارشاد ہے: ان اللہ تجاوز عن امتی ما حدثت به انفسها ما لم تتکلم به: یعنی (قولی گناہوں میں) اور تعمل بہ (فعلی گناہوں میں)

یہ مراتب ایسے ہیں کہ حسنات میں بھی ان کا کوئی درجہ نہیں کیونکہ ارادہ نہیں۔

باقی چوتھا درجہ ھم تو حدیث صحیح نے بتلا دیا کہ اگر وہ نیکی کا ہوگا تو ایک نیکی ملے گی اور اگر وہ برائی والا ہوگا تو ایک برائی بھی نہ لکھی جائے گی۔ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر چھوڑا ہے تو ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر کر بیٹھا تو ایک گناہ لکھا جائے گا اور صحیح بات یہ ہے واحدہ سے مراد یہ ہے کہ اس کا فعل بدلکھا جائے گا اور ھم قابل معافی ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حدیث نفس کے متعلق جو ما لم تتکلم اور تعمل به کا مفہوم یہی ہے کہ جب اس نے کلام کر لیا یا اس پر عمل کر لیا تو حدیث النفس لکھ لیا جائے گا۔ روایت میں واحدہ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ھم ہو تو لکھا نہیں جاتا تو حدیث النفس بدرجہ اولیٰ نہیں لکھی جاتی۔ (حلبیات للسبکی)

نکتہ: حدیث النفس اور ھم پر عدم مواخذہ مطلقاً نہیں بلکہ اس میں عدم تکلم و عمل کی قید ہے۔ جب اس نے عمل کر لیا تو دونوں گناہ (ھم، عمل) کی سزا پائے گا اور ھم و حدیث النفس مغفور میں اس وقت شامل ہوں گے جب کہ اس کا پیچھا نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث کا ظاہر یہی ہے۔ یہ ابن سبکی کا کلام ہے اس نے مؤاخذہ اور دوسروں نے عدم مؤاخذہ کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ اگر یہ نہ مانیں تو ایک گناہ پر دو سزائیں لازم آتی ہیں مگر یہ بات قابل غور ہے۔ اس پر دو سزائیں لازم نہیں آتیں کیونکہ گناہ بھی دو ہیں۔ (شرح المنہاج)

ابن رزین کہتے ہیں کبیرہ پر عزم اگرچہ گناہ ہے مگر جس کبیرہ کا عزم ہے اس سے کم درجہ ہے۔ واللہ اعلم۔

تخریج: اخرجه البخاری (٦٤٩١) و مسلم (١٣١)

الفوائد: ① اس اُمت پر خصوصی احسان کا تذکرہ ہے۔ ② اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا ظہور سیئہ کے سلسلہ میں ہوتا ہے کہ ایک کی سزا ایک اور نیکیوں میں صفت فضل کا اظہار ہے کہ ایک کا بدلہ کئی گنا سے ملتا ہے۔ (ابن بطال)

۱۲: وَعَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: اِنْطَلَقَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ مِّمَّنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حَتّٰی آوَاهُمُ الْمَبِیْتُ اِلٰی غَارٍ فَدَخَلُوْهُ فَانْحَدَرَتْ صَخْرَةٌ مِّنَ الْجَبَلِ فَسَدَّتْ عَلَیْهِمُ الْغَارَ۔ فَقَالُوْا: اِنَّهٗ لَا یُنْجِیْکُمْ مِّنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ اِلَّا اَنْ تَدْعُوا اللّٰهَ تَعَالٰی بِصَالِحِ اَعْمَالِکُمْ۔ قَالَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ: اَللّٰهُمَّ کَانَ لِیْ اَبَوَانِ شَیْخَانِ کَبِیْرَانِ وَکُنْتُ لَا اَغْبِقُ قَبْلَهُمَا اَهْلًا وَّلَا مَالًا فَنَاٰی بِیْ

طَلَبُ الشَّجَرِ يَوْمًا فَلَمْ اُرِحْ عَلَيْهِمَا حَتّٰى نَامَا فَحَلَبْتُ لَهُمَا غَبُوْقَهُمَا فَوَجَدْتُّهُمَا نَائِمَيْنِ، فَكَرِهْتُ اَنْ اُوْقِظَهُمَا وَاَنْ اَغْبِقَ قَبْلَهُمَا اَهْلًا اَوْ مَالًا ، فَلَبِثْتُ ، وَالْقَدَحُ عَلٰى يَدِىْ ۔ اَنْتَظِرُ اسْتِيْقَاظَهُمَا حَتّٰى بَرِقَ الْفَجْرُ ۔ وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَىَّ ۔ فَاسْتَيْقَظَا فَشَرِبَا غَبُوْقَهُمَا : اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ ، فَانْفَرَجَتْ شَيْئًا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ مِنْهُ۔ قَالَ الاٰخَرُ : اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ كَانَتْ لِىْ ابْنَةُ عَمٍّ كَانَتْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَىَّ وَفِىْ رِوَايَةٍ : كُنْتُ اُحِبُّهَا كَاَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَآءَ فَاَرَدْتُّهَا عَلٰى نَفْسِهَا فَامْتَنَعَتْ مِنِّىْ حَتّٰى اَلَمَّتْ بِهَا سَنَةٌ مِّنَ السِّنِيْنَ فَجَآءَ تْنِىْ فَاَعْطَيْتُهَا عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ دِيْنَارٍ عَلٰى اَنْ تُخَلِّىَ بَيْنِىْ وَبَيْنَ نَفْسِهَا فَفَعَلَتْ ، حَتّٰى اِذَا قَدَرْتُ عَلَيْهَا وَفِىْ رِوَايَةٍ : فَلَمَّا قَعَدْتُّ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ : اِتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفُضَّ الْخَاتَمَ اِلَّا بِحَقِّهٖ ، فَانْصَرَفْتُ عَنْهَا وَهِىَ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَىَّ وَتَرَكْتُ الذَّهَبَ الَّذِىْ اَعْطَيْتُهَا : اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ وَجْهِكَ ، فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ ، فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ غَيْرَ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ الْخُرُوْجَ مِنْهَا ۔ وَقَالَ الثَّالِثُ : اَللّٰهُمَّ اسْتَاْجَرْتُ اُجَرَاءَ وَاَعْطَيْتُهُمْ اَجْرَهُمْ غَيْرَ رَجُلٍ وَّاحِدٍ تَرَكَ الَّذِىْ لَهٗ وَذَهَبَ ، فَثَمَّرْتُ اَجْرَهٗ حَتّٰى كَثُرَتْ مِنْهُ الْاَمْوَالُ فَجَآءَ نِىْ بَعْدَ حِيْنٍ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اَدِّ اِلَىَّ اَجْرِىْ فَقُلْتُ : كُلُّ مَا تَرٰى مِنْ اَجْرِكَ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالرَّقِيْقِ ۔ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ لَا تَسْتَهْزِئُ بِىْ! فَقُلْتُ : لَا اَسْتَهْزِئُ بِكَ ، فَاَخَذَهٗ كُلَّهٗ فَاسْتَاقَهٗ فَلَمْ يَتْرُكْ مِنْهُ شَيْئًا : اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيْهِ ، فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ فَخَرَجُوْا يَمْشُوْنَ'' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۲: حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم سے پہلی اُمتوں کے تین آدمی سفر کر رہے تھے۔ رات گزارنے کے لئے ایک غار میں داخل ہوئے۔ پہاڑ سے ایک پتھر نے لڑھک کر غار کے منہ کو بند کر دیا۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ اس پتھر سے ایک ہی صورت میں نجات مل سکتی ہے کہ تم اپنے نیک اعمال کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرو۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے والدین بہت بوڑھے تھے میں ان سے پہلے کسی کو دودھ نہ پلاتا تھا۔ ایک دن لکڑی کی تلاش میں میں بہت دور نکل گیا جب شام کو واپس لوٹا تو وہ دونوں سو چکے تھے۔ میں نے ان کے لئے دودھ نکالا اور ان کی خدمت میں لے آیا۔ میں نے ان کو سویا ہوا پایا۔ میں نے ان کو جگانا ناپسند سمجھا اور ان سے پہلے اہل وعیال وخدام کو دودھ دینا بھی پسند نہ کیا۔ میں پیالہ ہاتھ میں لئے ان کے جاگنے کے انتظار میں طلوعِ فجر تک ٹھہرا رہا۔ حالانکہ بچے میرے قدموں میں بھوک سے بلبلاتے تھے۔ اسی حالت میں فجر

طلوع ہوگئی۔ وہ دونوں بیدار ہوئے اور اپنا شام کے حصہ والا دودھ نوش کیا۔ اے اللہ اگر یہ کام میں نے تیری رضا مندی کی خاطر کیا تو تو اس چٹان والی مصیبت سے نجات عنایت فرما۔ چنانچہ چٹان تھوڑی سی اپنی جگہ سے سرک گئی۔ مگر ابھی غار سے نکلنا ممکن نہ تھا۔ دوسرے نے کہا: اے اللہ میری ایک چچازاد بہن تھی۔ وہ مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب تھی جتنی کسی بھی مرد کو کوئی عورت ہوسکتی ہے۔ میں نے اس سے اپنی نفسانی خواہش پورا کرنے کا اظہار کیا مگر وہ اس پر آمادہ نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ قحط سالی کا ایک سال پیش آیا جس میں وہ میرے پاس آئی۔ میں نے اس کو ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ اپنے نفس پر مجھے قابو دے گی۔ اس نے آمادگی ظاہر کی اور قابو دیا۔ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ میں جب اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا تو اس نے کہا تو اللہ سے ڈر! اور اس مہر کو ناحق و ناجائز طور پر مت توڑ۔ چنانچہ میں اس فعل سے باز آ گیا حالانکہ مجھے اس سے بہت محبت بھی تھی اور میں نے وہ سونا اس کو ہبہ کردیا۔ یا اللہ اگر میں نے یہ کام تیری خالص رضا جوئی کے لئے کیا تھا تو ہمیں اس مصیبت سے نجات عنایت فرما جس میں ہم مبتلا ہیں۔ چنانچہ چٹان کچھ اور سرک گئی۔ مگر ابھی تک اس سے نکلنا ممکن نہ تھا۔ تیسرے نے کہا: یا اللہ میں نے کچھ مزدور اُجرت پر لگائے اور ان تمام کو مزدوری دے دی۔ مگر ایک آدمی ان میں سے اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری کاروبار میں لگا دی۔ یہاں تک کہ بہت زیادہ مال اس سے جمع ہوگیا۔ ایک عرصہ کے بعد وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ اے اللہ کے بندے میری مزدوری مجھے عنایت کردو۔ میں نے کہا تم اپنے سامنے جتنے اونٹ، گائیں، بکریاں، غلام دیکھ رہے ہو یہ تمام کی تمام تیری مزدوری ہے۔ اس نے کہا اے اللہ کے بندے میرا مذاق مت اڑا۔ میں نے کہا میں تیرے ساتھ مذاق نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ سارا مال لے گیا اور اس میں سے ذرّہ بھی نہ چھوڑا۔ اے اللہ اگر میں نے یہ تیری رضا مندی کے لئے کیا تو تو اس مصیبت سے جس میں ہم مبتلا ہیں۔ ہمیں نجات عطا فرما۔ پھر کیا تھا وہ چٹان ہٹ گئی اور وہ باہر نکل آئے۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بعثت نبوی سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے۔ والد کے ساتھ ہی مکہ میں اسلام قبول کیا اس وقت یہ بچے تھے بعض نے کہا پہلے قبول کیا۔ والد کے ساتھ یا ان سے پہلے ہجرت کی۔ بدر میں حاضر نہ تھے احد کے موقع پر عمر ۱۴ سال تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا۔ غزوہ خندق میں پندرہ سال کی عمر تھی شریک ہوئے پھر کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہے۔ یہ ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ نے فرمایا: تمہارا بھائی نیک آدمی ہے اگر تہجد کی پابندی کر لیتا تو خوب ہوتا۔ اس کے بعد انہوں نے کبھی تہجد ترک نہ کی۔ یہ فقہاء' مفتی' زاہد صحابہ میں سے تھے۔ فتنہ کے وقت الگ رہے نہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیا نہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا۔ ان دنوں مناسک حج کا سب سے بڑھ کر علم رکھنے والوں میں سے تھے۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے ساٹھ حج اور ایک ہزار عمرے کئے اور ساٹھ سال فتویٰ دیا۔ ایک ہزار گھوڑے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیئے۔

مرویات: کل تعداد ۱۶۳۰۔ بخاری و مسلم نے ۱۷۰۔ فقط بخاری ۸۱ فقط مسلم ۳۱ (شرح الاذکار)

وفات: ۷۳ھ مکہ میں ۸۶ سال کی عمر میں شہادت کی موت پائی۔

سبب موت: حجاج نے ان کو سخت سست کہا تو آپ نے فرمایا: تیری عقل غائب ہے۔ حجاج کو یہ بات گراں گزری اس نے ایک آدمی کو حکم دیا جس نے نیزے کی زہر آلود نوک سے طواف کے دوران آپ کا قدم زخمی کر دیا۔ چند روز بیمار رہ کر آپ نے وفات پائی اور ذی طویٰ میں مہاجرین کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ بعض نے مقام فخ بتایا ہے۔

نفر: یہ اسم جمع ہے۔ تین سے دس مخصوص تعداد پر بولا جاتا ہے۔ اس کا واحد نہیں۔

کان: ضمیر لفظ کی وجہ سے مفرد ہے۔ قبل: یعنی پہلے زمانہ میں۔

النحو: حتی اواھم: ① حتیٰ عطف کے لئے معطوف علیہ انطلق ہے۔ ② جارہ ہو تو غایت مقدار ہے۔ ای فساروا الی ان آواھم البیت: آوی مد کے ساتھ زیادہ فصیح ہے۔ قرآن مجید میں الی کے صلہ کے ساتھ متعدی استعمال کیا ہے۔ و آویناھما الی ربوۃ: مصدر ایواء ہے قصر بھی جائز ہے۔ فعل لازم ہو تو قصر فصیح ہے جیسا اس آیت میں اذ اوی الفتیۃ: اس کا مصدر فعول اووی تھا۔ واؤ کو یا ء کر کے ادغام کیا ماقبل ضمہ کو کسرہ سے بدلا۔ اُوِیٌّ: بن گیا۔

البیت: یہ فاعل ہے۔ رات گزارنے کی جگہ۔ غار: جمع غیران۔ اصل غِوْران: تھا۔ (النہایہ)

فسدّت علیھم الغار: یعنی غار کا منہ بند کر دیا وہ پتھر دروازے پر دیوار کی طرح (رکاوٹ) بن گیا۔

فقالوا: ضمیر شان ہے۔

تدعوا اللہ بصالح اعمالکم: اے متوسلین الیہ اعمالکم الصالحہ: اپنے اعمال صالحہ کے توسل سے اس کی بارگاہ میں دعا کرو۔

تدعو: اصل تدعون: نون ان کی وجہ سے گر گئی واؤ جمع کی علامت باقی رہی۔ اسی لئے یہ باوجود ان کے ساکن ہے۔

ایک سے استدلال: کرب کی حالت میں اپنے صالح عمل کے توسل سے دعا کرنا مستحب ہے۔ ان لوگوں نے یہ عمل کیا ان کی دعا قبول ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ان کی اچھی تعریف و مدح کے انداز میں فرمائی ہے۔

قال رجل: والدین کے ساتھ نیکی کرنے والے کو پہلے لائے تاکہ والدین سے اچھے سلوک' اہتمام شان کا شرف ظاہر ہو۔

اللھم: یہ یا اللہ ہے کان لی ابوان: تغلیباً ماں' باپ کو کہہ دیتے ہیں۔ اس کی نظیر یہ ارشاد قرآنی ہے: کانت من القانتین۔ نحو ① ناقصہ ہو ظرف خبر مقدم ہے۔ ② کان تامہ ہو تو ظرف محل حال میں ہے۔ کبیران: بوڑھے۔

و کنت: اس کا عطف کان پر ہے۔

ۃ اغبق: یہ متفق علیہ ضبط اعراب ہے۔ غبوق پچھلے پہر اور صبح اور فقط صبح کے پینے کو کہتے ہیں۔ حاس: فجر پھوٹنے پر جو مشروب لایا جائے۔ معنی یہ ہے میں ان سے پہلے کسی کو پینے کے لئے نہ دیتا تھا۔

فنأی: بروزن سَعَیٰ' ایک روایت میں فَنَاءَ: بروزن جاء آیا ہے معنی دور جانا۔

طلب الشجر: مواشی کو درختوں پر چرانے کے لئے۔ اِرُحْ: ہمزہ مضموم۔ لوٹنا۔

حلبتُ لھما: دوہنا بخاری کے نسخہ میں فحملت: (اٹھانا)

فوجدتھما نائمین: ① وجد افعال قلوب سے ہے۔ نائمین اس کا دوسرا مفعول۔ ② لقی کے معنی میں ہو۔ پھر نائمین مفعول سے حال ہے۔ میں نے ان کو اس حال میں پایا کہ وہ سو رہے تھے۔ فکرھت: میں نے ناپسند کیا (تحفۃ القاری اور

بخاری میں)و کرھت: کے الفاظ ہیں۔

والقدح علی یدی: یہ ہے فاعل سے **ان اوظهما وان اغبق قبلهما اهلاً او مالاً فبشت**: جملہ حالیہ ہے۔اسی طرح **انتنظر** استفہامیہ ہے۔ پھر احتمال ہے کہ بعث کے فاعل سے حال ہے۔ **حتی برق الفجر**: یہاں تک کہ صبح کی روشنی ظاہر ہوگئی۔

والصبية يتضاغون: یہ بھی بعث کے فاعل سے جملہ حالیہ ہے۔**يتغاغون**: بھوک سے چیخنا۔

الضغاء: کمزوری فاقہ کی آواز۔**عند قدمی**: یہ تثنیہ یا مفرد دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ بخاری کے ہاں **عند رجلی** یائے مشددہ کے ساتھ ہے۔

سوال اولاد کا خرچہ والدین کے خرچہ سے مقدم ہے تو اس نے اولاد و بیوی کو کیوں بھوکا چھوڑا۔

جواب علامہ کرمانی کہتے شاید ان کی شریعت میں اصل کو فرع پر مقدم کرنا ضروری تھا۔

② سدرمق سے زائد کا وہ مطالبہ کرتے تھے اور چیخ وپکار بھوک کی وجہ سے نہ تھی۔

فاستيقظا فشربا غبوقهما۔ اللهم: یہ بیداری، انتظار اور قیام تک پیالہ اٹھائے رہنا۔

ابتغاء وجهك: تری ذات کی خاطر نہ کہ کسی اور غرض سے۔

ففرج عنا: دوسرا نسخہ۔**فافرج**: مفہم میں قرطبی **افرج**: کہتے ہیں۔**الفرجه**: وسعت۔

فرجة: راحت۔ **فرج يفرج**: ہر دو کا باب ایک ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں ہمزہ وصل ہو **فافرج**: ہوگا اور ہمزہ قطعی ہوتو **افرج**: ہوگا۔ یہ فرج 'الافراج سے ہے (فتح الباری)

ما نحن فيه من یعنی بند ہونے کی مصیبت۔**هذه**...... **شيئا**: یہ مفعول مطلق کی جگہ ہے۔یعنی ذرا سی کشادگی۔**لا يستطيعون الخروج منه**۔

الآخر: اور ہمزہ اور فتحہ خا کے ساتھ ہے۔

النَّحْو :**انه كان لی**: کان مذکر لایا گیا کیونکہ اس کے اسم **ابنة عم**: کے درمیان **لی**: سے فاصلہ ہے۔

ایک نسخہ میں کانت مؤنث سے آیا ہے۔**احب الناس اِلیّ**: دوسرے روایت میں **كنت احبها كاشد**: تقدیر **كلاً احبها حبًا كاشدِ**: کرمانی کہتے ہیں کاف زائد ہے یا اس سے اس کی محبت کو شدید ترین محبت سے تشبیہ دی گئی ہے۔

فاردتها: اس کا میں نے ارادہ کیا۔ دوسرے نسخہ میں **فراودتها علی نفسها**: یہ طلب جماع سے کنایہ ہے۔**فامتنعت منی**: یعنی میری طلب کی موافقت سے انکار کردیا۔

حتی المت سنه من السنين: یہاں تک کہ شدید قحط پڑ گیا۔**فجاء تنی**: وہ اس تکلیف کے موقعہ پر میرے پاس آئی۔

فاعطيتها عشرين ومائة دينار: بخاری و مسلم کی ایک روایت میں سو دینار کا ذکر ہے۔عدد کی تخصیص زائد کو مانع نہیں یا اس نے سو کا مطالبہ کیا اس نے بیس بطور اکرام دے دیئے۔**ففعلت**: اس نے موقعہ خلوت دیا۔

ایک روایت میں **حتی اذا قدرت عليها**: کے الفاظ ہیں کہ ① جب میں نے اس پر قابو پالیا یا ② اس کی طرف سے یا کسی اور کی طرف سے جماع میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ بخاری **قعدت** اور مسلم نے **فلما وقعت بين رجليها**: جماع کے لئے

بیٹھ گیا۔ ولا تفض الخاتم الا بحقه: ضاد پر تینوں حرکات درست ہیں۔ الخاتم: شرمگاہ اور پردہ بکارت سے کنایہ ہے۔
حق سے مراد تزویج ہے یعنی میری بکارت کو شادی کے بغیر مت زائل کر۔
فانصرفت: میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وخوف سے باز آ گیا۔
(وهي احب الناس الي): یہ جملہ محل حال میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے خوف کو خواہشاتِ نفسانی سے مقدم کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

وتركت الذهب: یہ فانصرت کا معطوف ہے یا جملہ حالیہ کا اس میں نفس کا مجاہدہ زیادہ ہے کہ خواہشات کو چھوڑنے کے ساتھ مال سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔ ابتغاء وجهك: تیری رضامندیاں چاہنے کے لئے اس میں اور کوئی غرض شامل نہ تھی۔ فافرج ما نحن فيه: یعنی مصیبت۔ فانفرجت الصخرة: پہلی کشادگی سے کچھ زائد کشادگی۔ غير انهم: اس کے باوجود۔ لا يستطيعون الخروج منها: اسے تنگ ہونے کی وجہ سے۔ اجراء: جمع اجیر جیسے شرفاء جمع شریف۔
بعض روایات بخاری ومسلم میں اجراء علی فرق من الطعام: کے الفاظ زائد ہیں۔ غلے کی ایک فرق پر مزدور لگائے۔
اجرهم: اجرت۔ غير رجل واحدٍ: واحد کی صفت تاکید کے لئے لائے تاکہ جنس مراد نہ لی جائے۔ ترك الذي له: یعنی جو متاجر کے ذمہ تھا۔ ثمرت اجره: بڑھایا۔ كثرت منه: اس کی مزدوری میں تجارت کرنے سے۔ الاموال: اونٹ' گائیں' بکریاں' غلام تمام اقسام مراد ہیں۔ فجاء ني: وہ مزدور میرے پاس آیا۔ اد: صحیح نسخہ حذف یا کے ساتھ ہے (تحفۃ القاری)
فقلت له: میں نے اخلاص سے کہا۔ كل ما ترى: ما سے مراد تمام اقسام مال۔ من اجرك: کی بجائے بعض نسخوں میں من اجلك: یعنی تمہاری خاطر ہے۔ الابل: یہ اِبِلُ اور اِبْلُ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ اس کے مابعد ماقبل کا بیان ہے۔ البقر: اس کو باقور بھی بولتے ہیں اس کو زمین ہل چلانے کی وجہ بقر کہا جاتا ہے۔ بقر یبقر پھاڑنا۔ فقال: یعنی مزدور نے کہا۔ لا تستهزئ بي: میری مزدوری تو اس کے قریب بھی نہیں۔ فاستاقه: تمام مال کو وہ اپنے گھر لے گیا۔ فلم يترك منه شيئا: اس میں سے میرے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ ما نحن فيه: دکھ وتکلیف۔ فانفرجت: وہ پتھر غار کے دروازے سے ہٹ گیا۔

تخریج ۞ اخرجة احمد (۵۹۸۰ / ۲) والبخاری (۲۲۱۵) نسائی۔ ابن حبان عن ابی هريرة مختصراً۔ اس میں یہ الفاظ زائد ہیں: انما فعلت رجاء رحمتك وخشية عذابك اور یہ الفاظ بھی ہیں ایک کی دعا سے فزال ثلث الحجر في الثالث فزال الحجر فخرخواه يتماشون ہے۔

حاصل کلام ۞ کرب کی حالت میں دعا مستحب ہے اور اسی طرح اچھے اعمال کے وسیلے سے دعا کرنی چاہئے۔ والدین سے حسن سلوک ان کی خدمت کی فضیلت اور اولاد کے مقابلے میں ان کو ترجیح کا مستحق ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ ② پاکدامنی کی فضیلت۔ حرام پر قدرت پانے کے باوجود اس سے اللہ تعالیٰ کی خاطر بچنا قابل تعریف ہے۔ طعام کے بدلے استیجار جائز ہے۔ اسی طرح اچھے عہد کی فضیلت اور امانت کی ادائیگی اور معاملے میں سماحت ودرگزر اختیار کرنی چاہئے اور اولیاء کی کرامات برحق ہیں۔

روایت میں بیع فضولی کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ جو اس میں مذکور ہے وہ ہم سے ماقبل کی شرائع میں سے ہے اور خود اس کے دلیل بننے میں بھی اختلاف ہے اور اگر بالفرض دلیل ہو تو شاید اس نے اپنے ذمہ جو اجرت تھی اس میں استیجار کیا ہے۔ اس کے

سپرد نہیں کیا صرف پیش کیا مگر اس نے حقیر ہونے کی وجہ سے قبول نہ کیا پس وہ مستاجر کی ملکیت میں رہا جو کسی کے ذمہ ہو وہ قبضہ کے بغیر متعین نہیں ہوئی۔ مستاجر نے اس میں تصرف کیا کیونکہ وہ اس کی ملکیت میں باقی تھا۔ پھر جو جمع ہوا اس کو خوشی سے مزدور کو بطور تبرع دیا۔ علامہ خطابی کہتے ہیں اس نے اللہ تعالیٰ کے قرب کے لئے تبرعاً اجیر کو دیا۔ اسی لئے مصیبت سے چھٹکارے کے لئے اس سے توسل کیا۔ مزدوری سے زائد اس پر لازم نہ تھا اسی لئے تو تبرع پر اس کی تعریف کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

الفرائد: ① اس میں والدین سے حسن سلوک اور ان کی خدمت کی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔ ② والدین کو بیوی و اولاد پر ترجیح کا عمدہ نتیجہ ہے۔ ③ پاکدامنی کی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔ ④ حرامکاری سے ایسے وقت میں بچنا جبکہ اس پر پوری قدرت ہو' اللہ تعالیٰ کے ہاں باعث عزت ہے۔ ⑤ طعام کے ساتھ اجارہ درست ہے۔ ⑥ حسن عہد اور ادائے امانت اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل ہے۔ ⑦ اولیاء کی کرامات برحق ہیں۔

٢ :بَابُ التَّوْبَةِ

قَالَ الْعُلَمَآءُ :اَلتَّوْبَةُ وَاجِبَةٌ مِّنْ كُلِّ ذَنْبٍ فَاِنْ كَانَتِ الْمَعْصِيَةُ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لَا تَتَعَلَّقُ بِحَقِّ آدَمِيٍّ فَلَهَا ثَلٰثَةُ شُرُوْطٍ :اَحَدُهَا اَنْ يُّقْلِعَ عَنِ الْمَعْصِيَةِ وَالثَّانِى اَنْ يَّنْدَمَ عَلٰى فِعْلِهَا ، وَالثَّالِثُ اَنْ يَّعْزِمَ اَنْ لَّا يَعُوْدَ اِلَيْهَا اَبَدًا، فَاِنْ فُقِدَ اَحَدُ الثَّلٰثَةِ لَمْ تَصِحَّ تَوْبَتُهٗ ، وَاِنْ كَانَتِ الْمَعْصِيَةُ تَتَعَلَّقُ بِاٰدَمِيٍّ فَشُرُوْطُهَا اَرْبَعَةٌ هٰذِهِ الثَّلٰثَةُ وَاَنْ يَّبْرَاَ مِنْ حَقِّ صَاحِبِهَا، فَاِنْ كَانَتْ مَالاً اَوْ نَحْوَهٗ رَدَّهٗ اِلَيْهِ ، وَاِنْ كَانَ حَدَّ قَذْفٍ وَّنَحْوَهٗ مَكَّنَهٗ مِنْهُ اَوْ طَلَبَ عَفْوَهٗ ، وَاِنْ كَانَ غِيْبَةً اسْتَحَلَّهٗ مِنْهَا۔ وَيَجِبُ اَنْ يَّتُوْبَ مِنْ جَمِيْعِ الذُّنُوْبِ ، فَاِنْ تَابَ مِنْ بَعْضِهَا صَحَّتْ تَوْبَتُهٗ عِنْدَ اَهْلِ الْحَقِّ مِنْ ذٰلِكَ الذَّنْبِ وَبَقِيَ عَلَيْهِ الْبَاقِيْ ۔ وَقَدْ تَظَاهَرَتْ دَلَائِلُ الْكِتَابِ ، وَالسُّنَّةِ، وَاِجْمَاعِ الْاُمَّةِ عَلٰى وُجُوْبِ التَّوْبَةِ ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [النور:٣١] قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ﴾ [هود : ٣] قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا﴾ [التحريم :٨]

باب : توبہ کا بیان

علماء نے فرمایا ہر گناہ سے توبہ فرض ہے۔ پھر اگر گناہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ کسی بندہ کا حق اس سے متعلق نہیں تو اس سے توبہ کی تین شرائط ہیں: (۱) گناہ کو ترک کرنا' (۲) گناہ پر شرمسار ہونا' (۳) آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا۔ اگر ان میں سے ایک شرط معدوم ہوگی تو پھر توبہ صحیح نہ ہوگی اور گناہ کا تعلق کسی بندہ کے حق سے ہے۔ تو پھر اس کی چار شرائط ہیں۔ تین مذکورہ بالا اور چوتھی یہ ہے کہ حق والے کے حق سے بری الذمہ ہو۔ اگر وہ حق مال وغیرہ کی قسم سے ہے تو اس کو واپس کرے۔

اگر وہ بندہ کا حق تہمت وغیرہ کی قسم سے ہے تو اس کو اپنے اوپر اختیار دے یا اس سے معافی مانگے اور اگر غیبت وغیرہ ہو تو پھر بھی اس سے معافی مانگے۔ تمام گناہوں سے توبہ واجب ہے۔ اگر اس نے بعض گناہوں سے توبہ کی تو اہل حق کے نزدیک اس گناہ سے اس کی توبہ تو درست شمار کر لی جائے گی اور باقی گناہ اس کے ذمہ رہیں گے۔ توبہ کے لزوم پر کتاب وسنت اور اجماعِ اُمت کے بہت سے دلائل ہیں۔ چند ارشاداتِ الٰہی پیش کر رہے ہیں:

''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔

''اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو''۔

''اے ایمان والو! اللہ کی بارگاہ میں خالص توبہ کرو''۔

النحو: ① یہ ہذا مبتداء کی خبر ہے۔ ② باب التوبہ مبتداء خبر محذوف۔ ③ خذ محذوف فعل کا مفعول ہے۔ توبہ لغت میں رجوع کو کہتے ہیں۔ تاب۔ اتاب۔ آب: لوٹنا۔ تائب الی اللّٰہ تعالیٰ: جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو یعنی مذموم اوصاف سے پسندیدہ اوصاف کی طرف۔ اسی طرح ممنوعات سے اوامر کی جانب' نافرمانی سے طاعت کی طرف' اللہ تعالیٰ کی ناپسند سے پسند کی طرف' مخالفت سے موافقت کی جانب' مفارقت کے بعد رجوع کرنے والا' مخالفت سے طاعت کی طرف آنے والا۔

تائب: جو شخص اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر لوٹے وہ تائب ہے۔

منیب: جو اللہ تعالیٰ سے حیاء کر کے لوٹے۔

اوّاب: جو جلالِ الٰہی کی تعظیم کرتے ہوئے لوٹے۔

توبہ کا شرعی معنی: اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والی چیزوں سے ہٹ کر قرب والی چیزوں کو اختیار کرنا۔ (قال ابحی کذا۔

قرطبی کہتے ہیں کہ جامع تعریف یہ ہے کسی ایسے گناہ کے مماثل حقیقی یا تقدیری سے بچنا جو پہلے کر چکا۔

واجبة: وجوب توبہ پر سب کا اتفاق ہے' اس میں صغائر و کبائر' ظاہر و باطن مثلاً حسد و کینہ کا کوئی فرق نہیں۔ **فان کانت تا بحق آدمی**۔

النحو: **العبد**: کا بین اللہ کا عطف بیان ہے۔ مگر اس کو بدل یا خبر ثانی بنانا صحیح (سیوطی فی جمع الجوامع)

فلها: یہ اِن شرطیہ کا جواب ہے۔ **ان یقلع**۔

شرط ☆: رک جانا ہے اور منقطع ہونا۔ **عن المعصیة**: جو معصیت وہ کر رہا تھا کیونکہ گناہ کے ارتکاب کے ساتھ توبہ ناممکن ہے۔ اور کبھی یہ شرط چھوڑ دی جاتی ہے اور اس کو اس بات پر محمول کیا جاتا ہے کہ یہ ایسا شخص ہے کہ اس سے یہ معصیت محال ہے جیسا مجبوب الذکر زنیٰ کرے۔ یہ ایسا شخص ہے جس سے اطقاع کتسب ناممکن ہے۔ اسی طرح اس سے اس بات کا عزم بھی ناممکن ہے کہ مستقبل میں وہ ایسا نہ کرے گا کیونکہ اس کا فعل ہی اس سے غیر ممکن ہے۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں کسی انسان پر کسی چیز کا ترک اس وقت لازم ہو سکتا ہے جب اس کا کرنا اس سے ممکن ہو۔ اسی لئے کہ جس چیز کا ترک ناممکن ہو

انسان اس کا مکلّف نہیں ہو سکتا۔

دوسری شرط: توبہ کی ان یندم علی فعلها: اس طور پر کہ وہ معصیت ہے اگر وہ اس پر شرمندہ ہے مگر اس حیثیت سے نہیں بلکہ کلام میں آنے والی ان وجوہ کی بناء پر جو خالص توبہ کے سلسلہ میں لکھی گئی ہیں تو شرمندگی کسی مد میں شمار نہ ہوگی۔ غزالی نے تو توبہ کو مفہوم توبہ میں شرط قرار دینے پر اعتراض کیا ہے اور پھر لکھا کہ شرط قرار دینے سے مراد گناہ کا یاد کرنا اور اس کی نحوست اور اللہ کے عذاب وعتاب وغیرہ کو یاد کرنا ہے کیونکہ یہ چیز انسان کی قدرت وکسب میں داخل ہیں اور اسی پر شرمندگی کا دارومدار ہے جو کہ ایک فطری چیز ہے انسان کو اس کے کمانے کی طاقت نہیں۔ (منہاج العابدین للغزالی)

تیسری شرط: یعود الیها الدأ: یعنی اس جیسا گناہ دوبارہ کبھی نہ کرے گا خواہ ریاء سے ہی ہو۔

چوتھی شرط: توبہ فقط اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔

سیف امدی نے ایک اور شرط کا اضافہ کیا ہے کہ مکمل توبہ اس وقت ہوگی جب شرمندگی اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو(کذا قال ابن السلام) اس قید کا اضافہ اس لئے کیا گیا تا کہ اس جیسی باتوں سے احتراز ہو مثلاً ایک آدمی نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا۔ اس کو اس پر اس وجہ سے تو شرمندگی ہے کہ یہ اس کا بیٹا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدراک نہیں کیونکہ اخلاص تو ہر عبادت کا لازمہ ہے۔ لوگ توبہ کے تین ارکان مانتے ہیں جو اخلاص کے علاوہ ہیں۔

علامہ ابن حجر ہیثمی نے کہا یہ شرط اقلاع میں موجود ہے۔ اقلاع کی حقیقت یہ ہے کہ گناہ کو اللہ تعالیٰ کی خاطر چھوڑے اس میں کسی فرد کا خوف یا ریاء وغیرہ کی غرض جو غیر اللہ سے متعلق ہے وہ شامل نہ ہو۔

فان فقد: یعنی ان میں سے ایک بھی نہ پائی گئی۔ للا تصح توبته: تو اس کی توبہ کامل نہ ہوگی۔ البتہ ناقص توبہ گناہ سے باز آنے اور نہ کرنے کے عزم سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اسی لئے بعض نے کہ الندم توبة والی روایت کو ناقص توبہ پر محمول کیا جائے گا۔ بعض کا قول یہ ہے کہ اس کا معنی الحج عرفه: والا ہے کہ حج کا اہم ترین رکن حاضری عرفات ہے۔ واللہ اعلم۔

ان ...... المعصية: وہ گناہ جس سے وہ توبہ کرنا چاہتا ہے۔...... فشرطها اربعه: نحو: مبتداء خبر ہیں۔ مجموعہ افراد کے لحاظ سے اربعۃ خبر بن سکتی ہے کیونکہ مفرد معرفہ کی طرف مضاف ہے یہی صحیح ہے۔ هذه الثلاثة: جو پہلے ذکر کی گئی ہیں۔ چوتھی یہ ہے کہ حق والے کو حق واپس کرے۔ بعض نے تہمت کی صورت میں ایک قید کا اضافہ کیا ہے کہ وہ اسے اس طرح کہے میں نے تمہارے متعلق غلط بات کہی میں اس پر شرمندہ ہوں دوبارہ نہ کہوں گا اور جھوٹی گواہی بھی اسی میں شامل ہے۔

فان كانت: اگر گناہ آدمی سے تعلق رکھتا ہو اور وہ محال وغیرہ جیسی چیز ہو۔ رده اليه: تو اسے واپس کر دے اگر بعینہٖ موجود ہو ورنہ تلف کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرے یا اس کی مثل ادا کرے۔ وان كان حد قذف ونحوه: اگر آدمی کا حق قذف قتل، قطع ید کی صورت میں ہو۔ مكنه منه: تو حق والے کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرے کہ وہ اس سے بدلہ لے لے۔ او طلب عفوه: اس سے معافی مانگے کہ وہ اپنا حق اس سے معاف کر دے۔

روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے صحیح ہونے کے لئے حق کی واپسی اور اس کو اختیار دینا ضروری ہے جب اس کے سامنے پیش کر دیا یا معافی مانگ لی تو نیت کی حاجت نہیں۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ اور ابن عبدالسلام اور نوویؒ کہتے ہیں کہ اس کی توبہ صحیح ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو سپرد نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ہوتا ہے۔ البتہ آدمی کے حق وغیرہ کا گناہ

اس پر باقی رہے گا بلکہ کتاب شامل میں تو یہاں تک فرما دیا جب وہ شرمندہ ہوا ہے تو اس کی توبہ درست ہے اگر چہ حق کو نہیں لوٹایا اور یہ بات ظاہر ہے پس وہ اللہ تعالیٰ کے حق کی طرح اس سے بری ہوگا جبکہ گناہ سے علیحدگی مکمل طور پر پائی گئی ورنہ وہ مغصوبہ چیز کے واپس کرنے کی طرح ہے جب تک وہ اس کے پاس باقی ہو اور وہ اسے لوٹا سکتا ہو تو اس کی توبہ اس غصب سے قبول نہیں ہوتی (اسی طرح یہاں ہے)۔

وان کان: اگر وہ آدمی کا حق معصیت یعنی غیبت ہے۔ بعض نے تو اس کو تہمت کے حق کی طرح قرار دیا کہ وہ اس طرح کہے جو میں نے کہا تھا وہ غلط تھا میں اس پر شرمندہ ہوں دوبارہ نہ کہوں گا اور جھوٹا گواہ بھی ایسا قرار کرلے۔

استحله منها: یعنی اپنی بات کی اس کو اطلاع دے تاکہ معافی درست ہو جائے لیکن بعض مواقع ایسے ہیں کہ وہاں معافی مانگنے جائے گا تو ان کے قتل کر دینے کا خطرہ ہے تو پھر ایسا نہ کرے استغفار کافی ہے۔ غیبت وغیرہ کی معافی مانگ لے۔

یجب...... جمیع الذنوب: اہل سنت کے نزدیک ضروری ہے کہ صغائر سمیت تمام گناہوں سے توبہ کرلے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾ [التحریم: ۸] ''اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام اور خالص توبہ کرو''۔

فان: اگر اس نے تمام گناہوں سے توبہ نہ کی بلکہ بعض پر اصرار کیا اور بعض سے توبہ کی تو اہل سنت کے ہاں توبہ درست ہے۔ **من ذلك الذنب:** یہاں بہتر عبادت۔ **ذلك البعض:** ہے بعض سے وہ مراد ہے جس سے اس نے توبہ کی ہے۔ **وبقی علیه الباقی:** باقی رہنے کا مطلب گناہ کا باقی رہنا ہے اور اس سے توبہ اس کے ذمہ باقی ہے۔ اس بات پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ جس آدمی نے کفر سے توبہ کی مگر بعض گناہوں پر اصرار کرنے کے باوجود اس کا اسلام اور توبہ درست ہے کیونکہ توبہ کی حقیقت رجوع' ندامت اور نہ کرنے کا عزم ہے اور وہ موجود ہے۔

تظاهرت: یہ تعاون کے معنی میں ہے۔

النحو : دلائل الکتاب: دلائل کی بقیہ معطوفات کی طرف اضافت بیانیہ ہے۔

علی وجوب التوبه: یہ تظاہرت کے متعلق ہے۔ آیات ﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ﴾ (النور: ۳۱)

قال الله تعالیٰ: یہ ① حال ہے۔ وہ مرتبہ کے لحاظ بلندیوں والا ہے۔ مکان کی بلندی جو اس کے لائق نہیں ہے اس سے پاک ہے۔ ② جملہ مستانفہ معنیٰ انشائیہ ہے۔

توبوا الایة: تم اے ایمان والو! اس سے توبہ کرو جو تم سے ممنوع نظر وغیرہ واقع ہوگئی ہے۔

المؤمنون: میں عورتیں بھی شامل ہیں مذکر کو تغلیباً ذکر کیا گیا ہے۔

لعلکم تفلحون: تم اس گناہ سے قبول توبہ کی وجہ سے نجات پا جاؤ گے۔

النحو :لعل: اصل میں رجاء کے لئے مگر کلام اللہ میں تحقیق کے لئے ہے۔

علامہ سیوطیؒ کہتے ہیں کتاب وسنت کا ہر وعدہ یقیناً پورا ہونے والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخلف محال ہے۔ (التوشیح)

آیت نمبر ② **استغفروا ربکم:** شرک سے معافی مانگو۔ اس کو ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے کیونکہ اس سے توبہ کا حکم ظاہر ہے۔ **انه کان غفاراً:** غفار میں مبالغہ ① باعتبار کمیت ہے۔ **مغفور لهم:** کی تعداد ان گنت ہے۔ اور اگر ② مبالغہ کیفیت کے لحاظ

سے ہوتو وہ تمام گناہ صغائر' کبائر' فواحش کو بخشنے والا ہے۔ان: یہ ماقبل امر کی علت ہے۔

آیت ③ **قال تعالٰی یایھا الذین امنوا توبوا الایة:** خالص توبہ کے متعلق سلف کی مختلف تشریحات ہیں۔حاصل سب کا ایک ہے۔

حضرت عمراور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما نے فرمایا: خالص توبہ یہ ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے کے بعد اسی طرح دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کرے جیسا کہ دودھ پستان میں واپس نہیں جاتا۔

حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں گزشتہ پر شرمندہ ہواور دوبارہ نہ کرنے کا پختہ قصد کرنے والا ہو۔

کلبی کہتے ہیں۔زبان سے استغفار اور دل سے ندامت اور بدن کو روک رکھنا توبہ ہے۔

ابن المسیبؒ کہتے ہیں جس توبہ سے تم اپنے نفوس کی خیر خواہی کرنے والے ہو۔ابن مسیّب نے نصوح بروزن فعول کو بمعنی فاعل قرار دیا اور پہلے تمام علماء نے نصوح بمعنی منصوع قرار دیا یعنی تائب خالص ہو گیا اور اس نے اس میں ملاوٹ نہ رہی۔پس یہ نصوح رکوب بمعنی مرکوبہ منصوحہ ہے۔دوسری صورت میں نصوح بمعنی ناصحہ یعنی خالصہ' صادقہ ہے۔

علامہ زرعی کہتے ہیں خالص توبہ میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ① تمام گناہوں سے ہو کوئی گناہ بھی اس سے باقی نہ رہے۔ ② عزم وصدق دونوں اس طرح جمع ہوں کہ تردد وانتظار کی گنجائش نہ رہے بلکہ ارادہ وعزم اکٹھے ہوں۔ ③ اخلاص کی راہ میں تمام اسباب اور ملاوٹوں سے پاک ہو اور اللہ تعالٰی کے خوف وخشیت سے واقع ہو۔اللہ کے انعامات کی توقع اور عذاب سے ڈر کر ہو اس شخص کی طرح نہ ہو جو اپنی جاہ یا پیشہ یا منصب یا حالت یا مال کی حفاظت یا لوگوں سے تعریف کی خواہش یا لوگوں کی مذمت کے خطرے یا اسی طرح کے دیگر اسباب جو اس کے خلوص وصحت میں نقصان دہ ہیں ان کی خاطر توبہ کرے۔

حاصل ☆ پس پہلی شرط ان چیزوں سے متعلق ہے جن سے توبہ کی جاتی ہے اور تیسری شرط جس کے لئے توبہ کی جاتی ہے درمیانی شرط توبہ کرنے والے کی ذات سے متعلق ہے۔جس توبہ میں مذکورہ شرائط پائی جائیں وہ بلاشبہ بخشش کو متضمن ومستلزم ہے اور تمام گناہوں کو مٹانے والی یہ انتہائی کامل ترین توبہ ہے۔(شرح المنازل)

① یہ نصح الشی سے ہے ای خالصہ۔ ② نصحت اور نصیحتی خالص کرنا' مخلصہ صادقہ کے معنی میں۔ ③ نصحت الثوب پھٹے کپڑے کو مرمت کر لیا جس توبہ سے اللہ تعالٰی کے ساتھ توڑے ہوئے تعلق کو مرمت کر لیا۔ای منصوحہ۔(مترجم)

۱۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ : "وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ فِی الْیَوْمِ اَکْثَرَ مِنْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۱۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: اللہ کی قسم! میں اللہ تعالٰی سے ایک: ایک دن میں ستر ستر مرتبہ سے زیادہ توبہ واستغفار کرتا ہوں۔(صحیح بخاری)

واللّٰہ: کسی معاملے کی تاکید اور تقویت کے لئے قسم مستحب ہے تاکہ لوگ اس کو جلد اپنائیں۔

انی لاستغفروا اللّٰہ: میں اپنے مقام ومرتبہ (جو ہر گناہ سے مبرا ہے) کے مطابق مغفرت طلب کرتا ہوں۔

واتوب الیہ: میں اس کی طرف شہود سے شہود کی طرف منتقل ہوتا ہوں۔یہ جملہ جواب قسم ہے۔

فی الیوم: شرعی دن طلوع فجر سے غروب شمس کو کہا جاتا ہے۔ علامہ سفاقسی رحمۃ اللہ کہتے ہیں۔ یوم ایسا لفظ ہے جس کے فا کلمہ میں یا عین میں واؤ واقع ہوتا ہے اور کوئی لفظ ایسا نہیں۔ ② ویعرج: یہ سورج کے ناموں میں سے ہے۔ بعض نے دبوح کہا ہے۔

سبعین مرۃ: یہ تحدید کے لئے نہیں آتے۔ توبہ واستغفار کا تقاضا یہ ہے کہ یہ منحصر نہ ہو۔ یہ ترقی ومشاہدہ کے مطابق متکرر لائے ہیں۔ پھر اس میں ترغیب دی کہ خیر خلق اور معصوم ہونے کے باوجود جب ستّر بار استغفار کرتا ہوں اور وہ اس غرض کے پیش نظر کہ حق عبودیت جو اس کی ذات کے لائق ہے اس سے اپنے کو قاصر سمجھ کر استغفار کرتا ہوں۔

بخاری نے کتاب الاطراف میں ذکر کیا اور بخاری میں مائۃ مرۃٍ کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔

تخریج: أخرجه احمد (٧٧٩٨ / ٣) والبخاری (٦٣٠٧) والترمذی (٣٢٥٩) والنسائی فی الکبری (١١٤٩٥ / ٦) و فی عمل الیوم واللیلة (٤٣٤) وغیره و ابن ماجه (٣٨١٥) وابن حبان (١٩٢٥) و ابن أبی شیبة (١٠/ ٢٩٧)

الفرائد: ① آپ ﷺ کا استغفار اُمت کو سکھانے اور بتلانے کے لئے ہے۔ ② بقول امام غزالیؒ آپ ﷺ کے درجات دائم الترقی ہیں جب اگلے درجے پر پہنچ جاتے ہیں تو گزشتہ سے استغفار کرتے ہیں۔ ③ دِل کی ترقی کے منازل سے نفس کو قاصر پاکر استغفار کرتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

۱۴ : وَعَنِ الْاَغَرِّ بْنِ يَسَارٍ الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "يٰاَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ فَاِنِّيْ اَتُوْبُ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۴: حضرت اغر بن یسار مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے لوگو! اللہ کی بارگاہ میں تم توبہ واستغفار کرو۔ میں دن میں سو سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں"۔ (صحیح مسلم)

اَغَرّ بن یَسار المزنی: ان کو جہنی بھی کہا جاتا ہے۔ ایک دوسرے صحابی اَغر غفاری ہیں۔ بعض حفاظ نے دونوں کو ایک قرار دیا ہے مگر حافظ نورالدین داؤدی کہتے ہیں یہ تین افراد ہیں۔ مسلم نے صرف اغر مزنی سے روایت لی ہے اور ابوداؤد' ترمذی نے بھی اس سے روایت نقل کی ہے۔

توبوا الی اللّٰہ: اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور مناہی سے اجتناب کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرو اور جن کاموں سے توبہ کا حکم دیا ہے بالاتفاق توبہ ہر صغیرہ گناہ سے بھی ضروری ہے۔

فانی اتوب الیه: میں اس کی بارگاہ کی طرف اس طرح رجوع کرتا ہوں جو میرے مناسب ہے' مثلاً اس کے شہود کی طرف یا اس سے سوال کی طرف یا اس کی بارگاہ میں حضور اور عاجزی ظاہر کرنے کے لئے۔

تخریج ۞ مسلم ج ۲۔ ۲۷ نے اپنی صحیح کے آخر میں ذکر کیا اور کتاب السلاح میں فرمایا کتب ستہ میں حضرت اغر رضی اللہ عنہ کی صرف یہی روایت ہے۔ ابن ماجہ ۳۸۱۵۔

الفرائد: ① علامہ ابن جوزیؒ نے فرمایا گنہگار کے لئے استغفار اس لئے اعلیٰ ہے کیونکہ میلے کپڑے کو خوشبودار دھونی کی بجائے صابن کی ضرورت ہے۔ ② کثرتِ استغفار اس روایت سے نبی کریم ﷺ سے ثابت ہوا وہاں دیگر انبیاء علیہم السلام

سے بھی اس کی تلقین موجود ہے جیسے کہ آیاتِ مبارکہ: ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ......﴾ [نوح: ١٠] اور ﴿وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ......﴾ [هود: ٥٢]

١٥ : وَعَنْ أَبِيْ حَمْزَةَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ الْاَنْصَارِيِّ خَادِمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "اَللّٰهُ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ مِنْ اَحَدِكُمْ سَقَطَ عَلٰى بَعِيْرِهٖ وَقَدْ اَضَلَّهٗ فِيْ اَرْضِ فَلَاةٍ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ *وَفِيْ رِوَايَةِ الْمُسْلِمِ : "اَللّٰهُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهٖ حِيْنَ يَتُوْبُ اِلَيْهِ مِنْ اَحَدِكُمْ كَانَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِاَرْضِ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ فَاَيِسَ مِنْهَا فَاَتٰى شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِيْ ظِلِّهَا وَقَدْ اَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ : اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَاَنَا رَبُّكَ ، اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ."

١٥ : حضرت انس بن مالک انصاریؓ خادم رسولؐ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے کہیں اس سے بھی بڑھ کر خوش ہوتے ہیں۔ جتنا وہ آدمی جس نے بیابان میں اپنے اونٹ کو گم گشتہ ہونے کے بعد پالیا" (متفق علیہ) صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے جبکہ وہ اس کی بارگاہ میں توبہ کرے کہیں اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جتنا وہ آدمی کہ جس نے کسی صحرا میں اپنی سواری کو گم کردیا۔ وہ سواری اسکے ہاتھ سے چھوٹ گئی جبکہ اس کا کھانا اور پینا اس پر لدا ہوا تھا۔ وہ شخص اس کی تلاش میں مایوس ہوکر ایک درخت کے سایہ کے نیچے آ کر لیٹ گیا۔ اسی دوران وہ سواری اس کے پاس آ کر کھڑی ہوئی اور وہ اس کی نکیل کو تھام کر انتہائی خوشی میں یوں کہہ اٹھتا ہے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِيْ وَاَنَا رَبُّكَ کہ: "اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا ربّ"۔ گویا خوشی کے جوش میں وہ غلطی کر گیا۔

ابو حمزہ: یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔ حمزہ ایک سبزی ہے۔ جس میں ترشی پائی جاتی ہے وہ ان کو بہت پسند تھی۔ بن مالک بن النضر انصاری الخزرجی النجاری المدنی ثم البصری۔

خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انہوں نے آپ کی سفر و حضر میں مدینہ تشریف آوری سے وفات تک خدمت کی۔ اس وقت ان کی عمر دس سال کی تھی وفات شریفہ کے وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آٹھ غزوات میں شمولیت کی۔

مرویات: بقی بن مخلد کی مسند میں ان سے ۲۲۸۶ روایات ہیں جبکہ بخاری و مسلم نے ۱۶۸۔ بخاری نے ۸۰ اور مسلم نے ۷۰ نقل کی ہیں۔ انہوں نے خود کئی صحابہؓ سے روایات نقل کی ہیں اور ان سے بہت سے تابعین نے روایت کی ہیں۔ اصحاب مسانید نے ان سے روایات لی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے سلسلہ میں کرامت یہ ہے جو بخاری نے نقل کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے۔ وہ آپؐ کی خدمت میں کھجور اور گھی لائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: تم اپنا گھی مشک میں واپس ڈال دو اور کھجور واپس ٹوکری میں رکھ دو میں روزہ سے ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے ایک جانب تشریف لے گئے اور وہاں نفل نماز ادا فرمائی۔ پھر ام سلیم سے اور اس کے گھر والوں کے لئے دعا فرمائی۔ ام سلیمؓ کہنے لگیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا ایک خویصہ ہے (چھوٹی خاص چیز) آپ نے فرمایا وہ کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا وہ آپ کا خادم انس ہے۔ آپ اس کے لئے دعا فرمائیں۔ آپؐ نے دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کی دعا میرے لئے فرمائی۔ فرمایا: **اللھم ارزقه مالا وولدا وبارك له**: انس کہنے لگے میرے پاس انصار میں سب سے زیادہ مال تھا۔ مجھے اولاد دی ملی میرے پوتوں کے ان کی تعداد ۱۲۵ تھی اور میری زمین سے دو مرتبہ فصل اٹھایا جاتا اور میرے باغ کے ریحان کی خوشبو مشک جیسی تھی۔ (شرح الاذکار میں مزید حالات دیکھیں)

وفات: انہوں نے اپنے مکان قصر انس میں جو بصرہ سے ڈیڑھ فرسخ دور تھا وفات پائی۔ صحابہؓ میں سب سے آخر میں یہ وفات پانے والے ہیں۔ ۹۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کی عمر ۱۰۰ سے زائد تھی۔ ان کی وفات پر مورق عجلی نے کہا آج نصف علم چلا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے جب خواہش پرست ہم سے احادیث میں جھگڑا ڈالتے تو ہم کہتے آؤ ان کے پاس چلیں جنہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ لَلّٰہ: یہ لام کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ قسم مقدر کا جواب ہے ای وَاللّٰہِ لَلّٰہُ۔

افرح: زیادہ خوش ہوتے ہیں۔ فرح ① وہ خوشی جو انسان کو اپنے کسی ایسے سامان کے مل جانے پر میسر ہوتی ہے جس سے اس کا نقصان پورا ہو جائے۔ یا ② اس کی ضروریات پوری ہو جائے ③ اس سے اپنے اوپر آنے والی مصیبت یا نقص دور کر سکے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق والی خوشی سے تو پاک ہے۔ زیادہ سے زیادہ کہہ سکتے ہیں کہ رضا مراد ہے کیونکہ سرور رضا ہم قرین ہیں یا تشبیہ عقلی مرکب ہے اصل اس سے نچوڑ اور غایت مراد ہوتی ہے اور رہی یہ بات کہ اس کو اس تشبیہ کے انداز میں اس لئے لایا گیا تا کہ سامع کے ذہن میں بات اتر سکے یا مرتکب تمثیلی ہے کہ مشبہ کے لئے مشبہ بہ کے حالات کا وہم پیدا ہو کر پھر اس کے مناسب حالات مراد لئے جائیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ افرح سے راضی ہونا مراد ہے۔

بتوبة عبده من: یعنی تم میں سے کسی کی خوشی جو اس حال میں میسر آئے۔ **سقط علی بعیرہ**: اپنے اونٹ کو پا لے یہ **سقط الطائر علی وکرہ**: سے لیا گیا ہے یعنی بلا قصد مل جائے۔

النَّحْو **وقد اضله**: یہ سقط کی ضمیر سے حال متداضلہ ہے۔

فی ارض فلاة: موصوف کو صفت کی طرف مضاف کیا گیا ہے ای **فی ارض واسعةٍ**۔

یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ اختلاف الفاظ: مسلم کے الفاظ یہ ہیں: **لَلّٰہ اشد فرحا بتوبة عبدہٖ حین یتوب الیه**: یعنی بندے کے طاعت کی طرف لوٹنے اور حکم کی اطاعت کرنے سے۔

حین یتوب الیه: جب کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کی خاطر توبہ کرنے والا ہو۔ یہ قید **بتوبة عبدہٖ**: کے بعد ضروری ہے۔ **احدکم اذا کان**: ایک نسخہ یہ کان کا لفظ ہے۔

راحلته: سے وہ سواری مراد ہے جس پر وہ سوار تھا خواہ اونٹنی ہو یا اور۔

بارض فلاة: ارض کو تنوین سے نقل کیا گیا ہے مگر فتح الدلہ میں اضافت کے ساتھ ہے۔

فانفلتت منه: وہ سواری اس سے گم ہو گئی حالانکہ اس پر اس کا کھانا پینا بھی تھا۔ اس کو دو وجہ سے اونٹنی کی ضرورت ہے: ① اس

پراس کا زادِراہ ہے ② سواری کے لئے۔

فأيس منها: (وہ مایوس ہوگیا) ① اسے پالینے میں مایوسی کا اظہار مقصود ہے۔② اس کی تلاش پر قادر نہ ہوا۔ **فاتى شجرة:** سواری کی تلاش میں پہنچنے والی تھکاوٹ سے آرام کر سکے۔

وقد أيس: یہ حال ہے یعنی اس حال میں کہ وہ اس کے مل جانے سے مایوس ہو چکا تھا اور اسباب موت کے پیدا ہونے کی وجہ سے وہ اپنے کو موت کے حوالے کر چکا تھا۔

فبينما: اصل میں بین پر ما کو اضافت سے باز رکھنے کے لئے لگا دیا۔

هو كذلك: مایوس یا موت کے حوالے کرنے والا۔ **اذ هوبها قائمه عنده:** ① اس میں اشارہ ہے کہ دکھ کے ساتھ سکھ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لَنْ يَغْلِبَ عَسْرٌ يُسْرَيْن** تنگی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ دوسرا ارشاد ہے: **اشتدی ازمة تنفرجی:** قوت مضبوط کرو کشادگی ہو جائے گی۔ ② اس میں اشارہ ہے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور اپنی قوت و اختیار سے نکلنا۔ مطالب و مقاصد کے حصول کا سبب ہے۔ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ اسباب کو بالکل چھوڑ دیا جائے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان پر اعتماد نہ کیا جائے۔ اعتماد اللہ تعالیٰ پر کرے جو کہ توفیق بخشنے والا ہے۔

فاخذ بخطامها: اس نے انتہائی خوشی سے اس کی لگام تھامی۔

خطام: چھلکا' بال وغیرہ سے بٹی رسّی۔ اگر چمڑے کی ہو تو اس کو جریر کہتے ہیں (النہایہ)

زمام: ناک میں جو باریک رسّی ڈالی جائے۔ (النہایہ) وہ رسّی جس سے اونٹوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے (شرح مطالع)

ثم قال من: پھر انتہائی خوشی کی وجہ سے کہا **اللهم انت**۔

اخطاء من شده الفرزح: یہ جملہ دوبارہ لوٹایا گیا۔ گویا سائل کے اس سوال کا جواب ہے کہ اس نے غلطی کیوں کی؟ تو جواب دیا شدت فرح سے خطاء کی اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے وہ انسان بدھیات کا ادراک بھی نہیں کر سکتا۔ امالی ابن عساکر کی ایک روایت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: **لله افرح بتوبة عبده من العقيم الوالد' ومن الضال الواجد' ومن الظمأن الوارد** ''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں کہ بانجھ والد بن جائے اور گم راہ راستہ پالے اور پیاسا گھاٹ پر جا اترے''۔ ایک اور روایت میں ہے: **لله افرحُ بتوبة التائب من الظمأن الوارد' ومن العقيم الوالد' ومن الضال الواجد' فمن تاب توبة نصوحا أنسى الله حافظيه وجوارحه وبقاع الارض كلها خطاياه وذنوبه** (جامع الصغیر) ''جس نے خالص توبہ کی اللہ تعالیٰ حافظ فرشتوں اور اس کے جوارح اور زمین کے حصوں کو اس کی غلطیاں اور گناہ بھلا دیتے ہیں۔

تخريج: أخرجه احمد (۱۳۲۲۶ / ٤) والبخارى (٦٣٠٩) و مسلم (۲۷٤۷) و ابن حبان (٦١٧) * تفرد به مسلم (٦٨٩٥) تحفة الإشراف (١٩١)

الفرائد: ① اس روایت میں توبہ پر ابھارا گیا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ [التوبة : ۱۰٤] کیا ان کو معلوم نہیں کہ بے شک اللہ

تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتے اور صدقات کو قبول فرماتے ہیں اور بے شک وہی تواب ورحیم ہے۔ ﴿۲﴾ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ [البقرة : ۲۲۲] بے شک اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے بندے پسند ہیں۔

۱۶ : وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ الْاَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ''اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَبْسُطُ يَدَهٗ بِاللَّيْلِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ النَّهَارِ وَيَبْسُطُ يَدَهٗ بِالنَّهَارِ لِيَتُوْبَ مُسِيْءُ اللَّيْلِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا'' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۶: حضرت ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتے ہیں تاکہ دن میں گناہ کرنے والا رات کو توبہ کرے اور دن کو اپنا دست قدرت پھیلاتے ہیں تاکہ رات کو گناہ کرنے والا دن کو توبہ کرے۔ (یہ معافی کا سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا) یہاں تک کہ (قرب قیامت) مغرب سے سورج طلوع ہو''۔ (صحیح مسلم)

تشریح ۞ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات پہلے ذکر ہو چکے۔ **ان اللّٰہ تعالٰی یبسط یدہ باللیل:**

① **بسط ید:** یہ طلب کی تعبیر ہے کیونکہ لوگوں میں جب مانگنے والا کوئی چیز مانگتا ہے تو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے۔ ② اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ سخی ہیں، بخل سے پاک ہیں۔ ③ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت اور گناہوں کی کثرت سے تجاوز کرنا ہے۔ (المفاتیح)

④ یہ روایت تمثیل کے قائم مقام لائی گئی ہے اس سے توبہ کی قبولیت اور رحمت کا دوام معلوم ہو رہا ہے۔ اس موقعہ پر اس کی صفات لطف ورافت اور مغفرت کا اظہار ہوتا ہے۔ (المفہم للقرطبی) ⑤ شاید یہ تمثیل ہو۔ اس میں بندے کی طرف سے ارادہ توبہ والی حالت کو تشبیہ دی اور یہ توبہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اس آدمی کے ارادہ سے تشبیہ دی جس کی ایسی نفیس چیز گم ہوگئی جس کے بغیر اسے کوئی چارہ کار نہیں پھر وہ چیز اس نے دوسرے کے ہاں پالی چنانچہ وہ اس چیز کے حصول کے لئے گڑگڑا کر اس سے طلب کر رہا ہے۔ تشبیہ میں کمال کرتے ہوئے **بسط الید** سے استعارہ کر دیا کہ مشبہ مشبہ بہ کی گویا ایک نوع ہے۔
(طیبی فی شرح المشکوٰۃ)

یتوب...... اللیل: رات کو اللہ تعالیٰ اپنی سخاوت وفضل گناہ گاروں پر وسیع کرتے تاکہ دن میں ان کے دلوں میں توبہ کا القاء کیا جائے اور دن کو اپنی رحمت وفضل وسیع کرتا ہے تاکہ رات کو گناہ گار کے دل میں توبہ القاء کی جائے جب تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے اس کا کرم وجود کا سبب بنتا رہے گا۔

① **بسط ید:** یہ قبولیت توبہ سے کنایہ ہے۔ (فتح الدلہ لابن حجر الہیثمی)

② اہل عرب کا یہ طریقہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو پسند کرتے ہیں تو قبول کرنے کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے اور جس کسی چیز سے نفرت کرتے تو اپنا ہاتھ کھینچ لیتے ہیں (ماوردی) مگر یہ بات حدیث پر فٹ نہیں ہے۔

یتوب مسیئ النہار: گناہ گار کو چاہئے کہ جلدی سے توبہ کر لے بجائے اس کے کہ رات کی طرف توبہ منتقل ہو۔ اسی طرح رات ہی میں توبہ کر لے بجائے اس کے کہ دن کی طرف توبہ منتقل ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ مراد نہیں اس لئے کہ رات کو توبہ کا مقبول ہونا دن کو گناہ کرنے والے کی توبہ کی علت نہیں اسی طرح اس کا عکس کیونکہ وقت سے پہلے قبولیت توبہ کا کوئی مطلب نہیں بلکہ مطلب

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کوتوبہ قبول کرتے ہیں تا کہ رات والا گناہ گار توبہ کرے اور دن میں توبہ قبول کرتے ہیں تا کہ دن کا گناہ گار توبہ کرے۔

حتی تطلع الشمس: اس سے اشارہ کر دیا کہ گناہ گار کی توبہ قبول ہوتی رہے گی جب تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔مغرب سے طلوع شمس کے ساتھ ہی توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:﴿يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيٰتِ ......﴾ [الأنعام: ۱۵۸] اسی طرح غرغرہ موت کے وقت بھی توبہ مقبول نہیں اور معاینہ عذاب کے وقت بھی توبہ قبول نہیں۔ارشاد الٰہی ہے:﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ......﴾ [المؤمن: ۵۸]

تخریج: تفرد به مسلم (۲۷۵۹) تحفة الأشراف (۹۱٤٥)

الفرائد: ① اس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خصوصی فضل وحلم کا تذکرہ ہے۔② توبہ کی قبولیت کا کوئی مخصوص وقت نہیں بلکہ اس کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے تا کہ بندے مایوس نہ ہوں۔③ بندے کو توبہ میں تعجیل کرنی چاہئے نہ کہ تاخیر۔

۱۷: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "مَنْ تَابَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

۱۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو آدمی سورج کے مغرب سے نکلنے سے پہلے پہلے توبہ کرے اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

من تاب: یعنی جس نے ایسی توبہ کی جس میں تمام شرائط جمع ہوں۔

من مغربها: مغرب سے طلوع ہو کر آسمان کے درمیان تک پہنچے پھر عادت کے مطابق مغرب کی طرف لوٹ کر غروب ہو جائے گا۔ یہ توبہ کا دروازہ بند ہونے کی علامت ہوگی۔

بعض محققین کو اس میں تردد ہوا کہ آیا یہ ہر ایسے شخص کے متعلق عام ہے جس نے طلوع سے پہلے اور بعد وقت پایا یا طلوع شمس سے پہلے وقت پانے والے سے خاص ہے کیونکہ اس نے تاخیر سے کوتاہی کی ہے۔بعد والے نے تو تاخیر سے کوتاہی نہیں کی۔

تاب الله علیه: اس کی توبہ کو قبول کیا۔

نووی رحمۃ اللہ علیہ توبہ جب تمام شروط سے پائی جائے تو اہل سنت کے نزدیک عقلاً اس کا اللہ تعالیٰ پر قبول کرنا واجب نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل وکرم سے بھی قبول فرماتے ہیں اور شریعت واجماع سے اس کی قبولیت ثابت ہو چکی۔کافر کی توبہ کی قبولیت تو قطعی ہے۔اس کے علاوہ توبہ کی اقسام قطعی ہیں یا ظنی؟ امام الحرمین نے اس کو ظنی قرار دیا اور یہی زیادہ صحیح ہے اور دیگر بعض علماء نے قطعی مانا ہے واللہ اعلم۔

تخریج: أخرجه احمد (۹۱٤۱۔ ۷۷۱٥ / ۳) و مسلم (۲۷۰۳) والطبری (۱٤۲۲۰) و ابن حبان (٦۲۹)

الفرائد: ① موت کا نقارہ بجنے سے پہلے بندے کو پہلی فرصت میں توبہ کرنی چاہئے۔اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کو معاف کرنے والے اور ان سے درگزر کرنے والے ہیں۔

۱۸ : وَعَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ : "قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَا لَمْ یُغَرْ غِرْ" رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ : حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

۱۸: حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتے ہیں جب تک عالم نزع اس پر طاری نہ ہو''۔

(ترمذی حدیث حسن)

وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: یہ محل حال میں واقع ہے۔اس حال میں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنے والے ہیں۔ ② ممکن ہے کہ ابن عمرؓ سے منقول مرفوع کا بیان ہو۔

عزوجل۔ عز جدہ:اس کی بزرگی بلند ہے۔**وجل شانہ**:اس کی شان عظیم ہے۔**العبد**:اپنے فضل سے مردوعورت مکلف گناہ گار کی توبہ قبول کرتے ہیں۔

ما لم یغرغر:اس کی روح حلق میں پہنچ جائے۔غرغرہ منہ میں پانی ڈال کر گھمانا۔یہ اس آیت سے اخذ کی گئی ہے: ﴿وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ ......﴾ [النساء : ۱۸] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد موت کے فرشتوں کا دیکھ لینا ہے۔دیگر مفسرین کہتے ہیں اس سے مراد موت کا یقینی ہونا ہے معائنہ ضروری نہیں کیونکہ بہت سے لوگ اس کو نہیں دیکھتے مگر آیت:﴿قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ ......﴾ [السجدۃ : ۱۱] دلالت کرتی ہے کہ ہر ایک موت کے فرشتہ کو دیکھتا ہے جو دیکھنے کے قائل نہیں ان کو دلیل لانی چاہئے۔مگر میں کہتا ہوں یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ قبض روح سے فرشتے رؤیت کا لزوم ثابت نہیں ہوتا۔بعض نے کہا ایسے وقت میں توبہ کے قبول نہ ہونے میں راز یہ ہے کہ قبولیت کی ایک شرط یہ ہے کہ دوبارہ نہ کرنے کا عزم ہو اور یہ تبھی ہوسکتا ہے جبکہ اسے اختیار حاصل ہو اور توبہ پر قدرت ہو۔

علامہ ہیثمی کہتے ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ جب حالت اس مقام تک پہنچ جائے جس کے بعد مریض عادۃً جانبر نہیں ہوتا تو اس وقت کی توبہ وغیرہ صحیح نہیں اور حدیث میں **یغرغر** : کا بھی یہی مطلب ہے اور جب اس حالت تک نہ پہنچے تو توبہ وغیرہ درست ہے۔(فتح الدلہ)

ابن سید الناس کہتے ہیں ترمذی تا کے کرہ سے معروف ہے اور پختہ کار تا پر ضمہ پڑھتے ہیں۔یہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے۔ ابن حبان نے کہا یہ ثقہ ہیں ان کی ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی۔

بقول مستغفری انہوں نے رجب ۲۹۷ھ میں وفات پائی یہی صحیح قول ہے۔حافظہ کے متعلق علامہ مروزی کہتے ہیں کہ میں مکہ کی طرف جا رہا تھا میں نے انکی احادیث میں سے دو اجزاء لکھے۔یہ شیخ ہمارے پاس سے گزرے میں انکے پاس گیا میرا اپنا خیال یہ تھا کہ میں وہ دو اجزاء اپنے ساتھ اٹھائے ہوئے ہوں۔میں نے ان سے گزارش کی کہ وہ احادیث پڑھا دیں انہوں نے قبول کر لیا۔میں نے دونوں اجزاء پکڑے اور ان کو کھولا تو سفید جلدیں تھیں میں حیران رہ گیا۔شیخ اپنے حافظہ ہی سے مجھے سنانے لگے۔پھر میری طرف دیکھا کہ سفید کاپی میرے ہاتھ میں ہے تو فرمانے لگے تمہیں حیا نہیں آئی میں نے واقعہ کہہ سنایا میں نے تمام یاد کر لیا ہے۔انہوں نے پڑھنے کا حکم دیا تو میں نے مسلسل وہ تمام پڑھ کر سنا دیا جو انہوں نے سنایا تھا اور ایک حرف

کی غلطی بھی نہ کی تو فرمانے لگے آج تک تیرے جیسا شخص میرے پاس نہیں آیا (حسن کا ...) یہ روایت ...

سوال نوویؒ نے شروع کتاب میں کہا کہ میں حدیث صحیح ... مگر یہاں حسن ...

جواب ممکن ہے صحیح سے مقبول مراد ہو اور حسن ... میں شامل ہے۔

ابن حجر عسقلانی اس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ حسن لذاتہ پر صحیح کا اطلاق درست ہے۔ حسن لغیرہ اس وقت صحیح ہوگی جب اور سند سے بھی مروی ہو اگر ایسا نہ ہو تو صحیح نہ کہلائے گی۔ حسن لذاتہ جب دوسرے طریق سے آجائے تو مجموعے کو دیکھ کر اسے حسن فی حد ذاتہ کہیں گے۔ بعض محدثین ہر قابل احتجاج روایت کو صحیح مانتے ہیں اور یہ بات متاخرین میں معروف نہیں۔ ابن الصلاح نے مقدمہ میں ذکر کی ہے۔ شاید نووی نے یہی راہ اپنایا ہو اگر اس کی کتاب میں کوئی روایت حسن لغیرہ پائی جائے تو ایک قول یہ ہے کہ سابقہ قول کو اس پر محمول کریں کہ اس نے اغلباً صحیح روایات کا اہتمام کیا ہے۔

تخريج: إسناده حسن۔ أخرجه أحمد (٦١٦٨ / ٢) والترمذی (٣٥٣٧) و ابن ماجة (٤٢٥٣) والحاكم فی التوبة (٧٦٥٩ / ٤) و ابن حبان (٢٦٨) وأبو نعيم في الحلية (٥ / ١٩٠) و فی الباب عن عبادة بن الصامت رضی الله عنه عند الطبری (٨٨٥٨) والقضاعی فی مسند الشهاب (١٠٨٥)

ترمذی: ترمذ شہر کی طرف نسبت ہے جو دریائے جیحوں کے کنارے واقع ہے۔ (لب اللباب)

الفرائد: ① غرغرۂ موت سے پہلے تک توبہ کی مہلت دی گئی۔ ② توبہ کا وقت فوت ہونے سے پہلے اس کو پالینا چاہیے۔

۱۹ : وَعَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ : اَتَيْتُ صَفْوَانَ بْنَ عَسَّالٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَسْاَلُهُ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ: مَا جَآءَ بِكَ يَا زِرُّ؟ فَقُلْتُ: ابْتِغَآءَ الْعِلْمِ فَقَالَ : اِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَضَعُ اَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا يَطْلُبُ فَقُلْتُ: اِنَّهٗ قَدْ حَكَّ فِیْ صَدْرِی الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ بَعْدَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ وَكُنْتُ امْرَاً مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَجِئْتُ اَسْاَلُكَ هَلْ سَمِعْتَهٗ يَذْكُرُ فِي ذٰلِكَ شَيْئًا؟ قَالَ : نَعَمْ كَانَ يَاْمُرُنَا اِذَا كُنَّا سَفْرًا۔ اَوْ مُسَافِرِيْنَ اَنْ لَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَّلَيَالِيَهُنَّ اِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ ، لٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَّبَوْلٍ وَّنَوْمٍ فَقُلْتُ : هَلْ سَمِعْتَهٗ يَذْكُرُ فِي الْهَوٰى شَيْئًا؟ قَالَ نَعَمْ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ سَفَرٍ فَبَيْنَا نَحْنُ عِنْدَهٗ اِذْ نَادَاهُ اَعْرَابِيٌّ بِصَوْتٍ لَهٗ جَهْوَرِيٍّ :يَا مُحَمَّدُ ، فَاَجَابَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَحْوًا مِّنْ صَوْتِهٖ هَاؤُمُ فَقُلْتُ لَهٗ : وَيْحَكَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ فَاِنَّكَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَقَدْ نُهِيْتَ عَنْ هٰذَا! فَقَالَ : وَاللّٰهِ لَا اَغْضُضُ۔ قَالَ الْاَعْرَابِيُّ :اَلْمَرْءُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ :اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، فَمَا زَالَ يُحَدِّثُنَا حَتّٰى ذَكَرَ بَابًا مِّنَ الْمَغْرِبِ مَسِيْرَةُ عَرْضِهٖ اَوْ يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِیْ عَرْضِهٖ اَرْبَعِيْنَ اَوْ سَبْعِيْنَ عَامًا قَالَ سُفْيَانُ اَحَدُ الرُّوَاةِ :قِبَلَ الشَّامِ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مَفْتُوْحًا لِلتَّوْبَةِ لَا يُغْلَقُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْهُ'' رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ وَغَيْرُهٗ وَقَالَ: حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

١٩: زِر بن حبیش کہتے ہیں کہ میں موزوں پر مسح کرنے کے متعلق مسئلہ پوچھنے کیلئے حضرت صفوان بن عسالؓ کی خدمت میں آیا تو آپؓ نے فرمایا: اے زِر کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا حصولِ علم کیلئے۔ تو فرمایا: فرشتے طالب علم کی اس طلب پر خوش ہو کر اپنے پَر بچھاتے ہیں۔ میں نے عرض کیا پیشاب' پاخانہ کے بعد موزوں پر مسح کرنے کا مسئلہ میرے دل میں کھٹکتا ہے۔ آپ چونکہ صحابی رسولؐ ہیں۔ لہٰذا میں یہ مسئلہ دریافت کرنے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ کیا آپ نے اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ فرماتے سنا؟ فرمایا: جی ہاں۔ آنحضرت ہمیں حکم فرماتے کہ جب ہم سفر میں ہوتے یا مسافر ہوتے کہ تین دن رات تک اپنے موزوں کو نہ اُتاریں۔ البتہ جنابت کی حالت میں اتار دیں۔ لیکن پیشاب' پاخانہ نیند کی حالت میں نہ اُتاریں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ نے محبت کے متعلق حضورؐ: کو کچھ فرماتے سنا۔ انہوں نے فرمایا ہاں۔ ہم آنحضرتؐ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ہماری موجودگی میں ایک بدو (دیہاتی آدمی) آیا اور بلند آواز سے یا محمد کہہ کر آواز دی۔ آپؐ نے بھی بلند آواز سے اس کو جواب دیتے ہوئے فرمایا ادھر آؤ۔ میں نے اس دیہاتی کو کہا افسوس ہے تم پر۔ تم اپنی آواز کو پست کرو کیونکہ تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہو اور اس طرح آواز بلند کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس نے کہا اللہ کی قسم! میں تو آواز پست نہ کروں گا۔ پھر اس دیہاتی نے کہا حضرت! اگر کوئی شخص کسی گروہ سے محبت کرتا ہو مگر ابھی ان کے ساتھ نہ ملا ہو تو؟ آپؐ نے فرمایا آدمی قیامت کے دن اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے۔ آپؐ گفتگو فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ نے ایک دروازہ کا ذکر فرمایا جو مغرب کی جانب واقع ہے۔ اس دروازے کی چوڑائی میں ایک سوار چالیس یا ستّر سال چلتا رہے۔ حضرت سفیان جو اس روایت کے رواۃ میں سے ایک ہیں فرماتے ہیں کہ وہ دروازہ شام کی طرف ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت سے پیدا فرما کر توبہ کیلئے کھول دیا ہے اور وہ اس وقت تک کھلا رہے گا یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔

(ترمذی حدیث حسن صحیح)

زِر بن حُبَیْش: یہ تابعی ہیں۔ زمانہ جاہلیت پایا۔ حضرت عمر' علی' کعب سے روایت سنی۔ زر کہتے ہیں مجھے ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے زر تو یہ چاہتا ہے کہ مجھ سے ہر آیت کے متعلق پوچھے۔ وفات: ١٢٠ سال عمر پائی۔ ٨٢ھ میں وفات پائی۔

صفوان بن عسال رضی اللہ: ان کا تعلق کوفہ کے مراد قبیلہ سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ غزوات میں شرکت کی۔ ان کو یہ عظمت حاصل ہے کہ ان سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت لی ہے اور تابعین کی ایک جماعت نے نقل کی ہے۔

ابن جوزی رحمۃ اللہ کہتے ہیں انہوں نے ٢١ روایات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہیں۔ (المستخرج الملیح)

اسائلہ: ان کی خدمت میں آنے کا سبب ذکر کیا ہے۔

النحو: اتیت کے فاعل سے حال ہے۔

ما جاء بك: تمہیں کون سی چیز نے آنے پر آمادہ کیا؟ **فقلت ابتغاء العلم:** یہ مفعول لہٗ۔

فقال ان الملائكة......: اگرچہ ہم نہ دیکھیں مگر یہ حقیقت ہے۔

قاعدہ ☆: جو چیز شرع میں وارد ہے اس کا ظاہر پر حمل کرنا ممکن ہے اسے ظاہر پر رکھا جائے گا۔ جب تک کوئی ایسا قرینہ نہ ملے جو ظاہر سے پھیر دے۔

تضع: ① اُڑنے سے روک لیتے ہیں اور علم کی باتیں سننے کے لئے اتر آتے ہیں۔ ② یہ تواضع سے مجاز ہے اس کی نظیر یہ آیت ہے: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ ......﴾ [الحجر : ۸۸] ③ طلب علم کی کوشش میں سہولت کرتے اور مشقت دور کرتے ہیں۔ یہ ملائکہ رحمت یا دیگر امور میں معاون فرشتے ہو سکتے ہیں۔ ہر دو قسم کے بھی ہو سکتے ہیں۔ پہلی قسم مراد ہو تو حقیقی معنی سے یہ زیادہ مطابقت رکھتی ہے اور دوسری قسم معنی مجازی کے مناسب ہے۔

اَلنَّحْوُ: رضا: یہ مفعول لہٗ یعنی اس سے حاصل ہونے والی رضامندی کی خاطر۔

بما يطلب: ما سے معلوم مراد ہیں یا مطلوب پر خوش ہونے کی وجہ سے۔

ما موصولہ ہے اور ضمیر محذوف ہے ② مصدر یہ ہے۔

حك: آیا' کھٹکا۔ ایک نسخہ **حيك**: بھی ہے۔

فی صدري المسح...... **المسحُ**: یہ حک کا فاعل ہے۔

الغائط: لغت میں گہری جگہ۔ محاورت کی وجہ سے بول و براز کو کہا جائے گا۔

وكنت: یہ حال ہے۔ **امرأ**: شخص۔ **من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم**: صحابی نے اپنی موت کا اندازہ اپنے جواب نعم سے ذکر کیا۔ **قال نعم**: میں نے آپ کو یہ ذکر کرتے سنا۔ پھر ان الفاظ سے جو کچھ سنا اس کو ذکر کیا۔ **کان یأمرنا اذا کنا سعرا**: جمع مسافر بعض نے اس کو اسم جمع یا تو انہوں نے یہ لفظ بولا نہیں یا راوی کو شک ہے۔ **او مسافرین**: جمع مسافر کہ سفر یا مسافر میں سے کون سا لفظ استعمال کیا۔

الا ننزع: یہ یأمرنا: کا مفعول ہے۔ **خفافاً**: جمع خف موزہ) **ثلاثہ ایام ولیا لیھن**: یعنی اگر موزہ اتار لیا جائے (اس سے مراد قدم کا وہ حصہ جس کو چھپانا فرض ہے) اس کا ظاہر ہو جانا جبکہ مدت ابھی مکمل نہ ہوئی ہو اگر وہ بے وضو ہے تو مکمل وضو کرے اگر طہارت کے ساتھ ہے تو فقط پاؤں کو دھو کر پہن لے یہی صحیح ہے۔ اختتام مدت پر اور مدت ختم ہونے کی صورت میں موزے کے اتارنے سے مسح باطل ہو جاتا ہے اور یہی حکم اس وقت بھی ہے جب ٹوٹنے میں شک ہو اور موزہ اتار دیا جائے۔ کذا فی الفروع۔

الا من جنابة: مگر جنابت کی حالت میں اور اسی طرح وہ چیزیں جو جنابت کے حکم میں ہیں مثلاً حیض' نفاس وغیرہ کہ جن میں غسل لازم ہے تو ان میں موزے کا اتارنا ضروری ہے۔ اگر موزے کے اندر ہی اس نے پاؤں کو دھو کر موزہ اتارا اور مکمل طہارت حاصل کرنے کے بعد پھر موزے کو پہنا تو پھر بھی موزے پر مسح درست ہے۔ اتارنے کا مقصد یہ ہے کہ مسح درست ہو جائے موزہ اتارنا ارتفاع حدث اور صحت نماز کے لئے نہیں بلکہ مسح کے درست ہونے کے لئے لازم ہے۔ اس سے حدث اصغر و اکبر کا فرق واضح ہو گیا۔ کیوں کہ حدث اکبر حدث اصغر کی طرح بار بار پیش نہیں آتی۔ اس میں موزہ اتارنے میں حرج نہیں اور حدث اصغر بار بار پیش آتی ہے اس میں ہر بار موزہ اتارنے میں حرج لازم آتا ہے۔ اس طرح موزے کا اتارنا اس وقت بھی ضروری ہو جاتا ہے جب موزے کے اندر پاؤں پلید ہو جائیں اور اتارے بغیر اس سے پاکیزگی ممکن نہ ہو اور اس سے

مدت بھی باطل [illegible] گی۔

لکن یہ مشہ[illegible] تنیب سے آئے اس کا [illegible] نفی یا اثبات کی [illegible] میں ماقبل کی مخالفت ہے۔ اس صورت میں تقدیر [illegible] رت یہ ہے [illegible] مرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کنا سفرًا ان ننزع خفافنا من الجنابة فی المدة المذکورة ولکن لا ننزعها فیما من غائط او بول او نومٍ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ روایت درست نہیں کیونکہ اس کا ظاہر لکن کے عطف کے خلاف ہے وہ اپنے مقام پر نہیں۔ مگر سلامتی کی راہ یہ ہے کہ اس میں تاویل کر لی جائے تا کہ اس قاعدہ کے خلاف نہ ہو۔ **فقلت هل سمعتهٗ:** میں نے کہا کیا تم نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے محبت کے سلسلہ میں کوئی بات فرمائی۔ **هوی۔ یهوی هویً:** محبت کرنا۔

النحو: **فبینا:** بین میں الف کو مفرد کی طرف اضافت سے روکنے کے لئے لایا گیا ہے۔ جیسا کہ بینما میں جملہ کی طرف اضافت سے روکنے کے لئے الف لایا گیا ہے اور اس کے بعد رفع لازم ہے اور بینا کے بعد جائز ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس کے بعد مصدر مجرور ہو کیونکہ الف الحاقی ہے الف کو تانیث کے لئے ہے۔ **نحن عنده:** کا جملہ قول اول کے مطابق مجرور ہے۔ بینا کے بعد اذا آ رہا ہے اس سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو اس کے بعد اذ کے قائل نہیں ایک اور روایت بھی اس کی تائید کر رہی ہے۔ **بینا انانا معد اذ جیٔ بمفاتیح الارض فوضعت فی یدی:** بینا کہ بعد اذ آ رہا ہے۔

اعرابی: یہ اسم جمع ہے۔ دیہات کے باشندوں کو کہتے ہیں۔

عرب: کا لفظ شہری دیہاتی سب کو شامل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ جمع کی طرف منسوب ہے یا قبیلہ کی طرح ہے مثلاً انمار، مگر عرب کی نسبت واحد کی طرف ہو تو اس وقت عربی بنے گا اس سے معنی مشتبہ ہو جائے گا۔ اس لئے کہ عربی ہر وہ شخص جو اولاد اسماعیل میں سے ہو خواہ وہ دیہاتی ہو یا شہری اور اعرابی دیہاتی کو کہتے ہیں۔

بصوته: یہ یُغادی کے متعلق ہے۔ **جهوری:** یہ جھور کا اسم منسوب ہے۔ (النہایہ) بلند آواز والا۔

یا محمد: شاید یہ آپ کا نام لے کر آواز دینے کی حرمت سے پہلے کا واقعہ ہو یا وہ دیہاتی تھا ان آداب سے واقفیت نہیں تھی۔

فاجابه رسول الله صلی الله علیه وسلم نحوًا: مفعول مطلق ہے ای اجابة نحوًا: اسی طرح کا جواب دیا۔

من صوته: یعنی اس کی آواز کی طرح بلند آواز سے۔

هاؤم: یہ ایک مرد کو بلانے کے لئے اسی طرح لاتے ہیں۔ دو مرد دو عورتوں کے لئے **هاؤما:** اور عورت کے لئے **هاءِ:** کئی عورتوں کے لئے **هاؤن:** اس کا معنی لو آؤ۔ یہ الی کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ (ابوحیان فی النہر)

له: یہ ضمیر اعرابی کی طرف راجع ہے۔

ویحك: یہ رحمت واظہار دکھ کے لئے آتا ہے جو ہلاکت میں مبتلا ہو جائے مگر اس کا مستحق نہ ہو۔ کبھی موقعہ تعریف میں بھی آتا ہے۔ (النہایہ)

اغضض الله عنه: تو اپنی آواز ہلکی کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی آواز ممنوع ہے۔

فقال: تو اس نے اس وقت کہا جبکہ وہ آپ کے پاس ایسی حالت میں کھڑا تھا جو کہ جہر کی مقتضی تھی۔

واللہ غصص: اسکا مفعول صوتی سابقہ کلام سے ظاہر ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا یعنی میں اللہ کی قسم اپنی آواز کم نہ کروں گا۔
فقال الاعرابی: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے کہا۔ **المرء**: یہ اِمْرءٌ کی ایک لغت ہے۔ اس سے ذات مراد ہوتی ہے جو تثنیہ، جمع میں برابر ہے اس لئے کہ آنے والے حکم میں سب برابر ہیں یا جو اس کے بالمقابل ہو۔ اس قسم کے احکام میں دونوں کی برابری کا حکم معلوم ہوگا۔ **یحب القوم**: اچھے لوگ خواہ زندہ ہوں یا مردہ۔
ولما یلحق بھم: اعمال وکمال میں۔ یعنی ان جیسے عمل نہیں کئے اگر عمل کرتا تو میں ان سے ہوتا اور ان جیسا ہوتا۔
لما: یہ ماضی استمراری کی نفی کے لئے آتا ہے اور ماضی وحال کی نفی کو ثابت کرتا ہے۔ **لم**: صرف ماضی کی نفی کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: **المرء مع من احب**: اس میں اللہ اور اس کے رسول اور نیک لوگوں کے ساتھ محبت کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ سب سے اعلیٰ درجہ محبت کا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کرے اور شرعی آداب بجالائے۔ محبت کرنے والے کے بارے میں یہ لازم نہیں کہ وہ بدلے اور مرتبے میں ہر اعتبار سے ان کی مثل ہو جائے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اسی طرح کی خوشخبری دی ہے۔ اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اس بشارت کو سن کر کہنے لگے اسلام لانے کے بعد آج تک میں اتنا خوش نہیں ہوا جتنا اس خوشخبری سے خوش ہوا کہ **المرءُ مَعَ مَنْ اَحَبّ**۔

قول قرطبی رحمۃ اللہ: اس قول سے ان کی خوشی اپنی نیکیوں پر خوشی سے اس لئے زائد تھی کیونکہ اپنے نیکیوں کے متعلق یہ معلوم نہیں کہ ان سے یہ قرب نبوی ان کو میسر آئے گا اور آپ کا ساتھ ملے گا مگر حب اللہ ورسولہ میں پیغام مل رہا تھا۔ پس یہ چیز کوتاہ کے لئے کمر باندھنے والے اور متاخر کے لئے متقدم سے جاملنے کا شاندار طریق ہے۔ جب انس رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ یہ لفظ اپنے عموم پر ہے تو اس سے اپنی امید کو وابستہ کر کے اس پر یقین کر لیا اور کہنے لگے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ابوبکر و عمرؓ سے محبت کرتا ہوں پس مجھے امید ہے کہ میں انہی کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میرے عمل ان جیسے نہیں اور وہ جانب جس کو انس رضی اللہ عنہ نے دلیل بنایا وہ ہر ذی روح مسلم محب کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے ہمیں بھی طمع ہوئی اگرچہ ہم کوتاہ عمل والے ہیں ہمیں رحمان کی رحمت سے امید ہے اگرچہ اس کے اہل نہیں۔
فازال یحدثنا: اگر یہ صفوان کا کلام ہو جیسا کہ مفہوم سے متبادر ہوتا ہے تو بیان کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اگر یہ زر کے کلام سے ہو تو بیان کرنے والے صفوان ہوئے۔

صاحب ترغیب نے **اِنّ مِنْ قبلَ المغربِ لباباً**۔ ترمذی کے حوالہ سے مرفوعاً بیان کئے۔ ترمذی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ اس میں زر کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ مجھے صفوان بیان کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مغرب میں توبہ کا ایک ایسا دروازہ بنایا ہے جس کی چوڑائی ستر سال کی مسافت کے برابر ہے وہ اس وقت تک بند نہ ہوگا جب تک سورج اس دروازے کی جانب (مغرب) سے طلوع نہ ہوگا۔
یوم یأتی بعض آیات ربك لا ینفع نفسا ایمانها: اگرچہ ان روایات کی اسناد صحیح ہیں مگر بیہقی کی تصریح کے مطابق ان میں کوئی مرفوع نہیں۔
حتی ذکر: یہاں تک کہ انہوں نے اپنی حدیث میں ذکر کیا۔

مسیرة عرضه: اس کے دونوں اطراف کا فاصلہ۔
اویسر الراکب فی عرضه: یہ راوی کو الفاظ میں شبہ ہے کہ کون سے فرمائے۔ (دونوں کا مفہوم قریب قریب ہے)۔
اربعین: بہت وسعت کی وجہ سے۔
سفیان: یہ سفیان بن عیینہ ہیں۔ **کذا قال المزی۔ احد الرواۃ:** حدیث کی سند کے ایک راوی۔ **شام:** ہمزہ اور اس کے بغیر دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ یہ مدینہ منورہ سے مغرب کی جانب واقع ہے۔ یہ علاقہ عریش' فرات چوڑائی میں جبل طی سے سرزمین روم تک کا علاقہ شام کہلاتا ہے مگر علامہ ابن حبان کہتے ہیں کہ یہ نابلس سے عریش کے آخر تک کا علاقہ ہے۔
خلقه الله تعالٰی یوم خلق: یہاں خلق ایجاد کے معنی میں ہے۔
مفتوحًا: یہ حال ہے۔ ② خلق کا دوسرا مفعول ہے کیونکہ وہ جعل کے معنی کو متضمن ہے۔
للتوبة: توبہ کو قبول کرنے کے لئے۔ خواہ کفر سے ہو یا گناہوں سے۔
لا یغلق: وہ دروازہ کہ جس پر عدم قبولیت مرتب ہوگی بند نہ کیا جائے گا۔
حتی تطلع الشمس منه: ① ضمیر مغرب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ② باب کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔ مغرب سے سورج کے طلوع کے بعد توبہ اس لئے قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ پس اس وقت گویا ظہورِ قیامت کی ابتداء ہوگئی اور قیامت کے ظاہر ہوتے ہی انسان کا مکلّف ہونا ختم ہوگیا (کذا فی المفاتیح)

تخریج ✿ ترمذی۔ یہ تا کہ کسرہ وضمہ سے پڑھا جاتا ہے۔ دریائے جیحوں کے قریب بڑا شہر ہے۔ اس روایت کو انہوں نے کتاب الدعوات میں مکمل روایت کیا اور کتاب الزہد میں جاء اعرابی سے المرء مع من احب تک نقل کیا اور کتاب الطہارت میں قصہ مسح نقل کیا۔ نسائی نے کتاب التفسیر میں ذکر کیا مگر اس میں قصہ مسح مذکور نہیں اور کتاب الطہارت میں قصہ مسح کے ساتھ نقل کی ہے۔ ابن ماجہ نے قصہ مسح کے ساتھ روایت کیا اور کتاب الفتن میں بھی مسلم نے المرء مع من احب روایت کیا لیکن کسی دوسرے کتاب الطہارت میں قصہ نقل کیا۔ بیہقی نے باب توبہ والی روایت کی۔ یہ الفاظ جن سے یہاں منقول ہے وہ ترغیب کے ہیں' منذری نے اس کو صحیح الاسناد کہا۔

حدیث حسن صحیح ☆ شرح نخبہ میں ابن حجر رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ جب صحیح وحسن کے الفاظ کسی روایت کے متعلق جمع ہو جائیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے مجتہد کو ناقل کے متعلق تردد ہوتا ہے کہ آیا اس میں صحت کی تمام شرائط جمع ہیں یا ان میں کچھ کمی ہے اور یہ بھی اس مقام پر ہے جہاں اس روایت میں تفرد ہو۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ حدیث کو جہاں اپنے دونوں ناقلوں میں تردد تھا تو مجتہد کو دو دو اوصاف کے ساتھ اس روایت کو ذکر کرنا پڑا۔ ایک گروہ کے مطابق حسن اور دوسرے کے مطابق صحیح کہہ دیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اس سے حرف تردد حذف کر دیا ہے اس کو حسن یا صحیح کہنا یہ اس سے کم درجہ ہے۔ جس کو فقط صحیح کہا گیا ہے کیونکہ یقین تردد سے قوی تر ہے۔ یہ تو تفرد کی صورت میں ہے اور اگر تفرد نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دو سندیں ہیں ایک کے لحاظ سے صحیح اور دوسرے کے لحاظ سے حسن ہے۔ اس صورت میں یہ متفرد صحیح سے بلند ہوگی کیونکہ کثرت طرق سے اس کو قوت دے دی۔

سیوطیؒ کا قول: ① اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حسن لذاتہٖ ہو اور صحیح لغیرہٖ ہو۔ ② اس لحاظ سے تو حسن ہے کہ اس کی سند صحیح ہے یعنی اس باب میں آنے والی تمام روایات سے زیادہ صحیح ہے۔ اس کے متعلق کہا جائے گا اصح ما ورد کذا۔ اگرچہ وہ حسن یا

ضعیف ہواور اس موقعہ پر مراد سب سے راجح اور ضعف میں سب سے کم مراد ہوگی۔

الفرائد: ① طلب علم نہایت افضل چیز ہے اہل علم سے مسائل دریافت کرنے چاہئے۔ ② آپ ﷺ کی زندگی میں آپ ﷺ کے پاس آواز کو پست کرنے کا حکم تھا۔ وفات کے بعد قبر کے پاس بھی اس ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ ③ اہل ایمان اور صالحین کی مشابہت اختیار کرنی چاہئے۔ ④ بدبختوں کی محفلوں سے دُور رہنا چاہئے اور ان کی دوستی ومحبت سے دامن کو کھینچ کر رکھنا چاہئے۔ ⑤ توبہ کا دروازہ مغرب سے طلوع آفتاب تک کھلا ہے۔

٭ ٭ ٭

۲۰ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ سَعْدِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ سِنَانِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ”كَانَ فِیْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ نَفْسًا فَسَاَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَهْلِ الْاَرْضِ فَدُلَّ عَلٰی رَاهِبٍ فَاَتَاهُ فَقَالَ: اِنَّهٗ قَتَلَ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ نَفْسًا فَهَلْ لَّهٗ مِنْ تَوْبَةٍ؟ فَقَالَ: لَا، فَقَتَلَهٗ فَكَمَّلَ بِهٖ مِائَةً، ثُمَّ سَاَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَهْلِ الْاَرْضِ فَدُلَّ عَلٰی رَجُلٍ عَالِمٍ فَقَالَ: اِنَّهٗ قَتَلَ مِائَةَ نَفْسٍ فَهَلْ لَّهٗ مِنْ تَوْبَةٍ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، وَمَنْ یَّحُوْلُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ التَّوْبَةِ؟ اِنْطَلِقْ اِلٰی اَرْضِ كَذَا وَكَذَا فَاِنَّ بِهَا اُنَاسًا یَّعْبُدُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰی فَاعْبُدِ اللّٰهَ مَعَهُمْ وَلَا تَرْجِعْ اِلٰی اَرْضِكَ فَاِنَّهَا اَرْضُ سُوْءٍ، فَانْطَلَقَ حَتّٰی اِذَا نَصَفَ الطَّرِیْقَ اَتَاهُ الْمَوْتُ فَاخْتَصَمَتْ فِیْهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَقَالَتْ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ: جَآءَ تَائِبًا مُّقْبِلًا بِقَلْبِهٖ اِلَی اللّٰهِ تَعَالٰی، وَقَالَتْ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ: اِنَّهٗ لَمْ یَعْمَلْ خَیْرًا قَطُّ، فَاَتَاهُمْ مَلَكٌ فِیْ صُوْرَةِ آدَمِیٍّ فَجَعَلُوْهُ بَیْنَهُمْ، اَیْ حَكَمًا فَقَالَ قِیْسُوْا مَا بَیْنَ الْاَرْضَیْنِ فَاِلٰی اَیَّتِهِمَا كَانَ اَدْنٰی فَهُوَ لَهٗ فَقَاسُوْا فَوَجَدُوْهُ اَدْنٰی اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ اَرَادَ فَقَبَضَتْهُ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ“۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ فِی الصَّحِیْحِ فَكَانَ اِلَی الْقَرْیَةِ الصَّالِحَةِ اَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَجُعِلَ مِنْ اَهْلِهَا وَفِیْ رِوَایَةٍ فِی الصَّحِیْحِ فَاَوْحَی اللّٰهُ تَعَالٰی اِلٰی هٰذِهٖ اَنْ تَبَاعَدِیْ وَاِلٰی هٰذِهٖ اَنْ تَقَرَّبِیْ وَقَالَ: قِیْسُوْا مَا بَیْنَهُمَا۔ فَوَجَدُوْهُ اِلٰی هٰذِهٖ اَقْرَبَ بِشِبْرٍ فَغُفِرَ لَهٗ وَفِیْ رِوَایَةٍ: ”فَنَاٰی بِصَدْرِهٖ نَحْوَهَا“۔

۲۰: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص نے ننانوے قتل کئے۔ پھر علاقہ کے کسی بڑے عالم کے متعلق دریافت کیا۔ اس کو ایک راہب کا پتہ بتایا گیا۔ وہ اسکے پاس پہنچا اور کہا کہ اس نے ننانوے قتل کئے ہیں کیا اسکی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ اس نے اسے قتل کر کے سو کی تعداد مکمل کر دی۔ پھر علاقہ کے بڑے عالم کا پتہ دریافت کیا۔ اس کو ایک عالم کا پتہ بتایا گیا۔ اس نے اس سے عرض کیا کہ اس نے سو آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ کیا اسکی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ اللہ اور اسکے بندے کی توبہ کے درمیان کون رکاوٹ ڈال سکتا ہے؟ تم فلاں علاقہ میں جاؤ۔ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت

میں مصروف ہیں۔تم بھی انکے ساتھ عبادت میں شامل ہو جاؤ اور اپنے علاقے کی طرف واپس مت جاؤ کیونکہ وہ برا علاقہ ہے چنانچہ وہ چل دیا۔ابھی وہ آدھے راستے میں پہنچا تھا کہ اسے موت آ گئی۔اسکے متعلق رحمت اور عذاب کے فرشتے آپس میں جھگڑنے لگے۔رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ دل سے تائب ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہوا۔عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے ایک بھی بھلائی کا کام نہیں کیا۔ایک فرشتہ آدمی کی صورت میں انکے پاس آیا۔انہوں نے اسے اپنے مابین فیصل مقرر کرلیا۔اس نے کہا زمین کے دونوں حصوں کی پیمائش کرو۔دونوں میں سے جس حصہ کے زیادہ قریب ہوگا وہی اس کا حکم ہوگا۔جب انہوں نے پیمائش کی تو اسے اس زمین کے زیادہ قریب پایا جس طرف کا ارادہ کئے ہوئے تھا چنانچہ رحمت کے فرشتوں نے اسے لے لیا'' (متفق علیہ) صحیح کی روایت میں یہ بھی ہے:''وہ نیک بستی کی طرف ایک بالشت زیادہ قریب نکلا تو اللہ نے اسے ان نیکوں کے ساتھ کر دیا''اور بخاری کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ''اللہ نے اس زمین کو حکم دیا کہ تو دور ہو جا اور دوسری کو فرمایا تو قریب ہو جا اور فرمایا انکے درمیان پیمائش کرو چنانچہ اسکو (صالحین) کی زمین کے ایک بالشت قریب پایا۔اس بنا پر اسے بخش دیا گیا''اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ''وہ اس زمین کی طرف اپنے سینہ کے ساتھ تھوڑا سا دور رہوا''۔

ابو سعید الخدری: الجدر یہ خزرج قبیلہ کے ایک خاندانی سربراہ ابجر کا لقب ہے۔ایک قول یہ ہے کہ ام ابجر کا لقب ہے۔ان کا نام سعد بن مالک بن سنان ہے ان کی کنیت ابوسعید ہے یہ دونوں باپ بیٹا صحابی ہیں۔ان کے والد غزوہ احد میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔مناسب تھا کہ رضی اللہ عنہما کہا جاتا جیسا کہ صحابی بن صحابی کے متعلق علماء کا معمول ہے۔

ابوسعید کی مرویات ۱۱۷۰ ہیں۔بخاری و مسلم نے ۴۶ نقل کی ہیں صرف بخاری نے ۱۶ اور مسلم نے ۵۲ نقل کی ہیں۔

حنظلہ بن ابی سفیان جمحی کہتے ہیں کہ ہمارے شیوخ بتلاتے تھے کہ نوجوان صحابہؓ میں ابوسعید سب سے زیادہ فقیہہ اور علم والے تھے۔۶۴ یا ۷۰ھ جمعہ کے دن مدینہ میں وفات پائی۔بقیع مدفن ہے۔

اَنَّ کو اِنَّ بھی پڑھ سکتے ہیں جبکہ قال کو مقدر مانیں۔

قال: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا کہ رجوع الی اللہ اختیار کرنا چاہیے خواہ گناہ کتنا بڑا ہو وہ عفوالٰہی کے سامنے کچھ نہیں۔

قبلکم: سے مراد پہلی امتیں۔

اَلنَّحْو: رجل ① یہ کان کا اسم ہے اور قبلکم یہ اس سے حال ہے۔② ظرف من کا صلہ ہے۔قتل یہ کان کی خبر ہے۔

تسعه و تسعین نفسا: اس عداوت و دشمنی میں ۹۹ آدمی قتل کر ڈالے پھر اللہ تعالیٰ کے قرب کی ہواؤں کا جھونکا اسے پہنچا اور قبولیت کی گھڑی قریب آ گئی۔

اعلم اهل الارض: یعنی اس وقت میں سب سے بڑا علم رکھنے والا۔فدُل یہ ماضی مجہول ہے۔

راهب: بنی اسرائیل کے عبادت گزار۔اِنَّہٗ متکلم کی بجائے غائب کی ضمیر ناپسندیدہ بات کے تذکرہ کے لئے تاکہ ادب کا لحاظ رہے۔جیسا کہ ابوطالب کے اقرار نہ کرنے کو اس طرح تعبیر کیا:''**فکان آخر ما کلمهم به انه علی ملة عبدالمطلب**''

(نووی) قتل اس نے دشمنی سے ۹۹ آدمی قتل کر ڈالے۔

اَللُّغَاتُ: من توبۃٍ من تاکید کے لئے بڑھایا گیا ہے۔ فقال لا اس نے لا کہہ کر اس کو مایوسی کے میدان میں دھکیل دیا۔ قتلہ قرطبی کہتے ہیں یہ بات راہب کی نادانی و ناسمجھی کو ظاہر کرتی ہے کہ اسے فتویٰ کا طریقہ نہ آیا اور نہ وہ اپنے آپ کو اس کی عادت سے بچنے کا راستہ تلاش کر سکا۔ اس کی مثال تو اس شیر جیسی بن گئی جو ہر سامنے آنے والے کو پھاڑ ڈالتا ہے اس کو چاہئے یہ تھا کہ وہ شیر کا سامنا نہ کرتا اس کو توبہ سے نہ روکتا بلکہ اپنے آپ کو قتل سے بچانے کے لئے حسن سلوک کا مظاہرہ کرتا مگر اس نے اپنے نفس کے خلاف اس کی اعانت کی جب وہ توبہ سے مایوس ہوا تو اس نے مایوسی کی حالت میں اپنی درندگی سے اسے بھی قتل کر ڈالا۔ ثم جب اللہ تعالیٰ کے الطاف اس کے باوجود اس کا ساتھ دیتے رہے تو اس کے دل میں توبہ کی طرف رغبت کا سوال ایک بار پھر ابھرا اس سے دوسری مرتبہ پوچھا کہ اس وقت سب سے بڑا علم والا کون ہے۔ اس کی راہنمائی ایک عالم کے متعلق کی گئی۔ فقال اس سے پہلے عبارت مقدر ہے کہ وہ اس کی خدمت میں پہنچا اور عرض پیرا ہوا اور حذف کی وجہ یہ ہے کہ اس کی نظیر میں تذکرہ موجود ہے۔ من توبۃ توبہ سے مقبول توبہ مراد ہے۔ فقال اس نے درست بات کہی اور اس کے سوال کے جواب کے ساتھ توبہ کی نفی کرنے والے کی بات کا انکار کرتے ہوئے کہا: من یحول بینہ و بین التوبۃ۔ من: یہ استفہام انکاری ہے کہ کوئی بھی اس کی توبہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ بینہ میں غائب کی ضمیر حسن ادب کا لحاظ کر کے لائی گئی ہے۔ وہ یہ کہ قابل ملامت بات میں ان کے ذریعہ نہ تو اشارہ کیا جائے بلکہ خطاب سے بھی غائب سمجھا جائے۔

اہل علم کا اجماع ہے کہ عمداً قتل کرنے والے کی توبہ بھی مقبول ہے اور سوائے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اور کسی کی رائے اس کے خلاف نہیں۔ جن سے بھی اختلافی رائے نقل کی گئی ہے وہ زجر و توبیخ کے طور پر ہے بطلان توبہ کا کوئی قائل نہیں۔ اجماع کی دلیل یہی روایت ہے اور یہ وہ مقام نہیں کہ جہاں پہلی فعل کی نقل کردہ باتوں کی اتباع میں اختلاف ہو۔ اس کا موقعہ وہ ہے کہ جہاں ہماری شریعت میں اس کے موافقت میں کوئی چیز وارد نہ ہو۔ اگر موافقت میں کوئی چیز وارد ہو تو بلا اختلاف ہماری شریعت کا حکم ہے (جیسا بنی اسرائیل کا حدود کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے اور اس کی تاکید دوسری آیات میں وارد ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا ......﴾ [الفرقان : ٦٨] اس کی تائید کر رہی ہے نیز احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ اس مضمون کو بیان کرتا ہے۔

باقی رہا یہ سوال: ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ......﴾ [النساء : ٩٣] کے سلسلہ میں خلود کی قید تو اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ اس کی سزا جہنم ہے کبھی تو اسے یہ سزا دی جاتی ہے۔ ② کبھی اور سزا دی جاتی ہے کبھی اس کو معاف کر دیا جاتا ہے۔
(شرح مسلم ......)

پھر عالم نے مائل کو وہ باتیں بتلائیں جن میں اس کا فائدہ تھا مثلاً انطلق کہ تم بصریٰ نامی بستی میں چلے جاؤ اور اپنی بستی علاقہ کو چھوڑ دو کیونکہ وہاں بد دین لوگ رہتے ہیں۔ وہ دوبارہ تمہیں کفر و فساد کی طرف نہ لے جائیں۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ علم والا عابد سے افضل ہے کیونکہ پہلے پر رہبانیت کا غلبہ تھا۔ ... میں وہ علم والا مشہور تھا مگر علم والا نہ تھا اس لئے جہالت سے فتویٰ دیا خود بھی ہلاک ہوا دوسروں کو بھی ہلاک کیا۔ دوسرا علم میں مشغول تھا اس نے حق بات بتلا کر اسے بھی زندہ کر دیا اور خود بھی زندہ رہا۔

كذا و كذا: یہ کیت کیت کی طرح کنایات کے الفاظ ہیں۔اس کا معنی اس جیسا ہے۔راوی نے شک کی وجہ سے کنایہ سے تعبیر کی ہے۔(النہایہ)

اناسًا: یہ ہمزہ کے ضمہ سے ہے اس کا معنی لوگ۔

يعبدون الله تعالٰی: ضمیر کی بجائے تصریح کر دی درحقیقت ذکر محبوب بھی محبوب ہے چنانچہ بطور حصول لذت ذکر کر دیا۔

ارضك: سے سابقہ گناہ والا وطن مراد ہے۔فانها ارض سوءٍ یہ سین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

اس میں ہجرت کی وجہ بتلائی کہ وہاں تمہارے برے دوست ہیں جن سے اس وقت تک قطع تعلق ضروری ہے جب تک وہ نافرمانی پر باقی ہیں اور تمہیں نیک اور صالح' عبادت گزار اور مقتدیان خیر کے ساتھ رہنا چاہئے تاکہ توبہ میں پختگی حاصل ہو۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔فانطلق وہ توبہ کر کے ہجرت کے مقام کی طرف چلتا رہا۔نَصَفَ الطريق: ابھی وہ آدھا راستہ طے کرنے پایا تھا۔اتاه الموت......: قول قرطبی رحمۃ اللہ علیہ یہ صاف نص ہے کہ اللہ تعالٰی نے رحمت کے فرشتوں کو اس کی دلی بات اور صحیح قصد کی اطلاع دے دی تھی اور عذاب کے فرشتوں کو اس کا علم نہ تھا جیسا کہ آپ کے اس ارشاد سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔وقالت ملائكة العذاب انه لم يعمل خيرًا قط۔ قَطُّ کا لفظ زمانہ ماضی کی تاکید و استغراق کے لئے آتا ہے۔اگر ملائکہ عذاب کو اس کی اطلاع ہوتی تو پھر اس جملہ کا معنی صحیح نہیں بنتا اور ملائکہ رحمت بھی انه جاء تائبا کہہ کر تنازع نہ کرتے بلکہ اپنے علم کے مطابق گواہی دیتے جیسے پہلوں نے دی۔اب جبکہ ملائکہ رحمت کی شہادت مثبت اور ملائکہ عذاب کی عدم اثبات میں تھی۔تو یقیناً اثبات والی شہادت مقدم ہوتی ہے۔دونوں شہادتیں دعاوی کی طرف نکل گئیں تو اللہ تعالٰی نے ایک فرشتے کو فیصلہ کے لئے بھیجا جیسا کہ روایت میں ہے: فأتاهم ملك فی صورة آدمی فرشتوں سے مخفی رکھنے کے لئے انسانی شکل میں آیا تاکہ انسانوں کا قائم مقام ہو۔انسانوں میں سے ایسے لوگ ہیں جو تنازع کے وقت فرشتوں میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔

فجعلوه بينهم: اس میں ان لوگوں کے لئے دلیل ہے جو کسی کو حکم مان کر اس کے فیصلہ پر راضی ہوں۔

عين الارضين: وہ زمین جہاں سے نکلا اور وہ زمین جہاں جا رہا تھا۔

الى ايتهما كان ادنى فهوله: جنت اور عذاب میں جس کے قریب ہے۔

قاسوا: دونوں قسم کے فرشتوں نے پیمائش کی۔فوجدوہٗ ہٗ سے مراد تائب ہے۔

ادنى: زیادہ قریب ہے۔الى الارض: اس زمین توبہ کی طرف۔فقبضتہٗ کیونکہ اصلاح والی سرزمین سے وہ قریب تر تھا۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب حاکم کے ہاں اقوال متعارض ہو جائیں اور شہادت ناممکن ہو جائے اور قرائن سے استدلال ممکن ہو تو ایک دعوے کو ترجیح دے دی جائے گی اور وہ حکم نافذ العمل ہوگا جیسا حضرت سلیمان علیہ السلام نے کیا کہ میرے پاس چاقو لاؤ تاکہ میں اس کو دو ٹکڑے کر کے دونوں کو دے دوں۔

قول نووی رحمۃ اللہ علیہ۔فرشتوں کا زمین کی پیمائش کرنا اور فرشتے کو فیصل ماننا یہ سب اللہ تعالٰی کے حکم سے تھا اور اشتباہ کے وقت ان کو حکم ملا کہ اپنے پاس سے گزرنے والے شخص سے فیصلہ کروالو۔انسانی صورت میں گزرنے والا فرشتہ تھا جس کو انہوں نے اپنے درمیان فیصل مان لیا۔

تخریج ✿ بخاری فی تذکرہ بنی اسرائیل۔ مسلم فی التوبہ۔ ابن ماجہ۔ بقول مزی رحمۃ اللہ علیہ یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔

فرق روایت ☆: مسلم کی ایک اور روایت میں القریة الصالحة کے الفاظ جو کہ نسبت مجازی کی قسم سے ہے مثلاً نھر جار اب معنی بستی کے نیک مکین۔

لطیفہ ☆: اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ مکان کا شرف مکین کے شرف کی وجہ سے ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا: بسکا انھا تغلوا الدیار و ترخص مکینوں کی وجہ سے گھر سستے اور مہنگے ہوتے ہیں۔

دوسرے نے کہا: وماحب الدیار وشغفن قلبی مکانوں کی محبت میرے دل کے اندرون نہیں پہنچی۔

ولکن احب من سکن الدیار۔ میرے دل میں تو ساکنین کی محبت ہے۔

اقرب بشبر: نیک بستی کو قریب ہونے کا حکم ملنے کے بعد (اب دونوں روایات میں اختلاف نہ رہا)۔

اھلھا: جنت والوں میں سے لازم بول کر ملزوم مراد لیا گیا ہے۔

بخاری کے الفاظ میں فرق فاوحی اللّٰہ تعالیٰ وحی اشارے کے معنی میں ہے۔ الی ھذہ: فساد والی سرزمین مراد ہے۔

ان تباعدی: اس انسان سے دور ہو اور سمٹ جا۔ الی ھذہ: اصلاح والی سرزمین۔ ان تقربی: اپنے اجزاء کو پھیلاؤ۔ قال: یعنی فیصل نے کہا۔

قیسرا...... ھذہ: سرزمین اصلاح اقرب بشبر: اس کے دراز ہونے اور دوسری کے سمٹ جانے سے۔

فغفرلہ: ملائکہ رحمت نے اس کو لے لیا۔ اس میں مجاز ہے۔

قرطبی رحمۃ اللہ! اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر زمین کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو جہاں سے وہ نکلا تھا وہ زمین قریب تھی اس کی روح عذاب والے فرشتے لے لیتے۔ لیکن لطف الٰہی کے کیا کہنے ازلی عنایت نے اسے آلیا۔ پس بعید کو قریب اور سخت کو نرم کر دیا گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ گناہ خواہ کتنے بڑے ہوں اللہ تعالیٰ کی معافی اس سے بہت بڑھ کر ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ سچی توبہ کی ہمت عنایت فرماتے ہیں وہی قرب ولطف کی راہوں کو اپناتا ہے۔

مسلم کے نسخہ میں نأی اور بخاری میں فنأہ ہے یعنی موت کے بوجھ کے باوجود اس نے اپنا سینہ سرزمین فلاح کی طرف اٹھایا۔ بصدرہ نحوھا اصلاح وفلاح والی سرزمین کی طرف۔ اس میں یہ ثبوت ہے کہ اس کی توبہ صحیح تھی اور توبہ کے لئے اس کی رغبت سچی تھی۔

الفرائد: ① جو شخص اپنی حرکت پر شرمندہ ہو اور گناہ سے چھٹکارے کی راہ تلاش کرنے والا تائب ہے۔ ② عالم عابد سے افضل ہے۔ ③ توبہ کفر وشرک اور کبائر کے لئے بھی اسی طرح مفید ہے جیسا چھوٹے گناہوں کے لئے۔ ④ دو آدمیوں کسی کو حکم مان لیں تو اس کا فیصلہ قابل قبول ہوگا۔ ⑤ حاکم پر احوال متعارض ہو جائیں تو قرائن سے فیصلہ کرے۔

۲۱ : وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَكَانَ قَائِدَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ بَنِيهِ حِيْنَ عَمِيَ قَالَ: سَمِعْتُ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُحَدِّثُ بِحَدِيْثِهِ حِيْنَ تَخَلَّفَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ۔ قَالَ كَعْبٌ: لَمْ أَتَخَلَّفْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ غَزَاهَا قَطُّ اِلَّا فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ غَيْرَ اَنِّيْ قَدْ تَخَلَّفْتُ فِيْ غَزْوَةِ بَدْرٍ وَّلَمْ يُعَاتَبْ اَحَدٌ تَخَلَّفَ عَنْهُ ، اِنَّمَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْمُسْلِمُوْنَ يُرِيْدُوْنَ عِيْرَ قُرَيْشٍ حَتّٰى جَمَعَ اللّٰهُ تَعَالٰى بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ عَدُوِّهِمْ عَلٰى غَيْرِ مِيْعَادٍ ۔ وَلَقَدْ شَهِدْتُّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ حِيْنَ تَوَاثَقْنَا عَلَى الْاِسْلَامِ ، وَمَا اُحِبُّ اَنَّ لِيْ بِهَا مَشْهَدَ بَدْرٍ وَّاِنْ كَانَتْ بَدْرٌ اَذْكَرَ فِي النَّاسِ مِنْهَا ، وَكَانَ مِنْ خَبَرِيْ حِيْنَ تَخَلَّفْتُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَنِّيْ لَمْ اَكُنْ قَطُّ اَقْوٰى وَلَا اَيْسَرَ مِنِّيْ حِيْنَ تَخَلَّفْتُ عَنْهُ فِيْ تِلْكَ الْغَزْوَةِ ، وَاللّٰهِ مَا جَمَعْتُ قَبْلَهَا رَاحِلَتَيْنِ قَطُّ حَتّٰى جَمَعْتُهُمَا فِيْ تِلْكَ الْغَزْوَةِ وَلَمْ يَكُنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ غَزْوَةً اِلَّا وَرّٰى بِغَيْرِهَا حَتّٰى كَانَتْ تِلْكَ الْغَزْوَةُ فَغَزَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَرٍّ شَدِيْدٍ ، وَاسْتَقْبَلَ سَفَرًا بَعِيْدًا وَّمَفَازًا وَاسْتَقْبَلَ عَدَدًا كَثِيْرًا ، فَجَلّٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ اَمْرَهُمْ لِيَتَاَهَّبُوْا اُهْبَةَ غَزْوِهِمْ فَاَخْبَرَهُمْ بِوَجْهِهِمُ الَّذِيْ يُرِيْدُ ، وَالْمُسْلِمُوْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ كَثِيْرٌ وَّلَا يَجْمَعُهُمْ كِتَابٌ حَافِظٌ " يُرِيْدُ بِذٰلِكَ الدِّيْوَانَ " قَالَ كَعْبٌ فَقَلَّ رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّتَغَيَّبَ اِلَّا ظَنَّ اَنَّ ذٰلِكَ سَيَخْفٰى بِهٖ مَا لَمْ يَنْزِلْ فِيْهِ وَحْيٌ مِّنَ اللّٰهِ ، وَغَزَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الْغَزْوَةَ حِيْنَ طَابَتِ الثِّمَارُ وَالظِّلَالُ فَاَنَا اِلَيْهَا اَصْعَرُ فَتَجَهَّزَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُوْنَ مَعَهٗ وَطَفِقْتُ اَغْدُوْا لِكَيْ اَتَجَهَّزَ مَعَهٗ فَاَرْجِعُ وَلَمْ اَقْضِ شَيْئًا وَّاَقُوْلُ ۔ فِيْ نَفْسِيْ ۔ اَنَا قَادِرٌ عَلٰى ذٰلِكَ اِذَا اَرَدْتُّ فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ يَتَمَادٰى بِيْ حَتّٰى اسْتَمَرَّ بِالنَّاسِ الْجِدُّ فَاَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَادِيًا وَّالْمُسْلِمُوْنَ مَعَهٗ وَلَمْ اَقْضِ مِنْ جَهَازِيْ شَيْئًا ثُمَّ غَدَوْتُ فَرَجَعْتُ وَلَمْ اَقْضِ شَيْئًا فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ يَتَمَادٰى بِيْ حَتّٰى اَسْرَعُوْا وَتَفَارَطَ الْغَزْوُ فَهَمَمْتُ اَنْ اَرْتَحِلَ فَاُدْرِكَهُمْ فَيَالَيْتَنِيْ فَعَلْتُ ، ثُمَّ لَمْ يُقَدَّرْ ذٰلِكَ لِيْ فَطَفِقْتُ اِذَا خَرَجْتُ فِي النَّاسِ بَعْدَ خُرُوْجِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْزُنُنِيْ اَنِّيْ لَا اَرٰى لِيْ اُسْوَةً اِلَّا رَجُلًا مَّغْمُوْصًا فِي النِّفَاقِ اَوْ رَجُلًا مِّمَّنْ عَذَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الضُّعَفَاءِ وَلَمْ يَذْكُرْنِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَلَغَ تَبُوْكَ :فَقَالَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي الْقَوْمِ بِتَبُوْكَ :مَا فَعَلَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِيْ سَلِمَةَ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَبَسَهٗ بُرْدَاهُ وَالنَّظْرُ فِيْ عِطْفَيْهِ ۔ فَقَالَ لَهٗ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ :بِئْسَ مَا قُلْتَ! وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ اِلَّا خَيْرًا ، فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّم فَبَيْنَا هُوَ عَلٰى ذٰلِكَ رَاٰى رَجُلًا مُبِيضًا يَزُوْلُ بِهِ السَّرَابُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم : كُنْ اَبَا خَيْثَمَةَ فَاِذَا هُوَ اَبُوْ خَيْثَمَةَ الْاَنْصَارِيُّ وَهُوَ الَّذِيْ تَصَدَّقَ بِصَاعِ التَّمْرِ حِيْنَ لَمَزَهُ الْمُنَافِقُوْنَ قَالَ كَعْبٌ : فَلَمَّا بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَدْ تَوَجَّهَ قَافِلًا مِنْ تَبُوْكَ حَضَرَنِيْ بَثِّيْ فَطَفِقْتُ اَتَذَكَّرُ الْكَذِبَ وَاَقُوْلُ : بِمَ اَخْرُجُ مِنْ سَخَطِهِ غَدًا وَّاَسْتَعِيْنُ عَلٰى ذٰلِكَ بِكُلِّ ذِيْ رَاْيٍ مِّنْ اَهْلِيْ ، فَلَمَّا قِيْلَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَدْ اَظَلَّ قَادِمًا زَاحَ عَنِّي الْبَاطِلُ حَتّٰى عَرَفْتُ اَنِّيْ لَمْ اَنْجُ مِنْهُ بِشَيْءٍ اَبَدًا فَاَجْمَعْتُ صِدْقَهٗ وَاَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَادِمًا ، وَكَانَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَاَ بِالْمَسْجِدِ فَرَكَعَ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ لِلنَّاسِ ، فَلَمَّا فَعَلَ ذٰلِكَ جَاءَهُ الْمُخَلَّفُوْنَ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْهِ وَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ ، وَكَانُوْا بِضْعًا وَّثَمَانِيْنَ رَجُلًا فَقَبِلَ مِنْهُمْ عَلَانِيَتَهُمْ وَبَايَعَهُمْ وَاسْتَغْفَرَلَهُمْ وَ وَكَلَ سَرَآئِرَهُمْ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى حَتّٰى جِئْتُ فَلَمَّا سَلَّمْتُ تَبَسَّمَ تَبَسُّمَ الْمُغْضَبِ ثُمَّ قَالَ : تَعَالٰى ؛ فَجِئْتُ اَمْشِيْ حَتّٰى جَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ لِيْ مَا خَلَفَكَ؟ اَلَمْ تَكُنْ قَدِ ابْتَعْتَ ظَهْرَكَ قَالَ قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ وَاللّٰهِ لَوْ جَلَسْتُ عِنْدَ غَيْرِكَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا لَرَاَيْتُ اَنِّيْ سَاَخْرُجُ مِنْ سَخَطِهِ بِعُذْرٍ ، لَقَدْ اُعْطِيْتُ جَدَلًا وَّلٰكِنِّيْ وَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُ لَئِنْ حَدَّثْتُكَ الْيَوْمَ حَدِيْثَ كَذِبٍ تَرْضٰى بِهٖ عَنِّيْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ يُسْخِطُكَ عَلَيَّ وَاِنْ حَدَّثْتُكَ حَدِيْثَ صِدْقٍ تَجِدُ عَلَيَّ فِيْهِ اِنِّيْ لَاَرْجُوْا فِيْهِ عُقْبَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاللّٰهِ مَا كَانَ لِيْ مِنْ عُذْرٍ ، وَاللّٰهِ مَا كُنْتُ قَطُّ اَقْوٰى وَلَا اَيْسَرَ مِنِّيْ حِيْنَ تَخَلَّفْتُ عَنْكَ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم : اَمَّا هٰذَا فَقَدْ صَدَقَ فَقُمْ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ فِيْكَ ۔ وَسَارَ رِجَالٌ مِّنْ بَنِيْ سَلِمَةَ فَاتَّبَعُوْنِيْ فَقَالُوْا لِيْ : وَاللّٰهِ مَا عَلِمْنَاكَ اَذْنَبْتَ ذَنْبًا قَبْلَ هٰذَا لَقَدْ عَجَزْتَ فِيْ اَنْ لَّا تَكُوْنَ اعْتَذَرْتَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بِمَا اعْتَذَرَ بِهِ الْمُخَلَّفُوْنَ ، فَقَدْ كَانَ كَافِيْكَ ذَنْبَكَ اسْتِغْفَارُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لَكَ قَالَ : فَوَ اللّٰهِ مَا زَالُوْا يُؤَنِّبُوْنَنِيْ حَتّٰى اَرَدْتُّ اَنْ اَرْجِعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَاُكَذِّبَ نَفْسِيْ ، ثُمَّ قُلْتُ لَهُمْ : هَلْ لَقِيَ هٰذَا مَعِيَ مِنْ اَحَدٍ قَالُوْا : نَعَمْ لَقِيَهٗ مَعَكَ رَجُلَانِ قَالَا مِثْلَ مَا قُلْتَ وَقِيْلَ لَهُمَا مِثْلَ مَا قِيْلَ لَكَ قَالَ : قُلْتُ : مَنْ هُمَا؟ قَالُوْا : مُرَارَةُ بْنُ الرَّبِيْعِ الْعَامِرِيُّ ، وَهِلَالُ بْنُ اُمَيَّةَ الْوَاقِفِيُّ ، قَالَ : فَذَكَرُوْا لِيْ رَجُلَيْنِ صَالِحَيْنِ قَدْ شَهِدَا بَدْرًا فِيْهِمَا اُسْوَةٌ قَالَ فَمَضَيْتُ حِيْنَ ذَكَرُوْهُمَا لِيْ ۔ وَنَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عَنْ كَلَامِنَا

اَيُّهَا الثَّلٰثَةُ مِنْ بَيْنِ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهُ قَالَ :فَاجْتَنَبَنَا النَّاسُ ' اَوْ قَالَ تَغَيَّرُوْا لَنَا ـ حَتّٰى تَنَكَّرَتْ لِيْ فِيْ نَفْسِي الْاَرْضُ فَمَا هِيَ بِالْاَرْضِ الَّتِيْ اَعْرِفُ فَلَبِثْنَا عَلٰى ذٰلِكَ خَمْسِيْنَ لَيْلَةً۔ فَاَمَّا صَاحِبَايَ فَاسْتَكَانَا وَقَعَدَا فِيْ بُيُوْتِهِمَا يَبْكِيَانِ ' وَاَمَّا اَنَا فَكُنْتُ اَشَبَّ الْقَوْمِ وَاَجْلَدَهُمْ فَكُنْتُ اَخْرُجُ فَاَشْهَدُ الصَّلٰوةَ مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَطُوْفُ فِي الْاَسْوَاقِ وَلَا يُكَلِّمُنِيْ اَحَدٌ وَّاٰتِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُسَلِّمُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِيْ مَجْلِسِهٖ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَاَقُوْلُ فِيْ نَفْسِيْ هَلْ حَرَّكَ شَفَتَيْهِ بِرَدِّ السَّلَامِ اَمْ لَا؟ ثُمَّ اُصَلِّيْ قَرِيْبًا مِّنْهُ وَاُسَارِقُهُ النَّظَرَ ' فَاِذَا اَقْبَلْتُ عَلٰى صَلَاتِيْ نَظَرَ اِلَيَّ وَاِذَا الْتَفَتُّ نَحْوَهٗ اَعْرَضَ عَنِّيْ، حَتّٰى اِذَا طَالَ ذٰلِكَ عَلَيَّ مِنْ جَفْوَةِ الْمُسْلِمِيْنَ مَشَيْتُ حَتّٰى تَسَوَّرْتُ جِدَارَ حَائِطِ اَبِيْ قَتَادَةَ وَهُوَ ابْنُ عَمِّيْ وَاَحَبُّ النَّاسِ اِلَيَّ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَوَاللّٰهِ مَا رَدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ۔ فَقُلْتُ لَهٗ :يَا اَبَا قَتَادَةَ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمُنِيْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَكَتَ فَعُدْتُّ فَنَاشَدْتُّهٗ فَسَكَتَ فَعُدْتُّ فَنَاشَدْتُّهٗ۔ فَقَالَ : اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ' فَفَاضَتْ عَيْنَايَ وَتَوَلَّيْتُ حَتّٰى تَسَوَّرْتُ الْجِدَارَ ' فَبَيْنَا اَنَا اَمْشِيْ فِيْ سُوْقِ الْمَدِيْنَةِ اِذَا نَبَطِيٌّ مِّنْ نَبَطِ اَهْلِ الشَّامِ مِّمَّنْ قَدِمَ بِالطَّعَامِ يَبِيْعُهٗ بِالْمَدِيْنَةِ يَقُوْلُ :مَنْ يَّدُلُّ عَلٰى كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ؟ فَطَفِقَ النَّاسُ يُشِيْرُوْنَ لَهٗ اِلَيَّ حَتّٰى جَآءَنِيْ فَدَفَعَ اِلَيَّ كِتَابًا مِّنْ مَّلِكِ غَسَّانَ ' وَكُنْتُ كَاتِبًا ' فَقَرَاْتُهٗ فَاِذَا فِيْهِ :اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهٗ قَدْ بَلَغَنَا اَنَّ صَاحِبَكَ قَدْ جَفَاكَ وَلَمْ يَجْعَلْكَ اللّٰهُ بِدَارِ هَوَانٍ وَّلَا مَضْيَعَةٍ ' فَالْحَقْ بِنَا نُوَاسِكَ فَقُلْتُ حِيْنَ قَرَاْتُهَا : وَهٰذِهٖ اَيْضًا مِّنَ الْبَلَاءِ فَتَيَمَّمْتُ بِهَا التَّنُّوْرَ فَسَجَرْتُهَا ' حَتّٰى اِذَا مَضَتْ اَرْبَعُوْنَ مِنَ الْخَمْسِيْنَ وَاسْتَلْبَثَ الْوَحْيُ اِذَا رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِيْنِيْ فَقَالَ:اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَاْمُرُكَ اَنْ تَعْتَزِلَ امْرَاَتَكَ ' فَقُلْتُ :اُطَلِّقُهَا اَمْ مَاذَا اَفْعَلُ فَقَالَ : لَا بَلِ اعْتَزِلْهَا فَلَا تَقْرَبَنَّهَا وَاَرْسَلَ اِلٰى صَاحِبَيَّ بِمِثْلِ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لِامْرَاَتِيْ :اِلْحَقِيْ بِاَهْلِكِ فَكُوْنِيْ عِنْدَهُمْ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ فَجَآءَتِ امْرَاَةُ هِلَالِ بْنِ اُمَيَّةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ لَهٗ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هِلَالَ بْنَ اُمَيَّةَ شَيْخٌ ضَائِعٌ لَيْسَ لَهٗ خَادِمٌ فَهَلْ تَكْرَهُ اَنْ اَخْدُمَهٗ؟ قَالَ : لَا وَلٰكِنْ لَّا يَقْرَبَنَّكِ فَقَالَتْ:اِنَّهٗ وَاللّٰهِ مَا بِهٖ مِنْ حَرَكَةٍ اِلٰى شَيْءٍ وَّ وَاللّٰهِ مَا زَالَ يَبْكِيْ مُنْذُ كَانَ مِنْ اَمْرِهٖ مَا كَانَ اِلٰى يَوْمِهٖ هٰذَا۔ وَقَالَ لِيْ بَعْضُ اَهْلِيْ :لَوِ اسْتَاْذَنْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي امْرَاَتِكَ فَقَدْ اَذِنَ لِامْرَاَةِ هِلَالِ بْنِ اُمَيَّةَ اَنْ تَخْدُمَهٗ؟ فَقُلْتُ :لَا اَسْتَاْذِنُ فِيْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا

يُدْرِيْنِىْ مَا ذَا يَقُوْلُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم إِذَا اسْتَاْذَنْتُهٗ فِيْهَا وَاَنَا رَجُلٌ شَابٌّ ، فَلَبِثْتُ بِذٰلِكَ عَشْرَ لَيَالٍ فَكَمُلَ لَنَا خَمْسُوْنَ لَيْلَةً مِّنْ حِيْنَ نُهِىَ عَنْ كَلَامِنَا ثُمَّ صَلَّيْتُ صَلٰوةَ الْفَجْرِ صَبَاحَ خَمْسِيْنَ لَيْلَةً عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِنَا ، فَبَيْنَا اَنَا جَالِسٌ عَلَى الْحَالِ الَّتِىْ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَّا قَدْ ضَاقَتْ عَلٰى نَفْسِىْ وَضَاقَتْ عَلَىَّ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ سَمِعْتُ صَوْتَ صَارِخٍ اَوْفٰى عَلٰى سَلْعٍ يَقُوْلُ بِاَعْلٰى صَوْتِهٖ يَا كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ اَبْشِرْ ، فَخَرَرْتُ سَاجِدًا وَعَرَفْتُ اَنَّهٗ قَدْ جَآءَ فَرَجٌ۔ فَاٰذَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم النَّاسَ بِتَوْبَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْنَا حِيْنَ صَلٰوةَ الْفَجْرِ فَذَهَبَ النَّاسُ يُبَشِّرُوْنَنَا ، فَذَهَبَ قِبَلَ صَاحِبَىَّ مُبَشِّرُوْنَ وَرَكَضَ اِلَىَّ رَجُلٌ فَرَسًا وَسَعٰى سَاعٍ مِّنْ اَسْلَمَ قِبَلِىْ وَاَوْفٰى عَلَى الْجَبَلِ ، فَكَانَ الصَّوْتُ اَسْرَعَ مِنَ الْفَرَسِ فَلَمَّا جَآءَ نِى الَّذِىْ سَمِعْتُ صَوْتَهٗ يُبَشِّرُنِىْ نَزَعْتُ لَهٗ ثَوْبَىَّ فَكَسَوْتُهُمَا اِيَّاهُ بِبُشْرَاهُ وَاللّٰهِ مَا اَمْلِكُ غَيْرَهُمَا يَوْمَئِذٍ ، وَاسْتَعَرْتُ ثَوْبَيْنِ فَلَبِسْتُهُمَا وَانْطَلَقْتُ اَتَاَمَّمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَتَلَقَّانِى النَّاسُ فَوْجًا فَوْجًا يُهَنِّئُوْنِىْ بِالتَّوْبَةِ وَيَقُوْلُوْنَ لِىْ : لِتَهْنِكَ تَوْبَةُ اللّٰهِ عَلَيْكَ حَتّٰى دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم جَالِسٌ حَوْلَهُ النَّاسُ ، فَقَامَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ يُهَرْوِلُ حَتّٰى صَافَحَنِىْ وَهَنَّانِىْ وَاللّٰهِ مَا قَامَ رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ غَيْرُهٗ فَكَانَ كَعْبٌ لَاَّ يَنْسَاهَا لِطَلْحَةَ ۔ قَالَ كَعْبٌ : فَلَمَّا سَلَّمْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ وَهُوَ يَبْرُقُ وَجْهُهٗ مِنَ السُّرُوْرِ : اَبْشِرْ بِخَيْرِ يَوْمٍ مَرَّ عَلَيْكَ مُذْ وَلَدَتْكَ اُمُّكَ فَقُلْتُ : اَمِنْ عِنْدِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَمْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ؟ قَالَ : لَا بَلْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ، وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهٗ حَتّٰى كَاَنَ وَجْهَهٗ قِطْعَةُ قَمَرٍ وَّكُنَّا نَعْرِفُ ذٰلِكَ مِنْهُ ، فَلَمَّا جَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِىْ اَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَّالِىْ صَدَقَةً اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم : اَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔ فَقُلْتُ : اِنِّىْ اَمْسِكُ سَهْمِىَ الَّذِىْ بِخَيْبَرَ وَقُلْتُ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِنَّمَا اَنْجَانِىْ بِالصِّدْقِ وَاِنَّ مِنْ تَوْبَتِىْ اَنْ لَّاَ اُحَدِّثَ اِلَّا صِدْقًا مَا بَقِيْتُ ، فَوَ اللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَبْلَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ صِدْقِ الْحَدِيْثِ مُنْذُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَحْسَنَ مِمَّا اَبْلَانِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاللّٰهِ مَا تَعَمَّدْتُّ كِذْبَةً مُنْذُ قُلْتُ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِلٰى يَوْمِىْ هٰذَا وَاِنِّىْ لَاَرْجُوْ اَنْ

يَحْفَظِي اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْمَا بَقِيَ قَالَ : فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى : لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ حَتّٰى بَلَغَ اِنَّهٗ بِهِمْ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ حَتّٰى بَلَغَ : اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ قَالَ كَعْبٌ : وَاللّٰهِ مَا اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ مِنْ نِّعْمَةٍ قَطُّ بَعْدَ اِذْ هَدَانِيَ اللّٰهُ لِلْاِسْلَامِ اَعْظَمَ فِيْ نَفْسِيْ مِنْ صِدْقِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا اَكُوْنَ كَذَبْتُهٗ فَاَهْلِكَ كَمَا هَلَكَ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا ، اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ لِلَّذِيْنَ كَذَبُوْا حِيْنَ اَنْزَلَ الْوَحْيَ شَرَّ مَا قَالَ لِاَحَدٍ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ قَالَ كَعْبٌ : كُنَّا خُلِّفْنَا اَيُّهَا الثَّلَاثَةُ عَنْ اَمْرِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ قَبِلَ مِنْهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ حَلَفُوْا لَهٗ فَبَايَعَهُمْ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمْ وَاَرْجَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْرَنَا حَتّٰى قَضَى اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِ بِذٰلِكَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ وَلَيْسَ الَّذِيْ ذَكَرَ مِمَّا خُلِّفْنَا تَخَلُّفُنَا عَنِ الْغَزْوِ وَاِنَّمَا هُوَ تَخْلِيْفُهٗ اِيَّانَا وَاِرْجَاؤُهٗ اَمْرَنَا عَمَّنْ حَلَفَ لَهٗ وَاعْتَذَرَ اِلَيْهِ فَقَبِلَ مِنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ وَكَانَ يُحِبُّ اَنْ يَّخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ وَفِيْ رِوَايَةٍ : وَكَانَ لَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحٰى فَاِذَا قَدِمَ بَدَاَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ۔

۲۱: جناب عبداللہ جو اپنے والد کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نابینا ہو جانے کے بعد ان کے راہبر تھے وہ اپنے والد کعب کا واقعہ جو غزوۂ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ جانے کے سلسلہ میں پیش آیا خود ان کی اپنی زبان سے بیان کرتے ہیں۔ کعب کہتے ہیں کہ میں کسی غزوہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے نہیں رہا۔ سوائے غزوۂ تبوک کے۔ البتہ غزوۂ بدر میں میں پیچھے رہا۔ مگر اس غزوہ میں کسی بھی پیچھے رہ جانے والے پر عتاب نازل نہیں ہوا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان قریش کے قافلہ کا قصد کر کے نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بغیر کسی قول و قرار کے ان کو ان کے دشمنوں کے ساتھ جمع کر دیا۔ بیعت عقبہ ثانیہ کی رات جب ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام پر عہد و پیمان باندھا تو میں اس میں موجود و حاضر تھا اور مجھے تو بدر کی حاضری سے بڑھ کر وہ حاضری محبوب ہے اگرچہ لوگوں میں تذکرہ وشہرت غزوۂ بدر کی زیادہ ہے۔ میرا واقعہ کچھ اس طرح ہے جبکہ میں غزوۂ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گیا۔ میں پہلے کبھی اتنا تنومند اور خوشحال نہ تھا جتنا کہ اس غزوہ کے وقت تھا' جس میں کہ پیچھے رہ گیا۔ اللہ کی قسم! اس سے پہلے دو

سواریاں بھی میرے ہاں اکٹھی نہ ہوئی تھیں جبکہ اس غزوہ میں میرے پاس دوسواریاں موجود تھیں۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ جس غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ کے سلسلہ میں توریہ فرماتے۔ مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ غزوہ فرمایا تو وہ سخت گرمی کا زمانہ تھا اور سفر بھی دور دراز اور بیابانوں کا درپیش تھا اور بہت زیادہ تعداد والے دشمن کا سامنا تھا۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سامنے وضاحت سے بیان فرمادیا تاکہ وہ اچھی طرح اس غزوہ کے سلسلہ میں تیاری کرلیں۔ اسی طرح آپ نے اس جانب کی بھی وضاحت فرمادی جس کا ارادہ آپ رکھتے تھے۔ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کثیر تعداد میں تھے اور ان کے ناموں کو محفوظ کرنے والے اوراق اور کتب بھی نہ تھیں۔ مراد رجسٹر ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص لڑائی سے غائب رہنے کا ارادہ بھی کرتا تو وہ یہ گمان کرتا کہ اس کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مخفی رہے گا۔ جب تک کہ اس کے متعلق اللہ کی طرف سے کوئی وحی نہ اترے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ غزوہ اس موسم میں فرمایا جب پھل پک چکے تھے اور سائے پسند آنے لگے تھے اور میرا میلانِ طبعی ان کی طرف تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے آپ ﷺ کے ساتھ تیاری کی۔ میں صبح سویرے تیاری کے لئے آتا مگر بغیر کچھ تیاری کئے واپس لوٹ جاتا اور اپنے دل میں یوں کہتا کہ میں جب چاہوں گا ایسا کرلوں گا۔ کیونکہ مجھے اس پر پورا قابو حاصل ہے۔ سو یہ تاخیر مجھ پر کچھ اسی قدر طاری رہی اور لوگ جہاد کی تیاری میں مسلسل مصروف رہے۔ یہاں تک کہ ایک صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان غزوہ پر روانہ ہوگئے اور میں نے اپنا سامان اب تک بالکل تیار نہ کیا۔ پھر میں صبح سویرے آتا اور بغیر تیاری واپس لوٹ جاتا۔ یہ تاخیر مجھ پر طاری رہی اور مسلمانوں نے جلدی کی اور جہاد کا معاملہ آگے بڑھ گیا۔ میں نے کوچ کا ارادہ بھی کیا تاکہ ان کو جاملوں۔ کاش کہ میں ایسا کرلیتا۔ مگر میں ایسا نہ کرسکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں لوگوں میں نکلتا تو یہ دیکھ کر غمگین ہوتا کہ میرے سامنے جونمونہ آتا وہ یا تو نفاق سے تہمت یافتہ ہوتا یا پھر وہ شخص جس کو اللہ کی طرف سے بوجہ ضعف وکمزوری کے معذور قرار دیا جاچکا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہنچ کر میرا تذکرہ فرمایا جبکہ آپ ﷺ صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے۔ کہ کعب بن مالک نے کیا کیا؟ بنی سلمہ قبیلہ کے ایک شخص نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اس کی دونوں چادروں اور اپنے دونوں کندھوں کی طرف نگاہ ڈالنے نے روک دیا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا تم نے بہت بری بات کہی۔ قسم بخدا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے اس میں بھلائی ہی دیکھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ اسی دوران ایک سفید پوش آدمی ریگستان میں دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابوخیثمہ ہو؟ تو وہ واقعی ابوخیثمہ انصاری تھے۔ یہ وہی صحابی ہیں جنہوں نے ایک صاع کھجور صدقہ کی تو منافقین نے ان پر طعنہ زنی کی تھی۔ کعب کہتے ہیں کہ جب مجھے یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لارہے ہیں تو مجھ پر غم چھا گیا اور جھوٹے بہانے ذہن میں لانے لگا اور کہنے لگا کہ کس طرح کل آپ ﷺ کی ناراضی سے نکلوں۔ اس سلسلہ میں اپنے اقارب میں سے صاحب الرائے افراد سے (مشورہ میں) مدد

طلب کی۔ جب یہ اطلاع ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہنچنے والے ہیں تو میرے دماغ سے تمام جھوٹے بہانے والا خیال نکل گیا۔ میں نے جان لیا کہ میں ان میں سے کسی چیز سے میں نہیں بچ سکتا۔ چنانچہ میں نے سچ بولنے کا فیصلہ کرلیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ پھر لوگوں کی ملاقات کے لئے تشریف فرما ہوتے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے تو پیچھے رہ جانے والے قسمیں اٹھا کر معذرتیں پیش کرنے لگے۔ ان کی تعداد اسّی سے زیادہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہری عذر کو قبول فرما کر ان سے بیعت لے لی اور ان کے لئے استغفار بھی فرما دیا اور ان کے باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا۔ میں نے حاضر ہو کر جب سلام عرض کیا تو آپ نے ناراضگی بھرا تبسم فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا آگے آ جاؤ! میں آگے بڑھتے بڑھتے آپ کے سامنے جا بیٹھا۔ آپ نے فرمایا تم کیوں پیچھے رہ گئے؟ کیا تم نے اپنی سواری نہ خرید لی تھی؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم! اگر میں کسی دنیا دار کے سامنے ہوتا تو کوئی عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے نکل سکتا تھا۔ مجھے بات کرنے کا اچھی طرح سلیقہ ہے۔ لیکن واللہ مجھے اس بات کا یقینی طور پر علم ہے کہ اگر میں نے کوئی جھوٹی بات کہی جس سے آپ مجھ پر راضی ہو جائیں تو عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ پر ناراض کر دیں گے اور اگر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچی بات کہی اگرچہ وقتی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر ناراض ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے اس پر بہتر انعام کی توقع ہے۔ واللہ! مجھے کوئی عذر نہ تھا۔ بخدا! میں اتنا صحت مند اور خوش حال پہلے کبھی نہیں رہا جتنا اس وقت تھا جبکہ میں آپ ﷺ سے پیچھے رہ گیا۔ کعب کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے یقیناً سچ کہا ہے۔ جاؤ! یہاں تک کہ تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے۔ خاندان بنی سلمہ کے کچھ لوگ مجھے پیچھے آ کر ملے اور کہنے لگے ہمیں تو آج تک تمہارا کوئی گناہ معلوم نہیں مگر تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ایسا عذر پیش کرنے سے قاصر رہے۔ جو پیچھے رہ جانے والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ تیرے اس گناہ کی معافی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرما دینا کافی تھا۔ واللہ وہ مجھے مسلسل ملامت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس جا کر اپنی بات کی تکذیب کر دینے کا ارادہ کرلیا۔ مگر پھر میں نے ان کو کہا کہ کیا ایسا معاملہ میرے علاوہ اور بھی کسی کے ساتھ پیش آیا۔ انہوں نے جواب دیا جی ہاں۔ تمہارے جیسا معاملہ دو اور آدمیوں کو بھی پیش آیا اور انہوں نے بھی وہی کہا جو تم نے کہا اور ان دونوں کو وہی کہا گیا جو تمہیں کہا گیا۔ میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ مرارہ بن الربیع العامری اور ہلال بن امیۃ الواقفی ہیں۔ کعب کہتے ہیں کہ انہوں نے میرے سامنے ایسے دو نیک انسانوں کا ذکر کیا جو بدر میں شریک ہوئے تھے اور ان میں میرے لئے نمونہ تھا چنانچہ ان کا تذکرہ سن کر میں اپنی بات پر پختہ ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہم تین افراد کے ساتھ گفتگو کرنے سے لوگوں کو منع فرما دیا۔ لوگ ہم سے بدل گئے یا گریز کرنے لگے۔ یہاں تک کہ میرے دل میں تو یہ یہ

جگہ بھی ناواقف اور اوپری بن گئی۔ گویا یہ وہ جگہ نہ تھی جس کو میں پہچانتا تھا۔ اسی حالت میں پچاس راتیں گزر گئیں۔ میرے ساتھی تو تھک ہار کر گھروں میں بیٹھ رہے اور شب و روز گریہ وزاری میں گزرتا۔ مگر میں ان تمام میں جوان اور مضبوط تھا۔ میں باہر نکلتا' نمازوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتا اور بازاروں میں چکر لگاتا۔ مگر میرے ساتھ کوئی کلام تک نہ کرتا اور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کو سلام عرض کرتا جبکہ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں رونق افروز ہوتے میں اپنے دل میں کہتا کہ دیکھوں کہ آیا آپؐ کے لب مبارک میرے سلام کے جواب میں حرکت میں آئے یا نہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر نماز پڑھتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظریں چرا کر دیکھتا۔ جب میں اپنی نماز میں مشغول ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف نگاہ فرماتے اور جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف سے توجہ ہٹا لیتے۔ مسلمانوں کی طرف سے یہ بے رغبتی بہت طویل ہو گئی۔ میں ایک دن حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر گیا میں نے ان کو سلام کیا۔ قسم بخدا! انہوں نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے ان کو کہا اے ابوقتادہ میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تو میرے متعلق جانتا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں۔ وہ خاموش رہے۔ میں نے ان کو دوبارہ قسم دے کر پوچھا وہ پھر بھی جواب میں خاموش رہے۔ میں نے تیسری مرتبہ ان کو قسم دے کر دریافت کیا تو انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول اس کو بہتر جانتے ہیں۔ اس پر میری آنکھیں بہہ پڑیں۔ میں انہی قدموں پر دیوار پھاند کر واپس لوٹ آیا۔ اسی دوران جبکہ میں مدینہ کے بازار میں پھر رہا تھا۔ شام کے علاقہ کا ایک نبطی شخص جو مدینہ میں اپنا غلہ فروخت کرنے آیا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ مجھے کعب بن مالک کے متعلق کون بتلائے گا؟ لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے۔ وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط میرے حوالہ کیا۔ میں چونکہ لکھنا پڑھنا جانتا تھا۔ میں نے جب اسے پڑھا تو اس میں لکھا تھا۔ امابعد! ہمیں اطلاع ملی کہ تمہارے آقا نے تم پر زیادتی کی اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلت کے مقام میں نہیں رکھا اور نہ ہی ضائع ہونے کے لئے بنایا۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ۔ ہم تیرے ساتھ ہمدردی کریں گے۔ میں نے جب اس کو پڑھا تو کہا یہ ایک اور آزمائش ہے۔ میں نے اس کو لے کر تنور کا قصد کیا اور اس کو آگ کے حوالہ کر دیا۔ اسی حالت پر چالیس دن گزر گئے اور وحی کا سلسلہ میرے بارے میں بند تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہیں حکم ہے کہ اپنی بیوی سے علیحدگی اختیار کرو۔ میں نے پوچھا کیا میں اس کو طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ اس نے کہا اس سے علیحدگی اختیار کرو اور اس کے قریب مت جاؤ۔ میرے دونوں ساتھیوں کو بھی یہی پیغام بھیجا۔ میں نے اپنی بیوی کو کہا کہ اپنے خاندان والوں کے ہاں چلی جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ کا فیصلہ فرما دے۔ ہلال بن امیہ کی بیوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ انتہائی درجہ بوڑھے ہیں اور ان کا کوئی خادم بھی نہیں کیا آپؐ کو ناپسند ہے اگر میں ان کی خدمت کروں؟ ارشاد فرمایا نہیں۔ لیکن وہ تمہارے قریب ہرگز نہ جائیں۔ اس نے عرض کیا حضرت ان میں تو کسی چیز کی طرف حرکت کرنے

کی سکت بھی نہیں۔ وہ تو اللہ کی قسم! اس وقت سے جب سے یہ معاملہ پیش آیا۔ زار و قطار رو رہے ہیں اور اب تک یہی حال ہے۔ میرے بعض قریبی رشتہ داروں نے کہا کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیوی کے متعلق اجازت طلب کرتے تو مل جاتی جس طرح ہلال بن امیہ کو خدمت کی اجازت مل گئی۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب نہ کروں گا۔ کیا معلوم آپ ﷺ مجھے کیا جواب مرحمت فرمائیں جب میں اجازت مانگوں۔ میں تو جواں سال آدمی ہوں۔ اسی طرح مزید دس راتیں گزر گئیں۔ ہمارے ساتھ گفتگو کی ممانعت سے لے کر اب تک پچاس راتوں کا عرصہ گزر چکا تھا۔ میں نے فجر کی نماز پچاسویں صبح کو اپنے مکان کی چھت پر ادا کی۔ میں اس حال میں بیٹھا ہوا تھا جس کا تذکرہ باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں: ﴿فَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾ میری جان بھی مجھ پر تنگ ہوگئی اور زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ ہوگئی۔ میں نے کوہ سلع پر چڑھ کر کسی آواز دینے والے کو بلند آواز سے یہ کہتے ہوئے سنا۔ اے کعب بن مالک خوشخبری ہو۔ میں فوراً سجدہ ریز ہوگیا۔ میں نے اسی وقت جان لیا کہ اللہ کی طرف سے کشادگی آگئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا۔ لوگ ہمیں مبارک باد دینے لگے۔ میرے دونوں ساتھیوں کی طرف بھی خوشخبری دینے والے گئے اور میری طرف ایک آدمی گھوڑے پر سوار ہو کر آیا اور بنو اسلم قبیلہ کا ایک شخص میرے پاس دوڑ کر آیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اس کی آواز گھوڑے پر سوار ہو کر آنے والے سے جلد پہنچ گئی۔ جب وہ شخص میرے پاس آیا جس کی میں نے آواز سنی تھی تو میں نے اپنے کپڑے اُتار کر اس کو خوشخبری کے انعام میں پہنا دیئے۔ اللہ کی قسم! اس دن میں اُس جوڑے کے علاوہ کسی اور جوڑے کا مالک نہ تھا۔ میں نے کسی دوسرے آدمی سے عاریتاً دو کپڑے پہننے کیلئے لئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے روانہ ہوا لوگ جوق در جوق مجھے مل رہے تھے اور میری توبہ پر مبارک باد پیش کر رہے تھے اور یوں کہہ رہے تھے کہ تمہیں مبارک ہو! اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ چلتے چلتے میں مسجد میں داخل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد لوگ بیٹھے تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور قدم بڑھا کر مجھے مبارک پیش کی اور مصافحہ کیا۔ اللہ کی قسم مہاجرین میں سے کوئی بھی ان کے علاوہ نہ اٹھا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ' حضرت طلحہ کے اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھنے والے تھے۔ کعب کہتے ہیں کہ جب میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں سلام عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے ٹمٹما رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس مبارک ترین دن کی خوشخبری ہو جو ان تمام ایام میں سب سے بہتر ہے۔ جب سے تمہاری ماں نے تمہیں جنا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ خوشخبری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ اللہ جل شانہ کی طرف سے ہے۔ روئے انور اس وقت اس طرح چمکتا جیسے چاند کا ٹکڑا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے اور ہم آپ کی خوشی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے پہچان لیتے۔ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ گیا تو میں نے

عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری توبہ کا حصہ یہ بھی ہے کہ میں اپنے سارے مال کو اللہ اور اس کے رسول کی خدمت میں بطور صدقہ پیش کردوں اور اس سے الگ ہو جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے پاس کچھ مال رکھ لینا تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا میں اپنا خیبر والا حصہ رکھ لیتا ہوں۔ پھر دوبارہ عرض کیا یارسول اللہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ کی بدولت نجات دی اور بیشک میری توبہ کا یہ بھی حصہ ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا۔ اللہ کی قسم جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اس وقت سے مجھے معلوم نہیں کہ کسی مسلمان کو اتنے اعلیٰ انعام سے نوازا گیا ہو۔ جتنا بڑا انعام مجھے سچ بولنے کے عوض میں ملا اور اللہ کی قسم! جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا تذکرہ کیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک میں نے جان بوجھ کر ایک جھوٹ بھی نہیں بولا اور مجھے امید ہے کہ بقیہ زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ مجھے محفوظ فرمائیں گے۔ کعب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُتاری: ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ﴾ ''تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور ان مہاجرین وانصار پر رجوع فرمایا جنھوں نے تنگی کے وقت میں آپ کی پیروی واتباع کی''۔ یہ آیت انہوں نے ﴿اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ تک تلاوت فرمائی اور ﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ ...... كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ تک تلاوت فرمائی اور ان تینوں پر رجوع فرمایا جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ ان پر زمین باوجود وسیع ہونے کے تنگ ہوگئی۔ اور خود ان کے اپنے نفس بھی ان پر تنگ ہو گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ ان کو اللہ سے کوئی بچانے والا نہیں ہے سوائے اس اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رجوع فرمایا تاکہ وہ توبہ کریں یقیناً اللہ تعالیٰ بہت رجوع کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کا ساتھ دو۔ کعب کہتے ہیں کہ جب سے اللہ نے مجھے اسلام کی ہدایت سے نوازا ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو انعامات فرمائے ہیں ان میں سب سے بڑا انعام میرے نزدیک یہ ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سچ بولا جھوٹ نہیں بولا۔ ورنہ جھوٹ بولنے والوں کی طرح میں بھی ہلاک ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق جب وحی نازل فرمائی تو سب سے زیادہ سخت بات جو کسی کو کہی جاتی ہے وہ ان کو فرمائی ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ ......﴾ کہ عنقریب جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تو وہ قسمیں اٹھائیں گے تاکہ تم ان سے تعرض نہ کرو۔ آپ ان سے اعراض فرمائیں کیونکہ وہ پلید ہیں۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے وہ تمہارے سامنے قسمیں اٹھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔ اگر تم ان سے راضی بھی ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان فاسقوں سے راضی نہ ہوں گے۔ کعب کہتے ہیں ہم تینوں کا معاملہ پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا۔ ان لوگوں سے جنہوں نے قسمیں اٹھائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کو قبول فرما لیا اور ان سے بیعت لے لی اور ان کے لئے استغفار بھی فرما دیا۔ مگر ہمارے معاملے کو ملتوی کر دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فیصلہ فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا......﴾ اس آیت میں ٥ خُلِّفُوْا ٥ کا لفظ ذکر فرمایا ہے۔ اس سے ہمارا غزوہ سے پیچھے رہنا مراد نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے معاملہ کو ملتوی کرنا اور پیچھے چھوڑنا مراد ہے۔ ان لوگوں سے جنہوں نے قسمیں

اٹھائیں اور معذرت کردی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معذرت کو قبول فرمالیا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لئے جمعرات کو روانہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن سفر کے لئے نکلنا عموماً پسند فرماتے اور ایک روایت کے الفاظ یہ بھی ہیں کہ آپ سفر سے عموماً چاشت کے وقت تشریف لاتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں تشریف لاکر دو رکعت نماز ادا فرماتے اور پھر مسجد میں تشریف فرما ہوتے۔

تشریح ۞ عبداللہ نے اپنے والد کعب انصاری سلمی سے بیان کیا ہے۔ بقول ابو احمد عسکری یہ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے ہیں (اسد الغابہ) یہ عبداللہ اور عبدالرحمان، عبیداللہ اپنے والد کو مسجد میں لاتے لے جاتے تھے جبکہ وہ نابینا ہو گئے۔ وہ کہتے ہیں۔

سمعت کعب بن مالك رضی الله عنه: یہ کعب بیعت عقبہ میں موجود تھے۔ بدر و تبوک کے علاوہ تمام غزوات میں حاضر رہے۔ احد میں ان کو گیارہ زخم لگے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین شعراء حسان، کعب، ابن رواحہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ حسان کفار کے انساب کے متعلق مذمت کے اشعار کہتے اور ابن رواحہ ان کے کفر کے متعلق اور کعب لڑائی کے واقعات سے ان کو ڈراتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۸۰ روایات نقل کی ہیں جن میں تین بخاری و مسلم میں ہیں۔ ایک حدیث بخاری نے اور دو مسلم نے منفرداً بیان کی ہیں۔ ۵۰ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔

النحو: **یحدث حدیثه**: ① یہ مفعول مطلق ہے ② منصوب بنزع خافض ہے۔

تخلف عن: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلنے سے رہ گئے۔ ایک روایت میں صراحۃً عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوہ تبوک کے الفاظ موجود ہیں۔ تَبُوْك اگر اس سے جگہ مراد ہو تو یہ منصرف ہے اور اگر علاقہ مراد ہو تو غیر منصرف ہے۔ غزوہ تبوک ۹ھ میں پیش آیا۔ محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ سے فناری نے شرح موطاء میں نقل کیا کہ اسے تبوک کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ وہاں کے چشمہ سے پانی نکالنے کے لئے برتن کو حرکت دیتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما زلتم تَبُوْكُوْنَهَا تَبُوْكًا: اسی سے اس کا نام تبوک پڑ گیا۔ **قال کعب لم اتخلف عن رسول الله صلی الله علیه وسلم**۔ کعب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا۔ آپ نے ستائیس غزوات کئے جن میں سے بدر و تبوک کے علاوہ باقی تمام میں شرکت کی۔ ان میں سے ۹ غزوات میں لڑائی پیش آئی' بدر' احد' مریسیع' خندق' قریظہ' خیبر' فتح مکہ۔ ایک قول کے مطابق مکہ زبردستی فتح ہوا اور شوافع رحمہم اللہ کے نزدیک صلح سے فتح ہوا۔ اسی طرح حنین' طائف ایک قول کے مطابق بنونضیر میں بھی قتال ہوا۔ سرایا کی تعداد ۴۷ سنتالیس تھی۔

الا فی غزوه تبوك...... **بدر**: یہ ماقبل سے استثناء ہے۔ بدر ایک بستی ہے جو بدر بن مخلد بن نضر بن کنانہ کی طرف منسوب ہے وہ وہاں مقیم ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بدر بن حارث نے وہاں کنواں کھودا۔ ایک قول یہ ہے کہ بدر اس کنویں کا نام ہے جو وہاں ہے۔ اس کو بدر کہنے کی وجہ اس کی عمدہ گولائی اور صفائی تھی کہ اس میں چاند نظر آتا تھا۔

واقدی مرحوم نے بنی غفار کے شیوخ سے ان تمام باتوں کی تردید نقل کی ہے اور کہا کہ وہاں بدر نامی کوئی آدمی نہیں گزرا۔

وہ ہمارا ٹھکانہ اور مال ہے اور تھا یہ دوسرے علاقائی ناموں کی طرح ایک نام ہے۔ بدر حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ بدر و تبوک کا استثناء الگ الگ اس لئے کیا کہ تبوک و بدر میں فرق ہے۔ بدر سے پیچھے رہنے والوں پر عتاب نہیں ہوا اور تبوک والوں پر عتاب ہوا۔ (فتح الباری)

ولم یعاتب احد: یہ مجہول ہے ایک روایت میں معروف بھی ہے۔ ① کا ترجمہ کسی کو عتاب نہ کیا گیا۔ ② کا ترجمہ آپ نے کسی کو عتاب نہیں کیا۔ **انما خرج...... غیر قریش:** یہ عدم عتاب کی وجہ بتلائی گئی ہے کہ آپ قافلے کے لئے نکلے۔ **العیر:** وہ اونٹ جو بار بردار ہوں۔ ابوسفیان شام میں تیس سواروں کے ساتھ تھا جن میں عمرو بن العاص بھی تھے۔ وہ ایک عظیم قافلہ کے ساتھ جس میں تمام قریش کے اموال تھے۔ جب بدر کے قریب ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی اطلاع ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ ان کی طرف روانہ ہوئے اور ان کو دشمن کی قلت اور اموال کی کثرت کی خبر دی۔ مگر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام روحاء میں پہنچے تو آپ کو قافلہ کی حفاظت کے لئے قریش کی روانگی کی اطلاع ملی۔ لڑائی کی وجہ کی طرف اس قول میں اشارہ ہے: **حتیٰ جمع اللہ بینھم وبین عدوھم** کہ اللہ تعالیٰ نے اپ کو اور کفار قریش کو بغیر کسی معیاد کے جمع کر دیا۔

ولقد شھدت...... لیلہ العقبہ: وہ رات جس میں انصار نے اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور ٹھکانہ مہیا کرنے پر بیعت کی۔ عقبہ وہ منیٰ کی ایک جانب میں پائی جانے والی گھاٹی ہے جس کی طرف جمرہ العقبہ منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ بیعت دو مرتبہ ہوئی۔ پہلی بیعت میں ۱۲ آدمی تھے اور دوسری بیعت میں ۲۰ آدمی تھے تمام کے تمام انصار سے تھے۔ یہ بیعت مسجد میں ہوئی جو اس گھاٹی کے قریب واقع ہے۔ جب اصطلاح میں عقبہ بولا جائے تو عقبہ اخیرہ ہی مراد ہوتا ہے جو مکہ کے قریب تر ہے۔

حین تواثقناء: ① حین یہ لیلہ سے بدل ہے۔ **تواثقنا:** ہم نے بیعت کی اور معاہدہ کیا اور ایک دوسرے سے میثاق لیا۔ بعض نسخوں میں تو افقنا بھی ہے (باہمی اتفاق کرنا)

بھا: رات کے بدلے یا عقبہ کے بدلے۔

النحو: شھد بدر: یہ اَنّ کا اسم ہے۔ یعنی میں پسند نہیں کرتا کہ میں بدر میں حاضر ہوتا اور لیلۃ عقبہ میں نہ ہوتا۔ یہ بات انہوں نے اس وجہ سے فرمائی کیونکہ یہ واقعہ ہجرت سے قبل پیش آیا اور اس وقت اسلام کمزور اور مسلمان تھوڑے تھے۔

اَذْکَرُ زیادہ مشہور ہے۔ **فی الناس منھا:** لیلہ عقبہ سے فضیلت کے لحاظ سے ہے۔ طبقات صحابہ شمار کرنے والے بھی لیلہ عقبہ کے شرکاء کو اصحاب بدر سے افضل شمار کرتے ہیں۔

غزوہ تبوك: غزوہ کی جمع غزوات بقول ثعلب غزوہ ایک مرتبہ جہاد کے لئے جانے کو کہتے ہیں اور غزاۃ پورا سال جہاد میں مصروف رہنے کو کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع بھی غزوات ہے۔

اَنّی: اس کا مدخول کان کا اسم ہے۔

لم اکن قط اقوی ولا ایسر منی: قصد دراز منہ کے لحاظ سے تفضیل نفسی کے قبیل سے ہے جیسا کہ اس مشہور مثال میں ہے۔ **ما رأیت احدًا احسن فی عینہ الکمل منہ فی عین زید** کہ جس زمانہ میں پیچھے رہ گیا ان دنوں میں میں دوسرے

دنوں کی بنسبت خوب خوشحال تھا۔ واللہ...... تلك الغزوة: یہ اس آسانی کی تفصیل ہے اسی طرح قوت کی تفصیل ہے جبکہ قوت سے ایسی قوت مراد لی جائے جو اسباب عادیہ سے حاصل ہوتی ہے اور اگر قوت سے قوت بدن مراد لی جائے تو پھر اس کی تفصیل سے خاموشی اختیار کی گئی۔

وریٰ بغیرها: تورہ کیا دوسری طرف کا وہم دلایا اور آپ فرماتے الحدبُ خدعةٌ: (ابوداؤد) حتی توریہ کی غایت کو بیان کرنے کے لئے ہے۔

حر شديد: ایسی سخت گرمی جس سے ہلاکت کا خطرہ تھا۔ مفازا: یہ لفظ مفازۃ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسی طویل و عریض خشکی جس میں پانی نایاب ہو۔ فاز الرجل اس وقت بولتے ہیں جب وہ ہلاک ہو جائے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ جنگل، ویرانے کو عبور کرنے والا گویا کامیاب ہو گیا اس مناسبت سے یہ نام پڑ گیا جیسا سانپ کا ڈسا ہوالدیغ کہلاتا ہے۔

عدد كثيرا: بعض نسخوں میں عدوا کا لفظ ہے۔

النحو: استقبل کو دوبارہ اس لئے لایا گیا تا کہ ظاہر ہو کہ پہلا استقبل اس پر عامل نہیں۔ فجلا: کھولنا اور واضح کرنا۔ یعنی توریہ کے بغیر ان کو بتلا دیا۔ ليتأهبوا اهبة غزوهم: بخاری نے عدوهم کا لفظ نقل کیا ہے۔ مسلم کے تمام نسخوں میں غزوهم کا لفظ ہے۔ مطلب یہ تھا تا کہ وہ ضروریاتِ سفر کی تیاری کر سکیں۔ بوجههم وجہ کا معنی قصد ہے۔ بعض نسخوں میں توجہم ہے۔ جس کا معنی مقصود ہے مذکور ہے الّذی يريد جس طرف کا وہ ارادہ رکھتے تھے۔

یہاں ضمیر عائد محذوف ہے اس غزوہ کا باعث رومیوں کا آپ کے خلاف لڑائی کے لئے جمع ہونا تھا۔ آپ نے لوگوں کو اس کے لئے آمادہ کیا۔

والمسلمون: یہ غزا کے فاعل سے حال ہے۔ مسلمانوں کی تعداد ایک اندازہ کے مطابق ۳۰ ہزار اور بقول ابوزرعہ ۷۰ ہزار تھی اور ابوزرعہ کی ایک روایت میں چالیس ہزار ہے۔

صورت مطابقت: تیس و چالیس کی گنتی میں صرف متبوعین کا ذکر کیا تابع اور غلاموں کا شمار نہیں کیا یا صرف لڑنے والوں کو شمار کیا اور ستر کی گنتی میں تابع و متبوع دونوں کو شمار کیا گیا ہے۔ ولا يجمعهم كتاب: کتاب سے یہاں رجسٹر مراد ہے۔ ديوان: کا لفظ بعض کہتے ہیں فارسی ہے بعض عربی مانتے ہیں۔ فقل رجل: (بہت کم آدمی) بخاری کی روایت میں فما رجل ہے کوئی آدمی جو غائب ہونا چاہے۔ الا ظن ان ذلك سيخفى له: مگر اس کو یہی گمان ہوتا کہ اس کا معاملہ مخفی رہے گا۔ مسلم کے تمام نسخوں میں الّا نہیں ہے۔

نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں الّا کا ہونا درست نسخہ ہے۔

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ: قل میں جو نفی کا معنی ہے اس کے اثبات کے لئے الّا لایا گیا ہے کیونکہ اس کا معنی ما رجل ہے گویا عبارت اس طرح ہے: ما رجل يريد ان يتغيب الاَّ ظَنَّ۔

ما لم ينزل فيه وحى: جب تک اس کے متعلق تنبیہ وحی نہ اترے۔ طابت الثمار: پھل پک گئے اور ان کے کھانے کا وقت آیا۔ الظلال: جمع ظل سایہ۔ اصعر: میلان کرنا۔ میں اس کی طرف بہت مائل تھا۔ طفقت: یہ افعال استمرار میں سے ہے۔ امم اقض: میں نے اپنے معاملے میں کچھ نہ کیا ہوتا۔ على ذلك: ذلک کا مشار الیہ التجهيز یعنی (تیاری) ہے۔ اذا

اردت: جب میں چاہوں گا کیونکہ وقت میں گنجائش ہے۔ ذلك: معاملے میں سستی وتاخیر۔ الجد: سفر کے معاملات میں خوب کوشش۔ معه: آپ کی معیت میں سفر پر روانگی۔ جهازی: اپنا سامان سفر۔ غدوت: دن کے شروع میں سفر کرنا۔ رجعت: اپنے صبح کے سفر سے لوٹا۔ شیئاً: اپنے سامان کی کوئی چیز ذلك: تیاری کے لئے صبح جانا اور تیاری نہ کرنا۔ حتی اسرعوا: بخاری نے شرعوا: یعنی تیزی کرنا، شروع ہونا نقل کیا ہے۔ تفارط۔ الفارط و الفرط: آگے بڑھنے والا اس کی جمع افراط ہے۔ (جیسا انا فرطکم علی الحوض)

الغزو: سے مراد مجاہد ہیں۔ یا لیتنی فعلت: یہ کرڈالتا اور پیچھے رہ جانے کی حیرانی سے نکل جاتا۔ اس بات میں فوت ہونے والے عمل پر شرمندگی ظاہر کی گئی ہے۔ ذلك کا مشار الیہ ارتحال یعنی کوچ کرنا ہے) اور وہ مجھے میسر نہ ہوا۔

الناس: پیچھے رہنے والے معذور مسلمان یا کم عقل منافقین تھے۔ یحزننی یہ باب افعال سے ہے۔ ایک نسخہ میں اس کے بعد انّی کالفظ بھی ہے۔

النّحْو: لا اری لی اسوة: یہ پورا جملہ ان کی خبر بن کر یحزن کا فاعل ہے۔ لی: یہ اسوة سے نحو محل حال میں ہے۔ اسوة: نمونہ کو کہتے ہیں۔ مغموصًا: علیہ مطعون جس کا دین قابل اعتبار نہ ہو۔ فی النفاق: منافقت۔ بلاغت یہ استعارہ مکنیہ ہے۔ ممن عذر اللّٰه: یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے معذور قرار دیا۔

من الضعفا: یہ مَن کا بیان ہے۔

تبوك: یہ غیر منصرف ہے مگر بخاری و مسلم میں اس کو منصرف ذکر کیا گیا ہے شاید ان کے ہاں اس سے جگہ مراد ہے۔

قال رجل من بنی سلمه: ان کا نام عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ ہے۔ (المغازی للواقدی)

قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہ شاید ان کو کعب کے ساتھ اندرونی ناراضگی تھی یا وہ منافق تھا کیونکہ اس نے کعب کو متکبر قرار دیا اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت نے اس بات کی تردید کی اور ان کی عزت سے دفاع کیا۔

مگر قرطبی کا قول عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے متعلق درست نہیں کیونکہ وہ مخلص صحابہؓ میں سے ہیں۔ البتہ عبداللہ کی بات کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ بلاسوچے سمجھے ان کے منہ سے یہ بات نکل گئی۔ واللہ اعلم۔

براده: چادر اور ازار یا قمیص کو تغلیباً بردان سے تعبیر کر دیا۔ جیسے عمرین اور قمرین کہہ دیتے ہیں۔

والنظر عطفيه: سے خود پسندی اور تکبر سے کنایہ ہے۔

فسکت: کعب کے حالات دریافت کرنے سے خاموشی اختیار فرمائی۔

مبیضا: یہ بیاض سے اسم فاعل ہے یعنی سفید کپڑوں والا۔ عرب مبیضة سفید پوش اور مسوده سیاہ پوش کو کہتے ہیں۔

یزول: سراب میں حرکت کرتا اور ابھرتا نظر آیا۔

کن ابا خیثمه: یہ الفاظ اگرچہ امر کے ہیں مگر دعا کے معنی میں ہے۔ جیسا کہا جاتا اَسْلِمْ یعنی سلمک اللہ (اللہ تمہیں سلامت رکھے) (سہیلیؒ)

نوویؒ کہتے ہیں یہ معنی بھی ہوسکتا ہے: انت ابو خیثمه جیسا عرب کہتے کن زیدًا ای انت زید: (ثعلبؒ)

قاضی عیاضؒ: یا هذا اشخص ابا خیثمه حقیقة تقدیر کلام یہ اللهم اجعله ابا خیثمه۔ اے اللہ اس کو ابوخیثمہ بنا

دے۔(التحریر)

اذ اھوا ابو خیثمہ اذا مفاجات کے لئے ہے۔ یہ ابوخیثمہ عبداللہ بن خیثمہ ہے ان کا دوسرا نام مالک بن قیس بتلایا گیا ہے۔ یہ وہ ابوخیثمہ انصاری ہیں جنہوں نے ایک صاع کھجور اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کیا اور منافقین نے ان پر طعنہ زنی کی۔ ایک دوسرے صحابی عبدالرحمان بن ابی سبرہ جعفی ہیں جن کا لقب ابوخیثمہ ہے۔

لتأن بلغنی ان رسول الله...... من تبوك: اَن اپنے معمولات کے ساتھ بلغ کا فاعل ہے۔

حضرنی بثی: یہ لما کا جواب ہے۔ بخاری میں حضرنی ھَمّی ہے۔ البث: سخت غم۔ آیت ﴿انما اشکو بثی وحزنی﴾: میں عام کا عطف خاص پر کیا گیا ہے یہ مرادف نہیں۔

اتذکر الکذب: یہ جملہ طفق کی خبر ہے۔ واقول اس کا معطوف ہے۔ بما با حرف جر آ جانے کے باوجود اس کا الف قائم ہے۔ یہ قلیل الاستعمال قاعدہ کے مطابق ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ آیا کوئی ساعذر واقع کے مطابق ہے یا نہیں۔ جیسا سیاق اس کی دلیل ہے۔

سخطه: سے مراد آپ کا جہاد سے پیچھے رہنے کو ناپسند کرنا ہے۔

استعین: ناراضی کا عطف اتذکر پر ہے۔ ذلك: اس سے نکلنے کی راہ مراد ہے۔

ایک اشکال کا جواب ☆ تذکر کذب سے جو وہم پیدا ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دو نقصان دہ چیزوں میں سے خفیف کو اختیار کرنے کی طرف ذہن گیا تا کہ سخت تر سے بچ جائیں (آپ کی ناراضگی) مگر اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی ان کی حفاظت فرما کر احسن المسالک کی توفیق بخشی۔ اظل قادمًا: یہ اظل کے فاعل سے حال ہے۔ آپ اتنے قریب تشریف لے آئے کہ گویا اس پر سایہ کر دیا ہے۔

زاح عنی الباطل: اصمعی نے کہا راح زوحا: دور ہونا۔ کسائی نے کہا ریحاناً: باطل سے یہاں مراد واقع کے خلاف خبر دینا ہے۔

حتی: مستانفہ یا عاطفہ ہے۔

منه: یعنی آپ کی ناراضی سے۔ شیء: سے مراد کذب ہے۔ ابدًا: زمانہ مستقبل میں کیونکہ وحی سے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر پر بات منکشف کر دیں گے جیسا منافقین کے لئے ہوا۔

اجمعت: اجمع امرہ اور عزم علیہ کا ایک معنی ہے یعنی پختہ ارادہ کرنا۔

قدم من اسفر۔ قدم یقدُمُ: تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھتے۔

فوائد ۞ اپنے گھر سے پہلے اللہ تعالیٰ کے گھر سے ابتداء ہو۔ ② سلامتی کے ساتھ واپسی پر تشکر۔ ③ بقول صاحب مفہم یہ امت کے لئے مشروع نہیں مگر صحیح یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے اس کا کرنا ثابت ہے۔

النَّحْوُ: وکان: یہ اصبح کے فاعل سے حال ہے۔ جلس للناس: سلام و مبارک کے لئے۔ فعل ذلك: تحیۃ المسجد اور لوگوں سے ملاقات مراد ہے۔

مَسْئَلَہ: مسجد میں نفلی اعتکاف کی نیت کے لئے روزہ کی ضرورت نہیں۔ المخلفون: تبوک نہ جانے والے۔ ابوحیان نے النہر

میں لکھا ہے کہ اس لفظ سے مذمت وتحقیر متخلفین کی بنسبت زیادہ ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اس سے ان کا مفعول ہونا ظاہر ہوتا ہے۔
یتعذرون الیه: وہ پیچھے رہ جانے کا عذر پیش کر کے اس پر حلف دے رہے تھے۔ان کی تعداد ۸۰ سے زائد تھی۔بعض نے بیماری اور دیگر جھوٹے اعذار پیش کئے۔**علانیتھم۔ علن یعلُن**:ن وس یہ اسم مصدر ہے یعنی ظاہر۔**استغفر لھم**:ان کے لئے تبوک میں شرکت نہ کرنے کے گناہ کی معافی طلب کی۔**سرائرھم**:ان کا جھوٹ ومنافقت۔
النحو :**حتٰی جئت**:یہ حتیٰ ابتدائیہ ہے کیونکہ ماضی پر داخل ہے۔عاطفہ نہیں ہے کیونکہ وہاں معطوف ماقبل کا جزء ہوتا ہے (المغنی) یہ جملہ مستانفہ ہے۔
المغضب:اسم مفعول ہے۔غضبناک۔اس تعبیر میں اشارہ ہے کہ آپ کی ناراضگی عارضہ کی وجہ سے تھی ورنہ اخلاق کریمانہ تو عفو صفح ، تجاوز کی تصویر تھے جیسا حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے دس سال آپ کی خدمت کی۔آپ نے کبھی مجھے کسی فعل پر یہ نہیں کہا اور **فعلتهٗ** (تم نے کیونکر کیا) اور جس چیز کو چھوڑا اس پر یہ نہیں فرمایا **لِمَ تَرَکْتَهٗ** (تم نے کیوں چھوڑا)
فجئت فا ظاہر کرتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اوامر نبوت کی انجام دہی میں بہت جلدی کرنے والے تھے۔
امشی:یہ جملہ ماقبل سے حالیہ ہے۔**ما ذا خلفك**:تبوک سے تمہارے پیچھے رہنے کا سبب کیا ہے۔
ابتغیت:یعنی خرید کرنا۔**الظھر**:جمع ظہران سواری کا اونٹ۔**بعذر**:وہ عذر جو توریہ یا تاویل کے طور پر ظاہر کرتا۔**اعطیت جدلاً**:فصاحت وبلاغت جس کو استعمال کر کے میں اپنے الزام سے بری ہوسکتا تھا۔اگر چہ وقتی طور پر اس بات سے آپ راضی ہو جاتے۔**لیُوشکنن**:یہ افعال مقاربہ میں سے ہے اس کا ماضی ومضارع مستعمل ہے۔اس پر آنے والی لام جواب قسم کے لئے ہے اسی وجہ سے جواب شرط کی ضرورت نہ رہی بلکہ یہ دونوں کے قائم مقام ہوگیا لیکن یہ اس کی علت ہے۔تقدیر کلام یہ ہے:**ولکنی مع الحال المذکورة لا افعل لعلمی بان اللّٰہ یجلی لك الاحوال ویظھر لك الصادق والکاذب من القال**:لیکن اس مذکورہ حالت کے باوجود میں نے ایسا نہ کیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ پر سچی ، جھوٹی بات کو ظاہر فرمادیں گے اور پھر آپ مجھ پر ایسے ناراض ہوں گے کہ کبھی راضی نہ ہوں گے۔
فوائد ❁ ① اس سے معلوم ہوا کہ معاصی سے بچنا چاہئے اگر چہ گناہ میں وقتی مٹھاس ولذت تو ہے مگر اس کا پھل انتہائی کڑوا ہے۔② جس کی بصیرت واندرون روشن ہو وہ گناہ کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے۔
تجد علی فیه:ناراض ہوں گے۔کیونکہ آپ کی مخالفت کی وجہ سے میں قابل ملامت تھا۔
النحو :یہ جملہ قسمیہ جملہ پر معطوف ہے۔
لارجو فیه عقبی اللّٰہ:ہٗ ضمیر صدق کی طرف راجع ہے۔عقبیٰ اللہ یہ جواب قسم ہے۔عقبیٰ اچھا انجام۔مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے خیر کا امیدوار تھا کہ وہ اپنے رسول کو مجھ سے راضی کر دیں گے ان کی یہ امید پوری ہوئی۔
واللّٰہ ما کان:قسم کو استغراق نفی کے لئے لائے۔یعنی بخدا میرے پاس پیچھے رہنے کے لئے واقعی کوئی عذر نہ تھا اور بدنی اور مالی لحاظ سے بھی کبھی اتنا خوشحال نہ تھا جتنا اس وقت تھا۔
اقوی و ایسر منی:یہ تفضیل الشی علی نفسہٖ کی قسم سے ہے۔
امّا:میم کی تشدید یا تخفیف کے ساتھ شرط وتفصیل کے لئے آتا ہے۔**فقد صدق فافصیحه** ہے۔اس لئے کہ تو نے سچ بولا پس تم

جاؤ اور انتظار کرو کہ قضاء وقدر سے تمہارے لئے کیا ظاہر ہوتا ہے۔سزا یا معافی یعنی یا سچائی کے کڑوے گھونٹوں پر توبہ و رضامندی۔ثار۔یثور کود کر اٹھنا۔

ما علمناك اذنبت ذنبًا: یہ جملہ مفعول ثانی کے مقام میں ہے۔

فی ان لا تکون اعتذرت: فی اسی طرح تعلیلہ ہے جیسا اس آیت میں لمسکم فیما افضتم میں ہے یعنی تمہارے رسول اللہ کے ہاں عذر پیش نہ کرنے کی وجہ سے جیسا کہ مخلفین نے کیا۔اگر چہ وہ جھوٹ ہوتا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار اس کے لئے کافی ہو جاتا۔

فقد کان ما فیك ذنبك۔ ما فیك: کان کی خبر منصوب ہے اور ذنبك دوسرا مفعول ہے یا نزع خافض کی وجہ سے منصوب ہے۔استغفار رسول: یہ کان کا اسم ہے۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے استغفار کو فاعل اور مافیک کو اس کی صفت قرار دے کر کان تامہ بنایا ہے۔وللناس فیما یعشقون مذاهب۔ یؤتبوننی: باب تفعیل ہے سخت ملامت کرنا۔

ما کذب نفسی کہ میں کہی ہوئی اس بات کی تردید کروں کہ میرے پاس کوئی عذر نہ تھا۔

هذا: کا مشار الیہ۔حقیقت واقعیہ کہ جس میں تم مجھے ملامت کرتے ہو۔من احد: من زائدہ۔تا کہ اور کسی کو شریک پا کر تکلیف سہنا آسان ہو جائے۔بقول مرگ انبوہ جشنے دارد۔

ما قلت: یعنی عذر کی تنگی۔ما قیل لك: یعنی انتظار و فیصلہ۔العامری: مسلم کے تمام نسخوں میں عامری ہے نووی کہتے ہیں یہ غلط ہے اصل العمری ہے کیونکہ وہ بنی عمرو بن عوف سے تھے کذا قال البخاری۔ابن اسحاق ابن عبدالبر قاضی عیاض نے اسی کو صحیح کہا ہے۔اسی طرح والد کا نام مسلم کے بعض نسخوں میں ربیعہ ہے بخاری ابن الربیع کہتے ہیں۔ابن عبدالبر کہتے ہیں دونوں طرح درست ہے۔

الواقفی: بنی واقف کی طرف منسوب ہے۔ان کا نام مالک ہے یہ انصار کا ایک خاندان ہے۔

قر شهدا بدرا: سے بدر کبریٰ مراد ہے۔ابن جوزی نے اس جملے کو زہری کا وہم قرار دیا ہے مگر علامہ ابن حجر نے اس کو کعب کا کلام قرار دیا۔اثرم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بدری ہونے پر اصرار کیا ہے۔ابن جوزی کا تعاقب درست نہیں' اسی طرح ان لوگوں کی بات بھی بے دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بدری ہوتے تو ان کا عذر حاطب کی طرح فوراً معاف کر دیا جاتا۔اس کا جواب یہ ہے کہ حاطب کو معافی اس لئے مل گئی کہ انہوں نے عذر واضح کر دیا اور ان کے پاس تو کوئی عذر ہی نہ تھا۔(حاصل یہ ہوا کہ ان کا بدری ہونا ثابت ہے۔واللہ اعلم) اسوہ نمونہ۔

فمضیت: مضبوطی سے کاربند رہا۔(ض کر گزرنا)

مَسْئَلَۃ: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم: اس سے معلوم ہوا جو گناہ کرے اس سے اعراض کیا جائے یہاں تک کہ وہ گناہ چھوڑ دے۔(المفہم)

ایها الثلاثة: یہ مرفوع ہے۔جیسا عرب کہتے ہیں: اللهم اغفرلنا ایتها العصابه یعنی پیچھے رہنے والوں میں سے صرف ہم تینوں سے بات چیت بند کی گئی۔اس لئے تا کہ ان کی شان بلند ہو جائے۔بقیہ میں کچھ تو حقیقۃً معذور تھے اور بعض جھوٹے بہانہ باز تھے۔اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے باطن کو ظاہر کر کے بلند کر دیا اور منافقین کے باطن کو رسوا کر دیا۔

فاجتبنا: پہلوتہی اختیار کر گئے۔اور راوی کے الفاظ میں شک ظاہر کے لئے لایا گیا ہے۔
تغیر والنا: بدلنا یعنی انس ومحبت جاتی رہی۔تنکرت نکر ینکر: تبدیل ہونا۔
النَّحو: الارض: اس کا فاعل ہے۔جار مجرور تنکرت کے متعلق ہیں۔مطلب یہ ہے حالات اس قدر مکدر ہوتے کہ دل میں یہ بات آنے لگی کہ میں کسی ناواقف جگہ میں مقیم ہوں وطن میں نہیں۔
فلبثنا علی ذلك: ذلك کا مشارالیہ منتظر فیصلہ قضاء اور لوگوں کا چھوڑنا ہے۔**خمسین لیلة:** پچاس دن رات۔نہار کا لفظ خود سیاق سے معلوم ہوتا ہے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔**فاستکانا:** جھک گئے۔**یتبکیان:** (روتے رہے) غلطی پر رونے کا حکم دوسری روایت میں اس طرح وابك علی خطیئتك **اشب القوم:** تینوں میں سے عمر میں چھوٹا اور مضبوط تھا مسجد میں جاتا اور جماعت کے فرائض میں حاضری دیتا اور بازار میں ضروریات کے لئے آتا جاتا۔**الاسواق:** جمع سوق اس کو سوق کہنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنا سامان وہاں لاتے ہیں ساق ہے اپنی پنڈلی پر کھڑے ہوتے یہ ان کے بازار میں چکر لگانے میں یہ حکمت ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی سخاوت وکرم کے مقامات ہیں کیونکہ اس کے ذریعہ خرید وفروخت والے امور کو طالبین کے لئے آسان کر دیا گیا ہے اور مطال خرچ کرنے والے کو نفع دے دیا پھر وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے فیوض ورحمت معنویہ کے مقامات یعنی مساجد میں پیش کرتے نمازوں میں حاضر ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور عطایا دنیویہ کے مقامات پر وہ پیش کرتے جو کہ بازار ہیں تا کہ رحمان کی رحمتوں کے جھونکے توبہ کے ساتھ ان کی طرف رجوع کریں اور ان کو رجوع والا مقصود حاصل ہو جائے اور جس غلطی میں وہ مبتلا ہو گئے اس سے بری ہو جائیں۔**مجلسه بعد الصلاة:** ذکر دعا وغیرہ کے لئے بیٹھتے۔

هو فی: سے جملہ محلاً حال ہے میں سلام کرتا تا کہ یہ دیکھوں کہ آپ نے میرے سلام کا جواب دینے کے لئے اپنے ہونٹ مبارک ہلائے یا نہیں جیسا کہ آپ کے عفو ودرگزر کا معاملہ تھا آپ کا جہراً سلام سے عدول ہی ڈانٹ ڈپٹ کے لئے کافی تھا۔ہجران کا باعث میری غلطی تھی۔
ام: یہاں منقطعہ بل کے معنی میں ہے۔**ثم اُصلی:** سے نفل وسنن رواتب مراد ہیں۔
اسارقه النظر: نظر چرا کر دیکھنا۔
مَسْئَلَة: نماز التفات سے باطل نہیں ہوتی (اگر چہ مسارقہ نظر شیطان کا چرکا ہے) **اقبل عَلَیّ:** ① دل وجان سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ فرماتے ہیں جناب رسول اللہ ﷺ تو اخلاق الٰہی کو اپنانے والے تھے۔② اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں کی طرف متوجہ ہونا اولیاء اللہ کے مقبول ہونے کی علامت ہے۔**اذا التفت نحوه:** یعنی نماز میں آپ کی طرف التفات کرتا۔**اعرض عنی:** تو مجھ سے اعراض کرتے اس لئے کہ نماز میں التفات شیطان کی چوک سے ہے۔آپ نے فرمایا اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو یہ ادھر اُدھر متوجہ نہ ہوتا۔**حتی اذا اطال علی ذلك:** یہ حتیٰ ابتدائیہ ہے (کذافی المغنی) **من جفوة** یعنی اعراض۔
النَّحو: من: ابتدائیہ یا تعلیلیہ ذلک کا مشار الیہ جو کچھ گزرا ہوا ہو۔**مشیت:** چلتا رہا۔**قسوّرت:** دیوار پر چڑھا۔بلندی سے اترنا۔بعض کہتے ہیں بلند جگہ چڑھنا۔کذافی الصحاح۔
مَسْئَلَة: اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کو اپنے دوست اور رشتہ دار کے گھر میں داخل ہونا درست ہے بشرطیکہ وہ ناپسند نہ کرے اور

یہ بھی شرط ہے کہ وہاں کوئی بے پردہ عورت وغیرہ نہ ہو۔
ابو قتادہ: ان کا نام حارث بن ربعی انصاری ہے۔ یہ دونوں کعب بن سلمہ میں جمع ہوتے ہیں۔ جو کہ کعب کے پانچویں اور ابو قتادہ کے چھٹے دادا تھے کذا قال الکرمانی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ربعی ابوقتادہ کے والد مالک کے بھائی ہیں کعب کے والد ہیں۔
احب الناس الّی: قرابت وغیرہ کی وجہ سے میرے ہاں محبوب تھے۔ فسلمت: میرے سلام کا جواب نہ دیا کیونکہ کعب اور ان کے ساتھیوں سے ہر قسم کا کلام بند تھا۔

فوائد ۞ ① مبتدع وغیرہ کو سلام کا جواب نہ دینا چاہئے۔ ② سلام بھی کلام ہے جو قسم اٹھائے کہ میں کلام نہ کروں گا تو سلام کرنے اور اس کا جواب دینے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ ③ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ہر دوست و قریب کی قرابت سے مقدم ہے۔

انشدك: اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں۔ یہ اس کی اصل نشید بمعنی آواز ہے۔
هل تعلمنی اُحِبُّ الله و رسولَهٗ: کیا تو شواہد نشانات دیکھ کر جانتا ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا۔ سعد بن ابی وقاصؓ کی بات کے جواب میں آپ کا اس طرح انکار مالك عن فلان فانی للدراه مؤمناً: اس کے خلاف نہیں کیونکہ ایمان کا تعلق دل سے ہے اور اسلام کا ظاہر سے۔ چنانچہ ابوقتادہ نے اس کا جواب اللہ و رسولہ اعلم سے دیا۔ محبت الله والرسول: ان کی امر ونواہی میں اطاعت کرنا۔ کسی کا قول کیا ہی عمدہ ہے:

تعصی الا له وانت تظهر حبه ☆ هذا العمری فی القیاس بدیع
لو کان حبك صادقًا لا طعته ☆ ان المحب لمن یحب مطیع

فسکت: جواب سے خاموشی برتی۔ ناشدته کا معنی نشدته ہے مفاعلہ مبالغہ کے لئے لائے (قسم دی) فقال الله ورسوله اعلم قاضی عیاضؒ کہتے ہیں ابوقتادہؓ نے یہ کلام ان کو سنانے کے لئے نہیں کہی بلکہ اپنے اعتقاد کو ظاہر کرنا مقصود تھا کیونکہ اگر سنانے کے ارادہ سے کیا جانے والے کلام کے جواب میں نعم کہنے سے بھی قسم ٹوٹ جاتی ہے۔
قرطبیؒ کہتے ہیں ابوقتادہ نے یہ سمجھا کہ جس کلام کی ممانعت ہے وہ الفت محبت والا ہے۔ ابعاد و منافرت والا کلام ممنوع نہ تھا جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات کی طرف توجہ بھی نہ دی۔ (المفہم)
ففاضت عینای: یہ مجاز عقلی ہے جیسے کہتے ہیں نہر جارٍ یعنی میری آنکھوں سے کثرت سے آنسو بہنے لگے۔
تولیت: میں الٹے پاؤں واپس ہوا۔ فینا: ① یہ الف اشباع کا ہے۔ ② یہ اصل میں بینما ہے۔ میم کو حذف کر دیا گیا ہے۔ ③ اضافت سے جدا کرنے کے لئے الف لائے۔ المدینه: یہ دار الہجرت کا علم بن گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ اور دین کی اطاعت کی جاتی ہے۔
نبطی: کسان نبط ینبط پانی نکالنا۔
شام: یہ ① سام بن نوح کے نام پر پڑا سریانی میں ان کا نام شام تھا۔ ② یہ جانب شمال میں واقع ہے۔ ③ وہاں سرخ، سیاہ، سفید بلند چوٹیوں کی وجہ سے یہ نام پڑا۔
ملك غسان: سے جبلہ بن ایہم یا حارث بن ابی سمرہ ہے۔ کاتبا: یعنی پڑھا لکھا۔

قد جفاك: اعراض کرلیا ہے۔ بدار ھوان: الگ رہنے والا ایسے گھر میں الگ رہنے والا جہاں توہین کی جاتی ہو۔ مَضیعة: ① ایسی حالت جس میں تیرا حق ضائع ہو۔ ② ایسے گھر میں جہاں تیرا حق ضائع ہو۔

تو اسیك: یہ مواساۃ بمعنی ہمدردی ہے۔ جواب امر سے الگ جملہ بہتر ہے ای نحن نو اسیك تر اتھا ھا کی ضمیر مونث کتاب کی طرف راجع ہے مراد صحیفہ ہے۔ البلاء: ① یہ ابتلاء کے معنی میں ہے تا کہ اس سے قابل تعریف ثابت قدمی ظاہر ہو ② ایسا معاملہ جو شرمندگی کو لازم کردے۔ فتیممت: میں نے قصد کیا۔ التنور: یہ تمام لغات میں روٹیوں والے تنور پر ہی بولا جاتا ہے۔

استلبث الوحی: یہ مسلم کے الفاظ ہیں دیر کردی' نازل نہ ہوئی۔ رسول رسول الله: سے خزیمہ بن ثابت انصاری مراد ہیں وہی دیگر حضرات کی طرف قاصد بنے۔ امراتك: ان کا نام عمرہ بنت جبیر بن صخر ہے یہی عبداللہ' عبیداللہ معبد کی ماں ہے۔ (التوشیح للسیوطی) یا عمیرہ بنت جبیر (تحفۃ القاری) فقلت: میں نے کہا اس کی علیحدگی سے طلاق مراد ہے یا کچھ اور فرمایا جماع اور اس کے مقدمات سے گریز کرو۔ الحقی باھلك: یہ کنایات الطلاق میں ہے جبکہ نیت ہو۔ بمثل ذلك سے عدم قرب زوجہ۔ امراۃ ھلال بن امیه: ان کا نام خولہ بنت عاصم (ابن حجر) ② عمرہ بنت حبہ بن صخر (ابن عبدالبر) شیخ: معمر۔ ضائع: محتاج خدمت۔ خادم: مؤنث و مذکر دونوں کے لئے آتا ہے کبھی مؤنث کے لئے خادمہ بھی آجاتا ہے اس روایت میں امراۃ الی اسیر کانت خادمتھم فی عدسھم۔ لا یقربنك: یہ جماع سے کنایہ ہے۔ حَرَكة: کوئی ایسا داعیہ جو اس کو تحریک دے۔ فازال یبکی: پیچھے رہنے پر جو نتائج برآمد ہوئے وہ اس پر اب تک رو رہے ہیں۔

سوال: جب کلام منع تھا تو فقال الی بعض اھلی کا کیا مطلب ہے۔

جواب: ① اشارہ کو قول سے تعبیر کیا۔ ② ممانعت صرف مردوں کو تھی۔ ③ خدام کو ممانعت نہ تھی۔ ابن حجر کہتے ہیں ① ان کا بچہ یا بیوی تھی عورتوں سے کلام کی ممانعت نہ تھی۔ ② متکلم منافق تھا (یہ تاویل مناسب نہیں) لا استاذن: ہلال اور ان کی حالت میں فرق ذکر کیا۔

النحو: انا رجل شاب: یہ یقول کے فاعل سے حال ہے۔ ① اس سے اشارہ کیا کہ اجازت کی صورت میں محذور میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔ ② ان کو خدمت کروانے کی ضرورت نہیں۔ فلبثت بذلك: میں بیوی کو بھیج کر گزر کار ہا۔ نُھِیَ: یہ مجہول ہے۔

صباح خمسین لیلة: پہلا ظرف صلّٰی کے فاعل سے حال ہے اور دوسرا ظرف بیت کا وصف ہے۔

ضاقت علی نفسی: میرے دل سے انس و سرور غائب ہو گیا اور وحشت و غم اس پر چھا گیا کہ اس میں انس و سرور کی جگہ نہ رہی۔

بما رحبت: ما مصدریہ ہے۔ الرحب: وسعت۔

صوت صارخ: وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ (التوشیح) مگر بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ اسلمی ہیں۔ ادفٰی: چڑھنا اور بلند ہونا۔ اعلٰی صوته: بلند آواز سے۔

ابشر: مفعول کو اس لئے حذف کیا تا کہ خوشی و سرور میں نفس ہر طرف جائے۔

ساجدًا: سجدہ شکر صحابہ کرامؓ کے ہاں معروف و معمول تھا اس لئے بشارت سمجھ آتی تھی۔ فاذن: بتلانا۔ اعلان کرنا۔
توبة الله علينا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں توبہ کی توفیق بخشی' ② یا گناہ کی غفلت سے بری کر دیا۔ نماز فجر کے وقت۔
مبشرون: سعید بن زید ہلال کی طرف گئے ان کو خوش خبری سنائی تو وہ سجدہ ریز ہو گئے۔ پھر کمزوری کی وجہ سے آنے کی ہمت نہ تھی وہ گدھے پر سوار ہو کر آئے۔

مرارہ کو سلکان بن سلامہ یا سلمہ بن سلامہ خوشخبری دینے گئے۔ (الاقناع للفر بری)

رَجُلٌ: سے زبیر بن عوامؓ مراد ہیں۔ ابن حجرؒ کے نزدیک ابوقتادہ فارس النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ سعی ساع من اسلم: یہ حمزہ بن عمر اسلمی ہیں۔ فكان الصوت: اسلمی کی آواز مراد ہے۔
يبشرني: یہ جملہ مستانفہ بیانیہ یا محلاً حال ہے۔
فكسوته: ① بشارت دینے والے کو خلعت دینا مستحب ہے۔ ② مبشر کو کپڑے کا عطیہ دے خواہ وہ اپنے پاس اور نہ ہوں۔ ③ دینی کاموں پر بشارت کے وقت خوشی میں بدل و ہبہ دینا جائز ہے۔
والله املك غيرهما: یہ عندی راحلتین اور انخلاع مال والی کلمات کے مخالف نہیں۔ پہننے کے لئے تیار کپڑے مراد ہیں۔ ثوبین ابوقتادہ سے عاریۃً لئے (واقدی) اتأمم قصد کرنا۔ فوجا فوجًا: جماعت در جماعت ملتے تھے۔ گروہ در گروہ ملنا۔ بالتوبه: ① قبولیت توبہ کے سبب' ② توبہ کی توفیق مل جانے کی وجہ سے۔ لِتَهْنِكَ: اس کا نون مکسورہ ہے (فتح الباری)
فوائد ① دینی بھلائی پر مسلمان کو مبارک دینی مستحب ہے۔ ② اس سے اظہار محبت اور دوستی میں صفائی قلب کا اظہار کرنا چاہئے۔
حتى دخلت المسجد: یعنی لوگ مبارک دیتے رہے اور میں چلتا رہا یہاں تک کہ مسجد میں پہنچا۔
النحو المسجد: اسم ظرف مکان ہے۔
فاذا رسول الله صلى الله عليه وسلم: فی المسجد ظرف لغو ہے اور حولہ یہ دوسری خبر ہے۔ مقام طلحة: یہ عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے کے اکرام میں کھڑے ہونا اور بشاشت ظاہر کرنا مستحب ہے۔ غیرہ ① یہ رجل کی صفت تسلیم کریں تو مرفوع ہے۔ ② حال مانیں تو منصوب ہے۔ لا ينساها۔ ها: سے مصافحہ' قیام' مبارک باد مراد ہے۔ قرطبی کہتے ہیں طلحہ کی محبت ان احسانات کی وجہ سے کعب کے دل میں اتر گئی یہاں تک کہ اس کو بڑا احسان سمجھا۔ قال: سلام کے جواب کے بعد فرمایا۔
من السرور: یہ من تعلیلہ ہے خوشی کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کر لی۔
هو يبرق: یہ قال کے فاعل سے حال ہے۔
ابشر ...... یہ مقولہ ہے: ① اسلام لانے والے دن کو معروف ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ نہیں کیا ② توبہ کے ساتھ اسلام مجرد اسلام سے خیر ہے۔ من عندك: مقصود تو نبخ حاصل ہونے پر آپ نے اجتہاد سے یہ فیصلہ فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ الاقناع میں لکھا ہے کہ آپ نے ان کے سامنے آیات کی تلاوت فرمائی۔ استنیاز: زیادتی نور اور صفائی کی وجہ سے چہرہ چمکنے لگتا۔ قطعة قمر: چاند سے مشابہت کا مقصد اضاءت و ملاحت ہے۔ چاند پر انس سے بلا ضرر نگاہ ڈالی جا

سکتی ہے۔ یہ تشبیہ تقریب فہم کے لئے ورنہ آپ کے اوصاف کے کوئی چیز معادل نہیں۔ بعض علماء نے جبین مبارک سے تشبیہ قرار دے کر تشبیہ جزوی قرار دی اور بعض نے کھلی تشبیہ مانی ہے۔

كنا نعرف: ہم آپ کے محاسن کو ملاحظہ کرنے والے آپ کی خوشی پیشانی سے پہچان لیتے تھے۔ جیسا صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ہے: **مسرورًا تبرق اسارير وجهه۔**

منه: کی ضمیر چہرے کی طرف لوٹتی ہے۔

الى من توبتى: یعنی میری توبہ کا شکر یہ یا میری توبہ کی سچائی کی علامت کہ میں تمام مال سے الگ ہو جاؤں۔

صدقة: ① مفعول لہ ② مفعول مطلق تقدیر اتصدق ③ حال ہے جو متصدقا کے معنی میں ہے۔ یا انخلع کا معنی اتصدق کو متضمن ہے۔ **الى الله تعالىٰ والى رسوله:** حرف جر کو مستقل اس لئے لائے تا کہ ظاہر ہو کہ اطاعت رسول مستقل مطلوب ہے۔ قرطبی کہتے ہیں اِنّ: صیغہ التزام میں ہے اس صورت میں یہ عذر ہے مگر ممنوعہ نذر کی قسم نہیں۔ اس کے مطابق ان کو تمام مال صرف کرنا چاہئے تھا مگر آپ نے ان کے احتیاج میں مبتلاء ہونے کے خطرہ سے بعض مال کو روکنے کا حکم فرمایا۔ صدقہ کے ضرر کو دور کرنے کے لئے بعض مال روکنے کا حکم نہیں فرمایا جیسا کہ بعض کو خیال ہوا۔ ضرر حاجت تو قلیل یا کچھ باقی رکھنے سے دفع ہو جاتا ہے جیسا کہ فاروق رضی اللہ عنہ نے آدھا مال صدقہ اور آدھا اہل وعیال کے لئے رکھا۔

فرق روایت: یہ مسلم کی روایت میں اتنا ہے مگر ابوداؤد کی روایت میں **انه اخرج من مالى كله الى الله...... قال لا۔ قلت نصفه ؟ قال لا قلت فثلثهٔ** اور ابن مردویہ نے **يجزى عنك من ذلك الثلث** (فتح الباری)۔ نووی کہتے ہیں ان کو بعض مال روک لینے کا حکم دیا۔ ابوبکر صدیقؓ نے تمام خرچ کر دیا ان سے قبول کر لیا کیونکہ وہ بہت صابر وشاکر تھے۔ (شرح مسلم) **انجانى:** پیچھے رہنے کے گناہ سے نجات دی۔ **لا احدث:** ہر معاملے کی ہر بات تا حیات سچی بات کہوں گا جب تک کوئی قوی مانع نہ ہو (جاسوسی جہاد وغیرہ) **الامن:** یعنی شکر یہ یا سچ۔ **ابلاه:** یہ لفظ جب انعام کے لئے استعمال ہوتا ہے تو مقید آتا ہے مثلاً **احسن مما ابلانى الله۔**

اَلنَّجْوٰ: یہ مصدر ہے جس کو اپنے مفعول کی مضاف کر دیا ہے اور جب مطلق ہو تو شر کے لئے آتا ہے جیسا **فى ذلكم بلاء:** میں ہے۔ **به:** ہمیشہ آسانی بخشی اور پورا کرنے کی توفیق۔ **احسن مما ابلانى** اور **فو الله ما انعم** اور **اعظم من صدقى** کے الفاظ افضلیت کی نفی کرتے ہیں مساوات کی نہیں کیونکہ ان کے ساتھ اس معاملہ میں دو اور ساتھی بھی شریک تھے۔ (ابن حجرؒ)

كذبه: کاف کے فتحہ وکسرہ دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ التزام صدق سے خطاء ونسیان خود مستثنیٰ ہیں کذب عمد مراد ہے جو کہ التزام کے منافی ہے۔

ان يحفظنى کہ وہ بقیہ زندگی جھوٹ سے میری حفاظت کریں گے کیونکہ وہ سخی ہیں کسی کے راز کو ظاہر نہیں کرتے (اگر وہ چھپانا چاہتا ہو) جیسا فرمایا: **انا لله لا يغير ما بقوم ......**

ما نزل الله تعالىٰ: بخاری کتاب التفسیر میں وارد ہے کہ رات کے آخری ثلث میں ام سلمہ کے گھر میں یہ تین آیات اتریں۔

لقد تاب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت تو بہ شرف ومرتبہ کے اظہار کے لئے ہے۔ بعض نے تجاوز کا معنی لیا ہے۔

ساعه العسرة: غزوہ تبوک میں دو آدمی ایک کھجور باہمی تقسیم کرتے اور دس آدمی اونٹ پر باری سے سوار ہوتے۔ پانی کی اس

قدر قلت کہ بعض کو اوجڑی نچوڑ کر پینا پڑی۔
یزیغ: مائل ہوں یعنی مشکل حالات کی وجہ سے ساتھ چلنے سے قائل ہو جائیں۔
ثم تاب علیهم: یعنی ثابت قدمی دی۔ **ضاقت علیهم**: یعنی اطمینان میسر نہ تھا۔
ظنوا: یقین کرلیا۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے معافی کے سوا پناہ گاہ نہیں۔ (کشاف)
ثم تاب علیهم: اسباب توبہ کا اہتمام فرمایا۔ لیتوبوا تا کہ وہ توبہ قبول کر لے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی توبہ کو قبول کیا۔ لیتوبوا تا کہ اس پر ثابت قدم رہیں۔
توبه: کا معنی رجوع ہے۔ جب بندے کی طرف نسبت ہو تو گناہ سے اطاعت کی طرف لوٹنا اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو سزا سے مغفرت کی طرف لوٹنا مراد ہوتا ہے۔ (بیضاوی)
ان الله هو التواب: اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے صحیح توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتے ہیں۔
اتقوا: معاصی کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ **کونوا مع الصادقین**: یعنی ایمان وعہد میں سچوں کا ساتھ سچائی کے ساتھ اختیار کر کے کرو۔ **قال کعب**: اللہ تعالیٰ نے گزشتہ زمانے میں جب سے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔
النحو: اعظم: ① ہی مقدر سے یہ مرفوع ہے۔ ② محلا منصوب ہے۔
الا اکون کذبته یہ **ما منعك ان لا تسجد** کی طرح لا زائدہ ہے۔ اس صورت میں یہ جملہ مستانفہ ہے۔ ② یہ صدقی سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہوگا اللہ تعالیٰ کے بڑے احسانات میں سے یہ بھی ہے میرا جھوٹ نہ بولنا اور ہلاکت سے بچ جانا۔
(تحفۃ القاری)

کذبوا: یہ صدق کی طرح دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ اس کا مفعول ثانی محذوف ہے۔
ای **کذبوا الله القول** یعنی جن منافقین نے دعویٰ ایمان کر کے اللہ تعالیٰ سے جھوٹ بولا ان کے متعلق بہت سخت بات فرمائی جو کسی کے متعلق کہی جاتی ہے اور وہ بات ﴿**سیحلفون بالله**......﴾ ہے۔ **رجس**: وہ نری گندگی ہیں کیونکہ ان کا باطن خبیث ہے پس ان کے متعلق توبیخ چنداں مفید نہیں بخلاف مؤمن کے وہ غلطی کے بعد توبیخ سے توبہ کرتا ہے تو گناہ سے پاک ہو جاتا ہے۔ ان کو عتاب نہ کرو جہنم کی آگ ان کیلئے کافی ہے۔ **لترضوا**: تمہیں راضی کرنے کا مقصد دنیوی فائدے کا حصول ہے۔
فان ترضوا......: اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے ہوتے ہوئے تمہاری رضا کا بالکل فائدہ نہ ہوگا بلکہ وہ جلد یا بدیر سزا کو پالیں گے۔
نکتہ: یہ اسلئے فرمایا تا کہ بتلا دیا جائے کہ ہر مقام پر ایمان والوں کی رضامندی اللہ تعالیٰ کی رضا کا تقاضا نہیں کرتی۔ **خُلِفُنا**: یہ ماضی مجہول ہے۔ جب جھوٹے معذرت کرنے والوں نے قسمیں اٹھالیں تو ان کے عذر قبول کر کے ان سے بیعت لے لی گئی۔ ہمارے متعلق کوئی فیصلہ نہ فرمایا یہاں تک کہ قضاء وقدر کا فیصلہ ظاہر ہوا۔ خلفوا کا معنی ملتوی کیا جانا ہے۔ جہاد سے پیچھے رہنا مراد نہیں ہے بلکہ عذر کرنے والوں سے پیچھے رہنا مراد ہے۔
تخریج ❁ بخاری و مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی نے اختلاف یسیر (معمولی اختلاف کے ساتھ نقل کی ہے) کے ساتھ کی ہے۔
(جامع الاصول)

① ایک روایت میں ہے کہ آپ غزوہ تبوک میں مدینہ سے جمعرات کو نکلے۔ آپ سفر میں اکثر جمعرات کو نکلنا پسند فرماتے۔

(کذا فی الصرحمۃ اللہ علیہمین نسائی)

② بخاری کی ایک روایت میں ہے: کان لا یقدم من سفر الانھارًا: آپ سفر سے دن میں واپس لوٹتے' اور آپ نے رات کو آنے سے منع فرمایا اگر پہلے آمد کی اطلاع ہو تو رات کے وقت آنے میں بھی حرج نہیں۔ فی الضحٰی: کیونکہ چاشت کے وقت روشنی پھیل جاتی ہے اور ملاقات و بیعت آسان ہوتی ہے۔ تمام وقت دنیا میں مشغول ہونے سے بچانے کے لئے نماز چاشت رکھی گئی۔ براء بالمسجد: شعائر اللہ کی تعظیم اور اللہ تعالیٰ کے حق کو مقدم کرنے کے لئے اور سفر کی صعوبتوں سے سلامتی کے ساتھ واپس آنے پر شکریہ کرنے کے لئے۔ پھر تحیۃ المسجد پڑھ کر لوگوں کو ملاقات کا موقعہ عنایت فرماتے۔

الفرائد: ① یرید دن قریش سے ثابت ہوا کہ مال غنیمت درست ہے۔ ② اہل بدر اور بیعت عقبہ والوں کی شان۔ ③ امام المسلمین کی بیعت کرنی چاہئے۔ ④ قسم اٹھوانے کے بغیر بھی حلف جائز ہے۔ ⑤ ضرورت کے وقت توریہ جائز ہے۔ ⑥ اچھائی کے فوت ہونے پر افسوس ہونا چاہئے۔ ⑦ افسوس کرنے والے کو اس کی تمنا کرنی چاہئے۔ ⑧ غیبت کرنے والے کے منہ پر جواب دینا چاہئے۔ ⑨ اہل بدعت سے علیحدگی چاہئے۔ ⑩ تادیب کے لئے مقتداء کو بات چیت بند کرنا جائز ہے۔ ⑪ توبہ کرنے والے کو بیوی سے الگ ہونا جائز ہے۔ ⑫ سفر سے آنے والے کو پہلے پہل نماز پڑھنا اور مسجد میں داخل ہونا چاہئے۔ ⑬ حکم ظاہر پر ہونا چاہئے اور معذرت قبول کرنی چاہئے۔ ⑭ اپنے آپ پر (کسی غلطی کی وجہ سے) رونا مستحب ہے۔ ⑮ نماز میں نظر چرا کر دیکھنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ ⑯ سچائی بہت اعلیٰ صفت ہے۔ ⑰ سلام اور اس کا جواب کلام ہے۔ ⑱ دوست کے باغ میں اس کی اجازت کے بغیر داخلہ جائز ہے۔ ⑲ کنایہ سے بغیر نیت طلاق نہیں ہوتی۔ ⑳ قریب کی مودت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کو ترجیح دینی چاہئے۔ ㉑ عورت کو اپنے خاوند کی خدمت کرنی چاہئے۔ ㉒ جس چیز سے ممنوع میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو اس سے احتیاط بہتر ہے اسی لئے کعب نے اپنی بیوی کے لئے اجازت نہ مانگی۔ ㉓ جس کاغذ پر کوئی متبرک نام ہو اس کا جلانا مصلحت کے لئے جائز ہے۔ ㉔ جب کوئی نئی نعمت ملے اور تکلیف کا ازالہ ہو تو صاحب نعمت کو خوشخبری دینی چاہئے۔ ㉕ اہم کاموں کے لئے امیر کے پاس اجتماع کرنا مناسب ہے۔ ㉖ امیر کو اپنے ساتھیوں کی خوشی پر خوشی کا اظہار کرنا چاہئے۔ ㉗ غم دور ہونے کے وقت صدقہ کرنا چاہئے۔ ㉘ جب صبر نہ کر سکتا ہو تو تمام مال صدقہ نہ کرنا چاہئے۔ ㉙ خوشخبری سنانے والے کو خلعت دینا جائز ہے۔ ㉚ قسم نیت سے خاص ہو جاتی ہے۔ ㉛ عاریت کے طور پر کوئی چیز لینا جائز ہے۔ ㉜ آنے والے سے مصافحہ اور ملاقات کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے۔ ㉝ سجدۂ شکر مستحب ہے۔ ㉞ جس بھلائی سے نفع اٹھایا ہو اس پر مداومت کرنی چاہئے۔ ㉟ جب امام عمومی جہاد کا اعلان کر لے تو سب کو جانا ضروری ہو جاتا ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو معذور قرار دیا گیا ہے۔ ㊱ گناہ بڑی سخت چیز ہے۔ ㊲ جو دین میں جتنا قوی ہو اس سے مواخذہ بھی اسی قدر سخت ہوگا۔ ㊳ جب کسی نیکی کا موقعہ سامنے آئے اسے کرنے میں جلدی کرنی چاہئے تاکہ وہ فوت نہ ہو جائے۔ ㊴ امیر کو اپنی رعایا کی خوب جانچ پڑتال رکھنی چاہئے۔ ㊵ احکام ظاہر پر لگتے باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے کیا جانا چاہئے۔ ㊶ مصیبت کی حرارت نظیر کی پیروی سے ٹھنڈی کی جا سکتی ہے۔ ㊷ سچ بڑی قیمتی دولت ہے۔ ㊸ توبہ کے وقت صدقہ مستحب ہے۔ ㊹ خوشخبری دینے والے کو ہدیہ دینا مباح ہے۔

۲۲ :وَعَنْ اَبِیْ نُجَیْدٍ "بِضَمِّ النُّوْنِ وَفَتْحِ الْجِیْمِ" عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَیْنِ الْخُزَاعِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ امْرَاَةً مِّنْ جُهَیْنَةَ اَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهِیَ حُبْلٰی مِنَ الزِّنَا فَقَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْهُ عَلَیَّ فَدَعَا نَبِیُّ اللّٰهِ ﷺ وَلِیَّهَا فَقَالَ :اَحْسِنْ اِلَیْهَا فَاِذَا وَضَعَتْ فَاْتِنِیْ فَفَعَلَ فَاَمَرَ بِهَا نَبِیُّ اللّٰهِ ﷺ فَشُدَّتْ عَلَیْهَا ثِیَابُهَا ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَرُجِمَتْ ثُمَّ صَلّٰی عَلَیْهَا۔ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ :تُصَلِّیْ عَلَیْهَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَدْ زَنَتْ؟ قَالَ :لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَیْنَ سَبْعِیْنَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ لَوَ سِعَتْهُمْ وَهَلْ وَجَدْتَّ اَفْضَلَ مِنْ اَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۲: حضرت ابونجید عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جہینہ قبیلہ کی ایک عورت جو زنا سے حاملہ تھی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ ﷺ میں حد کی مستحق ہو چکی ہوں۔ اس کو مجھ پر قائم فرما دیں۔ آپ ﷺ نے اس کے وارث کو بلایا اور اس کو فرمایا کہ اسے اپنے ہاں اچھے طریقے سے رکھو! جب بچہ پیدا ہو جائے تو پھر اس کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ اس نے اسی طرح کیا۔ آپ ﷺ نے اس عورت کے متعلق حکم فرمایا کہ اس کے کپڑوں کو اس کے جسم پر باندھ دو اور اس کو رجم کر دو۔ چنانچہ وہ رجم کر دی گئی۔ پھر آپ ﷺ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خدمت اقدس میں عرض کیا۔ اس نے زنا کیا ہے؟ کیا پھر بھی آپ ﷺ اس پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کی جائے تو اُن کی بخشش کے لئے کفایت کر جائے۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی بات ہے کہ اللہ کی خاطر اس نے اپنی جان قربان کر دی۔

عمران بن حصین کی کنیت ابونجید تھی۔ ان کے سلسلہ نسب میں عبدنہم کے والد کے متعلق اختلاف ہے۔ ابن مندہ نے عبدنہم بن حذیفہ بن جہیمہ بن عاضرہ لکھا ہے اور ابوعمر نے عبدنہم بن سالم بن عاضرہ لکھا ہے۔ ان کا سلسلہ نسب کعب بن عمرو خزاعی تک پہنچتا ہے۔ خیبر کے سال اسلام لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو بصرہ کی طرف دینی تعلیم دینے کے لئے بھیجا۔ محمد بن سیرینؒ کہتے ہیں بصرہ میں افاضل صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے۔ یہ مستجاب الدعوات تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کسی طرف شریک نہ ہوئے۔ انہوں نے ۱۸۰ روایات نقل کی ہیں جن میں سے آٹھ بخاری ومسلم میں ہیں۔ چار میں بخاری منفرد ہیں اور نو مسلم نے منفرد طور پر نقل کی ہیں۔ ایام مرض میں ان کی بیمار پرسی کے لئے فرشتے آتے زخم کو داغ دیا گیا تو یہ کیفیت وقتی طور پر ختم ہوگئی پھر لوٹ آئی۔ ان کو استسقاء کا مرض تھا۔ جو سالہا سال رہا یہ اس تکلیف پر صبر کرنے والے تھے۔ ان کا پیٹ چاک کر کے چربی لی گئی ان کے لئے چارپائی میں سوراخ کر دیا گیا۔ تیس سال چارپائی پر مرض کی حالت میں گزارے ایک آدمی کہنے لگا میں تمہاری اس حالت کو دیکھ کر تمہاری عیادت کے لئے نہیں آ سکتا۔ آپ نے فرمایا بھائی مت بیٹھو اللہ کی قسم یہ چیز مجھے پسند ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے لئے اس کو پسند کرتا ہوں۔ ۵۲ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

تشریح ۞ من جهينة: یہ عورت جہینہ قبیلہ کی شاخ غامد میں سے تھی اس کا نام خولہ بنت خویلد ہے جس کے متعلق آیت

ظہار اتری حالانکہ آیت ظہار حولہ بنت ثعلبہ کے متعلق اتری۔ (المبہمات للعراقی)
اس کا نام سبیعہ یا ابیہ بنت فرج (مبہمات للخطیب) ابوموسیٰ اصفہانی ان کو صحابہ میں نقل کیا ہے۔
من الزنی: یہ مِن ابتدائیہ ہے۔ جو حد ہو وہ قائم فرمائیں تاکہ قیامت کے دن کی سزا سے بچ جاؤں۔
مَسْئَلَة: حد سے گناہ بالاتفاق معاف ہو جاتا ہے۔ حضرت عبادہؓ کی روایت میں ہے **ومن فعل شیئا من ذلک فعوقب به فی الدنیا فھو کفارته**: اس عورت نے توبہ پر قناعت نہ کی بلکہ حد جاری کرا کے گناہ کے سقوط کو یقینی بنایا' خاص طور پر جبکہ آپ کے حکم سے ہو کیونکہ توبہ بھی خالص و ناخالص ہونے کا احتمال ہے۔ (نووی)
احسن الیھا: تاکہ قرابت والے نفرت نہ کریں اور حاملہ کو تکلیف نہ پہنچائیں۔
فاتني بھا: حاملہ سے حد زنا ولادت تک ساقط ہوتی ہے اس پر اجماع ہے۔
فشدت علیھا: دوسرے نسخوں میں فشکت اور دودھ پلانے ہے ہر دو کا معنی باندھنا ہے تاکہ بے پردگی نہ ہو۔ شک کا معنی چمٹانا اور ملانا ہے۔ فرجمت: رجم کے وقت امام و شہود حاضر ہونے چاہئیں جیسا کہ نسائی کی روایت میں ہے۔ کذا عند احمد وابی حنیفہ۔ امام کی حاضری کی ضرورت نہیں جیسا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کذا عند الشافعی۔
ثم صلی پھر آپؐ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ کلام ظاہر پر محمول ہے تاویل کی حاجت نہیں۔
فقال له عمر عمر رضی اللہ عنہ کا قول حکمت کو دریافت کرنے کے لئے ہے۔ انکار کے لئے نہیں کہ یہ اس فعل کی وجہ سے اعراض کے قابل تھی آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔
فقال: عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ اس کے فعل شنیع کی طرف گئی اور نگاہِ نبوت اس کی توبہ النصوح کی طرف گئی۔ لو سعتھم: ستر گنہگاروں کے گناہوں کی معافی کے لئے کافی ہے۔ اسی لئے آپؐ نے اہل المدینہ فرمایا۔ ھل وجدت: اپنے نفس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربان کرنے سے بڑھ کر کیا چیز ہے۔
نتیجه: توبہ گناہوں کو مٹاتی ہے اور گناہ نہ کرنے والے کے درجات کو بڑھاتی ہے۔
تخریج: أخرجه احمد (١٩٩٧٤ / ٧) و مسلم (١٦٩٦) و أبو داؤد (٤٤٤٠) و (٤٤٤١) والترمذی (١٤٣٥) والنسائی (١٩٥٦)

الفرائد: ① احساسِ گناہ کے بعد جلد توبہ کرنی چاہئے۔ ② اس عورت کے دِل میں خوفِ خدا کا اس قدر غلبہ ہوا کہ اپنے اوپر حد نافذ کروائی تاکہ آخرت کی شرمندگی سے بچ جائے۔ ③ حدود کو اہل حد پر قائم کیا جائے۔ خواہ وہ توبہ کر لیں کیونکہ حد حق شرع ہے۔ ④ سچی توبہ کی جائے تو توبہ قبول ہوتی ہے۔

۲۳: **وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَوْ اَنَّ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِّنْ ذَهَبٍ اَحَبَّ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ وَادِيَانِ ' وَلَنْ يَّمْلَاَ فَاهُ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔**

۲۳: حضرت عبداللہ بن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر

ابن آدم کو ایک وادی سونے کی مل جائے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس دو وادیاں ہوں۔ اس کے منہ کو قبر کی مٹی ہی بھرے گی اور توبہ کرنے والے کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے۔ (متفق علیہ)

تشریح ❁ **لاحب**: طبعی طور پر حریص ہے۔ **وادیان**: ① دو اور وادیاں یہ معنی زیادہ مناسب ہے۔ ② ایک اور وادی۔
الا التراب: موت تک حرص کرتا یہاں تک کہ قبر میں جا پہنچتا ہے۔ عام نوع انسانی کا یہی حال ہے۔ البتہ جس پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہو جائے وہ مستثنیٰ ہے۔
من تاب: سے مراد مذموم حرص سے توبہ کرنا ہے۔
یہ روایت اختلاف کے ذرا سے اختلاف کے ساتھ ابن حبان، احمد نے نقل کی ہے بلکہ لم یکن کی تفسیر میں ترمذی و حاکم نے ذکر فرمائی ہے۔ (الدیباج للسیوطی)
تخریج: أخرجه احمد (۱۲۷۱۷ / ٤) والبخاری (٦٤٣٦) و غیره و مسلم (۱۰٤۸) والترمذی (۳۳۳۷) و عبدالرزاق (۱۹٦۲٤) والطیالسی (۲۱۹٦) والدارمی (۲ / ۳۱۸ / ۳۱۹) و أبو یعلی (۲۹۵۱) وغیره و ابن حبان (۳۲۳۵) وغیره۔
الفرائد: موت تک ابن آدم کی حرص ختم نہیں ہوتی۔ مرنے سے دنیا ہاتھ سے فوت ہوئی تو قناعت کی مگر چہ فائدہ۔ اس حرص شدید کے باوجود آپ نے توبہ پر آمادہ کیا تا کہ بے مال وغیرہ سے کیا جانے گناہ سے معافی مل سکے۔

❁ ❁ ❁

۲۴ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : یَضْحَكُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اِلٰی رَجُلَیْنِ یَقْتُلُ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ یَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ یُقَاتِلُ هٰذَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیُقْتَلُ ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَی الْقَاتِلِ فَیُسْلِمُ فَیُسْتَشْهَدُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۲۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کو دیکھ کر ہنسیں گے (یہ ہنسنا جیسا اس کی ذات کے لائق ہے) کہ ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں اور جنت میں جاتے ہیں۔ ایک اللہ کی راہ میں لڑتا ہے اور قتل کیا جاتا ہے پھر قاتل پر اللہ رجوع فرماتے ہیں وہ مسلمان ہو کر شہید ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح ❁ **یضحك**: قاضی عیاض کہتے ہیں **ضحك**: صفات حادث سے ہے اس لئے اس سے مجازی معنی رضا مراد ہے۔ ② **ضحك**: سے ضحک ملائکہ مراد ہو جیسا محاورہ ہے **قتل السلطان ای امر بالقتل**۔
فی سبیل اللّٰہ: یعنی اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے۔ **ثم**: ① ترتیب اخبار کے لئے ② مجرد ترتیب مراد ہے جس کے لئے تراخی نہ ملی ہو کیونکہ اس کا فوراً اسلام لانا بھی مقبول ہے۔
فیسلم: فا سے ظاہر کر دیا کہ عنایت الٰہی شامل حال ہو تو اس کے ارادے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی پھر ایمان لا کر جلد دنیا سے چلا گیا **عمل قلیلاً و حاز کثیراً**: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہے۔ البتہ مرتبہ میں برابری ضروری نہیں۔ جنت کے مراتب تو حسب اعمال ہوں گے۔

فائدہ: اس روایت کو لا کر اشارہ کیا کہ گناہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو اس کے عفو کے مقابلے میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ ابوصیری نے کیا خوب کہا:

یا نفس لا تقنطی من زلة عظمت ☆ ان الکبائر فی الغفران کاللمم

بخشش کی لہر کے سامنے کبائر کی کیا حقیقت ہے۔

تخریج: أخرجه مالك فی موطئه (۱۰۰۰) و أحمد (۹۹۸۳ / ۳) والبخاری (۲۸۲۶) و مسلم (۱۸۹۰) والنسائی (۳۱۶۶) و ابن حبان (۳۶۶۷) و ابن خزیمة فی التوحید (ص / ۲۳٤) والبیهقی فی الکبری (۹ / ۱٦٥) و فی الأسماء والصفات (ص / ٤٦٧ / ٤٦٨)

الفرائد: ① ضحک کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مابین دنیا میں کامل عداوت و کینہ تھا مگر عداوت کو محبت اور کینہ کو اخوت سے بدل دیا۔ جیسے فرمایا: نزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین۔

② کافر کے توبہ کرنے سے تمام ماقبل کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ (الشرح)

۳: بَابُ الصَّبْرِ

باب: صبر کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا﴾ [آل عمران: ۲۰۰] وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ﴾ [البقرة: ۱۵۵] وَقَالَ تَعَالٰی: ﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ [الزمر: ۱۰] وَقَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ [الشوری: ٤٣] وَقَالَ تَعَالٰی: ﴿اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴾ [البقرة: ۱۵۳] وَقَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ﴾ [محمد: ۳۱] وَالْاٰیَاتُ فِی الْاَمْرِ بِالصَّبْرِ وَبَیَانِ فَضْلِهٖ كَثِیْرَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''اے ایمان والو! صبر کرو اور دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہو''۔ (آل عمران) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اور ضرور بضرور ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی کے ساتھ اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دے رہے ہیں''۔ (البقرہ) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بلا حساب دیا جائے گا''۔ (الزمر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور البتہ جس نے صبر کیا اور بخش دیا۔ بیشک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے''۔ (الشوریٰ) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''تم صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں''۔ (البقرہ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور ضرور بضرور ہم تم کو آزمائیں گے۔ حتیٰ کہ ہم

ظاہر کر دیں تم میں سے مجاہدین کو اور صبر کرنے والوں کو"۔ (محمد)

تشریح ❁ آیات صبر کے حکم اور فضیلت میں بہت کثرت سے معروف ہیں۔

صبر: عقل و شرع کے تقاضے کے مطابق نفس کو روکنا۔

اس کے نام مواقع کے لحاظ سے مختلف ہیں: ① اگر مصیبت میں نفس کو روکا تو یہ صبر ہے اس کا عکس جزع فزع ہے۔ ② اگر جنگ میں روکا تو یہ شجاعت ہے جس کا متضاد بزدلی ہے۔ ③ اکتاہٹ پر روکا تو سینے کی وسعت کہلاتی ہے جس کا عکس تنگ دلی ہے۔ ④ کلام سے روکا تو کتمان ہے جس کا عکس بکواس ہے۔ (مفردات راغب)

ذوالنون: کہتے ہیں مخالفت سے دور رہنا۔ تنگدستی کے وقت غناء ظاہر کرنا مصیبت کا دکھ خاموشی سے گھونٹ گھونٹ نگل جانا۔

آیت نمبر ① اصبروا: اپنے نفوس کو عبادت پر روکو اور اپنی خواہشات سے جہاد کرو۔

طاعات و مصائب پر جمے رہو اور معاصی سے گریز کرو۔ صابروا: صبر میں سب پر غالب رہو۔ بتکلف نفس کو طاعت پر جماؤ۔

رابطہ: استمرار علی الخیر اور کثرت خیر کو کہتے ہیں۔ اسی لئے اسباغ وضو اور انتظار صلوٰۃ کو رباط فرمایا۔ یہ چار امور فلاح کا باعث ہیں۔ فلاح دو چیزوں کا نام ہے: ① حصول مطلوب ② خوفناک چیز سے نجات۔ شئی من الخوف: ذرا سا خوف ورنہ تمام خوف مہلک ہو۔ خوف: فقدان امن کو کہتے ہیں۔ یہ بھوک سے بڑھ کر ہے خائف کو کہیں قرار نہیں آتا۔ الجوع: بھوک دو قسم ① کھائے مگر سیر نہ ہو۔ ② قحط سالی نقص الاموال۔ اقتصادی بدحالی۔ الانفس: وبالی ہلاکت مثلاً طاعون، زلزلہ۔ الثمرات: برکت کا اٹھ جانا۔ (الشرح)

رابطوا: جہاد پر قائم رہو۔ جیسا ارشاد نبوت ہے غزوہ میں صبح یا شام دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔

آیت ③ یوفی کو مجہول لائے کیونکہ بدلہ دینے والی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ بغیر حساب: بلا ماپ تول کو اٹکل کہتے ہیں ہر دکھ پر جو اللہ تعالیٰ کی خاطر اٹھایا بدلہ ملے گا۔ قول علی رضی اللہ عنہ صبر والوں کو ماپنے کی بجائے چلو بھر کر دیا جائے گا۔

آیت ④ لمن صبر: بدلہ نہ لیا۔ غفر: ظالم سے درگزر کر دی۔ عزم الامور کا معنی یہ ہے۔ یہ ان کاموں سے ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا مشکل کام۔ بعض کہتے ہیں مصائب پر صابر کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور جزع کرنے والے کو اس کے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ ان اللہ مع الصابرین: معیت کی دو قسمیں ① معیت عامہ یہ ہر ایک کو حاصل ہے جیسا فرمایا: وھو معکم این ما تکونوا۔ ② نصرت و تائید والی معیت یہ نیکیوں کے ساتھ خاص ہے جیسا فرمایا: ان اللّٰہ مع الذین اتقوا۔

آیت ⑤ استعینوا: اپنے امور میں معاونت لو۔ صبر سے۔ الصلوٰۃ: نماز کو عالی شان ہونے کی وجہ سے لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی معاملہ پیش آتا تو نماز کی طرف جلدی کرتے۔

آیت ⑥ ولنبلونکم: یہ لام قسم کا معنی دے رہی ہے۔ ای واللہ نفحبترنکم: جہاد اور دیگر دینی کاموں سے ضرور امتحان لیں گے تاکہ مطیع و نافرمان کا فرق ہو جائے۔

حتی نعلم: علم سے ظہور مراد ہے یعنی ظاہر کر دیں۔ (ایضاً روح) المجاھد: جو اپنی کوشش اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے صرف

کرے۔ علم سے وقوع مراد ہے۔ (ابن کثیر)

اِنَّا للّٰہ: ہم اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں تا کہ وہ مصائب پر صبر کا بدلہ دے۔

الفرائد : صبر کی تین اقسام ہیں: ① اطاعت پر رکنا۔ ② محارم سے رکنا۔ ③ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر رکنا۔

① طاعت نفس پر بھاری ہے اس کے لئے انسان تعب و عجز کا شکار ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی مدد کی ضرورت ہے اسی لئے فرمایا: ﴿یا ایھا الذین امنوا صبروا و صابروا......﴾

② انسان کا نفس برائی کی طرف جانے والا ہے۔ پس جھوٹ، دھوکا، زنا وغیرہ کبائر سے روکنا معاونت الٰہی کا محتاج ہے تا کہ اس میں مبتلا ہونے سے بچ جائے۔ اسی لئے صبر کو عزم امور سے فرمایا گیا۔

③ اللہ تعالیٰ کی طرف آنے والی مصیبت پر صبر کرکے اور زبان و جوارح سے جزع کا ہرگز اظہار نہ کرے۔

مصائب کے وقت انسانی احوال ① ناشکرا: مصیبت میں زبان و جوارح اس طرح سے ظاہر کرے گویا اللہ تعالیٰ نے اس پر ظلم کیا ہے۔ یہ مجرم لوگ ہیں۔

② صابر: نہ تو زبان سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی والا کلمہ نکالتے ہیں اور نہ جوارح سے اللہ تعالیٰ کو غصہ دلانے والا عمل کرتے ہیں مثلاً گریبان پھاڑنا، سینہ کوبی کرنا وغیرہ۔

③ راضی: مصیبت پر کھلے دل سے اللہ کی رضا سمجھ کر راضی ہو۔

④ شاکر: ناپسند کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا ہر حال میں شکر گزار ہو۔ مصیبت پر اجر اس کو دکھ بھلا ڈالے۔

---

۲۵ : وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْحَارِثِ بْنِ عَاصِمٍ الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاُ الْمِیْزَانَ ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَاُ۔ مَا بَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، وَالصَّلَاةُ نُوْرٌ ، وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ ، وَالصَّبْرُ ضِیَآءٌ ، وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْعَلَیْكَ – كُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۵: حضرت ابو مالک حارث بن عاصم اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پاکیزگی اور طہارت ایمان کا حصہ ہے اور الحمدللہ میزان عمل کو بھر دیتا ہے اور سبحان اللہ اور الحمدللہ میزان کو بھر دیتے ہیں۔ تَمْلَاٰنِ کا لفظ فرمایا یا تَمْلَاُ مَا بَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے لفظ فرمائے (آسمان و زمین کے مابین خلا کو بھر دیتے ہیں) نماز نور ہے اور صدقہ دلیل ہے اور صبر روشنی ہے اور قرآن تمہارے حق میں حجت ہے یا تمہارے خلاف۔ ہر شخص صبح سویرے اپنے نفس کو بیچنے والا ہے اور پھر اس کو آزاد کرنے والا یا ہلاک کرنے والا ہے۔ (رواہ مسلم)

تشریح ❁ ابو مالک اشعری ان کے نام میں دس اقوال ہیں: ① بعض نے کعب بن عاصم، بعض نے کعب بن کعب بعض نے عبید بعض نے عبیداللہ بعض نے عمرو بتلایا ہے۔ ابو مالک تین ہیں: ① حارث بن حارث اور ② کعب بن عاصم، ③ تیسرے نام میں اختلاف ہے عام طور پر کنیت سے مستعمل ہے۔ یہی راوی حدیث ہیں: اشعران کا قبیلہ ہے جو یمن کا

معروف قبیلہ ہے۔ اشعر شیت بن ادد بن زید کا نام ہے۔ اشعر کہنے کی وجہ یہ تھی کہ پیدائشی طور پر ان کے بدن پر بال تھے۔ یہ اشعریین کے ساتھ مدینہ آئے اور شامیین میں شمار ہوئے۔ خلافتِ فاروقیؓ میں طاعون سے وفات پائی۔ احد کے دن ان کو اور معاذ' ابوعبیدہ اور شرحبیل بن حسنہ کو زخم آئے۔ ان کی مرویات ۲۷ ہیں۔ دو مسلم نے روایت کی ہیں جن میں سے ایک یہ روایت ہے اور دوسری روایت "اربع فی امتی من امر الجاهلیة" ہے۔ بخاری نے ایک روایت امر کے کلمہ کے ساتھ ابی مالک اور ابی عامر سے نقل کی ہے۔ اصحاب سنن نے بقیہ روایات نقل کی ہیں۔

الطھور: یہ ضمہ کے ساتھ طہارت کرنے اور فتحہ کے ساتھ پانی کو کہا جاتا ہے۔ بقول خلیل رحمۃ اللہ علیہ یہ طہارت بمعنی نظافت سے نکلا ہے۔ نظافت حسی و معنوی دو کے لئے بلحاظ لغت مستعمل ہے۔ شرعی معنی جس چیز پر خالص ثواب کا دارومدار ہو۔ **شطر**: نصف۔ **الایمان** سے حقیقت ایمان مراد ہے۔ بعض نے ایمان سے یہاں بھی نماز مراد لی ہے جیسا آیت: ﴿ما کان اللّٰہ یضیع ایمانکم﴾ میں ہے۔ (شرح الاذکار نووی)

الحمد للّٰہ: یہ حمد کے افضل ترین صیغوں میں سے ہے اسی لئے قرآن کو اس سے شروع کیا۔ ② کمال ثناء والی صفات کے قائم مقام ہے۔

علاء المیزان: ① اگر اس کلمہ کو جسم ملے تو میزان بھر جائے۔ ② یا اس کا تلفظ جبکہ معنی کے استحضار کے ساتھ کیا جائے تو میزان بھر جائے۔ میزان سے حقیقی میزان مراد ہے۔ جس سے اعمال کو جسم دے کر تولا جائے گا' ③ صحائف اعمال کو وزن کیا جائے گا۔ اس کا ثواب میزان کے پلڑے کو وسعت کے باوجود بھر دے گا کیونکہ یہ باقیات الصالحات میں سے ہے۔ (علائی)

حمد: اپنے اختیار سے اچھی تعریف کرنا۔ تعریف چار طرح ہوتی ہے: ① کمالات ثابت کر کے ② نقائص کی نفی کر کے ③ کمالات کے ادراک سے عاجزی کا اعتراف کر کے ④ اعلیٰ مراتب سے اس کو منفرد تسلیم کر کے۔ پس الحمد میں الف لام استغراق کے لئے ہے گویا جنس مدح وحمد جس کو ہم جانتے ہیں اور جس سے ہم ناواقف ہیں۔ جو ان سے موصوف ہے وہ الوہیت کا حقدار ہے۔ پس الحمد میں تمام آ گئیں۔ (ذکر الصلاتی)

سبحان اللّٰہ: سبحان مصدر منصوب ہے ① ای اسبح سبحانہ۔ ② اسم مصدر ہے۔ ③ بقول زمخشری یہ تسبیح کا علم ہے اور فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای اسبحہ سبحان: پھر یہ اس کے قائم مقام استعمال ہونے لگا۔ ④ یہ علم مضاف ہے اس کی اضافت بیانی ہے۔ یہ معرفہ ہے جو اس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے اسی لئے یہ غیر منصرف ہے۔ (کذا قال الاخفش)
⑤ محققین کہتے ہیں کہ یہ معرفہ ہی اضافت کی وجہ سے ہے۔

التسبیح: اللہ تعالیٰ کو عیوب و نقائص سے پاک سمجھنا۔ **تملا او تملان**: ① یہ دونوں ثواب سے یا ② ایک ثواب سے میزان کو بھر دیتا ہے۔ الحمد کا عطف ماقبل پر ہے۔ **السمٰوٰت**: سے ساتوں آسمانوں کے طبقات مراد ہیں۔ مسلم نے مفرد نقل کیا۔ **الارض**: اگرچہ مفرد ہے مگر مراد جمع ہے کیونکہ طبقات ارض آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ ان کے درمیان خلاء نہیں اور آسمانوں کے طبقات میں فاصلہ ہے۔ گویا بالذات وہ الگ الگ ہیں۔ (کذا فی تفسیر بیضاوی) ان دو کلمات کا ثواب ساتوں آسمانوں اور زمینوں کے طبقات جن کی وسعت کو اس کا خالق ہی جانتا ہے جس کا کوئی شریک و معین نہیں وہ اپنی صفات کمال میں یکتا اور عیوب سے منزہ ہے۔ سبحان اللہ اور الحمد للہ ان سب کو اپنے اندر جمع کرنے والے ہیں اس لئے ان کا کہنے والا گویا اللہ تعالیٰ کی

صفات کمالیہ کو اس کے لئے ثابت کرنے والا اور عیوب سے اس کو پاک قرار دینے والا ہے۔ اور اس بات کی گواہی دینے والا ہے کہ تمام عوالم کا مربی ہے اور مخلوق اس کے سامنے مغلوب و مقہور ہے۔ اس کے سوا کوئی مالک و قادر نہیں ہے۔ پس کہنے والے کو اس کی شہادت کی مقدار کے مطابق اجر ملا جس نے آسمان و زمین کے طبقات کو بھر دیا۔ (کذا قال العلائی)

نور: ① نماز بذاتِ خود نمازی کے لئے موقف میں نور حسی بن کر روشنی کرے گی اور کسی عبادت کو نور نہیں کہا گیا۔ معلوم ہوتا ہے یہ خاص قسم کا نور ہے۔ اس سے زیادہ وضاحت والی روایت جس کو امام احمد نے ابن عمرؓ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من حافظ علی الصلوٰۃ کانت له نوراً و برهانا و نجاة یوم القیامة و من لم یحافظ علیها لم تکن لا نوراً و برهانا ولا نجاة یوم القیامة و کان مع قارون و فرعون و هامان و ابی بن خلف۔**

② ایک قول یہ ہے کہ نماز کا اجر نور ہوگا۔ اس صورت میں مضاف مقدر ہوگا۔ ③ مؤمن کے چہرے پر قیامت کے دن نور ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ نماز کے سبب مؤمن کے چہرے پر نور بلند ہوگا۔ یہ اسناد مجازی ہے۔ ④ نور معنوی مراد ہے کہ نماز برائی و بے حیائی کے لئے رکاوٹ اور سلامتی اور خیر کی راہنمائی کرنے والی ہے جیسا کہ نور سے راستہ میں روشنی کی جاتی ہے۔ ⑤ اس کی وجہ سے دل میں نور حاصل ہوتا ہے کیونکہ نماز دل' زبان' جوارح کے فرض و نفل اعمال کو جامع ہے۔ اس سے دل میں وہ نور الٰہی پیدا ہوتا ہے جس کی اور کوئی تعبیر نہیں کی جا سکتی۔

ان تمام تعبیرات کے مطابق لفظ کا حقیقی معنی مراد لیا جا سکتا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قاعدہ کے مطابق مجازی معنی مراد لیا جائے گا۔

والصدقه برهان: یعنی ① صدقہ ایمان پر دلیل ہے کہ وہ پہلے صدقہ ادا کرنے والا ہے۔ ② اس بات کی دلیل ہے کہ ان منافقین سے نہیں ہے جو ایمان والوں کو صدقات پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ ③ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کی دلیل ہے کہ اس کو مال کی بجائے ان کی رضا محبوب ہے۔ ④ اس بات پر دلیل ہوگا کہ جب اس سے مال کے متعلق پوچھا جائے گا تو نے کس راہ میں مال خرچ کیا؟ وہ جواب دے گا میں نے صدقہ کیا۔

صاحب تحریر کا قول: ممکن ہے کہ قیامت کے دن صدقہ کرنے والے کے لئے خاص علامت ہو جس سے انفاق مال پر اس سے دلیل نہ طلب کی جائے۔ اس کی تائید ابوداؤد کی عقبہ بن عامر والی مرفوع روایت سے ہوتی ہے۔ **کل امرئ فی ظل صدقته یوم القیامة فی یقضی بین الناس۔** پس یہ سایہ اس کے اخلاص یا سچے ایمان کی دلیل بن جائے گا۔

والصبر ضیاءٌ: ① اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر اور معصیت سے گریز کر کے صبر اور طبع کے خلاف باتوں پر صبر مراد نہیں بلکہ صبر کا عام معنی مراد ہے جیسے روزہ ② اور یہ بھی ہے کہ صبر کا خاص معنی مراد ہے اور وہ روزہ ہی ہے۔ (مطالع الانوار) بعض نے اس کو ترجیح دی کیونکہ یہ صدقہ کے ساتھ مل کر آئی ہے۔ اس لئے انہوں نے کھول کر اس کی خصوصیات ذکر کی ہیں اور جو ان کو جمع کر لے گا تو اس کو سفیدی میں ایک ایسی روشنی میسر ہوگی جس کی چمک خوب پھیلے گی اور ضیاء نور کی مکمل ترین حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**هو الذی جعل الشمس ضیاء و القمر نوراً**﴾۔

قرطبی کہتے ہیں اگر صبر کی تفسیر روزے سے کریں تو پھر ضیاء سے مراد نور ہے اگرچہ دونوں کے الفاظ مختلف ہیں اور اگر صبر کی عام تفسیر کریں تو پھر کسی حالت کے آخر میں جو چمک و حسن ہوتا ہے وہ مراد ہوگا۔

نا کہانی نے کہا کسی نے نور و ضیاء میں تفریق نہیں کی ہے (بلکہ دونوں ایک ہیں) جوہری نے نور کی تفسیر ضیاء اور ضیاء نور سے کی ہے اور یہ کہا کہ ضیاء نور نہیں کیونکہ وہ نور کی خصوصیت کا نام ہے اور نور سے زائد اور بلیغ ہوتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نور حادث کبھی تو کامل ضیاء پیدا کرتا ہے مثلاً سورج اور اس سے کم بھی مثلاً چاند۔ علامہ قرطبیؒ نے دونوں کو برابر قرار دیا تا کہ روزے کی نماز پر فضیلت لازم نہ آئے حالانکہ یہ لازم نہیں کیونکہ فضیلت کا دارومدار صرف اسی بات پر منحصر نہیں بلکہ اس کے بہت سے اسباب اور قسما قسم کے اعتبارات ہیں۔ ایک چیز ایک وقت میں فاضل ہے تو دوسرے اعتبار سے مفضول ہے۔

القرآن حجة لك: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام جو معجزہ نبوت کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا اس کی تلاوت بطور عبادت کی جاتی ہے اگر قرآن مجید کے اوامر کو اپنایا جائے اور نواہی سے پرہیز کیا جائے تو ان مواقع میں اس سے حجت پکڑی جائے گی جہاں اس کے متعلق سوال ہوگا مثلاً قبر میں ملکین کا سوال اور میزان کے وقت اور پل صراط پر سوال۔

او حجة عليك: اگر اوامر کو اختیار نہ کیا ہوگا اور نواہیہ سے پرہیز نہ کیا ہوگا تو قرآن مخالف دلیل بنے گا۔ ② دنیا میں تمہارے حق میں اور مطالب شرعیہ اور احکام پر قرآن حجت ہے۔ ③ تمہارے سچے مخالف کے لئے تمہارے خلاف گواہ ہوگا کیونکہ تنازع کے وقت یہ مرجع ہے۔ یہ اتباع سنت کی دلیل ہے اور سنت حجیت قیاس پر دلالت کرتی ہے۔ کتاب وسنت دونوں حجیت اجماع پر دلالت کرنے والے ہیں۔ پس قرآن مجید اس لحاظ سے تمام احکام کا بالواسطہ یا بلا واسطہ مرجع ہے۔ فا کہانی نے پہلی بات کو ترجیح دی اور علائی نے کہا کہ آثار اس کے شاہد ہیں۔ پھر بیہقی کی مرفوع روایت غریب سند سے پیش کی ”**القران شافع مشفع و ماحل مصدق فمن جعله امامه ساقه الى الجنة و من جعله خلفه ساقه الى النار**“ اور دوسری ابوامامہ کی مرفوع روایت اسی قسم کی ہے۔ **قرء وا القرآن فانه يأتى شفيعًا لصاحبه يوم القيامة:** علائی کہتے ہیں کہ زملکانی نے بھی ان آثار کی وجہ سے یہی کہا ہے۔

دونوں اقوال کے مقتضا پر محمول کرنا کثرت فائدہ کے لئے مفید تر ہے۔ ان عبادات کی طرف رغبت دلائی اور نفس کو ان میں لگانے کے لئے کوشش کی ضرورت ہے اس لئے اس کے معاً بعد فرمایا کہ ہر صبح سویرے کرنے والا اس کا ایک عمل ہونا چاہئے۔ اس لئے فرمایا ہر شخص صبح سویرے اپنے مصالح کے لئے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے نفس کا سودا کرنے والا ہے۔ پھر یا تو اس کو عذاب سے آزاد کرنے والا اور اس کی یہ حالت بہت خوب ہے جبکہ ثمن دارالسلام ہو اور دیدار ملک غلام ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**ان الله اشترٰى من المؤمنين انفسهم**......﴾ ان لوگوں نے تو اپنے نفوس کو چھٹکارا دلایا اور اپنے دلوں کا رخ اپنے رب کی طرف موڑ کر جو کچھ اس کے ہاں ہے اس کو مطلوب بنایا۔ پھر اپنے کو خواہشات وشیطان کے سپرد کر کے اللہ کی رضامندیوں سے دور کر کے اپنے آپ کو ہلاکت و محرومی کے گڑھے میں ڈالنے والا ہے۔ **نعوذ بالله من سخطه واليم عقابه**۔ ② بائع کا معنی مشتری بھی ہوسکتا ہے ہر ایک کو شان ہے اور اعمال صالحہ کے بدلے اپنے نفس کو خرید رہا ہے اور عذاب سے بچا رہا ہے اور دوسرا گناہ کما کر اپنے آپ کو عذاب پر پیش کر رہا ہے اور ڈنڈی مار کر اس نفس کو بیچ رہا ہے جو اس کی ملک نہیں بلکہ اعمال کے بدلے رہن رکھا ہوا ہے تا کہ یہ اس کو آزاد کرالے۔

قاضی عیاضؒ نے اس کو دونوں معنوں پر محمول کیا ہے یعنی نفس کو جس نے اعمال صالحہ کے بدلے خریدا اس نے اسے آزاد کر دیا اور جس نے برے اعمال کے بدلے بیچ ڈالا اس نے اس کو ہلاک کر دیا۔ جیسا اس آیت میں ہے: ﴿**ولبئس ما شروا**

به انفسهم﴾ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں قاعدہ یہی ہے کہ مشترک کو دونوں معنوں پرمحمول کرتے ہیں اور ہر جملے کا مناسب معنی لیتے ہیں۔اہل بیان کے یہاں یہ بدیع کی ایک قسم ہے۔(علائی کذا قال)

تخریج ۞ مسلم، احمد، مسند دارمی، ابوعوانہ، ترمذی، نسائی فی عمل الیوم واللیلہ، طبرانی معجم کبیر، ابن ماجہ عن عبدالرحمان بن غنم، بخاری کہتے ہیں ابی سلام نے تو دونوں سے سنا ہے مگر دونوں سندوں میں صحابی ایک ہی ہونا چاہئے۔

الفرائد : ① جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خوشی حاصل ہوتی تو پڑھتے: **الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات** اور جب کوئی تکلیف دہ صورت پیش آتی تو پڑھتے **الحمدللہ عل کل حالٍ۔**

② ایمان دو چیزوں کا نام ہے ① تخلیہ ② تحلیہ یعنی شرک و کفر اور گناہ وفسق سے بیزاری اور اعمال صالحہ اور توحید سے اپنے آپ کو مزین کرنا۔

شطر ایمان کی وجہ: ہر تکلیف دینے والی چیز سے حسی اور معنوی پاکیزگی کرنے کو طہارت کہتے ہیں۔اسی مناسبت سے اس کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے(کیونکہ ایمان باطنی صفائی کا نام ہے)

تعبیری فرق کا نکتہ: نماز کو نور اور صبر کو ضیاء کہا گیا۔ضیاء میں حرارت لازم ہے اسی طرح صبر میں عام حالات میں قلبی اور بدنی تھکاوٹ پیش آتی ہے۔

صدقہ کے برہان ہونے کی حکمت: صدقہ کو ایمان کی دلیل اس لئے قرار دیا کہ مال کی محبت دلوں میں فطرۃً پائی جاتی ہے۔ارشاد فرمایا: **انه لحب ابحیر لشدید** اور نفوس میں مال کے سلسلہ میں بخل بھی پایا جاتا ہے۔فرمایا: **من یوق شح نفسه**...... جب انسان نے اللہ تعالیٰ کی خاطر صرف کیا تو اس سے ثابت ہوا کہ محبوب کو محبوب ترین کے لئے صرف کیا جاتا ہے اور وہ ایمان ہے۔

دو درجے، تیسرا کوئی نہیں: ① قرآن تمہارے حق میں حجت ہے۔② قرآن تمہارے خلاف دلیل ہے۔ان کے درمیان کوئی درجہ نہیں۔

معتق وموبق کا مطلب: مسلمان اپنے دن کی ابتداء اللہ کی وحدانیت کے تذکرہ اور یاد اور عبادت سے کرتا ہے۔بلکہ اپنے نفس کو اعمال خیر کے بدلے بیچ کر آگ سے اپنے آپ کو بچانے والا ہے اور کافر دن کی ابتداء نافرمانی سے کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والا ہے۔

❁ ❁ ❁

۲۶ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ سِنَانٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا : اَنَّ نَاسًا مِّنَ الْاَنْصَارِ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاهُمْ ، ثُمَّ سَاَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ ، حَتّٰی نَفِدَ مَا عِنْدَهٗ ، فَقَالَ لَهُمْ حِیْنَ اَنْفَقَ كُلَّ شَیْءٍ بِیَدِهٖ :"مَا یَكُنْ مِّنْ خَیْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهٗ عَنْكُمْ ، وَمَنْ یَّسْتَعْفِفْ یُعِفَّهُ اللّٰهُ ، وَمَنْ یَّسْتَغْنِ یُغْنِهِ اللّٰهُ ، وَمَنْ یَّتَصَبَّرْ یُصَبِّرْهُ اللّٰهُ۔ وَمَآ اُعْطِیَ اَحَدٌ عَطَآءً خَیْرًا وَّاَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۲۶: حضرت ابوسعید سعد بن مالک بن سنان خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انصار کے بعض لوگوں نے آپؐ سے کچھ سوال کیا۔ آپؐ نے ان کو دے دیا۔ انہوں نے پھر سوال کیا۔ آپؐ نے پھر ان کو دے دیا۔ یہاں تک کہ آپؐ کے پاس جو کچھ تھا وہ ختم ہو گیا اور ہر چیز جو آپؐ کے ہاتھ میں تھی وہ خرچ ہو گئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''میرے پاس جو کچھ ہوتا ہے اس کو میں تم سے ہرگز جمع کر کے نہیں رکھتا اور جو شخص سوال سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اللہ اسے بچا لیتے ہیں اور جو بے نیازی طلب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بے نیاز کر دیتے ہیں جو صبر اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو صبر عطا کرتے ہیں اور صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر عطیہ کسی کو نہیں دیا گیا''۔ (متفق علیہ)

تشریح ابوسعید خدری کا نام سعد بن مالک ہے۔ باب التوبہ میں حالات گزرے۔ **ناسا**: اس کی اصل اناس جمع انسان ہے۔ یہ انس سے ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے سے مانوس ہوتے ہیں۔ ۲ یہ نسی کا مقلوب ہے۔ ۳ ناس ینوس جب وہ مضطرب ہو اور حرکت کرنے سے بنا ہے۔ **من الانصار**: ابن حجر کہتے ہیں مجھے ان کے نام معلوم نہیں (فتح الباری) نسائی کی روایت میں سر حتنی امی کے الفاظ ہیں۔ میرے سوال سے پہلے فرمایا: **من استغنی اغناہ اللّٰہ**: فرمایا: تو میں سوال کئے بغیر واپس آ گیا۔ **فاعطاھم**: سخاوت و مکارم اخلاق سے ہر مرتبہ سوال کرنے پر دے دیا۔ **لقد**: ختم ہونا۔ **فقال**: آپ نے ان کو زاد از حاجت دنیا طلب کرنے سے روکنے اور قناعت پر آمادہ کرنے کے لئے فرمایا۔ **لھم**: یہ مدم مبالغہ ہے۔ **انفق**: خیر کی راہ میں مال خرچ کرنا۔ **ما یکن**: ۱ ماشرطیہ ۲ موصولہ متضمن معنی شرط ہے۔ اس کا جواب **فعلن ادخرہ** ہے یعنی میں تمہاری بجائے دوسروں کیلئے اس کو ہرگز جمع نہ کروں گا یا تم سے روک کر نہ چھپاؤں گا۔ **یستعفف**: سوال نہ کرنا۔ بچنا' صبر کرنا۔ **عف یعف** (النھایۃ) **یعفہ** اور وہ اللہ کے فضل سے عفت والا بن جاتا ہے۔ **من یستغنی**: اس سے بچنا جو لوگوں کے پاس ہو۔ **یغنہ**: اللہ اس کو غنی کر دیتے ہیں۔ **من یتصبر**: بتکلف صبر کر کے تنگی ترشی برداشت کرتا ہے۔ وہ اپنے مولیٰ کے علاوہ سے سوال نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اسکو حقیقی صبر دے دیتے ہیں جس سے ہر مکدو اس پر آسان ہو جاتا ہے۔ یہ بلند اخلاق اور جامع صفت ہے۔

النحو :**عطاء**: یہ اعطیٰ کا دوسرا مفعول ہے اور اس سے مراد عادت یا مرتبہ ہے۔

خیراً یہ یہاں اسم تفصیل کے معنی میں نہیں بلکہ وسیع کے معنی میں ہے یہ اس آیت کے معنی میں ہے: **اصحاب الجنۃ خیر متد خیر مستقراً** ...... کیونکہ اس سے مقاصد' مشاہد کھلتے ہیں۔ صبر یہ رضاء کی غائت ہے بلا رضا وہ ناقص ہے۔

تخریج بخاری' مسلم' سنن اربعہ' رزین سے یہ **قد افلح من اسلم و رزق کفافاً و قنعہ اللّٰہ بما اتاہ** کا اضافہ نقل کیا ہے۔

أخرجه احمد (۱۱۸۹۰ / ٤) والبخاری (١٤٦٩) وغیره و مسلم (١٠٥٣) و أبو داود (١٦٤٤) والترمذی (٢٠٣١) والنسائی (٢٥٨٧) والدارمی (١ / ٣٨٧) و ابن حبان (٣٤٠٠) و عبدالرزاق (٢٠٠١٤) والبیهقی (٤ / ١٩٥) والبغوی فی المرقاة (١٦١٣)

الفوائد **من یستعفف**: جو آدمی پاکدامنی اختیار کرتا ہے اور نفس کو خواہشات کے پیچھے نہیں لگاتا اللہ تعالیٰ اس کو پاکدامنی نصیب کر دیتے ہیں اور خواہش پرستی سے اس کو بچاتے ہیں۔

من یستغن: غناء کے طالب کو غناء میسر آ جاتی ہے اصل غنٰی غناء نفس ہے جو کہ آدمی کو سوال سے دور رکھتا ہے۔

من یتصبر: جو حاجت و فقر میں اصرار سے سوال نہیں کرتا اس کو صبر مل جاتا ہے۔ روایت کا یہ حصہ باب سے مناسبت رکھتا ہے۔

صبر والا انسان ہمیشہ اطمینان و راحت میں رہتا ہے۔ دکھ و مصائب یا شیطانی شرارتوں کے وقت پختگی سے احکام خداوندی پر جما رہتا ہے۔ (الشرح)

۲۷: وَعَنْ أَبِي يَحْيَى صُهَيْبِ بْنِ سِنَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ''عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ! إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ۔ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ۔ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ''۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۷: ابو یحییٰ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کہ مؤمن کا سارا معاملہ ہی عجیب ہے کہ اس کے تمام کام اس کے لئے خیر ہیں۔ مؤمن کے سوا اور کسی کو یہ چیز حاصل نہیں۔ اگر اس کو خوشحالی میسر آتی ہے تو شکر کرتا ہے تو یہ شکر کرنا اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اس کو تنگ دستی آ جائے تو صبر کرتا ہے تو یہ صبر کرنا اس کے لئے بہتر ہے''۔ (مسلم)

حضرت صہیب کو ربیعہ بن نزار ربعی نمری کی اولاد سے بتایا گیا۔ (اسد الغابہ)

تشریح ۞ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابو یحییٰ رکھی۔ بچپن میں رومیوں کے ہاتھوں قید ہوئے پھر بنو کلب کے ایک آدمی نے خریدا اور مکہ لے آیا۔ اس سے عبداللہ بن جدعان سے خرید کر آزاد کر دیا۔ یہ اس کی موت تک اس کے پاس رہے۔ ② دوسرا قول یہ ہے کہ رومیوں سے بھاگ آئے اور مکہ پہنچ کر عبداللہ بن جدعان کے حلیف بن گئے۔ بعثت کے وقت اسلام میں سبقت کرنے والوں میں سے تھے۔ بقول واقدی عمار اور انہوں نے ایک ہی دن اسلام قبول یا۔ یہ ان مستضعفین میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ کی خاطر تکالیف کی بھینٹ چڑھایا گیا۔ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۱۵ ربیع الاول کو ہجرت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت قباء میں قیام پذیر تھے۔ یہ بھی وہیں ٹھہر گئے۔ حارث بن صمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا بھائی چارہ کرایا گیا۔ تمام لڑائیوں میں آپ کے ساتھ رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عرب میں سب سے آگے گھوڑا دوڑانے والا ہوں۔ صہیب سابق الروم اور سلمان سابق الفارس بلال سابق الحبش ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے متعلق بہت حسن ظن رکھتے تھے۔ جب ان کو زخم لگا تو انہیں نماز جنازہ پڑھانے اور مسجد نبوی میں اس وقت تک جماعت کرانے کی وصیت کی جب تک اہل شوریٰ نئے خلیفہ کا انتخاب عمل میں نہ لے آئیں۔ ان کی مرویات کی تعداد تمیں ہے۔ تین کی مسلم نے تخریج کی۔ بخاری نے کوئی روایت نقل نہیں کی ۳۸، ۳۹ھ مدینہ میں ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائی وہیں دفن ہوئے۔

عجبا: یہ اعجب کا مفعول مطلق ہے۔ جب کسی چیز کا سبب مخفی ہو اور وہ چیز بڑی معلوم ہو تو انسان تعجب کرتا ہے۔ (النہایہ)

المؤمن: سے مراد یہاں کامل مؤمن جو اللہ تعالیٰ کی رضا سے واقف اس کے دعوے کی تصدیق کرنے والا ہو۔

النحو: ان امرہ کلہ لہ خیر: یہ جملہ ان کی خبر ہے۔

الا المؤمن: ضمیر کی بجائے ظاہر لفظ اس لئے لائے تاکہ اشارہ کر دیا جائے خیریت کا اصل سبب ایمان ہے۔

شکر: مولیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر یہ ادا کرتا ہے اس کا شکر یہ خوشی سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس پر آخرت میں ثواب ملے گا۔

ضراء: بدنی تکلیف یا اہل وعیال و مال کو تکلیف پہنچے۔ صبر: اپنے مولا کا فعل سمجھ کر ثواب کی امید اور یقین سے صبر کیا تو اس کا یہ صبر اس دکھ سے بہت بہتر ہے کیونکہ اس کو دارین میں ثواب ملا۔ مگر غیر کامل نے مصیبت پر ناراض اور اکتاہٹ ظاہر کی پس دکھ اور ناراضی مولیٰ دونوں اس کے لئے جمع ہوگئیں۔ اس نے نہ نعمت کا حق پہچانا اور نہ ہی شکریہ ادا کیا تو مصیبت در مصیبت میں پڑ گیا۔

تخریج: أخرجه احمد (۱۹۸۵۶ / ٦) و مسلم (۲۹۹۹)

الفرائد: ① ایمان تمام کا تمام خیر ہے اور مؤمن ہمیشہ خیر پر ہے۔ ② دکھوں میں صبر کر کے کشادگی کا انتظار کرنا چاہئے اور تکالیف پر صبر کا امیدوار ہونا چاہئے۔ ③ خوشحالی میں شکریہ اضافہ نعمت کا ذریعہ ہے۔ شکریہ کی توفیق ایک مستقل نعمت ہے۔ جس کو مل جائے وہ بڑا خوش نصیب ہے۔

۲۸: وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِیُّ ﷺ جَعَلَ یَتَغَشَّاہُ الْکَرْبُ فَقَالَتْ فَاطِمَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا: وَاکَرْبَ اَبَتَاہُ فَقَالَ: لَیْسَ عَلٰی اَبِیْکِ کَرْبٌ بَعْدَ الْیَوْمِ فَلَمَّا مَاتَ قَالَتْ: یَا اَبَتَاہُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاہُ، یَا اَبَتَاہُ جَنَّۃُ الْفِرْدَوْسِ مَاْوَاہُ یَا اَبَتَاہُ اِلٰی جِبْرِیْلَ نَنْعَاہُ فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا: اَطَابَتْ اَنْفُسُکُمْ اَنْ تَحْثُوْا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التُّرَابُ؟ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ.

۲۸: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کی طبیعت زیادہ بوجھل ہوگئی اور بے چینی نے ڈھانپ لیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ اُف ابا جان کی بے چینی! آپؐ نے فرمایا: آج کے دن کے بعد تمہارے باپ پر بے چینی نہ ہوگی۔ جب آپؐ نے وفات پائی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آہ! میرے ابا جان جنہوں نے اپنے ربّ کے بلاوے کو قبول کر لیا۔ اے میرے ابا! جنت الفردوس جن کا ٹھکانہ ہے۔ اے میرے ابا! جن کی موت کی اطلاع ہم جبریل کو دیتے ہیں۔ جب آپؐ دفن کر دیئے گئے تو حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تمہارے دِلوں نے یہ بات گوارا کر لی کہ تم رسول اللہؐ کے جسم مبارک پر مٹی ڈالو۔ (بخاری)

تشریح: ثقل: شدت مرض۔ الکرب: شدت سکرات علو مرتبہ کی وجہ سے تھے۔ کمافی الحدیث۔ **اشد الناس بلاء الانبیاء الحدیث**۔ **واکرب ابتاہ**: یہ ندبہ ہے یہ دکھ و تکلیف میں صادر ہوا جو انکے کمال کے منافی نہیں۔ **لیس علی ابیک**: آج کے بعد تمہارے والد پر دکھ نہ ہوگا کیونکہ وہ دار کدر سے دار سلامت میں پہنچا۔ ارشاد **لا راحة للمؤمن دون لقاء ربه**۔ **جنت الفردوس**: فردوس وہ باغ جو ہر قسم کے درختوں، پھولوں اور نبات کو جامع ہو۔ یہ تمام جنتوں میں اعلیٰ ہے اس کی چھت عرش رحمان ہے۔ اس کے لئے السرا اور الوسط کا لفظ بھی آیا ہے جس کا معنی اعلیٰ ہے۔ (طبرانی، تحفۃ القاری، شرح البخاری)

النحو: مأواہ: مرتبہ یہ مبتداء خبر **جنة الفردوس** ہے۔ **فنعاہ**: جبرئیل کو ہم ان کی موت کی اطلاع دیتے ہیں۔ یہ اسی طرح جس طرح دوستوں کو کسی کی موت کی اطلاع دی جاتی ہے۔

الی جبرئیل فعل کے متعلق ہے۔ **واکرب ابتاہ**: یہ نوحہ کی قسم سے نہیں کیونکہ آپ نے منع نہیں کیا۔ البتہ موت کے بعد وابتاہ کہنا

تو اگر میت میں وہ صفات ہوں تو درست ہے ورنہ نہیں۔ اطابت انفسکم مطلب یہ ہے کہ محبت اور رقت قلوب کے باوجود تم نے یہ اقدام کیسے کیا۔ تو اس کا جواب احترامانہ دیا۔ لسان حال سے جواب یہ ہے کہ دل تو نہ چاہتا تھا مگر آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل ضروری تھی۔ لا كرب على ابيك یہ جملہ باب صبر سے تعلق رکھتا ہے اس تکلیف کا زمانہ معمولی ہے بلکہ یہ حالت اس لئے پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس سے اس عزت والے مقام میں پہنچنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لئے پیدا فرمایا۔ وفات کے وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف یہ شعر بھی منسوب ہے۔

الا يشم مدى الزمان غواليا ☆ صبت على مصائب لو انها

ماذا على من شتم تربة احمد ☆ حبت على الايام عدن ليا ليا

تخریج: أخرجه البخاری (٤٤٦٢) والدارمی (١/٤٠/٤١) و ابن سعد (٢ / ٣١١) و ابن ماجة (١٦٣٠) والبیهقی فی الدلائل (٧/١٢١٢/٢١٣) والترمذی فی الشمائل (٣٧٩) و ابن حبان (٦٦٢٢) و أحمد (١٣١١٥ / ٤) مختصرًا۔

الفرائد: يتغشاه: سخت تکلیف میں اعلیٰ صبر پر اعلیٰ مرتبہ دیا جائے اور صبر تو تکلیف پر ہوتا ہے۔ جبرئیل کو موت کی اطلاع دینے کا مطلب یہ ہے۔ جبرئیل تو رسول علیہ السلام کے پاس وحی لاتے تھے تو جب رسول فوت ہو گئے تو جبرئیل کا وحی لے کر آنا بند ہو گیا۔

② اس حدیث سے معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ پر بھی بیماری، بھوک، پیاس، سردی و گرمی اور تمام امور بشریہ کا اثر ہوتا ہے۔

③ مرنے والے پر اگر دکھ کے ایسے الفاظ کہے جائیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی ظاہر نہ ہوتی ہو تو وہ جائز ہیں جیسا فاطمہ الزہراء نے کہے۔

④ آپ کی اولاد میں سے صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زندہ تھیں ان کو اور ازواج مطہرات اور عباس رضی اللہ عنہ کو میراث نہیں ملی کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت "انا معشر الانبياء للانرث ولا نورث ما تركناه صدقة" نہیں ہوتی۔ اگر انبیاء علیہم السلام کی وراثت مالی ہوتی تو زائغین یہ اعتراض کرتے کہ ان کا دعویٰ (نعوذ باللہ) مال و ملک کے لئے تھا۔ (واللہ اعلم) (الشرح)

٢٩: وَعَنْ اَبِیْ زَیْدٍ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدِ بْنِ حَارِثَةَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحِبِّهٖ وَابْنِ حِبِّهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: اَرْسَلَتْ بِنْتُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ ابْنِیْ قَدِ احْتُضِرَ فَاشْهَدْنَا ـ فَاَرْسَلَ يُقْرِئُ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ: اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطٰى وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِاَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ؟ فَاَرْسَلَتْ اِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَاْتِيَنَّهَا، فَقَامَ وَمَعَهٗ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَاُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ، وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَرِجَالٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، فَرُفِعَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِیُّ فَاَقْعَدَهٗ فِیْ حِجْرِهٖ وَنَفْسُهٗ تَقَعْقَعُ، فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا؟ فَقَالَ:

هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ؟ وَفِيْ رِوَايَةٍ :فِيْ قُلُوْبِ مَنْ شَآءَ مِنْ عِبَادِهٖ وَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَآءَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

وَمَعْنٰى ''تَقَعْقَعُ'' تَتَحَرَّكُ وَتَضْطَرِبُ۔

۲۹: حضرت ابوزید اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما' یہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے آزاد کردہ غلام اور آپؐ کے محبوب اور محبوب کے بیٹے ہیں' روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی ایک بیٹی نے آپؐ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ ان کا بیٹا قریب المرگ ہے۔ آپؐ تشریف لائیں۔ آپؐ نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ ...... اللہ کے لئے ہے جو اس نے لیا اور جو اس نے دیا۔ ہر ایک چیز کا ایک وقت مقرر ہے اور ہر چیز کی ایک مقدار مقرر ہے' تم صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو! بیٹی نے پھر پیغام بھیجا۔ وہ آپ کو قسم دے کر کہہ رہی تھیں کہ آپؐ ضرور تشریف لائیں۔ آپ کھڑے ہوئے اور آپؐ کے ساتھ سعد بن عبادہ' معاذ بن جبل' ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین کچھ اور آدمی بھی تھے۔ بچے کو آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس کو اپنی گود میں بٹھایا اور بچہ اس وقت اضطراب و بے چینی میں تھا۔ چنانچہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ سعد بن عبادہؓ نے عرض کی یارسول اللہ یہ آنسو کیسے؟ آپؐ نے فرمایا یہ رحمت (کے آنسو ہیں) اس رحمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں رکھ دیا ہے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ اپنے بندوں کے دلوں میں سے جس میں چاہا رکھ دیا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں رحم کرنے والوں پر رحمت فرماتے ہیں۔ (متفق علیہ)

تَقَعْقَعَ: مضطرب اور بے چین ہونا اور ایک معنی میں حرکت کرنا کے بھی ہیں۔

تشریح ۞ ان کی کنیت ابومحمد' ابویزید' ابوخارجہ منقول ہے۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما یہ ثور بن کلب کی اولاد سے نسباً کلبی ہیں اور ولاء کے لحاظ سے ہاشمی ہیں۔ ان کو حبیب الرسول کہا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا ان اسامہ لاحب الناس الی (عبدالبر) بقول ابن مندہ ان کے دادا حارثہ بھی صحابی ہیں (ابونعیم) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد پر اسامہ کو پانچ ہزار وظیفہ دیا اور اپنے بیٹے کو دو ہزار۔ اسامہ کی والدہ ام ایمن برکت حبشیہ مولاۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ایمن یہ ماں کی طرف سے اسامہ کے بھائی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے سرحد شام کی طرف جو لشکر روانہ فرمایا اس کے امیر اسامہؓ تھے اس لشکر میں عمرؓ بھی تھے۔ آپ نے اس لشکر کو روانہ کرنے کی وصیت فرمائی۔ آپ کی بیماری اور وفات کی وجہ سے لشکر کو رکنا پڑا بعد میں روانہ کر دیا گیا۔ ان کی مرویات ۱۲۸ ہیں۔ پندرہ متفق علیہ اور دو میں بخاری منفرد ہیں۔ ان کی وفات شہادت عثمان کے بعد مقام جرف میں ہوئی اور مدینہ لا کر دفن کیا گیا۔ بقول ابوعمران کی وفات ۵۴ھ اسی طرح /۵۷/ ۵۸/ ۵۹ھ بتلائی گئی ہے۔ بنت الرسول: ابن ابی شیبہ و مسند احمد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں اس بچے کا مذکر ہونا زیادہ قرین قیاس ہے ممکن ہے یہ زینب کا بیٹا علی یا عبداللہ بن عثمان یا محسن بن علی ہو واللہ اعلم۔ احتضر: مقدمات موت طاری ہوتے۔ اخذ: کا لفظ اعطاء پر بولا جاتا ہے۔ ما اعطی سے مصیبت پر صبر کے نتیجے میں ملنے والا ثواب مراد ہے۔ ۲ باقی رہنے والی زندگی ۳ عام ہے۔ مقام تسلی میں اخذ کو اعطاء سے مقدم کر کے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہر چیز اسکا عطیہ ہے دے کر وہ چیز اسکی ملک سے نہیں نکلتی پس واپس لینے پر جزع چہ معنی دارد یہ مخلوق کا عطیہ نہیں۔

اَلنَّحْوُ: ما مصدر یہ الاخذ والاعطاء یا ما موصولہ ہے اے ما اخذہ واعطاہٗ۔ کل شئ جملہ ابتدائیہ ہے۔ عندہ سے مجازاً علم مراد ہے۔

اجل مسمًّی: مقدر ومعلوم ہے آگے پیچھے نہیں۔ اجل: تمام عمر اور آخری جزء دونوں پر بولا جاتا ہے۔ **لتحتسب**: صبر میں اپنے رب سے ثواب کی طالب ہوتا کہ یہ عمل صالح میں شمار ہو۔ **فقال** جملہ فاعل سے حال ہے۔ **فوفع**: یہاں عبارت محذوف کے ان کے ہاں آئے اور اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئے۔ پس وہ بچہ رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا۔ **فاقعدہٗ** رکھا۔

تقعقع: مضطرب وبے تاب ہے۔ **فقال سعد**: آپ کی عادت مبارکہ صبر کو جانتے ہوئے آنکھوں سے آنسو گرنے پر حیرانی سے کہا۔ ابتکی؟: اپ نے فرمایا یہ آنسو دلی صدمہ کی وجہ سے ہیں جن پر مواخذہ نہیں۔ جزع وبے صبری سے نہیں ممانعت تو جزع وفزع کی ہے اور عدم صبر کی ہے یا نوحہ وندبہ کی ممانعت ہے۔

الرحماء: جمع رحیم یا مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے ساتھ خاص ہے جو رحمت کاملہ سے متصف ہے۔ اس سے یہ ظاہر کیا کہ آنسوؤں کا بہہ جانا کوئی بعید نہیں۔ تردید کے لئے یہی مناسب تھا۔

تخریج: أخرجه احمد (٨ / ٢١٨٣٥) والبخاری (١٢٨٤) وغیرہ و مسلم (٩٢٣) و أبو داود (٣١٢٥) والترمذی (٩٨٨) والنسائی (١٨٦٧) و فی الیوم واللیلة (١٠٦٨) و ابن ماجه (١٥٨٨) و ابن حبان (٤٦١) وغیرہ و البیهقی (٤ / ٦٨)

فان اللّٰہ: یہ عظیم الشان جملہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے ہر چیز کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان کا اس میں تصرف اس کی اجازت کے خلاف درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس میں سے جو لے میں اس پر جزع فزع کا اظہار خلاف عقل ونقل ہے۔ کل شئ: جب ہر چیز مقدر ہے مقدم ومؤخر نہیں ہوسکتی تو جزع فزع اور ناراضگی وہ نہ ٹلے گی۔ ④ مصیبت زدہ کے دکھ پر رونا درست ہے۔ تقدیر پر جزع فزع سے نہیں۔ ⑤ تعزیت مصیبت زدہ کی ہونی چاہئے خواہ قریب ہو یا صدیق۔ بہت سے قریب اقرباء کی موت سے خوش ہوتے ہیں وہ تعزیت کے لائق نہیں۔

الفرائد: احتساب: صبر کرکے اللہ تعالیٰ سے اجر کا امیدوار رہنا۔

۳۰: وَعَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَ مَلِكٌ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَكَانَ لَهٗ سَاحِرٌ فَلَمَّا كَبِرَ قَالَ لِلْمَلِكِ اِنِّيْ قَدْ كَبِرْتُ فَابْعَثْ اِلَيَّ غُلَامًا اُعَلِّمْهُ السِّحْرَ: فَبَعَثَ اِلَيْهِ غُلَامًا يُعَلِّمُهٗ وَكَانَ فِيْ طَرِيْقِهٖ اِذَا سَلَكَ، رَاهِبٌ فَقَعَدَ اِلَيْهِ وَسَمِعَ كَلَامَهٗ فَاَعْجَبَهٗ وَكَانَ اِذَا اَتَى السَّاحِرَ مَرَّ بِالرَّاهِبِ وَقَعَدَ اِلَيْهِ ۔ فَاِذَا اَتَى السَّاحِرَ ضَرَبَهٗ، فَشَكَا ذٰلِكَ اِلَى الرَّاهِبِ فَقَالَ: اِذَا خَشِيْتَ السَّاحِرَ فَقُلْ: حَبَسَنِيْ اَهْلِيْ وَاِذَا خَشِيْتَ اَهْلَكَ فَقُلْ: حَبَسَنِيَ السَّاحِرُ فَبَيْنَمَا هُوَ عَلٰى ذٰلِكَ اِذْ اَتٰى عَلٰى دَآبَّةٍ عَظِيْمَةٍ قَدْ حَبَسَتِ النَّاسَ فَقَالَ: اَلْيَوْمَ اَعْلَمُ السَّاحِرُ اَفْضَلُ اَمِ الرَّاهِبُ اَفْضَلُ؟ فَاَخَذَ حَجَرًا فَقَالَ، اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ اَمْرُ الرَّاهِبِ اَحَبَّ اِلَيْكَ مِنْ اَمْرِ السَّاحِرِ فَاقْتُلْ هٰذِهِ الدَّآبَّةَ حَتّٰى يَمْضِيَ

اَلنَّاسُ فَرَمَاهَا فَقَتَلَهَا وَمَضَى النَّاسُ فَاَتَى الرَّاهِبَ فَاَخْبَرَهُ ۔ فَقَالَ لَهُ الرَّاهِبُ اَیْ بُنَیَّ اَنْتَ الْیَوْمَ اَفْضَلُ مِنِّیْ قَدْ بَلَغَ مِنْ اَمْرِكَ مَا اَرٰی وَاِنَّكَ سَتُبْتَلٰی فَاِنِ ابْتُلِیْتَ فَلَا تَدُلَّ عَلَیَّ: وَكَانَ الْغُلَامُ یُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَیُدَاوِی النَّاسَ مِنْ سَائِرِ الْاَدْوَآءِ فَسَمِعَ جَلِیْسٌ لِلْمَلِكِ كَانَ قَدْ عَمِیَ فَاَتَاهُ بِهَدَایَا كَثِیْرَةٍ فَقَالَ مَا هٰهُنَا لَكَ اَجْمَعُ اِنْ اَنْتَ شَفَیْتَنِیْ فَقَالَ اِنِّیْ لَا اَشْفِیْ اَحَدًا اِنَّمَا یَشْفِی اللّٰهُ تَعَالٰی فَاِنْ اٰمَنْتَ بِاللّٰهِ تَعَالٰی دَعَوْتُ اللّٰهَ فَشَفَاكَ ، فَاٰمَنَ بِاللّٰهِ تَعَالٰی فَشَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فَاَتَی الْمَلِكَ فَجَلَسَ اِلَیْهِ كَمَا كَانَ یَجْلِسُ ۔ فَقَالَ لَهُ الْمَلِكُ مَنْ رَدَّ عَلَیْكَ بَصَرَكَ؟ قَالَ : رَبِّیْ قَالَ اَوَلَكَ رَبٌّ غَیْرِیْ؟ قَالَ : رَبِّیْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ۔ فَاَخَذَهُ فَلَمْ یَزَلْ یُعَذِّبُهُ حَتّٰی دَلَّ عَلَی الْغُلَامِ فَجِیْءَ بِالْغُلَامِ فَقَالَ لَهُ الْمَلِكُ : اَیْ بُنَیَّ قَدْ بَلَغَ مِنْ سِحْرِكَ مَا تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَتَفْعَلُ وَتَفْعَلُ فَقَالَ : اِنِّیْ لَا اَشْفِیْ اَحَدًا اِنَّمَا یَشْفِی اللّٰهُ تَعَالٰی۔ فَاَخَذَهُ فَلَمْ یَزَلْ یُعَذِّبُهُ حَتّٰی دَلَّ عَلَی الرَّاهِبِ فَجِیْءَ بِالرَّاهِبِ فَقِیْلَ لَهُ : اِرْجِعْ عَنْ دِیْنِكَ فَاَبٰی فَدَعَا بِالْمِنْشَارِ فَوُضِعَ الْمِنْشَارُ فِیْ مَفْرِقِ رَاْسِهٖ فَشَقَّهُ حَتّٰی وَقَعَ شِقَّاهُ ، ثُمَّ جِیْءَ بِجَلِیْسِ الْمَلِكِ فَقِیْلَ لَهُ: اِرْجِعْ عَنْ دِیْنِكَ فَاَبٰی فَوُضِعَ الْمِنْشَارُ فِیْ مَفْرِقِ رَاْسِهٖ فَشَقَّهُ حَتّٰی وَقَعَ شِقَّاهُ ، ثُمَّ جِیْءَ بِالْغُلَامِ فَقِیْلَ لَهُ : اِرْجِعْ عَنْ دِیْنِكَ فَاَبٰی فَدَفَعَهُ اِلٰی نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ : اِذْهَبُوْا بِهٖ اِلٰی جَبَلِ كَذَا وَكَذَا فَاصْعَدُوْا بِهِ الْجَبَلَ فَاِذَا بَلَغْتُمْ ذِرْوَتَهُ فَاِنْ رَجَعَ عَنْ دِیْنِهٖ وَاِلَّا فَاطْرَحُوْهُ ۔ فَذَهَبُوْا بِهٖ فَصَعِدُوْا بِهِ الْجَبَلَ فَقَالَ : اَللّٰهُمَّ اكْفِنِیْهِمْ بِمَا شِئْتَ فَرَجَفَ بِهِمُ الْجَبَلُ فَسَقَطُوْا وَجَآءَ یَمْشِیْ اِلَی الْمَلِكِ۔ فَقَالَ لَهُ الْمَلِكُ : مَا فَعَلَ اَصْحَابُكَ؟ فَقَالَ كَفَانِیْهِمُ اللّٰهُ تَعَالٰی ، فَدَفَعَهُ اِلٰی نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ : اِذْهَبُوْا بِهٖ فَاحْمِلُوْهُ فِیْ قُرْقُوْرٍ وَتَوَسَّطُوْا بِهِ الْبَحْرَ فَاِنْ رَجَعَ عَنْ دِیْنِهٖ وَاِلَّا فَاقْذِفُوْهُ۔ فَذَهَبُوْا بِهٖ فَقَالَ : اَللّٰهُمَّ اكْفِنِیْهِمْ بِمَا شِئْتَ ، فَانْكَفَاَتْ بِهِمُ السَّفِیْنَةُ فَغَرِقُوْا وَجَآءَ یَمْشِیْ اِلَی الْمَلِكِ فَقَالَ لَهُ الْمَلِكُ : مَا فَعَلَ اَصْحَابُكَ؟ فَقَالَ كَفَانِیْهِمُ اللّٰهُ تَعَالٰی فَقَالَ لِلْمَلِكِ : اِنَّكَ لَسْتَ بِقَاتِلِیْ حَتّٰی تَفْعَلَ مَا اٰمُرُكَ بِهٖ ۔ قَالَ : مَا هُوَ؟ قَالَ تَجْمَعُ النَّاسَ فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ وَّتَصْلُبُنِیْ عَلٰی جِذْعٍ ثُمَّ خُذْ سَهْمًا مِّنْ كِنَانَتِیْ ثُمَّ ضَعِ السَّهْمَ فِیْ كَبِدِ الْقَوْسِ ثُمَّ قُلْ بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ۔ ثُمَّ ارْمِنِیْ فَاِنَّكَ اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ قَتَلْتَنِیْ ، فَجَمَعَ النَّاسَ فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ وَّصَلَبَهُ عَلٰی جِذْعٍ ثُمَّ اَخَذَ سَهْمًا مِّنْ كِنَانَتِهٖ ثُمَّ وَضَعَ السَّهْمَ فِیْ كَبِدِ الْقَوْسِ ثُمَّ قَالَ : بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ ثُمَّ رَمَاهُ فَوَقَعَ السَّهْمُ فِیْ صُدْغِهٖ فَوَضَعَ یَدَهُ فِیْ

صُدْغِهٖ فَمَاتَ فَقَالَ النَّاسُ : آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ فَاُتِيَ الْمَلِكُ فَقِيْلَ لَهٗ : اَرَاَيْتَ مَا كُنْتَ تَحْذَرُ قَدْ وَاللّٰهِ نَزَلَ بِكَ حَذَرُكَ ، قَدْ اٰمَنَ النَّاسُ ـ فَاَمَرَ بِالْاُخْدُوْدِ بِاَفْوَاهِ السِّكَكِ فَخُدَّتْ وَاُضْرِمَ فِيْهَا النِّيْرَانُ وَقَالَ : مَنْ لَّمْ يَرْجِعْ عَنْ دِيْنِهٖ فَاَقْحِمُوْهُ فِيْهَا اَوْ قِيْلَ لَهُ اقْتَحِمْ فَفَعَلُوْا حَتّٰى جَآءَتِ امْرَاَةٌ وَّمَعَهَا صَبِيٌّ لَّهَا فَتَقَاعَسَتْ اَنْ تَقَعَ فِيْهَا ، فَقَالَ لَهَا الْغُلَامُ : يَا اُمَّهْ اِصْبِرِيْ فَاِنَّكِ عَلَى الْحَقِّ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

"ذِرْوَةُ الْجَبَلِ" : اَعْلَاهُ وَهِيَ بِكَسْرِ الذَّالِ الْمُعْجَمَةِ وَضَمِّهَا ـ وَ "الْقُرْقُوْرُ" : بِضَمِّ الْقَافَيْنِ نَوْعٌ مِّنَ السُّفُنِ ـ وَ "الصَّعِيْدُ" هُنَا : الْاَرْضُ الْبَارِزَةُ وَ "الْاُخْدُوْدُ" الشُّقُوْقُ فِي الْاَرْضِ كَالنَّهْرِ الصَّغِيْرِ وَ "اُضْرِمَ" اُوْقِدَ وَ "انْكَفَاَتْ" اَيْ : اِنْقَلَبَتْ وَتَقَاعَسَتْ" : تَوَقَّفَتْ وَجَبُنَتْ ـ

۳۰: حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کا ایک جادوگر تھا۔ جب جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ کو کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرے پاس ایک لڑکا بھیجو جس کو میں جادو سکھا دوں۔ اس نے ایک لڑکا بھیج دیا۔ جس کو وہ جادو سکھانے لگا۔ اس لڑکے کے راستہ پر ایک راہب رہتا تھا۔ یہ لڑکا اس کے پاس بیٹھا اور اس کی گفتگو سنی تو اس کو اس کی گفتگو پسند آئی۔ وہ لڑکا جب بھی ساحر کے پاس جاتا تو وہ اس راہب کے پاس بیٹھتا۔ جب وہ ساحر کے پاس جاتا وہ اس لڑکے کو مارتا اس لڑکے نے راہب کو شکایت کی تو راہب نے کہا۔ جب ساحر کا ڈر ہو تو کہنا میرے گھر والوں نے روک لیا اور جب گھر والوں کا ڈر ہو تو کہنا مجھے ساحر نے روک لیا۔ معاملہ اسی طرح چلتا رہا تا آنکہ اس لڑکے کا گزر ایک دن ایک بڑے جانور پر ہوا جس نے لوگوں کا راستہ روکا ہوا تھا۔ لڑکے نے (دل میں) کہا آج میں معلوم کروں گا کہ ساحر افضل ہے یا راہب؟ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور اس طرح کہا: اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ اَمْرُ الرَّاهِبِ اَحَبَّ اِلَيْكَ مِنْ اَمْرِ السَّاحِرِ فَاقْتُلْ هٰذِهِ الدَّآبَّةَ ''اے اللہ اگر آپ کو جادوگر سے راہب کا معاملہ زیادہ پسند ہے تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کر دے'' تاکہ لوگ گزر سکیں۔ چنانچہ اس نے پتھر مارا اور اس کو ہلاک کر دیا اور لوگ گزر گئے۔ پھر وہ راہب کے پاس آیا اور اس کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ راہب نے اسے کہا اے بیٹے آج تو مجھ سے افضل ہے۔ تیرا معاملہ جہاں تک پہنچ گیا میں اس کو دیکھ رہا ہوں۔ تمہیں عنقریب آزمائش میں ڈالا جائے گا اگر تمہیں آزمائش میں ڈالا جائے تو میری اطلاع نہ دینا اور یہ لڑکا مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو (بحکم خدا) درست کرتا اور لوگوں کی تمام بیماریوں کا علاج کرتا۔ بادشاہ کا ایک ہم مجلس اندھا ہو چکا تھا۔ وہ اس لڑکے کے پاس بہت سے عطیات لے کر آیا اور کہنے لگا۔ اگر تو نے مجھے شفا بخش دی تو یہ تمام عطیات تمہارے ہیں۔ لڑکے نے کہا میں کسی کو شفا نہیں دیتا۔ شفاء اللہ دیتے ہیں۔ اگر تم اللہ پر ایمان لاؤ تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا وہ تمہیں شفا دے گا۔ چنانچہ وہ اللہ پر ایمان لے آیا۔ اللہ نے اس کو شفا دے دی۔ وہ بادشاہ کے پاس آیا اور اسی طرح بیٹھ گیا۔ جس طرح پہلے بیٹھا کرتا تھا۔ بادشاہ نے کہا تمہاری بینائی تمہیں کس نے واپس کی؟ اس نے کہا میرے ربّ نے۔ بادشاہ نے کہا کیا میرے علاوہ بھی تیرا کوئی ربّ ہے؟ اس نے جواب دیا میرا اور تیرا ربّ اللہ

ہے۔اس نے اسے گرفتار کرلیا اور اس کو سزا دیتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے اس لڑکے کا پتہ بتلا دیا۔لڑکے کو لایا گیا بادشاہ نے کہا اے بیٹے تیرا جادو یہاں تک پہنچ گیا کہ تو مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو درست کرتا ہے اور فلاں فلاں کام کرتا ہے۔اس نے کہا میں کسی کو شفا نہیں دیتا۔ بے شک میرا اللہ شفا دیتا ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو سزا دیتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے راہب کا پتہ بتا دیا۔ پھر راہب کو لایا گیا اور اس کو کہا گیا کہ تو اپنے دین سے پھر جا۔مگر اس نے انکار کیا۔بادشاہ نے آرا منگوا کر اس کے سر کو آرے سے دو حصوں میں کاٹ دیا۔ پھر بادشاہ کے ہم مجلس (وزیر) کو لایا گیا۔اس کو کہا گیا کہ تو اپنے دین سے پھر جا۔اس نے انکار کر دیا پس آرا اس کے سر پر رکھ کر اس کو چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ چنانچہ اس کے دونوں ٹکڑے ادھر اُدھر گر پڑے۔ پھر لڑکے کو لایا گیا۔اس کو بھی کہا گیا کہ تو دین سے پھر جا۔اس نے انکار کر دیا۔بادشاہ نے اس کو اپنے مصاحبین کی ایک جماعت کے سپرد کر کے حکم دیا کہ اس کو پہاڑ پر چڑھاؤ۔ جب تم پہاڑ کی بلند چوٹی پر پہنچ جاؤ پھر اگر یہ اپنے دین سے پھر جائے تو بہتر ورنہ اس کو نیچے پھینک دو۔ وہ لوگ اس کو لے گئے اور پہاڑ پر چڑھایا۔اس لڑکے نے دعا کی: ''اے اللہ جس طرح آپ چاہیں ان کے مقابلہ میں مجھے کافی ہو جائیں''۔ پہاڑ پر لرزہ طاری ہوا جس سے وہ تمام لوگ گر پڑے اور لڑکا صحیح سلامت چلتا ہوا بادشاہ کے پاس آ گیا۔بادشاہ نے اس سے کہا تیرے ساتھیوں کا کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا اللہ میری طرف سے ان کیلئے کافی ہو گیا۔اس نے پھر اس کو اپنی ایک خصوصی جماعت کے سپرد کیا اور ان کو ہدایت کی کہ اس کو کشتی میں سوار کرو اور سمندر کے درمیان میں لے جا کر پوچھو! اگر یہ دین سے پھر جائے تو بہتر ورنہ سمندر میں پھینک دو۔ چنانچہ وہ اس کو لے گئے۔اس لڑکے نے دعا کی: ''اے اللہ جس طرح آپ چاہیں ان کے مقابلہ میں میرے لئے کافی ہو جائیں''۔ چنانچہ کشتی اُلٹ گئی اور وہ سب ڈوب کر مر گئے۔لڑکا پھر چلتا ہوا بادشاہ کے پاس واپس پہنچ گیا۔ بادشاہ نے سوال کیا کہ تیرے ساتھیوں کا کیا معاملہ ہوا۔اس نے کہا اللہ تعالیٰ ان تمام کیلئے میری طرف سے کافی ہو گیا۔ پھر اس نے بادشاہ کو مخاطب ہو کر کہا تو مجھے ہرگز قتل نہیں کر سکتا' جب تک کہ وہ طریقہ نہ اختیار کرے جو میں کہتا ہوں' بادشاہ نے کہا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا تو تمام لوگوں کو وسیع میدان میں جمع کر۔ پھر مجھے سولی دینے کیلئے ایک کھجور کے تنے پر چڑھاؤ اور ایک تیر میرے تھیلے میں سے لے کر اس کو کمان میں رکھ کر اس طرح کہو: بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْغُلَامِ ''میں اس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا ربّ ہے تیر مارتا ہوں''۔ پھر مجھے تیر مارو جب تم اس طرح کرو گے تو مجھے قتل کر سکو گے پس بادشاہ نے لوگوں کو ایک وسیع میدان میں جمع کیا اور تیر لے کر تیر کو کمان میں رکھا۔ پھر کہا: بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْغُلَامِ اور تیر اس کی طرف پھینک دیا۔ تیر اس لڑکے کی کنپٹی میں جا لگا۔لڑکے نے اپنا ہاتھ اپنی کنپٹی پر رکھا اور مر گیا۔لوگ اس پر پکار اُٹھے ہم اس لڑکے کے ربّ پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر ان لوگوں کو بادشاہ کے پاس لایا گیا اور بادشاہ کو بتلایا گیا کہ تو جس چیز سے خطرہ محسوس کرتا تھا وہ خطرہ تجھ پر منڈلانے لگا۔لوگ تو ایمان لے آئے۔ چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا کہ گلیوں کے کناروں پر خندقیں کھودی جائیں۔ وہ کھودی گئیں اور ان خندقوں میں آگ بھڑکا دی گئی۔ بادشاہ نے حکم دے دیا کہ جو اپنے دین سے نہ پھرے اس کو آگ میں جھونک دیا جائے یا اس کو کہا جائے کہ تو اس آگ میں گھس جا۔ پھر انہوں نے اسی طرح کیا۔حتیٰ کہ ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کا بچہ تھا۔وہ آگ میں گرنے سے کچھ ہچکچائی۔

لڑکے نے اس کو آواز دی اے اماں! تو صبر کر تو حق پر ہے۔ (مسلم)

تشریح ذِرْوَةُ الْجَبَلِ: پہاڑ کی بلندی۔
اَلْقُرْقُوْرُ: ایک قسم کی کشتی۔
اَلصَّعِيْدُ: کھلی جگہ، چٹیل۔
اَلْاُخْدُوْدُ: کھائی، نالہ۔
اُضْرِمَ: بھڑکائی گئی۔
تَقَاعَسَتْ: توقف کیا، بزدلی دکھائی۔

النحو: عن صهيب: ① یہ خبر ہے۔ اَنّ: اپنے اسم وخبر کے ساتھ بالتاویل مبتداء ہے۔ ② اضمار قول پر اِنّ ہوگا۔ کَبِر: بوڑھا ہوگیا۔ با مکسور ہے مضموم نہ ہو تو تکبر معنی آتا ہے۔ اعلمه السحر: یہ جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ نجران کا بادشاہ تھا اور لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر تھا (قرطبی) راهب: عیسائی عبادت گزار جو دنیا کے دھندوں سے الگ ہو کر اپنے زہد کی حفاظت کرنے والے تھے۔

قعد اليه: اس کے طرز وطریق کو پسند کرنے کی وجہ سے ترمذی کی روایت میں ہے کہ وہ لڑکا اس سے معبود کے متعلق سوال کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے بتادیا تو لڑکے نے کہا: انی عبدالله۔ اذا اتی: ساحر کی طرف گزر کر جاتا۔ ترمذی کی روایت ہے کہ کاہن سے شکایت کی۔ اذا خشيت الساحر: ساحر تک پہنچنے میں میرے ہاں دیر کی وجہ سے۔

فقل حبسنی: یہ اصلاح خصمن کے لئے کذب کی نظیر ہے یا مار کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہونے سے بچنے کے لئے۔ خشيت املك: وہ ساحر کے ہاں سے لوٹنے میں دیر کی شکایت کریں۔ حسبت الناس: لوگوں کو گزرنے سے اس کے خوف نے روک دیا بقول ترمذی یہ شیر تھا۔ اعلم: سے مراد میرے سامنے عملاً ظاہر ہو جائے گا۔

فاقتل هذهٔ الدابه: پتھر لگنے پر تا کہ راہب کی پسندیدگی کی علامت مل جائے۔ حتی يمضٰی الناس: یہ سوال کی غایت یا علت ہے۔ فقتلها: یہ مجاز عقلی ہے فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں۔ مضٰی الناس: کہ اس لڑکے کی تعریف کرنے لگے یا لوگ رکاوٹ ہٹ جانے پر راستے پر چلنے لگے۔ فاخبره: کسی اچھی چیز کی دوسروں کو خبر جائز ہے جبکہ خود پسندی پیدا نہ ہو۔ قد بلغ من امرك: یعنی صدق اعتقادی اور کمال یقین۔ انك مستبتلى: ① یہ بطور کشف جان لیا تو یہ کرامت ہوئی۔ ② فراستۂ ③ تجربۂ کیونکہ جو لوگوں کی عادات کی خلاف ورزی کرے اس کی مخالفت کی جاتی ہے۔ فان ابتليت: حرف شک لائے کیونکہ تینوں میں تخلف ہوسکتا ہے۔ ② لڑکے پر معاملے کو ہلکا کرنے کے لئے تا کہ آزمائش سے پہلے ہی پریشان نہ ہو۔ الاكمه: پیدائشی نابینا، ابتشار مجازی ہے۔ انی لا اشفی احدا: دوسرا جملہ مؤکدہ ہے۔ جب اللہ کے سوا کوئی شفاء دینے والا نہیں تو میں بھی شفاء دینے والا نہیں کیونکہ شفاء اسی کے پاس ہے۔ يشفی: کا مفعول حذف کر دیا ہے۔

الادواء: جمع داء: امراض۔ فاتاه: بادشاہ کا درباری لڑکے کے پاس آیا۔ ما هاهنالك: ما شداء تک خبر اور ها هنا صلہ ہے۔ فشفاك: جس طرح ایمان کے ساتھ معنوی اندھے پن سے شفاء دی اسی طرح جس اندھے پن سے بھی شفا دیں گے۔ فشفاه الله: اس کو شفاء ملی تو وہ ایمان لے آیا اس کا یقین بڑھ گیا۔ ترمذی کے الفاظ مختلف ہیں۔ كما كان يجلس: شفاء کے بعد

بادشاہ کی مجلس میں اس کا بیٹھنا اسی طرح تھا جیسا بیماری سے پہلے۔ **یعذبہ**: قسما قسم کی سخت سزا دینا۔ **فجئی بالغلام**: ضمیر کی بجائے ظاہر اسم لائے تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ ضمیر جنس کی طرف راجع ہے۔

تفعل و تفعل: اس کے بہت زیادہ اعمال اور کثیر تصرفات سے کنایہ ہے۔

فابی: شدت سے انکار کرنا۔

منتشار: آرہ۔ جس سے لکڑی چیری جاتی ہے۔ **اشرت و نشرت**: عرب کہتے ہیں۔ **مفرق**: بالوں کو دو حصوں میں بانٹنے کی جگہ۔ **جئی بالغلام**: لڑکے کو مؤخر کیا تا کہ اس سے عبرت حاصل کر کے لوٹ آئے۔ **نفر**: یہ مفرد مستعمل ہے تین سے دس تک جماعت کو کہا جاتا ہے۔ **اصحابہ**: بادشاہ کے غلام و خدام یا غلام کے ساتھی۔ اس سے مقصود ان کو زجر کرنا تھا تا کہ وہ اس میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ **فان رجع**: یہ شرط ہے اس کا جواب فاتر کو محذوف ہے۔ سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔ **بما شئت**: اپنی مرضی سے ما مصدر یہ یا موصولہ ہے۔ **رجف**: حرکت میں آنا۔ **جاء یمشی الی الملك**: تا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کی علامت اس کو دکھائے شاید وہ گمراہی سے ہٹ جائے۔ **کفافیھم اللّٰہ تعالیٰ**: ان کی بدعملی نے ان کو گھیر لیا۔ **قرقور**: جمع قراقیر: بڑی کشتی۔ **فانکفات بھم**: ان سمیت الٹ گئی۔ **فغرقوا**: خواہ وہ ایک ہی کشتی میں تھے وہ تمام ڈوب گئے اور وہ بچہ بچ گیا یا لڑکے والی کشتی بچ گئی ڈبونے والی ڈوب گئی۔ وہ دوسری مرتبہ اس کو دوسری نشانی دکھانے آیا تا کہ وہ ایمان لائے مگر اندھوں کی آنکھیں کہاں دیکھتی ہیں۔

لن بقاتلی: خبر پر بالا کر ظاہر کیا کہ تم مجھے کسی حالت میں قتل نہیں کر سکتے۔ **جذع**: جمع جذوع کھجور کا تنا۔ **ثم قل**: میں ثم فا کے معنی میں ہے۔ یہ اس آیت کی طرح ہے: ﴿ثم افیضوا من حیث افاض الناس......﴾ (کشاف)۔ **باسم اللّٰہ**: ایسے مقام پر الف لاتے ہیں جس کو بسم اللہ میں کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کیا ہے۔ **رب الغلام**: لائے تا کہ بادشاہ لوگوں کو اپنی یا معبود کی خدائی کا وہم نہ ڈالے۔ جیسا اس آیت میں: ﴿قالوا امنا برب العالمین رب موسٰی و ھارون......﴾ **اذا فعلت**: لڑکا پیغام توحید کو عام کرنا چاہتا تھا۔ **قتال الناس**: لوگ نشان وحدانیت دیکھ کر پکار اٹھے۔ **قد واللّٰہ نزل بك**: قسم کو قد اور مدخول کے درمیان لا کر تاکید کی گئی۔

السکك: جمع سکۃ راستہ افواہ سے مراد ابواب ہیں۔ **فاقحموہ**: زبردستی ڈال دو۔

صبی لھا: مصنف کا رجحان یہ ہے کہ اگرچہ وہ چھوٹا تھا مگر دودھ پینے کی عمر سے نکل چکا تھا۔ ابن قتیبہ نے سات ماہ کا بتلایا ہے۔ کلام کرنے والے اگرچہ صحیحین میں تین آئے مگر تعداد کا زیادہ ہونا روایت کے خلاف نہیں کیونکہ حصر مقصود نہیں حافظ سیوطی نے مندرجہ ذیل بچے ذکر کئے ہیں: ① حضرت محمدؐ ② یحییٰ ③ عیسیٰ و ④ ابراہیم علیہم السلام اور ⑤ مریم ⑥ جریج والا بچہ ⑦ شاہد یوسف ⑧ خندقوں والا بچہ ⑨ لونڈی کے پاس سے گزرنے والا ⑩ فرعون کے ہاں کنگھی کرنے والی عورت کا بچہ۔

تقاعست: اس نے توقف کیا اور اپنی جگہ پر ناپسند کرتے ہوئے رکی۔ **صعید**: وسیع زمین۔

الفرائد: صبر بڑی عظمت والی چیز ہے۔ اس میں ثابت قدمی اعلیٰ درجہ ہے۔ اگر جبر و اکراہ سے الفاظ کفر زبان سے نکال دیئے جبکہ دل ایمان سے مطمئن تھا تو یہ رخصت ہے جیسا کہ ابن کثیر نے روایت نقل کی کہ مسیلمہ کذاب نے دو آدمیوں کو اصحاب رسول میں سے پکڑ لیا۔ ایک نے جان بچانے کے لئے مجمل کلمہ کہا اسے چھوڑ دیا گیا۔ دوسرے نے جواب نہ دیا۔ اسے

قتل کروادیا۔ آپ نے فرمایا ایک نے رخصت پر عمل کیا اور دوسرے نے کھل کر حق پر ثابت قدمی اختیار کی اس کو مبارک ہو۔

غلاماً اعلّمۃ: ① فارغ البال ہونے کی وجہ سے حفظ میں تیز ہوتا ہے۔ ② اس میں یاد کیا ہوا بھولتا نہیں۔ ③ علم اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔

مسئلہ: اکراہ میں ایک بات یاد رکھنی چاہئے اگر مجبور عام آدمی ہو تو اسے اطمینان قلب کے ہوئے ہوئے کلمہ کفر زبان پر لانے کی رخصت ہے اور اگر وہ مقتدا ہو تو اسے کلمہ کفر زبان پر اکراہ کی صورت میں بھی لانا جائز نہیں کیونکہ اس سے بہت لوگوں ایمان کو چھوڑ جائیں گے۔

تخریج: أخرجه مسلم (۳۰۰۵) والترمذی (۳۳٤۰) والنسائی فی الکبری (۱۱٦٦۱ / ٦) وابن کثیر فی تفسیره (۷۷۸/۷۷۷/٤) وغیره فی تفاسیرهم۔

الفرائد: ① وہ لڑکا اس قدر قوی الایمان تھا کہ ذرا نہ ڈگمگایا۔ ② اس لڑکے کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حرکت کا حکم دیا جس سے اس کا دشمن ہلاک ہو گیا۔ مضطر و مجبور کی دعا اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں خواہ وہ کوئی ہو۔ ③ عام لوگوں کی مصلحت کے لئے اپنے آپ کو پابند کرنے کا اجر ملے گا۔ کافر کے لئے خلود ابدی نار میں ہے مگر مؤمن کے بعض گناہوں پر خلود کا لفظ تشدید کے لئے لایا گیا ہے اس سے خلود موقف (ایسی ہیشگی جس کا ایک وقت ہے) مراد ہے۔ واللہ اعلم۔ (الشرح)

۳۱ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی امْرَاَۃٍ تَبْکِیْ عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ: "اتَّقِی اللّٰہَ وَاصْبِرِیْ" فَقَالَتْ :اِلَیْکَ عَنِّیْ ؛ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِیْبَتِیْ ، وَلَمْ تَعْرِفْہُ فَقِیْلَ لَھَا :اِنَّہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَتَتْ بَابَ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَہٗ بَوَّابِیْنَ فَقَالَتْ لَمْ اَعْرِفْکَ فَقَالَ :اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَۃِ الْاُوْلٰی مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ. وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ :تَبْکِیْ عَلٰی صَبِیٍّ لَھَا۔

۳۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا گزر ایک عورت کے پاس سے ہوا جو قبر پر بیٹھی رو رہی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تُو اللہ سے ڈر اور صبر کر۔ اس نے کہا مجھ سے ہٹ جاؤ! تمہیں میرے والی مصیبت نہیں پہنچی اور نہ تم اس کو جانتے ہو۔ اس عورت نے آپ ﷺ کو نہ پہچانا۔ جب اس کو بتلایا گیا کہ وہ آنحضرت ﷺ تھے تو وہ آنحضرت ﷺ کے دروازہ پر حاضر ہوئی اور وہاں کسی دربان کو نہ دیکھا تو کہنے لگی میں نے آپ ﷺ کو پہچانا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ صبر (جو قابل اجر ہے) وہی ہے جو تکلیف کے آغاز میں کیا جائے۔ (متفق علیہ)
مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: وہ اپنے بچے کی قبر پر رو رہی تھی۔

تشریح ۞ **اتقی اللّٰہ واصبری:** اس کا رونا ناپسندیدہ مقدار تک پہنچا تھا تبھی آپ نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوگی اگر تو صبر نہ کرے گی۔ صبر کرتا کہ تجھے ثواب ملے۔

الیك: یہ اسم فعل بمعنی اِبْعَد: ہے۔ **انك لم تُصب بمصیبتی:** دوسری روایات میں تم میری مصیبت سے خالی ہو یا تمہیں میری مصیبت کی پرواہ نہیں کے الفاظ وارد ہیں۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ فضل بن عباسؓ نے اسے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں یہ کون

تھے۔ اس نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے بتلایا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو وہ سناٹے میں آ گئی۔ فلم تجد عنده بوابين: اس جملے کا فائدہ یہ ہے کہ اس نے خوف محسوس کر کے سمجھا شاید آپ کے دروازے پر بادشاہوں کی طرح دربان ہوں گے۔ (طیبی) جو ملاقات سے روکیں گے مگر یہاں معاملہ اس کے الٹ پایا۔ انما الصبر عند الصدمة الاولى: یہ جملہ حکیمانہ ہے گویا فرمایا تو معذرت چھوڑ، میں ناراض نہیں مگر اپنے متعلق سوچ کہ تو کتنے بڑے ثواب سے محروم ہوگئی۔ (طیبی)

ابن کثیر کہتے ہیں عورت جب احساس کر کے توبہ کرتی آئی تو آپ نے وضاحت فرمائی کہ کامل اجر تو اوّل وہلہ میں صبر کرنے سے ملتا ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (۱۲۴۶۰ / ۴) والبخاری (۱۲۵۲) وغیره و مسلم (۹۲۶) و ابوداود (۳۱۲۴) والترمذی (۹۸۸) والنسائی (۱۸۶۸) و فی عمل الیوم واللیلة (۱۰۶۸) و ابن حبان (۲۸۹۵) والبیهقی (۳ / ۶۵) والبغوی (۱۵۳۹)

الفرائد: ① آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت وحسن خلق ملاحظہ کریں کہ اپنی ذات کے لئے اس سے انتقام نہیں لیا اور اس کو نرمی سے صبر وتقویٰ کی دعوت دی۔ ② اس کی نادانی و جہالت کی وجہ سے اليك عنى جیسے کلمہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معذور سمجھا۔ ③ جو شخص ضروریات مسلمین سے متعلق ہو اس کو بلا خاص ضرورت کے اپنے دروازے پر دربان نہ بٹھانے چاہئیں۔ ④ قبر کے پاس رونا صبر کے منافی ہے اس سے گریز کرنا چاہئے۔ (الشرح)

۳۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: "مَا لِعَبْدِی الْمُؤْمِنِ عِنْدِیْ جَزَآءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ اِلَّا الْجَنَّةَ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۳۲: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس مؤمن بندے کے لئے جس کی دنیا میں سب سے زیادہ محبوب چیز میں لے لوں پھر وہ اس پر ثواب کی نیت کرے اس کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں ہے۔ (بخاری)

تشریح: حديث قدسی وہ ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ کی طرف الہام رؤیت منام یا اور کسی کیفیت وحی سے دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ سے اس کو تعبیر فرمایا ہو۔ اس کے الفاظ قرآن کی طرح نہ معجز ہیں نہ متواتر اسی لئے اس کے متعلق قرآن مجید کے چھونے پڑھنے کا حکم نہیں۔

صفیه: خالص محبت والا۔ یہ فعل یا مفعول کے معنی میں ہے۔ قوی تعلق ورشتہ داری والا۔

الا الجنة: یہ قسم کو پورا کرنے کے لئے آگ سے گزرنے کے خلاف نہیں۔

تخریج: أخرجه البخاری (۶۴۲۴) وفی الباب عن أنس عند النسائی (۱۸۷۰) و سیأتی برقم (۹۳۲)

الفرائد: ① زیادہ پسندیدہ چیز پر صبر کا زیادہ بدلا ہے۔ ② اللہ تعالیٰ کے فضل کا اندازہ لگائیں کہ ہر چیز اس کی ملکیت ہے مگر بندے سے وہ جب جدا ہوتی ہے اور انسان اس میں ثواب کا امیدوار ہوتا ہے تو اپنے فضل سے اس پر بڑا بدلہ عنایت کرتا ہے۔

۳۳ :وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا اَنَّهَا سَالَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الطَّاعُوْنِ ، فَاَخْبَرَهَا اَنَّهٗ كَانَ عَذَابًا يَبْعَثُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مَنْ يَشَآءُ فَجَعَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ، فَلَيْسَ مِنْ عَبْدٍ يَقَعُ فِي الطَّاعُوْنِ فَيَمْكُثُ فِيْ بَلَدِهٖ صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا يُصِيْبُهٗ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِثْلَ اَجْرِ الشَّهِيْدِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۳۳: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق سوال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا جس پر اللہ تعالیٰ چاہتا اس کو مسلط کرتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان والوں کے لئے رحمت بنا دیا جو مؤمن طاعون میں مبتلا ہو اور وہ اپنے شہر میں صبر وثواب سے ٹھہرا رہے اور وہ یہ جانتا ہو کہ اس کو وہی پہنچے گا جو اس کے نصیب میں لکھا جا چکا تو اس کو شہید کے برابر ثواب ملے گا۔ (بخاری)

تشریح ۞ **الطاعون**: الف لام عوض مضاف ہے۔ ای شان الطاعون: بغل کے نیچے نکلنے والی سیاہ دردناک پھنسی جس کے ساتھ خفقان قلب اور قے بھی ہوتی ہے۔ یہ وباء سے خاص ہے یہ جنات کے چھونے سے پیدا ہوتی ہے۔ **فی الطاعون**: وہ طاعون میں مبتلا ہو یا اس کے شہر میں پڑے۔

مثل اجر الشهيد: اگرچہ بغیر طاعون وہ مرجائے جبکہ وہ ثواب کا امیدوار تھا اور تقدیر الٰہی سے یہ سمجھتا تھا۔ اسی طرح زمانہ طاعون کے بعد مرنے والا بھی شہید کا ثواب پائے گا۔

جیسا کہ ظاہر حدیث سے یہ مفہوم ہوتا ہے کیونکہ مؤمن کی نیت اس کے عمل سے زیادہ کامل ہے اور جو ان صفات والا نہ ہو اگرچہ وہ طاعون سے مرجائے وہ شہید نہیں ہے۔

② طاعون پر صبر کرنے والا فتنہ قبر سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ یہ مرابط فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور اس کے متعلق مسلم میں واضح روایت ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (٢٥٢٦٧ / ٩) والبخاري (٥٧٣٤)

الفرائد: جب انسان کسی زمین میں ہو جہاں طاعون نہ ہو تو وہاں نہ جائے اگر وہاں ہو تو وہاں سے نہ نکلے۔ اس کو فرار فائدہ نہ دے گا۔ طاعون والے کو شہید کے مثل اجر ملنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کو نہایت قیمتی سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ طاعون سے ڈر کر بھاگ جانا چاہتا ہے مگر جب وہ باقی رہا اور اجر کا امیدوار بنا اور یہ بات یقین سے معلوم کر لی کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے وہ اسے ملے گا تو اللہ تعالیٰ نے انعام کے طور پر اسے شہید جیسا بدلہ دے دیا۔ (الشرح)

۳۴ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ: اِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِيْ بِحَبِيْبَتَيْهِ فَصَبَرَ عَوَّضْتُهٗ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ 'يُرِيْدُ عَيْنَيْهِ' رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۳۴: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ

جب میں اپنے بندے کواس کی دو محبوب چیزوں کے بارے میں مبتلا کر دوں اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے بدلہ میں جنت عنایت فرمائیں گے۔ مراد دو محبوب چیزوں سے اس کی دو آنکھیں ہیں۔ (بخاری)

اَللُّغٰتُ :یقول: یہ سمعت کے مفعول سے جملہ حالیہ ہے جو حکایت حال ماضی کے لئے لایا گیا ہے۔

عزوجل: اے عز شانہ و جلّ برھانہٗ: یہ قریب المعنی ہے۔

ابتلیت عبدی: مبتلیٰ جیسا معاملہ کرتا ہوں کیونکہ ابتلاء تو وہ کرتا ہے جو عواقب سے ناواقف ہو اور اللہ تعالیٰ تو بکل شئی علیم ہے۔ ابتلاء خیر وشر دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

عوضته: اس کے بدلے فائزین کے ساتھ جنت یا خاص مقامات جیسا اس آیت میں: ﴿ارضیتم بالحیاۃ الدنیا من الاخرۃ......﴾

جبیبتیه: آنکھیں مراد ہیں جو کہ انسانی اعضاء میں محبوب ترین ہیں۔

وجه: جنت بدلے میں ملنے کی وجہ یہ ہے کہ نابینا دنیا میں قیدی کی طرح ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (۲۳ ۱۴۰ / ۴) والبخاری (۲۶۵۳) والترمذی (۲۴۰۸) والبیهقی (۳ / ۳۷۵)

الفرائد : نابینا جب صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بدلے میں جنت دیں گے کیونکہ آنکھ انسان کی محبوب چیز ہے جب وہ اللہ تعالیٰ نے لے لی اور انسان نے صبر کیا اور ثواب کی امید رکھی تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کے بدلے میں جنت دی اور جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے اور نابینا آدمی کی حس وادراک دوسروں کی نسبت بہت تیز ہوتی ہے یہ پہلا انعام ہے۔ (الشرح)

---

۳۵ :وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رِبَاحٍ قَالَ :قَالَ لِی ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَلاَّ اُرِیْكَ امْرَاَةً مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ فَقُلْتُ :بَلٰی قَالَ :هٰذِهِ الْمَرْاَةُ السَّوْدَآءُ اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ :اِنِّی اُصْرَعُ وَاِنِّیْ اَتَکَشَّفُ فَادْعُ اللّٰهَ تَعَالٰی لِیْ قَالَ :اِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ ، وَاِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰهَ تَعَالٰی اَنْ یُّعَافِیَكِ" فَقَالَتْ :اَصْبِرُ. فَقَالَتْ :اِنِّیْ اَتَکَشَّفُ ، فَادْعُ اللّٰهَ اَلَّا اَتَکَشَّفَ فَدَعَا لَهَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۳۵:حضرت عطاء بن ابی رباحؒ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک جنتی عورت دکھاؤں؟ میں نے عرض کی جی ہاں؟ انہوں نے فرمایا یہ کالی کلوٹی عورت آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی حضرت! مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے جس سے میرا جسم برہنہ ہو جاتا ہے۔ آپؐ دعا فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تو چاہے تو اس تکلیف پر صبر کر تو تیرے لئے جنت ہے اور اگر تو چاہتی ہے تو میں اللہ سے دعا کر دیتا ہوں کہ اللہ تمہیں اس سے عافیت عنایت فرمائیں۔ اس نے عرض کی میں صبر کروں گی۔ پھر اس نے عرض کیا میں برہنہ ہو جاتی ہوں۔ آپؐ دعا فرمائیں کہ برہنہ نہ ہوں۔ آپؐ نے دعا فرما دی۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ عطا بن ابی رباح کا نام ابو محمد القرشی ہے۔ عطاء نے حضرت عائشہ صدیقہؓ ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایات لی

ہیں۔ ان سے اوزاعی، ابن جریج، ابوحنیفہ اور لیث نے روایات لی ہیں اور اصحاب ستہ نے ان کی روایات نقل کی ہیں۔ ۸۰ سال عمر پائی، ۱۱۵ یا ۱۱۴ میں وفات پائی۔

الا: ادات عرض سے ہے۔ اریك امرأة: روایت بصری مراد ہے۔ اسی سے مفعول لائے۔ المرء ة السوداء: اس کا نام سعیرہ اور کنیت ام زُفر۔ فقالت: بلاکم وکاست اپنی بیماری بتلانے لگی تا کہ بیماری کے لئے آپ سے دعا کروائے۔ انکشف: یعنی مرگی سے میرا بعض بدن کھل جاتا ہے۔ فادع اللّٰه لی: اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں تا کہ ستر کھل جانے والی مرگی مجھ سے دور ہو جائے۔

النحو: ان شئتِ صبرتِ: صبرتِ اِن شئتِ کا مفعول ہے۔ اس مرض پر صبر کا ثواب ہے یا صبرتِ جواب شرط ہو اور شاء کا مفعول محذوف ہو۔ ای ان شئت جزیل الاجر صبرتِ یہی اعراب اِن شئت دعوت اللّٰه تعالیٰ ان یعافیك میں ہیں۔

فقالت: اس نے کثرت ثواب کیلئے صبر و آزمائش کو قبول کرتے ہوئے کہا: اصبر: میں مرگی میں صبر کروں گی کہ یہ نفس کا حق ہے اور ستر کھل جانے میں اللہ تعالیٰ کا حق ضائع ہوتا ہے اسکے ازالہ کے لئے دعا فرما دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرما دی۔

فائدہ: احادیث باب سے یہ بات محسوس ہوتی ہے کہ مصیبت پر بغیر اجر و ثواب کی امید کے اجر نہیں ملتا۔ مزید تفصیل کے لئے شرح الاذکار ملاحظہ کریں۔

تخریج: أخرجه البخاری (٥٦٥٢) و مسلم (٢٥٧٦)

الفرائد: اہل جنت کی قسمیں: ① وہ مؤمن جن کے اوصاف جمیلہ کو دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ یہ جنتی ہے۔ ② جن کے متعلق رسول اللہ نے جنتی ہونے کی خبر دی وہ ایسے جنتی ہیں جن کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ یہ عورت بھی انہی میں سے تھی۔

صرع کی دو قسمیں ہیں: ① مرض کی وجہ سے ② مس شیاطین سے۔ یہ قسم خود قرآن وسنت سے ثابت ہے جیسا ارشاد الٰہی ہے: ﴿الذین یأکلون الربا لا یقومول الاکما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس﴾ احادیث مسند احمد کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سفر میں ایک عورت مصروعہ بچہ لائی آپ کے مخاطب کرنے سے وہ جن نکل گیا۔ بچے کی والدہ نے خوش ہو کر آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا۔ اس صرع کا علاج آیت الکرسی اور معوذات سے کیا جائے۔ (الشرح)

٣٦ : وَعَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یَحْكِیْ نَبِیًّا مِنَ الْاَنْبِیَآءِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَیْهِمْ ضَرَبَهُ قَوْمُهُ فَاَدْمَوْهُ وَهُوَ یَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ وَهُوَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۳۶: حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ بیان کرتے سامنے دیکھ رہا ہوں کہ جس کو اُن کی قوم نے مار کر لہولہان کر دیا اور وہ اپنے چہرے سے خون کو صاف کر کے یوں فرما رہے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ''اے اللہ میری

قوم کو بخش دے وہ نہیں جانتے''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ عبداللہ بن مسعود بن غافل الہذلی: انہوں نے زمانہ جاہلیت میں عبدالحارث بن زہرہ کے حلیف تھے۔ یہ چھٹے قدیم الاسلام تھے۔ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چراتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے پاس سے گزر ہوا۔ معجزہ دیکھ کر اسلام لائے۔ پھر حبشہ پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی تمام غزوات میں شرکت کی دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قریب کرتے ان سے محبت کرتے تھے۔ یہ صحابہ میں صاحب سر رسول اللہ کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کی مسواک، جوتا مبارک اور پانی کا لوٹا سفر میں انہی کے پاس ہوتا۔ ان کے متعلق نبوت کے ہونٹوں سے اس طرح بشارت نکلی۔

رضیت لامتی ما رضی لها ابن ام عبد وسخطت لها ما سخط لها ابن ام عبد: یہ طرز و انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔ خلافت فاروقیؓ میں کوفہ کے قاضی رہے۔ خلافت عثمانی کے ابتدائی دور میں بھی۔ پھر مدینہ لوٹ آئے اور وہیں ۳۲ھ میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۰ سے زائد تھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان پر رات ہی کو نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں دفن ہوئے۔ آپ نے ان کو جنازے کی وصیت کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان بھائی چارہ کرادیا تھا۔ مرویات ۸۴۸ ہیں۔ بخاری و مسلم نے ۶۴ کی تخریج کی۔ ۲۱ میں بخاری منفرد اور ۳۵ میں مسلم منفرد ہیں۔

کانی انظر: سے کمال استحضار کی طرف اشارہ ہے۔ بقول مجاہد یہ رسول نوح علیہ السلام ہیں۔ مگر حافظ ابن حجر نے بنی اسرائیل کا کوئی پیغمبر قرار دیا ہے۔ **یحکی**: جملہ حالیہ ہے جو ماضی کی مضارع سے تعبیر کر رہا ہے۔ **ضربه قومه فأدموه**: ① محکی کا بیان ہے۔ ② یہ بیان حکایت ہے۔ پس فعل کی حکایت ہوئی۔ **ای الی بفعل مثل فعل ذلك النبی المحکی فعله**: یعنی قوم نے ایسا فعل کیا جو اس پیغمبر کے ساتھ کیا گیا جو اس واقعہ کو بیان کر رہے ہیں۔
ھو وہ پیغمبر جن کے متعلق بیان ہوا یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللهم اغفر لقومی فانهم لا یعلمون: اس جملے میں کئی حکمتیں ہیں: ① آپ خون پونچھ رہے تھے تاکہ زمین پر گرنے کی وجہ سے قوم پر عذاب نہ ٹوٹ پڑے۔ ② آپ صلی اللہ علیہ وسلم قوم کی جہالت کا جواب دعا غفران ذنب سے دیا۔ ③ ان کے برے سلوک کا سبب ان کی جہالت بتلائی۔

لطیفہ ☆: ایک شیخ صالح کو کسی فوجی نے کوڑا مارا وہ ان کو نہ جانتا تھا۔ معلوم ہونے پر معذرت کے لئے آیا تو آپ نے فرمایا تیرا یہ کوڑا میرے جنت کے داخلے کا سبب بنا تو میں نے کہا کہ تو بھی اس کی وجہ سے عذاب میں نہ پڑے اس فوجی نے فوراً اپنی حماقت سے توبہ کی۔

تخریج: أخرجه احمد (۱ / ۳۶۱۱) والبخاری (۳۴۷۷) وغیرہ و مسلم (۱۷۹۲) و ابن ماجه (۴۰۲۵) و أبو یعلی (۵۰۷۲) وغیرہ و ابن حبان (۶۵۷۶)

الفرائد: ① انسان ضرب پر غضبناک ہو کر انتقام پر اتر آتا ہے اور یہ داعی مغفرت کی دعا کر رہا ہے۔ اس میں دین پر آنے والی ایذاء پر صبر کا شاندار نمونہ ہے۔ صدیق اکبر ایک شعر بھی اس کی تمثیل بیان کر رہے ہیں:

هل انت الا اصبع دميت ☆ وفی سبيل الله ما لقيت

کانی انظر: یہ ضبط کا شاندار اسلوب ہے جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قائم فرمایا۔ (الشرح)

ایذاء فی سبیل : پرصبر سے درجات میں بلندی اور دعوت میں نقص کی تکمیل ہوتی ہے۔

۳۷ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا یُصِیبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَّلَا هَمٍّ وَّلَا حَزَنٍ وَّلَا اَذًی وَّلَا غَمٍّ، حَتّٰی الشَّوْکَةُ یُشَاکُهَا اِلَّا کَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَایَاهُ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

وَ "الْوَصَبُ" :الْمَرَضُ۔

۳۷: حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کو جوبھی تھکاوٹ، بیماری، غم، رنج، دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ وہ کانٹا بھی جو اس کو چبھتا ہے۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی غلطیاں معاف فرماتے ہیں۔ (متفق علیہ)

اَلْوَصَبُ :بیماری

تشریح ۞ ما یصیب المسلم: مسلمان کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کا ثواب ایمان پر ہی ملے گا۔

نَصَب: تھکاوٹ۔ وَصَبٌ: دائمی درد۔ شدید مرض۔ دکھ تقدیر پر ناراضگی تک لے جاتے ہیں۔ مترادف الفاظ لا کر اس خطرناک موڑ سے بچانا مقصود ہے تاکہ کثرت ثواب اس کا سبب بن جائے۔

ولا هم ولا حزن: ان میں فرق یہ ہے کہ هم: مستقبل کا غم اور حزن: ماضی پر غم کو کہا جاتا ہے۔ اذی: جو چیز نفس کو نہ بھائے۔

غم: وہ حزن جو ڈھانپ لے۔

اَلنَّحْو : حتی: ابتدائیہ یا عاطفہ یا الی کے معنی میں ہے۔

یشا کھا : یہ خبر یا حال ہے اور ضمیر بارز مفعول ثانی ہے۔

الا کفر اللّٰہ: احوال مقدرہ سے استثناء ہے۔

من خطایاہ: یہ من تبعیضیہ ہے کیونکہ بعض گناہ بغیر توبہ معاف نہیں ہوتے۔

فَائِدَہ : انسان کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ دو نقصان اپنے حق میں جمع نہ کرے: ① ایذاء ② تفویت ثواب بلکہ مرفوع روایت میں وارد ہے: "المصاب من حرم الثواب"۔

تخریج: أخرجه احمد (۸۴۳۲ / ۳) والبخاری (۵۶۴۱) وغیرہ و مسلم (۲۵۷۳) والترمذی (۹۶۶) و ابن حبان (۲۹۰۵) والبیهقی (۳ / ۳۷۳)

الفرائد : دنیا میں انسان ہمیشہ سرور و خوشحالی کی حالت میں نہیں رہ سکتا بلکہ دکھ و مصائب کا نشانہ بننا پڑے گا۔ کبھی ادھر سے تکلیف کبھی اُدھر سے کبھی بدن کی تکلیف، کبھی قلبی تکلیف، کبھی اہل و عیال کی تو کبھی دوست واحباب کی لیکن مؤمن اگر صبر و شکر سے کام لے تو ہر حالت خیر والی ہے۔ تکالیف سے گناہ گرتے ہیں۔ صبر و احتساب ہو تو اجر بھی ملتا ہے۔ (الشرح)

۳۸ : وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ وَهُوَ یُوْعَكُ فَقُلْتُ : یَا

رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ تُوْعَكُ وَعْكًا شَدِيْدًا قَالَ اَجَلْ اِنِّیْ اُوْعَكُ كَمَا يُوْعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ" قُلْتُ: ذٰلِكَ اَنَّ لَكَ اَجْرَيْنِ؟ قَالَ اَجَلْ ذٰلِكَ كَذٰلِكَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهٗ اَذًى شَوْكَةٌ فَمَا فَوْقَهَا اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا سَيِّئَاتِهٖ، وَحُطَّتْ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

وَ "الْوَعْكُ" :مَغْثُ الْحُمّٰى، وَقِيْلَ :الْحُمّٰى۔

۳۸: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کو بخار تھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو سخت بخار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! مجھے اتنا بخار ہوتا ہے جتنا تم میں سے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا یہ اس لئے کہ آپ ﷺ کو اجر بھی دو ملتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں۔ یہ اسی طرح ہے جس مسلمان کو کوئی کانٹا یا اس سے بڑھ کر کوئی تکلیف پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے اس کا گناہ مٹاتے ہیں اور اس کے گناہ اس سے اس طرح گرتے ہیں جس طرح درخت اپنے پتے گراتا ہے۔ (متفق علیہ)

اَلْوَعْكُ :بخار کی تکلیف یا بخار۔

تشریح ۞ **توعك**: بخار آنا۔

النحو: اجل: یہ بھی نعم کی طرح ہے مگر بقول اخفش یہ تصدیق کے لئے نعم سے زیادہ خوبصورت ہے اور استفہام میں نعم اور اس سے بہتر ہے۔

کما یوعك الرجلان منکم: ① اس میں احتمال ہے کہ ان کا بخار ان کے بخار سے زیادہ درجہ کی بلندی کو بڑھانے والا ہے جیسا کہ ان کے مرتبہ کا تقاضا ہے جیسا فرمایا: **اشدکم بلاء الانبیاء** ورنہ تو آپ ﷺ کا بخار دو کے بخار جیسا نہیں۔ **ذلك**: سے دوگنا اجر۔ **کذلك**: دوگناہ مرض کی طرح ہے۔

مگر بیہقی کی روایت مقدار بخار میں اضافہ کو ظاہر کر رہی ہے۔ **فوجدت حرارة الحمٰی فوق القطیفة۔ مغث الحمّی**: بخار کی حرارت۔ یہ حدیث بھی دلیل ہے کہ مصائب پر اجر کے لئے امید ثواب اور صبر ضروری ہے۔ فتدبر۔

تخریج: أخرجه احمد (۳٦۱۸ /۲) والبخاری (٥٦٤٧) وغیره و مسلم (۲٥۷۱) والدارمی (۲/۳۱٦) و ابن حبان (۲۹۳۷) والبیهقی (۳ / ۳۷۲) والبغوی فی المرقاة (۱٤۳۱) وغیره۔

الفرائد: مصائب وآلام کی دو قسمیں ہیں: ① اگر اجر کی امید کرے اور صبر کرے تو اجر عظیم بھی ملتا ہے اور گناہ بھی مٹائے جاتے ہیں۔ ② اگر اجر کی امید نہ ہو اور صبر بھی نہ کرے تو سیئات مٹائی جاتی ہیں البتہ اجر سے محرومی رہتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ کانٹا چبھنے پر بھی ثواب کا امیدوار رہے۔ واللہ اعلم۔ (الشرح)

۳۹ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ خَيْرًا يُصِبْ مِنْهُ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

وَضَبَطُوْا "يُصِبْ" :بِفَتْحِ الصَّادِ وَكَسْرِهَا۔

۳۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو تکلیف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ (بخاری)

لفظ دونوں طرح ہے: يُصَبْ۔

تشریح ❁ **يُصَبْ منه**: بدن یا مال یا محبوب کو تکلیف پہنچے۔ ارشاد نبوت ہے: **المؤمن لا يخلو من عِلّةٍ او قِلّة او ذِلّةٍ**: اس میں وقتی خیر تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور انجام کے لحاظ سے خیر ہے کہ گناہ مٹائے جاتے اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

تخریج: اخرجه مالك (١٧٥٢) وأحمد (٣/ ٧٢٣٩) والبخاری (٥٦٤٥) والقضاعی فی الشهاب (٣٤٤) وابن حبان (٢٩٠٧) والبغوی فی المرقاة (١٤٢٠)

الفرائد: ① اس روایت میں مؤمن کو بڑی بشارت دی گئی ہے کہ اس کی ہر تکلیف باعث اجر ہے۔ ② امراض او جاع' آرام بدنیہ ہوں یا قلبیہ اس سے مسلمان کے گناہ معاف ہوتے ہیں یا بلندیٔ درجات کا باعث بنتا ہے۔

❁ ❁ ❁

۴۰: وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ اَصَابَهُ فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ ' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۴۰: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے اگر اسے کرنا ہی ہو تو یوں کہے: اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ اے اللہ مجھے زندہ رکھ جب تک زندگی میں میرے لئے خیر ہے اور مجھے موت دے جب موت میں میرے لئے بہتری ہو۔ (متفق علیہ)

تشریح ❁ **لا يتمنين**: یہ تعبیر ظاہر کرتی ہے کہ حصول موت محال ہے۔ آگے بڑھنے والی ہمتیں موت کی دیواروں کو پھاند نہیں سکتیں' تمنا موت مکروہ تنزیہی ہے۔

لضر اصابه: ضرنفع کا عکس ہے۔ یہ تکلیف خواہ اپنی ذات میں پہنچے یا مال میں یا اس کو جو اس کے ماتحت ہو وغیرہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ قضاء پر راضی نہ ہو اور جزع فزع کر رہا ہو۔ البتہ رب العالمین کی ملاقات میں شوق سے تمنا کرنے والا یا شہادت فی سبیل اللہ یا حرمین میں دفن کی تمنا کرنے والا یا دین میں فتنہ کے خطرہ والا کرے تو وہ ممانعت میں شامل نہیں اور جن لوگوں سے موت کی تمنا وارد ہوئی ہے وہ اسی پر محمول کریں گے۔ **فان کان**: اگر دکھوں کی وجہ سے۔ **لابد**: لامحالہ کرنا پڑے۔ **فاعلا**: ان دنیوی تکالیف کی بناء پر جو وہ برداشت کر رہا ہے (اگر اس نے موت کی تمنا کرنی ہے) اگر ان کی حقیقت کھول دی جائے تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھے اور اگر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اپنی قوت واختیار سے نکلنے کے علاوہ کچھ بھی نہ ہو تو یہی کافی ہے اور یہاں تو اس سے خطائیں بھی معاف ہو رہی ہیں اور درجات کی بلندی بھی مل رہی ہے۔

اللهم: یہ یا اللہ ہے میم حرف نداء کے عوض لائے۔ **خیر الی**: کہ میں اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں کی توفیق پالوں اور ذلت وغفلت

اور بھول چوک سے محفوظ رہوں۔

مسلکِ صوفیاء: اس حدیث طُوبٰی لِمَنْ طَالَ عُمرُہ و حَسُنَ عملُہٗ کو سامنے رکھ کر طویل عمر کی دعا کرنا' توبہ' حسن عمل' حصول امید حاصل کرنے کے لئے افضل ہے یا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شوق اور حصول لقاء کے لئے موت کی تمنا کرنا جبکہ یہ روایت بھی وارد ہے: من احب لقاء اللّٰہ حب اللّٰہ لقاءہٗ: افضل ہے' اور یہ خطرہ منڈلا رہا ہے کہ مشقتوں میں مبتلا ہو کر فتنے میں نہ پڑ جائے۔ قول مختار یہ ہے کہ تفویض وتسلیم ہی مختار ہے جیسا کہ روایت میں وارد ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (۱۲۰۱۵ / ٤) والبخاری (۵٦۷۱) وغیرہ و مسلم (۲٦۸۰) والنسائی (۱۸۱۸) والقضاعی فی مسند الشهاب (۱۹۳۷) و ابن حبان (۲۹٦٦) والبیهقی (۳ / ۳۷۷) والبغوی فی المرقاۃ (۱٤٤٤)

الفوائد: ① جب کوئی ضرر وتکلیف آئے تو تمنائے موت کی بجائے اس طرح کہے: ''اللّٰهم اَعِنّی علی الصبر'' موت نہ مانگے بسا اوقات موت اس کے لئے بولی ہوتی ہے۔ ② موت کی تمنا کرنا تقدیر سے انسان کی اکتاہٹ کو ظاہر کرتا ہے جبکہ مؤمن کو تقدیر پر پختہ بھروسہ کرنا چاہئے بسا اوقات موت مانگنے سے توبہ سے محرومی ہو جاتی ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ کسی تکلیف پہنچنے پر موت کی تمنا نہ کرے بلکہ اس پر ثواب کا امیدوار رہے اور صبر کرے تو اس کی سیئات مٹا دی جائیں گی۔ مؤمن کی تو ہر دو حالتیں خیر ہیں خواہ خوشحالی ہو یا تنگدستی۔ ③ جب موت کی تمنا دکھوں کی وجہ سے ممنوع ہے تو اپنے آپ کو قتل کرنے والا اس کی سزا کیوں نہ ہوں گی۔ جس آلہ سے اس سے اپنے آپ کو قتل کیا اسی مثل سے دوزخ میں سزا پائے گا۔ اعاذ اللہ منہ۔ (الشرح)

❖ ❖ ❖

۴۱: وعَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: شَكَوْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَّهٗ فِیْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْنَا اَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا اَلَا تَدْعُوْ لَنَا؟ فَقَالَ قَدْ كَانَ مِنْ قَبْلِكُمْ یُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَیُحْفَرُ لَهٗ فِی الْاَرْضِ فَیُجْعَلُ فِیْهَا ثُمَّ یُؤْتٰی بِالْمِنْشَارِ فَیُوْضَعُ عَلٰی رَأْسِهٖ فَیُجْعَلُ نِصْفَیْنِ، وَیُمْشَطُ بِاَمْشَاطِ الْحَدِیْدِ مَا دُوْنَ لَحْمِهٖ وَعَظْمِهٖ مَا یَصُدُّهٗ ذٰلِكَ عَنْ دِیْنِهٖ، وَاللّٰهِ لَیُتِمَّنَّ اللّٰهُ هٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰی یَسِیْرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَآءَ اِلٰی حَضْرَ مَوْتَ لَا یَخَافُ اِلَّا اللّٰهَ وَالذِّئْبَ عَلٰی غَنَمِهٖ، وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ: وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً وَقَدْ لَقِیْنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ شِدَّةً۔

۴۱: حضرت ابو عبد اللہ خباب بن اَرت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی جبکہ آپ ﷺ بیت اللہ کے سایہ میں ایک چادر کا تکیہ بنا کے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کیا! آپ ﷺ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیوں نہیں فرماتے۔ ہمارے لئے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم سے پہلے لوگوں کو زمین میں گڑھا کھود کر اس میں گاڑ دیا جاتا۔ پھر آرا لے کر اُس کے سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا اور لوہے کی کنگھیوں سے اس کے گوشت اور ہڈیوں کے اُوپر والے حصّے کو چھیدا جاتا مگر یہ تمام تکالیف اس کو دین سے نہ روک سکتیں۔ قسم بخدا! اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور غالب فرمائے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت

تک اکیلا سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا اور نہ بھیڑئے کا ڈر ہوگا اپنی بکریوں پر۔ لیکن اے میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) تم جلدی سے کام لیتے ہو۔ ایک روایت میں مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً الخ' کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چادر سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور ہمیں مشرکین کی طرف سے (ان دنوں) تکالیف پہنچ رہی تھیں۔ (بخاری)

تشریح ✿ حضرت خباب کی کنیت ابوعبداللہ' ابومحمد ابو یحییٰ بتلائی گئی ہے۔ یہ جناۃ بن تمیم کی اولاد سے ہیں' نسباً تمیمی' ولاءً خزاعی' بنوزہرہ کے حلیف ہیں کیونکہ ان کی مالکہ ام انمار بنت سباع خزاعیہ' بنوزہرہ کے عوف بن عبداللہ بن عوف کی حلیف تھی۔ یہ سابقین فی الاسلام ہیں۔ یہ چھٹے اسلام لانے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر ان کو بڑی تکالیف آئیں۔ بقول مجاہد جنہوں نے سب سے پہلے اپنا اسلام ظاہر کیا یہ ان میں سے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم' ابوبکر' خباب' صہیب' بلال' عمار' ام عمار۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حفاظتی آڑ ابوطالب اور ابوبکر کے لئے بنوتمیم ہے مگر بقیہ کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں ڈال کر تکلیف پہنچائی گئی۔

امام شعبیؒ کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پہنچنے والی تکالیف دریافت کیں تو کہنے لگے امیرالمؤمنین بس میری پشت کو دیکھ لیں ''عیاں راچہ بیان'' عمر کہنے لگے آج تک میں نے ایسی پشت نہیں دیکھی۔ خباب کہنے لگے آگ کے دھکتے کوئلوں پر مجھے لٹادیا جاتا کوئلے میری چربی سے بجھتے۔ تمام غزوات میں شریک رہے۔ ہجرت کے بعد تمیم مولیٰ حراش بن صمہ سے بھائی چارہ کرادیا گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جبیر بن عتیک اور ان کا بھائی چارا ہوا۔ یہ سخت بیمار ہوئے۔ ان کو سات داغ دیئے گئے۔ کہنے لگے اگر موت کی تمنا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ کیا ہوتا تو میں ضرور دعا کرتا۔ یہ کوفہ میں مقیم ہوئے وہیں ۳۷ھ میں وفات پائی۔ صحابہؓ میں یہ پہلے شخص ہیں جن کو کوفہ کے بالائی جانب دفن کیا گیا۔ مرویات ۳۲ ہیں تین متفق علیہ ہیں۔ دو میں بخاری منفرد اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ تمام اصحاب سنن نے ان سے روایات لی ہیں۔

جب ان کی موت کا اعلان ہوا تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خبابؓ پر رحمت کرے' رغبت سے اسلام لائے' اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانتے ہوئے ہجرت کی۔ زندگی جہاد میں صرف کردی۔ جسمانی بیماری میں مبتلا ہوئے' جو ایسے خوب عمل کرنے والا ہو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو ضائع نہیں فرماتے۔

شکونا الی رسول اللّٰہ: سے کفار و مشرکین کی طرف سے پہنچنے والی ایذائیں مراد ہیں۔ جیسا دوسری روایات میں ہے۔

متوسد بردة له: چادر کو سر مبارک کے نیچے رکھنے والے تھے۔

النَّحْو : بردة جمع البُرد: جمع ابراد' ابرد۔ یہ رسول اللہ سے حال ہے **بعد فی ظل الکعبة:** یہ متوسد کی ضمیر سے حال ہے۔ **مثلنا:** یہ بیان شکوہ ہے۔ **الا تدعوالنا:** وہ ہم سے ہاتھ روک لیں اور دکھ نہ دیں اور اللہ تعالیٰ ہماری نصرت فرمائے۔

یوخذ الرجل: ان میں سے ایمان والے کو ایمان سے ہٹانے کے لئے پکڑ کر سزا دی جاتی مگر وہ نہ لوٹتا۔

فیحضر له فی الارض: ① دوسرا ظرف حال یا ② یحضر کا صلہ ہے' ③ مبنی للفاعل ہوسکتا ہے۔ **یمشط بامشاط:** کنگھی سے چھیدا جاتا۔ یعنی سزا دی جاتی۔ **ما دون لحمه و عظمه:** گوشت اور ہڈیوں کے علاوہ تاکہ زیادہ تکلیف کی وجہ سے وہ ایمان سے پھر جاتے۔ **ما یصده:** نہ روکتی یا پھیرتی۔

ذلک: اس کا مشارالیہ عذاب کی مختلف اقسام ہیں۔ اشارہ بعید اس لئے استعمال کیا کہ مشارالیہ معبید کی طرح دوزمانوں کی

مستعمل نہیں۔ **عن دینه**: اپنے دین سے یعنی اس پر ثابت قدمی سے۔ اس میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو دین پر کر کے تکالیف برداشت کرتے ہیں اور اکراہ کی صورت میں زبان پر کلمہ کفر نہیں لاتے خواہ ایسے وقت میں جواز ہو۔ **واللہ**: جس کے لئے کی ضرورت ہو وہاں یہ کلمہ حلف لایا جاتا ہے۔

هذا الامر: یہ نصب کی صورت یتم کی مفعول اور رفع کی صورت میں فاعل ہے۔ یہ معاملہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

الراكب: اس سے مراد جنس سوار ہے یا یہ مفہوم ہو کہ جب ایک سوار کا یہ حال ہوگا تو زیادہ خود سمجھ لئے جائیں۔ **صنعاء**: یہ یمن کا شہر ہے یا شام کا۔ **الی حضر موت**: یہ یمن کے قریب ہے اس لئے صنعاء یمن مراد ہونا بہتر ہے۔

لا يخاف احداً: یہ یسیر کے فاعل سے جملہ حالیہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام کی وجہ سے امن چمن ہوگا اور مسافر کو بھی دین سے پچلانے کی کسی کو جرأت نہ ہوگی اور اسباب عادیہ میں بھی اس قدر اطمینان ہوگا کہ بھیڑیئے کا بکریوں چور کا اپنے سامان کے متعلق کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ اسلام تو تمام ادیان پر غالب ہو کر رہے گا مگر **تستعجلون**: تم جلدی چاہتے ہو اور ہر چیز کا علم الٰہی میں ایک وقت ہے اس سے پہلے نہیں ہو سکتی اور اس سے مؤخر بھی نہ ہوگی اور یہ اسی طرح واقع ہوا جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ یہ علامات نبوت میں سے ہے۔

ایک استدراک ☆: یہ روایت اس واقعہ کے خلاف نہیں کہ خباب بن ارتؓ کی مالکہ کو خباب رضی اللہ عنہ نے یہ بات بتلائی تو وہ گرم لوہے سے ان کے سر کو داغ دینے لگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اے اللہ خباب کی مدد فرمایا۔ چنانچہ ام انمار کے سر میں درد چل پڑا اور وہ کتوں کی طرح بھونکتی تھی۔ اس کا علاج سر کو گرم لوہے سے داغ دینا بتلایا گیا۔ خباب رضی اللہ عنہ گرم لوہا لے کر اس کے سر کو داغتے تھے اللہ تعالیٰ نے نقد مدد فرمائی۔ متعدد واقعات متعدد احوال پر محمول ہیں۔

لقینا: سے ضعفاء مسلمان۔ **عشرةً**: اس میں تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی سخت تکلیف کفار حضرت بلالؓ کو دھوپ میں لٹا کر سینے پر پتھر رکھ دیتے اور خبابؓ کو کوئلوں پر لٹاتے۔ ام عمار سمیہ کو دو اونٹوں سے باندھ کر ہلاک کر دیا۔ یہ تکالیف ان عظیم ہستیوں پر ان کے کمال استعداد کی وجہ سے ان کے بلندی درجات کی خاطر آئی۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ سب سے زیادہ تکالیف برداشت کرنے والے انبیاء پھر جو ان کے ساتھ زیادہ مماثلت والا ہو اور مراتب کے مطابق ابتلاء وہ ان مصائب پر دل و جان سے راضی تھے۔ مگر اس معاملے میں اس قدر سنگین صورتِ حال پیدا ہوگئی کہ ان میں سے بعض کو سزا کے لئے اپنے کفار اقارب کے سپرد کر دیا گیا اور وہ اس بات پر راضی تھے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی خاطر تکالیف دی جا رہی تھیں۔ ان کی یہ شکایت ہرگز دین سے اکتاہٹ کی بناء پر نہ تھیں، بلکہ وہ اس بناء پر تھیں کہ تکالیف سے بچ کر عبادت کے لئے اپنے آپ کو خوب فارغ کر سکتے ہیں اور کمال سعادت کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: انتہائی ادب کا تقاضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد اور رضا بالقضاء پر صبر کیا جائے۔

بس اصل راحت محبّ کے لئے اسی میں ہے کہ محبوب کے فیصلوں میں راحت محسوس کر لے۔

تخریج: أخرجه احمد (۷ / ۲۱۱۳۰) والبخاری (۳۶۱۲) و ابو داود (۲۶۴۹) والنسائی (۵۳۳۵) وابن حبان (۲۸۹۷) والطبرانی (۴ / ۳۶۳۸) والبیهقی (۶/۵)

الفرائد: ① یہ روایت اعلام نبوت میں سے ہے۔ جس طرح آپ ﷺ نے خبر دی اسی طرح واقعہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دین

حق کو غلبہ دے کر ہر طرف امن کی فضائیں بنا دیں۔ ② کفار کی طرف سے آنے والی ایذاؤں پر صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ سے کشادگی کا انتظار کرنا چاہئے۔ جلد جوش میں آ کر ایسے افعال نہ کر ڈالے جس سے امت مسلمہ کو نقصان پہنچے۔ بلکہ بڑے منظم طریق کار سے چلا جائے تاکہ منافقین و کفار کو بھڑکا کر اپنے مقاصد حاصل کرنے کا موقعہ نہ ملے۔ ③ برائی سے خاموشی اختیار نہ کرنی چاہئے بلکہ انتظام اور حسن تصرف سے چلنا چاہئے۔ تدابیر سے کفار کی راہوں کو بند کرنا چاہئے۔ واللہ خیر الماکرین۔ (الشرح)

۴۲: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ حُنَيْنٍ آثَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَاسًا فِي الْقِسْمَةِ: فَاَعْطَى الْاَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ مِّائَةً مِّنَ الْإِبِلِ، وَاَعْطَى عُيَيْنَةَ بْنَ حِصْنٍ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَاَعْطَى نَاسًا مِّنْ اَشْرَافِ الْعَرَبِ وَآثَرَهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْقِسْمَةِ۔ فَقَالَ رَجُلٌ: وَاللّٰهِ اِنَّ هٰذِهِ قِسْمَةٌ مَا عُدِلَ فِيْهَا وَمَا أُرِيْدَ فِيْهَا وَجْهُ اللّٰهِ فَقُلْتُ: وَاللّٰهِ لَأُخْبِرَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَأَتَيْتُهُ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَ، فَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ حَتّٰى كَانَ كَالصِّرْفِ۔ ثُمَّ قَالَ: فَمَنْ يَّعْدِلُ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ؟ ثُمَّ قَالَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰى قَدْ اُوْذِيَ بِاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ۔ فَقُلْتُ: لَا جَرَمَ لَا أَرْفَعُ اِلَيْهِ بَعْدَهَا حَدِيْثًا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَقَوْلُهُ "كَالصِّرْفِ" هُوَ بِكَسْرِ الصَّادِ الْمُهْمَلَةِ: وَهُوَ صِبْغٌ اَحْمَرُ۔

۴۲: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حنین کا دن تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم غنائم میں کچھ لوگوں کو ترجیح دی۔ اقرع بن حابس کو سو اونٹ عنایت فرمائے۔ عیینہ بن حصن کو بھی اتنے ہی عنایت فرمائے اور عرب کے بعض دیگر سرداروں کو بھی اسی طرح دیتے اور ان کو تقسیم غنائم میں ترجیح دی۔ ایک آدمی نے کہا قسم بخدا! یہ ایسی تقسیم ہے جس میں عدل نہیں کیا گیا اور نہ اللہ کی رضامندی پیش نظر رکھی گئی ہے۔ میں نے کہا کہ میں اللہ کے رسول کو ضرور اس کی خبر دوں گا۔ چنانچہ میں نے حاضر خدمت ہو کر اس شخص کی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نقل کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک یہ سن کر متغیر ہو گیا۔ گویا کہ وہ سرخ رنگ کی طرح ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب اللہ اور اس کا رسول عدل نہ کرے تو اور کون عدل کرے گا۔ نیز فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ تکالیف پہنچائی گئیں اور انہوں نے صبر کیا۔ میں نے (دل میں کہا) کہ یقیناً میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک آئندہ کوئی بات نہ پہنچاؤں گا۔ (متفق علیہ)

كَالصِّرْفِ: سرخ

تشریح ❁ یوم حنین: غزوۂ حنین کے موقعہ پر۔ حنین: یہ عرفات کے پچھلی جانب مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ اس کے اور مکہ کے درمیان چودہ پندرہ میل کا فاصلہ ہے۔ فتح مکہ کے بعد ۸ھ شوال میں غزوۂ حنین پیش آیا۔ ناسًا: سے مراد طلقاء' مؤلفۃ القلوب اور رؤساء عرب ہیں۔ فی القسمہ: غنائم ہوازن کی تقسیم۔

اقرع بن حابس: یہ بنوتمیم کا سردار ہے جو جاہلیت و اسلام دونوں میں باعزت تھا۔

النَّحْو: اعطی عیینه مثل ذلك: یہ اعطٰی کا دوسرا مفعول ہے یہی بہتر ہے۔

اشراف العرب: ضعیف الایمان اور طلقاء۔ أثرهم: ان کو ترجیح دی یعنی نفیس عطیات دیئے۔ یہ غنائم ان دلوں کی تالیف کے لئے دیئے اور دوسرے لوگوں کو اس اعتماد پر چھوڑ دیا کہ ان کے دلوں میں معرفت و ایمان کا نور چمکتا ہے۔ جیسا روایت میں وارد ہے ''کہ بسا اوقات بعض آدمیوں کو آگ میں گرنے سے بچانے کے لئے دیتا ہوں''۔

الناس: یہ اُناس۔ بکسر فضلاء مراد لئے جاتے ہیں ویسے ہر وہ شخص جس میں انسانیت والی خصوصیات پائی جائیں۔ (راغب)

اِن هَذِهٖ قِسْمة: یہ کہنے والا کون ہے۔ اس کا نام معتب بن قشیر تھا۔ (تحفۃ القاری)

ایک تحقیق: یہی وہ شخص ہے جس نے لو كان لتامن الامر شئی ما قتلنا هاهنا: کہا تھا۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں یہ ذوالخویصرہ تھا۔ اگر یہ درست ہو تو پھر مِنَ الْاَنْصَارِ کا مطلب حلف و ولاء ہے۔ اس آدمی کی اتنی بڑی گستاخی کے باوجود اس کو اس لئے قتل نہ کیا یہ ظاہراً کلمہ گو تھا۔ اس کے قتل سے ناواقف مسلمانوں میں منافرت پھیلے گی۔

قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ اس قسم کے لوگ مسلمانوں کی جماعت میں بھی پائی جاتے اور یہ دشمن ہی کی قسم سے ہیں۔

لا خبرن: تاکہ آپ محتاط ہو جائیں اور اس کی باطنی کیفیت بھی ظاہر ہو جائے۔ یہ غیبت میں داخل نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اخلاص کا تقاضا ہے۔

فاخبرته: وہ بات بتلائی جو اس آدمی کے بے بصیرت ہونے پر دلالت کرتی تھی۔ اگر اس کے دل میں ذرا سی روشنی ہوتی تو بھلائیوں سے چمک اٹھتا۔ ارشادِ الٰہی اس پر فٹ آ رہا تھا: ﴿ومن لم یجعل اللّٰه له نور......﴾

فتغیر وجهه: نفس کو تکلیف کی وجہ سے جس طرح طبع انسانی پر اثر ہوتا اور آپ ﷺ تو سب سے بڑھ کر حساس تھے۔ غصہ کے آثار چہرۂ مبارک پر ظاہر ہو گئے۔

ایصرف: سرخ یا کون رنگ۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔ پھر آپ نے تردید کرتے ہوئے فرمایا: اگر میں عدل نہ کروں تو اور کون کرے گا۔ پھر آپؐ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: (اس قسم کی کمینی عادات والے لوگوں سے درگزر انبیاء علیہم السلام کا شیوہ ہے) یرحم اللّٰه موسٰی: موسیٰ علیہ السلام کی شان کا اہتمام کرتے ہوئے اس طرح فرمایا ورنہ مواقع دعا میں تو آپ اس طرح فرماتے غفر اللّٰه لنا ولفلان۔ (دمیری)

قد اوزی باکثر: انہوں نے انتہائی سرکشی کرتے ہوئے کہا ان کو آدر کی بیماری ہے (شرح تقریب للعراقی) فصبر: ان کی ایذاء کا مقابلہ حلم سے کیا اور آپ تو اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ: کے منصب پر فائز تھے۔ لا ارفع الیه بعدها حدیثاً: اس دفعہ کے بعد میں ایسی کوئی بات نہ کہوں گا جس سے آپ ﷺ کو ایسی تکلیف ہو جیسی اب پہنچی کہ غصہ کی سرخی چہرۂ مبارک پر نظر آئی۔

مگر اس کے باوجود آپؐ نے درگزر کر دی تا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔

واللّٰه اِن هذه القسمه: یہ کفریہ کلمہ اس کی زبان سے شیطان نے اسے ہلاکت میں ڈالنے کے لئے نکلوایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو عدمِ عدل کی طرف منسوب کر دیا۔ العیاذ باللہ۔ یہ بات ۸ھ میں اس وقت کہی جا رہی ہے جبکہ آپ ﷺ کی رسالت و صداقت کی آیات اظہر من الشمس ہو چکی تھیں۔ اگر ابتداءِ دعوت میں عادل تھے تو اب کیوں نہیں؟ جب یہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے متعلق کہا گیا تو آج علماء حق کو بدنام کرنے کے لئے حزب الشیاطین عداء اسلام کو گرانے کے لئے اسی قسم کی چیزیں اڑا رہے ہیں تا کہ اسلام کی عظمت عام لوگوں کی نگاہ میں گر جائے۔علماء کو ان باتوں پر صبر کرنا چاہئے۔

تخریج: أخرجه احمد (۲/۳۹۰۲) والبخاری (۳۱۵۰) و مسلم (۱۰۶۲) و ابن حبان (۲۹۱۷) مختصرًا۔

الفرائد: ① لا جرم: بقول خلیل رحمہ اللہ اس کا معنی حق ہے اور مابعد فاعلیت کی وجہ سے مرفوع ہے۔کسائی کہتے ہیں اس کا لا صد ولا منع ہے۔اب یہ لا کا اسم اور خبر محذوف ہے۔ ② اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ امام اپنی صوابدید پر عطیات دے سکتا ہے جب کہ اس میں اسلام کی خیر خواہی ہے کسی دوسرے کو اعتراض کا حق نہیں۔ ③ ایذاؤں پر صبر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے انبیاء علیہم السلام کے ہدی کو اپنانے کا حکم ملا اور امت کو آپ ﷺ کی ہدی اپنانے کی ہدایت دی گئی۔لقد کان لکم رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ۔ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ [الانعام: ۹۰] (الشرح)

۴۳ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَیْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوْبَةَ فِی الدُّنْیَا ، وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ اَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتّٰی یُوَافِیَ بِهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ وَقَالَ النَّبِیُّ : اِنَّ عِظَمَ الْجَزَآءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ ، وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ ، فَمَنْ رَضِیَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السُّخْطُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ: حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

۴۳ : حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دنیا میں بھی گناہ کی سزا جلد دے دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو گناہ کے باوجود سزا کو روک لیتے ہیں تا کہ پوری سزا قیامت کے دن دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑا بدلہ بڑی آزمائش کے ساتھ ہے۔اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند فرماتے ہیں تو ان کو ابتلاء میں ڈال دیتے ہیں جو اس ابتلاء پر راضی ہوا اس کے لئے رضا ہے اور جو ناراض ہوا اس کے لئے ناراضگی ہے۔(ترمذی)

تشریح: العقوبة فی الدنیا: گناہ کی سزا جو ذاتی تکلیف کی شکل میں آئے یا دوست کی موت یا مال وغیرہ کے گم ہونے سے ہو جب کہ وہ تقدیر سے اکتاہٹ کا اظہار کرنے والا نہ ہو تو یہ اس کی خطاء کا کفارہ بن جاتا ہے اور وہ کل قیامت کے دن گناہ کی سزا سے بچ جائے گا اور اگر وہ غلطیاں نہ رکھتا ہو تو یہ مصائب اس کے درجات کو بڑھا دیتے ہیں۔ اشد الناس بلاء الانبیاء: کا یہی مفہوم ہے۔

ابشر: آخرت کا عذاب۔بذنبہ: گناہ کے باوجود تکالیف سے بچاتے ہوئے یہ بطور استدراج کہا جاتا ہے۔حتی یوافی به یوم القیامه: قیامت کے دن گناہوں کو کندھوں پر لاد کر لائے گا اور اس کی سزا پائے گا۔کہاں دوزخ کی تکالیف اور کہاں دنیا کی اذیت۔

فائدہ: تقدیر کی طرف سے آنے والی تکلیف میں صبر کرنا مال کے لحاظ سے بہتر ہے۔صابر کامیاب ہے۔صبر نہ کرنے والا

اعلیٰ درجات اور تکفیر سیئات سے محروم رہ گیا۔

الجزاء: سے آخرت میں ملنے والا بدلہ مراد ہے۔ جس کو خلاف طبع تکالیف پہنچے تو اسے خوش ہونا چاہئے کیونکہ اس میں بڑے عطایا ملیں گے، اگر مقام رضا نہیں تو مقام صبر ضرور مل جائے گا۔ **ان الله ابتلاھم:** جس کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں تو اس سے علائق کو منقطع کر کے مصائب اتار دیتے ہیں تاکہ وہ ہر گھڑی اسے اپنے مولا کی طرف لائیں اور تاکہ اس کو شہود میسر ہو جاتا ہے جس کے برابر کوئی نعمت نہیں اور جہنم سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کی رونق کے حوالے کر دیتا تو ان میں پڑ کر وہ اپنے اللہ سے غافل ہو جاتے۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں سے نہیں اکتا تا اس کو فیض ربانی اور ثواب لافانی حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿هل جزاء الاحسان الا الاحسان﴾

السُّخطُ: انتقام، ارادہ۔ اس حدیث کے ہم معنی جابر کی وہ روایت ہے کہ عافیت وسہولت والے لوگ چاہیں گے کاش انہیں تکالیف دی گئی ہوتیں تاکہ آج بدلہ ان کی طرح ملتا۔

حدیث حسن: جس کو مناسب عادت، ضابط یا مستور الحال نے روایت کیا اور وہ کمی پوری ہو گر وہ شذوذ سے محفوظ ہو گئی۔

تخريج: أخرجه الترمذى (٢٤٠٤) و قال حسن غريب، و ابن ماجه (٤٠٣١) و فى الباب عن عبدالله بن مغفل رضى الله عنه عند الحاكم (١٢٩١ /١) و ابن حبان (٢٩١١) و أحمد (١٦٨٠٦ /٥) والبيهقى فى الصفات (ص/١٥٤) وإسناده حسن۔

الفرائد: ① تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے قبضہ اختیار میں ہیں۔ ② انسان سے خطائیں ہوتی رہتی ہیں جب اللہ تعالیٰ اس کی بہتری چاہتے ہیں تو کوئی پریشانی بھیج کر اس کی غلطیاں معاف فرماتے ہیں اگر کوئی رہ جائے تو موت کی سختی کر کے معافی کر دی جاتی ہے تاکہ دنیا سے صاف ہو کر نکلے۔ ③ استدراج والے کی حرکات کا مکمل بدلہ قیامت کے دن چکایا جائے گا۔ ④ مؤمن صابر کو مصیبت میں گھبرانا نہ چاہئے یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی پسندیدگی کی علامت ہے۔ بڑے دکھ پر بڑا اجر اور چھوٹے پر چھوٹا۔ (الشرح)

٤٤: وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ ابْنٌ لِاَبِىْ طَلْحَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَشْتَكِىْ، فَخَرَجَ اَبُوْ طَلْحَةَ فَقُبِضَ الصَّبِىُّ فَلَمَّا رَجَعَ اَبُوْ طَلْحَةَ قَالَ: مَا فَعَلَ ابْنِىْ؟ قَالَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ وَهِىَ اُمُّ الصَّبِىِّ: هُوَ اَسْكَنُ مَا كَانَ فَقَرَّبَتْ لَهُ الْعَشَآءَ فَتَعَشّٰى ثُمَّ اَصَابَ مِنْهَا فَلَمَّا فَرَغَ قَالَتْ: وَارُوا الصَّبِىَّ فَلَمَّا اَصْبَحَ اَبُوْطَلْحَةَ اَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْبَرَهُ۔ فَقَالَ اَعْرَسْتُمُ اللَّيْلَةَ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمَا، فَوَلَدَتْ غُلَامًا فَقَالَ لِىْ اَبُوْ طَلْحَةَ: احْمِلْهُ حَتّٰى تَاْتِىَ بِهِ النَّبِىَّ ﷺ وَبَعَثَ مَعَهُ بِتَمَرَاتٍ۔ فَقَالَ: اَمَعَهُ شَىْءٌ؟ قَالَ: نَعَمْ تَمَرَاتٌ، فَاَخَذَهَا النَّبِىُّ ﷺ فَمَضَغَهَا، ثُمَّ اَخَذَهَا مِنْ فِيْهِ فَجَعَلَهَا فِىْ فِى الصَّبِىِّ ثُمَّ حَنَّكَهُ وَسَمَّاهُ عَبْدَ اللّٰهِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَفِىْ رِوَايَةِ الْبُخَارِىِّ: قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَرَاَيْتُ تِسْعَةَ اَوْلَادٍ كُلُّهُمْ قَدْ قَرَؤُوا الْقُرْآنَ۔ يَعْنِىْ مِنْ اَوْلَادِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمَوْلُوْدِ۔ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: مَاتَ

ابْنٌ لِاَبِیْ طَلْحَةَ مِنْ اُمِّ سُلَیْمٍ فَقَالَتْ لِاَهْلِهَا : لَا تُحَدِّثُوْا اَبَا طَلْحَةَ بِابْنِهٖ حَتّٰی اَکُوْنَ اَنَا اُحَدِّثُهٗ ، فَجَآءَ فَقَرَّبَتْ اِلَیْهِ عَشَآءً فَاَکَلَ وَشَرِبَ ، ثُمَّ تَصَنَّعَتْ لَهٗ اَحْسَنَ مَا کَانَتْ تَصْنَعُ قَبْلَ ذٰلِكَ فَوَقَعَ بِهَا ، فَلَمَّا اَنْ رَاَتْ اَنَّهٗ قَدْ شَبِعَ وَاَصَابَ مِنْهَا قَالَتْ یَا اَبَا طَلْحَةَ ، اَرَاَیْتَ لَوْ اَنَّ قَوْمًا اَعَارُوا عَارِیَتَهُمْ اَهْلَ بَیْتٍ ، فَطَلَبُوْا عَارِیَتَهُمْ ، اَلَهُمْ اَنْ یَمْنَعُوْهُمْ؟ قَالَ :لَا ، فَقَالَتْ :فَاحْتَسِبِ ابْنَكَ ، قَالَ :فَغَضِبَ ثُمَّ قَالَ :تَرَکْتِنِیْ حَتّٰی اِذَا تَلَطَّخْتُ ثُمَّ اَخْبَرْتِنِیْ فَابْنِیْ ، فَانْطَلَقَ حَتّٰی اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْبَرَهٗ بِمَا کَانَ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَارَكَ اللّٰهُ فِیْ لَیْلَتِکُمَا قَالَ :فَحَمَلَتْ ، قَالَ :وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ سَفَرٍ وَهِیَ مَعَهٗ ، وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَتَی الْمَدِیْنَةَ مِنْ سَفَرٍ لَا یَطْرُقُهَا طُرُوْقًا فَدَنَوْا مِنَ الْمَدِیْنَةِ فَضَرَبَهَا الْمَخَاضُ فَاحْتُبِسَ عَلَیْهَا اَبُوْ طَلْحَةَ وَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ یَقُوْلُ اَبُوْ طَلْحَةَ :اِنَّكَ لَتَعْلَمُ یَا رَبِّ اَنَّهٗ یُعْجِبُنِیْ اَنْ اَخْرُجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذَا خَرَجَ ، وَاَدْخُلَ مَعَهٗ اِذَا دَخَلَ ، وَقَدِ احْتُبِسْتُ بِمَا تَرٰی! تَقُوْلُ اُمُّ سُلَیْمٍ :یَا اَبَا طَلْحَةَ ، مَا اَجِدُ الَّذِیْ کُنْتُ اَجِدُ ، اِنْطَلِقْ، فَانْطَلَقْنَا وَضَرَبَهَا الْمَخَاضُ حِیْنَ قَدِمَا فَوَلَدَتْ غُلَامًا۔ فَقَالَتْ لِیْ اُمِّیْ :یَا اَنَسُ لَا یُرْضِعُهٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَغْدُوَ بِهٖ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، فَلَمَّا اَصْبَحَ اَحْتَمَلْتُهٗ فَانْطَلَقْتُ بِهٖ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ"۔ وَذَکَرَ تَمَامَ الْحَدِیْثِ۔

۴۴: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا بیمار تھا۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کام کاج کے لئے گئے تو بچہ فوت ہوگیا۔ جب واپس آئے تو پوچھا میرے بیٹے کا کیا حال ہے؟ بچّے کی ماں اُمّ سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا وہ پہلے سے زیادہ آرام میں ہے۔ بیوی نے ان کے سامنے رات کا کھانا رکھا۔ انہوں نے نوش کیا۔ پھر بیوی سے ہمبستری کی۔ جب فارغ ہوئے تو بیوی نے کہا بچہ کو دفن کر آ ؤ۔ جب صبح ہوئی تو ابوطلحہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس بات کی اطلاع دی تو آپ ؐ نے فرمایا کیا تم نے رات کو ہمبستری کی؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ ؐ نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمَا ۔ اے اللہ ان دونوں کو برکت عنایت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے بیٹا عنایت فرمایا۔ مجھے ابوطلحہ نے کہا اس کو اٹھا کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ اور اس کے ساتھ چند کھجوریں بھی بھیجیں۔ آپ ؐ نے استفسار فرمایا کیا کوئی چیز اس کے ساتھ ہے؟ اس نے کہا ہاں! چند کھجوریں ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو لیا اور اپنے منہ مبارک میں ان کو چبا کر ان کو نکالا اور بچّے کے منہ میں ڈال دیا۔ پھر اس کو گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا (متفق علیہ) بخاری کی روایت میں ہے: ابن عیینہ نے کہا ایک انصاری نے کہا اس نے اس عبداللہ کے نو (۹) بیٹے دیکھے۔ تمام کے تمام قرآن مجید کے قاری تھے یعنی عبداللہ کے بیٹے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ اُم سلیم کے بطن سے پیدا ہونے والا ابوطلحہ کا ایک بیٹا فوت ہوگیا تو اُم سلیم نے کہا ابوطلحہ کو بیٹے کے متعلق کوئی بات نہ کرنا۔ جب تک میں کوئی

بات نہ کروں۔ ابوطلحہ آئے اُمِ سلیم نے کھانا پیش کیا۔ انہوں نے کھایا پیا پھر پہلے سے زیادہ بن سنور کر ان کے پاس آئیں۔ انہوں نے ان سے ہمبستری کی۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ خوب سیر ہو گئے اور ہمبستری کر لی تو اُمِ سلیم کہنے لگیں۔ اے ابوطلحہ تم بتلاؤ! اگر کچھ لوگ کسی گھر والوں کو کوئی چیز عاریۃً دے دیں۔ پھر وہ اپنی عاریت کی چیز طلب کریں تو کیا ان گھر والوں کو اس عاریت کے روکنے کا حق ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تو اس پر اُم سلیم نے کہا۔ اپنے بیٹے کے متعلق ثواب کی امید کر۔ وہ اس پر ناراض ہوئے اور پھر کہا تو نے مجھے چھوڑے رکھا۔ جب میں آلودہ ہو گیا تو اب میرے بیٹے کے متعلق تو اطلاع دیتی ہے۔ اس پر وہ چل دیئے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور آپؐ کو اس صورت حال کی اطلاع دی۔ آنحضرتؐ نے دعا فرمائی: بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ لَيْلَتِكُمَا۔ اللہ تمہاری رات میں برکت عنایت فرمائیں وہ حاملہ ہو گئیں۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ ایک سفر میں تھے اور یہ (ام سلیم) بھی اس سفر میں آپؐ کے ساتھ تھیں۔ آنحضرتؐ جب مدینہ تشریف لائے تو رات کو تشریف نہ لاتے۔ جب قافلہ مدینہ کے قریب ہوا تو اُمِ سلیم کو دردِ ولادت شروع ہو گیا۔ اس لئے ابوطلحہ وہیں رک گئے اور آنحضرتؐ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ ابوطلحہ آئے اور اس طرح دعا کی: اِنَّكَ لَتَعْلَمُ يَا رَبِّ ...... اے اللہ آپ جانتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے نکلنا پسند ہے جب آپؐ مدینہ سے نکلیں اور داخل ہونا پسند ہے جب آپ مدینہ میں داخل ہوں۔ اے اللہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں تو رک گیا۔ اُمِ سلیم کہتی ہیں اے ابوطلحہ مجھے وہ درد اب نہیں جو پہلے محسوس ہو رہا تھا۔ آپ روانہ ہو جائیں۔ ہم وہاں سے چل پڑے۔ جب مدینہ منورہ پہنچ گئے تو ان کو دوبارہ دردِ زہ شروع ہوا اور لڑکا پیدا ہوا۔ اُمِ سلیم کہنے لگیں اے انس! اس کو کوئی اس وقت تک دودھ نہ پلائے۔ جب تک کہ تم اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش نہ کرو۔ جب صبح ہوئی تو میں اس کو اُٹھا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا اور مکمل روایت آگے بیان کی۔

تشریح ۞ **ابن لابی طلحه:** ابوطلحہ کا نام زید بن سہل انصاری ہے۔ ام سلیم نے ان سے اسلام کی شرط پر شادی کی۔ ان کے ہاں نہایت خوبصورت بچہ پیدا ہوا یہی بچہ ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **یا ابا عمیر ما فعل النغیر** ایک قول یہ ہے کہ ان کی یہ کنیت کم عمری کی طرف اشارہ ہے۔ اس بچے سے ابوطلحہ کو بہت محبت تھی یہ بیمار ہوا اور ابوطلحہ کی غیر موجودگی میں انتقال کر گیا۔ اسماعیلی کی روایت میں ان کو بلا بھیجا مگر موت کے متعلق بتلانے سے روک دیا گیا۔ ابوطلحہ آئے وہ روزے سے تھے انہوں نے کہا میرے بیٹے کا کیا ہوا صحت یاب یا بیمار۔

فقالت ام سلم: ان کا نام رمیثہ ملیکہ غمیصاء یا رفیضاء ہے۔ ام سلیم جو بچے کی والدہ تھیں کہنے لگیں وہ پہلے سے بہت سکون میں ہے۔ ابوطلحہؓ کا ذہن قریبی معنی کی طرف گیا کہ ان کو اضطراب سے سکون ہے مگر ام سلیم کی مراد موت تھی۔ پھر وہ شام کا کھانا لائیں وہ کھایا۔ بعد میں ان سے جماع کیا۔ جب اپنی ضرورت سے فارغ ہوئے تو انہوں نے کہا بچے کو دفن کر آؤ۔ ابوطلحہؓ نے اس بات کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی' آپؐ نے دریافت فرمایا کیا تم نے قربت بھی کی ہے۔ قربت کو اعراس سے تعبیر تابع کی وجہ سے کیا۔ نعم صرف جواب ہے یہ تصدیق اعلام مستخبر اور وعد طالب کے لئے آتا ہے۔ انہوں نے ہاں میں جواب دیا۔ تو آپؐ نے دعا فرمائی: **اللهم بارك لهما فيه** چنانچہ ایک بچہ پیدا ہوا۔ ابوطلحہ نے انسؓ کو کہا اسے جناب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں تا کہ آپ کی نگاہِ مبارک اس پر پڑے۔ **بعث معه بتمرات**: اور ان کے ساتھ چند کھجور تحنیک کے لئے بھیجیں۔ کھجور سے تحنیک ایمان کے نیک گمان کے لئے ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کو مؤمن سے تشبیہ دی ہے اور اس میں مٹھاس بھی ہے۔ میں اٹھا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا تو آپؐ نے فرمایا کیا اس کے ساتھ کوئی چیز ہے کہ جس سے تحنیک کی جائے۔ میں نے جواب دیا اس کے ساتھ کھجوریں ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چبایا تا کہ لعاب مبارک سے مل جائے اور بچہ اس کو نگل سکے۔ پس اس کے پیٹ میں سب سے پہلے لعاب مبارک سے ملا ہوا مواد جائے اور بچے کے لئے برکت وسعادت کا باعث ہو۔ پھر آپؐ نے چبائی ہوئی کھجور بچے کے منہ میں ڈالی اور تحنیک فرمائی اور اس کا نام عبداللہ تجویز فرمایا۔ **حنك**: حنک سے کسی چیز کا ملنا۔ بخاری کی روایت میں **رجلٌ من الانصار** کے لفظ ہیں یہ عبایہ بن رفاعہ ہیں۔ فتح الباری میں عبداللہ کے بیٹوں کے یہ نام لکھے ہیں: اسحاق، اسماعیل، عبداللہ، یعقوب، عمر، قاسم، عمارہ، ابراہیم، عمیر، زید، محمد رحمہم اللہ اور چار بیٹیاں۔ **قومهما**: مرد و عورتیں دونوں مراد ہوتے ہیں (راغب) قربت کے بعد الی للا لام دونوں صلے استعمال ہوتے ہیں۔ **فاحتسب ابنك**: اپنے بیٹے کے متعلق ثواب کے طالب بنو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی مصیبت پر اجر کے امیدوار رہو اور اس کے ثواب ضائع نہ کرو۔ وہ تیرے ہاں عاریتاً تھا اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دو۔ **اذا**: وقتیہ ہے۔ **تلطخت**: جماع سے ملوث کرنا۔ **فذكر له ذلك**: ذلک کا مشارالیہ ام سلیم کا وہ فعل ہے جو اس کے حسن صبر اور کمال یقین پر دلالت کرنے والا تھا جس سے بہت سے مرد بھی عاجز ہیں۔ **بارك الله**۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ایسی دعا فرمائی جس سے دونوں کو فائدہ ہو۔ **فحملت**: ام سلیمؓ کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ایک بابرکت بچہ پیدا ہوا۔ **اذا اتی المدينه لا يطرقها طروقاً**: مدینہ منورہ سے یہ سفر ادائیگی حج وعمرہ یا جہاد کی خاطر ہوتا (طروق رات کو آنا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر سے رات کو آنے سے منع فرمایا (جب وقت کی اطلاع نہ ہو) تا کہ گھر والوں کی طرف سے کوئی ناپسند چیز سامنے نہ آئے۔ اگر پہلے اطلاع ہو تو کوئی حرج نہیں۔ **دنوا**: قرب ہونا۔ **مخاض**: درد ولادت۔ **فاحتبس عليها**: ام سلیمؓ کے معاملات میں مشغولیت نے ان کو سفر سے روک دیا۔ **يقول ابو طلحه**: حضرت انسؓ نے ماضی کے واقعہ کو حال سے اس لئے ذکر کیا تا کہ کمال استحضار ثابت ہو جائے۔ حضرت ابوطلحہؓ نے اس طرح دعا کی "اے اللہ آپ جانتے ہیں کہ میری یہ تمنا ہوتی ہے کہ مدینہ منورہ سے تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلوں اور ساتھ داخل ہوں"۔ اسی وقت درد ختم ہوگئی اور وہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی درد دوبارہ شروع ہوئی اور بچے کی پیدائش ہوگئی۔ اسی بچے کا نام عبداللہ رکھا گیا یہ انس کے ماں جائے بھائی تھے۔ ان کی اولاد سے کئی نیک لوگ پیدا ہوئے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے:

نِعَمُ الا لِهِ علی العباد کثیرة ☆ واجلهن نجابة الا ولادِ

تغدو به علی۔ **الغدو**: دن کی ابتداء میں سفر کرنا۔ **الرواح**: دن کے پچھلے حصہ میں چلنا۔

النَّحْوُ: غدا علی کے ساتھ اس لئے متعدی آیا ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں اسے پہنچانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی سعادت مند نگاہ اس بچے پر پڑے۔

فوائد الفتح: ① رخصت پر قدرت کے باوجود مشکل پہلو کو اختیار کرنا جائز ہے۔ ② مصائب میں صبر کرنا چاہئے۔

③ عورت کو اپنے خاوند کے لئے تزین کرنی چاہئے۔ ④ خاوند کی خیر خواہی کے لئے اسے ہر وقت کوشاں رہنا چاہئے۔ خاوند کی خیر خواہی میں ایسے افعال جس سے کسی مسلمان کی حق تلفی نہ ہو درست ہیں۔ ⑤ ام سلیم نے نہایت صبر وضبط کا مظاہرہ کیا اور خاوند کو اول وہلہ میں مطلع نہیں کیا تاکہ ان کو فوری پریشانی کا سامنا نہ ہو۔ پھر آہستہ سے ان کو مطلع کیا جس سے ان کو صدمہ ہوا مگر قابل برداشت حد تک۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی صدق نیت کے بدلے اولاد کو درست فرمادیا۔ ⑥ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت ظاہر ہوتی ہے۔ ⑦ جو اللہ تعالیٰ کی خاطر کوئی چیز چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بدلہ دیتے ہیں۔ ⑧ ام سلیم بڑی بہادر و جرأت مند خاتون تھیں۔ لڑائی میں شریک ہو کر زخمیوں کا علاج کرتیں۔ (فتح الباری)

تخریج: أخرجه البخاری (۱۳۰۱) و مسلم (۲۱٤٤)

الفرائد: ① **هو اسكن ما يكون:** معلوم ہوا کہ موت مومن کے لئے سب سے زیادہ سکون والی چیز ہے۔ ② اس حدیث میں توریہ کے جائز ہونے کا ثبوت ہے مگر یہ بوقت ضرورت درست ہے۔ مثلاً ظالم سے جان بچانے کے لئے توریہ مطلوب ہے۔ ③ ہر بچے کی تحنیک کھجور سے کی جائے تو یہ خیر و برکت کا باعث کیونکہ وہ معدے کے لئے انتہائی مفید چیز ہے کسی نیک صالح آدمی سے تحنیک کروانا چاہئے۔ (نووی) ④ بہترین نام عبداللہ' عبدالرحمان ہیں اور سچے نام حارث و ہمام ہیں۔ (الحدیث) اچھے ناموں کا انتخاب کرنا چاہئے آج کل انوکھے نام تلاش کئے جاتے ہیں۔ اس میں کافر و مسلم کے نام کی تمیز نہیں کی جاتی اس کا گناہ انتخاب کرنے والے والدین پر ہے جو یہود' نصاریٰ اور مجوس' ہنود کے نام رکھتے ہیں۔ **والی اللہ المشتکی**۔ ⑤ حضرت ابوطلحہؓ کی کرامت ظاہر ہوئی کہ ان کی دعا سے فوراً درد ولادت رک گئی اور اپنی سابقہ عادت و خواہش کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مدینہ میں داخل ہوئیں۔ ⑥ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ مبارک' وضو کے پانی' بال مبارک' جس پانی کے برتن میں آپؐ نے دست اقدس ڈبویا آپ کے پسینہ مبارک سے تبرک حاصل کرنا صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے۔ (الشرح)

۴۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ، اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

وَ "الصُّرَعَةُ" بِضَمِّ الصَّادِ وَفَتْحِ الرَّآءِ، وَاَصْلُهٗ عِنْدَ الْعَرَبِ مَنْ یَصْرَعُ النَّاسَ كَثِیْرًا۔

۴۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مضبوط وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے۔ مضبوط وہ ہے جو اپنے آپ پر غصہ کے وقت کنٹرول کرے۔ (متفق علیہ)

اَلصُّرَعَةُ: حاء پر پیش اور راء پر زبر۔ عربوں میں بول چال میں اسے کہتے ہیں جو لوگوں کو بہت پچھاڑے۔

تشریح: **الشدید:** ایسی شدت والا جو شدت شرعاً قابل تعریف ہو۔ **یملك نفسه:** یعنی جو غصے کے وقت ممنوعات میں مبتلا نہ ہو اور وہ وہی ہو سکتا ہے جس نے اپنے نفس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا تمام احوال میں عادی بنایا ہو اور غصہ اس کو اپنے دین کی تباہی میں مبتلا نہ کر دے۔

غَضَب: یہ رضا کا الٹ ہے۔ اس کا سبب عام طور پر یہ ہے کہ کم مرتبہ اور ماتحت آدمی سے کوئی ایسی حرکت ہو جائے جو کسی ایسے

فعل کا تقاضا کرے جو شرعاً جائز نہ ہو مثلاً قتل ضرب، گالم گلوچ، جس شخص نے اس موقعہ پر زمام شریعت کو تھام لیا اور غصے کو دبالیا اس نے بلند درجہ پالیا۔ یہ قابل تعریف بن گیا اور جس نے جرم کی مقدار کے مطابق بدلہ لے لیا اس میں کوئی حرج نہیں۔
الصُرَعه۔ **فُعَلَةٌ** کے وزن پر ہے یہ وزن فاعل کے معنی میں کثرت ظاہر کرنے کیلئے آتا ہے۔ جیسے **ضُحَکَةٌ**: بہت ہنسنے والا۔
اگر **فُعْلَةٌ**: کا وزن **ضُحْکَةٌ** بمعنی مفعول (بروزن **دُکْبَةٌ**) جس پر لوگ بہت ہنستے ہوں (کرمانی)۔

تخریج: أخرجه مالك (١٦٨١) وأحمد (٣/٧٢٢٣) والبخاری (٦١١٤) و مسلم (٢٦٠٩) والطیالسی (٢٥٢٠) والقضاعی فی مسند الشهاب (١٢١٢) وعبدالرزاق (٢٠٢٨٧) و ابن حبان (٧١٧) والبیهقی (١٠ / ٢٣٥)

الفرائد: ① غصے کی وجہ سے انسان کے چہرے کا رنگ بدلتا تو منہ سے بے عقلی کی باتیں نکالنے لگتا ہے۔ غصے پر قابو پانے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ صالحین کی صفات میں فرمایا: ﴿**وإذا غضبوا هم يَغْفِرُوْنَ**......﴾ اور فرمایا: ﴿**والکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَاسِ**......﴾

② نگاہ نبوت میں قوی: آپ نے ظاہری طاقت والے کو قوی نہیں فرمایا بلکہ شیطان پر غلبہ پانے والے کو قوی فرمایا۔ اگر غصے پر قابو نہیں پائے گا تو بعد میں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی لئے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی کو غصے کے وقت فیصلے سے منع فرمایا۔ (الشرح)

❁ ❁ ❁

۴۶: وَعَنْ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: کُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ وَرَجُلَانِ يَسْتَبَّانِ، وَأَحَدُهُمَا قَدِ احْمَرَّ وَجْهُهُ، وَانْتَفَخَتْ اَوْدَاجُهُ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: اِنِّیْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ، لَوْ قَالَ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ۔ فَقَالُوا لَهُ: اِنَّ النَّبِیَّ قَالَ: تَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۴۶: حضرت سلیمان بن صُرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ دو آدمی گالم گلوچ کر رہے تھے۔ ایک کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور اس کی رگیں پھولی ہوئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک ایسی بات جانتا ہوں اگر یہ اس کو کہہ لے تو اسکا غصہ ختم ہو جائے۔ اگر یہ کہہ لے **اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ** تو اس کا غصہ ختم ہو جائے۔ لوگوں نے اسے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کر۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بنوخزاعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی قوم میں دینداری عبادت وشرافت میں معروف تھے۔ جاہلیت میں ان کا نام یسار تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر سلیمان رکھا۔ یہ کوفہ میں ابتدائی اقامت اختیار کرنے والوں میں سے تھے۔ مروان بن حکم کے زمانہ میں یہ مقتول ہوئے۔ ان کی عمر اس وقت ۹۳ سال تھی۔ مرویات کی تعداد پندرہ ہے۔ بخاری ومسلم نے ایک روایت نقل کی ایک بخاری نے نقل کی وہ یہ روایت ہے: **الیوم نغزوهم ولا یغزونا**: سنن اربعہ نے ان سے روایات لی ہیں۔

رجلان یستبان: ایک دوسرے کو سخت سست کہہ رہے تھے۔ ان دو آدمیوں کے نام مذکور نہیں۔ بعض نے معاذ بن جبل کا نام لکھا

ہے اگر یہ مراد ہوں تو پھر ان کے قول ھل بی من جنون کی تاویل ظاہر ہے کہ غصہ کے جوش میں منہ سے نکلی ہے۔ان میں کس قدر غصہ زیادہ تھا۔

الودجاز: جمع ودج مقام ذبح کے دائیں بائیں والی دو رگیں۔ **انی لا علم کلمة:** آپ نے فرمایا میں ایک ایسی بات جانتا ہوں اگر یہ اسے صدق و یقین سے کہہ لے تو اس کا غصہ جاتا رہے گا۔خواہ اس کلمہ کی برکت سے یا آپ ﷺ کی توجہ مبارکہ سے۔ **الشیطان:** سرکش و متمرد۔ یہ شاط بمعنی احترق سے ماخوذ ہے یا شطن بمعنی دور ہونا سے ہے۔ **رجیم:** یہ مرجوم کے معنی میں ہے۔اس روایت سے جان پہچان والے کو روایت بالمعنی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

ھل بی من جنون: کے کلمات بتا رہے ہیں بسا اوقات شیطان آدمی کو وساوس سے اس قدر بھڑکا دیتا ہے کہ وہ دنیا یا دین کا نقصان کر بیٹھتا ہے۔اس کا علاج اس وسوسہ شیطانی کا ازالہ ہے۔چنانچہ نسائی کی روایت میں ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: **اللھم انی اعوذ بك من الشیطان الرجیم۔**

تخریج: أخرجه احمد (۲۷۲۷۵ / ۱۰) و ابن أبی شیبة (۵۳۳/۸) والبخاری (۳۳۸۲) و مسلم (۲۶۱۰) و ابو داود (۴۷۸۱) و ابن حبان (۵۶۹۲) والحاکم (۴۶۳۹/ ۲) والطبرانی (۶۴۸۸)

الفرائد: شدید غصہ شیطانی اثرات کا نتیجہ ہے۔جب غصہ آئے تو صبر کرے تعوذ پڑھے یا وضو کرے۔اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اس جگہ سے الگ ہو جائے۔(الشرح)

٭ ٭ ٭

۴۷ : وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ : مَنْ کَظَمَ غَیْظًا ، وَھُوَ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُنْفِذَہٗ ، دَعَاہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی عَلٰی رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یُخَیِّرَہٗ مِنَ الْحُوْرِ الْعِیْنِ مَا شَآءَ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ ، وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ : حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

۴۷: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے غصہ کو پی لیا۔ باوجودیکہ وہ اس کو نافذ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس کو تمام انسانوں کے سامنے بلائیں گے اور اسے فرمائیں گے کہ وہ حورعین میں سے جس کو چاہے چن لے۔(ابوداؤد' ترمذی) حدیث حسن ہے۔

تشریح ۞ معاذ بن انس رضی اللہ عنہ کا تعلق جہینہ قبیلہ سے ہے۔مصر میں رہائش اختیار کی۔ان کے بیٹے سہل نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔امام احمد نے ان کے بیٹے کی مرویات مسند میں ذکر کی ہے۔اسی طرح ابوداؤد' نسائی' ترمذی' ابن ماجہ نے بھی نقل کی ہیں۔ان کی مرویات ۳۵ ہیں۔

کظم غیظًا: صبر کرتے اور غصہ پی جانے کو کہتے ہیں۔ **غیظ:** طبیعت کی تیزی کے وقت انسان کا بدلنا۔غیظ کو نکرہ اور کسر بتلایا کہ معمولی غصہ جس کو پورا کرنے کی قوت ہو اسے پی جانا ثواب عظیم کا باعث ہے۔ **ان ینفذہ:** مارنے' قتل کرنے وغیرہ کی قدرت ہو۔

علی رءوس الخلائق: مرتبہ کی بلندی اور شان کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے تمام مخلوق کے سامنے لایا جائے گا۔ **الحور:** جس کی آنکھ کی سیاہی و سفیدی بہت زیادہ ہو۔ **العین:** جمع عیناء بڑی آنکھوں والیاں۔

النحو: یخیرہ: یخیر فعل فاعلہ: مفعول اول ما شاء: مفعول دوم۔

امام زین العابدین حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ کا غلام ان کی خدمت کرتا اور وضو کراتا تھا۔ ایک دن پانی کا برتن امام کے اوپر گرا جس سے دانت ٹوٹ گیا آپ نے اس کی طرف ناراضگی سے دیکھا تو اس نے فوراً و الکاظمین الغیظ پڑھا آپ نے فرمایا میں نے غصہ پی لیا۔ اس نے پھر پڑھا: والعفین عن الناس۔ آپ نے فرمایا: میں نے معاف کر دیا۔ اس نے کہا و اللہ یحب المحسنین۔ آپ نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی خاطر آزاد ہے۔ اس نے کہا آزادی کا انعام آپ نے تلوار زرہ اس کے حوالہ کر دی گھر میں اس وقت وہی تھی۔

تخریج: أخرجه احمد (۱۵۶۳۷ /۵) و أبو داود (٤٧٧٧) والترمذی (۲۰۲۸) و ابن ماجة (٤١٨٦) وإسناده حسن۔

الفرائد: ① غصے والا انسان خیال کرتا ہے کہ اسے اس کو نقصان پہنچانے کی پوری طاقت ہے۔ غضب کو اپنے مقام پر استعمال کرنا کمال ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے غضب کی صفت لائی جاتی ہے۔ جب کسی شخص کو غصے کا بدلہ لینے کی پوری قدرت ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر بدلہ نہ لے تو قیامت کے دن اس کو تمام مخلوق کے سامنے انعام دیا جائے گا۔ (الشرح)

۴۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ ﷺ اَوْصِنِیْ۔ قَالَ: لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ: لَا تَغْضَبْ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۴۸: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا غصہ مت کیا کرو۔ اس نے دوبارہ یہی گزارش کی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: لَا تَغْضَبْ۔ (بخاری)

تشریح: ۞ رجلا: یہ جاریہ بن قدامہ رضی اللہ عنہا ہیں (تحفۃ القاری) ابن حجر کی رائے بھی یہی ہے۔ بقول عراقی یہ سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ابن عمرؓ عبداللہ بن عمروؓ ابی الدرداء اور جاریہ تمام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا ہے۔ تو آپؐ نے لَا تَغْضَبْ سے جواب مرحمت فرمایا ہے۔

اَوصی: مجھے ایسی جامع نصیحت فرمائیں جو دنیا و آخرت کی جامع ہو۔ حذف مفعول سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اخبرنی بعمل یدخلنی الجنة و لا تکثر علیّ لعلّی اعقله: کہ مختصر بات ہوتا کہ اچھی طرح اسے سمجھ لوں۔ آپؐ نے فرمایا: لا تغضب: غصہ نہ کیا کرو کیونکہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ اس سے انسان اعتدال سے نکل کر غلط باتیں کہتا اور قابل مذمت افعال کر ڈالتا ہے۔ جب انہوں نے سوال دہرایا تو آپؐ نے یہی جواب بار بار دیا۔

تخریج: أخرجه احمد (۸۷۵۲ / ۳) والبخاری (۶۱۱۶) والترمذی (۲۰۲۷) و فی الباب عن عبدالله بن مسعود و عبدالله بن عمرو و عبدالرحمن بن عوف رضی الله عنهم عند مالك و أحمد و مسلم والبخاری فی الأدب المفرد و أبو داود و ابن حبان وغیرهم۔

الفرائد: بار بار ایک ہی جواب سے غصے کے مفاسد کثیرہ کا اشارہ ملتا ہے۔

خرائطی نے سائل کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ میں نے غور کیا تو غصے کے تمام شرور کا جامع پایا۔

۴۹ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَا یَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنَةِ فِیْ نَفْسِهٖ وَوَلَدِهٖ وَمَالِهٖ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰهُ تَعَالٰی وَمَا عَلَیْهِ خَطِیْئَةٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ : حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

۴۹: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن مرد وعورت کی جان' اولاد اور مال پر آزمائش آتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (ترمذی) حدیث حسن ہے۔

تشریح ۞ البلاء: جو مصائب و مشاکل کی صورت میں ہو۔ خواہ مرض ہو یا فقر و غربت۔ جو ظاہر میں تو کربت ہے مگر اسکو ارحم الراحمین کی طرف سے وارد ہونے والی سمجھے گا تو اسکی دقت عطیہ میں بدل جائے گی۔ اسی طرح اولاد پر تکلیف موت و مرض یا عدم استقامت کی صورت میں ہو جس سے والد کو تکلیف پہنچے۔ و ما له: کچھ اسباب جل کر تلف ہو یا چوری ہو جائے وغیرہ۔

مطلب یہ ہے کہ یہ مصائب مؤمن مؤمنہ پر رہتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس سے اس کی خطائیں معاف فرماتے ہیں۔ لقاء اللّٰہ: یہ موت سے کنایہ ہے۔

خطیه: گناہ۔ عموم لفظ کبائر و صغائر کو شامل ہے۔ ایسا معاملہ محض اس کریم جواد کا فضل ہی ہے ورنہ اس کے اعمال صالحہ صبر و احتساب تو حقوق اللہ سے متعلق صغیرہ گناہوں کو مٹاتے ہیں۔

تخریج: أخرجه مالك (٥٥٦) وأحمد (٩٨١٨ /٣) والترمذی (٢٤٠٧) و ابن حبان (٢٩١٣) والحاكم (١٢٨١ /١) والبيهقی (٣/٣٧٤) وإسناده حسن۔

الفرائد: ① جب کسی انسان کو مال' جان اور اولاد میں کوئی تکلیف پہنچے اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرماتے ہیں یہاں تک کہ اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں رہتا۔ مصائب پر صبر کرنا چاہیے تا کہ یہ عظیم الشان صلہ میسر آئے واللہ الموفق۔ (الشرح)

۵۰ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَدِمَ عُیَیْنَةُ بْنُ حِصْنٍ فَنَزَلَ عَلٰی ابْنِ اَخِیْهِ الْحُرِّ بْنِ قَیْسٍ ، وَکَانَ مِنَ النَّفَرِ الَّذِیْنَ یُدْنِیْهِمْ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ، وَکَانَ الْقُرَّآءُ اَصْحَابَ مَجْلِسِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ وَمُشَاوَرَتِهٖ – کُهُوْلًا کَانُوْا اَوْ شُبَّانًا – فَقَالَ عُیَیْنَةُ لِابْنِ اَخِیْهِ ابْنِ اَخِیْ : لَكَ وَجْهٌ عِنْدَ هٰذَا الْاَمِیْرِ فَاسْتَاْذِنْ لِیْ عَلَیْهِ ، فَاسْتَاْذَنَ فَاَذِنَ لَهٗ عُمَرُ ، فَلَمَّا دَخَلَ قَالَ : هِیَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ ، فَوَاللّٰهِ مَا تُعْطِیْنَا الْجَزْلَ ، وَلَا تَحْکُمُ فِیْنَا بِالْعَدْلِ! فَغَضِبَ عُمَرُ حَتّٰی هَمَّ اَنْ یُوْقِعَ بِهٖ۔ فَقَالَ لَهُ الْحُرُّ : یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ لِنَبِیِّهٖ : ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ﴾ [الأعراف : ١٩٩] وَاِنَّ هٰذَا مِنَ الْجَاهِلِیْنَ ،

وَاللّٰهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِيْنَ تَلَاهَا، وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۵۰ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عیینہ بن حصن آیا اور اپنے بھتیجے حُر بن قیس کے پاس مہمان بنے ۔ یہ حُر ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قرب حاصل تھا۔ قراء حضرت عمر کے ہم مجلس اور مشورہ والے تھے۔ خواہ نوجوان تھے یا بوڑھے۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے کو کہا کہ تمہارا اس امیر کے ہاں مرتبہ ہے۔ میرے لئے ان سے ملاقات کی اجازت طلب کرو۔ چنانچہ حر نے اجازت مانگی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔ جب عیینہ آپ کے پاس آئے تو کہنے لگے۔ اے ابنِ خطاب قسم بخدا! تو نہ ہمیں زیادہ عطیات دیتا ہے اور نہ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کرتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آیا یہاں تک کہ اس کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ حر نے کہا اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ ''آپ عفو و درگزر سے کام لیں اور بھلائی کا حکم دیں اور جاہلوں سے اعراض فرمائیں'' اور یہ جاہلوں میں سے ہے جب یہ آیت حُر نے تلاوت کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ذرا بھی آگے نہ بڑھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر رک جانے والے تھے۔ (بخاری)

تشریح ۞ عیینہ بن حصن رحمہ۔ یہ مؤلفۃ القلوب میں سے ہے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر یا کچھ پہلے اسلام قبول کیا۔ فتنہ ارتداد میں مرتدین سے مل گیا' قید ہو کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاں لایا گیا اسلام لے آیا تو اسے آزاد کر دیا گیا۔ حر بن قیس بن حصن فزاریؓ یہ وہی ہیں جنہوں نے صاحب موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ابن عباسؓ سے بات چیت کی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہمانے کہا وہ خضر تھے یہ فہم و بصیرت والے قراء میں سے تھے۔ اس لئے عمر رضی اللہ عنہ ان کو مشورہ میں بلاتے تھے۔ **کھول** جو تیس یا تینتیس سال کا ہو۔ (ابن فارس) **القراء**: سے مراد اس زمانہ میں وہ لوگ تھے جو قرآن مجید کو اچھی طرح سمجھنے والے تھے۔ بعض نے زمانہ شباب ۳۵ سال' کہولت ۵۰ سال اور بڑھاپا ۶۰ سال کہا (تحفۃ القاری) اس سے معلوم ہوا کہ سن کہولت کی ابتداء ۳۳ سے ہوتی ہے اور انتہائی پچاس تک ہے۔ **وجہ**: مرتبہ۔ **قال ھی**: یہ روایت بخاری میں **ھیہ**: ہے اس کا اور **اِیْہ**: کا معنی یکساں ہے یہ کلمہ تہدید ہے۔ **ای زدنی من الحدیث المعھود**: یہ ضمیر ہے اس کی خبر محذوف ہے **ای ھی داھیۃ**۔

الجزل: کثیر۔ موٹی لکڑی۔ یہ **تعطینا**: کا مفعول مطلق یا بہ: ہے۔ یعنی تو ہمیں زیادہ چیز نہیں دیتا نہ انصاف کرتا ہے۔ اصل مقصد یہ تھا کہ حق سے زیادہ دیا جائے۔ **یوقع بہ**: بے ادبی کی سزا دیں۔

امیر المؤمنین: خلفاء میں سب سے پہلے یہ آپ ہی نے لقب اختیار کیا۔

خذ العفو: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے معاملے میں عفو و درگزر اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا اس کا کیا مطلب ہے؟ تو جبرئیلؑ نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہوں۔ پھر واپس لوٹ کر عرض کیا آپ ﷺ کا رب حکم دیتا ہے کہ اس سے صلہ رحمی کرو جو تم سے قطع رحمی کرے اور اس کو دو جو تمہیں محروم کرے اور اس کو معاف کر دو جو تم پر زیادتی کرے (بغوی) امام جعفر کہتے ہیں یہ مکارم اخلاق کی سب سے جامع آیت ہے۔

وان ھذا من الجاھلین: آپ ﷺ کو درگزر اور تجاوز کا حکم فرمایا۔ اس خطاب میں آپ ﷺ کی امت بھی داخل ہے۔ جب

تک کہ کوئی تخصیص کی دلیل نہ مل جائے۔ **واللہ ما جاوزھا**: اس عفو وتجاوز کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اختیار کیا۔

کان وقافا عند کتاب اللہ: یہ کتاب اللہ کے حکم پر کامل تعمیل سے کنایہ ہے۔

وقاف: یہ وقوف سے ماخوذ ہے۔ (النہایہ)

تخریج: أخرجه البخاری (٤٦٤٢) و (٧٢٨٦)

تاجھل: دو قسم کا ہے: ① کسی چیز کا علم نہ ہو۔ ② حماقت کا اظہار یہاں یہی مراد ہے۔ اس میں بھی اسی طرح درگزر کرنا چاہئے جیسا عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تاکہ ہم گمراہی سے بچ جائیں۔

الفرائد: ① ہر حاکم کو چاہئے کہ اپنے مشورہ کے لئے نیک صالح لوگوں کا انتخاب کرے تاکہ ہر موقعہ وہ اسے خبر دار کر سکے۔ ② حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے غصہ کے موقعہ پر جب درگزر کی تلقین کی تو عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ جاتا رہا اور اس آدمی پر ذرہ بھر سختی نہ کی۔ ③ مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم معلوم ہوتے ہی اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہئے۔ ④ امور تین قسم کے ہیں: ا) منکر۔ اس سے باز رہنا ضروری ہے۔ ب) معروف اس کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ ج) جو دونوں میں سے نہ ہو اس سے سکوت اختیار کرنا چاہئے لیکن خیر خواہی کی بات کہہ دینی چاہئے۔ (الشرح)

---

۵۱ : وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِنَّھَا سَتَکُوْنُ بَعْدِیْ اَثَرَۃٌ وَاُمُوْرٌ تُنْکِرُوْنَھَا! قَالُوْا : یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَمَا تَاْمُرُنَا؟ قَالَ : تُؤَدُّوْنَ الْحَقَّ الَّذِیْ عَلَیْکُمْ ، وَتَسْاَلُوْنَ اللّٰہَ الَّذِیْ لَکُمْ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ وَالْاَثَرَۃُ : الْاِنْفِرَادُ بِالشَّیْءِ عَمَّنْ لَّہٗ فِیْہِ حَقٌّ۔

۵۱: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد ترجیح ہوگی اور ایسے معاملات پیش آئیں گے جن کو تم عجیب سمجھو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اس حالت میں آپ ﷺ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم وہ حق ادا کرو جو تم پر لازم ہے اور اللہ سے وہ مانگو جو تمہارا اپنا حق ہے۔ (متفق علیہ)

اَلْاَثَرَۃُ : کسی ایسی چیز سے کسی کو خاص کرنا جس میں اس کا حق ہو۔

تشریح ۞ **اثرۃ۔ آثر۔ یوثر**: ترجیح دینا۔ **استیثار**: کسی کو کسی چیز کے کل یا بعض کے ساتھ خاص کرنے کو کہتے ہیں یعنی دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی۔ **امور تنکرونھا**: انوکھے معاملات مثلاً نمازوں کی تاخیر اور بعض منکرات۔ **فما تامرنا**: یعنی ہم اس وقت کیا کریں؟ **الحق الذی علیکم**: ان کے خلاف خروج نہ کرنا۔ **تسئالون اللہ**: اپنا حق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مانگنا وہ ان کے دلوں کو تمہارے لئے مسخر کر دے گا یا عوض عنایت فرمائے گا۔

فائدہ: حق واجب کی ادائیگی روک لینے پر خروج جائز نہیں جنہوں نے اس کے خلاف نقل کیا وہ ان کا اجتہاد ہے۔ قضاء و قدر کا کڑوا میٹھا فیصلہ تسلیم کر کے صبر و رضا سے کام لینا چاہئے۔

ستکون بعدی: یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہوگا۔ یہ اعلام نبوت سے ہے جو کہ واقع ہو کر رہا۔

تخریج: أخرجه احمد (٣٦٤٠) والبخاری (٣٦٠٣) و مسلم (١٨٤٣) والترمذی (٢١٩٠) و ابن حبان (٤٥٨٧) والبیهقی (٨ / ١٥٧)

الفوائد: ① مسلمانوں کے حقوق میں حکام کی طرف سے یہ جور وظلم کا سلسلہ قائم چلا آ رہا ہے۔ ایسے موقعہ پر آپ نے اپنے حق کے سلسلہ میں اسے منازعت کی بجائے خیر والا راستہ بتلایا کہ تم ان کا حق اطاعت وسمع تو ادا کرو اور اپنے حق کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ ② اس ارشاد میں بھڑکانے والے امور میں حکمت اختیار کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ ملکی خزائن میں ناجائز تصرفات عامۃ المسلمین کو بھڑکانے کا باعث بنتے ہیں' اللہ تعالیٰ ہمارے حکام کو ہدایت نصیب فرمائے۔ (الشرح)

٥٢ :وَعَنْ اَبِیْ یَحْیٰی اُسَیْدِ بْنِ حُضَیْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ قَالَ :یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ' اَلَا تَسْتَعْمِلُنِیْ کَمَا اسْتَعْمَلْتَ فُلَانًا؟ فَقَالَ :اِنَّکُمْ سَتَلْقَوْنَ بَعْدِیْ اَثَرَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰی تَلْقَوْنِیْ عَلَی الْحَوْضِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ' وَ "اُسَیْدٌ" : بِضَمِّ الْهَمْزَةِ۔ وَحُضَیْرٌ : بِحَآءٍ مُهْمَلَةٍ مَضْمُوْمَةٍ وَضَادٍ مُعْجَمَةٍ مَفْتُوْحَةٍ ' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

۵۲: حضرت ابو یحییٰ اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے عامل کیوں نہیں بناتے جس طرح فلاں کو بنایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں میرے بعد ترجیح کا سامنا کرنا پڑے گا تم صبر کرنا۔ یہاں تک کہ مجھے تم حوض پر ملو۔ (متفق علیہ)

اُسَیْدٌ :حُضَیْرٌ کا وزن یہ ہے۔

تشریح ۞ اسید بن حضیر ان کا تعلق انصار کے قبیلہ اوس کی شاخ بنو عبد الاشہل سے ہے ان کی کنیت میں اختلاف ہے۔ ابو یحییٰ' ابو عیسیٰ' ابو عتیک' ابو حضیر' ابو عمرو تمام منقول ہیں۔ یہ سعد بن معاذ سے پہلے مصعب بن عمیر کے ہاتھ پر مدینہ میں عقبہ اولیٰ یا ثانیہ کے بعد اسلام لائے۔ صدیق اکبرؓ ان کا نہایت اکرام فرماتے اور سب سے مقدم کرتے ان کی شخصیت میں کسی کو اختلاف نہ تھا۔ عقبہ ثانیہ میں حاضر تھے ان کو بنی عبد الاشہل کا نقیب مقرر کیا گیا۔ بدر میں ان کی حاضری کے متعلق اختلاف ہے۔ البتہ احد اور دیگر غزوات میں ان کی شرکت معروف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات کرادی تھی۔ یہ ان صحابہ میں سے تھے جو قرآن کی تحسین صوت کے ساتھ تلاوت کے لحاظ سے معروف تھے۔ یہ اصحاب عقل' رائے میں سے تھے۔ ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نعم الرجل اسیدُ بن حضیر۔

(اسد الغابہ)

مرویات ۱۸ ہیں۔ (سیرت ابن حزم) ایک متفق علیہ ہے۔ ایک میں بخاری منفرد ہیں۔ ان کی وفات ۲۰ھ شعبان میں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں دفن کیا۔ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو قرضہ جس کی مقدار چار ہزار تھی ادا کرنے کی وصیت کی۔ یہ قرضہ اپنی کھجوروں کے پھل میں گھاٹا پڑنے کی وجہ سے چڑھ گیا تھا۔

رجلاً من الانصار: یہ خود اسید بن حضیر ہیں۔ (سیوطی' شیخ زکریا نے یہی کہا ہے)

تستعملنی: علاقہ پر عامل بنانا۔ فلان: یہ یا فل بھی جائز ہے انسانوں کے علاوہ بھی یا فلان یا فلانۃ استعمال ہوتا ہے جیسا حدیث سودہ میں کہ ان کی بکری مرگئی تو انہوں نے کہا: ماتت فلانۃ: مراد بکری تھی۔ مگر جوھری نے اس کو لوگوں کے ساتھ خاص مانا ہے۔ انکم: کم سے یہاں انصار مراد ہیں کہ آئندہ تم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی تم صبر کرنا۔

حتی تلقونی علی الحوض: موت کے بعد بعث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوگی۔

سوال: ان کے سوال اور انکم ستقلون میں کیا مناسبت ہے۔

جواب: عموماً عامل ترجیح کا شکار ہو جاتے ہیں سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ آپؐ نے ان پر شفقت فرماتے ہوئے یہ ہدایت فرمائی کہ تمہیں نہ دینے کی وجہ ترجیح کے ابتلاء سے بچانا ہے۔ اس میں آپ کے اس معجزہ کا تذکرہ بھی ہے کہ آئندہ خلافت تم میں نہیں ہوگی۔

تخریج: أخرجه احمد (٦/١٨٦٠٦) والبخاری (٣٧٩٢) و مسلم (١٨٤٥)

الفرائد: ① تلقونی علی الحوض: کہ جب تم صبر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں میرے حوض کا پانی پلائے گا۔ ﴿اللھم جعلنا منھم﴾ اس حوض کا طول وعرض ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے۔ اس میں جنت کی نہر کوثر کے دو پرنالے ہوں گے۔ قیامت کے غم، حرارت، پسینہ، کرب ومصیبت کو یہ پانی دور کردے گا۔ ② بعض اوقات ابتلاء کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جیسے عوام ایسے حکمران ہوتے ہیں۔ ﴿كَذٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظالمین بعضًا بما كَانُوا يَكْسِبُوْنَ﴾ (الأنعام: ١٢٩)

لطیفہ ☆: ① ایک خارجی علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا لوگ آپ پر تنقید کرتے ہیں ابوبکر وعمر پر نہیں کی گئی۔ انہوں نے فرمایا: ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی رعایا میں اور مجھ جیسے لوگ تھے اور میری رعایا تم اور تم جیسے دوسرے لوگ ہیں۔

② عبدالملک بن مروان نے اپنے امراء وعقلاء کو جمع کر کے کہا کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم تمہارے لئے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جیسے بن جائیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا اگر تم ایسا چاہتے ہو تو تم بھی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی رعایا جیسے بن جاؤ۔

لیکن اس کے باوجود حکمران کا درست ہونا ضروری ہے۔ جب وہ درست ہوگا تو رعایا درست رہے گی کیونکہ وہ عدل و انصاف کی قوت رکھتا ہے۔ (الشرح)

۵۳: وَعَنْ اَبِیْ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰى رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِیْ بَعْضِ اَيَّامِهِ الَّتِیْ لَقِیَ فِيْهَا الْعَدُوَّ انْتَظَرَ حَتّٰى اِذَا مَالَتِ الشَّمْسُ قَامَ فِيْهِمْ فَقَالَ: يَا اَيُّهَا النَّاسُ، لَا تَتَمَنَّوْا لِقَآءَ الْعَدُوِّ، وَأَسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا، وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ، ثُمَّ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِیَ السَّحَابِ، وَهَازِمَ الْاَحْزَابِ، اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔

۵۳: حضرت ابو ابراہیم عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ دشمن کے ساتھ ایک لڑائی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظار کیا۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا اے لوگو! دشمن کے مقابلہ کی تمنا نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو اور جب دشمن سے سامنا ہو جائے تو جمے رہو اور یقین

کرلو کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے۔ پھر یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتٰبِ وَمُجْرِیَ السَّحَابِ وَھَازِمَ الْاَحْزَابِ اھْزِمْھُمْ وَانْصُرْنَا عَلَیْهِ اے اللہ کتاب کے اتارنے والے' بادلوں کے دوڑانے والے اور اعداء اسلام کے مختلف گروہوں کو شکست دینے والے ان کافروں کو شکست دے اور ان کے مقابلہ میں ہماری امداد فرما۔ (متفق علیہ) وباللہ التوفیق

تشریح عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما: ان کی کنیت ابوابراہیم' ابومعاویہ' ابومحمد بتلائی جاتی ہے۔ دونوں باپ بیٹا صحابی ہیں۔ ابواوفیٰ کا نام علقمہ بن خالد ہے اسلم قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں خود عبداللہ بیعت رضوان میں شامل تھے اس کے بعد والے تمام غزوات میں شریک رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک مدینہ منورہ میں رہے۔ آپ کی وفات کے بعد کوفہ منتقل ہو گئے۔ کوفہ میں صحابہ میں آخری شخصیت ہیں جن کا انتقال ہوا۔ اسد الغابہ میں ابن اثیر نے نقل کیا کہ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا جراد (لکڑی) (ٹڈی دل) کا استعمال درست ہے۔ تو انہوں نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ غزوات میں شرکت کی ہم مکڑی استعمال کرتے تھے۔ ان کی مرویات ۹۵ ہیں۔ ۱۰ متفق علیہ ہیں۔ پانچ میں بخاری منفرد اور ایک میں مسلم۔ انہوں نے کوفہ میں ۸۶'۸۷ھ میں وفات پائی۔ آخر میں ان کی نظر نے جواب دے دیا تھا۔

ایام: سے غزوات و حروب مراد ہیں۔ جن کی تعداد ۲۷ ہے۔ ۹ میں صرف لڑائی پیش آئی۔

العدو: یہ لفظ واحد و جمع دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنی دشمن یہاں کفار مراد ہیں۔ **اذا مالت الشمس:** زوال کے انتظار کی دو وجہ لکھی ہیں: ① تاکہ فتح و نصرت کی ہوائیں چلنے لگیں جیسا ابوداؤد کی روایت میں **ینتظر حتی تزول الشمس وتھب ریاح النصر:** وارد ہے۔ ② دھوپ میں مجاہدین پر ہتھیاروں کا سنبھالنا آسان ہو جائے۔

قام فیھم: آپ کھڑے ہوئے تاکہ ان کی بھلائی سے ان کو مطلع فرمائیں۔

لا تتمنوا لقاء العدو: دشمن کے مقابلہ کی تمناء سے منع فرمانے کی وجہ ① انجام معلوم نہیں یہ اسی طرح جیسا فتنوں سے عافیت کا سوال۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے صحت کے ساتھ رہ کر شکر کرنا ابتلاء میں صبر سے زیادہ محبوب ہے۔ (ابن بطال) ② اس میں خود پسندی' اپنی قوت پر بھروسہ و اعتماد اور دشمن کے سلسلہ میں اہتمام میں کمزوری کا خطرہ ہے۔ ③ یہ سرکشی کی قسم میں داخل ہو جاتا ہے اور باغی مغلوب کیا جاتا ہے۔ ④ اس خوف سے کہ دشمن مسلمانوں پر پل نہ پڑیں اور کامیابی پالیں۔ **العافیة:** سے ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت کی عافیت ہے۔

فاصبروا: جم کر لڑو اور بزدلی نہ دکھاؤ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر والوں کے ساتھ ہے۔ **ان جندنا:** اس میں صبر پر ابھارا گیا ہے۔ **ان الجنة ظلال السیوف:** اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کا ثواب اور وہ سبب جو تلوار مارتے وقت جنت تک پہنچانے والا ہے اور مجاہد کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلنا مراد ہے پس نیت کو درست کرو اور ثابت قدم رہو۔ (نور پشتی)

② یہ کلام بدیع کا شاندار نمونہ ہے۔ اس میں جہاد پر ابھارا گیا اور اس پر ثواب کی خبر دی گئی ہے۔ دشمن کے قریب ہو کر تلوار استعمال کرنے اور اس پر اعتماد کر کے جمع ہو کر دشمن سے مڈبھیڑ پر برانگیختہ کیا گویا تلواریں چلانے والوں کا سایہ کرلیں' مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلوار چلانے والا اس سے جنت میں داخل ہوگا۔ اس کی مثال وہ روایت ہے: **ان الجنة تحت اقدام الامھات:** "یعنی ماں کے حق کو ادا کرنے والا جنت میں جائے گا"۔

ثم قال: دعا سے پہلے ادب سکھایا کہ ایسی صفات باری تعالیٰ ذکر کی جائیں جو مطلوب و حاجت کے مناسب ہو۔ یہاں مطلوب نصرت تھی جو کہ قدرت کے آثار میں سے ہے۔ پس ایسی صفات ذکر فرمائیں۔ **الکتاب:** الف جنس کا ہے تمام آسمانی کتابیں مراد ہیں۔ جن کی تعداد ۱۰۴ ہے۔ ساٹھ صحف شیث' ۳۰ صحف ابراہیم' دس صحف موسیٰ' تورات' انجیل' زبور' فرقان۔

② الف عہد کا ہو تو قرآن مجید مراد ہے۔ پھر اس آیت کی طرف اشارہ ہے: ﴿**ولقد کتبنا فی الزبور**......﴾ اسی لئے آپ نے فتح مکہ کے روز فرمایا: **لا اله الا الله وحده صدق عبده ونَصَرَ عَبْدَه۔**

الاحزاب: حزب کی جمع ہے اس سے کفار کے وہ گروہ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ۵ ھ میں گروہ بندی کی جس کے نتیجہ میں غزوۂ احزاب پیش آیا۔ اس کے خاص تذکرہ کی وجہ یہ ہے کہ ان کی شکست محض قدرت الٰہی سے ہوئی اسباب نہ ہونے کے برابر تھے۔ بلکہ کفار کی شکست ہواؤں کے ذریعہ ہوئی۔ جو دوسروں کے لئے راحت ہے مگر کفار کے لئے عذاب بن گئی جیسا فرمایا: ﴿**ورد الله الذین کفروا**......﴾

وانصرنا علیهم: یعنی ان پر جلد فتح عنایت فرما ورنہ رسولوں کے غلبہ کا تیرا وعدہ ہے۔ اس دعا میں حکمت ہے کہ دشمن مغلوب ہو کر اگر اسلام لے آیا تو وہ ہلاک ہونے سے بہتر ہے۔

مسئلۃ: دعا میں ہم وزن الفاظ لانے کا جواز ثابت ہوتا ہے بلکہ بہت خوب ہے۔ جس سجع کی ممانعت ہے وہ جو تکلف سے ہو اور خشوع و خضوع و اخلاص کو ختم کر دے۔

دعا مقاصد کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ حدیث میں فرمایا ہے: **لا حول ولا قوة الا بالله ۹۹** بیماریوں کا علاج ہے جن میں سب سے کم درجہ غم ہے۔

مسئلۃ: یہاں حقیقت و شریعت کو جمع کیا گیا۔ شریعت اسباب ضروریہ' ہتھیار' خروج' آمادہ کرنا اور حقیقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں محتاجی کا اظہار۔

ابن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس میں صوفیاء کی دلیل ہے کہ نفوس کے ساتھ مال' ہاتھ' زبان سے مجاہدہ کرتے جب ان کی ضرورت جہاد اصغر میں ہے تو اکبر میں کیوں نہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کسی چیز میں تصرف نہ کرے۔

② صوفیاء ہر وقت عافیت کے طالب ہوتے ہیں۔ مجاہدہ اضطرار کی حالت میں کرتے ہیں۔ جب صقاء عدو کی تمنا جہاد اصغر میں ممنوع ہے تو جہاد اکبر میں بدرجہ اولیٰ ممنوع ہے۔ انسان کو ایسی چیز پر پیش نہ کرنا چاہئے جس کی قدرت نہ ہو۔ اگر کسی معاملے میں پڑ جائے تو صبر و ثابت قدمی اختیار کرے۔

تخریج: أخرجه احمد (۱۹۱۳۶/ ۷) والبخاری (۲۸۱۸) و مسلم (۱۷۴۲) و ابو داود (۲۶۳۱) والحاکم (۲/۳۴۱۳)

الفرائد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی طرح خطبہ دیتے۔ من جملہ ارشادات میں یہ نصیحت فرمائی کہ دشمن سے سامنا کرنے کی تمنا مت کرو جب ہو جائے تو ثابت قدمی اختیار کرو۔ اس لئے کہ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے۔ یعنی مجاہد فی سبیل اللہ قتل کے بعد اہل جنت میں سے ہو جاتا ہے۔ جیسا ﴿**لا تحسبن الذین**......﴾ میں فرمایا۔ شہید کی روح دائمی جنت کی نعمتوں سے متمتع ہوتی ہے اسی لئے جنت کو تلوار کے سایہ تلے فرمایا:

① انس بن نضر کے مشام نے جنت کی خوشبو احد کے پاس سونگھ لی اسی لئے جنت کو تلواروں کے سایہ تلے فرمایا۔
② دشمن سے مقابلہ کے وقت صبر کرنا چاہئے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا ......﴾

(الانفال: ٤٥-٤٦)

③ دشمن سے قتال کے لئے مناسب وقت تلاش کرنا چاہئے۔
④ دشمن کی شکست کے لئے یہ دعا مانگنی چاہئے۔
⑤ دشمن کے خلاف دعا شکست اس لئے کرنی چاہئے کہ وہ رب، رسول ملائکہ تمام انبیاء تمام مسلمانوں کا دشمن ہے۔

(الشرح)

٤ : بَابُ الصِّدْقِ

باب: سچائی کا بیان

صدق: ① صوفیاء کے ہاں ظاہر و باطن برابر ہوں بندے کے احوال اور اعمال یکساں ہوں۔ اس کے لئے اخلاص لازم ہے۔ ہر سچا مخلص ہے اس کا عکس نہیں۔ (حاشیہ شرح العقائد، ابن ابی الشریف) ② جنید رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ صدق، اخلاص ایک ہیں یا الگ الگ۔ انہوں نے فرمایا: صدق اصل اور اخلاص فرع ہے۔ صدق ہر چیز کی جڑ ہے اور اخلاص اعمال میں داخلے کے بعد ہوتا ہے کسی عمل کی مقبولیت اخلاص کے بغیر نہیں۔

صدق: واقعہ کے مطابق خبر کو کہتے ہیں۔ باطن کا ظاہر کے موافق ہونا عمل و فعل صدق ہے۔ مشرک صادق نہیں کیونکہ وہ موحد ظاہر کرتا ہے مگر موحد نہیں۔ منافق صادق نہیں کیونکہ وہ ایمان ظاہر کرتا ہے مگر باطن میں کافر ہے، ریا کار کاذب ہے کیونکہ وہ اخلاص ظاہر کرتا ہے مگر اخلاص سے خالی ہے۔ بدعتی کاذب ہے کیونکہ وہ سنت ظاہر کرتا ہے مگر بدعت اپنانے والا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ [التوبة:١١٩]

قال اللّٰہ عزوجل: عز وجل یہ جملہ مستانفہ یا حالیہ ہے۔ عز وہ اپنی مراد پر غالب ہے۔ جل: ان باتوں سے بلند ہے جو اس کی شان کے مناسب نہیں۔

اتقوا : یعنی گناہ چھوڑ دو۔

الصادقین: جو میثاق اوّل کی مخالفت کرنے والے نہیں۔ ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے سچی دوستی، سچی راہ پر قائم رہنے والوں سے ہر گناہ کو دور کر دیتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ [التوبة:١١٩] یہ آیت تین صحابہؓ کی توبہ کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد لائی گئی ہے۔ جیسا کہ روایت ۲۲ میں گزرا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو۔ (التوبہ)

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ﴾ [الاحزاب: ۳۵]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں۔ (الاحزاب)

بعض کہتے ہیں کہ یہ من جملہ ان صفات کے ہے جن کے ذریعہ ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی گئی۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ [محمد: ۲۱]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اگر وہ اللہ سے سچ بولتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ (محمد)

وَأَمَّا الْأَحَادِيْثُ – فَالْأَوَّلُ :

احادیث ملاحظہ ہوں:

۵۴ : عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ ، وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيْقًا ، وَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ ، وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ ، وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۵۴ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سچائی نیکی کی طرف راہنمائی کرنے والی ہے اور نیکی جنت لے جانے والی ہے اور آدمی سچ بولتا ہے اور بولتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں صدیقین میں لکھا جاتا ہے اور بلاشبہ جھوٹ گناہ کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جانے والا ہے اور آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں کذاب لکھا جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ ان الصدق: یعنی اقوال میں سچائی کو اختیار کرنا عمل صالح تک پہنچا دیتا ہے۔

البر: تمام بھلائیوں کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ بعض نے البر کا معنی جنت کیا ہے اور ہر دو پر اطلاق بھی درست ہے۔ اس روایت میں البر کی تفسیر جنت سے کرنا درست نہیں کیونکہ ارشاد نبوی ہے: ان البر یهدی الی الجنة (الحدیث) اس سے انکاری ہے۔ بس پہلی تفسیر متعین ہے۔

الرجل: جنس انسان مراد ہے جس میں مرد و عورت دونوں شامل ہیں۔ لیصدق: وہ سچ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتا ہے۔ صدیقًا: سچ جس کی عادت ثانیہ بن جائے۔ یہ اوزان مبالغہ سے ہے۔ یهدی: پہنچانا۔ الفجور: گناہ آگ تک لے جانے والے ہیں

کیونکہ ایک دوسرے کا سبب بنتا چلا جاتا ہے تا آنکہ اس کے آگ کے گھاٹ پر اترنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ لیکذب: یہاں مسلسل جھوٹ بولنے کے معنی میں ہے۔ کذابا: یہ صدیق کی ضد ہے۔ یہاں یکتب: کا معنی اس کے متعلق فیصلہ کرنا اور اس وصف کا حقدار بنتا ہے' خواہ صدیقین میں یا کذابین میں ہو' مراد اس کی یہ ہے کہ مخلوق کے سامنے ظاہر کر دیا جاتا ہے۔

(۲) اسکو اس جماعت میں لکھ لیا جاتا ہے تاکہ ملاء اعلیٰ میں دونوں صفات میں سے اپنی خاص صفت کے ساتھ مشہور ہو جائے۔

(۳) لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت یا بغض ڈال دیا جاتا ہے۔

ورنہ تقدیر الٰہی تو سبقت کر چکی ہے۔ (نووی)

علامہ قرطبی: ہر سمجھدار بندے کو اقوال میں سچائی اور اعمال میں اخلاص اور احوال میں صفائی اختیار کرنی چاہئے۔ جو اس طرح کرے گا وہ ابرار میں لکھا جائے گا اور غفار کی رضامندیوں کو پالے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تین تائب صحابہ رضی اللہ عنہم کے تذکرہ میں اس کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ ﴿**یایها الذین امنوا اتقوا اللّٰه و کونوا مع الصادقین**﴾ اور جھوٹ جس سے بچنے کا حکم ہے اس کا حکم اس کے برعکس ہوگا (کہ وہ فجار میں شمار ہو کر غضب الٰہی کا شکار بنے گا اعاذنا اللہ منہ)

تخریج: أخرجه احمد (۳۶۳۸ / ۲) والبخاری (۶۰۹۴) و فی الادب المفرد (۳۸۶) و مسلم (۲۶۰۷) و أبو داود (۴۹۸۹) والترمذی (۱۹۷۸) و ابن حبان (۲۷۲) و ابن أبی شیبة (۸ / ۵۹۰ / ۵۹۱) والبیهقی (۱۰ / ۲۴۳)

الفرائد: (۱) جب خبر واقع کے مطابق ہو تو یہ صدق باللسان کہلائے گا اور جب دل کی سچائی کے مطابق اعضاء کے اعمال بھی ہوں تو یہ صدق بالاعمال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات صدق و خیر کا منبع ہے اور برّ کا نتیجہ جنت ہے۔ جنت ہر ایک کا مطلوب ہے اسی لئے اس کی طلب کا حکم دیا گیا۔ ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ......﴾ (آل عمران: ۱۸۵)

(۲) سچ کا متلاشی انعام یافتہ جماعت صدیقین میں شامل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ﴾ (النساء: ۶۹) یہ مردوں اور عورتوں دونوں کو مرتبہ ملے گا فرمایا: ﴿وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ﴾ (المائدہ: ۷۵) صدیقین میں امت میں سب سے بڑا درجہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے جنہوں نے نبوت کی بلاتردد تصدیق کی' موقعہ معراج پر کفار کو کہا کہ اگر یہ بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی ہے تو وہ سچے ہیں اسی دن سے ان کا لقب صدیق رکھا گیا۔

(۳) کذب خلاف واقع کو کہا جاتا ہے خواہ قول ہو یا فعل۔ جھوٹ فجور یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکلنے کی طرف لے جاتا ہے اور معصیت کی انتہاء کفر ہے۔ ارشاد فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ﴾ (عبس: ۴۲) دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ﴾ (الانفطار: ۱۴) ایک مقام پر فرمایا: ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ﴾ (المطففین: ۱۰-۱۱) آدمی جھوٹ بولتے بولتے کذاب بن جاتا ہے۔ ایک وقت میں وہ جھوٹ کو سچ سمجھنے لگتا ہے۔ جدید میڈیا میں جھوٹی باتیں کر کے لوگوں کو ہنسانے کا ایک مستقل پروگرام ہے۔ حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ویلٌ لمن حدث فکذب لیضحك به القوم ویل له ثم ویلٌ له۔**

جھوٹ کی تمام اقسام حرام ہیں۔ توریہ پر لغوی طور پر کذب کا لفظ بولا گیا ہے۔ توریہ بھی خاص ضرورت کے موقعہ پر ان جیسے مقامات پر درست ہے۔ (۱) لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے' (۲) لڑائی کے موقعہ پر (۳) میاں بیوی کی باہمی بات

چیت کے لئے ④ کسی مسلمان کی جان بچانے کے لئے۔ بقیہ جھوٹی قسمیں اٹھانا تاکہ لوگوں کا مال ہڑپ کرلے شدید ترین گناہ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من حلف علی یمین صبرٍ ھو فیھا فاجرٌ یقتطع بھا مال امرئ مسلم لقی اللّٰہ وھو علیہ غضبان**: یعنی جھوٹی قسم اٹھا کر مال کھانے والا اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جھوٹ سے حفاظت فرمائے۔ (الشرح)

الثَّانِیْ :

۵۵ : عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ : حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ : دَعْ مَا یَرِیْبُکَ اِلٰی مَا یَرِیْبُکَ ، فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَاْنِیْنَۃٌ ، وَالْکَذِبَ رِیْبَۃٌ" رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ : حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ. قَوْلُہٗ : "یُرِیْبُکَ" ھُوَ بِفَتْحِ الْیَاءِ وَضَمِّھَا : وَمَعْنَاہُ اُتْرُکْ مَا لَا تَشُکُّ فِیْ حِلِّہٖ وَاَعْدِلْ اِلٰی مَا تَشُکُّ فِیْہِ۔

۵۵ : حضرت ابو محمد حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ باتیں یاد ہیں: "دَعْ مَا یَرِیْبُکَ اِلٰی مَا یَرِیْبُکَ ، فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَاْنِیْنَۃٌ ، وَالْکَذِبَ رِیْبَۃٌ" جو بات شک میں مبتلا کرے اس کو چھوڑ اور اس کو اختیار کر جو شک میں نہ ڈالے۔ سچائی اطمینان ہے اور جھوٹ شک ہے۔ (ترمذی)

یُرِیْبُکَ : جس کے حلال ہونے میں شک ہو اس کو چھوڑ دو اور اس کی طرف جھک جاؤ جس میں شک نہ ہو۔

تشریح ۞ حسن رضی اللہ عنہ ان کی ولادت نصف رمضان ۳ھ مدینہ منورہ میں ہوئی۔ یہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں۔ ان کا نام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا۔ یہ نام جاہلیت میں معروف نہ تھے۔ ان کے سن وفات میں بہت اختلاف ہے۔ ۴۴،۴۵،۴۹ یا ۵۰،۵۱،۵۲ھ (بقیع میں مدفون ہوئے) ان کو زہر دی گئی۔ سعید بن العاص حاکم مدینہ نے نماز جنازہ پڑھی۔ ان کی قبر معروف ہے۔ ان کی فضیلت میں وہ ارشاد نبوت کافی ہے کہ "میرا یہ بیٹا سردار ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا"۔ یہ اسی طرح ہوا۔ والد کی وفات کے بعد جب یہ خلیفہ بنے۔ لڑائی کے لئے نکلے۔ صورت حال کو بھانپ گئے کہ یہ معاملہ اس وقت تک ایک طرف نہیں لگ سکتا جب تک کہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد دونوں اطراف سے قتل نہ ہو۔ اپنے نانا کی بات پر عمل پیرا ہو کر خلافت سے دستبردار ہو گئے اور خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے خود ان کی بیعت کر لی اور مسلمانوں کے خون و اموال کو محفوظ کر دیا۔ جو شرائط طے پائیں ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حتی الامکان پورا کیا۔ ان کے فضائل مناقب بہت ہیں۔ وہ حلیم، سخی، شریف ترین انسانوں میں سے تھے۔ مرویات کی تعداد ۱۳ ہے چار کو اصحاب سنن نے روایت کیا جن میں ایک یہ ہے۔

دع: یہ امر استحباب کے لئے ہے۔

الی ما یریبك الی مالا یریبك: نووی کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے جس کے حلال ہونے میں شبہ ہو اس کو چھوڑ کر خالص حلال

کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔اس کی نظیر وہ روایت ہے:من اتقیٰ الشُبهَ فقد استبراء لدینه وعرضه۔
راب یریب: شک کرنا۔راب: جس میں شک یقینی ہو۔اراب: جس میں شک وہم کی حد تک ہو۔گویا یہ جملہ بطور تمہید لایا گیا ہے کہ جب تمہیں کسی چیز میں شبہ ہوتو اسے چھوڑ دو مؤمن فطرۃً سچائی کی طرف مائل ہوتا ہے اور جھوٹ سے نفرت کرتا ہے۔ اگرچہ اسے اس کی حقیقت معلوم نہ ہو اور جب کسی کام کی عادت ڈالنے لگے تو اس کی درستی جب تک معلوم نہ ہو اس کی طرف میلان نہ چاہئے۔صاف دل والے اسی طرح کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ حقائق وجود کی پرکھ ان کو عنایت فرماتے ہیں۔بعض لوگوں کا قول ہے کہ مؤمن کامل کا پاکیزہ نفس ہر کمال سے اطمینان پاتا اور ردی سے دور ہٹتا ہے۔سچی بات کو اخذ کرتا ہے اور کذب و باطل سے نفرت کرتا ہے۔اسی لئے اس کے اطمینان کو حلت کی علامت بنا دیا گیا اور نفرت و گھٹن کو حرام کا نشان قرار دیا گیا اور پہلے کے کرنے اور دوسرے سے حتی الامکان اعراض کا حکم دیا

امام مالک کی ایک روایت میں ہے کہ جب ''دع ما یریبك الی ما لا یریبك'': سنائی تو ایک آدمی نے کہا مجھے یہ کیسے معلوم ہوگا تو فرمایا جب کسی کام کا ارادہ کرو تو سینے پر ہاتھ رکھو حرام میں دل مضطرب ہوگا اور حلال میں مطمئن۔نیک مسلمان تو صغیرہ کو کبیرہ کے خطرے سے چھوڑ دے گا اور طبرانی کے الفاظ زائد ہیں کہ اس آدمی نے کہا ورع والا کون ہے۔آپ نے فرمایا: جو شبہ کے وقت رک جائے۔

تخریج: صحیح الإسناد۔ أخرجه احمد (۱۷۲۳ /۱) والترمذی (۲۰۱۸) والنسائی (۵۷۲۷) والطیالسی (۱۱۷۸) والحاکم (۲۱۶۹ ـ ۲۱۷۰ /۲) والبیهقی (۳۳۵/۵) والدارمی (۲۵۳۲) بألفاظ متقاربة۔

الفوائد: ① یہ روایت ایک عظیم الشان فقہی اصول کی نشان دہی کرتی ہے کہ جس چیز میں شک ہو اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کر لو اور جو یقینی ہے مثلاً ایک آدمی کو نماز میں شک ہوا کہ اس نے تین رکعت پڑھیں یا دو تو دو کا ہونا یقینی ہے اس کو اختیار کر کے سجدہ سہو سے نماز کو مکمل کرے۔ ② انسان سکون و اطمینان سے ہوتا جب وہ کسی شک میں پڑتا ہے تو تب قلق و اضطراب اس پر طاری ہوجاتی ہے۔جب شک زائل ہوجاتا ہے تو پھر اضطراب ختم ہوجاتا ہے۔ ③ صدق اطمینان ہے۔سچا آدمی نجات پانے والا ہے۔اس کو کسی چیز پر تاسف نہیں ہوتا خواہ حاصل ہو یا نہ ہو۔ ④ جھوٹ جب خود شک ہے تو دوسرے اس پر کس طرح اعتماد کریں۔اسی لئے وہ اعتماد دلانے کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتا پھرتا ہے۔ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ کذب چھوڑ کر صدق کو اختیار کرے۔واللہ ولی التوفیق۔(الشرح)

اَلثَّالِثُ :

۵۶ :عَنْ اَبِیْ سُفْیَانَ صَخْرِ بْنِ حَرْبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فِی حَدِیْثِ الطَّوِیْلِ فِیْ قِصَّةِ هِرَقْلَ ' قَالَ هِرَقْلُ : فَمَاذَا یَاْمُرُکُمْ – یَعْنِی النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اَبُوْسُفْیَانَ قُلْتُ : یَقُوْلُ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا تُشْرِکُوْا بِهٖ شَیْئًا ' وَاتْرُکُوْا مَا یَقُوْلُ آبَاؤُکُمْ۔ وَیَاْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ' وَالْعَفَافِ ' وَالصِّلَةِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۵۶: حضرت ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ اپنے اس طویل بیان میں جو ہرقل کے قصہ میں مذکور ہے کہتے ہیں کہ

ہرقل نے کہا وہ پیغمبر تمہیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ ابوسفیان کہتے ہیں میں نے جواب دیا وہ کہتے ہیں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور جو تمہارے باپ دادا کہتے ہیں اس کو چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز کا حکم دیتے ہیں اور سچ بولنے اور پاک دامنی اور صلہ رحمی اختیار کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح ابوسفیان صخر بن حرب قرشی اموی مکی رضی اللہ عنہ ہیں۔ عام الفیل سے دس سال پہلے پیدائش ہوئی۔ فتح مکہ کی رات اسلام قبول کیا۔ یہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ غزوۂ حنین وطائف، تبوک میں حاضر رہے۔ غنائم حنین سے ان کو ایک سو اونٹ اور ۴۰ اوقیہ چاندی دی گئی اور ان کے دونوں بیٹوں یزید و معاویہ رضی اللہ عنہما کو بھی اسی قدر عطیات دیئے۔ اس پر ابوسفیان نے یہ جملے کہے:

واللّٰه انك لكريم فداك ابى و امّى، ولقد حاربتك فنعم المحارب كنت، ولقد سالمتك فنعم المسالم انت فجزاك اللّٰه خيرًا۔

''اللہ کی قسم! بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخی ہیں میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے آپ سے لڑائی کی تو آپ بہترین محارب تھے اور میں نے آپ سے صلح کی تو آپ بہترین صلح جو ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے''۔

غزوۂ طائف میں شرکت کی تو ایک آنکھ پر تیر لگا اور وہ ضائع ہوگئی۔ دوسری آنکھ جنگ یرموک جو دورِ صدیقی میں پیش آئی اس میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہوئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نجران کا عامل مقرر فرمایا۔ آپ کی وفات کے وقت تک آپ عامل رہے۔ ان سے حدیث ہرقل بخاری و مسلم نے نقل کی۔ ابوداؤد و ترمذی مختصر، نسائی نے مکمل نقل کی۔ (اطراف للمزیؒ) مدینہ منورہ میں ۳۱، ۳۲ یا ۳۳ھ میں وفات پائی۔ اس وقت عمر ۸۸ یا ۹۳ سال تھی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

ہِرَقْل: رومی بادشاہ کا لقب ہے۔ نام قیصر تھا۔ ۶ھ میں اطراف کے ملوک کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط روانہ فرمائے جن میں ان کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے شام میں موجود قریش کے افراد کی طرف پیغام بھیجا ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی تعلق تھا اس لئے ان کو بلایا گیا۔ ہرقل نے آپ کے حالات دریافت کرنے کے لئے کہا وہ کس چیز کا حکم دیتے ہیں کیونکہ رسول کا کام اور منصب یہی ہے یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مدرج ہیں۔

اعبد ولا اللّٰه وجهه: یہ مایأ مُرُكُمْ: کا جواب ہے۔

النّحو: لا تشركوا به شيئًا: یہ وحدہ کی تاکید یا عطف تفسیری ہے۔ علامہ برماوی نے ان دونوں جملوں کو ایک قرار دیا اور تحفۃ القاری میں ان جملوں کو باہمی لازم ملزوم قرار دیا گیا ہے۔ ابوسفیان نے اس میں نہایت مبالغہ کیا اس کی دو وجہ ہوسکتی ہے ① اس پر سب سے گراں چیز یہی تھی اس سے جلد جان چھڑانے کو اہمیت دی۔ ② دین توحید سے تثلیث پرست ہرقل کو خوب متنفر کرنے کے لئے کہا۔

واتركوا ما يقول اباؤكم: اپنے آباء کی بات چھوڑ دو۔ ترک جاہلیت کیلئے جامع کلمہ ہے۔ آباء کا تذکرہ ہرقل کو اس بات پر خبردار کرنے کے لئے لائے کہ ہم ان کی مخالفت میں اس لئے معذور ہیں کہ وہ آبائی دین کا تارک ہے اور تقلید آباء بت پرستوں اور نصرانیوں کے ہاں مسلم تھی۔ بالصلاۃ: وہ ہمیں نماز قائم کرنے کا کہتا ہے۔

الصدقة: راجح لفظ یہی ہے۔ کتاب التفسیر کی روایت میں اسی طرح ہے اور مسلم میں بھی اسی طرح ہے نیز نماز و زکوٰۃ کا اکٹھا استعمال کثرت سے ہے۔ مگر نووی کے نزدیک صدق کا لفظ سرخسی کی روایت سے ثابت ہے اور باب کا تقاضا بھی یہی ہے۔ پہلے عقائد مذکور ہیں پھر اعمال۔

العفاف: ① محارم اور مروت کے خلاف کاموں سے بچنا ② ایسی چیزوں سے بچنا جو نہ حلال ہوں اور نہ مناسب ہوں۔

الصلہ: ذی رحم سے میل وجول اور رعایت سے پیش آنا۔

تخریج: أخرجه احمد (جزء من حديث طويل أخرجه احمد (۲۳۷۰ /۱) والبخاری (۷) و (۵۱) و مسلم (۱۷۷۳) والترمذی (۲۷۱۷) وابن حبان (۶۵۵۵) و ابن منده فی الإيمان (۱۴۳) والبيهقی فی دلائل النبوة (۳۷۷/۴ / ۳۸۰) وغيرهم من أئمة الحديث الشريف۔

الفرائد: ① صدق کی دو قسمیں اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں سچائی اختیار کرنا ② بندوں کے معاملہ میں سچائی اختیار کرنا۔ اس کے بالمقابل کذب ہے جو کہ کفار و منافقین کی علامت ہے۔ ارشاد فرمایا: ایة المنافق ثلاثٌ...... اذا حدّث کذبَ الحدیث۔ اس دور میں تو جھوٹ عام ہے بلکہ جھوٹ کی مجالس قائم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿واجتنبوا قول الزور حنفاء لله﴾

② عفاف کا معنی پاک دامنی ہے اس کی دو قسمیں ہیں: ① انسان ان چیزوں سے بچے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا مثلاً زنا' فاحشہ اور اس کے وسائل۔ زنا کی سزا سو کوڑے یا رجم رکھی گئی ہے۔ یہ انسانوں کو اس فاحشہ سے بچانے کے لئے شاندار اقدام ہے۔ اسی لئے دواعی واسباب زنا کی روک تھام کے لئے ولا تبرجن تبرج الجاهلية: کا حکم فرمایا۔ اسی طرح پردے کی تاکید فرمائی۔ ② شہوت باطن سے بچنا یعنی پیٹ کی خاطر لوگوں سے سوال کرتا پھرے یہ قیامت کے دن ذلت کا باعث ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا عفاف اختیار کرنے والوں کے متعلق فرمایا: ﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾: (البقرہ: ۲۷۳)

③ اقارب سے صلہ رحمی الاقرب فالاقرب کے لحاظ سے ہونی چاہئے۔ مثلاً بھائی چچا سے زیادہ صلہ رحمی کا حقدار ہے۔ اس طرح ماں' باپ سب سے زیادہ صلہ کے حقدار ہیں۔ واللہ هو ولی التوفیق۔ (الشرح)

الرَّابِعُ :

۵۷ : عَنْ اَبِیْ ثَابِتٍ وَقِیْلَ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَقِیْلَ اَبِی الْوَلِیْدِ ' سَهْلِ بْنِ حُنَیْفٍ وَهُوَ بَدْرِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ : مَنْ سَاَلَ اللّٰهُ تَعَالَی الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَآءِ ' وَاِنْ مَاتَ عَلٰی فِرَاشِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۵۷ : حضرت ابو ثابت اور بعض نے کہا ابو سعید اور بعض نے کہا ابو الولید سہل بن حنیف بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ سے سچے دل: کے ساتھ شہادت مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کے مراتب میں پہنچا دیں گے۔ خواہ اس کی موت اپنے بستر پر ہو۔ (مسلم)

تشریح ۞ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ یہ بدری' مدنی ہیں تمام غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ احد کے دن ثابت قدم رہے۔ اس دن موت پر بیعت کی۔ پھر علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔ انہوں نے ان کو مدینہ کا حاکم بنایا۔

صفین میں ان کی معیت میں لڑے۔ فارس کے علاقوں کا انہیں حاکم بنایا۔ انہوں نے ان کو نکال دیا۔ پھر ان پر زیاد کو حکمران بنایا تو انہوں نے وعدۂ خراج پر صلح کر لی۔ ان کی وفات ۳۸ھ کوفہ میں ہوئی۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ چھ تکبیرات سے پڑھائی اور فرمایا یہ بدری صحابی ہے۔ ان کی مرویات کی تعداد چالیس ہے۔ ۱۴ متفق علیہ ہیں۔ دو میں مسلم منفرد ہیں۔ اصحاب سنن اربعہ نے ان کی روایات نقل کی ہیں۔

عن سأل الله تعالى الشهادة: شہادت پانے کا سوال سچائی سے کرے اللہ تعالیٰ اس کی سچی نیت کی وجہ سے شہداء کے بلند مرتبہ میں اس کو پہنچائے گا۔ خواہ اس کی بستر پر موت آئے۔ ① اس سے معلوم ہوا کہ مقصد کو پانے کے لئے دل کی سچائی ضروری ہے۔ جس نیک کام کی نیت کرے اس پر اسے ثواب ملے گا اگرچہ عمل کا اتفاق نہ ہو۔ جیسا دوسری روایت میں گزرا کہ مدینہ منورہ میں ایسے لوگ ہیں کہ جس وادی کو بھی تم طے کرو وہ اجر میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔ ان کو عذر نے شرکت سے روک دیا ہے۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ شہادت کی طلب مستحب ہے اور اچھی نیت مستحب ہے۔

تخریج: أخرجه مسلم (۱۹۰۹) وأبو داود (۱۵۲۰) والترمذى (۱۶۵۳) والنسائى (۳۱۶۲) وابن ماجة (۲۷۹۷) وابن حبان (۳۱۹۲) والدارمى (۲/۲۰۵) والبيهقى (۹/۱۶۹/۱۷۰) والطبرانى (۶/۵۵۵۰)

الفرائد: شہادت پانے والے کو شہید کہا جاتا ہے۔ اس کا مرتبہ انعام یافتہ جماعتوں میں تیسرا ہے۔ شہداء کی بہت سی اقسام مفسرین نے لکھی ہیں۔ ① علماء شہداء ہیں کیونکہ یہ دین حق اور شریعت کی سچائی کی گواہی دیتے ہیں۔ احکام میں حلال و حرام مستحب و مکروہ کی گواہی دیتے ہیں ان کے علاوہ کوئی دوسرا ان کو نہیں جان سکتا۔ ② اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جانے والے بھی شہید ہیں جیسا فرمایا: ﴿ولا تحسبن الذين قتلوا......﴾۔ ③ طاعون، غرق، آگ میں جل کر پیٹ کی بیماری وغیرہ میں مبتلا ہو کر مرنے والے بھی ارشادات نبوت کے مطابق شہید ہیں۔ ④ اپنی جان و مال عزت کے دفاع میں مارے جانے والے کو آپ ﷺ نے فرمایا: **من قتل دون ماله واهله فهو شهيد**۔ ⑤ جن کو ظلماً قتل کر دیا جائے وہ بھی شہید ہے مگر ان میں سب سے بلند مرتبہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں ایک میزان مقرر فرما دیا۔ **مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كلمةُ اللّٰه هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فی سبيل اللّٰه**۔ جب کوئی انسان صدق نیت سے اللہ تعالیٰ سے شہادت کا طالب ہوگا اور شہادت تو اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کی خاطر قتال سے ہوگی تو ایسے شخص کو منازل شہداء میں پہنچا دیں گے۔ فقط وطن کی خاطر لڑ کر مرنے والا شہید نہ ہوگا۔ اسلامی مملکت کے دفاع کی خاطر تا کہ وہاں اسلام محفوظ رہے لڑنے والا یقیناً شہید ہوگا۔ (الشرح)

❀ ❀ ❀

اَلْخَامِسُ :

۵۸ : عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : غَزَا نَبِیٌّ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ ، فَقَالَ لِقَوْمِهِ : لَا يَتْبَعَنِّیْ رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ امْرَاَةٍ وَّهُوَ يُرِيْدُ اَنْ يَبْنِیَ بِهَا وَلَمَّا يَبْنِ بِهَا ، وَلَا اَحَدٌ بَنٰی بُيُوْتًا لَمْ يَرْفَعْ سُقُوْفَهَا ، وَلَا اَحَدٌ اشْتَرٰی غَنَمًا اَوْ

خَلِفَاتٍ وَهُوَ يَنْتَظِرُ أَوْلَادَهَا۔ فَغَزَا فَدَنَا مِنَ الْقَرْيَةِ صَلَاةَ الْعَصْرِ أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذٰلِكَ ، فَقَالَ لِلشَّمْسِ :إِنَّكِ مَأْمُورَةٌ وَّأَنَا مَأْمُورٌ ، اللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا ، فَحُبِسَتْ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ ، فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَآءَ تْ - يَعْنِي النَّارَ - لِتَأْكُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا ، فَقَالَ :إِنَّ فِيكُمْ غُلُولًا فَلْيُبَايِعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهِ فَقَالَ :فِيكُمُ الْغُلُوْلُ۔ فَلْيُبَايِعْنِي قَبِيلَتُكَ ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ بِيَدِهِ، فَقَالَ :فِيكُمُ الْغُلُوْلُ۔ فَجَاؤُوا بِرَأْسٍ مِثْلِ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ ، فَوَضَعَهَا فَجَآءَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْهَا۔ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ قَبْلَنَا، ثُمَّ أَحَلَّ اللّٰهُ لَنَا الْغَنَائِمَ لَمَّا رَاٰى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَأَحَلَّهَا لَنَا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"اَلْخَلِفَاتُ" بِفَتْحِ الْخَاءِ الْمُعْجَمَةِ وَكَسْرِ اللَّامِ :جَمْعُ خَلِفَةٍ وَهِيَ النَّاقَةُ الْحَامِلُ۔

۵۸: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ایک پیغمبر جہاد کیلئے نکلے۔ انہوں نے اپنی قوم کو فرمایا میرے ساتھ ایسا کوئی آدمی نہ نکلے جس نے نئی نئی شادی کی ہو اور وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کا ارادہ رکھتا ہو اور ابھی تک ہمبستری نہ کی ہو اور نہ ہی وہ جس نے مکان بنایا ہو مگر ابھی تک اس کی چھت نہ ڈالی ہو اور نہ ہی وہ آدمی جس نے بکریاں یا حاملہ اونٹنیاں خریدی ہوں اور ان کے بچے جننے کا منتظر ہو۔ چنانچہ وہ پیغمبر جہاد پر روانہ ہو گئے اور اس شہر میں عصر کی نماز کے وقت یا عصر کے قریب اس شہر میں پہنچے۔ پس انہوں نے سورج کو خطاب کر کے فرمایا: اے سورج تو بھی اللہ کی طرف سے مامور ہے اور میں اللہ کی طرف سے مامور ہوں۔ اے اللہ! سورج کو ہمارے لئے روک دے۔ چنانچہ سورج کو روک دیا گیا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے وہ شہر فتح کر دیا پھر انہوں نے غنائم کو جمع فرمایا۔ آسمان سے آگ ان کو جلانے کیلئے آئی مگر آگ نے اس کو نہ کھایا اور نہ جلایا۔ انہوں نے فرمایا تمہارے اندر مال غنیمت میں خیانت پائی جاتی ہے۔ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کرے۔ ایک آدمی کا ہاتھ ان میں سے آپ کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ آپ نے فرمایا تمہارے قبیلہ میں خیانت ہے۔ تمہارا قبیلہ میری بیعت کر لے۔ چنانچہ دو یا تین آدمیوں کے ہاتھ آپ کے ہاتھ سے چمٹ گئے۔ آپ نے فرمایا خیانت تم میں ہے۔ پھر وہ ایک سونے کا سر لائے جو گائے کے سر کے برابر تھا۔ جب اس کو مال غنیمت میں رکھا۔ پس اسی وقت آگ اتری اور اس مال کو کھا گئی (پھر آنحضرتؐ نے فرمایا) ہماری شریعت سے پہلے غنائم کا مال کسی کیلئے استعمال کرنا جائز نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے غنائم کو حلال کر دیا۔ جب ہماری کمزوری اور عاجزی کو دیکھا۔ (متفق علیہ)

اَلْخَلِفَاتُ مَعَ خَلِفَةٌ :حاملہ اونٹنی

تشریح ۞ نبی من الانبیاء: اس سے یوشع بن نون مراد ہیں (التوشیح) بضع امرأة: اس سے نکاح، شرمگاہ یا جماع مراد ہوتا ہے۔ یبنی بها سے مراد داخل ہونا ہے۔ اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کا رواج یہ تھا کہ جب خاوند بیوی کے ہاں پہلی مرتبہ جانا چاہتا تو اس کے لئے بالوں وغیرہ کا خیمہ لگواتا۔ اس لازم بول کا ملزوم مراد ہے۔ لم یرفع سقوفها: سے مراد مکان کا تیار نہ ہونا ہے۔ غنما او خَلِفَات۔ بکریاں کمزوری کی وجہ سے نگران کی محتاج ہیں خواہ حاملہ نہ ہوں۔ خَلِفَةٌ: حاملہ اونٹنی۔

بقول قرطبی قریب الولادت اونٹنی۔

علامہ قرطبیؒ: ان اقسام کے لوگوں کو ساتھ جانے سے منع کیا کیونکہ ان کی جہاد وشہادت سے رغبت کم ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ جہاد سے نفرت کا باعث بن جائے۔ اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد نیت کو ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک وصاف کرنا ہے تا کہ بڑا اجر پا سکیں۔

دنا من القریہ: مسلم میں ادنیٰ کا لفظ ہے مطلب یہ ہے: ① **ادنیٰ جیوشه للقریة** ② یہ حال یعنی قریب ہونے کے معنی میں ہے جیسے **ادنت الناقة:** جب بچہ جننے کے قریب ہو۔ (نووی) بقول قرطبی یہ **دخل فی الموضع الدانی منها:** یعنی وہ بستی کی قریبی جگہ میں داخل ہوئے۔ بستی کا نام بخاری میں اریحا مذکور ہے۔ **انك مأمورة:** اس سے تسخیر تکوینی مراد ہے اور **انا باموء** سے امر تکلیفی مراد ہے۔

فحبست: سورج کا رک جانا یہ معجزہ نبوت ہے۔ جیسا ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قصہ اسراء اور حضر خندق کے موقعہ پر ہوا۔ قاضی عیاضؒ کہتے ہیں ① سورج واپس لوٹ گیا ② رک گیا ③ اس کی حرکت کو سست کر دیا گیا۔ بہر صورت میں یہ معجزہ ہے۔

غنائم جمع کئے گئے اور آگ لگائی مگر مال غنیمت کو اس نے نہ جلایا سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ہاں یہی معمول تھا۔ **لم تعطمها:** کا لفظ نہ کھانے میں مبالغہ ظاہر کرنے کے لئے لائے کہ کھانا تو در کنار اس کو چکھا بھی نہیں۔ سابقہ شرائع میں غنائم کا یہی حکم تھا کہ آسمانی آگ اتر کر اس کو جلا دیتی۔ **غلال:** مال غنیمت میں خیانت کو کہا جاتا ہے۔ **من کل قبیلة رجل** کیونکہ ان کی تعداد ستر ہزار بتلائی جاتی ہے ہر ایک کی بیعت ممکن نہ تھی ایک آدمی کا ہاتھ پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھ سے چمٹ گیا جس سے یہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا کہ اس قبیلہ میں خیانت ہے۔ پھر اس قبیلے کے لوگوں نے بیعت کی تو دو تین کے ہاتھ چمٹ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں خیانت ہے۔ انہوں نے مان لیا اور گائے کے سر کے برابر سونے کا سر لائے۔ اس کو غنیمت میں رکھا گیا تو آگ نے مال غنیمت کو کھا لیا۔

فاحلها لنا: یہ ما قبل کا جواب ہے۔ ② جواب محذوف ہو اور یہ معطوف ہو۔ **رأی:** جانا۔ **ضعفناء وعجرنا:** بدن کی کمزوری اور اعمال سے عاجزی۔

تخریج: أخرجه احمد (۸۲۴۵ / ۳) و عبدالرزاق (۹۴۹۲) والبخاری (۳۱۲٤) و مسلم (۱۷٤۷) والبیهقی (٦ / ۳۹۰) وابن حبان (۳۸۰۷) والحاکم (۲٦۱۸ / ۲)

الفرائد: ① جہاد سابقہ امم میں بھی اسی طرح مشروع تھا جیسا اس امت میں ہے۔ قصہ طالوت اس پر دلیل ہے۔ سورۃ البقرہ ۲۴۶۔ ② ساری کائنات کا مدبر اللہ تعالیٰ ہے اپنے رسول کی تائید کے لئے معاملات کو جس طرح چاہے پھیر دے۔ جیسا سورج کو روک دیا۔ کفار کا مزاج یہ ہے کہ وہ ہر نشانی بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں بلکہ یہی کہہ دیں **سِحرٌ مُّستَمِر** (القمر: ۲) ③ اس امت پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی احسانات میں سے چند کا تذکرہ ہے۔ پہلی امتوں پر غنائم حرام تھے ہمارے لئے حلال کر دیئے۔ ④ ہاتھ کا چمٹنا محض اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا ورنہ ہاتھ تو ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔ ⑤ انبیاء علیہم عالم الغیب نہیں اس کے لئے بے شمار شواہد ہیں: ﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا﴾ (الجن:

۲۶) ⑥ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم علامت وہ آسمانی آگ تھی جو کسی درخت وغیرہ سے پیدا ہونے والی نہ تھی۔ (الشرح)

اَلسَّادِسُ :

۵۹ : عَنْ اَبِیْ خَالِدٍ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : "اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَا لَمْ یَتَفَرَّقَا ، فَاِنْ صَدَقَا وَبَیَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِیْ بَیْعِهِمَا ، وَاِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَیْعِهِمَا " مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۵۹ : حضرت ابو خالد حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فروخت کنندہ اور خریدار کو اختیار ہے جب تک وہ اس مجلس سے جدا نہ ہوں۔ اگر دونوں نے حقیقت کو نہ چھپایا اور سچ بولا تو ان کی بیع میں برکت ڈال دی جائے گی اور اگر حقیقت کو چھپایا اور جھوٹ بولا تو بیع کی برکت ختم کر دی جائے گی۔ (متفق علیہ)

ایک کلیہ: قریش کے اسماء میں حرف مہملہ کے بعد زاء آتی ہے۔ وہ اسی طرح پڑھا جائے گا مثلاً حِزامؓ اور انصار کے جتنے نام دو مہملہ حروف سے شروع ہوتے ہیں وہ دونوں مفتوح پڑھے جاتے ہیں مثلاً حَرَام بن ملحصان۔

ان کا نام حکیم بن حزام اور کنیت ابو خالد ہے۔ یہ قریش کی شاخ بنو اسد سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے ہیں۔ ان کی پیدائش کعبہ میں ہوئی۔ یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ یہ جاہلیت و اسلام میں سرداران قریش میں سے شمار ہوتے تھے۔ یہ مؤلفۃ القلوب سے تھے حنین کے دن ان کو ایک سو اونٹ عنایت ہوئے۔ یہ اسلام پر ثابت قدم رہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں جو خیر کا کام کیا اسلام میں آ کر اسی طرح کا نیک کام کیا' ان کے پاس قریش کا ڈیرہ دار الندوہ تھا انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا تو نے قریش کی عزت بیچ دی تو انہوں نے جواب دیا تقویٰ کے سواء تمام مکارم ختم ہو گئے۔ وہ تمام مال صدقہ کر دیا۔ زمانہ اسلام میں حج کیا ان کے ساتھ ایک سو اونٹ تھے اور ان کے ساتھ ایک سو غلام کھڑے کئے جن کے گلے چاندی کے طوق پر یہ تحریر درج تھی: عتقاء اللہ عن حکیم بن حزام۔ اسی طرح اس موقعہ پر ایک ہزار بکریاں بطور ھدی دیں۔ یہ بڑے سخی تھے۔ وفات سے قبل نگاہ جاتی رہی انہوں نے ایک سو بیس سال عمر پائی نصف حصہ جاہلیت میں گزرا اور نصف اسلام میں۔ بقول ابن اثیر سن وفات ۵۴ھ خلافت معاویہ کا زمانہ ہے۔ بعض نے ۵۸ھ نقل کیا ہے۔

مرویات کی تعداد چالیس ہے۔ بخاری و مسلم نے ۴ نقل کی ہیں۔

خیار : فسخ و ایجاد میں سے ایک کو اختیار کرنا۔ مالم یتفرقا: بدن و کلام سے جدائی مراد ہے۔ صدقا: اس چیز کے متعلق صفت و غیب کی اطلاع میں دونوں سچے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے زیادتی نفع کے اسباب بڑھا دیں گے اور ان کے اچھے معاملہ کرنے والے مل جائیں گے وہ خیانت و حسد سے محفوظ رہیں گے جو کہ بیع میں نقصان کا باعث ہیں اور اگر انہوں نے سامان کے عیوب کو چھپایا اور ان کی تعریف میں جھوٹ سے کام لیا تو بیع کی برکت مٹا دی جائے گی اور ان کو سوائے مشقت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ایک روایت میں کذب و کتمان عیب کے علاوہ جھوٹی قسم کو بھی بے برکتی کا باعث قرار دیا گیا ہے۔ جس کو بخاری

مسلم ابوداؤد ترمذی نسائی نے معمولی فرق کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

فوائد ۞ : جب تاجر اپنے معاملات میں دھوکہ وجھوٹ اور ملاوٹ اختیار نہیں کرتا تو اللہ اس میں برکت دیتے ہیں اسی طرح بندہ جب تک اپنی غلامی کے معاملات میں ملاوٹ اور ریاکاری اور دکھلاوے سے کام نہیں لیتا تو اس کے عمل میں برکات ہوتی ہیں۔ارشادفرمایا:﴿ان اللّٰہ اشتری......﴾:درست معاملے علامت تقویٰ ہے۔② اور نیکی کا آخری نتیجہ جنت ہے۔

تخریج: أخرجه احمد ١٥٣١٤ / ٥) و أبی شيبة (١٢٤/٧) والدارقطنی (٢/٢٥٠) والطيالسی (١٣١٦) والبخاری (٢٠٧٩) و مسلم (١٥٣٢) وأبو داود (٣٤٥٩) والنسائی (٤٤٦٩) والترمذی (١٢٤٦) وابن حبان (٤٩٠٤) وغيرهم۔

الفرائد: ① بیعان: تغلیباً بائع ومشتری بیعان کہہ دیا گیا جیسے کہتے ہیں القمران یعنی سورج وچاند۔

خیار کی صورتیں ① جب بیع مطلق ہو تو خیار بھی مطلق ہوگا۔ ② جب بائع خیار کی شرط لگائے تو اختیار صرف بائع کو ہوگا۔ ③ جب مشتری شرط لگائے تو خیار فقط مشتری کو ہوگا۔ ④ بیع اس طرح کریں کہ خیار کسی کو حاصل ہوگا تو کسی کو بھی اختیار نہ ہوگا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **المسلمون علی شروعهم الا شرطًا اصل حراما او رحم حلالًا**۔ ③ سامان کو فروخت کرتے ہوئے اس کی صفات مطلوبہ بیان کردینی چاہئیں ورنہ کذب کی وجہ سے برکت اٹھ جائے گی۔ (الشرح)

٥ : بَابُ الْمُرَاقَبَةِ

باب: مراقبہ کا بیان

مراقبہ: مقام احسان کا دوسرا نام ہے۔ان لم تکن تراه فانه یراك: دوسری روایت میں ہے جس کو عبادہ بن صامت نے نقل کیا' مسلمان کے ایمان کا افضل درجہ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ وہ جہاں بھی ہے وہاں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے۔بقول شاعر:

کان رقیبا منك یرعی خواطری ☆ واخری یرعی ناظری وجنانی

بقول ابن عطاء! اے اللہ وہ آنکھ اندھی ہوجائے جو یہ یقین نہ کرتی ہو کہ تو اس کو دیکھتا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿الَّذِیْ یَرٰكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ﴾ [الشعراء :٢١٨-٢١٩]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وہ ذات جو تمہیں دیکھتی ہے جب تم اٹھتے ہو اور سجدہ کرنے والوں میں آتے جاتے ہو۔(الشعراء)

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَمَا كُنْتُمْ﴾ [الحدید :٤]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وہ اللہ تعالیٰ (اپنی قدرت وعلم سے) تمہارے ساتھ ہیں جہاں بھی تم ہو۔ (الحدید)

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ﴾ [آل عمران :۵]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ پر آسمان وزمین کی کوئی چیز مخفی اور چھپی ہوئی نہیں ہے۔ (آل عمران)

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ [الفجر:١٤]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بے شک آپ کا ربّ گھات میں ہے۔ (الفجر)

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ﴾ [غافر :١٩]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت کو جانتے ہیں اور جو سینوں میں مخفی باتیں ہیں ان کو بھی جانتے ہیں۔ (غافر)

وَالْآيَاتُ فِي الْبَابِ كَثِيْرَةٌ مَعْلُوْمَةٌ۔

آیات اس سلسلہ میں معروف ہیں۔

وَاَمَّا الْاَحَادِيْثُ :فَالْاَوَّلُ

الفرائد : ① **مراقبۃ للّٰہ**: یہ ہے کہ انسان یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اقوال وافعال اور اعتقادات کو جانتے ہیں۔ جیسا اس آیت میں ہے: ﴿اَلَّذِيْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ......﴾: اللہ تعالیٰ ہر مکان ومقام اور ہر گھڑی وحالت پر مطلع ہے۔ ② **مراقبۃ اللّٰہ تعالیٰ**: کہ اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے جیسا فرمایا: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾: (احزاب:۵۲)

حکمت ذکر سجدہ وقیام: نماز میں ان کو اہم ترین ہونے کی وجہ سے ذکر کیا قیام تلاوت کی وجہ سے سجدہ سے افضل ہے اور سجدہ ہیئت کی وجہ سے قیام سے افضل ہے جیسا فرمایا: ﴿واقرب ما يكون العبدُ من ربه وهو ساجد﴾: اسی لئے سجدہ میں خوب دعا کرنی چاہئے۔

آدمی کو زبان سے درست بات نکالنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی ٹیم مقرر ہے۔

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾ (ق:۱۸) اپنی پوشیدہ حالت پر اللہ تعالیٰ کو نگہبان جانتے ہوئے دل کو شرک، ریا اور ایمان والوں کے متعلق کینہ وبغض، کفار سے محبت وغیرہ سے بچاؤ کیونکہ اس نے فرمایا: ﴿وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ﴾: (ق:۱۶) پس قول وفعل اور دل میں جب اللہ تعالیٰ کو رقیب جان لیا تو پھر اس کی طرف رغبت والی اور اس کی رحمت کی طمع والی عبادت میسر ہو جائے گی یا کم از کم اس کی عظمت کے رعب اور عذاب سے خوف والی تو مل ہی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ

سے کائنات کا کوئی ذرہ اور کوئی خشک وتر مخفی نہیں۔ ارشاد فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ﴾ (آل عمران: ۵) فکرہ سیاق نفی میں عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔ پانچ چیزیں ظلمات الارض کہلاتی ہیں ① مٹی کی ظلمت ② سمندر کے پانی کی ظلمت ③ رات کی ظلمت ④ تہہ بہ تہہ بادل کی ظلمت ⑤ اترنے والی بارش کی ظلمت۔ ان میں بھی مخفی چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ اس نے خود فرما دیا: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾: (الحدید: ۴) معیت الٰہی تین قسم ہے: ① علم وقدرت غلبہ وتدبیر سے مخلوق کا احاطہ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ ② اس تہدید وانذار مراد ہوتا ہے ﴿يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ﴾: (النساء: ۱۰۸) ③ نصرت وتائید ثابت قدم کرنا جیسا فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا......﴾ (النحل: ۱۲۸) اسی تیسری قسم کی نسبت مخلوق کی طرف کردی جاتی ہے۔ ﴿فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ﴾: (التوبہ: ۴۰) حاصل آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم وقدرت سے تیرا احاطہ کرنے والے ہیں۔ تیری کوئی حرکت وسکون اس سے مخفی نہیں پس اس کی اطاعت بجالاؤ اور اس کی منہیات کو چھوڑ دے۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ (الفجر: ۱۴) عاد، ثمود، فرعون کی ہلاکت کا ذکر کر کے فرمایا: ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ کہ اپنی قوت پر نازاں قوم عاد کو نرم لطیف ہوا اور قوم صالح مکانات کی پختگی پر فخر کرنے والوں کو چیخ اور ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾: کا دعویٰ کرنے والے فرعون کو پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ کیا یہ سچ نہیں ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾۔ ﴿يعلم خائنة الاعين﴾: (غافر) آنکھوں کی خیانت کو کہ کس غرض سے دیکھتا ہے اور دل کی خباثت کہ کیا خیالات چھپائے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دل ودماغ کا گہرا تعلق ہے جس کی مکمل حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ (الشرح)

اس میں حق کے سواء اور کچھ نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے تو کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔ جعفر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دِل میں ہو اور کچھ نہ پائے جو اسے تم پر ظاہر کردے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے اعمال کا نگہبان ہے۔ کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں رہ سکتی۔ ﴿يعلم خائنة الاعين﴾ (غافر) وہ غیر محرم کی طرف نظر چرا کر دیکھنے کو جانتا ہے اور وہ دلوں کا راز دان ہے۔ اس آیت میں اشارہ کیا کہ وہ چھوٹے گناہوں کو بھی جانتا ہے تو بڑے اس سے کیونکر مخفی رہ سکتے ہیں۔ اور بھی آیات ہیں جیسے فرمایا: وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ [یونس: ۶۱]

احادیث ملاحظہ ہوں:

۶۰: عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لَا يُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، اَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ قَالَ: صَدَقْتَ۔ فَعَجِبْنَا

لَہٗ یَسْاَلُہٗ وَیُصَدِّقُہٗ قَالَ : فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ؟ قَالَ : اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ ، وَمَلَائِکَتِہٖ ، وَکُتُبِہٖ ، وَرُسُلِہٖ ، وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ۔ قَالَ : صَدَقْتَ۔ قَالَ : فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ؟ قَالَ : اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ، فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ : قَالَ : فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَۃِ۔ قَالَ : مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْھَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّآئِلِ۔ قَالَ : فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِھَا۔ قَالَ : اَنْ تَلِدَ الْاَمَۃُ رَبَّتَھَا ، وَاَنْ تَرَی الْحُفَاۃَ الْعُرَاۃَ الْعَالَۃَ رِعَاءَ الشَّاءِ یَتَطَاوَلُوْنَ فِی الْبُنْیَانِ۔ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِیًّا ثُمَّ قَالَ : یَا عُمَرُ ، اَتَدْرِیْ مَنِ السَّائِلِ؟ قُلْتُ : اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ قَالَ : فَاِنَّہٗ جِبْرِیْلُ اَتَاکُمْ یُعَلِّمُکُمْ دِیْنَکُمْ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

وَمَعْنٰی : "تَلِدُ الْاَمَۃُ رَبَّتَھَا" : اَیْ سَیِّدَتَھَا ؛ وَمَعْنَاہُ اَنْ تَکْثُرَ السَّرَارِیْ حَتّٰی تَلِدَ الْاَمَۃُ السَّرِیَّۃُ بِنْتًا لِسَیِّدِھَا ، وَبِنْتُ السَّیِّدِ فِیْ مَعْنَی السَّیِّدُ وَقِیْلَ غَیْرَ ذٰلِکَ ۔ وَ" الْعَالَۃُ" : الْفُقَرَآءُ۔ وَقَوْلُہٗ "مَلِیًّا" اَیْ زَمَانًا طَوِیْلًا ، وَکَانَ ذٰلِکَ ثَلَاثًا۔

۶۰: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ اچانک ایک آدمی جو انتہائی سفید کپڑوں اور انتہائی سیاہ بالوں والا تھا آیا۔ اس پر سفر کا کوئی اثر نہ تھا اور ہم میں سے اس کو کوئی بھی نہ جانتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ آنحضرت کے پاس اس طرح بیٹھا کہ اس نے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملا لئے اور اپنی ہتھیلیاں اپنی رانوں پر دراز کر لیں اور کہنے لگا یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اسلام کے متعلق بتلاؤ۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے اور نماز کو قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور بشرطِ استطاعت بیت اللہ شریف کا حج کرے۔ اس نے یہ سن کر کہا تم نے سچ کہا۔ ہم نے تعجب کیا کہ خود ہی سوال کر رہا ہے اور خود ہی تصدیق کر رہا ہے۔ پھر اس نے کہا مجھے ایمان کے متعلق بتلاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو اللہ پر ایمان لائے اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اچھی' بری تقدیر پر ایمان لائے۔ اس نے کہا تم نے سچ کہا۔ پھر اس نے کہا مجھے احسان کے بارے میں بتلاؤ۔ آپ نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو! گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگرچہ تم اس کو واقعہ میں دیکھ نہیں رہے ہو۔ وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے کہا مجھے قیامت کے متعلق خبر دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سے سوال کیا جا رہا ہے وہ سائل سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔ اس نے کہا تم مجھے اس کی کچھ علامات کے متعلق بتلاؤ۔ آپ نے فرمایا: لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور تم دیکھو گے کہ ننگے پاؤں' ننگے جسم' تنگ دست' بکریوں کے چرواہے بڑی بڑی عمارات بنائیں گے۔ پھر وہ چلا گیا میں کچھ دن ٹھہرا رہا۔ پھر آپ نے ایک دن فرمایا: اے عمر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ سائل کون تھا؟ میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارے دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔ (مسلم)

تَلِدَ الْاَمَۃُ رَبَّتَھَا ۔ رَبَّتَھَا کا معنی مالکہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لونڈیاں بہت ہو جائیں گی۔ یہاں تک کہ لونڈی اپنے آقا کی بیٹی کو جنم دے گی اور آقا کی بیٹی آقا کے معنی میں ہے تو حاصل یہ ہوا کہ لونڈی اپنے آقا کو جنم دے گی۔ بعض نے اور معانی بھی کئے ہیں۔ اَلْعَالَۃُ فقرو محتاج۔ مَلِیًّا :طویل عرصہ اور یہ تین دن تھا۔ حدیث میں بھی اس سے مراد تین دن تھے۔

تشریح ۞ بینما نحن: یہ بین کی طرح ظرف زمان ہے۔ اس میں مفاجات اور شرط کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس میں اذ طلع: کا معنی مفاجات عامل ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ وقت حضور نافی اشرف مجلس فاجأنا عند طلوع ذلك الرجل۔ ⑵ ابن جنی کہتے ہیں۔ بیننا: کا عامل محذوف اور طلع اذ: پر عامل ہے۔ ⑶ شلوبین نے کہا اس کا عامل محذوف اور اذ اس کا بدل ہے۔ ⑷ اذ: مبتدأ اور خبر ذات یوم ہے۔ طلع کا لفظ کسی عظیم کام کو بیان کرنے کے لئے لایا جاتا ہے (کشاف) شدید بیاض الثوب: بعض محققین کا قول۔ حسن ہیت' حسن باطن کا عنوان ہے اسی لئے عید و جمعہ میں تزئین کا حکم دیا گیا۔ الثوب پر الف لام عوض مضاف الیہ ہے ای شدید بیاض شعرہ ۔ لا یعرفه منا احدٌ: کی تعبیر تنکیر کی تاکید کے لئے ہے۔ عاقولی نے تقدیر عبارت نہیں نکالی وہ کہتے فرشتے کے لئے استیزان کی ضرورت نہیں مفاجات اس کے عدم کی دلیل ہے۔ استیذان قرب کے لئے ہوتا ہے۔ اگرچہ اس روایت میں مجلس میں آنے کے لئے استیذان کا تذکرہ نہیں مگر نسائی کی روایت میں صراحت موجود ہے یہ استیذ ان لوگوں پر معاملے کے مخفی رکھنے کے لئے تھا اس نے کہا السلام علیکم یا محمد! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا۔ پھر اس نے کہا اے محمد کیا مجھے قریب آنے کی اجازت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اس کو قریب آنے دو۔ وہ اور قریب آنے کا مطالبہ کرتا رہا اور آپ ﷺ اس کے جواب میں اس کو قریب آنے دو فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے دو ہاتھ آپ ﷺ کے دونوں گھٹنوں پر رکھ دیئے۔ رکبتیه: جبرائیلؑ نے اپنے گھٹنے الی رکبتیه: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے کے ساتھ ملا لئے اتنا زیادہ قرب امر مھم: کے متعلق دلالت کر رہا تھا۔ وضع کفیه علی فخذیه: اس میں فخذ یہ کی ضمیر کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانا بہتر ہے تاکہ نسائی میں جو آپ کے گھٹنوں پر صراحۃً ہاتھ رکھ لینے کا تذکرہ موجود ہے یہ اس کے موافق ہو جائے۔ یہ ہیئت مہتم بالشان چیز کی تعلیم کے لئے معلم اختیار کرتا ہے۔ عاقولی نے یہاں بھی ضمائر کا انکار کیا مگر نسائی کی تصریح کے بعد عاقولی کی بات قابل ثقات نہیں ہے۔

قال یا محمد: گفتگو میں یہ انوکھا انداز ابتداء میں اس لئے اختیار کیا کیونکہ فرشتے لا تعجلوا ادعاء الرسول کی نہی میں مخاطب نہیں ہیں۔ نیز تغریب حاضرین کے لئے مناسب ہے۔

اخبرنی عن الاسلام: ایمان و اسلام کے معنی میں لزوم پایا جاتا ہے شرعی ایمان بلا ظاہری تصدیق کے معتبر نہیں اور نہ اس کا عکس۔ یہ اصل کے لحاظ سے متحد اور مفہوم کے لحاظ سے مختلف ہیں کیونکہ اسلام کا شرعی مفہوم افعال ظاہرہ شرعیہ سے اطاعت اختیار کرنا اور ایمان شرع میں قواعد شرعیہ سے تصدیق کرنے کو کہا جاتا ہے۔ کبھی اس معنی کو وسیع کر کے ہر ایک کا دوسرے پر اطلاق کر لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں اعمال ظاہرہ کو ایمان کہا گیا۔ الایمان بضع وسبعون شعبه ادناھا امامة الاذی عن الطریق واعلھا اقول لا اله الا الله اور اسی طرح تصدیق قلبی کو اس آیت میں اسلام سے تعبیر کیا گیا: ﴿ان الدین عند الله الاسلام﴾ قول قرطبی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ اطلاق جوازاً اور توسعاً ہے۔ جب اس تحقیق کو تسلیم کر لیا جائے تو اس

سلسلہ میں وارد ہونے والے بہت سے اشکالات حل ہو جاتے ہیں۔

النحو: **ان تشهد:** یہ مبتدا محذوف الاسلام کی خبر ہے۔ **ان لا الله:** کا ان مخففہ من المتقلہ ہے یا مطلب یہ ہے کہ جس کو زبان سے تصدیق کی قدرت ہو اسے ان کلمات کا زبان سے اقرار ضروری ہے ورنہ اس کا اسلام معتبر نہ ہوگا۔ نوویؒ نے شرح مسلم میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ لیکن دیگر علماء کہتے ہیں مضمون کی دل سے تصدیق ایمان کے لئے کافی البتہ ان کلمات کے زبان پر نہ لانے کی وجہ سے گناہ گار ضرور ہوگا۔ **تشهد:** یہ اقرار و بیان کے معنی میں ہے۔

ان محمدا رسول الله: سابقہ ترکیب کے مطابق۔ مزید تراکیب یہ ہیں:

① **لا اله الا الله۔ لا:** نفی جنس۔ **اله:** اس کا اسم ہے یہ لا اپنے اسم کے ساتھ مل کر ابتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہے اور اسم جلالہ اس کی خبر ہے۔

② زمخشری کہتے ہیں اللہ مبتداء ہے اور خبر الہ اس کی خبر نکرہ ہے جیسا کہ قاعدہ ہے۔ پھر خبر پر لا نفی داخل کر کے اس کو مقدم کر دیا اور مبتداء کے ساتھ الا حرف اثبات لگا کر مؤخر کر دیا۔ اس وجہ سے لا خبر پر آ گیا ہے۔ اس کی مزید وضاحت شرح الاذکار میں ملاحظہ ہو۔

یہاں ارکانِ اسلام کو ذکر کرنے کا مقصد اسلام کے کمال کو بیان کرنا ہے کیونکہ اسلام کے بڑے شعائر یہی ہیں اسلام کی جڑ تو شہادتین ہیں۔ (کذا ابن الصلاح قال) **الصلاة:** نماز کو ہمیشہ قائم کرے۔ لغت میں دعا کو کہتے ہیں۔ شرع میں ایسے اقوال وافعال جن کی ابتداء تکبیر اور اختتام السلام علیکم سے ہوتی ہے۔ بعض محققین نے اس کو الصلاہ سے لیا۔ **الصلاه:** پشت کی وہ رگ جس سے دم کی ہڈی کے آخری حصہ کے قریب دو رگیں نکل کر دونوں سرینوں میں جاتی ہیں جن کو الصلوان کہا جاتا ہے۔ جب نمازی رکوع کرتا ہے تو سرین بھی حرکت کرتے ہیں۔ اسی مناسبت سے دوسرے نمبر پر آنے والے گھوڑے کو مصلی کہتے ہیں کیونکہ وہ سابق کے سرین کے ساتھ ملا ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ دعا کے معنی میں حقیقۃ لغویہ ہے اور مجاز عرفی ہے۔ خشوع ورغبت میں دعا کرنے والا مصلی کے ساتھ علاقہ تشبیہ رکھتا ہے۔

الزکوٰة: اس کی مکمل تفصیلات کتب فقہ میں ہے۔ لغت میں طہارت، نمو و اضافہ کو کہتے ہیں۔ شرعاً اموال میں نکالا جانے والا مقررہ حصہ۔

صوم رمضان: لغت میں رک جانا اور شرع میں رمضان میں صبح صادق سے غروب آفتاب تک ماکولات، مشروبات، شہوات سے رکنا۔ **رمضان:** کا نام اس لئے پڑا کہ یہ گناہوں کو جلا ڈالتا ہے جیسا صحیح حدیث میں وارد ہے۔ **تحج البيت:** لغت میں قصد کو کہتے ہیں۔ شرع میں عبادت کے لئے بیت اللہ کا قصد کرنا۔ سلمان تیمی کی مفرد روایت سے ابن حبان نے بعض زائد لفظ بھی نقل کئے ہیں جس میں حج کے ساتھ وضو و غسل کا ذکر ہے۔ **البيت:** کا لفظ کعبہ کے لئے تغلیباً بطور علم استعمال ہونے لگا جیسا النجم ثریا کے لئے۔ **ان استطعت اليه سبيلاً:** استطاعت کی تفسیر حاکم کی صحیح روایت میں **الزاد و الراحلة:** سے ثابت ہے۔ دیگر علماء نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

فائدہ قید: بقیہ کے ساتھ استطاعت کی قید کا اضافہ نہیں کیا گیا۔ حج میں اس قید کو اس لئے بڑھایا کہ حج میں مشقت زیادہ ہے اور دوسروں میں عدم استطاعت میں وجوب اور ساقط ہوتا ہے اصل وجوب نہیں مگر حج میں اصل وجوب ہی ساقط ہو جاتا

ہے۔(مگر یہ بات زیادہ وقیع معلوم نہیں ہوتی کیونکہ زکوۃ کا حال بھی یہی ہے فافہم وتدبر)

یَسالُه وَیصدّقه: حضرت عمرؓ کہتے ہیں ہم متعجب ہوئے کہ خود سوال بھی کرتا ہے اور خود تصدیق بھی کرتا ہے جبکہ سوال تو عدم علم اور تصدیق علم کی علامت ہے۔

اَلنَّحْوَ: یہ جملہ محلًا حال ہے۔

اھم فائدہ: اسلام دو باتوں مین استعمال ہوتا ہے: ① اعمال ظاہرہ ② انقیاد مطاعت۔ اس کے اور ایمان کے معنی میں تلازم دوسرے معنی کے لحاظ سے ہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے یہ جدا ہو جاتے ہیں۔ تصدیق واطاعت باطنی بغیر اعمال مشروعیہ کے بسا اوقات پائی جاتی ہے۔ باقی اسلام اعمال مشروعہ کے معنی کے لحاظ سے لیا جائے تو اس سے کسی حالت میں بھی ایمان جدا نہیں ہوتا کیونکہ اعمال مشروعہ کی صحت کے لئے وہ شرط ہے اور اعمال مشروعہ اس کی صحبت کے لئے شرط نہیں۔ اہل سنت کا یہی مسلک ہے۔

الایمان: یہ امن کا مصدر ہے جس کا معنی تصدیق ہے:

① اس میں ہمزہ تعدیر کے لئے ہے۔ گویا تصدیق کرنے والے نے دوسرے کو اس کی تکذیب سے امن والا بنا دیا۔
② یا ہمزہ صیرورت کے لئے ہے۔ وہ تصدیق کرنے والا خود تکذیب سے امن میں ہو گیا۔
③ جب اس میں اعتراف واقرار کے معنی ہوں تو پھر با سے متعدی بنتا ہے جیسا کہ اس روایت میں ہے۔
④ جب یقین کے معنی میں ہو تو لازم سے متعدی ہوتا ہے۔ جیسے فَآمَنَ لَهٗ لُوط۔

شرعی معنی: تصدیق قلبی فقط یعنی جس چیز کا دین محمدی میں جاننا ضروری ہے اس کا قبول کرنا اور یقین کرنا۔ یہ جمہور اشاعرہ و ماتریدیہ کا قول ہے۔

خوارج: تصدیق قلبی کے ساتھ اقرار لسانی اور عمل جوارح شرط ہیں ورنہ کافر رہے گا۔

محدثین: تصدیق قلبی ایمان کا رکن ہے اور اقرار اعمال مکملات ایمان ہیں۔

محقق اشاعرہ: تصدیق قلبی اور اقرار لسانی دونوں اجزاء ایمان ہیں۔ مگر تصدیق قلبی کسی وقت ساقط نہیں ہوتی مگر اقرار لسانی ایسا رکن ہے جو اکراہ گونگے پن میں ساقط ہو جاتا ہے۔ قدرت کے وقت اس کی رکنیت کے لئے اس روایت کو دلیل بنایا حتی **یقولوا او یشهدوا ان لا اله الا الله:** مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اقرار لسانی کی رکنیت جو متنازعہ مسئلہ ہے اس کے لئے کوئی دلالت اس میں موجود نہیں بلکہ ایک احتمال ہے کہ اجراء احکام کے لئے اس کو شرط مان لیں اور امام نووی نے دل سے ایمان لانے والے اور زبان سے اقرار نہ کرنے والے کے متعلق خلود فی النار پر اجماع کا قول نقل کیا ہے۔ یہ ان کا تسامح ہے جبکہ ائمہ اربعہ کا قول یہ ہے کہ وہ مؤمن ہے مگر اقرار چھوڑنے کی وجہ سے گنہگار ہے بلکہ جمہور اشاعرہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ اقرار لسانی کو ایمان میں شرط اس لئے قرار دیا گیا تا کہ احکام دنیویہ اس پر لاگو ہو سکیں۔ فتدبر۔ **ان تؤمن بالله:** ایمان ضروریات دین کی تصدیق ہی کا نام ہے ان میں کچھ کی تفصیل کر دی۔ ① ایمان باللہ۔ اللہ تعالیٰ اس واجب الوجود ذات کو کہا جاتا ہے جو تمام صفات کمال کو جامع اور عیوب والی صفات سے منزہ و پاک ہو اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی اور قدیم ہیں۔ مثلاً حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام۔ یہ صفات اعراض نہیں نہ عین ذات ہیں اور نہ غیر ذات اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کے لئے عبادت کا اکیلا

حقدار ہے۔

ملائکتہ: یہ ملک کی جمع ہے یہ الوکۃ بمعنی رسالت سے مفعل کے وزن پر ہے اصل مَلْاَكٌ ہے اس کی تا جمع کی تانیث یا معنی جمع کی تاکید کے لئے ہے۔

ایک حکمت: ملائکہ کو کتب پر مقدم کیا گیا۔ تقاضا ترتیب یہی ہے۔ فرشتے کو کتاب دے کر رسول کی طرف بھیجا۔

کتبہ: اس کی کتابوں پر کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو حروف و اصوات کی قید سے منزہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے بعض رسولوں پر الفاظ کی صورت میں تختیوں یا فرشتے کی زبان سے اتارا جو کچھ اس نے اتارا وہ برحق ہیں اس کے احکامات میں سے بعض (تورات انجیل) منسوخ ہو گئے اور بعض منسوخ نہیں ہوئے (قرآن مجید) کتابوں کی تعداد ۱۰۴ ہے۔ ان میں پچاس شیث' ۳۰ ادریس' ۱۰ آدم علیہ السلام پر اور ۱۰ ابراہیم السلام پر اور تورات' زبور' انجیل اور فرقان۔ یہ روایت ماقبل بیان کردہ تفصیل سے مختلف ہے۔ اس کو سمرقندی نے نقل کیا۔ (اسرائیلی روایات کا حال اسی طرح ہوتا ہے اس میں صحف موسیٰ کا ذکر نہیں ہے)

رسلہ: اور اس کے رسولوں پر۔ ان کو مخلوق کی ہدایت و راہنمائی اور ان کے معاشی و معاد کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا اور ان کو معجزات سے نوازا جو ان کے دعویٰ کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا' ایمان کے لحاظ سے سب کا احترام ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر عیب و نقص سے پاک بنایا اور کبائر و صغائر سے نبوت سے پہلے اور بعد معصوم ہیں امام احمد نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ میں نے انبیاء علیہم السلام کی تعداد پوچھی تو ایک لاکھ چوبیس ہزار بتلائی اور ان میں رسولوں کی تعداد تین سو پندرہ بتلائی۔ و الیوم الآخر: یہ قیامت کا نام ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دن کے بعد کوئی رات نہیں اور اس لئے بھی کہ دنیا کے ایام میں آخری دن ہے۔ آخر کو بطور صفت امس دابر کی طرح تاکید کیلئے لائے۔ قیامت پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں پر ایمان لائے جو چیزیں یعنی حساب' میزان' صراط' جنت' نار وغیرہ جو اس دن پیش آنے والی ہیں وہ برحق ہیں۔

وتؤمن بالقدر خیرہ و شرّہ: یعنی تقدیر پر اس طرح ایمان لائے کہ تمام تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ قدر کے لفظ پر با کو دوبارہ لایا گیا تاکہ اس کی تصدیق کی اہمیت واضح ہو جائے کیونکہ وہ پھسلنے والی گھاٹی ہے جس میں بہت سے پھنس کر رہ گئے۔ پھر اس کے دو بدل لا کر تاکید و توضیح کر دی۔ اس پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اور وہ بندے کے لئے مکتسب ہے۔ قدر و تقدیر علم کے مطابق اس کی ایجاد کو کہتے ہیں۔ تقدیر پر ایمان دو قسم ہے: ① اس بات پر ایمان لانا کہ بندے جو خیر و شر کرتے ہیں اور جس پر انہیں بدلہ دیا جائے گا یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور یہ اس نے اپنے ہاں لکھ دیا اور ثبت کر دیا اور بندوں کے اعمال اسی کے مطابق ہیں جو اس کے علم میں ہے اور جو اس نے لکھ دیا ہے۔ ② اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے تمام افعال خیر و شر پیدا فرمائے۔ اس دوسری قسم کا قدریہ فرقہ منکر ہے۔ الاحسان: اس میں الف لام عہد ذہنی کا ہے یہ اسی احسان کے متعلق کیا جو هل جزاء الاحسان الاحسان: اور احسنوا ان اللہ یحب المحسنین: میں مذکور ہے۔ اس سوال کا مقصد اس کے عظیم ثواب اور کمال رفعت کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

احسان: یہ احسن کا مصدر ہے۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کسی کام کو حسن و خوبی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔

اَلنَّحْوُ: اس کے متعدی ہونے کی دو صورتیں ہیں: ① افعال پر لے جا کر ② حرف جر کے ذریعہ۔ ③ احسن حرف جر سے

متعدی تھا صرف حرف جر کو گرا دیا۔ احسنت الیه: اس وقت کہا جاتا ہے جو تم کسی کے ساتھ ایسا معاملہ کرو جو اس کے فعل کو خوب تر بنا دے۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے اس لئے کہ اس کا حاصل عبادت کو پختگی کے ساتھ اسی طرح ادا کرنا ہے جیسے اس کا حکم ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے حقوق اس کی عظمت وجلال کے استحضار کے ساتھ ادا ہوں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ① مشاہدہ حق کا غلبہ اسی کو فرمایا: ان تعبد اللّٰہ کانك تراہ۔ یہ جامع کلمہ ہے جس میں کامل خشوع وخضوع کے ساتھ تمام اعمال کو کامل اخلاص کے ساتھ اس خیال سے ادا کرنا کہ میں اللہ تعالیٰ کو سامنے دیکھ رہا ہوں۔ ② وہ آدمی جو اس مرتبہ کو نہ پہنچے مگر یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ہر حالت معلوم ہو۔ اس کو اس طرح ذکر فرمایا: فان لم تکن تراہ فانه یراك۔ ای فان لم تکن تراہ فلا تغفل فانه یراك: کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

اذا مَا خلوت الدھر یومًا فلا تقل ☆ خلوتُ ولکن قل علی رقیب

النَّحْو: کانك: یہ مفعول مطلق یا فاعل سے حال ہے۔ پھر یہ دونوں حال اللہ تعالیٰ کی معرفت وخشیت کا ثمرہ ہیں۔ اسی لئے الاحسان: کی خبر کو عمل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مسبب کی تعبیر مسبب سے توسعاً کی گئی ہے۔ احسان کی انتہا بھی ایمان واسلام والی ہے کیونکہ ان دونوں کا کمال بلکہ درستگی ہی اس سے قائم رہتی ہے ورنہ اعمالِ ظاہرہ میں ریا وشرک اور ایمان میں نفاق کا خطرہ ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بلی من اسلم وجھه للّٰہ وھو محسن﴾ اور دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ثم اتقوا وآمنوا ثم اتقوا واحسنوا......﴾ پہلی آیت میں اسلام اور دوسری آیت میں ایمان کے آخر میں احسان کا ذکر فرمایا ہے۔

الساعة: قیامت۔ قیامت کے اچانک آنے کی وجہ سے اس کو الساعہ (گھڑی) سے تعبیر فرمایا۔ ② حساب کے جلد ہو جانے کی وجہ سے۔ ③ لمبائی کے باوجود اس کے عکس ساعہ سے تعبیر کیا۔ ④ قیامت لمبائی کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک گھڑی کی مانند ہے۔

ما السئول: یعنی ہم دونوں وجودِ قیامت کی مخصوص گھڑی سے ناواقف ہونے میں برابر ہیں۔ سیوطی نے انموذج اللبیب میں ایک ضعیف قول نقل کیا کہ پہلے آپ کو معلوم نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے وحی سے بتلایا مگر چھپانے کا حکم کیا (مگر یہ قول بلا دلیل ہے) جبرئیل علیہ السلام کے جواب کو تعمیم فائدہ کی تاکید قرار دیا ہے کہ سائل ومسئول متعین علم کے علوم میں برابر ہیں۔

مَسْئَلَة: جب مفتی کسی بات کو نہ جانتا ہو تو اسے لا اعلم: کہنا چاہئے۔

ایک اہم فائدہ ☆: حمیدی نے اپنے تفردات میں نقل کیا کہ یہی سوال عیسیٰ علیہ السلام نے جبرئیل علیہ السلام سے کیا تو انہوں نے اپنے پر جھاڑتے ہوئے یہی جواب دیا (التوشیح للسیوطی)

امارات: علامات وشرائط۔ الامه: لونڈی۔ اس میں الف لام ماہیت کا ہے۔ ① اس سے لونڈیوں کی کثرت اور کفار کے علاقوں پر غلبۂ کثرت فتوحات مراد ہیں۔ ② زمانہ کے بگاڑ وفساد کی وجہ سے لونڈیوں کی خرید وفروخت اس قدر زیادہ ہو جائے گی کہ بسا اوقات عورت اپنی ماں کو خرید لے گی اور غلام بنا کر رکھے گی اس صورت جہالت کے عام ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ بعلھا: سے مراد مربی۔

الحفاة: حاف کی جمع ہے۔ ننگے پاؤں والا یا خدام۔ العراة: جمع عار جس کے جسم پر کپڑا نہ ہو۔ العاله: جمع سائل فقیر۔ عال یعول محتاج ہونا اعال کثرت عیال والا ہونا۔ رِعاء: جمع راع و رُعَاة: حفاظت کرنا۔ مطلق چرواہے کے لفظ میں بکریوں اور

اونٹوں کے چرواہے شامل ہیں۔فخر وتکبر اور خست میں برابر ہیں۔
یتطاولون فی البنیان: یہ کنایہ ہے کہ اہل فقر کو بادشاہت مل جائے گی۔ ② دنیا کی وسعت سے لوگ تنگدستی کے بعد خوشحال ہو جائیں گے مضبوط تعمیرات کریں گے اور دین کے ارکان کو گرائیں گے۔ جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کہ قیامت کے قریب اخیار گھٹیا اور اشرار بلند ہو جائیں گے۔ ایک اور مرفوع روایت میں ہے قرب قیامت میں لوگوں میں سب سے بڑا سعادت مند کمینہ بن کمینہ ہوگا اور ایک روایت میں ہے ''جب معاملہ نااہلوں کے سپرد ہو جائے تو تم قیامت کا انتظار کرو''۔
جواب میں دو نشانیاں بتلائیں گئیں ورنہ قیامت کی چھوٹی بڑی اور بھی بہت سی نشانیاں ہیں جس کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ (شاہ رفیع الدین رسالہ علاماتِ قیامت) کسی چیز کا قیامت کی نشانی ہونا مذمت کو لازم نہیں کرتا۔ اگرچہ عمومی استعمال مذمت کے لئے کیا جاتا ہے۔
ملیا: بہت زیادہ۔ یہ ملوین سے ہو جس کا معنی دن ورات ہے' ② اگر مہموز ہو ملاءۃ سے ہے جس کا معنی تھوڑا اور معمولی ہے۔ مسلم کی روایت میں صرف لبث کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے آپ جبرئیل علیہ السلام کے جانے کے بعد تھوڑی دیر ٹھہرے اور دیگر تمام روایات کے مطابق فاروق اعظم اپنا تین دن یا راتیں رکنا بیان کر رہے ہیں مگر بخاری کی ایک روایت میں ہے ''جب وہ آدمی پشت پھیر کر چل دیا تو آپ نے فرمایا: اسے واپس بلاؤ وہ واپس بلانے کے لئے اٹھے تو وہاں کسی کو نہ پایا۔ پس آپ نے فرمایا: یہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔
أتدری من السائل: اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ عالم اپنے بڑے شاگردوں کو وقتاً فوقتاً متنبہ کرنا چاہئے تاکہ فوائد علم اور واقعات کے عجائب سے وہ خبردار رہیں۔ **اللّٰہ و رسولہ اعلم**: یہ صحابہ کرام کا تادب تھا۔ جو آدمی کسی بات کو نہ جانتا ہو تو اسے اسی طرح جواب دینا مناسب ہے۔ **فانہ جبرئیل** : شرط مقدر ہے اب جب کہ تم نے اس آدمی کے متعلق نہیں پوچھا بلکہ اللّٰہ و رسولہ اعلم کہہ دیا تو وہ جبرئیل تھے۔
بخاری کی روایت کے ظاہر اور ابن حبان' ابن خزیمہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آخر میں پہچانا۔ البتہ نسائی کی روایت کے الفاظ **نزل جبرئیل فی صورۃ دحیہ الکلبی**: یہ راوی کا وہم ہے۔ یہ محفوظ ترین صحیح روایات کے خلاف ہے۔
ایک فائدہ ☆ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتہ صور بشریہ میں سے جس میں چاہے متمثل ہو سکتا ہے۔ جبرئیل کو اصلی شکل میں آپ نے صرف دو مرتبہ دیکھا۔ ان کی عام طور پر آمد صورت دحیہ میں ہوتی تھی۔
یعلمکم: سوال و جواب بھی تعلیم کا ایک ذریعہ ہے۔ دین سے کلیات و قواعد دین مراد ہیں۔
حکمت ☆ جبرئیل علیہ السلام کے سائل کی صورت میں آنے کی حکمت یہ تھی کہ صحابہ کرامؓ پہلے سوالات کرتے تھے پھر روک دیئے گئے تاکہ کہیں کوئی تعنت و تجہیل کا سوال نہ نکل جائے اور اس پر اصرار کرنے سے ڈانٹ نہ پلائی جائے۔ چنانچہ ان کو روک دیا گیا انہوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا تو ان کے اہم مسائل کا اس طرح حل نکالا گیا۔
شان روایت ☆ یہ وہ عظیم الشان روایت ہے جس کے کثرت احکام و مواقع پر سب کا اتفاق ہے۔ قاضی عیاضؒ کہتے ہیں اس میں عبادات ظاہری و باطنہ اور ایمان کی بنیادیں اور اعمال جوارح بیان کئے گئے۔ باطن کا اخلاص اور اعمال کے تحفظ کے

ذرائع بتلاتے بلکہ تمام علوم شریعت کی شاخیں اس سے پھوٹنے والی ہیں۔

قرطبیؒ کہتے ہیں اس روایت کوام السنہ کہنا بجا ہے کیونکہ یہ تمام علوم سنت کو شامل ہے۔جیسا فاتحہ ام القرآن ہے۔

اسی لئے یہ کہنا درست ہے کہ اگر صرف یہی حدیث ہوتی تو یہی حدیث کافی تھی کیونکہ اجمالی طور پر تمام احکامِ شریعت کو اور تضمنی طور پر اس کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔یہ علم' معرفت' ادب ولطائف تمام کی جامع ہے۔ ہر وہ آیت جس میں اسلام' ایمان واحسان یا اخلاص ومراقبہ کا تذکرہ ہے وہ اس روایت کا مرجع ہے۔علامہ نوویؒ نے تلد الامہ کا مفہوم کثرت مراری اور بلاد کفار پر استیلاء کو قرار دیا ہے۔

سَرِیه:فعلیه کا وزن ہے جو السر سے نکلا ہے۔جس کا معنی مخفی ہے کیونکہ اس کا معاملہ ازواج کی بنسبت مخفی ہوتا ہے۔

بنت سید: سید کے معنی میں ہے۔گویا یہ اولاد اپنی ماں کی نافرمانی کر کے توہین وتذلیل کا معاملہ کرنے لگے گی۔

شدید سواد الشعر :یعنی نوجوان تھا۔

رکن اول: لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔اسی ہی کو معبود و مسجود مانا جائے۔ان محمد رسول اللہ کی شہادت یہ مطالبہ کرتی ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کا اقرار دل وجان سے کرنے کے بعد آپ ﷺ کی شریعت پر چلا جائے اپنی طرف سے ایجادات کر کے دین میں داخل نہ کی جائیں اور نہ ہی تعظیم میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنائیں جو تعظیم آپ کی ذات کے لائق ہے وہی کی جائے۔

رکن دوم: نماز اللہ تعالیٰ سے مناجات وربط کا نام ہے۔جیسا قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی: سے معلوم ہوتا ہے۔نماز کو چار فوقیتیں حاصل ہیں: ① اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہِ راست فرض ہوئی۔ ② افضل ترین مقام میں ③ افضل ترین رات میں ④ پانچ کی ادائیگی سے پچاس کا شمار۔اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ اس کے تمام شرائط وارکان وآداب کے ساتھ کامل طور پر ادا کیا جائے۔

رکن ثالث زکوٰۃ: ایتاء بمعنی اعطاء ہے۔یہ اسلام کا رکن ہے۔جس سے نفس کے رذائل بخل وغیرہ دور ہوتے ہیں۔ ② گناہ مٹتے ہیں' ③ مخلوق پر احسان کر کے محسنین میں شامل ہو جاتا ہے۔ ④ لوگوں میں الفت بڑھتی ہے نہ دینے سے کینہ بڑھتا ہے۔ ⑤ آسمان کی برکات اترتی ہیں۔ ⑥ مجاہدین کی معاونت ہوتی ہے۔ ⑦ غلاموں کی آزاد کا ذریعہ ہے۔ ⑧ دیون سے چھٹکارے کا ذریعہ ہے۔ ⑨ مسافروں کی معاونت۔ ⑩ امت کی اجتماعیت میں معاون ہے۔زکوٰۃ کے آٹھ مصارف خود انما الصدقات...... سے قرآن مجید نے بیان کر دیئے۔

رکن رابع صیام رمضان: بالغ' عاقل مسلمان جو صحت مند مقیم ہو اس پر فرض ہیں۔

رکن خامس حج البیت :اس کی پانچ شرائط ہیں۔عقل بلوغ' اسلام' حریت' استطاعت سفر۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان ② ملائکہ پر ایمان کہ وہ ایک نور سے پیدا کی جانے والی مخلوق ہے۔جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم کی تنفیذ کے لئے پیدا کیا خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا مصالح خلق سے وہ متعلق ہوں مثلاً جبرائیل کی ذمہ داری حیاۃ قلوب کی ہے تو اسرافیل کی بارش کے ذریعہ حیاۃ ابدان کی اور اسرافیل کی نفخ صور کی۔مختلف فرشتے مختلف کاموں پر مقرر ہیں جو احادیث وقرآن مجید کے اشارات سے معلوم ہوتے ہیں۔بعض لوگ وجود ملائکہ کے منکر ہیں وہ قرآن مجید کی آیات واحادیث کے منکر

ہونے کی وجہ سے کافر ہیں۔

کتب: کتابوں پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ جو کتاب رسول پر اتری اس میں جو کچھ اتارا گیا وہ تمام برحق ہیں۔ یہود نصاریٰ کے ہاتھوں میں تحریف شدہ جو کتابیں ہیں ان پر ایمان لانا ہمارے ذمہ نہیں۔ ان کی کتابوں میں جو کچھ آیا وہ دو قسم ہیں:
① جس کو قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کر دیا۔ ② جو اہل کتاب سے نقل کیا یہ تین حالتیں رکھتا ہے۔
① ہماری شریعت اس کی تردید کرتی ہے تو اس کی تکذیب ضروری ہے۔ ② ہماری شریعت اس کی تصدیق کرتی ہے اس کو قبول کریں گے۔ ③ جس کی مرد و تصدیق نہیں تو اس پر توقف کریں بشرطیکہ ہماری شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو۔

رسولوں پر ایمان: اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء ورسل بھیجے وہ سب برحق تھے خواہ ان کے نام معلوم ہیں یا نہیں۔ کسی غیر نبی کو بغیر قطعی ثبوت کے نبی ماننا کفر ہے۔ مثلاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ گرونانک پیغمبر تھا کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔

ایمان بالالیوم الآخر: موت کے بعد جو کچھ بھی ہونے والا ہے اس سب پر ایمان لائیں مثلاً بعث بعد الموت' جنت و دوزخ' پل صراط' حساب کتاب' اہل جنت کی کامیابی اہل دوزخ کی ناکامی۔

تقدیر پر ایمان: تقدیر پر ایمان کے چار مراتب ہیں: ① اس بات پر ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ جیسا فرمایا: ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا﴾ (الطلاق) ② اللہ تعالیٰ نے قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا' قلم خشک ہو گئے' صحائف بند کر دیئے گئے یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اس کے علاوہ بھی کتابتیں ہیں۔ ① ماں کے پیٹ میں جب بچہ چار ماہ کا ہو جائے تو اس میں روح ڈالتے وقت رزق' عمر' عمل' شقاوت و سعادت لکھ دی جاتی ہے۔ ② اسی طرح ہر سال کے اعمال کی دستاویزات کی کتابت لیلۃ القدر میں۔ ③ ہر آدمی ہر ہر عمل کی کتابت جو کراماً کاتبین کرتے ہیں۔ ③ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے۔ مثلاً بارش اتارنا' نماز' روزہ وغیرہ۔ **وما تشاؤن الا ان شیاء اللّٰہ رب العالمین**۔ ④ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔ اس کا عمل بھی مخلوق ہے۔

تخریج: أخرجه مسلم (٨) و أبو داود (٤٦٩٥) والترمذی (٢٦١٠) والنسائی (٥٠٠٥) و ابن ماجة (٦٣) و نحوه عند البخاری وغیره (٥٠) من حدیث ابی هریرة رضی الله عنه۔

الفرائد: تقدیر پر ایمان کا فائدہ یہ ہوگا کہ انسان دکھ پر صبر اور سکھ پر شکر گزار ہوگا کیونکہ اسے معلوم ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

مسائل شرعیہ میں اللہ ورسولہ اعلم کہہ سکتے ہیں' مگر مسائل کونیہ مثلاً مشیت میں ایسا نہیں کہہ سکتے جیسا اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے: **ما شاء اللّٰہ و شئت** آپؐ نے فرمایا: تم نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا۔ ② افادہ حاضرین کے لئے بڑے علماء سے مسائل پوچھنے چاہئیں۔ ③ علم کی برکت یہ ہے کہ سائل و مجیب کو فائدہ ہوتا ہے۔ ④ یہ عظیم روایت اصول دین پر مشتمل ہے اسی لئے اس کو دین فرمایا گیا ہے۔ ⑤ ارکان ایمان اصول عقائد ہیں اور ارکان اسلام اعمال ہیں۔ فتدبر۔

❁ ❁ ❁

۶۱ : عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ جُنْدُبِ بْنِ جُنَادَةَ وَاَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : اتَّقِ اللّٰهَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسِ

بِخُلُقٍ حَسَنٍ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

۶۱: حضرت ابوذر جندب بن جنادہ اور عبدالرحمان معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو جہاں بھی تم ہو اور غلطی کے بعد نیکی کرو کیونکہ وہ: نیکی اس غلطی کو مٹادے گی اور لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آو۔ (ترمذی)

تشریح ۞ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے نام میں اختلاف ہے۔ ① جندب بن جنادہ ② بریر بن جندب ③ جندب بن عبداللہ ④ جندب بن سکن۔ بہرصورت یہ غفار قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کا سلسلہ نسب کنانہ میں قریش سے آملتا ہے۔ یہ فرماتے ہیں میں چوتھے نمبر پر مسلمان ہوا ان کو خامس الاسلام کہا جاتا ہے۔ مکہ مکرمہ میں شروع میں اسلام لائے۔ ان کے حالات صحیح مسلم کی روایت میں مذکور ہیں۔ پھر یہ اپنے وطن چلے گئے پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ انہوں نے کئی احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان کیا ہے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کو السلام علیکم کہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ علم سے بھرا ہوا برتن ہے جس کو انہوں نے اپنے اوپر سے تسمہ لگا کر باندھ دیا پھر وفات تک اس سے کوئی چیز نہیں نکلی۔ ان کی مرویات کی تعداد ۲۸۱ ہے۔ ۱۲ متفق علیہ ہیں۔ دو میں بخاری اور ۱۷ میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کی وفات ۳۱، ۳۲ھ مقام ربذہ میں ہوئی۔

ابوعبدالرحمان معاذ بن جبل انصاری رضی اللہ عنہ ۱۸ سال کی عمر میں اسلام لائے۔ عقبہ بدر اور تمام غزوات میں حاضر رہے۔ ان کی مرویات ۱۵۷۔ جن میں دو متفق علیہ ہیں۔ دو میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: **اعلم امتی بالحلال و الحرام معاذ بن جبل**": اور ان کے بارے میں فرمایا: **یا معاذ انی احبك**: انہوں نے جواب میں عرض کیا: **انا احبك واللّٰه یا رسول اللّٰه**: آپ نے فرمایا: ہر نماز کے بعد یہ دعا کیا کرو: **اللهم اعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك**: پھر فرمایا: **یأتی معاذ یوم القیامة بین یدی العلماء برتوةٍ**: رتورہ تر پتھر یا میل۔ حدنگاہ کا فاصلہ (مزید فضائل کے لئے شرح الاذکار دیکھیں)

ان کی وفات طاعون عمواس میں ہوئی یہ رملہ اور بیت المقدس کے درمیان ایک بستی ہے۔ یہ طاعون ۱۲ھ میں یہیں پھیلی۔ اس وقت ان کی عمر ۳۸، ۳۴، ۳۳ سال بتلائی جاتی ہے۔ (اگر اسلام کے وقت ان کی عمر ۱۸ سال ہو تو ۳۳ سال کی عمر قرین قیاس ہے واللہ اعلم) ان کی قبر غور بیان کے مشرقی جانب ہے۔ رضی اللہ عنہما۔

اتق اللّٰه: تقویٰ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو انجام دینا اور نواہی سے بچنا۔ اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتے ہیں۔

حیث ما کنت: کا مقصد یہ ہے خواہ اس جگہ تمہیں لوگ دیکھیں یا نہ دیکھیں۔ اللہ کا دیکھنا کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا: ﴿**ان اللّٰه کان علیکم رقیباً**﴾ اسی لئے آپ نے ایک موقعہ پر ابوذر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: **روصیبك بتقوی اللّٰه فی سرائك وعلانیتك**: کہ میں تمہیں ظاہر و باطن میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہوں۔

تقویٰ ایک جامع کلمہ ہے۔ جو تمام حقوق الٰہی کو شامل ہے کہ تمام مامورات کو کرو اور منہیات سے بچو' جو اس کو اختیار کرے وہ متقین میں شامل ہو جاتا ہے جن کو طرح طرح سے نوازا گیا ہے۔

واتبع السیئة: یہ اس لئے لائے کہ انسان کو ہر حال میں تقویٰ کا حکم ملا ہے مگر اس سے بعض کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں فوراً معافی مانگ کر نیکی کا حکم دیا کیونکہ ﴿ان الحسنات یذهبن السیئات﴾: اور کوتاہی کا ہو جانا وصف تقویٰ کے خلاف نہیں قرآن مجید میں فرمایا: ﴿والذین اذا فعلوا فاحشة﴾۔ نیکی کرنے سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ موجود تو رہتے ہیں مگر ان پر مؤاخذہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (قرطبی)

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ محققین کے ہاں یہ حقوق اللہ جو صغائر سے متعلق ہیں ان کے بارے میں ہے کبائر کے لئے توبہ ضروری ہے۔ اس صورت میں السیئة: میں کبائر کو داخل رکھنا اور الحسنة: میں توبہ کو شامل ماننا مناسب ہے۔

بقیہ انسانی حقوق تو صاحب حق کے معاف کر دینے پر موقوف ہیں الا بفضل اللّٰہ۔

خلف حسن: سے مراد ① کھلے چہرے سے پیش آنا نیکی کرنا اور ایذاء سے اپنے ہاتھ کو باز رکھنا ہے۔ ② لوگوں سے ایسا سلوک کرے جو اپنے متعلق پسند کرے تاکہ دل جمع ہوں اور ظاہر و باطن برابر ہو جائے۔ اس وقت خفیہ تدابیر کرنے والوں سے محفوظ رہے گا اور یہ چیز تمام بھلائیوں کی جامع اور خیر کی چوٹی ہے۔ خلق حسن کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔ امام ترمذی کی بعض احادیث کے آخر میں حسن صحیح۔ بعض میں حسن بعض میں صحیح مذکور ہے۔ اس کا سبب ان سے ضبط کرنے والے رواۃ کا اختلاف ہے۔ پھر ان کی تصحیح دارقطنی کے ارسال سے راجح ہے۔ ترمذی کی تحسین کی یہ بات معاون ہے کہ اس روایت کے طرق متعدد ہیں۔ (کذا قال السخاوی)

تخریج: إسناده حسن۔ أخرجه أحمد (۸/ ۲۱٤۱۲) والدارمی (۲۷۹۱) والترمذی (۱۹۹٤)

الفرائد: اس ارشاد میں متین وصایا کا تذکرہ ہے: ① اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اپنے تمام اوامر ونواہی میں اختیار کیا جائے۔ یعنی مامورات کو جس طرح کرنے کا حکم دیا اسی طرح بلاکم وکاست ادا کیا جائے اور ممنوعات میں جن جن چیزوں سے روک دیا ان سے رک جائے۔ ② کوئی غلطی ہو جائے تو اعلیٰ نیکی توبہ کو اختیار کرے اور نیک اعمال بھی صغائر کو مٹانے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ جمعہ تک اور رمضان اگلے رمضان تک کے گناہ مٹاتا ہے۔ ما اجتنب الکبائر: جب کبائر سے بچا جائے۔ ③ پہلی دو وصیتیں حقوق اللہ سے متعلق ہیں اور اخلاق حسنہ کو اختیار کرنا یہ حقوق العباد سے متعلق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مؤمن کامل الایمان ہے احسنهم خلقاً: جو اچھے اخلاق والا ہو۔ ان وصایا کو پلے باندھ لینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ (الشرح)

❁ ❁ ❁

٦٢: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: "كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ: يَا غُلَامُ إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَإِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ:

حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔ وَفِي رِوَايَةِ غَيْرِ التِّرْمِذِيِّ :احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ اَمَامَكَ ، تَعَرَّفْ اِلَى اللّٰهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ ، وَاعْلَمْ اَنَّ مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ ، وَمَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ :وَاعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ ، وَاَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ ، وَاَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا"۔

۶۲: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے۔ میں تم کو چند باتیں سکھاتا ہوں: (۱) اللہ (کے حکم کی) حفاظت کرو۔ وہ تیری حفاظت کرے گا۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے (حق کی) نگہبانی کر اس کو تو اپنے سامنے پائے گا۔ (۳) جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے کر۔ (۴) جب تو مدد مانگے تو اللہ ہی سے مانگ۔ (۵) اور یقین کر کہ اگر سارے لوگ کسی چیز سے تجھے نفع پہنچانے کے لئے اکٹھے ہو جائیں تو وہ تمہیں کچھ نفع نہیں پہنچا سکتے۔ مگر اتنا جتنا اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے لکھ دیا ہو۔ (۶) اور اگر وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچانے کے لئے تمام جمع ہو جائیں: تو تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے مگر اتنا جتنا اللہ تعالیٰ: نے تیرے لئے لکھ دیا۔ قلم اُٹھائے جا چکے۔ صحائف خشک ہو چکے۔ (ترمذی)

ترمذی کے علاوہ روایت میں یہ الفاظ ہیں اللہ کی حفاظت کر اسے تو اپنے سامنے پائے گا۔ اللہ کو خوشحالی میں پہچان وہ سختی میں تمہیں پہچانے گا اور یقین کر کہ جو تم سے چوک جائے (تمہارے ہاتھوں سے نکل جائے) وہ تمہیں ملنے والا نہیں اور جو تم کو حاصل ہونے والا ہے۔ وہ تمہیں ملے بغیر رہ نہیں سکتا اور یقین کر مدد صبر کے ساتھ ہے اور کشادگی تکلیف کے ساتھ ہے اور بلاشبہ تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔

تشریح ۞ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا ان کی عمر تقریباً ۱۰ سال تھی۔

مَسْئَلَة: کسی کو پیچھے بٹھانا جائز ہے بشرطیکہ سواری میں اٹھانے کی طاقت ہو۔

یوما: کسی دن کسی وقت۔ غلام: دودھ چھڑانے سے بلوغ تک بولا جاتا ہے۔ انی اعلمك: دوسری روایت میں ہے کہ میں تمہیں ایسے کلمات سکھاتا ہوں جن سے تمہیں فائدہ ہوگا۔ کلماتِ کو تنوین کے ساتھ استعمال کیا گیا تا کہ مخاطب کو بتلایا جائے کہ وہ تھوڑے کلمات ہیں جن کا یاد کرنا آسان ہے۔ ② اور یہ ظاہر کرنے کے لئے ہے کہ یہ بڑی اہمیت والے کلمات ہیں جن کا محفوظ کرنا رفعت کا باعث ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خصوصی خطاب سے یہ وصایا فرمایا آئندہ زمانہ میں ان کے کثرت علم کی طرف اشارہ ہے۔

احفظ اللّٰه: اللہ تعالیٰ کی حفاظت کر یعنی اس کے تقویٰ کو لازم کر و اور اس کی رضامندیاں اختیار کرو اور نواہی سے گریز کرو۔

یحفظك: وہ تیری جان' مال' اہل وعیال اور دین کی حفاظت کرے گا خصوصاً موت کے وقت۔ اس لئے کہ بدلہ جنس عمل سے ہوتا ہے جیسا فرمایا: او فوا بعھدی اُوْفِ بعھد کم: یہ جامع کلمہ تمام احکام شریعت کو اپنے اندر شامل کرنے والا ہے۔

تجده تجاهك: تو اللہ تعالیٰ کا لحاظ کرے، تو اس کی حفاظت، تائید، اعانت، احاطہ ہر جگہ پائے گا اور وہ اپنی مخلوق سے بے نیاز کر دے گا۔ تُجَاہ کا معنی سامنے ہے جیسا آئندہ روایت میں ہے یعنی تو حفاظت میں اسے ساتھ پائے گا۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے: ﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ﴾: یہ معنوی معیت ہے۔

لطیفہ ☆: تمام اطراف میں صرف سامنے کو منتخب کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان آخرت کا راہی ہے اور مسافر تو اپنے سامنے کا طالب ہوتا ہے نہ کہ اور جہت کا۔ گویا معنی یہ ہوگا جدھر تو متوجہ ہوگا اور دنیا و آخرت کے جس کام کا قصد کرے گا اس کی تائید اپنے ساتھ پائے گا۔

اذا سألت: جب تو سوال کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے اپنا مطلوب مانگو۔ جیسا فرمایا: ﴿واسألوا اللّٰہ من فضلہ﴾ (النساء:۳۲) اور کسی سے مت مانگ۔ کیونکہ تمام خزائن کی باگ ڈور اسی کے پاس ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی عطاء کرنے والا ہے اور نہ قدرتوں والا اور نہ فضل کا مالک وہی اس بات کا حقدار ہے کہ اس سے مانگا اور سوال کیا جائے۔ مخلوق سے سوال کا کوئی فائدہ نہیں۔ جب وہ اپنے ذرہ بھر نفع نقصان کا مالک نہیں تو دوسروں کے نفع کا انہیں کیا اختیار ہوگا۔ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا: میں تو اپنے نفس سے اپنے نفس کو نفع پہنچانے سے مایوس ہوں تو دوسروں کے اپنے نفس کو نفع پہنچانے سے کیونکر مایوس نہ ہوں گا؟ اور میں تو اللہ تعالیٰ سے دوسروں کے لئے امیدیں لگانے والا ہوں تو اپنے نفس کے لئے امیدوار کیوں نہ ہوگا؟ مخلوق کی طرف دل کا جھکاؤ تو ضعف یقین کے وقت ہوتا ہے اور اس وقت ہوتا ہے جب وہ حقائق اشیاء سے غفلت اختیار کرے اور غیر اللہ کی طرف اس کا جھکاؤ اسی مقدار سے ہوتا ہے جتنا وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے۔ جب اہل توکل و یقین اس گہرے گڑھے سے نکل گئے اور اس غفلت سے بیدار ہو گئے تو اہل توکل و یقین نے ماسویٰ اللہ سے اعراض اختیار کیا اور تمام حوائج کریم و سخی مولیٰ کے دروازے پر ڈال دیں کیونکہ وہ ہر متوکل کا اپنی مرضی و پسند سے کفیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ﴾ (الطلاق:۳) ''جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے وہ اس کے لئے کفایت کرنے والا ہے''۔

اذا اسعنت: جب تو دارین کے کسی معاملے میں اعانت کا طالب ہو۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور تمام دوسرے عاجز ہیں جو اس سے اعانت چاہے وہ معین و معان ہے اور جس کو وہ چھوڑ دے وہ متروک و مخذول ہے۔ اسی وجہ سے **لا حول ولا قوۃ:** جنت کا عظیم الشان خزانہ ہے کیونکہ یہ کلمہ نفس کو اپنی طاقت و اختیار و قوت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے اختیار کے سپرد کرتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے امداد کا طالب نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے سپرد کر دے گا۔

واعلم ان الامۃ...... **الامۃ** سے تمام مخلوق مراد ہے۔ جیسا کہ امام احمدؒ کی روایت میں وارد ہے کہ **ان الخلق جمیعًا اَرَادُوْكَ۔**

وضع کے لحاظ سے اس کا معنی ① جماعت، ② انبیاء پیروکار، ③ مقتداء جو صفات خیر کا جامع ہو۔ ④ دین اور ⑤ ملت ہے۔ مثلاً ﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓی اُمَّۃٍ﴾ (الزخرف:۲۳) ہم نے اپنے آباء کو ایک دین پر پایا۔ ⑥ زمانہ جیسا اس آیت میں: ﴿وادّکر بعد اُمَّۃٍ﴾ (یوسف) اسے ایک زمانہ بعد یاد آیا۔ ⑦ دین میں منفرد آدمی جس میں اس کا اور حصہ دار نہ ہو۔ جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **بیعہ زید بن عمرو بن نفیل امۃٌ وحدَہ۔**

امة: کا لفظ مشترک ہے۔ اس کے من جملہ معانی میں سے ایک معنی ام (ماں) بھی ہے مثلاً هذه امة زيد: یہ زید کی والدہ ہے۔
لو اجتمعت: لو اِنْ: کے معنی میں ہے۔ ماضی مستقبل کے معنی میں ہے۔ اِنْ: کے معنی میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ فائدہ پہنچانے کے لئے اجتماع ناممکن ہے ایذاء کے لئے سب کا جمع ہونا ممکن ہے۔ یہاں ان ينفعوك: میں اِنْ: صرف تفنن عبادت کے لئے لاتے ہیں۔ اگر تمام مل کر نقصان دینا چاہیں تو نقصان نہ دے سکیں۔ مطلب یہ ہے کہ نفع ونقصان کا مالک ایک اللہ تعالیٰ ہی کو قرار دو کیونکہ اس کے سواء نفع ونقصان کسی کے اختیار و قبضہ میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کی شہادت دیتا ہے: ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ﴾ (یونس: ۱۰۷)

تمام مخلوق کی باگ ڈور اس کے قبضہ میں ہے۔ اس میں اپنی مرضی سے تصرف کرتا ہے۔ یہ ماقبل کی تاکید وتقریر ہے جس کو مزید وضاحت سے بیان کیا گیا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ پر تمام معاملات میں توکل واعتماد کرنے پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور اس بات کو ثابت کیا گیا کہ فاعل مختار وہی ہے اور کسی کا اس میں ذرہ بھر بھی حصہ نہیں اور ماسواء سے اعراض پر آمادہ کیا گیا ہے۔ بعض آسمانی کتابوں میں یہ مضمون ہے مجھے میری عزت وجلال کی قسم! میں اس کی امید پر ضرور پانی پھیروں گا جو میرے سوا دوسروں پر امید لگاتا ہے اور اسے لوگوں کی نگاہ میں ضرور ذلت کا کپڑا اوڑھاؤں گا اور اپنے قرب سے روک دوں گا اور اپنے وصل سے دور کر دوں گا اور اس کو سرگرداں اور حیران بنا دوں گا کہ وہ تکالیف میں دوسروں کو پکارے گا حالانکہ تکالیف کا ازالہ میرے ہاتھ میں ہے۔ میں حی وقیوم ہوں اور یہ انسان اپنی غلط سوچ سے دوسروں کے دروازے کھٹکھٹاتا ہے حالانکہ تمام دروازوں کی چابیاں میرے پاس ہیں اور وہ دروازے ہیں فقط میرا دروازہ اس کے لئے کھلا ہے جو مجھے پکارے۔ رفعت الاقلام: یعنی کتابت سے فراغت کی وجہ سے لکھنا ختم کر دیا گیا۔ جفت الصحف: یہ بہترین کنایات میں سے ہے۔ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ تقدیر کا سلسلہ طے ہو چکا اس میں تغیر وتبدل یا نسخ ممکن نہیں ہے۔ اس سے تقدیر کے کتاب بھی کے فارغ ہو چکے۔ جس آدمی کو اس بات کا علم ہے اور وہ بصیرت کی آنکھ سے اس کو دیکھتا ہے اس کو اپنے خالق پر توکل کرنا اور ماسواء سے الگ ہونا آسان ہو جاتا ہے۔

...... تعرّف الى الله فى الرخاء: یعنی خوشحالی میں طاعات کی عادت بنا اور خیر کے مقامات پر مال کو صرف کر۔ یہاں تک کہ تو اس صفت سے پہچانا جائے۔ يعرفك فى الشدة: وہ تکلیف کو کھول دے گا اور ہر ھم وغم سے نکلنے کی راہ نکال دے گا۔ ② اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں سے پہچان کراؤ اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت سے تمہارے غم ودکھ کو کھول دے گا مگر یہ تکلف ہے۔ پہلی صورت بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت دو قسم پر ہے: ① عام معرفت: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ربوبیت کا اقرار اور اس پر ایمان۔ ② سب سے کٹ کر اسی کا ہو جانا۔ اسی کی یاد سے انس حاصل کرنا اور مطمئن ہونا اور اس سے حیاء کرنا اور ہر حال میں اس کا مشاہدہ کرنا۔
اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو پہچاننا یہ ہے: ① بندوں کے اعمال کی اطلاع' یہ تو عام ہے ② خاص بندے سے محبت اور اس کا قرب اور دعا کو قبول کرنا اور تکالیف سے بچانا یہ نصیب والوں کو میسر ہے۔ ما اخطاك: جو تقدیر میں تجھ سے خطاء کر چکی وہ تمہیں ملنے والی نہیں۔ وہ تیرے مقدر میں نہ تھی۔ وہ دوسرے کی تقدیر میں تھا۔ یہ مبالغے کا انداز ہے۔ وما اصابك: اور جو تمہیں ملنے والا ہے وہ تیری تقدیر میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے جس چیز کا تمہیں پہنچنا حتمی ہے وہ تم سے خطاء نہ کرے گا اور جو

تمہیں پہنچنے والا نہیں اس کا نہ ملنا حتمی ہے کیونکہ یہ قدرت کے تیر ہیں جو اپنے مقام پر لگ کر رہیں گے۔ کسی نے بہت خوب کہا:

جری قلم القضاء بما یکون ☆ فسیأن التعرك والکون

ولما رایت القضاء جاریا ☆ بلا شك فیه ولا مریه

توکلت حقا علی خالقی ☆ واسلمت نفسی مع الجریه

بس اللہ تعالیٰ پر توکل کے سوائے کوئی سلامتی کی راہ نہیں۔

تخریج: أخرجه احمد (۱/۲۸۰۳) والترمذی (۲۵۲٤) والطبرانی فی الکبیر (۱۲۹۸۹) والبیهقی فی شعب الإیمان (۱۰۷٤) وفی الأسماء والصفات (ص / ۷٥/۷٦) وهو حدیث صحیح۔

الفوائد: حدیث میں اس بات کو پختہ کیا گیا کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کی تقدیر سے کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جیسا فرمایا: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ﴾ (الحدید: ۲۲)
اس تمام وصیت کا دارومدار اس اصل پر ہے۔ کیونکہ مابعد اور ماقبل اسی کی طرف لوٹنے والا ہے۔

اصل یہ ہے ☆ جس کو یہ علم ہو جائے کہ اس کو لکھا ہوا مل جائے گا اور تمام مخلوق کی کوششیں مقدور کے خلاف ہیں اور وہ اس طور پر تو قطعاً مفید نہیں کیونکہ نافع اور ضار اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے تو وہ طاعت اسی کی کرے گا اور اس کی حدود کی حفاظت کرے گا اور اسی سے ڈرے گا اور اس کی امید رکھے گا۔ وہ استعانت کے لئے دستِ سوال اسی کے سامنے پھیلاتا ہے اور اسی کے سامنے گڑگڑاتا ہے اور تنگی وخوشحالی میں اس کے فیصلہ پر خوش ہوتا ہے۔

اعلم: یہ تنبیہ کا کلمہ ہے۔ اس سے بتلایا کہ دنیا میں صالحین پر اکثر تکالیف ومصائب زیادہ آتے ہیں۔ کثرت ثواب کو حاصل کرنے کے لئے ان کو صبر کا دامن تھامنا چاہئے اور رضا بالقضاء کی عادت ڈالنی چاہئے۔ اَن النصر: بندے کو تمام اعداء دین و دنیا پر کامیابی اس صورت میں ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت پر ثابت قدم اور معصیت سے گریزاں رہے۔ ② صبر کا مطلب ان سے بدلہ نہ لے اور ان کی تکالیف پر صبر کر کے واویلا نہ کرے۔ وان الفرج: غم سے نکلنا۔ الکرب: نفس پر چھانے والا غم جس میں دوام نہ ہو۔ پس اس آدمی کے لئے جس پر مصیبت اترے صبر کرنا اور جلد کشادگی کی خاطر ثواب کی امید رکھنا چاہئے اور تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ پر حسن ظن رکھے وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے اور ہر تنگی کے ساتھ کشادگی ہے جیسا فرمایا: ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا﴾ (الانشراح: ۵) اور یہ بھی وارد ہے کہ ایک عسر دو یُسر پر غالب نہیں آ سکتا کیونکہ نکرہ مکرر لایا جائے تو دونوں الگ چیزیں ہوتی ہیں اور معرفہ کو اگر لوٹایا جائے تو وہ بعینہٖ پہلی چیز ہوتا ہے۔ اس آیت میں دو عسر (تنگی) مذکور ہیں ایک دنیا کی اور ایک کے ساتھ ایک آسانی ہے۔ ② آخرت کی تنگی اور اس کے ساتھ بھی ایک آسانی کا ذکر کیا اور یہ چیز ہمارے لئے عسر کے واقع ہونے کے منافی نہیں ہے جیسا کہ اسی آیت میں ہے: اور العسر کا واقع نہ ہونا دوسری آیت میں ہے: ﴿یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرہ: ۱۸۵) کیونکہ العسرین جو سورۃ انشراح میں وارد ہیں اس سے مراد دنیا میں پیش آنے والی تنگیاں ہیں اور دوسری جس عسر (تنگی) کی نفی کی گئی وہ احکام مشکلہ کی تنگی ہے جیسا اس آیت میں بھی فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج: ۷۸)

الیُسر: سہولت کو کہتے ہیں یسارا سی سے ہے کیونکہ اس سے کام میں سہولت ملی۔ **العسر**: اس کا عکس ہے۔

لطیفہ ☆: اوقات صبر' کرب' عسر کی انتہاء اوقات نصر کشادگی' یسر کی ابتداء ہوتی ہے۔ ان میں مقارنت ثابت ہوگئی۔ فرج کے لفظ کو کرب اور یسر کو عسر کے ساتھ ملانے کا لطیفہ یہ ہے کہ جب کرب شدید ہو جائے اور انتہاء کو پہنچ جائے تو بندہ تمام مخلوق سے مایوس ہو جاتا ہے اور اس کا دل صرف اللہ تعالیٰ سے معلق ہو جاتا ہے اور توکل اسی چیز کا نام ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق: ۳)

یہ حدیث مراقبہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت اور معاملات کو اسی ہی کے سپرد کرنے اور اس پر بھروسہ کرنے اور فقط اسی کو ہر وقت سامنے رکھنے اور تمام مخلوق کو اس کا محتاج سمجھنے اور اس کے سامنے عاجز ہونے میں ایک عظیم اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔

تخریج ۞ ترمذی حسن صحیح' کتاب الامثال ابن مردویہ حسن الروایۃ بطریق حنش (سخاوی)

الفرائد: اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت کی حفاظت ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿**یایھا الذین امنوا ان تنصروا اللّٰہ ینصرو کم**......﴾: اور بندے کی حفاظت سے مراد دین' بدن' مال واولاد واہل کی حفاظت ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿**والذین اھتدوا زادھم ھُدًی**﴾: (محمد: ۱۷)

② سامنے پانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر خیر کی طرف تمہاری راہنمائی کرے گا اور ہر شر کو تم سے دور کرے گا اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہو جائے اس کو کسی کی محتاجی نہیں: ﴿**یایھا النبی حسبک اللّٰہ**﴾: (الانفال: ۶۴)

③ جب کوئی انسان مدد طلب کرے خواہ اسباب معروضہ سے ہو یا غیر معلومہ سے ہو اللہ تعالیٰ بندے کی بسا اوقات اسباب غیر معلومہ سے اس طرح مدد کرتا ہے کہ بندہ حیران رہ جاتا ہے۔ ایسے وقت میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کے مسبب الاسباب ہونے پر نگاہ رکھنی چاہئے۔ (الشرح)

۶۳ : عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا هِيَ اَدَقُّ فِيْ اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. وَقَالَ: الْمُوْبِقَاتُ : الْمُهْلِكَاتُ۔

۶۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اے لوگو! آج کل تم بعض کاموں کو بال سے بھی زیادہ باریک اور حقیر اپنی نگاہوں میں قرار دیتے ہو۔ مگر ان کاموں کو ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہلاکت انگیز کاموں میں شمار کرتے تھے۔ (بخاری)

اَلْمُوْبِقَاتُ : مہلکات۔

تشریح ۞ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو جو اعمال میں تسہل برتتے تھے فرمایا: **انکم لتعملون**: تم کئی اعمال معمولی سمجھ کر کر لیتے ہو اور ان کے گناہ پر نگاہ نہیں ڈالتے۔ وہ تمہارے سامنے بہت ہی معمولی ہوتے ہیں۔ **کنا نعدھا**: ہم ان کو اللہ تعالیٰ کی کمال معرفت کی وجہ سے زمانہ نبوت میں مہلکات میں خیال کرتے تھے۔ **المحلقات**: مہلک۔ یہ مضمون ایک دوسرے ارشاد میں ہے گناہ کی چھوٹائی کو مت دیکھو اس کی طرف دیکھو جس کی تم نے نافرمانی کی ہے۔ دوسری روایت میں ہے: **المؤمن یری ذنبہ کانہ صخمۃ یخاف ان تقع علیہ والکافر یریٰ ذنبہ کاذہ ذباب یمر علی انفہ**: ''مومن اپنے

گناہ چٹان گرنے والی خیال کرتا ہے اور کافر مکھی خیال کرتا ہے۔

فوائد ❁ انسان کو چاہئے کہ وہ چھوٹے گناہوں سے بچے شاید کہ وہ اس کے دین کو تباہ کرنے والا ہو جیسا کہ ذرا بھر زہر سے بھی احتراز کیا جاتا ہے۔ ② اس میں اللہ تعالیٰ کے کمال لحاظ کا تذکرہ ہے۔ ہم گناہ کی طرف بڑھتے ہیں کیونکہ ہم جلال الٰہی کو نہیں دیکھتے۔

تخریج: أخرجه البخاری (٦٤٩٢) وفی الباب عن أبی سعید الخدری و عباد بن قراط رضی الله عنهما عن أحمد۔

الفرائد: ① حضرت انس رضی اللہ عنہ نے طویل عمر پائی۔ لوگوں نے جماعت کی نماز کے سلسلہ میں جب سستی شروع کر دی تو آپ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو منافق' مریض' معذور بھی جماعت میں آتے تھے مگر بعد میں ایسا زمانہ آیا بھلے چنگے جماعت سے سستی کرنے لگے اور اب تو سرے سے نماز ہی کے تارک بن گئے حالانکہ صحابہ کرامؓ اس کو مہلکات میں سمجھتے تھے۔ ② ملاوٹ اور جھوٹ کو آج کل لوگ معمولی سمجھتے ہیں بلکہ کئی گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ مگر عہد صحابہؓ میں ان کو مہلکات میں سمجھا جاتا تھا۔ ضعف ایمان کی وجہ سے گناہ معمولی چیز بن گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ کذابوں میں لکھا جاتا ہے۔ (الشرح)

❁ ❁

۶۴ : عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَغَارُ ، وَغَيْرَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی اَنْ يَّاْتِیَ الْمَرْءُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"وَالْغَيْرَةُ" بِفَتْحِ الْغَيْنِ : وَاَصْلُهَا الْاَنَفَةُ۔

۶۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ غیرت کرتے ہیں اور اللہ کو غیرت دلانا یہ ہے کہ آدمی اس کام کا ارتکاب کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو۔ (متفق علیہ)

اَلْغَيْرَةُ : غین کے زبر کے ساتھ ہے جبکہ معناً اصل میں خودداری کو کہتے ہیں۔

تشریح ❁ **حرّم اللّٰه:** جس کا کرنا جس کے کرنے سے روکا گیا ہو۔ **یغار:** یہ غیرت سے بنا ہے۔ حمیت کو کہتے ہیں **غیرة اللّٰه:** سے مراد لوگوں کو فواحش سے روکنا' انسان کے لئے انفعال اور صفت جس سے انسان اپنے گھر والوں کو اجنبی کے ساتھ تعلق سے روکے۔

تخریج: أخرجه البخاری (٥٢٢٣) و مسلم (٢٧٦١) وأحمد (٣/٨٥٢٧) والطیالسی (٢٣٥٧) والترمذی (١١٦٨) وابن حبان (٢٩٣)

الفرائد : اس روایت میں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت غیرۃ ثابت کی گئی ہے جیسا کہ دوسری روایات میں فرح بھی ثابت ہے' یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کامل ہیں مخلوق کی صفات سے ان کی کوئی مشابہت نہیں: ﴿**لیس کمثله شئ وهو السمیع العلیم**﴾: یہ غیرت اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی ذات وصفات کے مطابق ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر حکمت کے ماتحت کچھ اشیاء حرام کچھ حلال کر دیں۔ جو حلال کیں ان میں بندے کا فائدہ اور جو حرام کیں ان میں بندے کا نقصان ہے۔ بندہ جب اللہ تعالیٰ کا لحاظ نہ کرتے ہوئے محارم کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے تو اللہ

تعالیٰ کو غیرت آتی ہے کہ میں حکیم ورحیم ہوں اور میں نے جو چیز بندے کی بھلائی کے لئے حرام کی تھی یہ میری رحمت وحکمت اور حکم کو نظر انداز کر کے اس کو استعمال کر رہا ہے۔ یہ چیز میری غیرت کے خلاف ہے۔ میں نے وہ چیز بخل یا اپنے کسی فائدہ کے لئے منع نہیں کی تھی۔ مثلاً زنا، لواطت، جھوٹ، ملاوٹ وغیرہ تمام محرمات بندے کو یہ جرأت نہ کرنی چاہیے تھی کہ وہ میری نافرمانی کرتا۔ (الشرح)

۶۵ :عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ : اِنَّ ثَلَاثَةً مِّنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ اَبْرَصَ وَاَقْرَعَ وَاَعْمٰی اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّبْتَلِیَهُمْ فَبَعَثَ اِلَیْهِمْ مَلَكًا فَاَتَی الْاَبْرَصَ. فَقَالَ : اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْكَ؟ قَالَ :لَوْنٌ حَسَنٌ وَّجِلْدٌ حَسَنٌ وَّیَذْهَبُ عَنِّی الَّذِیْ قَدْ قَذِرَنِیَ النَّاسُ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهٗ وَاُعْطِیَ لَوْنًا حَسَنًا فَقَالَ: فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْكَ؟ قَالَ الْاِبِلُ – اَوْ قَالَ الْبَقَرُ – شَكَّ الرَّاوِیْ' فَاُعْطِیَ نَاقَةً عُشَرَآءَ فَقَالَ: بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِیْهَا۔ فَاَتَی الْاَقْرَعَ فَقَالَ: اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْكَ؟ قَالَ :شَعْرٌ حَسَنٌ وَّیَذْهَبُ عَنِّیْ هٰذَا الَّذِیْ قَذِرَنِی النَّاسُ فَمَسَحَهٗ فَذَهَبَ عَنْهُ وَاُعْطِیَ شَعْرًا حَسَنًا۔قَالَ : فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْكَ؟ قَالَ: الْبَقَرُ فَاُعْطِیَ بَقَرَةً حَامِلًا.قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِیْهَا :فَاَتَی الْاَعْمٰی فَقَالَ : اَیُّ شَیْءٍ اَحَبُّ اِلَیْكَ؟ قَالَ :اَنْ یَّرُدَّ اللّٰهُ بَصَرِیْ فَاُبْصِرَ النَّاسَ فَمَسَحَهٗ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَیْهِ بَصَرَهٗ۔ قَالَ: فَاَیُّ الْمَالِ اَحَبُّ اِلَیْكَ؟ قَالَ :الْغَنَمُ فَاُعْطِیَ شَاةً وَّالِدًا ' فَاَنْتَجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا' فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْاِبِلِ' وَلِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْبَقَرِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِّنَ الْغَنَمِ. ثُمَّ اِنَّهٗ اَتَی الْاَبْرَصَ فِیْ صُوْرَتِهٖ وَهَیْئَتِهٖ فَقَالَ :رَجُلٌ مِّسْكِیْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِیَ الْحِبَالُ فِیْ سَفَرِیْ ' فَلَا بَلَاغَ لِیَ الْیَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْاَلُكَ بِالَّذِیْ اَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِیْرًا اَتَبَلَّغُ بِهٖ فِیْ سَفَرِیْ؟ فَقَالَ :اَلْحُقُوْقُ كَثِیْرَةٌ۔فَقَالَ :كَاَنِّیْ اَعْرِفُكَ' اَلَمْ تَكُنْ اَبْرَصَ یَقْذَرُكَ النَّاسُ فَقِیْرًا فَاَعْطَاكَ اللّٰهُ؟ فَقَالَ :اِنَّمَا وَرِثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ' فَقَالَ اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَیَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰی مَا كُنْتَ وَاَتَی الْاَقْرَعَ فِیْ صُوْرَتِهٖ وَهَیْئَتِهٖ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذَا وَرَدَّ عَلَیْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ هٰذَا ۔ فَقَالَ:اِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَیَّرَكَ اللّٰهُ اِلٰی مَا كُنْتَ۔ وَاَتَی الْاَعْمٰی فِیْ صُوْرَتِهٖ وَهَیْئَتِهٖ فَقَالَ :رَجُلٌ مِسْكِیْنٌ وَابْنُ سَبِیْلٍ انْقَطَعَتْ بِیَ الْحِبَالُ فِیْ سَفَرِیْ فَلَا بَلَاغَ لِیَ الْیَوْمَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ اَسْاَلُكَ بِالَّذِیْ رَدَّ عَلَیْكَ بَصَرَكَ شَاةً اَتَبَلَّغُ بِهَا فِیْ سَفَرِیْ؟ فَقَالَ : قَدْ كُنْتُ اَعْمٰی فَرَدَّ اللّٰهُ اِلٰی بَصَرِیْ فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَ اللّٰهِ لَا اَجْهَدُكَ الْیَوْمَ بِشَیْءٍ اَخَذْتَهٗ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ فَقَالَ :اَمْسِكْ مَالَكَ

فَاِنَّمَا ابْتُلِيْتُمْ، فَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ وَسَخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"وَالنَّاقَةُ الْعُشَرَآءِ" بِضَمِّ الْعَيْنِ وَفَتْحِ الشِّيْنِ وَبِالْمَدِّ: هِيَ الْحَامِلُ: قَوْلُهٗ "اَنْتَجَ" وَفِيْ رِوَايَةٍ "فَنَتَجَ" مَعْنَاهُ: تَوَلّٰى نِتَاجَهَا وَالنَّاتِجُ لِلنَّاقَةِ كَالْقَابِلَةِ لِلْمَرْاَةِ - وَقَوْلُهٗ "وَلَّدَ هٰذَا" هُوَ بِتَشْدِيْدِ اللَّامِ: اَيْ تَوَلّٰى وِلَادَتَهَا وَهُوَ بِمَعْنٰى اَنْتَجَ فِي النَّاقَةِ - فَالْمُوَلِّدُ، وَالنَّاتِجُ، وَالْقَابِلَةُ بِمَعْنًى لٰكِنْ هٰذَا لِلْحَيْوَانِ، وَذٰلِكَ لِغَيْرِهٖ۔ قَوْلُهٗ "اِنْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ" هُوَ - بِالْحَاءِ الْمُهْمَلَةِ وَالْبَاءِ الْمُوَحَّدَةِ: اَيِ الْاَسْبَابُ - وَقَوْلُهٗ: لَا اَجْهَدُكَ" مَعْنَاهُ: لَا اَشُقُّ عَلَيْكَ فِيْ رَدِّ شَيْءٍ تَاْخُذُهٗ اَوْ تَطْلُبُهٗ مِنْ مَّالِيْ وَفِيْ رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ: "لَا اَحْمَدُكَ" بِالْحَاءِ الْمُهْمَلَةِ وَالْمِيْمِ وَمَعْنَاهُ: لَا اَحْمَدُكَ بِتَرْكِ شَيْءٍ تَحْتَاجُ اِلَيْهِ كَمَا قَالُوْا: لَيْسَ عَلٰى طُوْلِ الْحَيَاةِ نَدَمٌ: اَيْ عَلٰى فَوَاتِ طُوْلِهَا۔

۶۵: حضرت ابو ہریرہؓ کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل کے تین آدمی کوڑھی' گنجا' اندھا کو اللہ تعالیٰ نے آزمانے کا ارادہ فرمایا۔ پس ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا وہ فرشتہ کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا تجھے کونسی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے جواب دیا اچھا رنگ' خوبصورت جسم اور مجھ سے وہ تکلیف دور ہو جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا اس سے وہ تکلیف جاتی رہی۔ جس کی وجہ سے لوگ اس سے نفرت کرتے تھے۔ اس کو خوبصورت رنگ دے دیا گیا۔ پھر فرشتے نے کہا تمہیں کونسا مال تمام مالوں میں زیادہ پسند ہے۔ اس نے کہا اونٹ یا گائے (راوی کو اس میں شک ہے) چنانچہ اس کو دس ماہ کی گابھن اونٹنی دے دی گئی۔ پھر فرشتے نے دعا دی بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں برکت عنایت فرمائے۔ پھر وہ فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا تجھے کونسی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا اچھے بال اور یہ کہ مجھ سے یہ تکلیف دور ہو جائے۔ جس کی بنا پر لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ جس سے اس کا گنجا پن صحیح ہو گیا اور اس کو خوبصورت بال مل گئے۔ پھر فرشتے نے کہا تمہیں کونسا مال زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا گائے۔ اس کو ایک حاملہ گائے دے دی گئی۔ فرشتے نے اس کو دعا دی: بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس مال میں برکت دے۔ پھر وہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا تمہیں کونسی چیز سب سے زیادہ پسند ہے۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ میری نگاہ مجھے واپس کر دے تاکہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی واپس کر دی۔ پھر فرشتے نے کہا تمہیں اموال میں سے کونسا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا بکریاں۔ اس کو ایک بچہ جننے والی بکری دے دی گئی۔ بس ان دو کے جانور بھی پھلے پھولے اور اس کی بکری نے بھی بچے دیئے۔ پس ایک کے لئے اگر اونٹوں کی وادی تھی تو دوسرے کی گائیں وادی کو بھر دیتی تھیں اور تیسرے کی بکریاں بھی وادی کو پُر کرنے والی تھیں۔ پھر معاملہ یہ ہوا کہ وہ فرشتہ کوڑھی کے پاس اسی شکل صورت میں گیا (کوڑھی کی شکل بنا کر) اور کہا میں ایک مسکین اور غریب آدمی ہوں میرے سفر کے تمام ذرائع

مسدود ہو چکے۔ اب میرے لئے آج کے دن گھر پہنچنے کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور پھر تیرے سوا کوئی ذریعہ نہیں۔ اس لئے میں تم سے اس اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں۔ جس نے تجھے اچھا رنگ اور خوبصورت کھال اور مال عنایت فرمائے۔ میں تم سے ایک اونٹ مانگتا ہوں جس کے ذریعہ میں منزل مقصود تک پہنچ جاؤں۔ اس نے جواب دیا۔ میرے ذمہ بہت سے حقوق ہیں۔ فرشتے نے اسے کہا گویا میں تجھے پہچانتا ہوں۔ کیا تو وہی نہیں جس کے جسم پر سفید برص کے داغ تھے لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے اور تو فقیر ومحتاج تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے مال سے نوازا۔ اس نے کہا یہ مال تو میں نے باپ دادا سے ورثہ میں پایا ہے۔ فرشتے نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے ویسا ہی کر دے جیسا کہ تو تھا' پھر فرشتہ گنجے کے پاس اسی کی شکل وصورت میں گیا اور اس نے وہی کہا جو کوڑھی کو کہا تھا اور اس نے اسی طرح جواب دیا جس طرح اس نے جواب دیا تھا۔ اس پر فرشتے نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے اسی طرح کر دے جس طرح پہلے تھا پھر اندھے کے پاس نابینا بن کر گیا اور کہا میں ایک مسکین اور مسافر ہوں اور سفر کے تمام ذرائع مسدود ہو گئے۔ اب منزل تک پہنچنا اللہ کی مدد اور پھر تیرے سہارے کے سوا ممکن نہیں۔ میں تم سے اس اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جس نے تیری نگاہ واپس کی۔ مجھے ایک بکری عنایت کر دو تاکہ میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکوں۔ اس نے کہا میں اندھا تھا اللہ تعالیٰ نے مجھے بینا کر دیا میرے اس مال میں سے جو چاہتے ہو لے لو اور جو چاہو چھوڑ دو۔ قسم بخدا اس میں سے آج تو جو اللہ کے لئے لے گا میں انکار نہ کروں گا۔ فرشتے نے کہا اپنے مال کو تم اپنے پاس ہی رکھو۔ بلاشبہ تمہاری آزمائش کی گئی جس میں اللہ تم سے راضی ہوا اور تمہارے دونوں ساتھیوں پر ناراض ہو گیا (متفق علیہ)

اَلنَّاقَةُ الْعُشَرَاءُ: حاملہ اونٹنی۔ **اَنْتَجَ ونَتَجَ**: اس کے بچوں کا مالک بنا۔ **اَلنَّاتِجُ**: اونٹنی کے بچے جنوانے والا جیسا قابلہ کا لفظ دایہ عورت کے لئے ہے۔ **وَلَّدَ هٰذَا**: بکری کے بچوں کا مالک ہوا۔ یہ لفظ انتج کے ہم معنی ہے اونٹنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے **نَاتِجٌ، مُوَلِّدٌ، قَابِلَةٌ** تینوں ہم معنی ہے۔ صرف انسان کے لئے قابلہ آتا ہے اور بقیہ حیوانات کے لئے آتے ہیں۔ **اِنْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ** کا معنی اسباب کا منقطع ہونا۔ **لَا اَجْهَدُكَ**: میں کسی چیز کی واپسی کی تکلیف نہ دوں گا۔ **لَا اَحْمَدُكَ**: میں تیری تعریف نہ کروں گا کسی ایسی چیز کے ترک پر جس کی تمہیں ضرورت ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسا کہ اہل عرب کا محاورہ ہے کہ زندگی کی درازی پر ملامت نہیں یعنی عمر کی لمبائی نہ ہونے پر ندامت نہیں۔

تشریح ۞ **یقول**: ① سمع کے مفعول سے بدل اشتمال ② یا مفعول مقدر کا حال ہے۔ **انه سمع**: مضارع کی بجائے ماضی لانے کی دو وجہ ہیں: ① سننے کے وقت کی حالت کو حکایۃً بیان کیا' ② سامع نے اپنے ذہن میں حاضر کر کے بیان کر دیا۔

النَّحْوُ: ان ثلاثة...... ابرص: ثلاثة سے بدل ہے۔ کوڑھ کی بیماری والا۔ اقرع: گنجا۔ یبتلیھم: آزمانے جیسے معاملہ کرنا۔ ابرص کو مقدم کیا کیونکہ اس کی بیماری قبیح تر اور بدترین اور رنگت بھی بری ہے۔ ابرص کے بعد اقرع لائے ان سے جلد انتقام کے لئے۔ جلد حسن: اس سے اچھا رنگ ہی نہیں مانگا بلکہ خوبصورت جلد جو بیماری کے مکمل خاتمے پر ہوتی ہے۔ تذرنی: یذھب سے پہلے ان مقدر ہے۔ ایک نسخہ میں تذرونی: ہے جو اکلونی البراغیث: کی طرح ہے۔ دور کر دیا' برا بنا دیا۔ ذھب عنه

قذرہ: برص جاتی رہی یعنی سبب قذر ختم ہو گیا۔ ابل: یہ لفظ واحد، جمع سب پر استعمال ہوتا ہے نہ یہ جمع ہے اور نہ اسم جمع ہے۔ (ابن سیدہ) یہ جمع مؤنث ہے جس کا واحد نہیں (جوہری) مال کی تصغیر مویل آتی ہے۔

شك الراوی: کہ جو اسحاق بن عبداللہ ہے کہ آیا بقر کا لفظ ہے یا ابل کا۔

بارك الله لك: یہ دعائیہ کلمہ ہے یا خبریہ جملہ ہے۔

فمسحه: فرشتے نے صرف سر پر ہاتھ پھیرا یا تمام جسم پر تا کہ برکت حاصل ہو جائے۔

البقر: یہ مؤنث و مذکر دونوں پر بولتے ہیں اس پر تا واحد و جمع کے فرق کیلئے لاتے ہیں۔

حاملاً: مونث کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے ۃ کی حاجت نہیں۔

بصری: وہ قوت جو آنکھوں کے ذریعہ مبصرات کو دیکھتی ہے۔

الغنم: یہ مبتداء ہے خبر محذوف ہے۔ یا مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ یہ اسم مونث ہے نر و مادہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ الا بل المغنم: عدد میں ظاہری لفظ کے لحاظ سے استعمال ہوتا ہے۔ والداً: بچوں والی ② حاملہ ③ صاحب جامع الاصول کہتے ہیں کہ یہ ایسی بکری کو کہتے ہیں جو کثرت سے بچے جنے۔ هذان: اس کا مشار الیہ اونٹ اور گائے والا ہے۔ واد: یعنی بھری ہوئی وادی۔

فکان لهذا واد من الابل ولهذا واد من البقر و لهذا واد من الغنم: یہاں معمول کا عطف معمول پر ہے اس لئے کہ ان کا عامل ایک ہے۔ من الابل: وغیرہ یہ واد کی صفت یا حال دونوں بن سکتا ہے کیونکہ خبر مقدم ہے۔ فی صورته و هيئته: پھٹے پرانے لباس میں۔ ① ہ ضمیر دونوں میں فرشتے کی طرف لوٹتی ہے۔ انقطعت بی الحبال فی نفری: یہ حبل کی جمع ہے لق و دق ریت یا اسباب رزق۔ قطربی کہتے ہیں یہ بہترین تفسیر ہے۔ مسلم کی روایت میں الحیال: جمع حیلہ ہے اور بخاری کے بعض روات نے الجبال نقل کیا ہے واللہ اعلم۔

فی سفری: انقطعت سے متعلق ہے یا ضمیر مجرور سے حال ہے۔ مطلب یہ کہ سفر میں اسباب رزق مجھ پر منقطع ہو گئے ہیں۔

فلا بلاغ لی۔ البلاغ: جو چیز مطلوب تک پہنچنے کا ذریعہ بنے۔ یعنی میں اپنی مراد کو نہیں پا سکتا۔ بالله: اللہ تعالیٰ کے کام بنانے اور آسان کر دینے سے۔ ثم بك: پھر تیرے ساتھ کیونکہ تو خیر کے جاری ہونے کا ذریعہ ہے۔ یہاں ثم: ترتیب نزولی کو ظاہر کر رہا ہے اس لئے واؤ کو نہیں لائے تا کہ شرکت کا وہم نہ ہو۔

ایک اہم قاعدہ ☆: یہ بالله ثم بك: یہ ان تعریضات میں سے ہے جس سے فہم مقصود تک پہنچنا ہوتا ہے حقیقت مراد نہیں ہوتی جیسا ابراہیم علیہ السلام کے ارشاد هذا ربی وهذہٖ اُختی وغیرہ۔ اسئالك بالله: میں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر تجھ سے مہربانی کا طالب ہوں۔ بعیرا: یہ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس کا استعمال لفظ انسان اور الجمل: کا استعمال الرجل کی طرح ہے جبکہ الناقة: بمنزلہ المراۃ: اور القعود: بمنزلہ الفتیٰ: اور القلوص: بمنزلہ الجاریہ ہے۔ بعیر کی جمع الجرۃ اور اباعر و بعران ہے جو اس سال اونٹ کو کہتے ہیں۔ اتبلغ به: اور علیه: کا نسخہ بھی ہے۔ اتبلغ به: یہ بُلغه: سے ہے جس کا معنی کفایت کرنا ہے۔ اس حال میں کہ میں سواری کروں۔ الحقوق کثیرۃ: میرے ذمہ اور بہت حقوق ہیں میرے پاس بچا ہوا نہیں کسی اور کو دیکھو۔ کانی اعزمك: کوفی علماء کان کو تحقیق کے لئے قرار دیا جبکہ اس کی خبر فعل یا ظرف یا مجرور یا صفات میں

سے ہو۔ اس وقت اس میں ظن وحسبان کا معنی آ جاتا ہے۔ مگر جمہور نے کان کو تشبیہ کے لئے کہا ہے۔ (رضی) **ألم تكن**: یہ استفہام تقریری ہے یعنی تو ایسا تھا۔ **کابراً عن کابرٍ**: بڑوں سے اوپر تک شرف والے یعنی میں آباؤ اجداد سے وارث بنا ہوں۔ میرا دعویٰ کوئی نیا نہیں یہ چیزیں کوئی آج ہی نہیں ملیں۔ یہی بات تو نعمتوں کا انکار و ناشکری ہے اور یہ انداز اختیار کرنا بخل ہے۔ بندے کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کا شکرگزار رہے خواہ کوئی حالت ہو اور اس کا تذکرہ کرتا رہے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی کہتے ہیں اس نے ہم سے عہد لئے جب کہ ہمیں بڑھائی ملی اور لوگوں کے مابین ہماری عزت قائم ہوئی۔ کیا ہم اپنی پہلی حالت پرانے کپڑے لوگوں کی خدمت، تنگدستی وغیرہ بھول جائیں۔ یہ یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی پہچان کے لئے ہوتا ہے۔ جس نے اپنے بچپن کے حالات بھلا دیئے اس کا شکر یہ ناپید ہوگیا۔ بسا اوقات آدمی اس طرح کہہ دیتا ہے، ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے باپ دادا سے خوشحالی میں چلے آرہے ہیں یہ بات دراصل ان کو بتلانے کے لئے کہی جاتی ہے جو اس کی سابقہ حالت کو نہیں جانتے (یہ بات درست نہیں) معن بن زائدہ کے ہاں ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: **اتذكر اذا قميصك جلد شاةٍ۔ واذ نعلك من جلد البعير**: (اپنی غربت یاد کرو)

یہ سن کر معن کہنے لگا الحمدللہ مجھے یاد ہے۔ وہ کہنے لگا۔

فقد جل الذى اعطاك ملكًا۔ وعلمك الجلوس على السرير: (تمہیں بادشاہی دے دی)

معن کہنے لگے میرا رب عزت وجلال والا ہے۔ وہ کہنے لگا۔

فجلدى يابن ناقصه بمال۔ فانى قد عزمت على المسير: (میرا دامن بھردو)

معن نے اس کو بہت سا مال دیا کہ اس نے اس کی گزشتہ حالت یاد دلائی تھی۔

علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں اس جھوٹ پر برص والے کو بخل اور ناشکری نے اور پھر بخل کی نحوست سے شدید غصہ نے آمادہ کیا۔ **ان كنت كاذبًا**: یہ ان اذ کے معنی میں ہے۔ **وهيئته**: یعنی وہ حالت جس کو پراگندگی کی وجہ سے وہ حقیر قرار دیتے تھے۔ شارح مشکوٰۃ ابن حجر کہتے ہیں بعض روایات میں یہ لفظ اس لئے حذف کیا تاکہ کوڑھی کی انتہائی غباوت کو ظاہر کر دیا جائے۔ باوجودیکہ کہ فرشتہ اس کی صورت سابقہ میں آیا تھا۔ جس سے اس کو شفاء اور غناء حاصل ہوئی تھی۔ مگر اس نے تجاہل وتفاخر سے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا بلکہ اس کے ساتھ یہ جھوٹ ملایا کہ باپ دادا سے اسے مال ملا ہے۔ اس حماقت کو دوسرے نہیں پہنچ سکے۔ **فقال رجل**: یعنی جو نابینا مرد کی صورت میں تھا ورنہ فرشتے مرد وعورت کی صفت سے متصف نہیں ہوتے۔ **ابن سبيل**: سفر کی کثرت سے اسے ابن سبیل کہہ دیتے ہیں جیسا کہ قاطع کو ابن الطریق کہتے ہیں۔ ② مہمان ہونے کی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کیونکہ راستہ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ **بصرك**: قوت بصارت اس فرشتے نے اسے اس پر کی جانے والی نعمتیں یاد دلائیں۔ **فوا الله لا اجهدك اليوم بشئى اخذته لله**: یعنی اللہ کی قسم! میں تم پر کوئی مشقت نہ ڈالوں گا۔ ② میں اس میں سے لے لینے پر تم پر کوئی مشقت نہ ڈالوں گا۔ اس کی بات سے پہلے دونوں کی بات میں کتنا بڑا فرق ہے۔ **ابتليتم**: تمہارا امتحان لیا گیا یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ آزمائے ہوئے آدمی جیسا معاملہ کیا تاکہ اس پر تمہارے اعمال کا اثر مرتب کرے کیونکہ جو چیز عالم شہادت میں ظاہر ہو اسی پر بدلہ ملتا ہے نہ علم ازلی کے مطابق۔

فقد رضى عنك وسخط على صاحبيك: سخط ورضا سے ان کا لازم مراد ہے۔ ① ارادہ ثواب وتعذیب مراد ہے۔ اس

صورت میں ذات کی صفت ہوں گی۔ ② تعذیب وثواب اس صورت میں فعل کی صفت بنیں گی۔ **العُشَراء**: وہ اونٹنی جس کے حمل کو آٹھ یا دس ماہ گزر چکے ہوں۔ یہ لفظ **نُفَساء**: کی طرح ہے اس کی جمع عشروات وعشار آتی ہے۔ **انتج**: یہ معروف قلیل الاستعمال ہے۔ اس مادہ سے **نُتِجَ**: مجہول اکثر آتا ہے۔ **نتاج**: بچے۔ **الانتاج**: ولادت کا ذمہ دار بننا اس کا بہترین معنی اونٹ کا بچہ اور بچھڑا۔ **ولد الغنم**: اس کا بچے والا بنایا۔ حیوانات اونٹ، گائے کے لئے جو بچے جمانے کا کام کرتا ہوا سے ناتج کہتے ہیں بکری کے لئے مولد اور انسانوں کے لئے قابلہ (رایہ)

قرطبی کا قول: **جهدته واجهدته**: میں نے اس کی مشقت میں انتہاء کردی یا **اجهدك**: کا معنی جو تو لے گا میں اس میں رکاوٹ نہ کروں گا۔ **الجُهد**: مشقت والی زندگی۔ اس آیت میں یہی مطلب ہے: ﴿**والذين لا يجدون الا جهدهم**﴾

لا احمدك: کا معنی ضرورت کی چیز چھوڑ دینے پر میں تیری تعریف نہ کروں گا۔ یہ اسی طرح ہے جیسا شاعر کا قول **ليس على لحول الحياة ندم اى على فوات طولها ندم**: یعنی مجھے زندگی کی درازی کے فوت ہونے پر شرمندگی نہیں۔

ایک شاعر نے کہا ؎

اتوب اليك يا مولاى مما ☆ على به تواترت الذنوب

واما على هوى ليلٰى وتركى ☆ زيارتها فانى لا اتوب

لیکن لیلیٰ کی محبت اور اس کی زیارت کے نہ چھوڑنے پر میں توبہ نہیں کرتا۔

علامہ کرمانی کہتے ہیں **يتحمد**: کا معنی احسان جتلانا ہے۔ جیسا محاورہ ہے:

من انفق ماله على نفسه فلا يتحمد به على الناس۔

اور ایک روایت لا نافیہ کی بجائے لام تاکید سے ہے **لَاَحْمِدُكَ**: ہے۔

تخریج: أخرجه البخاری (٣٤٦٤) و (٦٦٥٣) و مسلم (٢٩٦٤) وابن حبان (٣١٤)

الفرائد: بنو اسرائیل کے متعلق روایات کی اقسام ① جن کو قرآن مجید نے بیان کیا ② احادیث صحیحہ نے بیان کیا یہ دونوں برحق ہیں۔ ③ احبار بنی اسرائیل کی روایات اس کی تین قسمیں ہیں: ا) جن کے باطل ہونے کی شریعت نے گواہی دی یہ محض باطل ہیں۔ ب) جن کی سچائی کی گواہی دی۔ یہ برحق ہیں۔ ج) جن کی تصدیق وتکذیب سے شرع خاموش ہے۔ ان کو ترغیب وترہیب کے لئے بیان کرنا درست ہے بشرطیکہ کسی قاعدہ شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔ ② اللہ تعالیٰ کی آزمائش تنگدستی و خوشحالی کے ساتھ صبر وشکر کا امتحان ہوتا ہے۔ ③ مال کی برکت کے باقی رہنے کی صورت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف اور شکریہ ہے۔ ④ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مخلوق پر نافذ کرنے والے ہیں۔ ⑤ مختلف شکلوں میں بدل سکتے ہیں۔ ⑥ امتحان کے لئے فرشتہ کسی بھی صورت میں آسکتا ہے جیسے نابینا، گنجا، کوڑھی آدمی کی صورت میں۔ ⑦ انسانوں میں نعمت کے شکریہ کے لحاظ سے فرق ہے۔ نابینا شکر گزار نکلا، دوسرے دونوں نے ناشکری کی تو نعمتوں سے محروم ہو گئے۔ ⑧ اللہ تعالیٰ جب چاہے تھوڑے مال میں برکت دے کر اس کو بہت زیادہ کر دے۔ ⑨ رضا وسخط اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ ⑩ فرشتے نے ہاتھ پھیرا تو ان کا مرض صحیح ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو جس طرح چاہیں جب چاہیں کر سکتے ہیں۔

٦٦ : عَنْ اَبِیْ یَعْلٰی شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ الْاَمَانِیَّ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔ قَالَ التِّرْمِذِیُّ وَغَیْرُهَا مِنَ الْعُلَمَآءِ :مَعْنٰی دَانَ نَفْسَهٗ حَاسَبَهَا۔

٦٦ : حضرت ابویعلی شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کو مطیع رکھے اور موت کے بعد آنے والی زندگی کے لئے تیاری کرے اور بے وقوف وہ ہے جس نے خواہشات نفسانی کی پیروی: کی اور اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی آرزوئیں اور تمنائیں کیں‘‘۔(ترمذی)

دَانَ نَفْسَهٗ : نفس کا محاسبہ کیا۔

تشریح ۞ شداد بن اوس یہ بنونجار کے خاندان سے ہیں۔ یہ حسان بن ثابت کے بھتیجے ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے علم و عمل اور حلم کی دولت سے نوازا تھا۔ ۵۸ھ فلسطین میں وفات پائی ان کی عمر اس وقت ۷۵ سال تھی۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں انہوں نے بیت المقدس میں وفات پائی ان کی قبر باب الرحمہ کے بیرونی جانب ہے۔(التہذیب) مرویات کی تعداد ۵۰ ہے۔ دو روایات متفق علیہ اور بخاری اور مسلم ایک ایک میں منفرد ہیں۔

الکیس: عقل مند۔ دان: نفس کا محاسبہ کرنے اور ایسی لذات وشہوات سے نفس کو روکنے والا ہو جن میں نفس کی ہلاکت ہے۔

بعد الموت: موت کے بعد سے مراد قبر اور اس کے بعد والے احوال جن میں عمل صالح مونس وغم خوار ہوگا۔ جیسے کسی شاعر نے کہا:

① اللہ کی قسم! اے نفس غور سے سن اور سمجھ۔ وہ بات جو ناصح کر رہا ہے۔

② انسان کو قبر میں اعمال صالحہ ہی فائدہ دیں گے۔

العاجز: جس کام کا کرنا ضروری ہو اسے کمزوری کی وجہ سے چھوڑنے والا۔ من اتبع نفسه هواها: شہوات کو ترجیح دے کر نفس کو ان کا مطیع کرنے والا اور نیک اعمال کے خلاف نفس ہونے کی وجہ سے ان سے اعراض کرنے والا ہو۔ تمنی علی الله: اللہ تعالیٰ سے متمنی ہو کہ وہ اسے آخرت میں کامیابی دے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ عبودیت کے لوازم جیسے ادائیگی خدمت، محاسبہ نفس، تجاوز حدود سے احتیاط اور دل کے ساتھ اس کی طرف جھکاؤ اختیار کیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کر کے چلا جائے۔

باقی عبودیت کے مقام کی ادائیگی چھوڑ دینا یہ نفس کی خفیہ خباثتوں سے ہے۔ خاص طور پر اس کو شہوات کے میدان میں ڈالنا جس میں نفس کی ہلاکت ہے۔

تخریج ۞ ترمذی۔ احمد۔ ابن ماجہ۔ حاکم۔ بیہقی۔ ترمذی نے علماء سے نقل کیا کہ دان کا معنی محاسبہ کرنا۔ پھر نہایہ میں اس کی تفسیر تابع سے کی گئی ہے اور محاسبہ بھی اس کا ایک معنی ہے۔(القاموس) کشاف نے انئا لمدینون: کی تفسیر المسوس: یعنی

مربوب من الدّین: قرض سے پلا ہوا۔ یہ سیاست بمعنی تدبیر سے ہے اور اس روایت کا یہی معنی ہے: الکیس من دان نفسهٗ: تدبیر والا وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو مطیع رکھے۔

الفرائد: اس حدیث میں اس بات پر آمادہ کیا گیا ہے کہ انسان کو اپنے وقت کی فرصت غنیمت جاننی چاہئیں۔ سستی اور کاہلی کو ترک کر دینا چاہئے۔ ② محض تمنائیں اور تزئین کوئی چیز نہیں۔ اصل ایمان وہ ہے جس کا وقار دل میں ہو اور اعمال اس کی تصدیق کرنے والے ہوں۔ (الشرح)

٦٧ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ''مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ'' حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَغَیْرُهٗ۔

٦٧ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''آدمی کے اسلام کی خوبی اس کا بے فائدہ کاموں کو ترک کر دینا ہے''۔ (ترمذی)

النحو: من حسن اسلام المرء: من ابتدائیہ ہے اور خبر کو معروف قاعدہ علی التمرہ مثلها زبدۃ کی طرح سمجھیں۔
حسن اسلام کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں کمال ہو۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر یقین کرنے میں نفس ٹیڑھ اختیار نہ کرے اور اس کے احکام کا مطیع رہے۔ نور ربانی کی وجہ سے یہی شرح صدر کی نشانی ہے۔

ترکه مالا یعنیه: یعنی جن کی نہ اسے ضرورت ہے اور نہ اس کا مقصود ہیں اور اس کی زندگی کا گزران ان کے بغیر بھی ممکن ہے۔ یعنی افعال زائدہ۔

فضول اقوال: مسلمان کو چاہئے کہ وہ ایسی چیزوں میں مشغول نہ ہو جس میں اس کے معاش و معاد کا کوئی فائدہ نہ ہو اور نہ بدن انسانی کی اصلاح و بقاء سے ان کا تعلق ہو۔ اس کو علمی کمالات و فضائل کے لئے کوشاں رہنا چاہئے جن سے اسے ابدی سعادت حاصل ہوگی اور سرمدی انعامات میسر ہوں گے اور ان کے ماسواء سے اعراض کرے اور یہ چیز اس صورت میں میسر آ سکتی ہے جبکہ اپنے اعمال و افعال کم کرتے ہوئے یہ خیال کرے کہ میرا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے اور میری کوئی حالت اس سے مخفی نہیں۔ معروف کرخی فرماتے ہیں کہ بندے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی علامت یہ ہے کہ وہ لایعنی کاموں میں مشغول ہو کیونکہ اس طرح اس سے مقصود کی چیزیں رہ جائیں گی۔

غزالی فرماتے ہیں لایعنی کلام کی آخری حد یہ ہے کہ تم ایسی بات کرو کہ اگر تم خاموش رہتے تو نہ تمہیں دکھ پہنچتا اور نہ نقصان۔ اگر تم لایعنی میں مبتلا ہوئے تو تم اپنا وقت ضائع کرنے والے ہوا اور زبان کے اس فعل پر تمہیں حساب دینا پڑے گا اور اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ چیز لینے والے ہوا گر تم اس کو یاد الٰہی میں گزارتے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم بدلہ پاتے یہ اسی طرح کا نقصان ہے جیسے خزائن جنت چھوڑ کر ایک تھیلی لے لی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

جب فراغت کا وقت ہو تو دو رکعت کو رات کے اندھیرے میں غنیمت جان۔ ② جب غلط بات میں مشغول ہونے لگے تو اس کی جگہ تسبیح کرو۔

بخاری نے کہا فراغت کو رکوع کی عظمت کی طرح غنیمت سمجھ ممکن ہے کہ تمہاری موت اچانک آ جائے۔ ② کتنے صحت مند ہیں کہ بغیر بیماری کے وہ چلتے بنے۔

تخریج: أخرجه الترمذی (٢٣٢٤) و (٢٣٢٥) و ابن ماجه (٣٩٧٦) من طرق يشد بعضها بعضًا۔

الفرائد: ① مسلمان کو اس کام میں مشغول ہونا چاہئے جس میں معاش و معاد کی بھلائی ہو۔ ورنہ وہ دیگر کاموں سے احتراز کرے۔ ② اس بات کا ہر وقت خیال ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے بندے کی کوئی حالت مخفی نہیں۔

۶۸ : عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : "لَا يُسْأَلُ الرَّجُلُ فِيمَ ضَرَبَ امْرَأَتَهُ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَغَيْرُهُ۔

۶۸: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''آدمی سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ اس نے کس وجہ سے اپنی بیوی کو مارا''۔ (ابوداؤد)

تشریح ۞ فیم: یعنی کسی سبب سے ہو۔ کیونکہ اس میں احتمال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ ایسی چیز ہو جس کا تذکرہ خلاف حیاء ہو (مثلاً حقوق زوجیت میں گڑبڑ) بلکہ مرد کو اللہ تعالیٰ کی باز پرس کے حوالہ کیا جائے۔ ہاں اگر کوئی ایسا معاملہ ہو جس میں حکام کی طرف رجوع کی ضرورت پڑتی ہے تو اس وقت اس سے باز پرس کی جائے گی۔

باب مناسبت ☆: تمام احوال میں بندہ جب اللہ تعالیٰ کو اپنا نگہبان مانے اور اس کے اوامر کو بجائے لائے اور نواہی سے پرہیز کرے اسی کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔ اسی لئے مراقبہ کے بعد باب التقویٰ لائے۔

اسلام ظاہر و باطن میں فرمانبرداری کو کہتے ہیں۔ باطنی فرمانبرداری عقیدے اور دل کی اصلاح ہے اور یہ ایمانیات کو دل سے تسلیم کرنے سے حاصل ہوگی۔ اسلام کے بہت درجات ہیں۔ قرآن مجید میں فرمایا: ﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ﴾ (الحدید) جب اسلام کے درجات میں مختلف ہیں تو وہ لوگ جو اپنے اسلام میں خوبی پیدا کرنا چاہتے ہوں وہ لایعنی امور سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنے والے ہیں۔ لایعنی باتوں اور کاموں سے بچا لینا وقت کو ضیاع سے محفوظ کر دیتا ہے اور خود انسان بڑی راحت میں رہتا ہے۔ آدمی کو یہی چیز دنیا کے علاوہ آخرت میں فائدہ دینے والی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: الْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔ (الشرح)

تخریج: ضعيف الإسناد ـ لجهالة عبدالرحمٰن المسلي۔ وأخرجه أحمد (١/١٢٢) و أبو داود (٢١٤٧) و ابن ماجه (١٩٨٦) والطيالسي (٤٧) و عبد بن حميد (٣٧) والبزار (٢٣٩) والنسائي في الكبرى (٩١٦٨) و صححه الحاكم في البر والصلة (٤/٧٣٤٢) وأقره الذهبي في التلخيص وليس كما قالا۔

الفرائد: زوجیت کے معاملات میں خواہ مخواہ مداخلت نہ کرنی چاہئے اور اگر کبھی بات کی ضرورت ہو تو طرفین میں اصلاح کی غرض سے ہی ہونی چاہئے۔

٦: بَابٌ فِي التَّقْوٰى

باب: تقویٰ کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ﴾ [آلِ عمران:۱۰۲]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے''۔ (آل عمران)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ [التغابن:۱٦]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس قدر تم میں استطاعت ہو''۔

وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ مُبَيِّنَةٌ لِلْمُرَادِ مِنَ الْاُوْلٰى۔

یہ آیت پہلی آیت کا مطلب واضح کر رہی ہے۔ (التغابن)

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ [الاحزاب: ۷۰]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سیدھی اور درست بات کہو''۔ (الاحزاب)

وَالْاٰيَاتُ فِي الْاَمْرِ بِالتَّقْوٰى كَثِيْرَةٌ مَعْلُوْمَةٌ۔

تقویٰ کے حکم سے متعلقہ آیات بہت اور معروف ہیں۔

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ [الطلاق: ۲-۳]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نکلنے کا راستہ بنا دیتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا''۔ (الطلاق)

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾

[الانفال:۲۹]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ایک خاص امتیاز عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہ تم سے زائل کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے''۔ (الانفال)

وَالْاٰیَاتُ فِی الْبَابِ کَثِیْرَۃٌ مَعْلُوْمَۃٌ۔

آیات اس سلسلہ کی بہت ہیں۔

تقویٰ اصل میں وقویٰ ہے۔ الوقایہ۔ وہ چیز جو سر کو چھپائے اور وہ ایسی چیز ہو جو آدمی کو خوفناک چیز سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ یہ ہے کہ بندہ حسب طاقت اس کے اوامر کو بجالائے اور نواہی سے بچے۔ جو اس طرح کرے وہ متقین میں شمار ہوتا ہے ان کی مدح و ثناء اس طرح پائی گئی ہے: ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (آل عمران: ۱۸۶) ان کے ساتھ دشمن سے حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا﴾ (آل عمران: ۱۲۰) ② ان سے تائید و نصرت کا وعدہ فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا﴾ (النحل: ۱۲۸) ④ تنگیوں سے نکالنے اور رزق حلال کا ذمہ لیا۔ ﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲ وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق: ۲۔۳) یہ آیت پڑھ کر آپ نے فرمایا: اے ابوذر اگر سب لوگ اس کو اختیار کر لیں تو ان کے لئے کفایت کر جائے۔ ⑤ اعمال کی درستی اور گناہوں کی بخشش کا اعلان فرمایا: ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۝۷۰ یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ﴾ (الاحزاب: ۷۰۔۷۱) ⑥ رحمت و نور کے دو حصے دینے کا وعدہ کیا: ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ (الحدید: ۲۸) ⑦ قبولیت کا وعدہ دیا۔ ﴿اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ﴾ (المائدہ: ۲۷) ⑧ اکرام و اعزاز کا پروانہ دیا۔ ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ﴾: (الحجرات: ۱۳) ⑨ آگ سے نجات کا اعلان کیا: ﴿ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا﴾ (مریم: ۷۲) ⑩ جنت میں ہیشگی کی خوشخبری دی: ﴿اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾ (آل عمران: ۱۳۳) ⑪ اللہ تعالیٰ کی محبت و دوستی، خوف و حزن کی نفی، دنیا و آخرت میں حصول بشارت اور فوز عظیم کا اعلان فرمایا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ﴾ [التوبۃ: ۷] ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ (یونس: ۶۲) اور فرمایا: ﴿ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾ (یونس: ۶۴) اگر تقویٰ میں اور کوئی بات اس کے علاوہ نہ ہوتی تو یہی کافی تھی۔

علامہ بیضاوی کہتے ہیں تقویٰ کے تین درجات ہیں: ① شرک سے بیزاری اختیار کر کے خلود فی النار سے بچ جانا جیسا فرمایا: ﴿وَاَلْزَمَهُمْ کَلِمَةَ التَّقْوٰی﴾ (الفتح: ۲۶) ② ہر قسم کے گناہوں سے بچنا، شرع میں یہی تقویٰ کے نام سے معروف ہے فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ (اعراف: ۹۶) ③ جو چیز آدمی کے باطن کو اللہ تعالیٰ سے غافل کرے اس سے پرہیز کرنا۔ اس کو فرمایا: ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

پھر اللہ تعالیٰ نے: ﴿اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ﴾ (البقرہ: ۲۱) میں خبردار کیا کہ تقویٰ ماسویٰ اللہ سے بیزاری کا نام ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے اشعار سنیں:

یرید المرء ان یُعطی مناہ ☆ و یأبی اللّٰہ الا ما ارادا

بندہ اپنی تمنا چاہتا اور اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتے ہیں دیتے ہیں۔

یقول المرء فائدتی ومالی ☆ وتقوی اللّٰہ اولٰی ما استفادا

آدمی کہتا ہے میرا فائدہ اور میرا مال حالانکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا وہ اس سے بہتر ہے جو اس نے حاصل کیا۔

مصنف نے تقویٰ کے بارے میں کہا: ① تمہیں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔ آدمی کے لئے سب سے بہتر تقویٰ ہے۔ ② مال سے بے پروائی اختیار کر اس میں تکلیف ہے۔ رحمان کی قسم تو اس سے بچنے والا نہیں۔

① ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اسطرح اطاعت کرے کہ اس کی نافرمانی نہ کرے اور اسے اس طرح یاد کرے کہ کبھی نہ بھولے اور اس کا شکر گزار رہے ناشکری نہ کرے۔ حاکم نے اس کی تخریج کی ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو بندہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرتا ہے جیسا ڈرنے کا حق ہے تو وہ اپنی زبان سے بھی غم زدہ نہیں ہوتا۔

② ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ اس آیت میں تقویٰ کو استطاعت سے مقید کیا گیا ہے۔ یہ آیت پہلی آیت کی وضاحت کرتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت حسب استطاعت کرے اور جہاں تک بن پڑے اس کی نافرمانی نہ کرے۔ ابن جوزیؒ کہتے ہیں کہ ابن عقیل کا قول ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں کیونکہ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۔ حَقَّ تُقَاتِهٖ کا بیان ہے اور یہ بندے کی طاقت میں ہے۔ جن لوگوں نے بیان مراد کا نام نسخ رکھا انہوں نے غلطی کی ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں اس کو اجمال کی تفسیر اور مشکل کا بیان کہا جاتا ہے۔ دراصل اس کی وجہ یہ تھی کہ کچھ لوگوں نے اس کو تکلیف مالا یطاق کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اشکال کا ازالہ فرمادیا کہ حَقَّ تقاتہ کی مراد وہ نہیں جو طاقت سے باہر ہو۔ (زادالمسیر)

علامہ سیوطی نے اکلیل میں مَا اسْتَطَعْتُمْ والی آیت کو ناسخ قرار دیا ہے۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ منسوخ نہیں کیونکہ یہ شرائط نسخ سے خالی ہے۔ ابن جوزی نے نسخ والے قول کو ① ربیع بن انس اور ابن زید مقاتل کا قول قرار دیا۔ اس کی تائید میں وہ حق تقاتہ کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اسی طرح طاعت جس کا وہ حقدار ہے اور اس کی معصیت سے اسی طرح بچنا اور یہ بات مخلوق کے بس سے باہر ہے۔ پس آیت کو منسوخ ہونا چاہئے اور استطاعت سے حکم معلق ہونا چاہئے۔ ② جنہوں نے اس آیت کو محکم مانا ہے انہوں نے حق تقاتہ کا مطلب یہ لیا کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر پر چلنا اور مناہی کو چھوڑنا اور اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم ایسا دیا ہی نہیں جو انسانی طاقت کے دائرہ سے باہر ہو۔ پس حق تقاتہ کا مطلب یہ ہے کہ حق حقیقت کے معنی میں ہے۔ ابن حجر ہیثمی کہتے ہیں کہ یہ آیت حق تقاتہ کی تفسیر تب بن سکتی ہے جبکہ اس کے حکم کو بجالائیں اور نہی سے پرہیز کریں اور اگر اس کی مشہور تفسیر کہ اس کو یاد کیا جائے بھولا نہ جائے لی جائے تو پھر منسوخ ماننا ہی زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ جب یہ آیت اتری تو صحابہؓ نے محسوس کیا اور کہنے لگے ''ہم اس کی طاقت کہاں رکھتے ہیں'' تو یہ آیت اتری۔ (شرح اربعین)

مگر اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہؓ کے تنگی محسوس کرنے کے بعد اس کا اترنا نسخ کے لئے ثبوت نہیں۔ اسی لئے نووی کی موافقت ہی درست ہے۔ اس کی مشہور تفسیر میں حسب استطاعت کی قید کو معتبر مانا جائے گا۔

③ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ دیدرست اعمال اصلاح اعمال کا مطلب ① ان کا قبول کرنا ہے ② اعمال صالحہ کی توفیق دے گا۔ یغفر لکم: تمہاری استقامت قول وعمل کی وجہ سے ان کو کفارے والے بنا دے گا۔

④ ﴿مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا﴾ جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے دنیا اور آخرت کے مصائب سے نکلنے کی راہ نکال دے گا۔

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق مہیا فرمائے گا جو اس کے خیال میں بھی نہ ہوگی۔

حضرت سالم بن عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا۔ ان کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ کو کثرت سے پڑھو۔ انہوں نے اسی طرح کیا۔ والد اپنے گھر میں بیٹھے تھے کہ دروازہ کھٹکھٹایا گیا اچانک سالم ایک سو اونٹ ساتھ لئے موجود تھا۔ جو دشمن کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر وہ ساتھ لے آئے تھے۔ ایک روایت میں سامان اور کچھ غنیمت کی چیزیں ان کے ساتھ تھیں۔ ثعلبی کی روایت میں چار ہزار بکریوں کا لانا مذکور ہے۔ حاکم نے اس آیت کے شان نزول میں ذکر کر کے ابن عبید کے کفار کی غنیمت لانے کا تذکرہ کیا ہے مگر اس کی روایت پر کلام کیا گیا ہے۔ (تخریج روایات کشاف لابن حجر)

⑤ ﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ امانت داری سے اختیار کرو گے۔ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا : وہ تمہارے لئے ایسی واضح دلیل مقرر کر دے گا جو تمہارے اور خطرے کے درمیان حائل ہو جائے گی پس تم نجات پا جاؤ گے۔ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ : وہ تمہارے گناہ مٹا دے گا۔ اس سلسلے کی آیات بہت ہیں۔

الفرائد: بقول قاضیؒ یہ روایت کرم کے متعلق تین قسم پر مشتمل ہے: عام، خاص، مجمل۔ اور اس کی بنیاد دین ہے۔ التقویٰ، نبوت، گہری سمجھ سے اسلام کو قبول کرنا اور اندرونی شرافت یہ اس کا خلاصہ ہیں۔

وَاَمَّا الْاَحَادِيْثُ فَالْاَوَّلُ :

احادیث درج ذیل ہیں:

٦٩ : عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَكْرَمُ النَّاسِ؟ قَالَ : "اَتْقَاهُمْ" فَقَالُوْا : لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْاَلُكَ قَالَ : فَيُوْسُفُ نَبِيُّ اللّٰهِ بْنُ نَبِيِّ اللّٰهِ بْنِ نَبِيِّ اللّٰهِ بْنِ خَلِيْلِ اللّٰهِ" قَالُوْا : لَيْسَ عَنْ هٰذَا نَسْاَلُكَ قَالَ "فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْاَلُوْنِّيْ؟ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقُهُوْا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

وَ "فَقُهُوْا" بِضَمِّ الْقَافِ عَلَى الْمَشْهُوْرِ وَحُكِيَ كَسْرُهَا : اَيْ عَلِمُوْا اَحْكَامَ الشَّرْعِ۔

٦٩: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا سب سے زیادہ معزز کون ہے؟ آپ نے فرمایا: "جوان میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو"۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا ہم اس کے متعلق آپ سے سوال نہیں کرتے۔ تو آپ نے فرمایا: "پھر یوسف اللہ کے نبی، باپ نبی، دادا نبی، پردادا نبی، خلیل اللہ ہیں"۔ صحابہ کرام رضوان اللہ نے عرض کیا ہم اس کے متعلق بھی سوال نہیں کر رہے۔ آپ نے فرمایا پھر عرب کے خاندانوں کے متعلق دریافت کر رہے ہو۔ ارشاد فرمایا: "ان میں جو جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کر لیں"۔ (متفق علیہ)

فَفَقُهُوا: شریعت کے احکام جان لیں۔

تشریح ۞ **من اکرم الناس**: کرم۔ کثرت خیر کو کہا جاتا ہے۔ جب آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے انتہائی عام خیر والے کا ذکر فرمایا۔

اتقاهم: اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والا۔ اگر متقی ہوگا تو دنیا میں بہت سی بھلائی کمانے والا اور آخرت میں بلند درجات والا ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ کریم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور مخلوق سے منقطع ہونے والا ہو۔

هذا: کا مشارالیہ الکرم ہے۔ یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم نسبی بلندی کے ساتھ یوسف علیہ السلام کو خواب کا علم دیا اور مصر کی حکومت دی، عمدہ سیرت سے نوازا، رعایا کو ان کی وجہ سے عام نفع پہنچایا۔

فعن معادن العرب تسألونی؟ کیا معادن عرب کے متعلق تم مجھ سے سوال کرتے ہو؟ انہوں نے نعم میں جواب دیا اور خاموشی اختیار کی کیونکہ سیاق اس پر دلالت کر رہا تھا۔ **الجاهلية**: اسلام سے پہلے زمانہ کو کثرت جہالت کی وجہ سے یہ نام دیا گیا ہے۔ **خیارهم فی الاسلام**: اسلام میں وہ بہتر ہیں جو جاہلیت میں مکارم اخلاق اور مروت والے تھے جبکہ وہ احکام شرعیہ کی گہری سمجھ حاصل کر لیں۔ قاضی عیاض کہتے ہیں ان تین جوابوں میں یہ بات متضمن ہے کہ کرم تمام کی تمام خواہ خاص ہو یا عام، مجمل ہو یا مفصل دین میں تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے اور نبوت کو ماننے اور اعتراف کرنے سے میسر آتی ہے اور اسلام گہری سمجھ سے میسر آتا ہے۔

فَقُه۔ فَقُه: جب وہ چیز عادت ثانیہ بن جائے۔ **فَقِه**: سمجھ پانا۔ فقہ شرعی: قاف کے ضمہ سے ہے۔ (کذا قال الحصروی) ابن درید نے کسرہ کا قول کیا ہے۔ احکام شرعی ظاہر میں اسلام کے اصول اور اس کی گہری سمجھ اور اس کے راستوں پر چلنے کو کہتے ہیں ایسا انسان کامل انسان کہلاتا ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (۳/۹۰۹۰) والبخاری (۳۳۷٤) و مسلم (۲۲۷۸) وابن حبان (۹۲) والطحاوی فی شرح معانی الآثار (۳۱٥/٤)

❀ ❀ ❀

٧٠: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: "اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِیْهَا" فَیَنْظُرُ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ، فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَآءِ؛ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ كَانَتْ فِی النِّسَآءِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

٧٠: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ آنحضرت کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بے شک دنیا میٹھی، سرسبز ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں تمہیں نائب بنانے والا ہے۔ پس وہ دیکھے گا کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔ پس تم دنیا سے بچو اور عورتوں سے۔ کیونکہ بنی اسرائیل کی پہلی آزمائش عورتوں کے بارے میں تھی۔ (مسلم)

حلوة خَضِرَة: سبزیات میں ایک قسم ہے جو اتنی عمدہ واعلیٰ نہیں دنیا کو رغبت ومیلان کی وجہ سے میٹھے سبز پھل سے مشابہت دی کیونکہ ذوقی لحاظ سے میٹھا مرغوب ہوتا ہے اور سبز کی طرف دیکھنے کے لحاظ سے رغبت ہوتی ہے۔ جب کسی چیز میں دونوں جمع ہو جائیں تو اس چیز میں رغبت بڑھ جاتی ہے۔

اس میں ایک اشارہ کر دیا کہ وہ باقی رہنے والی نہیں۔

بلاغت: یہ ایسی تشبیہ ہے جس میں ادات تشبیہ لپٹے ہوئے ہیں۔ بعض نے اس میں اور استعارہ میں یہ فرق کیا ہے کہ جب ادات تشبیہ ظاہر کر دیئے جائیں تو اس کے حسن میں فرق نہیں پڑتا مثلاً **المال خضرة** اور **المال کالخضرة**۔ یہ دونوں حسن میں برابر ہیں مگر استعارہ اس طرح نہیں مثلاً **رأیت اسداً رمی۔ رایت رجلاً کاسدٍ** جیسا نہیں (عاقولی) **مُستحلفکم فیھا** تمہیں دنیا میں خلیفہ بنائے گا یعنی تم بمنزلہ وکیل ہو۔ بعض نے یہ معنی کیا تمہیں پہلوں کے بعد آنے والے بنایا کیونکہ دنیا دوسروں کے بعد ہی پہنچتی ہے۔ **فینظر** اس سے مشاہدہ کی صورت میں جاننا مراد ہے۔

کیف تعملون تم اس میں کیسا کام کرتے ہو یعنی ① اس کی مرضیات میں خرچ کر کے ثواب پاتے ہو یا اس کی ناراضگی میں صرف کر کے گناہ کماتے ہو کیونکہ جزاء ان اعمال پر مرتب ہوتی ہے جو عام مشاہدہ میں آتے ہیں۔ ② آیا تم ان کے حال سے عبرت حاصل کر کے اپنے انجام پر غور کرتے ہو۔ **فاتقوا الدنیا** دنیا سے بچنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے فتنے سے بچا جائے اور اس بات سے بچا جائے کہ اس کی محبت انسان کو اپنی طرف مائل نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف سے دھوکا میں نہ ڈال دے اور اس کے مناہیہ سے بچنے میں غفلت کا شکار نہ بنا دے۔

واتقوا النساء عورتوں سے بچنے کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جانا یعنی ان سے تمتع اور ان کی محبت احکام عبودیت اور قربِ الٰہی پر غلبے کا سبب نہ بن جائے اور اللہ تعالیٰ کے قرب و مرضیات میں کیونکہ جس قدر غیر اللہ کی محبت میں آدمی پھنستا ہے اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ نووی کہتے ہیں کہ بیویاں ابتلاء عام اور دوام کی وجہ سے فتنے میں دوسروں سے بڑھ کر ہیں۔

کانت النساء یعنی بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں کے باعث اٹھا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے وہ روایت **عذبت امراة فی ھرةٍ۔ ای بسبب ھرةٍ** ممکن ہے کہ یہ ① ہاروت و ماروت کی طرف اشارہ ہو کیونکہ وہ بنی اسرائیل کی ایک عورت کے فتنہ میں مبتلا ہوئے۔ ② بلعام بن باعوراء کی طرف اشارہ ہو وہ عورت کی اطاعت سے تباہ ہوا۔ کئی بڑے بڑے فضیلت والے اس فتنہ سے تباہ ہوئے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

ہاروت و ماروت والا قصہ تو اسرائیلیات میں سے ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں فرشتوں کی طرف اس قسم کی نسبت درست نہیں۔ **لا یعصون اللّٰہ ما امرھم یفعلون ما یؤمرون۔**

تخریج: تفرد به مسلم (٢٧٤٢) تحفة الأشراف (٤٣٤٥)

۷۱ : **عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقُوْلُ : "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْاَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی" رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔**

۷۱: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے: **اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْاَلُکَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی** "اے اللہ میں آپ سے ہدایت' پاک دامنی اور غناء کا سوال کرتا ہوں"۔ (مسلم)

تشریح ۞ **اللھم:** یہ اصل میں یا اللہ ہے۔ حرف نداء کو حذف کر کے میم اس کے بدلے میں لائے۔ **الھدی** رشد۔

التقوی بعض نسخوں میں التقی ہے دونوں کا معنی اجتناب نواہی اور امتثال اوامر ہے۔ العفاف: غیر مباح سے بچنا۔ الغنی نفس کا غناء اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے نیازی۔

ان تمام چیزوں میں اضافہ طلب کیا گیا ہے۔

فائدہ: یہ اعلیٰ خصال ہیں ② اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام حالات میں رجوع کرنا چاہئے۔

تخریج: أخرجه مسلم (۲۷۲۱) والترمذی (۳۴۸۹) وابن ماجة (۳۸۳۲)

۷۲: عَنْ اَبِیْ طَرِیْفٍ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمِ الطَّآئِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ یَقُوْلُ: "مَنْ حَلَفَ عَلٰی یَمِیْنٍ ثُمَّ رَاٰی اَتْقٰی لِلّٰهِ مِنْهَا فَلْیَاْتِ التَّقْوٰی" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

۷۲: حضرت ابوطریف عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''جو آدمی کسی بات پر قسم کھالے پھر اس سے زیادہ تقویٰ والی بات دیکھے تو اس کو چاہئے کہ وہ تقویٰ والی بات کو اختیار کرے''۔ (مسلم)

تشریح ❁ عدی بن حاتم الطائی کا سلسلہ نسب زید کھلان بن سبأ سے ملتا ہے۔ (عجالۃ المبتدی) طی کا اصل نام جلہمہ تھا اس نے گھاٹ بنائے جس کی وجہ سے اس کو طی کہا جانے لگا۔ طَیّی: بروزنسیہ کی طرف نسبت سے طائی مشہور ہوئے۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شعبان ۹ ھ میں حاضر ہوئے۔ بعض نے ۱۰ھ بتلایا ہے۔ یہ پہلے نصرانی تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس کی بہن سفانہ بنت حاتم کو گرفتار کیا وہ اسلام لائی اور اس کی طرف واپس لوٹ گئی۔ اس نے اس کو بتلایا اور اسلام کی دعوت دی یہ اسلام لائے اور اسلام پر قائم رہے۔ ان کی مرویات ۶۶ ہیں۔ ۳ متفق علیہ ہیں۔

دو روایات میں مسلم منفرد ہے۔ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی قوم کے صدقات وصول کر کے لائے۔ اسلام پر قائم رہے ارتداد کی ہوا سے متاثر نہ ہوئے۔ ان کا خاندان بھی اسلام پر قائم رہا۔ یہ بڑے سخی تھے۔ قوم اور دیگر لوگوں کی نگاہ میں معزز تھے۔ ان سے مروی ہے کہ جب نماز کا وقت آجاتا ہے تو میں نماز کی طرف شوق مند ہو جاتا ہوں۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا نہایت لحاظ فرماتے۔ یہ چیونٹیوں کو خوراک ریزہ ریزہ کر کے ڈالتے اور کہا کرتے تھے یہ ہمارے پڑوسی ہیں اور ان کا بھی حق ہے۔ یہ جنگ صفین میں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے۔ ان کی وفات ۶۷ یا ۶۹ ھ میں ہوئی۔ ان کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔ بعض نے کہا مختار ثقفی کے زمانہ میں انہوں نے کوفہ میں وفات پائی۔ بعض نے کہا انہوں نے قرقیا میں وفات پائی مگر پہلی بات زیادہ درست ہے۔

من حلف: یہ حلف یَحْلِف: اصل میں پختہ ارادہ ونیت سے کسی چیز کا معاہدہ کرنا۔ حلف علی یمین میں یمین تاکید کے لئے آیا ہے۔ مگر قرطبی کہتے ہیں یمین تب بنتی ہے جب قسم اٹھائے۔

ثم رأی: پھر اسے اپنی اس قسم سے زیادہ بہتر کام معلوم ہو تو قسم والے معاملے کو چھوڑ دے۔ **فلیات التقوی** کا مطلب یہ ہے کہ جس نے کسی چیز کے کرنے کی قسم اٹھائی یا چھوڑنے کی اور اس سے بہتر کام سامنے آ گیا تو قسم پر جمے رہنے کی بجائے دوسرا کام

اختیار کرے مثلاً اس نے قسم اٹھائی کہ وہ نماز کو ضرور چھوڑے گا یا ضرور نشہ آور چیز استعمال کرے گا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کو توڑ کر اس ممنوعہ کام سے باز رہے۔ ایسی قوم کا توڑنا واجب وفرض ہے اور اگر کسی مندوب و مستحب کام کے نہ کرنے کی قسم اٹھائی تو ایسی قسم کو پورا کرنا مکروہ ہے۔ مسلم کی روایت میں الیکفر عن یمینه کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ اس کی مثل مسلم کی روایت ہے: **من حلف علی یمین فرأی غیرها خیراً منها فلیات الذی هو خیر ولیکفر عن یمینه۔**

تخریج : أخرجه مسلم (۱٦٥۱) والنسائی (۳۷۹۵) و ابن ماجة (۲۱۰۸)

۷۳ :عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ صُدَیِّ بْنِ عَجْلَانَ الْبَاهِلِیِّ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَخْطُبُ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَقَالَ :"اتَّقُوا اللّٰهَ وَصَلُّوْا خَمْسَکُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَکُمْ وَاَدُّوْا زَکَاةَ اَمْوَالِکُمْ وَاَطِیْعُوْا اُمَرَآءَ کُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّکُمْ " رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ فِیْ اٰخِرِ کِتَابِ الصَّلٰوةِ وَقَالَ :حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

۷۳: حضرت ابوامامہ صدی بن عجلان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے: ''اے لوگو! اللہ سے ڈرو' پانچوں نمازیں ادا کرو' مہینے کے روزے رکھو اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے حکام کی اطاعت کرو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے''۔ (ترمذی کتاب الصلوٰۃ کے آخر سے) اور کہا حدیث حسن ہے۔

تشریح ۞ **صُدَیّ بن عَجْلَان** رضی اللہ عنہ۔ یہ مضر بن نزار بن معد بن عدنان کی اولاد سے ہیں ان کی کنیت ابو امامہ ہے۔ یہ باھلہ خاندان سے ہیں۔ ان کی مرویات ۲۵۰ ہیں۔ ۵ بخاری اور ۳ مسلم اور اصحاب سنن نے بھی ان سے روایت لی ہے۔ انہوں نے مصر میں سکونت اختیار کی پھر حمص آ گئے وہیں ۸۱ یا ۸٦ھ میں وفات پائی۔ شام میں وفات پانے والے صحابہؓ میں سب سے آخری ہیں۔ ان کی عام روایات شامی رواۃ سے مروی ہیں۔

حجة الوداع۔ وداع: واؤ کے فتحہ کے ساتھ التودیع کا اسم مصدر ہے اور واؤ مکسور ہو یہ خود مصدر ہے۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو الوداع کیا۔ اس نام میں کوئی کراہت نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کی ابتداء **اتقوا اللّٰہ** سے فرمائی کیونکہ یہ مامورات ومنہیات کی اساس و بنیاد ہے۔ اس کے بعد والے معطوفات عطف خاص بعد العام کی قسم ہے۔ اور **اطیعوا امراء کم**: یہ عطف مغایرت کے لئے ہے کیونکہ تقویٰ کے معاً بعد لا کر بتلایا کہ اصل مقصود آخرت کے معاملات ہیں۔ **خمسکم**: پانچوں فرض نمازیں۔ **وصوموا شھر کم** سے شہر رمضان ہے۔ شہر کی اضافت امت کی طرف کر کے بتلایا کہ بہت سے فیوضات ربانیہ ان پر اس میں اترتے ہیں جیسے گردنوں کی آگ سے آزادی اور کثرت ثواب وغیرہ۔

ایک حدیث میں فرمایا: **رجب شهر اللّٰه و شعبان شهری' رمضان شهر الامة۔**

ادوا زکاة اموالکم: کے ساتھ بعض روایات میں **طیبةً بها نفوسکم وحجوا بیت ربکم** کے الفاظ بھی ہیں۔

اطیعوا امراء کم کے ساتھ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ **اذا امر کم** امراء کی اطاعت ان کاموں میں ہے جن میں اللہ

تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہوتا کہ حالات درست رہیں اور معیشت کا سلسلہ چلتا رہے اور معاد کی تیاری بھی ہوتی رہے۔

تدخلوا: یہ امر کے جواب میں آنے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جب کہ تقویٰ کا ثمرہ وہ معرفت ہے جس سے معاملات روشن ہوتے ہیں اور وہ نور ہے جس سے شرح صدر حاصل ہوتا ہے۔ جس آدمی کو مشاہدہ توحید سے شرح صدر میسر آ جائے اور اس کا دل روشن ہو جائے اور وہ یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ افعال میں اس کا کوئی حصہ دار ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ حالات کا پھیرنا اور اچھے اعمال کی طاقت اسی کی طرف سے ہے اور انسان اپنے نفس کے لئے ذرہ بھر نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اس وقت یہ انسان اپنے نفس کی تدابیر سے نکل جاتا ہے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر تقدیر کے سپرد کر دیتا ہے تو وہ کامیابی کی آغوش میں پہنچ جاتا ہے۔ جیسا حدیث میں فرمایا: **لا حول ولا قوة الا باللّٰه كنز من كنوز الجنة** (ربط باب) اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ توکل و یقین تقویٰ کے من جملہ ثمرات سے ہی ہے۔ اسی لئے اس کے بعد باب الیقین کو ذکر کیا۔

تخریج : أخرجه أحمد (٢٢٢٢٣ /٨) والترمذی (٦١٦) والحاكم فی الإیمان (١٩/١) وإسناده صحیح۔

سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

یہ علامہ سیوطیؒ اور دیگر علماء کی کاوش ہے

مقام		نام صحابی بمع کنیت
مکہ مکرمہ	:	ابوالطفیل رضی اللہ عنہ
مدینہ منورہ	:	سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ
بصرہ	:	انس بن مالک رضی اللہ عنہ
شام	:	ابوقرصافہ رضی اللہ عنہ
کوفہ	:	ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ
یمن	:	ابیض رضی اللہ عنہ
خراسان	:	بریدہ رضی اللہ عنہ
حمص (شام)	:	ابوامامہ رضی اللہ عنہ
مصر	:	عبد بن الحارث بن جزاث رضی اللہ عنہ

ایک صدی ہجری نہ گزرنے پائی تھی کہ تمام صحابہ کرامؓ وفات پا گئے۔

الفرائد : ① تقویٰ یہ وقایہ سے ہے اور وہ ایسے اوامر و نواہی کا نام ہے جو انسان کو عذاب الٰہی سے بچائیں۔ بعض اوقات یہ بر کے لفظ سے مل کر استعمال کیا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں بر و تقویٰ اور کبھی اکیلا ہی استعمال ہوتا ہے۔ جب اس لفظ کو اکیلا استعمال کریں تو یہ اوامر و نواہی دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ جنت متقین کا ٹھکانہ ہے اور اہل تقویٰ ہی جنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان

میں شامل فرمائے۔ ② پہلی آیت میں حق تقاته کے الفاظ کی تفسیر کے لئے مَا استطعتم والی آیت لائے۔ اس دوسری آیت سے تقویٰ میں سستی مقصود نہیں بلکہ ہمت کے مطابق تقویٰ کی ترغیب ہے کیونکہ انسان اسی کا مکلف ہے۔ تمام احکام کا یہی حال ہے' جب حج کی طاقت نہ ہو تو حج لازم نہیں بلکہ مجبوری کے وقت دفع ضرورت کی حد تک حرام کے استعمال کی اجازت دے دی ﴿فمن اضطر غیر باغ ولا عادٍ﴾ ③ اتقوا الله و قولوا قولا سدیدًا ۔ یہ قول سدید سے ہر وہ خیر و بھلائی کا عمل جو ذکر اللہ' طلب علم' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اچھی بات ہو سب مراد ہیں۔ اس آیت میں دو حکم اور دو نتائج ہیں۔ (ا) تقویٰ' ب) قول سدید۔ دو نتائج اعمال کی درستی۔ گناہوں کی بخشش۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر قول سدید کے ساتھ تقویٰ نہ ہوگا تو اس کی اصلاح بھی نہ ہوگی اور نہ گناہوں کی بخشش۔ ④ یجعل له مخرجًا۔ اس کے بے شمار نمونے ہیں: غار والا واقعہ۔ سالم بن عوف اشجعی کا واقعہ وغیرہ۔ یرزقه من حیث لا یحتسب۔ یہ اسی صورت میں ہے جب وہ حلال ذرائع سے رزق کما رہا ہے اگر اس میں دقت آئے تو صابر ہے اور حرام سے گریز کرنے والا ہے تو یہ وعدہ یقیناً پورا ہوگا بشرطیکہ جلد بازی اختیار نہ کرے۔

یجعل لکم فرقانًا ۔ ایسی چیز اس کو عنایت کرتے ہیں جس سے وہ حق و باطل میں امتیاز کرتا ہے اس میں علم مع التقویٰ' زیادتی حفظ و فہم اور فراست و کرامات سب شامل ہیں۔ یہ تقویٰ کا اثر ہے۔ نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ جس سے غلطیاں مٹتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ توبہ و استغفار کی توفیق دیتے ہیں جیسا اہل بدر کو فرمایا۔ **اعملوا ما شئتم بعد غفرت لکم۔**

اول روایت: شرافت نسبی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت کام دینے والی ہے جبکہ دین کو اختیار کر کے اس میں گہری سمجھ بھی ہو۔ جیسا فرمایا: ﴿**ان اکرم عند الله اتقاکم**﴾ اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ان اکرم الخلق اتقاھم۔**

ثانی روایت: اس ارشاد میں امت میں مال کی وجہ سے آزمائش کی پیش گوئی دی اور پھر دو نصائح فرمائے ① دنیا کے دھوکا میں نہ پڑنا ② عورتوں کے فتنہ میں مبتلا نہ ہونا۔

آج دونوں آنکھوں کے سامنے ہیں۔ عورت کی تجمل و تحسین میں اس کو پلاسٹک کا بت سمجھ لیا گیا۔ اس کا ظاہر خوبصورت ہو خواہ اندر بھوسہ بھی نہ ہو۔ اسلام کے دشمنوں اور ان کے پروردہ لوگوں نے اس کو بازار و کلب' ہوٹل دفتر وغیرہ کی زینت بنا کر گھریلو نظامِ زندگی کو تباہ کر دیا اللہ تعالیٰ کی عبادت' خاوند کی اطاعت' اولاد کی نگرانی سے اس کو بے نیاز کر دیا گیا۔ ہر قابل فروخت چیز کے لئے عورت کی تصویر' آواز کو ذریعہ بنایا تا کہ ہر وقت زنا کی کسی نہ کسی صورت میں مسلمان مبتلا رہے۔ آنکھ' کان' زبان' ہاتھ' دماغی سوچ و فکر اور فرج کا زنیٰ سب کچھ ہو رہا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس سے خبردار کیا تا کہ مسلمان اس سے بچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مرد و زن کو ان پاکیزہ تعلیمات پر چلنے کی توفیق دے۔ برائی کے اس سیلاب کو اپنے فضل سے روک دے (آمین) وہ ہی ایسا کر سکتا ہے۔

الثالث روایت: **العفاف**: پاک دامنی ② اللہ تعالیٰ کے تمام محارم سے بچنا۔ الغنی سے مالداری۔ ② مخلوق سے غناء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق میں سے کسی کے سامنے اپنی احتیاج پیش نہ کرے۔ جب انسان کو استغناء والی دولت مل جاتی ہے تو وہ معزز نفس والا بن جاتا ہے مخلوق کی طرف حاجت پیش کرنا ذلت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاجت پیش کرنا عبادت سمجھتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مخلوق کو نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر غائبانہ حاجات میں پکارنا باطل ہے۔ ﴿**من افضل ممن یدعوا**

من دون اللہ﴾ جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ کو حاجات میں پکارا وہ ان سے قیامت کے دن بیزاری ظاہر کریں گے۔(المائدہ:۱۱۶۔۱۱۷)

الرابع روایت: وہ قسم جس پر کفارہ لازم آتا ہے وہ مستقبل کے متعلق قسم ہے۔ جبکہ اس کو توڑ دے۔یمین غموس پر گناہ ہوگا مگر کفارہ نہیں۔مگر شدید ضرورت کے علاوہ قسم اٹھانے کی عادت نہ ڈالنی چاہئے۔

الخامس روایت: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کی دو صورتیں تھیں:

① راتبہ:جمعات واعیاد کے خطبات: آپ ہر جمعہ کو خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔

② عارضہ: جب کبھی ضرورت پیش آتی مثلاً فاطمہ مخزومیہ جس نے سرقہ کیا۔اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور ایک بڑی جماعت نے اس کی سفارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا کہ پہلے لوگوں کی ہلاکت کا باعث بڑے درجہ کے لوگوں کو سزا نہ دینا اور عام لوگوں پر سزا نافذ کر دینا تھا۔اس طرح فتح مکہ کے موقعہ پر بیت اللہ کے دروازے میں کھڑے ہوکر خطبہ دیا۔ابراہیم سلام اللہ علیہ کی وفات پر خطبہ دیا۔

اولی الامر کی اطاعت: اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی اطاعت کے ماتحت لازم ہے۔ان کی نافرمانی کی صورت میں لازم نہیں۔جن امور میں اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کی نافرمانی نہ ہوان میں حکام کی بات ماننا ضروری ہے تاکہ اجتماعی نظام درست رہ سکے۔ (الشرح)

۷ :بَابٌ فِی الْیَقِیْنِ وَالتَّوَکُّلِ

بَاب ۷ :یقین وتوکل کا بیان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَّا رَأَی الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا ھٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ ، وَصَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ ، وَمَا زَادَھُمْ اِلَّا اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا﴾ [الاحزاب:۲۲]

''جب مؤمنوں نے کفار کے گروہوں کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا وعدہ ہم سے اللہ اوراس کے رسول نے فرمایا ہے اوراس کے رسول نے سچ فرمایا اس بات نے ان کے ایمان اور فرمانبرداری میں اضافہ کیا''۔(الاحزاب)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا : حَسْبُنَا اللّٰہُ

وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ﴾ [آل عمران:۱۷۳-۱۷۴]

''وہ لوگ جن کو لوگوں نے کہا بے شک لوگ تمہارے لئے جمع ہو گئے ہیں۔ پس ان سے ڈرو تو ان کا ایمان بڑھ گیا اور کہنے لگے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کہ ہمیں تو اللہ کافی ہے اور وہ خوب کارساز ہے۔ پس وہ اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے اور ان کو ذرہ بھر تکلیف نہ پہنچی اور انہوں نے اللہ کی رضامندی کی اتباع کی اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں''۔ (آل عمران)

وَقَالَ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ﴾ [الفرقان:۵۸]

''اور تم بھروسہ کرو اس زندہ ذات پر جس پر موت نہیں''۔ (الفرقان)

وَقَالَ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [ابراهيم:۱۱]

''اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے''۔ (آل عمران)

وَقَالَ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ [آل عمران:۱۵۹]

''جب تم عزم کرلو تو پھر اللہ پر بھروسہ کرو''۔ (آل عمران)

وَالْاٰيَاتُ فِي الْاَمْرِ بِالتَّوَكُّلِ كَثِيْرَةٌ مَّعْلُوْمَةٌ۔

توکل کے سلسلہ میں آیات بہت معروف ہیں۔

وَقَالَ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ [الطلاق:۳]

''جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اللہ اُس کے لئے کافی ہو جاتا ہے''۔ (الطلاق)

اَیْ كَافِيْهِ۔

وَقَالَ تَعَالٰى:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ [الانفال : ۲]

''کہ بے شک مؤمن وہی ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل نرم پڑ جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ آیات ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں اور اپنے رب ہی پر وہ بھروسہ کرتے ہیں''۔ (الانفال)

وَالْاٰيَاتُ فِيْ فَضْلِ التَّوَكُّلِ كَثِيْرَةٌ مَعْرُوْفَةٌ۔

توکل کی فضیلت پر آیات بہت معروف ہیں۔

یقین: لغت میں ایسا علم جس میں شک نہ ہو اور اصطلاح میں کسی چیز کے متعلق یہ اعتقاد کرنا کہ وہ اسی طرح ہے اور یہ اعتقاد بھی ہو کہ اس کا اسی طرح ہونا ممکن ہے۔ اس کا زائل ہونا ممکن نہیں بلکہ وہ واقع کے مطابق ہے۔ اہل حقیقت کہتے ہیں: ① قوت ایمانی سے کسی چیز کو کھلا دیکھنا نہ کہ دلیل بیان سے۔ ② دل کی صفائی سے غیوب کا مشاہدہ اور افکار کی حفاظت کے ساتھ اسرار کو دیکھنا۔

توکل: ① مضمون پر اعتماد کرنا اور حرکت کا سکون سے بدل لینا۔ (شیخ ابومدین)

② اللہ تعالیٰ پر اعتماد کر کے اسی کی طرف رجوع کرنا اور اپنے اختیار و قوت سے نکل کر اس کی بارگاہ میں اپنے کو ڈال دینا۔

③ دل کو ماسوا اللہ سے ہٹاتے ہوئے اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کے جاننے کو کافی سمجھنا اور تمام امور میں اسی کی طرف رجوع کرنا۔ (شرح نووی)

حقیقت توکل کے متعلق عبارات اکابر:

① جعفر طبری وغیرہ متوکل اس کو کہا جائے گا جس کے دل میں غیر اللہ یعنی درندہ یا دشمن کے خوف کی بالکل ملاوٹ نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ رزق کے متعلق اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے رزق کو تلاش بھی نہ کرے۔

② جس کو اللہ تعالیٰ پر یقین ہو اور اس کے متعلق اعتماد ہو کہ اس کی قضاء نافذ ہے اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے اور کھانے پینے کی ضروریات میں کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے محتاط رہے۔ جیسا انبیاء علیہم الصلوات والسلام نے کیا۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس دوسرے قول کو طبری اور عام فقہاء نے پسند کیا اور پہلا بعض متصوفہ اور علم قلوب و اشارات رکھنے والوں کا مذہب ہے۔ ان میں محققین نے جمہور کی رائے کو لیا ہے۔ لیکن ان کے ہاں توکل کے درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ اسباب پر اطمینان اور التفات نہ ہو بلکہ اسباب کا اختیار کرنا اس کی سنت وحکمت قرار دے اور اعتماد اس بات پر ہو کہ اسباب نہ نفع لا سکتے اور نہ نقصان دے سکتے ہیں بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

علامہ قشیری: توکل کا مقام دل ہے۔ ظاہری حرکت دل کے توکل کے منافی نہیں مگر جبکہ بندے کو یقین ہو کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اگر کسی چیز میں مشکل پیش آتی ہے تو وہ بھی اس کی تقدیر سے ہے اور اگر سہولت ملتی ہے تو وہ اس کے آسان کر دینے سے۔

سہل بن عبداللہ کہتے ہیں۔توکل استرسال مع اللہ میں اسی کے ارادہ پر بھروسہ کرنا۔
ابوعثمان حیری: اللہ تعالیٰ پر اعتماد کے ساتھ اسی پر اکتفاء کرنا۔

عباراتنا شتٰی وحسنك واحد۔ و کل الی ذاك الجمال یشیر۔

آیت ① ﴿ ولما رأیٰ ...... ﴾ (الاحزاب:۲۲) جب ایمان والوں نے کفار کے لشکروں کو دیکھا تو وہ کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا ہمارے ساتھ اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ فرمایا ہے کہ یہ ابتلاء آئے گی اور تمہاری مدد کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا وعدہ سچا ہے اور اس بات سے ان کے ایمان یعنی تصدیق میں اضافہ ہوا اور اس کے حکم کی فرمانبرداری بڑھی۔

② الذین: یہ پچھلے الذین کا بدل یا صفت ہے۔ **الناس** سے یہاں نعیم بن مسعود اشجعی مراد ہے۔ **الناس** سے ابوسفیان اور ان کے ساتھی مراد ہیں۔ **قد جمعوا لکم**: ہلاک کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ **فاخشوھم**: تم ڈرو اور وہاں نہ جاؤ۔ **ایمانا**: اس بات سے ان کے یقین و تصدیق میں اضافہ ہوا۔ انہوں نے کہا ہمیں ان کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ **ونعم الوکیل**: اللہ تعالیٰ خوب کارساز ہے۔ اسی کے معاملہ سپرد ہے۔ چنانچہ صحابہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر نکلے وہاں ان دنوں بازار بدر لگا ہوا تھا۔ آپؐ اُحد کے دن کفار کے ساتھ کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرنے نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار قریش کے دلوں میں رعب ڈال دیا وہ نہ آئے۔ صحابہ کرامؓ نے تجارت کر کے نفع کمایا۔ چنانچہ **فانقلبوا**: بدر سے صحابہ لوٹے۔ **بنعمة من اللّٰه**: اللہ تعالیٰ کی سلامتی والی نعمت۔ **فضل** اور نفع تجارت کے ساتھ لوٹے۔ **سوء**: زخم وقتل (کچھ بھی پیش نہ آیا) **واتبعوا رضوان**: انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں کو اس کی اور اس کے رسول کی طاعت کرتے ہوئے نکلنے کے سلسلہ میں مان لیا۔ اللہ تعالیٰ اہل طاعت پر بڑے فضل والے ہیں۔

③ وتوکل: اس سے توکل کا شرف ظاہر ہوتا ہے۔ بعض نے اسے مطلقاً واجب کہا۔ ظاہر کلام اس کا وجوب ثابت کر رہا ہے۔ البتہ وہ توکل جس میں اسباب کو پھینک دیا جائے اور اکتساب چھوڑ دیا جائے یہ اہل کمال کی شان ہے۔ یہ اچھا ہے۔

قرطبی کہتے ہیں متوکل لوگوں کی دو حالتیں ہیں: ① جس کو توکل پر پورا قابو ہو۔ وہ دل سے اسباب کی بالکل توجہ نہیں دیتا اور آمر کے حکم کے بغیر اس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ ② دوسری قسم غیر متمکن کی حالت ہے۔ وہ ایسا شخص ہے جس کو کبھی اسباب کی طرف التفات ہو مگر وہ علمی انداز اور قطعی دلائل اور حالی اذواق کے ذریعہ ان کو اپنے سے دور کرتا ہے اور یہی حالت رہتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے کرم سے متمکنین کے مقام میں ترقی عنایت فرماتے ہیں اور وہ عارفین کے درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔

علی الحی الذی لا یموته: اس میں اشارہ کر دیا کہ جو غیر اللہ پر توکل کرے گا وہ ضائع ہو جائے گا کیونکہ غیر تو مر جائے گا اور عاقل کو فنا ہونے والے پر توکل نہ کرنا چاہئے۔

بعض کہتے ہیں مالدار پر اعتماد کا انجام فقر ہوتا ہے اور طاقت پر اعتماد کا انجام ضعف ہوتا ہے۔ اسی طرح مخلوق پر اعتماد ذلت کی راہ ہے۔ جس نے غیر اللہ پر توکل کیا اس کی کوشش ضائع گئی اور وہ نامراد ہو گیا کیونکہ جس ذات پر فناوارد نہیں ہوتی اس نے تجھے اپنی طرف بلایا **وتوکل علی الحی** اور فرمایا: **علی اللّٰه فلیتوکل** اسی ہی کی ذات پر مؤمنوں کو توکل کرنا چاہئے کیونکہ وہ حی قیوم ہے۔ اور فرمایا: **فاذا عزمت** جب تم پختہ ارادہ کر لو مشورہ کے بعد اس کام کو کر گزرنے کا **فتوکل علی**

اللہ تو پھر اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین کرو نہ کہ مشورہ پر۔

④ومن یتوکل: جو شخص اللہ پر توکل کرے گا وہ اس کے لئے کافی ہو جائے گا۔

⑤انما المؤمنون: کامل ایمان والے وہ ہیں جب اللہ تعالیٰ یعنی اس کی وعیدوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل اس کی عظمت وجلال سے ہیبت زدہ ہو جاتی ہے۔ واذا تلیت اور جب ان کے سامنے اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان تصدیق میں بڑھ جاتا ہے۔ (آیات کی طرف اضافہ کی نسبت سبب کی نسبت ہے۔ علی ربھم یتوکلون یعنی وہ اپنا معاملہ اس کے سپرد کرتے ہیں اسی سے ڈرتے ہیں اور اسی کی امید رکھتے ہیں۔

وَاَمَّا الْاَحَادِيْثُ فَالْاَوَّلُ :

احادیث یہ ہیں:

۷۴ :عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ " عُرِضَتْ عَلَيَّ الْاُمَمُ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَمَعَهُ الرُّهَيْطُ ' وَالنَّبِيَّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ ' وَالنَّبِيَّ لَيْسَ مَعَهُ اَحَدٌ اِذَا رُفِعَ لِيْ سَوَادٌ عَظِيْمٌ فَظَنَنْتُ اَنَّهُمْ اُمَّتِيْ فَقِيْلَ لِيْ :هٰذَا مُوْسٰى وَقَوْمُهُ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْاُفُقِ فَنَظَرْتُ فَاِذَا سَوَادٌ عَظِيْمٌ فَقِيْلَ لِيْ :انْظُرْ اِلَى الْاُفُقِ الْاٰخَرِ فَاِذَا سَوَادٌ عَظِيْمٌ فَقِيْلَ لِيْ :هٰذِهٖ اُمَّتُكَ وَمَعَهُمْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَلَا عَذَابٍ " ثُمَّ نَهَضَ فَدَخَلَ مَنْزِلَهٗ فَخَاضَ النَّاسُ فِيْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِلَا حِسَابٍ وَلَا عَذَابٍ فَقَالَ بَعْضُهُمْ :فَلَعَلَّهُمُ الَّذِيْنَ صَحِبُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ بَعْضُهُمْ فَلَعَلَّهُمُ الَّذِيْنَ وُلِدُوْا فِي الْاِسْلَامِ فَلَمْ يُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ – وَذَكَرُوْا اَشْيَآءَ – فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ :مَا الَّذِيْ تَخُوْضُوْنَ فِيْهِ؟ فَاَخْبَرُوْهُ فَقَالَ :هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَرْقُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ' وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مُحْصِنٍ فَقَالَ :ادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَقَالَ :"اَنْتَ مِنْهُمْ" ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ اٰخَرُ فَقَالَ: ادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ فَقَالَ :"سَبَقَكَ اللّٰهُ بِهَا عُكَّاشَةُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"الرُّهَيْطُ" بِضَمِّ الرَّآءِ تَصْغِيْرُ رَهْطٍ وَهُمْ دُوْنَ عَشَرَةِ اَنْفُسٍ– "وَالْاُفُقُ" النَّاحِيَةُ وَ الْجَانِبُ "وَعُكَّاشَةُ" بِضَمِّ الْعَيْنِ وَتَشْدِيْدِ الْكَافِ وَبِتَخْفِيْفِهَا وَالتَّشْدِيْدُ اَفْصَحُ۔

۷۴: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں۔ میں نے ایک پیغمبر کو دیکھا کہ ان کے ساتھ چھوٹی جماعت ہے اور ایک اور نبی ہیں کہ ان کے ساتھ ایک اور دو آدمی ہیں اور ایک نبی ہیں کہ جن کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے۔ اچانک میرے سامنے ایک بہت بڑا گروہ ظاہر

ہوا۔ میں نے گمان کیا کہ وہ میری امت ہے۔ مجھے کہا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم ہے۔ لیکن تم افق کی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا تو ایک بہت بڑا گروہ نظر آیا۔ پھر مجھے کہا گیا دوسرے کنارے کو دیکھو میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا گروہ ہے۔ مجھے بتلایا گیا کہ یہ تیری امت ہے۔ ان کے ساتھ ستر ہزار ایسے لوگ ہیں جو جنت میں بلا حساب وعذاب داخل ہوں گے۔ پھر آپ اٹھے اور گھر تشریف لے گئے۔ لوگ ان کے متعلق گفتگو کرنے لگے جو جنت میں بلا حساب وعذاب داخل ہوں گے۔ بعض نے کہا شاید وہ لوگ ہیں جو آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ بعض نے کہا شاید وہ لوگ ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور شرک نہیں کیا۔ اسی طرح کی کئی چیزوں کا لوگوں نے تذکرہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو فرمایا تم کس بحث میں مصروف ہو؟ انہوں نے اطلاع دی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ ایسے لوگ ہیں جو جھاڑ پھونک نہ خود کرتے ہوں اور نہ کسی سے کرواتے ہیں اور نہ ہی شگون لیتے ہیں بلکہ اپنے رب پر کامل بھروسہ کرتے ہیں۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے ان میں سے کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان میں سے ہے۔ پھر دوسرا کھڑا ہوا۔ اس نے بھی عرض کی کہ میرے لئے بھی دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عکاشہ اس میں تم سے سبقت کر گئے۔ (متفق علیہ)

الرُّهَيطُ :یہ رھ ط کی تصغیر ہے۔ دس سے کم پر بولا جاتا ہے۔ **اَلْاُفُقُ** :طرف و جانب۔

عُكَّاشه :تشدید کے ساتھ زیادہ صحیح ہے۔

تشریح ۞ **عرضت علی الامم**: ① القول کا یہ پیش کیا جانا آپ کے کمال شرف کی دلیل ہے۔ شاید اس تعریض کا مقصد یہ ہو کہ آپ ﷺ کی بعثت تمام بنی آدم کے لئے ہے اور دیگر انبیاء شرائع کی تبلیغ میں آپ کے نائب ہوں۔ (کوئی واضح نص اس کی تائید نہیں کرتی) یہ تعریض خواب میں ہو تو انبیاء کا خواب وحی ہے۔ ② معراج کی رات بیداری میں ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر علیہ السلام کو جس چیز سے چاہے نوازے۔ رأیت اگر یہ بیداری ہے تو آنکھ سے دیکھنا اور اگر خواب ہے تو خواب میں دیکھنا مراد ہے۔ النبی یعنی جو بھی نبوت سے دیا گیا اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے رسوال مراد ہیں۔ الرهیط: رهط ① قبیلہ اور خاندان۔ ② وہ خاندان جس میں ۳' ۷ سے ۱۰ تک یا دس سے کم افراد ہوں اور کوئی عورت نہ ہو۔ اس کا واحد نہیں اس کی جمع ارهط' ارهاط' اراهط: ہے۔

النَّفَرُ :ابن علانؒ: دس سے کم آدمیوں کا ٹولہ۔ ② چالیس کا گروپ۔ یہ جملہ محلاً حال ہے۔

لیس معه احد ایہ بھی النبی سے حال ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان پر کوئی بھی ایمان نہ لایا۔

لی سواد وہ شہر جس کی بستیاں بھی ہوں اور رہنے والوں کی کثیر تعداد ہو اور ① عام لوگوں کو بھی سواد کہتے ہیں (القاموس) قرطبی کہتے ہیں اس کی جمع اسودہ ہے۔ اس کا معنی اشخاص کثیرہ ہے عظیم یعنی کثرت میں بڑا۔ **فظننت انهم امتی هم** کا مرجع سواد ہے۔ **الافق** جمع افاق اطراف۔ یہ اُفْق اور اُفُق دونوں طرح ہے۔ (الصحاح) سیوطی کہتے ہیں یہ فُلْکٌ کی طرح جمع ہے اور اس کی جمع الجمع آفاق ہے۔

سواد عظیم: یہاں سواد کو نکرہ مکررہ لایا گیا جس سے ظاہر کیا کہ پہلا اجتماع دوسرے کے علاوہ ہے۔ **هذه** یعنی دونوں سواد

تمہاری امت ہے۔

معهم سبعون الفًا: ① یعنی تمہاری امت میں سے ان کے علاوہ ستر ہزار ہیں۔ ② ان دو بڑی جماعتوں میں ستر ہزار ہیں۔ دوسرے احتمال کی تائید بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ **هذه امتك ويدخل الجنة من هؤلا سبعون الفا** پس ستر ہزار تو آپ کی امت میں یقیناً ہیں۔

النحو: یدخلون الجنة یہ سبعون کی صفت یا حال ہے۔

ایک سوال ☆ اگر چہ وہ اصحاب معاصی ہوں تب بھی جنت میں بلا حساب و کتاب داخل ہو جائیں گے؟

الجواب ☆ یہ عادل اور گناہوں سے صاف لوگ ہوں گے۔ ② ان کے عدل وطہارت کی وجہ سے ان کی غلطیاں بخش دی جائیں گی۔ **ثم نهض** پھر آپ مجلس سے ان ستر ہزار کی وضاحت سے پہلے چلے گئے۔ **خاض الناس:** صحابہؓ ان کی تعیین میں آپس میں بات چیت کرنے لگے۔ بخاری میں اس کی بجائے **افاض الناس** کا لفظ ہے معنی ایک ہی ہے کہ **لعلهم** کہ شاید پہلے ایمان لانے اور تمام اعمال میں سبقت کرنے والے مراد ہیں۔ بعض نے کہا شاید یہ اسلام کی حالت میں آنکھ کھولنے والے لوگ مراد ہیں۔ خواہ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہو۔ **فلم يشركوا بالله** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اصلاً مؤمن ہو وہ ان سے بڑھ کر جو کافر تھا پھر اسلام لایا اور فقہاء کا قول جس کا باپ پہلے اسلام میں داخل ہوا وہ امامت کا اس سے زیادہ حقدار ہے جس کا باپ بعد میں اسلام لایا۔ (واللہ اعلم)

گفتگو میں مصروفیت کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا تم کس بات میں مصروف ہو انہوں نے عرض کر دیا تو فرمایا: وہ ایسے لوگ ہیں جو **لا يرقون ولا يسترقون** جبکہ رقیہ کا فعل واذن سے جواز موجود ہے۔ تو اس کا معنی بقول خطابی یہ ہے۔ جواز کے باوجود توکل ورضا سے اس کو چھوڑنے والے اور قضاء پر راضی ہونے والے۔ یہ ایمان میں پختہ لوگوں کی سب سے اعلیٰ جماعت ہے۔ یہ بہت سے علماء کا قول ہے۔

ابن علانؒ: یہ قول راجح ہے۔ اس حالت والا شخص افضل ہے۔ باقی علاج بیان جواز کے لئے ہے۔ قرطبی ایسا تعویذ جو جاہلیت میں مروج تھا وہ ممنوع ہے۔ یہاں اس سے بچنا مراد نہیں اسماء باری تعالیٰ کے رقیہ سے اجتناب بھی مراد نہیں وہ آپؐ سے مروی ہے کیونکہ وہ تو باری تعالیٰ سے التجاء ہے۔ میرے نزدیک اس سے مراد اسماء ملائکہ انبیاء وصالحین کے اسماء والے تعویذ مراد ہیں جیسا اکثر تعویذ والے کرتے ہیں یہ ممنوع تعویذات سے نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے التجاء بھی نہیں تو من جملہ جواز میں ہے۔ اس کا چھوڑنا بہتر ہے کیونکہ تعظیم میں اسماء وصفات باری تعالیٰ سے مشابہت آتی ہے۔ اس سے اسی طرح بچنا چاہئے جیسے غیر اللہ کے حلف سے۔ (اگر انبیاء ملائکہ وصالحین کے اسماء میں ان کو حاجت روا سمجھ کر پکار ہوگئی تو پھر یہ بھی قطعاً ممنوع ہوں گے)

لا يتطيرون: پرندوں سے شگون نہیں لیتے۔ **وعلى ربهم** تمام احوال میں غیروں کی بجائے رب ہی پر اعتماد کرتے ہیں۔ **يتوكلون** اللہ تعالیٰ کے تصرف پر راضی ہو کر توکل کے اعلیٰ مقام پر راضی ہیں ہر تدبیر سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی تدبیر پر اکتفاء کرنے والے ہیں۔

عُكاشه بن مِحْصَنْ بن حُرثان الاسدی: یہ بنو عبد شمس کے خلفاء میں سے تھے۔ یہ افضل ترین صحابہؓ میں سے تھے۔ بدر میں ان کی بہادری کے تذکرے ہیں۔ کفار کا مقابلہ کرتے ہوئے ان کی تلوار ٹوٹ گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک کھجور

کی ٹہنی دی انہوں نے اسے پکڑ کر حرکت دی تو وہ ان کے ہاتھ میں تیز دھار تلوار بن گئی۔ اس سے لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فتح دی اس تلوار کا نام عون تھا۔ یہ تلوار ان کے پاس رہی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے۔ مرتدین کے خلاف لڑائیوں میں انہوں نے حصہ لیا۔ اس وقت یہ تلوار ان کے پاس تھی۔ جب طلیحہ بن خویلد اسدی کے ہاتھوں حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو یہ تلوار ان کے پاس تھی۔ یہ اہل سیر کا بیان ہے۔ سلیمان تیمی کہتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلیحہ بن خویلد کے خلاف مہم میں بھیجا تو اس میں یہ شہید ہو گئے۔ مگر ابن اثیر نے اس کو تیمی کا وہم قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ کہ ان کی شہادت کا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جلد پیش آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۴۴ سال تھی۔ یہ بہت خوبصورت شکل والے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مِنَّا خيرُ فارس فى العرب (هو) عكاشه بن محصن

یہ خیر کی رغبت اور قوت یقین میں سبقت لے جانے والے صحابہ میں سے تھے۔

فقال انت منهم: ان کا ان لوگوں میں سے ہونا ① آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے تھا (کرمانی) ② ان میں یہ صفات جمیلہ پائی جاتی تھیں۔ ③ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی گئی کہ وہ ان میں سے ہے۔

ان يجعلنى منهم فقال اور دوسرے میں عکاشہ والے احوال نہ تھے۔ تو آپؐ نے فرمایا: عکاشہ تم سے ان اوصاف والوں کے مرتبہ میں پہنچنے کی فضیلت میں سبقت لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال اخلاق سے یہ نہیں فرمایا کہ تو ان میں سے نہیں بلکہ تعریضاً بات فرمائی۔

کرمانیؒ کہتے ہیں مطلب یہ کہ عکاشہ کے متعلق تو وحی سے قبولیت ہوگئی اور دوسرے کو یہ حاصل نہ ہوئی۔

قرطبیؒ کہتے ہیں یہ اس لئے فرمایا کہ عکاشہ والی تمنا ہر ایک نہ کرنے لگے اس عمدہ جواب سے یہ دروازہ بند ہو گیا۔

یہ جوابات اس بات کے کہنے سے بہتر ہیں جو بعض نے کہی کہ وہ شخص منافق تھا۔

یہ بات دو وجہ سے غلط ہے۔ صحابہؓ میں اصل ایمان و عدالت ہے جب تک کسی نقل صحیح سے دوسری بات ثابت نہ ہو جائے قابل تسلیم نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ منافق تو اس قسم کے سوالات کرتے ہی نہیں ان کو دنیاوی اغراض سامنے ہوتی ہیں۔ صحیح تصدیق و یقین کے بغیر یہ سوالات نہیں ہو سکتے۔ **الرُّهيط**: یہ رهط کی تصغیر ہے الناحیه اور الجانب یہ مرادف الفاظ ہیں۔

عُكّاشه: کا لغوی معنی (بیت النحل) چڑیوں کا گھر۔ ② **عكش يعكش الشعر**: بالوں کا لپٹنا۔

تخريج: أخرجه البخارى (٤٣١٠) و مسلم (٢٢٠) و الترمذى (٢٤٤٦)

❁ ❁ ❁

٧٥: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَيْضًا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ، وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ، وَبِكَ خَاصَمْتُ: اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِعِزَّتِكَ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْ تُضِلَّنِيْ اَنْتَ الْحَيُّ الَّذِيْ لَا تَمُوْتُ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ يَمُوْتُوْنَ مُتَّفَقٌ

عَلَيْهِ- وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ وَّاخْتَصَرَهُ الْبُخَارِيُّ۔

۷۵: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ آنحضرتؐ دعا میں فرمایا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ لَكَ ...... "اے اللہ میں آپ کا فرمانبردار بنا اور آپ پر ایمان لایا اور آپ ہی پر میں نے بھروسہ کیا اور آپ ہی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں اور آپ کی مدد سے میں جھگڑتا ہوں۔ اے اللہ میں تیری عزت کی پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے راستہ سے بھٹکائے۔ تو ایسا زندہ رہنے والا ہے جس پر موت نہیں اور جن وانس سب مر جائیں گے"۔ (متفق علیہ) یہ روایت بخاری میں مختصر ہے۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

اَلنَّحْوُ :ایضا: یہ آض کا مصدر ہے یا حال۔ دو ایک جیسی چیزوں کیلئے لایا جاتا ہے۔ اس کا استعمال آپؐ سے ثابت ہے۔

لك اسلمت: تیرے ہی لئے نہ کہ غیر کے لئے میں نے فرمانبرداری اختیار کی۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں **استمسلت لحكمك مرامرك سلمت لارضيت و آمنت وصدقت**: ایک معنی میں ہیں۔ **وبك آمنت** یعنی آپ کی ذات اور آپ کے اوصاف کمال کی میں نے تصدیق کی۔ **وعليك توكلت** یعنی میں نے تمام معاملات میں آپ ﷺ کی طرف جھکاؤ اختیار کیا اور اپنے نفس کے لئے اپنی تدبیر اور طاقت وزور سے میں نکلا اور اسی پر اکتفاء کیا جو تیرا ارادہ وتقدیر سبقت کر چکی ہے۔

والك انبت: انابت رجوع کو کہا جاتا ہے۔ یہ خیر کی طرف رجوع کے لئے استعمال ہوتا ہے (کتاب التمہید ابن عبدالبر) یعنی میں نے آپ کی عبادت کی طرف رجوع کیا اور اس کی طرف رخ کیا جو آپ سے قریب کرنے والی ہے۔ ② میں نے توبہ پناہ اور ذلت ومسکینی کے ساتھ آپ کی طرف رجوع کیا۔ ③ میں نے معاملات کی تدابیر اور الٹ پھیر میں آپ کی طرف رجوع کیا۔ اس صورت میں یہ توکلت کے ہم معنی ہے۔

وبك خاصمت: یعنی جو براہین و دلائل قولیہ یا فعلیہ تو نے عنایت فرمائے ہیں انہی کے ساتھ میں دین کے دشمنوں سے جھگڑتا ہوں میں نے مضبوط دلائل سے ان کی کمر توڑ دی ہے اور تیر وتلوار سے ان کی جڑ کاٹ ڈالی ہے۔

اللهم انى اعوذ بعزتك: میں آپ کی قوت وقدرت اور غلبے اور دبدبہ کا دامن تھامنے والا اس کی پناہ میں آنے والا ہوں۔

لا اله الا انت: عزت باری تعالیٰ کی تاکید کے لئے یہ جملہ معترضہ لایا گیا۔

ان تضلني: یہ اعوذ کے متعلق ہے اور ان کے شروع آنے والا حرف جر حذف کر دیا گیا۔ یعنی میں تیری اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے گمراہی میں مبتلا کرے۔ **انت الحى القيوم**: آپ ہمیشہ زندہ رہنے والے اور مخلوق کی تدبیر وحفاظت کرنے والے ہیں۔

الذى لا يموت ① یہ الذی کا صلہ ہے یا انت ضمیر کی تاکید ہو تو لا تموت ہوگا کیونکہ تمام مخلوق کے معاملات کی تدبیر وحفاظت کرنے والے کے لئے موت کا نہ آنا ضروری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو اپنی زندگی کی حفاظت نہ کر سکے وہ دوسروں کی زندگی کیا بچائے گا۔

والجن والانس يموتون: جن وانس ملائکہ اور حیوانات وحشرات سب موت کے گھاٹ پر اتریں گے۔ اس میں اسباب توکل کے متعلق متنبہ کیا کہ معاملے کو اسی کی ذات کی طرف لوٹایا جائے اس لئے کہ توکل توحی لا یموت پر ہونا چاہئے اور اس کی ذات کے علاوہ تمام مر جائیں گے اور ان کی حالت مضمحل ہو جائے گی۔ جو غیر اللہ سے عزت حاصل کرنے والا ہے وہ ذلیل ہوا

اور جس نے اس کی راہنمائی کے بغیر راہ تلاش کی وہ گمراہ ہوا اور جو اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے والا ہے اور اس پر توکل کرنے والا ہے وہ راہ پا گیا۔

یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔ بخاری نے مختصراً نقل کیا ہے۔ **اعوذ بعزتك لا اله الا انت الذی لا تموت والجن والانس یموتون:** (بخاری)

تخریج: أخرجه البخاری (۷۳۸۳) مختصرًا و مسلم (۲۷۱۷)

۷۶ : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَيْضًا قَالَ : حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ قَالَهَا اِبْرَاهِيْمُ ﷺ حِيْنَ اُلْقِيَ فِي النَّارِ ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَالُوْا اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا : حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ – وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كَانَ اٰخِرَ قَوْلِ اِبْرَاهِيْمَ ﷺ حِيْنَ اُلْقِيَ فِي النَّارِ : حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

۷۶ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ یہ وہ کلمہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا جب ان کو آگ میں ڈالا گیا اور حضرت محمد ﷺ نے اس وقت کہے جب لوگوں نے یہ کہا: اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ کہ مشرکین تمہارے لئے اکٹھے ہو چکے ہیں۔ پس تم ان سے ڈر جاؤ تو مسلمانوں کا ایمان بڑھ گیا اور انہوں نے کہا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (بخاری) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو ان کی آخری بات یہ تھی: حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کہ میرے لئے اللہ کافی ہے اور وہ خوب کارساز ہے۔

تشریح قاری نے اسے موقوف قرار دیا مگر ابن الجزری نے اس کے بعض طرق مرفوع ہونے کی وجہ سے سکوت اختیار کیا۔

حسبنا اللّٰه و نعم الوکیل: ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ خوب کارساز ہے۔ ابتداء کتاب میں اس پر پہلے کلام ہو چکا۔ **القی فی النار** قرطبی نے ابن اسحاق سے نقل کیا کہ کفار نے توپ لکڑیاں تیار کرلیں تو آسمان و زمین اور ملائکہ اور دیگر مخلوق نے کہا (سوائے جن وانس) اے ہمارے رب ابراہیم کے سواء اس سرزمین میں تیرا کوئی عبادت گزار نہیں۔ تیری عزت کی قسم! ہمیں اس کی معاونت کی اجازت ملنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر وہ تمہاری معاونت قبول کرتا ہے یا تم کو بلاتا ہے تو میری طرف سے اجازت ہے اور اگر وہ میرے سواء اور کسی کو نہ بلائے تو میں اس کو خوب جانتا ہوں اور میں تو اس کا کارساز ہوں۔ جب انہوں نے آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا تو پانی کا نگران فرشتہ فضاء سے کہنے لگا اگر تم چاہو تو میں پانی سے آگ بجھا دوں۔ آپ نے فرمایا: مجھے تیری معاونت کی حاجت نہیں۔ پھر ہوا کا فرشتہ آیا اور کہنے لگا اگر تم پسند کرو تو میں آگ کو اڑا دوں۔ آپ نے نفی میں جواب دیا پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا: **اللّٰهم انت الواحد فی السماء وانا الواحد (مومن) فی الارض لیس احدٌ یعبدك غیری حسبی اللّٰه و نعم الوکیل** پھر باقی واقعہ ذکر فرمایا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے احد سے واپسی پر

یہ کلمات کہے تھے۔ رہا یہ سوال کہ ضمائر جمع کی ہیں اور مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کی نظیر یہ آیت ہے: ﴿ام یحسُدون الناس﴾ (النساء: ۵۴) الناس سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح اس آیت میں ﴿قال لهم الناس﴾ (آل عمران: ۱۷۳) ۔ الناس سے مراد نعیم بن مسعود اشجعی ہے اور الذین اس کے مابعد سے مراد صحابہ کرام ہیں۔ سیوطی نے جلال محلی کی تفسیر کے تکملہ میں یہ بات ذکر کی اور ان دونوں باتوں میں منافات نہیں۔ شاید ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کے تذکرہ پر اکتفاء کیا کیونکہ آپ متبوع ہیں اور صحابہ تابع ہیں۔ بخاری نے ابن عباسؓ سے دوسری روایت میں ذکر کیا کہ ابراہیم نے حسبی اللّٰہ و نعم الوکیل کے کلمات کہے۔ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں بھی یہ الفاظ نقل کئے ہیں یعنی میرے لئے اللہ کافی ہے۔ سیوطی نے توشیح میں نقل کیا کہ ابراہیمؑ نے سب سے پہلی بات یہی کہی اور آخری بھی یہی کہی (تفصیل شرح الاذکار میں دیکھیں)

تخریج : أخرجه البخاری (٤٥٦٣)

۷۷ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : "یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَقْوَامٌ اَفْئِدَتُهُمْ مِثْلُ اَفْئِدَةِ الطَّیْرِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ – قِیْلَ مَعْنَاهُ مُتَوَکِّلُوْنَ ، وَقِیْلَ قُلُوْبُهُمْ رَقِیْقَةٌ۔

۷۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں کچھ لوگ داخل ہوں گے جن کے دل پرندوں جیسے ہوں گے۔ (مسلم) اس کا ایک معنی متوکل کیا ہے اور دوسرا معنی نرم دل کیا ہے۔

تشریح ۞ **یدخل الجنة:** مقام مدح میں اس کا تذکرہ ظاہر کرتا ہے کہ اس سے مراد پہلے پہل داخلہ ہے۔ ورنہ تمام اہل ایمان کا جنت میں داخلہ ہوگا۔

اقوام: راغب کہتے ہیں اصل میں مردوں کی جماعت کو قوم کہا جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لا یسخر قوم من قوم ولا نساء من النساء﴾ (الحجرات: ۱۱) مگر قرآن مجید میں عام طور پر مرد و عورت ہر دو کے لئے آیا ہے اور اس روایت میں اس معنی میں ہے۔ **افئدتهم:** جمع فواد دل یا دل پھیپھڑے جگر سب کے لئے بولا جاتا ہے۔ نووی نے بھی فواد کا معنی دل ہی کیا ہے یا فواد دل کا وہ حصہ جو معانی کو قبول کرتا ہے۔ **الطیر** جمع طائر اس کی جمع طیور اور اطیار بھی آتی ہے۔ بعض نے طیر سے متوکل لوگ لئے ہیں۔ جیسا حدیث میں وارد ہے۔ لو اتکلتم علی اللّٰہ حق اتکالہ لرزقکم کما یُرزق الطیر۔ اس میں اشارہ کر دیا کہ جب کمزوری کی وجہ سے کوئی اسباب رزق سے کمزور رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس تک رزق پہنچا دیتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی قلوبهم رقیقة یعنی وہ فہم اور قبولیت خیر اور امتثال امر میں تیز ہیں۔

تخریج : أخرجه مسلم (٢٨٤٠)

۷۸ : عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ قِبَلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَفَلَ مَعَهُمْ فَاَدْرَکَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِیْ وَادٍ کَثِیْرِ الْعِضَاهِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ یَسْتَظِلُّوْنَ بِالشَّجَرِ وَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَحْتَ سَمُرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَیْفَهٗ وَنِمْنَا نَوْمَةً فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

يَدْعُوْنَا وَإِذَا عِنْدَهُ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ : اِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِيْ وَاَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِيْ يَدِهٖ صَلْتًا قَالَ : مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ؟ قُلْتُ : اَللّٰهُ ثَلَاثًا وَلَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ – وَفِيْ رِوَايَةٍ : قَالَ جَابِرٌ : كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِذَاتِ الرِّقَاعِ فَاِذَا اَتَيْنَا عَلٰى شَجَرَةٍ ظَلِيْلَةٍ تَرَكْنَاهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَجَآءَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُعَلَّقٌ بِالشَّجَرَةِ فَاخْتَرَطَهٗ فَقَالَ : تَخَافُنِيْ؟ قَالَ : لَا فَقَالَ : مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ؟ قَالَ : اَللّٰهُ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ بَكْرٍ الْاِسْمَاعِيْلِيِّ فِيْ صَحِيْحِهٖ فَقَالَ : مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ؟ قَالَ : اَللّٰهُ فَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَدِهٖ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ السَّيْفَ فَقَالَ مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ؟ فَقَالَ : كُنْ خَيْرَ اٰخِذٍ فَقَالَ : تَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ قَالَ : لَا وَلٰكِنِّيْ اُعَاهِدُكَ اَنْ لَا اُقَاتِلَكَ وَلَا اَكُوْنَ مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُوْنَكَ فَخَلّٰى سَبِيْلَهٗ فَاَتٰى اَصْحَابَهٗ فَقَالَ : جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ قَوْلُهٗ : "قَفَلَ اَيْ رَجَعَ – "وَالْعِضَاهُ" الشَّجَرُ الَّذِيْ لَهٗ شَوْكٌ – "وَالسَّمُرَةُ" بِفَتْحِ السِّيْنِ وَضَمِّ الْمِيْمِ : اَلشَّجَرَةُ مِنَ الطَّلْحِ وَهِيَ الْعِظَامُ مِنْ شَجَرِ الْعِضَاهِ "وَاخْتَرَطَ السَّيْفَ" اَيْ سَلَّهٗ وَهُوَ فِيْ يَدِهٖ : "صَلْتًا" اَيْ مَسْلُوْلًا ، وَهُوَ بِفَتْحِ الصَّادِ وَضَمِّهَا۔

۷۸: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نجد کی جانب ایک غزوہ میں شریک ہوئے۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس لوٹے تو یہ بھی آپ کے ساتھ واپس لوٹے۔ راستہ میں کانٹے دار درختوں کی ایک وادی میں نیند نے ان کو آلیا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ یہاں اتر پڑے۔ درختوں کے سایہ کی تلاش میں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی متفرق ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ کیکر کے ایک درخت کے نیچے اترے اور اپنی تلوار اس کے ساتھ لٹکا دی۔ ہم تھوڑی دیر کے لئے سو گئے۔ اچانک رسول اللہ ﷺ ہمیں آوازیں دے رہے تھے اور ایک بدو آپ کے پاس تھا۔ آپ نے فرمایا: اس نے میری تلوار مجھ پر سونت لی اس حال میں کہ میں سو رہا تھا۔ جب میں بیدار ہوا تو تلوار اس کے ہاتھ میں سونتی تھی اس نے مجھ سے کہا کہ کون تجھے مجھ سے بچائے گا میں نے تین مرتبہ کہا اللہ اللہ اللہ۔ آپ نے اس سے بدلہ نہ لیا اور وہ بیٹھ گیا۔ (متفق علیہ) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم غزوہ ذات الرقاع میں رسول اللہؐ کے ساتھ تھے۔ جب ہم ایک گھنے سایہ دار درخت کے پاس آئے تو اس درخت کو ہم نے رسول اللہ ﷺ کے لئے چھوڑ دیا۔ پس مشرکین میں سے ایک شخص آیا اور آنحضرت ﷺ کی درخت سے لٹکی ہوئی تلوار اس نے لے لی اور سونت کر کہنے لگا کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ اس نے کہا تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے کہا اللہ۔ امام ابوبکر اسماعیلی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ۔ قَالَ اللّٰهُ۔ اس پر تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ ﷺ نے وہ تلوار پکڑ کر فرمایا۔ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا تم بہتر تلوار پکڑنے والے بن جاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ لیکن میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ نہ میں آپ ﷺ سے لڑوں گا اور نہ میں ان لوگوں کا

ساتھ دوں گا جو آپ سے لڑتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا میں تمہارے پاس ایسے شخص کے ہاں سے آیا ہوں جو لوگوں میں سب سے بہتر ہے۔

قَفَلَ :لوٹنا۔ اَلْعِضَاۃ :کانٹے دار درخت۔ اَلسَّمُرَۃُ :کیکر کا درخت۔ یہ عضاۃ سے بڑا ہوتا ہے۔ اِخْتَرَطَ السَّيْفَ : تلوار ہاتھ میں سونت لی۔ صَلْتًا :سونتی ہوئی۔

تشریح ۞ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ یہاں روایت بالمعنی ہے' دوسرے مقام پر غزوتُ: کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ نجد: حجاز کے علاوہ علاقہ کو نجد کہا جاتا ہے۔ یہ غزوہ ذات الرقاع کا واقعہ ہے۔ جو ۶ھ میں پیش آیا۔

قفل: لوٹنا۔

اَلنَّحْو تفل معهم: پہلی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے اور ھم: صحابہ کرام کی طرف۔

القائلة: دوپہر۔ کبھی یہ قیلولہ کے معنی میں بھی آتا ہے۔

عِضَاۃ: کیکر۔ اس کا واحد عضۃ ہے بعض نے عرضی اللہ عنہۃ کہا ہے۔ یہ جمع سالم نہیں بلکہ شفاہ اور شیاہ کی طرح جمع مکسر ہے۔ اسکی جمع سالم عرضی اللہ عنہۃ اس کی لکڑیوں کو عوسج کہا جاتا ہے۔ فنزل رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: آپ سفر ترک کر کے ایک مقام میں اتر گئے۔ یستظلون بالشجر: درختوں کا سایہ حاصل کرنے کے لئے آپ اکیلے رہ گئے دشمن آپ ﷺ تک پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی حفاظت فرمائی۔ نمنانومة: یہ نیند سفر کی تھکاوٹ اور حرارت کے سبب تھی اسی سے قیلولہ مستحب ہے۔ اعرابی: یہ اعراب کا اسم منسوب ہے جنگل کے رہائشی' بستیوں کے رہنے والوں اور عام عربوں پر بولا جاتا ہے۔ یہ دیہاتی قبیلہ بنی محارب سے تھا غزوہ ذات الرقاع انہی کے خلاف پیش آیا تھا۔ علماء نے اس کا نام غورث یا غویرث لکھا ہے یہی درست ہے۔ قاضی عیاضؒ نے نقل کیا کہ اس کا نام دعثور تھا۔ یہ واقعہ غزوہ ذی قرد کا ہے۔ مگر بخاری میں واقعہ ذات الرقاع کا آیا ہے۔ شرح شفاء میں ہے کہ ذات الرقاع ۴ھ میں غورث کا واقعہ پیش آیا اور یہ اسلام لا کر صحابہ میں شامل ہو گیا۔ (شرح شفاء لابن اقبرس) مگر بخاری نے کہا ذات الرقاع اور ذو قرد ایک ہی غزوہ ہے۔ موافقت کی صورت یہ ہے کہ شاید متعدد واقعات ہوں اور متعدد اعرابی ہوں واللہ اعلم۔

ان هذا اخترط على سيفي وانا نائم: یہ صحیح کے الفاظ ہیں کہ نیند کی حالت میں یہ واقعہ پیش آیا اور سیرت ابن سید الناس میں لکھا ہے کہ آپ بیٹھے تھے اور تلوار گود میں تھی۔ اس نے دیکھنے کے لئے تلوار لی اور پھر سونت کر ارادہ قتل سے پوچھا کیا تم مجھ سے نہیں ڈرتے۔ صحیح میں جو آیا ہے وہی درست ہے۔ فاستيقظت: قبضہ جمانے اور اچانک حملہ آور ہونے کی قدرت سے پہلے یا اچانک حملہ پر قدرت پانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی اور دشمن ناکام ہو گیا۔

صلتاً یہ حال ہے۔

من يمنعك منى: یہ استفہام ہے جو نفی کو متضمن ہے۔ اے لا مانع لك منى۔ یہ اس کی کوتاہ نظری تھی اس کو معلوم نہ تھا کہ فاعل تو اللہ تعالیٰ ہیں وہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو سکتے ہیں۔

فقلت اللّٰهُ ثلاثًا: یہ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہے۔ یا اللّٰه يمعنى: پھر اس کا عامل محذوف فعل یمنعی ہے۔ ① یہ بات آپ نے تلذذاً تین مرتبہ دہرائی۔ اسی کو غلبہ توحید اور کمال شہود کہا جاتا ہے۔ آپ کے دل میں ذرا گھبراہٹ نہ آئی قلب اطہر تو

مشاہدہ باری اور مناجات رب تعالیٰ میں مستغرق تھا۔ ② یہ جملہ دشمن نے تین مرتبہ دہرایا بخاری کی ایک روایت میں دو مرتبہ من یمنعك منی موجود ہے (گویا وہ اپنے غرور کے نشہ میں یہ کہہ رہا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بدلہ نہ لیا بلکہ عفو درگزر کا معاملہ فرمایا۔ وجلس: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہو کر بیٹھ گئے۔
اس صورت میں یہ یدعونا کے مفعول سے حال ہے یا فاعل سے (شیخ زکریا نے اس کو راجح کہا) یا اعرابی پہلے کھڑا تھا اور اب وہ بیٹھ گیا۔ (متفق علیہ)
﴿یایها الذین آمنوا اذکر نعمت الله﴾ (مائدہ:۱۱) کا شانِ نزول یہی لکھا ہے۔
ذات الرقاع: کی وجہ تسمیہ یہ ہے: ① اپنے جھنڈوں کو پیوند لگائے۔ ② ذات الرقاع اس علاقہ کا ایک درخت ہے۔ ③ صحابہ کرامؓ کے پاؤں نوکیلے پتھروں سے زخمی ہو گئے تو انہوں نے کپڑے کے ٹکڑے ان زخموں پر باندھے۔ ④ جس پہاڑ پر مسلمان اترے اس کی زمین مختلف رنگوں کی تھی۔ (باب القناعة میں تفصیل آئے گی)
شجرہ ظلیلة: ٹہنیوں اور پتوں کے مل جانے سے جس کا سایہ خوب گھنا تھا۔
اخترطه: جلدی سے سونتنا۔ اتخافنی فقال لا کا حرف جملہ کی جگہ آیا ہے۔ جو سوال میں مذکور ہے۔ اعرابی نے کہا تیرے اچانک قتل میں میرے لئے کون رکاوٹ ہوگا۔ آپ نے فرمایا: اللہ میری حفاظت کرے گا اور تیرے ارادے کے درمیان حائل ہو جائے گا۔ ابوبکر اسماعیلی کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب آپ نے اللہ! فرمایا تو تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار پکڑ کر فرمایا: اب تمہیں کون سا انسان مجھ سے بچائے۔ اس نے کہا اب کوئی روکنے والا نہیں۔ مگر کن خیر اخذ: یعنی معافی و درگزر سے کام لو اور زیادتی کے مقابل بھلائی کرو۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تم لا الہ کی گواہی دیتے ہو۔ اس سے انکار کرتے ہوئے کہا لیکن میں آپ سے معاہدہ کرتا ہوں کہ آپؐ کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل نہ ہوں گا اور نہ خود لڑوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف کرنا مناسب خیال کیا کہ شاید اس کی قوم مسلمان ہو جائے اور اس سے آپ کے اخلاق کی اطلاع پا کر وہ سعادت ابدی کے حقدار بن جائیں۔ فخلی سبیله: آپؐ نے بلا فدیہ اس کو چھوڑ دیا۔
ابن سید الناس اور ابن النحوی نے دعثور کے واقعہ میں نقل کیا کہ جبرئیلؑ نے اس کے سینے پر تھپڑ مارا جس سے تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی پھر وہ اسلام لا کر اپنی قوم کی طرف داعی بن کر گیا۔ بخاری کے رواۃ نے بھول یا اور کسی وجہ سے یہ واقعہ نقل نہیں کیا۔ دوسروں نے ذکر کر دیا۔ اسلام سے پہلی بار اس نے انکار کیا پھر مجلس نبوی میں بیٹھ کر شرح صدر ہو گیا۔ واللہ اعلم۔
(مگر صحیح کے رواۃ کے نقل نہ کرنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ معیار صحت میں وہ روایات اس درجہ کی نہ ہوں)
فاتی اصحابه: اس سے وہ گروہ مراد ہے جو اچانک حملہ میں اس کے شریک کار تھے۔
خیر الناس: یعنی اخلاق و خلقت کے لحاظ سے سب سے بہتر ہیں۔ اس پر اس آیت کی گواہی کافی ہے۔ ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: کَانَ خُلُقُهُ القرآنُ۔
صلتا۔ صلت الشئ: جب وہ چیز ظاہر ہو اور اصلت الشئ جب کسی چیز کو ظاہر کیا جائے (ابن قوطیہ) اسی لئے نہایہ صحاح میں اس کا معنی شہر السیف تلوار سونتنا ذکر کیا ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (۱٤۳٤۱ /٥) والبخاری (۲۹۱۰) و مسلم (٤۸۳) وابن حبان (۲۸۸۳) والطحاوی

فی شرح معانی الآثار (۱/۳۱۵) و أبو یعلی (۱۷۷۸) والبیهقی (۶/۳۱۹)

۷۹ :عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ :لَوْ اَنَّکُمْ تَتَوَکَّلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ حَقَّ تَوَکُّلِهٖ لَرَزَقَکُمْ کَمَا یَرْزُقُ الطَّیْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا" رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ۔

وَقَالَ :حَدِیْثٌ حَسَنٌ – مَعْنَاهُ تَذْهَبُ اَوَّلَ النَّهَارِ خِمَاصًا :اَیْ ضَامِرَةَ الْبُطُوْنِ مِنَ الْجُوْعِ وَتَرْجِعُ اٰخِرَ النَّهَارِ بِطَانًا :اَیْ مُمْتَلِئَةَ الْبُطُوْنِ۔

۷۹: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم :کوفرماتے سنا: "اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسے توکل کا حق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس طرح رزق عنایت فرماتے جیسا کہ پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح سویرے خالی پیٹ نکلتے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس لوٹتے ہیں"۔(ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ شروع دن میں بھوک کی شدت کے باعث ان کے پیٹ سکڑے ہوتے ہیں اور دن کے آخر میں پیٹ بھر کر واپس لوٹتے ہیں۔

تشریح ۞ **انکم تتوکلون علی اللّٰه**: اگر واقعی تمہارا توکل اسی طرح اللہ تعالیٰ پر ہو جائے۔

حق توکله: حق توکل کا مطلب یہ ہے کہ تمام احوال میں اس پر اعتماد کرو اور یہ سمجھو کہ تمام بھلائیاں اس کی طرف سے اور اس کے ہاتھ میں ہیں۔

النحو :**الطیر یغدو خماصًا**: الطیر میں الف لام جنس کا ہے۔خماصی حال ہے۔خماص یہ خمیص کی جمع ہے خالی پیٹ۔

بطانا: جمع بطین۔بھرے پیٹ یہ حال ہے۔امام نووی نے تغدو کا معنی صبح سویرے جانا تروح: شام کو لوٹنا کیا ہے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں کہا کہ اس روایت میں کمائی سے ہاتھ توڑ کر بیٹھ رہنے کی کوئی دلالت نہیں ہے بلکہ اس میں تو طلب رزق کی دلالت پائی جاتی ہے کیونکہ پرندے تلاش رزق میں ہی صبح سویرے نکلتے ہیں۔

روایت کا مقصد یہ ہے کہ اگر آنے' جانے اور تمام تصرفات میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور یہ سمجھیں کہ تمام بھلائیاں اسی کے قبضہ میں ہیں تو یقیناً پرندوں کی طرح سلامتی اور غنیمت سے لوٹیں لیکن انسان اس کے برخلاف اپنی قوت و طاقت پر اعتماد کرتے ہوئے آتے جاتے تکذیب و نافرمانی میں مبتلا ہیں جو کہ توکل کے خلاف ہے۔

تخریج : إسناده صحیح' أخرجه أحمد (۱/۲۰۵) والترمذی (۲۳۵۱) وأبن المبارك فی الزهد (۵۵۹) والحاکم (۴/۴۱۸) وأبو یعلی (۲۴۷) وابن حبان (۷۳۰) وابن ماجه (۱۴۶۴) وأبو نعیم فی الحلیة (۱۰/۶۹)

الفرائد : ① اس روایت میں کام کاج نہ کرنے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنے پر کوئی دلالت نہیں بلکہ اس طرف راہنمائی کی گئی ہے کہ رزق کو اس کے اسباب سے طلب کرو کیونکہ پرندکا کام طلب رزق کے لئے اللہ تعالیٰ کے توکل پر صبح سویرے نکلنا ہے ان کو رزق رازق پہنچاتا ہے۔② پرندے اپنے خالق کی پہچان رکھتے ہیں جیسا اس آیت میں فرمایا: ﴿تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ﴾ [الاسراء:۴۴] ③ اگر بندہ اللہ تعالیٰ پر رزق کے لئے جاتے آتے اسی طرح توکل کرے جیسے پرندے

کرتے ہیں تو بار آور سوئے۔ ④ اپنی طاقت وقوت پر اعتماد کر بیٹھنا خلاف توکل ہے۔ (کذا قال البیہقی) ⑤ پرندوں کا اپنے مقامات سے دُور جانا اور پھر واپس گھونسلوں میں لوٹ آنا یہ اعطی کل شئی خلقه ثم هدی کا نمونہ ہے۔ (خلاصہ الشروح)

٨٠ : عَنْ اَبِیْ عِمَارَةَ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : یَا فُلَانُ اِذَا اَوَیْتَ اِلٰی فِرَاشِكَ فَقُلِ : اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْكَ ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِیَ اِلَیْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِیْ اِلَیْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَیْكَ ، لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَاَ مِنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ ، وَبِنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ فَاِنَّكَ اِنْ مُتَّ مِنْ لَیْلَتِكَ مُتَّ عَلَی الْفِطْرَةِ وَاِنْ اَصْبَحْتَ اَصَبْتَ خَیْرًا'' مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ : وَفِیْ رِوَایَةٍ فِی الصَّحِیْحَیْنِ عَنِ الْبَرَآءِ : قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ : اِذَا اَتَیْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّاْ وُضُوْءَ كَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰی شِقِّكَ الْاَیْمَنِ وَقُلْ وَذَكَرَ نَحْوَهٗ ثُمَّ قَالَ : وَاجْعَلْهُنَّ اٰخِرَ مَا تَقُوْلُ :

٨٠ : حضرت ابوعمارہ براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اے فلاں! جب تم اپنے بستر پر لیٹو تو اس طرح کہو: اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْكَ ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِیَ اِلَیْكَ ...... اے اللہ میں نے خود کو آپ کے سپرد کیا اور میں نے اپنا چہرہ آپ کی طرف کیا اور اپنا معاملہ آپ کے سپرد کیا اور تجھے اپنا پشت پناہ بنایا۔ رغبت کر کے یا ڈر کر تجھ سے۔ تیری پکڑ سے کوئی پناہ گاہ نہیں اور نہ نجات کی کوئی جگہ ہے۔ میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے اتاری اور تیرے اس پیغمبر پر ایمان لایا جو آپ نے بھیجا''۔ (پھر آپؐ نے فرمایا) اگر تیری موت اس رات میں آ گئی تو تیری موت فطرت اسلام پر آئی اور اگر صبح کی تو تو نے خیر و بھلائی کو پالیا۔ (متفق علیہ) حضرت براء کی صحیحین والی روایت میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں: ''آپ ﷺ نے مجھے فرمایا اے براء تم جب اپنے بستر پر جاؤ۔ تو نماز والا وضو کرو پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاؤ اور اس طرح کہو آگے اوپر والے الفاظ نقل کئے۔ پھر آخر میں فرمایا کہ ان کلمات کو سب سے آخر میں کہو''۔

تشریح ۞ براء بن عازب رضی اللہ عنہ۔ ان کی کنیت ابوعمارہ یا ابوالطفیل ہے۔ یہ اوس قبیلہ کی شاخ بنوحارثہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ باپ بیٹا صحابی ہیں۔ یہ بدر میں چھوٹے تھے۔ احد اور بعد والے تمام غزوات میں شامل رہے۔ ان سے بخاری نے نقل کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت سے پہلے سبح اسم ربك الاعلی جیسی مفصل سورتیں میں یاد کر چکا تھا۔ ان کی مرویات ٣٠٥ روایات ہیں۔ ٢٢ متفق علیہ ہیں۔ ١٥ میں بخاری اور ٦ میں مسلم منفرد ہیں۔ کوفہ میں مقیم ہو گئے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی گورنری کے زمانہ میں وفات پائی۔

یا فلان: سے مراد اسید بن حضیر ہیں۔ نووی نے مبہمات میں ذکر کیا ہے۔ نفسی سے ذات مراد ہے۔ الیك کہ میں نے فرمانبرداری اختیار کر کے اپنے نفس کو تمہارا مطیع بنایا تمہارے حکم کو مانتے ہوئے تمہارے فیصلوں پر راضی ہو کر تیری قدرت پر قناعت کا اظہار کرتے ہوئے۔ ووجهت وجهی الیك یعنی اپنی ذات کو تیری طرف فرمانبرداری اور قناعت کرتے ہوئے

رضامندی سے سپرد کیا۔ یہ پہلی بات کو ذرا تفصیل سے کہہ دیا۔ فوضت امری الیك یعنی تمام دنیوی واخروی معاملات میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور اس کو آپ کی طرف لوٹنے کا ذریعہ بنایا۔ والجأت ظهری الیك: میں نے اپنی حفاظت میں آپ پر اعتماد کیا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تیرے سوا میرا کوئی سہارا نہیں۔

طیبی کہتے ہیں اس جملہ میں اشارہ ہے کہ جس کام میں سپردگی کی ضرورت ہے اور اس میں اس کا معاش اور اسی پر اس کے معاملے کا مدار ہے تو اس میں بندہ التجا کر رہا ہے کہ اسباب داخلیہ وخارجیہ میں نقصان دہ چیزوں سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔

رغبة: ثواب میں طمع کے میلان اور رهبة: تیری سزا کا خوف۔

النحو: یہ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ کرمانی کا قول ہے۔ ② اس کے متعلق ماقبل سے اس میں تنازع کیا۔ معنی یہ ہے میں رغبت ورہبت کی حالت میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

لا ملجاء: نہ سہارا ہے اور نہ کوئی ایسی ذات ہے جس کے ہاں پناہ لیں۔ ② نہ چھوٹنے کی راہ نہ بھاگنے کا راستہ۔ منجی اور ملجاء دونوں ہمزہ ساتھ اور بغیر ہمزہ درست ہیں۔ خواہ لا عمل کرے یا نہ کرے (کذا قال ابن حجر) منك: جب ماقبل دونوں مصدر مانیں تو متعلق میں اختلاف ہوگا (کرمانی) الا الیك: کسی کے ہاں پناہ نہیں مگر آپ ہی کے ہاں اور نجات کی جگہ آپ ہی کے پاس مل سکتی ہے یہ اس ارشاد کی طرح ہے کلالا ورلی ربك یومئذ المستقر۔

یہ جملہ استئنافیہ بیانیہ ہے۔ اور رغبة ورهبة ماقبل کی علت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی میرا اپنی ذات کو فرمانبردار بنانا۔ رغبت ورہبت کے سبب ہے۔

طیبی کہتے ہیں یہ لف نشر مرتب ہے۔ ای فوضت امری طمعًا فی ثوابك کہ تیرے ثواب کی طمع میں میں نے اپنا معاملہ تیرے سپرد کیا اور الجأت ظهری من المكاره الیك خوفًا من عقابك یعنی تیرے عذاب سے ڈرتے ہوئے میں نے تکالیف میں تجھے پشت پناہ بنایا۔ یہ معنی بہت عمدہ ہے۔ ابن حجر کا یہ قول اس کے متعلق سمجھ نہیں آیا کہ انہوں نے اس کو نادرست قرار دیا ہے۔ تفصیل شرح اذکار میں ملاحظہ ہو۔

③ ایک قول یہ ہے کہ رغبۃً ورہبۃً حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں ای راغبًا و راهبًا۔

④ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہیں۔ اس زمانہ میں جب ارباب کمال کے ہاں خوف وطمع برابر ہوتے ہیں۔ جیسا حدیث میں ہے: لو وُزِنَ خوفُ المومن ورجاؤہ لا عتدلا اگر مومن کا خوف اور رجاء وزن کئے جائیں تو برابر ثابت ہوں۔

کتابك: سے مراد قرآن مجید ہے اور اس پر ایمان لانا ساری کتابوں پر ایمان لانا ہے۔

نبیك الذی ارسلت یعنی جن کو آپ نے تمام لوگوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا۔ ② یہ بھی درست ہے کہ کتاب سے جنس کتاب اور النبی سے جنس نبی مراد ہو۔

النحو: مت من لیلتك: یہ مات یمات اور مات یموت ان دونوں صورت میں لازم ہے البتہ ایک لازم اور دوسرے کے متعدی ہونے کا احتمال ہے یعنی اگر اسی اعتقاد کے ساتھ موت آ گئی تو فطرت اسلام پر موت آئی۔ ﴿فطرة الله فطر الناس علیها﴾ (الروم: ۳۰) جیسا دوسری روایت میں ہے: من كان آخر كلامة لا اله الا الله دخل الجنه۔

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں فطرتیں دو ہیں: ① فطرت مقربین جس کا تذکرہ اس روایت میں ہے۔ ② من كان آخر كلامه لا

الله الا الله دخل الجنة۔ یہ اصحاب یقین کی فطرت ہے۔
اصبت خیراً خیر سے یہاں اجر عظیم اور ثواب جزیل مراد ہے۔
ضروری فرق: صحیحین کی دوسری روایت میں حضرت براء نے اس کو نقل کیا کہ قال لی کہ مجھے فرمایا اور اس روایت میں یا فلانُ (اسید بن حضیر) مگر ان میں منافات نہیں ممکن ہے ان کو الگ ارشاد فرمایا اور دوسرا اجتماعی موقعہ الگ ہو واللہ اعلم۔
مضجعك: خواب گاہ۔ شقك: پہلو جانب۔ الایمن: دایاں ① دایاں پہلو شرف والا ہے۔ ② اس صورت میں دل معلق ہونے کی وجہ سے اچھی طرح نیند نہ آئے گی اور قیام لیل میں خلل کا سبب بنے گا۔
آخر ما تقول: پھر ان کو تم آخری کلمات یعنی آخری دعا بناؤ۔
تخریج: أخرجه أحمد (٦/١٨٦١١) والبخاري (٢٤٧) و مسلم (٢٧١٠) وأبو داود (٥٠٤٦) والترمذي (٣٣٩٤) والنسائي في اليوم والليلية (٧٨٠) وابن حبان (٥٥٢٧)
الفرائد: ① اہل علم کا کہنا ہے کہ رسول فرشتوں اور انسانوں دونوں میں ہوتے ہیں مگر نبی صرف انسانوں سے ہوتے ہیں۔ ② توکل یہ ہے کہ اپنے کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔

۸۱: عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَامِرِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ کَعْبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ تَیْمِ بْنِ مُرَّةَ ابْنِ کَعْبِ بْنِ لُؤَیِّ بْنِ غَالِبِ اللُّقُرَشِیِّ وَالتَّیْمِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ - وَهُوَ وَاَبُوْهُ وَاُمُّهٗ صَحَابَةٌ - رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ: نَظَرْتُ اِلٰی اَقْدَامِ الْمُشْرِکِیْنَ وَنَحْنُ فِی الْغَارِ وَهُمْ عَلٰی رُءُوْسِنَا فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ اَحَدَهُمْ نَظَرَ تَحْتَ قَدَمَیْهِ لَاَبْصَرَنَا - فَقَالَ: مَا ظَنُّكَ یَا اَبَا بَکْرٍ بِاثْنَیْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۸۱: حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن لوی بن غالب قرشی التیمی رضی اللہ عنہ- جو خود اور ان کے والد اور والدہ سب صحابی ہیں رضی اللہ عنہم- سے روایت ہے کہ میں نے مشرکین کے قدم دیکھے جبکہ ہم غار میں تھے۔ وہ ہمارے سروں کے اوپر کھڑے تھے۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں کی نچلی جانب دیکھے تو وہ ہمیں دیکھ لے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوبکر تیرا ان دو کے متعلق کیا گمان ہے کہ اللہ جن کا تیسرا ہے''۔ (متفق علیہ)

تشریح ابوبکر: اسلام میں سب سے پہلے انہی کا لقب ہے۔ نام پر کنیت غالب آ گئی۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں پہل کی اس لئے ان کو لقب ملا۔ ② لیلۃ الاسراء کی صبح کو انہیں یہ لقب ملا کیونکہ انہوں نے آپ کی فوراً تصدیق کی۔ ان کا لقب عتیق بھی ہے: ① یہ عتاقہ بمعنی حسن سے ہے۔ ان کا چہرہ یا نسب خوبصورت تھا۔ ② ان کی والدہ کے ہاں اولاد زندہ نہ رہتی تھی ان کی والدہ نے پیدائش کے بعد نذر مانی کہ اللهم هذا عَتِیْقُكَ ③ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آگ سے آزاد کر دیا۔ (ترمذی)

قبیلہ بنو تمیم بن مرہ کی اولاد سے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو تیمی قرشی کہا جاتا ہے۔ یہ خود ان کے والد والدہ اور بیٹا صحابی

ہیں۔ والدہ کا نام ام الخیر سلمیٰ بنت صخر تیمیہ۔ یہ سب چیزیں اور کسی کو اکٹھی میسر نہیں ہوئیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جونہی دعوت دی یہ بلا تردد اسلام لے آئے۔ یہ شرف انہی کو حاصل ہے۔ آزاد بالغ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے یہی ہیں۔ ان کے والد فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور ان کے متعلق یہ ارشاد نبوت کافی ہے: اِنّ امنّ الناس عليّ في صحبته وماله ابوبكر ولو كنت متخذاً خليلاً غير ربيّ لا تخذت ابابكر ولكن اخوة الاسلام (بخاری) ان کے فضائل میں مستقل تالیفات موجود ہیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

اذا تذكرت شجوا من اخي ثقة ☆ فاذكر اخاك ابابكر بما فعلا

خير البرية اتقا وما وا فضلها ☆ بعد النبي واولاها بما حملا

والثاني والتالي المحمود مشهدهٗ ☆ واول الناس منهم صدق الرسلا

حاصل ترجمہ

”ابوبکر کا تذکرہ کرو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل تھے وہ ثانی اثنین اور سب سے پہلے آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے والے تھے۔“

ان کی مرویات کی تعداد ۱۴۲ ہے۔ ۶ متفق علیہ اور ۱۱ میں بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں۔ یہ منگل کی رات مغرب وعشاء کے درمیان فوت ہوئے جبکہ جمادی الاولیٰ کی ۸ راتیں باقی تھیں ۲۱ یا ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳ھ ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کا جنازہ اسی چارپائی پر اٹھایا گیا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تھے۔ ان پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی کے برابر میں جنازہ پڑھا۔ چار تکبیرات کہی گئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں دفن ہوئے۔

نظرت الی اقدام المشرکین: میں نے ان مشرکین کے قدم دیکھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں ہجرت کے وقت نکلے تھے۔ **الغار:** اس سے غار ثور مراد ہے جس کا تذکرہ اس آیت میں ہے: ﴿اذ هُما في الغار﴾ (التوبہ: ۴۰)

بقول فیروز آبادی یہ غار افضل ہے کیونکہ اس نے سید الرسل کی حفاظت کی اور اس کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے۔ بعض متاخرین نے کہا کہ ابتدائی وحی غار خراء سے ہوئی۔ آپ نے عبادت کیلئے اس کو چنا وہ افضل ہے۔ **وهم علي رؤوسنا:** مشرکین ہماری طلب میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اندھا کر دیا۔ سورج کی روشنی کو اندھا کیا دیکھتے۔ **لا بصرنا:** اگر ان کی نگاہ اپنے قدموں کی جگہ پر جائے تو درختوں کی ٹہنیوں اور مکڑی کے جالے میں سے ہمیں دیکھ لیں۔ اس سے وہ تنگ دروازہ مراد ہے جس سے داخل ہوئے۔ جب صدیق اکبرؓ نے عرض کیا اگر وہ داخل ہو جائیں تو پھر کیا بنے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا کہ ہم یہاں سے نکل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اپنی قدرت سے ایک دروازہ کھول دیا: (تقی الدین بن فہد نے کتاب اقطاف النور میں ذکر کیا ہے) اللہ ثالثهما بلحاظ نصرت واعانت ونگہبانی۔

النحو: یہ استفہام تقریری ہے اس سے صدیق اکبر کے اضطراب کو تسکین حاصل ہوئی۔

فائدہ: جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے اور تمام دشمنوں سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ تقی الدین کی کتاب میں واحدی کی سند سے حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود سننا ذکر کیا ہے۔

وثاني اثنين في الغار المنيف وقد ☆ طاف العدو به اذا صعد الجبلا

وكان حب رسول الله قد علموا   من الخلائق لم يعدل به رجلاً

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر تبسم فرمایا۔

وہ محفوظ غار میں دوسرے تھے جب کہ دشمن پہاڑ پر چڑھ آیا۔ ② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں تو لوگ جانتے ہیں کہ کوئی اس کی برابری نہیں کرسکتا۔

تخریج : أخرجه أحمد (۱/۱۱) وابن أبی شيبة (۷۱۲) والبخاری (۳۶۵۳) و مسلم (۲۳۸۱) والترمذی (۳۰۹٦) والبزار (۳٦) وأبو يعلی (٦٦) وابن حبان (۲٦۷۸) والطبری (۱۰/۱۳٦)

الفرائد : اس روایت میں جناب رسول اللہ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے متعلق کامل توکل کا تذکرہ ہے۔

۸۲ : عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اُمِّ سَلَمَةَ وَاسْمُهَا هِنْدُ بِنْتُ اَبِیْ اُمَيَّةَ حُذَيْفَةُ الْمَخْزُوْمِيَّةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا ، اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ : قَالَ : بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَیَّ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ، وَالتِّرْمِذِیُّ وَغَيْرُهُمَا بِاَسَانِيْدَ صَحِيْحَةٍ – قَالَ التِّرْمِذِیُّ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَهٰذَا لَفْظُ اَبِیْ دَاوٗدَ۔

۸۲ : حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا جن کا نام ہند بنت ابی امیہ حذیفہ مخزومیہ ہے روایت کرتی ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ اپنے گھر سے تشریف لے جاتے تو نکلتے وقت یوں دعا کرتے : بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ...... ''میں اللہ کا نام لے کر گھر سے نکلتا ہوں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میں اس بات سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں راستہ سے بھٹک جاؤں یا ہٹایا جاؤں یا پھسل جاؤں یا پھسلایا جاؤں یا میں کسی پر ظلم کروں یا ظلم کیا جاؤں یا جہالت کا ارتکاب کروں یا مجھ سے جہالت والا سلوک کیا جائے''۔ (ابوداؤد ' ترمذی)

تشریح ❀ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی ہند بنت ابی امیہ حذیفہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا۔ صحیح یہی ہے۔ ابن حجر نے اس بات کی تردید کی ہے کہ ان کا نام رملہ ہے۔ ابن اثیر نے بھی یہی لکھا ہے۔ (اسد الغابہ) ابوامیہ کا نام حذیفہ یا سہل یا زہیر یا ہشام بن مغیرہ بتلایا گیا ہے۔

۴ھ میں ان سے ان کے خاوند ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد نکاح کیا۔ انہوں نے تین دن کی باری کو ازواج میں اختیار کیا۔ انہوں نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں ان کے ہاں زینب' سلمہ' عمر' درہ کی پیدائش ہوئی۔ مدینہ میں پہلی ہودج نشین مہاجرہ ہیں۔ یہ انتہائی جمال والی زوجہ تھیں۔ ان کی مرویات ۳۷۸ احادیث ہیں۔ ۱۳ متفق علیہ ہیں۔ ۳ میں بخاری اور ۱۳ میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کی وفات ۶۲' ۶۴' ۶۰ یا ۵۹ھ میں ہوئی۔ ابن عساکر نے ۶۱ھ قرار دیا۔ تدفین بقیع میں ہوئی۔ ۹۰ سال کی عمر پائی۔ امہات المؤمنین میں سب سے آخر میں انہی کی وفات ہوئی۔

بسم اللّٰہ : میں الف کے لفظ کو اسم جلالہ کی طرف نسبت کے وقت حذف کیا جاتا ہے۔ اس کو سمین حلبی نے نقل کیا فراء کا یہی قول

ہے۔② سیوطی نے کسائی سے دیگر اسماء باری کے ساتھ حذف کا جواز لکھا ہے۔ (واللہ اعلم) **توکلت علی اللّٰہ:** ① یہاں علی اپنے حقیقی معنی استعلاء کی بجائے مجازاً تفویض کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔② یہ اپنے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہر مقصود پر بلندی کا طلب گار ہوں تا کہ اس کی اعانت ولطف اور حفاظت بغیر کسی کمی کے ساتھ رہے۔

اعوذ: میں پناہ مانگتا ہوں اور مضبوطی سے تھامتا ہوں۔ **بك:** آپ کی قدرت وعظمت کے ساتھ۔ **ان اضل** اس بات سے کہ بلند امور کو چھوڑ کر نقائص کا ارتکاب کروں اور کوتاہی کے سبب مقام عبودیت سے ہٹ جاؤں۔ یہ **ضلّ الماء فی اللبن:** (پانی دودھ میں غائب ہو گیا) کے لفظ سے نکلا ہے **او اُضِلّ:** یا دوسرا مجھے بھٹکا دے۔

اذ اخرج: نکلنے کا ارادہ کرتے یا نکلتے۔ ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں **ما خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم من بيتى الا رفع طَرُفَه الى اسماءِ فقال بسم الله توكلت على الله۔**

او ازل: ① یا میں سیدھی راہ سے خواہشات کے غلبہ کی وجہ سے گڑھے میں اتر جاؤں۔② اسباب تقویٰ سے منہ موڑ کر دنیا کے حصول میں مشغول نہ ہو جاؤں۔ جیسا کہ وہ آدمی جس کا قدم بلندی سے پھسلے اور وہ ڈھلوان میں جا گرے۔ معلوم ہوا یہاں تشبیہ کے لئے ہے۔

او اُزَلّ: ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ زاء کو فتحہ دیا گیا ہو ① یا مجھ پر ایسا شخص مسلط ہو جائے جو بلند مقام سے حقیر جگہ کی طرف گرا دے۔② مضموم کے بعد کسرہ دیا گیا ہو کہ میں دوسروں کو گناہوں کے گڑھے میں ڈالوں۔

اَظْلِمَ: یا میں دوسرے پر ظلم کروں۔ **ظلم:** دوسرے کے حق میں ناجائز تصرف کرنا یا کسی چیز کو اس کے مقام سے ہٹا دینا۔

اُظْلَمَ: یا بندوں میں کوئی مجھ پر ظلم کرے۔ **اَجْهَلَ:** مجھ پر لازم حق سے نادانی اختیار کروں۔ **او يجهل علي:** ایسی بات پر آمادہ کیا جاؤں جو میری عادت نہیں۔ حدیث میں ارشاد فرمایا: **من استجهل مؤمنا فعليه اثمه:** یعنی "جس نے کسی مسلمان کو ایسی بات پر ابھارا جو مؤمن کے اخلاق سے نہیں اور اس نے غصہ میں آ کر اس غلطی کا ارتکاب کر لیا تو اس کا گناہ انگیخت کرنے والے کو ہوگا"۔

یہ روایت منقطع ہے کیونکہ شعبی کا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں۔ البتہ حاکم نے ابن مہدی کی سند سے اس کی تصحیح کی ہے۔ یہ احمد' نسائی' ابن ماجہ' ابوداؤد کے الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ منقول ہے۔① **بسم الله توكلت على الله** کے الفاظ بعض روایات میں نہیں ② جبکہ بعض میں ماخرج۔ **اذ اخرج** کی جگہ ہے۔③ **رفع طرفه الى السماء** کا تذکرہ بعض میں آیا ہے۔④ بعض میں مفرد کے صیغے بعض میں جمع کے صیغے آئے ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو شرح الاذکار)

تخريج : أخرجه أبو داود (٥٠٩٤) والترمذى (٣٤٢٧) والنسائى (١: ٥٥) وفى اليوم والليلة (٨٥) وابن ماجة (٣٨٨٤) وإسناده صحيح۔

الفرائد : ① اللہ تعالیٰ طالب علم کا کفیل ہے۔② اللہ تعالیٰ علم کی وجہ سے اس کے گھر میں برکت ڈال دیتا ہے۔③ طلب علم طلب دنیا سے مقدم ہے۔④ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب علم کی نصرت فرمائی۔

٨٣ :عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "مَنْ قَالَ - يَعْنِىْ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ :

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ، يُقَالُ لَهُ : هُدِيتَ وَكُفِيتَ وَوُقِيتَ ، وَتَنَحَّى عَنْهُ الشَّيْطَانُ رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ ، وَالتِّرْمِذِيُّ : حَدِيثٌ حَسَنٌ ، زَادَ أَبُودَاوُدَ : فَيَقُولُ - يَعْنِي الشَّيْطَانَ - لِشَيْطَانٍ آخَرَ : كَيْفَ لَكَ بِرَجُلٍ قَدْ هُدِيَ وَكُفِيَ وَوُقِيَ ؟

۸۳: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھ لے: بِسْمِ اللّٰهِ ...... ''میں اللہ کا نام لے کر گھر سے نکلتا ہوں اور اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور معصیت سے پھرنا اور نیکی پر قوت اللہ کی ہی مدد سے مل سکتی ہے''۔ تو اس کو کہہ دیا جاتا ہے تو نے ہدایت پائی اور کفایت کر دیا گیا اور بچالیا گیا اور شیطان اس سے دور ہٹ جاتا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی) ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ ایک شیطان دوسرے شیطان کو کہتا ہے تیرا اس آدمی پر کس طرح قابو چلے گا جس کو ہدایت دی گئی اور وہ کفایت کر دیا گیا اور محفوظ کر دیا گیا۔

تشریح ۞ **بسم اللّٰه**: میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اور اپنا معاملہ اس کے سپرد کرتا ہوں۔ تمام احوال میں اسی کی مدد کا طالب ہوں۔

لا حول...... معصیت سے اسی کی عصمت سے بچا جا سکتا ہے اور طاعت کی قوت اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی مل سکتی ہے۔ مرقات میں اس کو جبرئیل کی سند سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد بتلایا گیا ہے۔ مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسند بزار میں اس طرح نقل کی ہے: **لا حول عن المعصية اللّٰه ولا قوة على طاعة اللّٰه الا بعون اللّٰه**۔ یہ طاعت ومعصیت دین میں اہم ترین معاملے ہیں اس لئے حول **و** قوت کے ساتھ ان کی تخصیص کی گئی۔

يقال له: اس کے قائل اللہ جل جلالہ ہوں یا فرشتہ۔

النحو: یہ جملہ موصول اسمی کی خبر ہے۔

هُديت و كفيت و وقيت: اللہ تعالیٰ کے نام کی مدد طلب کرنے اور اس کی حفاظت کی وجہ سے تو صراط مستقیم کی طرف ہدایت پا گیا اور ہر دنیوی واُخروی اہم کام میں تیری کفایت کر دی گئی اور ہر دشمن کے شر سے بچالیا گیا اس لئے کہ تو نے تمام امور میں اپنے آپ کو اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں صحیح سپرد کیا اور ہر ایک سے حول وقوت کو سلب کر کے اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کیا۔ جب بندہ یہ کرتا ہے تو شیطان اس کی راہ چھوڑ دیتا ہے اور ہدایت پر ہونے کی وجہ سے اسے کوئی موقعہ نہیں رہتا۔ وہ تمام دشمنوں سے بچالیا جاتا ہے اور مخفی وعیاں غموں سے کفایت کر دیا جاتا ہے۔

النحو: الشیطان الف لام عہدی منصوب بالمفعول ہے۔ یہ شیطان اغواء کا ارادہ کرنے والے شیطان کو کہتا ہے۔ کیف **لك**: تمہیں کیسے کامیابی میسر ہوگی۔

برجل قدهدى و كفى یہ جملہ فعلیہ رجل کی صفت ہے۔ یہ شیطان کا مقولہ بنے گا کہ اس آدمی کو اغواء کرنے میں تجھے کس **طرح** کامیابی ہو سکتی ہے۔ جس کو یہ صفات میسر ہوں مطلب یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کر لیتا ہے اس کو یہ چیز میسر آ جاتی ہے۔

اہم فائدہ: سیوطی نے اپنی جامع صغیر میں طبرانی کے حوالے سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت بریدہ سے نقل کر کے یہ اضافہ نقل کیا ہے اور یعنی: اوریبغی علی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث انسؓ مذکور حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ روات نے کسی سبب

کی وجہ سے کچھ حصے چھوڑ کر نقل کیے۔ واللہ اعلم۔

تخریج: ابوداؤد‘ ترمذی‘ نسائی‘ ابن حبان‘ طبرانی (جامع صغیر للسیوطی) یہ الفاظ ترمذی کے ہیں مگر تذکرہ محدثین کی عادت کے خلاف ابوداؤد کا کیا گیا ہے۔ شاید کہ ان کا رتبہ بڑا ہو۔

۸۴: وَعَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ اَخَوَانِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ اَحَدُهُمَا يَاْتِي النَّبِيَّ ﷺ وَالْاٰخَرُ يَحْتَرِفُ فَشَكَا الْمُحْتَرِفُ اَخَاهُ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهٖ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ۔

"يَحْتَرِفُ" يُكْتَسِبُ وَيَتَسَبَّبُ۔

۸۴: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بھائی تھے۔ ایک ان میں سے آپ کی خدمت میں حاضر رہتا اور دوسرا کمائی کرتا۔ اس کمانے والے نے اپنے بھائی کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ شاید تمہیں اسی کی وجہ سے رزق ملتا ہے۔ (ترمذی)

تشریح ۞ **يَحْتَرِفُ**: کمانا اور اسباب اختیار کرنا۔

کان اخوان: دو بھائی تھے ان کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ **یأتی مجلس النبی صلی اللہ علیہ وسلم**: وہ مجلس نبوی میں آ کر آپ کے معارف حاصل کرتا اور افعال و اقوال کو لیتا۔

یحترف: پیشہ کا کام کرنا۔ خشکا کام نہ کرنے کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیلے کمائی کرنے پر تسلی دیتے ہوئے فرمایا: **فعلك ترزق به**: شاید کہ تمہارا اس کی خبر گیری کرنا تمہارے رزق میں برکت کا سبب ہے کیونکہ جب تک بندہ اپنے بھائی کی معاونت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی معاونت کرتے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے **وھل ترز قول الا بضعفائکم** اس میں خبردار کیا گیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے سب سے کٹ جائے اور اپنی تدابیر کو چھوڑ کر اس کی تدابیر کے حوالہ کر دے اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات میں اس کے لئے کافی ہو جاتے ہیں۔ جیسا ارشاد ہے: **تکفل اللہ لطالب العلم بالرزق** یعنی اس کی ضروریات سہولت میسر آ جاتی ہیں۔

شرط شیخین کا مطلب: یہ ہے کہ ان رواۃ سے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت لی ہے۔

یحترف: ان اسباب کو اختیار کرتا ہے جو تصرفات الٰہیہ کے لئے پردے ہیں۔

فوائد: باب الیقین والتوکل

یقین: ثابت قدمی اور ایسے ایمان کو کہتے ہیں جس میں شک کا شائبہ بھی نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خبروں کو اس طرح دیکھے گویا وہ اس کے سامنے حاضر ہیں۔ یہ ایمان کا اعلیٰ درجہ ہے اور توکل اسی کا ایک ثمرہ ہے۔ یہ دنیا و آخرت کی راہوں میں سعادت مندی اور راحت کا باعث ہیں۔

آیت ① رأى المؤمنون غزوۂ خندق کے موقعہ پر جب پورے جزیرہ عرب کے کفار آپ کے خلاف چڑھ دوڑے اور ہر طرف سے لشکر لے کر مدینہ پہنچ گئے تو مدینہ کے لوگ دو قسموں میں بٹ گئے۔ ① منافقین اور کچے یقین والے لوگ کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے غلط وعدہ کیا کہ قیصر و کسریٰ فتح ہوں گے اب تو خود محاصرے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ② مخلص ایمان والوں نے کہا یہ بات اللہ اور اس کے رسول کے وعدہ کے مطابق ہے۔ یہ آیات اس موقعہ سے متعلق ہیں۔ دوسری جماعت کے ایمان و توکل کا اندازہ لگائیں اور پہلی پارٹی کی بے یقینی کی حالت زار ملاحظہ ہو۔ انسان کو چاہئے کہ وہ ہر دل کے ٹیڑھے ہو جانے سے خوف زدہ رہا ان القلوب بین اصبعین من الرحمن جس طرف چاہتا ہے پلٹتا ہے۔

آیت ② میں صحابہ کرام کے لئے بلا قتال کے غزوہ کا ثواب اخروی لکھ دیا گیا اور دنیوی فوائد سے بھی بہرہ یاب ہوئے۔ مؤمن کو ہر چھوٹے بڑے کام میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ وہ حی قیوم اور لا ینام و لا یموت ذات ہے۔

آیت ③ صحابہ کرامؓ کے ایمان میں اضافے کی دو وجوہ ہیں: ① ماضی و مستقبل کے جن غیوبات کی اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ان کی سچے دل سے تصدیق کرتے ہیں ② اللہ تعالیٰ کے احکامات کو قبول کر کے ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور منہیات سے باز رہتے ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت سے اگر ایمان میں پختگی پیدا نہ ہو تو اس مرض کا علاج موت جر سے قبل ضروری ہے۔

على انفسهم يتوكلون میں جار مجرور کو مقدم کرنا حصر کو ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ان کا بھروسہ ہے نہ کہ کسی اور پر جو اس ذات پر بھروسہ کر لیتا ہے وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ مما رزقناهم ينفقون یعنی اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں میں مال کو اس کے اوامر کے مطابق صرف کرتے ہیں۔ مال کا درست کمانا اور درست مقام پر صرف کرنا بھی ضروری ہے۔

الحدیث الاوّل:

سبعون الف والی روایت کے علاوہ ایک روایت میں وارد ہے کہ ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار افراد ہوں گے اس طرح انچاس کروڑ بنے گا یہ لوگ جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے۔

بعض شارحین نے لا يرقون کے لفظ خطاء قرار دیا کیونکہ مریض پر پڑھنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود ثابت ہے۔ سبقك بها عكاشه کے الفاظ شاندار انداز سے رد کرنے کا بہترین نمونہ ہے۔ شگون حرام ہے پرندوں، دنوں، مہینوں، آدمیوں میں سے کسی کے ساتھ بھی جائز نہیں یہ جاہلیت کے کاموں میں سے ہے۔

دراصل روایت کو امام نووی نے اس مقام پر ذکر کر کے واضح کیا کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس قدر بھروسہ ہے کہ بعض چیزیں مباح ہیں مگر وہ توکل کرتے ہوئے ان مباح چیزوں کو بھی استعمال میں نہیں لاتے یہ کمال توکل ہے جو آدمی کسی تکلیف پر صبر کر سکتا ہے تو یہ بہت اعلیٰ حالت ہے جیسا مجنون عورت جس کو صبر پر جنت کی بشارت زبان نبوت سے ملی۔

الثالث: بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یا نار كوني بردا فرمایا تو دنیا کی تمام آگیں ٹھنڈی ہو گئیں مگر یہ اسرائیلی حکایت ہے۔ نار سے وہ مخصوص نار ہی مراد ہے اسی کو خطاب ہے۔ جس میں ابراہیم علیہ السلام کو ڈالنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ واللہ اعلم۔

الخامس: انسان کو اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد کرنا چاہئے۔ ② ہر جاندار بلکہ ہر پرندے کا بھی رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ ③

جواللہ تعالیٰ پر صحیح توکل کرنے والا ہے وہ اسباب ضرور یہ کو ضرور اختیار کرے گا جیسے پرندے گھروں میں بیٹھنے کی بجائے تلاش رزق میں نکلتے ہیں اور دور دور سفر کر کے پھر شام کو واپس اپنے گھونسلوں میں لوٹتے ہیں۔

السابع: اور بھی کئی اذکار نیند سے پہلے بتلائے گئے ہیں جتنے پڑھے جائیں وہ خیر کا باعث ہیں۔اس دعا کو نیند سے پہلے کی آخری دعا بنالے۔

شواہد الباب

① **وعلى ربهم يتوكلون** کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرنے والے ہیں۔

② دوسری روایت میں **وعليك توكلت** کے الفاظ باب سے مناسبت رکھتے ہیں۔

③ تیسری روایت میں **حسبنا الله و نعم الوكيل** اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی کفایت وکالت میں دینا ہے اور توکل کی حقیقت بھی یہی ہے۔

④ **افئدتهم مثل افئدة الطير** سے پرندوں کے اپنے رزق کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ پر توکل کی طرف اشارہ کر کے جنت میں داخل ہونے والے متوکلین کے دلوں کی ان سے مشابہت ثابت کی گئی ہے۔روایت نمبر ۶ اس کی شاہد ہے۔

⑤ **من يمنعك مني** کے جواب میں اللہ فرمانا کمال توکل و بھروسہ کی دلیل ہے۔جس کی وجہ سے اس خوفناک منظر کا بھی آپ پر کوئی اثر نہ ہوا۔اس سے ثابت ہوا کہ جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے۔**فهو حَسْبُهٗ۔**

⑥ **لو انكم تتوكلون** کے الفاظ باب کے مناسب ہیں۔پرندوں کا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور رزق کے لئے ہاتھ پاؤں مارنا' سفر کرنا نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا یہی تو توکل ہے۔

⑦ **وفوضيت امرى اليك** توکل کی اصلیت یعنی مکمل طور پر اپنے آپ کے سپرد کرنا ہے۔

⑧ یہ مکمل واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال توکل کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

⑨ اس میں **بسم الله توكلت على الله** کے الفاظ خود توکل کی نشاندہی فرمائی گئی ہے۔

⑩ اس روایت میں بھی سابقہ روایت کے الفاظ ہی توکل علی اللہ کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

بعض روایات میں حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو آپ پر دہرایا تو انہوں نے نبیک کی جگہ رسولک پڑھا۔تو آپ نے نبیک کی تلقین فرمائی اس کی دو حکمتیں علماء نے ذکر فرمائی ہیں۔① رسول کا لفظ فرشتوں اور انسانوں دونوں کے لئے ہے اور نبی صرف انسانوں کے لئے خاص ہے۔② رسولک کہنے سے رسالت پر دلالت التزامی ہے اور نبی کہنے سے دلالت مطابقی ہے اور وہ قوی تر ہے۔

الثامن

حدیث میں آپ کا جواب یہ مذکور ہے: **ما ظَنُّك باثنين الله ثالثهما** اور قرآن مجید میں ﴿**لا تحزن ان الله معنا**﴾ (توبہ: ۴۰) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دونوں باتیں فرمائیں۔**ما ظنك** کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو ہمارے پکڑنے کی قدرت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو روک دے اس کو کوئی دے نہیں سکتا اور جس کو منع کر دے اسے کوئی دینے والا

نہیں۔ جس کو وہ عزت دے اس کو کوئی ذلت نہیں دے سکتا۔ مکڑی کے جالا تننے والی، کبوتری کے انڈے دینے کا قصہ کسی صحیح روایت میں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حفاظت قدرت الٰہی کی کارسازی تھی۔

التاسع

گھر سے نکلتے وقت ہی زبان و دل سے اللہ تعالیٰ پر توکل کا اظہار کرے اور مضبوطی سے اس کا دامن تھام لے۔

(خلاصۃ الشروح)

تخریج: صحیح الإسناد ۔ أخرجه الترمذی (۳۲۵۲) والحاکم فی العلم (۱/۳۲۰) والبغوی فی المشکوۃ (۵۳۰۸)

۸ :بَابٌ فِی الْاِسْتِقَامَةِ

باب ۷: استقامت کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ﴾ [هود: ۱۱۲]

''تم استقامت اختیار کرو جیسا تمہیں حکم ہوا''۔ (ھود)

وَقَالَ تَعَالٰی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ﴾ [حم السجدة ۳۰ ـ ۳۱]

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اس پر استقامت اختیار کی۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں یہ کہ نہ تم ڈرو اور نہ غم کرو اور تمہیں جنت کی خوشخبری ہو۔ وہ جنت جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ تمہارے لئے ہے جو تمہارے نفس چاہیں گے اور تمہیں ملے گا جو تم مانگو۔ یہ بخشنے والی اور رحم کرنے والی ذات کی طرف سے مہمانی ہے''۔ (حم السجدۃ)

وَقَالَ تَعَالٰی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

خَالِدِيْنَ فِيْهَا جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [الاحقاف:١٣-١٤]

''بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اس پر استقامت اختیار کی نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے وہ لوگ جنتی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ ان کے اعمال کا بدلا ہے''۔ (الاحقاف)

استقامت سیدھی راہ لازم پکڑنے کو کہا جاتا ہے جیسا اس آیت میں ہے: ﴿ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا﴾ (الفصلت: ۳۰) بعض عارفین کہتے ہیں کہ استقامت کے دو رکن ہیں: ① اللہ تعالیٰ پر ایمان ② جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اس کی ظاہر و باطن میں اتباع کرنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے استقامت یہ ہے کہ آدمی امر و نہی پر پختگی سے قائم رہے اور اس سے لومڑی کی طرح نہ کھسکے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اپنے رب کے دین پر استقامت اختیار کرو اور اس پر عمل پیرا ہو اور اس کی طرف بلاتے رہو جیسا اس نے حکم دیا۔ اس آیت میں امر تاکید کے لئے ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو یوم اول سے ہی استقامت اختیار فرمانے والے تھے۔ یہ اسی طرح ہے جیسا کہا جاتا ہے: قم حتی آتیك یعنی تو میرے آنے تک قیام میں مداومت اختیار کرو۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ سورۂ ہود میں آپ کو بوڑھا کرنے والی آیت فاستقم ہی ہے۔ ابوعلی شنوی نے نقل کیا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپؐ نے فرمایا: مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے جس نے بوڑھا کر دیا۔ اس میں انبیاء کے واقعات اور امتوں کی ہلاکت کا تذکرہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا: مجھے فاستقم كما امرت والی آیت ۱۱۲ نے بوڑھا کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ان الذين قالوا ربنا اللّٰه﴾ (الاحقاف: ۱۳۔۱۴) جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ تعالیٰ ہے پھر اس پر انہوں نے ان تمام چیزوں پر استقامت اختیار کی جن کو ماننا ضروری ہے۔ تنزل علیھم موت کے وقت ان پر فرشتے اترتے ہیں اور ان کو خوشخبری دیتے ہیں کہ موت اور اس کے مابعد والے احوال سے مت ڈرو۔ ولا تحزنوا اور اہل وعیال جن کو پیچھے چھوڑ آئے ہو ان کی وجہ سے غم نہ کرو ہم ان پر تمہارے نائب ہیں۔ وابشروا بالجنة...... ہم دنیا میں تمہارے محافظ رہے اور جنت میں داخلہ تک تمہارے ساتھ رہیں گے۔ ولکم فیها اور تمہارے لئے تمہاری من پسند چیزیں ہوں گی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس میں اشارہ کیا گیا ہے کہ دنیا میں تم نے مشکلات کا ذائقہ چکھا اب جنت میں اس کی جگہ عیش ہوگا۔ اس میں تشتھی اور تدعون کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ ما تدعون: سے مراتب میں فرق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس میں یہ بات ظاہر ہے کہ ہر نفس کن کن راہوں پر جاتا ہے۔ نزلاً: تیار رزق۔

النَّحْوُ: یہ جعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ من غفور رحیم یہ بخشنے اور رحم کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے جب پہلی مہمانی اس انداز کی ہے تو بعد میں آنے والی کا کیا کہنا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا اچھا خاتمہ فرمائے۔

ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ یعنی ایمان لائے اور اس کو وحدہ لاشریک مانا۔ استقاموا: اس پر اعتدال اختیار کیا اور اس پر موت تک مداومت کی اور کتاب وسنت کی اتباع کی۔ فلا خوف ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے وہی جنت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جائیں گے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لن یدل احدکم الجنة بعمله۔

خالدین فیھا: یہ حال مقدر ہے اور جزاء فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای یجزون جزاءً ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا

جائے گا۔

۸۵ :وَعَنْ اَبِیْ عَمْرٍو وَقِیْلَ اَبِیْ عَمْرَةَ سُفْیَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَتْ قُلْتُ:یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قُلْ لِّیْ فِی الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْاَلُ عَنْهُ اَحَدًا غَیْرَكَ- قَالَ :"قُلْ : اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۸۵:حضرت ابوعمرو اور بعض نے کہا ابوعمرہ سفیان بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ مجھے اسلام کے متعلق ایسی بات بتلائیں کہ اور کسی سے آپ کے علاوہ میں سوال نہ کروں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:تم کہو اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر استقامت اختیار کرو"۔(مسلم)

تشریح ابوعمرو یا ابوعمرۃ ان کا نام سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ ہے۔یہ اہل طائف سے شمار ہوتے ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے طائف کے عامل رہے۔یہاں تک کہ عثمان بن ابی العاص نے ان کو منتقل کر کے بحرین کا عامل بنا دیا۔

مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے ان سے یہ روایت نقل کی ہے۔

الاسلام: سے دین وشریعت مراد ہے۔قولا ایسی بات جو دین کے مفہوم کو اس طرح واضح کر دے کہ اور کسی سے وضاحت کی ضرورت نہ پڑے اور میں اس پر عمل کرتا ہوں اور وہ میرے لئے اس طرح کافی ہو کہ انتہائی وضاحت اور احاطہ وشمول کی وجہ سے مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہو۔آپؐ نے فرمایا:امنت باللہ کہو یعنی اپنے دل میں یاد رکھتے ہوئے زبان سے بھی اس حالت میں کہو کہ ایمان کی شرعی تفاصیل متحضر ہوں۔ثم استقم پھر اس میں ذرہ بھر ٹیڑھ نہ آنے پائے۔یہ روایت ماقبل آیت کی بالکل موافقت کر رہی ہے۔

تخریج: کتاب الایمان مسلم، احمد، دارمی، ابن حباب، طبرانی کبیر مختارہ، حاکم، شعب الایمان للبیہقی، مکارم اخلاق خرائطی۔

نووی کہتے ہیں یہ ان احادیث میں سے ہے جن پر اسلام کا مدار ہے۔

الفرائد : ① اللہ تعالیٰ کو استقامت علی الدین بہت پسند ہے۔② یہ جوامع الکلم ہے۔③ اس روایت میں آیت:﴿فاستقم کما اُمرت ......﴾ کے مفہوم کو سمیٹ کر بیان کیا گیا ہے۔④ کسی کام کو کرتے ہوئے تحت الشعور میں یہ خیال کرے کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کے لئے انجام دے رہا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے انجام پذیر ہوگا۔

۸۶ :وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "قَارِبُوْا وَسَدِّدُوْا ، وَاعْلَمُوْا اَنَّهٗ لَنْ یَّنْجُوَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ بِعَمَلِهٖ قَالُوْا :وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ :وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ

"وَالْمُقَارَبَةُ" اَلْقَصْدُ الَّذِیْ لَا غُلُوَّ فِیْهِ وَلَا تَقْصِیْرَ - "وَالسَّدَادُ" اَلْاِسْتِقَامَةُ وَالْاِصَابَةُ۔
"وَیَتَغَمَّدُنِیْ" یَلْبِسُنِیْ وَیَسْتُرُنِیْ - قَالَ الْعُلَمَآءُ :مَعْنَی الْاِسْتِقَامَةِ لُزُوْمُ طَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی قَالُوْا :
وَهِیَ مِنْ جَوَامِعِ الْکَلِمِ وَهِیَ نِظَامُ الْاُمُوْرِ، وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ.

۸۶: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میانہ روی اختیار کرو اور سیدھے رہو اور یقین کرلو کہ تم میں سے کوئی شخص صرف اپنے عمل سے نجات نہیں پا سکتا۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔یارسول اللہ کیا آپ بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں بھی نہیں! مگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت وفضل سے ڈھانپ لیں گے۔(مسلم)

اَلْمُقَارَبَةُ : میانہ روی جس میں کسی طرف کمی واضافہ نہ ہو یعنی راہ اعتدال۔
اَلسَّدَادُ :استقامت و درستگی۔
یَتَغَمَّدُنِیْ :مجھے ڈھانپ لیں گے۔
استقامت کا مطلب علماء کی رائے میں یہ ہے اللہ کی اطاعت کو لازم پکڑنا۔یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم میں سے ہے اور معاملات میں انتظام کی جڑ ہے۔(وباللہ التوفیق)

انہ :ہٗ کی ضمیر شان ہے۔ولا انت اور کیا آپ بھی اپنے عمل کے سبب نجات نہ پائیں گے۔

اَلنَّحْوُ :① فعل حذف کر دیا فقط ضمیر فصل لائے۔② خبر محذوف ہے اے ناج بعملك ولا انا ① لا انجو یا ② ولا انا ناج بالعمل۔ یتغمدنی اللّٰه: یہ غمدات السیف سے نکلا ہے کہ میں نے اس کو میان میں ڈالا یعنی اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لیں گے۔امام نووی کہتے ہیں اہل سنت کے ہاں یہ ہے کہ ثواب وعذاب اور حکم شرعی عقل سے ثابت نہیں ہوسکتا بس شرع سے ہی ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں بلکہ دنیا و آخرت اس کی ملکیت ہے وہ جیسے چاہے کرے اور جو چاہے حکم دے۔اگر تمام اطاعت گزاروں کو عذاب دے اور آگ میں داخل کر دے تو پھر بھی عدل ہی ہے اور اگر کفار کو انعامات دے کر جنت میں داخل کر دے تو یہ اس کا اختیار ہے لیکن اس سے مخبر صادق کے ذریعہ خبر دی جا رہی ہے کہ وہ ایمان والے کو بخش دیں گے اور جنت میں اپنی رحمت سے داخل فرمائیں گے اور کفار کو عذاب دیں گے اور آگ میں داخل فرمائیں گے اور یہ اس کا عدل ہے۔یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی شخص اپنی طاعت کے سبب جنت کا حقدار نہیں۔رہی یہ آیت ﴿ادخلوا الجنه بما کنتم تعملون﴾ (النحل :۳۲) وغیرہ دیگر آیات جن میں اعمال کو دخول جنت کا سبب بتلایا گیا ہے تو ان کا اس روایت سے تعارض نہیں بلکہ آیات کا مطلب یہ ہے کہ دخول جنت کا سبب اعمال ہیں پھر اعمال اور ان میں اخلاص اور قبولیت اس کا دارومدار محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل پر ہے۔پس یہ کہنا بھی درست ہوا کہ فقط عمل سے کوئی جنت میں نہ جائے گا۔اس روایت کی یہی مراد ہے اور یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اعمال ہوئے جو جنت میں داخلے کا سبب بنے۔(نووی شرح مسلم)

② عارف باللہ ابن ابی جمرہؒ نے فرمایا حکمت الٰہی کے تقاضے سے جس طرح دوسرے اسباب عادیہ ہیں اسی طرح اعمال بھی اسباب عادیہ سے ہیں۔دخول جنت میں اس کا کوئی اثر نہیں۔پس نفی تاثیر کے لحاظ سے ہے۔یعنی حقیقی طور پر جو چیز دخول

جنت میں موثر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے نہ کہ اعمال۔ وہ تو اسباب صوریہ ہیں جن کا تقاضا حکمت الٰہیہ نے کیا۔ اس لئے ان کی طرف اسنادسبب صوری ہونے کے لحاظ سے ہے۔
اس کے دیگر جواب باب بیان طرق الخیر میں آئیں گے۔
نکتہ ① ابو جمرہ کہتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مخلوق میں کسی کو بھی اللہ تعالیٰ کا پورا حق ادا کرنے کی قدرت نہیں اور یہ بات ولا انا: سے ماخوذ ہے جب خیر الخلق ہستی کا یہ حال ہے تو دوسرا کون ایسا ہو سکتا ہے؟ جب اس پر گہری نگاہ ڈالو گے تو تمہیں حقیقت کا ادراک ہو جائے گا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہم پر ان انعامات کے شکریہ کا مطالبہ کیا جو انعامات ہم پر فرمائے اور ہم اس سے عاجز رہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ایسے انعامات بھی ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ﴿اِنْ تعدُّوا نعِمتَ اللّٰہِ لا تُحصوھا﴾ (الابراہیم: ۳۴) شکریہ تو درکنار۔ پس اب تو وہی بات رہ گئی جس کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی کہ الا ان یتغمدنی اللّٰہ برحمتہ آخری سہارا رحمت ہی کا رہ گیا۔
غلو: مامور بہ میں حد سے بڑھنا اور اس میں اضافہ کرنا۔ تقصیر: کمی و کوتاہی کرنا۔ السراد: قول و عمل اور مقصد میں درست چیز کو پانا۔ یہی استقامت ہے۔
یلبنی و یسترنی: یہ دونوں لفظ تغمد کی طرح با سے متعدی ہوتے ہیں اگر چہ یہ ہر جگہ لازم نہیں۔ بعض علماء نے کہا وہ بلند درجہ جس سے معارف و احوال کامل ہوتے ہیں اور اعمال میں صاف دلی حاصل ہوتی ہے اور بدعت و گمراہی کی فضولیات سے عقائد نکھرتے ہیں۔ علامہ قشیری فرماتے ہیں جو اپنے حالت میں مستقیم نہ ہو اس کا عمل ضائع ہو گیا اور محنت اکارت گئی۔
یہ بھی منقول ہے کہ اس کی طاقت بڑے اکابر ہی رکھتے ہیں کیونکہ اس میں مالوفات کو خیر باد کہنا پڑتا ہے اور رسوم و عادات سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ حقیقی میں سچائی سے کھڑا ہونا پڑتا ہے اور اس کے مشکل ہونے کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی استقیموا و لن تطیقوا: (احمد)
تخریج: أخرجه مسلم (۳۸)
الفرائد: ان آیات باب سے معلوم ہوتا ہے کہ استقامت کا دین میں بڑا مقام و مرتبہ ہے۔ استقامت والے نہ دین میں کمی کرتے ہیں نہ اضافہ نہ وہ غلو میں مبتلا ہوتے ہیں نہ تفریط کی طرف جاتے ہیں بلکہ وہ تمام امور میں اعتدال برتنے والے ہیں۔
روایت ۱: آدمی جب کوئی عمل کرے تو اللہ تعالیٰ کی خاطر اخلاص سے کرے اللہ تعالیٰ کی مدد پر کامل بھروسے سے کرلے اور شریعت کی حدود کا پاس رکھتے ہوئے کرے۔
روایت ۲: انسان اپنے عمل کے متعلق خود پسندی میں مبتلا نہ ہو خواہ وہ عمل کتنا بڑا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حق کے مقابلہ میں وہ چھوٹا ہے۔ ② عمل میں برکت و قوت رحمت باری تعالیٰ سے ہی ہوتی ہے۔ ③ صحابہ کرامؓ علم کے لئے بہت حریص تھے۔ ④ آدمی کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت ہی کی طلب ہونی چاہئے۔ (خلاصہ الشروح)

۹ :بَابٌ فِی التَّفَکُّرِ فِی عَظِیْمِ مَخْلُوْقَاتِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَفَنَاءِ الدُّنْیَا وَاَھْوَالِ الْاٰخِرَۃِ وَسَائِرِ اُمُوْرِھِمَا وَتَقْصِیْرِ النَّفْسِ وَتَھْذِیْبِھَا وَحَمْلِھَا عَلَی الاِسْتِقَامَۃِ

باب ۶ : اللہ تعالیٰ کی عظیم مخلوقات میں غور وفکر کرنا' دنیا کی فنا' آخرت کی ہولناکیاں اوران کے دیگر معاملات اورنفس کی کوتاہیاں اوراس کی تہذیب اوراستقامت پراس کوآمادہ کرنا

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّمَا اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَۃٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰہِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَکَّرُوْا﴾ [سبا:٤٦]

''بیشک میں تمہیں ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور ایک ایک پھر غور و فکر کرو''۔(سبا)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ﴾ [آل عمران:١٩٠-١٩١]

''بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لئے نشانیاں ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے' بیٹھے اور کروٹ کے بل لیٹے ہوئے اور آسمان و زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (پھر بے اختیار بول اٹھتے ہیں) اے ہمارے رب ہمارے تو نے ان کو بے کار نہیں بنایا تو پاک ہے''۔(آل عمران)

الْاٰیٰتِ

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ فَذَکِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَکِّرٌ﴾ [الغاشیة:١٧-٢١]

''کیا وہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کئے گئے اور آسمان کو کہ کس طرح بلند کئے گئے اور پہاڑوں کو کہ کس طرح گاڑ دیئے گئے اور زمین کو کس طرح بچھادی گئی۔ آپ نصیحت فرمائیں آپ نصیحت کرنے والے ہیں''۔(الغاشیہ)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا﴾ [محمد:١٠]

''کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ وہ دیکھیں''۔ (محمد) الآیہ۔

الْاٰیَة : وَالْاٰیَاتُ فِی الْبَابِ کَثِیْرَةٌ - وَمِنَ الْاَحَادِیْثِ الْحَدِیْثُ السَّابِقُ - اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ''۔

آیات اس سلسلہ میں بہت ہیں۔

باقی احادیث تو گزشتہ باب والی روایت ''اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ'' اس کے مناسب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظیم مخلوقات جیسے عرش' کرسی' آسمان' زمین کے متعلق اپنی فکر کو جولانی دینی چاہیے۔ حدیث میں وارد ہے کہ آسمان وزمین اور ان کے مابین عرش کے مقابلہ میں اس طرح ہیں جیسے بڑے وسیع میدان میں ایک انگوٹھی۔ عرش اور یہ عظیم مخلوقات خالق کی عظمت وقدرت اور کمال پر دلالت کرتی ہیں اور دنیا کے فناء اور برباد ہونے کے متعلق سوچنا چاہیے جیسا کہ ارشادِ باری ہے: ﴿واضرب لهم مثل الحياة الدنيا﴾ (الکھف: ۴۵) یہ چیز دنیا میں زہد اختیار کرنے اور اس کے دھوکے سے بچنے اور آخرت کی طرف توجہ کا ذریعہ بنے گی۔ لسان نبوت نے فرمایا: کونوا ابناء الآخرہ ولا تکونوا ابناء الدنیا اگر بندے کو اللہ تعالیٰ بندے کو غیروں سے خالص کر کے اپنے لئے خاص کر لے تو زہے نصیب۔ اهوال الآخرہ: میں تفکر وہاں کے شدائد کو سامنے لائے جیسا فرمایا: ﴿يوم ترونها تذهل كل مرضعة﴾ (الحج: ۲) اور فرمایا: ﴿يومًا يجعل الولدان شيبًا﴾ (المزمل: ۱۷) اس سے انسان میں تقویٰ اور اطاعت مولیٰ پیدا ہوگی جس کی وجہ سے دارین کے کرب سے نجات پا جائے گا اور احسان کا بدلہ پائے گا۔ جیسا فرمایا: ﴿هل جزاء الاحسان الا الاحسان﴾ (الرحمان: ۶۰) سائر امور کہ دنیا کے تمام احوال فناء کے گھاٹ اترنے والے اور آخرت کے اہوال خوفناک ہیں۔ تقصیر النفس اور تذکرہ موت سے نفس کا امید لگائے بیٹھنا۔ تهذیبها اور نفس کو اہوال آخرت کا تذکرہ کر کے برے اخلاق سے روکے اور آخرت کی شدت وسختی یاد دلائے۔ وجعلها اور استقامت پر نفس کو آمادہ کر کے یہ بات یاد دلائے کہ طاعت میں ثواب کا وعدہ محض فضل کی وجہ سے ہے اور گناہ پر سزا بطور عدل ہے۔

اور یہ چیز بندے کو اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو جائے اور کتاب وسنت کی پیروی سے میسر آ سکتی ہے اگر کوئی صحیح شیخ مربی میسر آ جائے جو نفس کو رعونتوں سے قسم قسم کی عبادات کے ذریعہ مہذب بنائے تو یہ بہت مناسب ہے۔ ما لا يدرك كله لا يترك كله۔

آیت نمبرا: ﴿انما اعظكم بواحدة﴾ (السباء: ۴۶)

ان تقوموا: تم کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی خاطر دودو' ایک ایک کر کے اٹھو۔

ثم تتفكروا: ① پھر آسمان وزمین میں غور کرو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ان کا خالق ایک ہی ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے یہاں کا کلام تام ہو گیا اور

النحو: ما بصاحبكم: یہ جملہ ابتدائیہ ہے۔ یہ ایک رائے ہے۔

② دوسرا قول یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت پر غور کرو۔ ہر ایک سوچے اور اپنی سوچ دوسرے کے سامنے لائے تا کہ انصاف سے نگاہ ڈال سکیں اور خواہشات ان کو کسی طرف نہ جھکائیں ہر ایک خدا لگتی کہے کہ اس انسان میں جنون کا کوئی

شائبہ بھی ہے۔ یا اس نے کبھی جھوٹ بولا ہے اس سے تم جان لو گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون نہیں بلکہ وہ قریش میں سب سے زیادہ راجح عقل والے ہیں اور حلم میں سب سے زیادہ حلیم اور ذہن میں سب سے زیادہ ثاقب ذہن والے ہیں جس پر لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں۔ جب تمہیں یہ بات معلوم ہوگئی تو اب ان سے نبوت پر نشانی طلب کرو اگر وہ پیش کر دے تو وہ دعویٰ نبوت میں سچے ہیں۔

آیت نمبر۲: ﴿ان فی خلق السمٰوٰت﴾ (آل عمران: ۱۹۰۔۱۹۱) بلاشبہ آسمان و زمین کی پیدائش میں صانع کے وجود اور اس کی وحدانیت اور کمال علم و قدرت پر بہت سے واضح دلائل موجود ہیں۔ یہ دلائل ان لوگوں کے لئے کام دینے والے ہیں جن کی عقول حسن و وہم کی ملاوٹوں سے پاک ہیں۔

اس آیت میں تین باتوں پر اکتفاء کیا گیا ہے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ استدلال کا مرکزی نکتہ تغیر پذیری ہے اور یہ ان تمام انواع میں پائی جاتی ہے۔ ① براہ راست اس میں پائی جائے جیسے لیل و نہار۔ ② کسی جزء میں پائی جائے خواہ کسی عنصر کے بدلنے سے صورت بدلے۔ ③ اس کے خارج میں ہو مثلاً افلاک میں تبدیلی ان کے اوضاع کی تبدیلی کے باعث ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ وہ آدمی ہلاک ہوا جس نے ان آیات کو پڑھا مگر ان میں غور نہ کیا۔ (ابن حبان)

الذین یذکرون اللّٰہ: ① تمام احوال قیام و قعود اضطجاع میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے ہیں۔ ② دوسرا قول یہ ہے کہ اپنی طاقت و ہمت کے مطابق ان حالات میں نماز ادا کرتے ہیں۔

یتفکرون: آسمان و زمین میں سوچنا استدلال و عبرت کے لحاظ سے ہے اور یہ افضل ترین عبادت ہے۔ ابن حبان نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لا عبادۃ کالتفکر** اس کی وجہ یہ ہے کہ اسکا تعلق دل سے ہے اور مخلوق کا یہی مقصد ہے۔ ثعلبی نے غیر معروف سند کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ آدمی بستر پر لیٹا تھا اس نے آسمان اور ستاروں کی طرف نگاہ دوڑائی اور کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا ایک رب اور خالق ہے۔ اے اللہ مجھے بخش دے اللہ تعالیٰ نے اس پر نگاہ کرم کی اور اس کو بخش دیا۔

حضرت ابن عباس اور ابو درداء رضی اللہ عنہم نے فرمایا: ایک گھڑی کی سوچ ایک رات کے قیام سے بہتر ہے۔ حسن بن ابی الحسن فرماتے ہیں۔ **الفکر مرأۃ المؤمن فینظر فیھا الی حسناتہ سیاتہ** "سوچ مومن کا آئینہ ہے جس میں وہ اپنی حسنات و سیئات دیکھتا ہے"۔ سری سقطی کہتے تھے: **الفکرۃ خیر من عبادۃ سنۃ** ایک مرتبہ کی سوچ ایک سال کی عبادت سے بہت بہتر ہے۔ بس اتنی سی دیر ہے کہ تو اپنے خیمہ کی طناب کھولے گا اور جنت میں جا اترے گا۔

ابو عطیہ نے تفسیر میں بعض علمائے مشرق سے نقل کیا کہ میں مصر کی ایک مسجد میں مقیم تھا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنی چادر تانے لیٹا تھا۔ صبح تک اس کا حال اسی طرح رہا۔ ہم رات جاگ کر نماز پڑھتے رہے۔ جب فجر کی جماعت کھڑی ہوئی تو وہ اٹھ کر قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ میں اس کی اس جرأت پر حیران تھا کہ اس نے بلا وضو نماز ادا کی۔ نماز کے بعد میں اس کے پیچھے چلا تا کہ اس کو نصیحت کروں جب اس کے قریب ہوا تو وہ یہ شعر گنگنا رہا تھا۔

منسجز الجسم غائب حاضر ☆ منتبسہ القلب صامت ذاکر

منقبض فی العیون منبسط ☆ کذالك من کان عارفًا فاکر
یبیت فی لیلة افافکر ☆ فھو مدی اللیل قائم ساھر

یعنی فکر مند انسان ساری رات لیٹا فکر میں رات گزار دیتا ہے۔ عارف فکر مند ہوتا ہے میں لوٹا اور سمجھ گیا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جو قدرت الٰہی میں طویل راتیں سوچتے ہوئے گزار دیتے ہیں۔

النحو: ربنا ما خلقت یہ یتفکرون کے فاعل سے حال ہے۔ جبکہ یہ مقولہ قرار دیں ھذا کا مشار الیہ ① جس کے متعلق سوچا جائے ② مخلوق ③ آسمان وزمین۔ کیونکہ یہ دونوں بھی مخلوق ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اے اللہ آپ نے اس کو فضول بے کار بلا حکمت پیدا نہیں فرمایا بلکہ اس میں عظیم حکمتیں ہیں۔ ① وجود انسانی کا مبداء ہے۔ ② انسان کا معاش کا سبب ہے۔ ③ اللہ تعالیٰ کی پہچان کرانے والی دلیل ہے۔ ④ انسان کو حیات ابدیہ اور سعادۃ سرمدیہ پر ابھارنے کا باعث ہے۔

سبحانك یہ جملہ معترضہ ہے کہ آپ عبث وخلق باطل سے منزہ و پاک ہیں۔

یہ آیات انك لا تخلف المیعاد تک پڑھی جاتی ہے اقرب الی الصواب یہی ہے۔ آخر سورت تک کا بھی احتمال ہے۔

دعا میں ربنا کو پانچ مرتبہ دہرایا کہ گڑگڑانے میں مبالغہ اور جس سے مانگا جارہا ہے اس کا بلندشان والا ہونا بھی ظاہر کرنا مقصود ہے۔ بعض آثار میں منقول ہے کہ پانچ مرتبہ جس نے دعا میں کہا اللہ تعالیٰ اس کو اس کی مراد دے دیتے ہیں اور خوف سے محفوظ کر دیتے ہیں دلیل میں پھر یہ آیات تلاوت کیں۔

آیت نمبر ۳: افلا ینظرون یہاں دیکھنے سے عبرت کا دیکھنا مراد ہے۔

کیف خلقت یعنی یہ تخلیق اس کے کمال قدرت اور حسن تدبیر پر دلالت کررہی ہے۔ اس میں عجیب وغریب خصوصیات ہیں۔ بڑا جسم دیا' بھاری بوجھ لے کر اٹھ جانے والا' بیٹھ جانے والا بنایا' اس کی گردن طویل بنائی تاکہ بوجھ کے باوجود اِدھر اُدھر پلٹ سکے' ہرا گنے والی چیز کو چر لیتا ہے۔ دس دس دن تک پیاس کو برداشت کر جاتا ہے۔ سنسان جنگل اسی پر طے ہوتے ہیں۔ اس کے فوائد بہت ہیں (حیوۃ الحیوان دمیری ملاحظہ کریں) اس کو خاص طور پر آیات میں ذکر فرمایا: سواریوں میں اعلیٰ ترین اور عظیم ترین سواری ہے۔ عرب کے علاوہ پوری دنیا کے ممالک میں جانا پہچانا جانور ہے۔ بعض نے اس سے بطور استعارہ بادل مراد لئے۔ مگر یہ بعید معنی ہے۔

والی الارض: زمین کو پھیلایا یہاں تک کہ بچھونے کی طرح بن گئی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم قسم کی مخلوقات پر غور کرو کہ اس نے بچھونے اور سواریاں بنائیں جن سے قدرت الٰہی نمایاں ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ بعث بعد الموت کا انکار نہ کریں۔ اسی لئے معاد کا معاملہ اس کے بعد لایا گیا ہے اور تذکیر والے سلسلہ کو اس پر مرتب فرمایا۔ فذکر: زمخشری کہتے ہیں اگر ابل کی تفسیر سحاب سے کی جائے تو اس میں تشبیہ اور مجاز ہے اور اگر اس سے اونٹ مراد لئے جائیں تو اس کے اور آسمان' زمین' پہاڑ میں مناسبت کی دوصورتیں ہیں۔ ① قرآن مجید لغت عرب میں اترا وہ سفر میں رہتے۔ مسافر بعض اوقات اکیلا بھی رہ جاتا ہے جب انسان اکیلا ہو تو چیزوں میں غور کرتا ہے۔ جب وہ سوچے گا تو سب سے پہلے اس کی نگاہ اپنے اونٹ پر پڑے گی کہ اس کا منظر خوبصورت کئی امور کو جامع ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو ظاہر کرتے ہیں۔ اگر وہ اوپر کی طرف دیکھے تو آسمان اور نیچے

دیکھے تو زمین اور پہلو کی طرف نگاہ ڈالے تو پہاڑ دیکھتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اسے خلوت کے وقت نگاہ عبرت ڈالنے کا حکم دیا تا کہ حسد و تکبر کا شکار نہ ہو۔

۲ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے صانع ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ البتہ ان میں بعض اشیاء نفس کو ابھارنے والی ہیں مثلاً اچھی صورتیں، عمدہ لباس، تفریح، ان کی یہ خوبصورتی بسا اوقات ان میں نگاہ عبرت سے مانع بن جاتی ہیں۔

ان میں سے بعض اشیاء ایسی ہیں جن میں شہوات انسانی کا کوئی حصہ نہیں پس ان پر نگاہ ڈالنے کا حکم دیا کیونکہ ان میں کامل عبرت کی نگاہ سے کوئی مانع نہیں۔

آیت نمبر ۴: ﴿افلم یسیروا فی الارض﴾ کیا وہ دنیا میں چلے پھرے نہیں کہ ابناء دنیا کے حالات کی تبدیلی اور وجود کے بعد ان کی تباہی اور کمال کے بعد زوال کو نگاہ عبرت سے دیکھتے۔ تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ حی قیوم اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور دوسرے فناء کے گھاٹ پر اترنے والے ہیں۔ پس انہیں نہ تو دنیا کی طرف جھکنا چاہئے اور نہ اس کی رونق پر مرنا چاہئے اور نہ اس کی لذات و شہوات میں منہمک ہونا چاہئے اور اس چیز سے غفلت نہ برتنی چاہئے جس کے لئے ان کو پیدا کیا گیا یعنی اپنے مولیٰ کی بندگی اور طاعت۔ اسی میں ان کی سعادت و کمال ہے۔

النحو: الایۃ اقرء کا مفعول ہے۔ ۲ مبتداء اور خبر محذوف ہے۔ ۳ المستدل بہ الایۃ۔

الحدیث السابق الکیس من دان نفسه: آدمی کا اپنے نفس کا محاسبہ کرنا اور اس کو مہمل نہ چھوڑنا وہ دنیا کی بے ثباتی اور نفس کے انتقال پر غور کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ محاسبے سے نفس کو وہ مناہی سے روکے گا اور اوامر پر چل کر رضاء الٰہی پائے گا۔

۱ جب بھی کوئی کام اللہ تعالیٰ کی خاطر کرے یہ سوچنا چاہئے آیا یہ کام مطلوبہ طریقہ پر ہوا ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی تو نہیں رہ گئی، اس عمل سے مجھے طہارت قلب اور تزکیہ نفس میں کوئی چلی حاصل ہوئی ہے یا نہیں؟ اسے عادت سمجھ کر تو انجام نہیں دیا گیا۔ اس کی ادائیگی کے وقت نفس میں اس کے متعلق کراہت تو نہ تھی مثلاً بہت سے لوگ نماز پڑھتے ہوئے یہ نہیں جانتے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب ملتا ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ ادا کرتے ہوئے یہ سوچ نہیں رکھتے کہ اس سے نفس کی پاکیزگی ملی ہے۔ اسی طرح دیگر اعمال۔

۲ اولی الالباب کون ہیں؟ جن میں مذکورہ صفات پائی جاتی ہیں۔ باقی رہی عقل تو وہ ذہانت کا نام نہیں بلکہ صحیح عقل وہ ہے جو انسان کو غلط تصرف سے روک لے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اختیار کو استعمال کرنے والی عقل درست عقل ہے۔

۳ ذکر کی دو قسمیں ہیں: ۱ ذکر مطلق ہر وقت اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا۔ ۲ میداس میں نمازوں کے اذکار اور مختلف اوقات کی دعائیں سب شامل ہیں۔ پھر ذکر میں زبان و دل شریک ہوں تو یہ کامل ذکر ہے اور فقط زبان سے قلبی غفلت سے ذکر کرنا یہ ناقص ہے لیکن ذکر کسی حال میں بھی محروم نہیں۔ (الشرح)

۱۰: بَابٌ فِي الْمُبَادَرَةِ إِلَى الْخَيْرَاتِ وَحَثِّ مَنْ تَوَجَّهَ لِخَيْرٍ عَلَى الْإِقْبَالِ عَلَيْهِ بِالْجِدِّ مِنْ غَيْرِ تَرَدُّدٍ!

بَابٌ: نیکیوں میں جلدی کرنا اور جو آدمی کسی خیر کی طرف متوجہ ہو اس کو چاہئے کہ بلا تردد خیر کی طرف کوشش سے متوجہ رہے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ [البقرة:١٤٨]

''بھلائی کے کاموں میں سبقت کرو''۔(البقرة)

وَقَالَ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَسَارِعُوْا إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

[آل عمران:١٣٣]

''اور تم اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف جلدی کرو جس کی چوڑائی آسمان و زمین ہے۔وہ متقین کے لئے تیار کی گئی ہے''۔(آل عمران)

المبادرة: اچھے کاموں میں جلدی کرنا اور اس آدمی کو آمادہ کرنا جو بھلائی کی طرف متوجہ ہو کہ وہ عزم بالجزم کے ساتھ اس کو انجام دے۔اور اس میں متردد نہ ہو۔

آیت نمبر ۱ فاستبقوا الخیرات: بھلائی کے کاموں میں جلدی کرو یعنی ان کو اولین فرصت میں کرنا چاہئے تا کہ رہ نہ جائیں۔

آیت نمبر ۲: وسارعوا الی مغفرة: مغفرت سے مراد وہ اعمال ہیں جو مغفرت کو سچے وعدے کے ذریعہ لازم کرنے والے ہیں۔سارعوا: توبہ کی طرف جلد کرو۔ ② فرائض کی ادائیگی میں جلدی کرو۔ ③ مغفرت کو لازم کرنے والے اعمال کی طرف جلدی کرو۔ ④ ہجرت کی طرف جلدی کرو۔ ⑤ جنت کی جلدی کرو۔ عرضها: چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے۔ یہاں عرض کو اس لئے ذکر کیا کہ طول تو ہمیشہ عرض سے بڑا ہوتا ہے تا کہ بتلایا جائے کہ اس کی طوالت کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ یہ بطور تمثیل کے فرمایا کہ تمہارے ہاں سب سے بڑی چوڑائی کا تصور یہی ہے۔آخر تک آیت مراد ہے یعنی وہ متقین کے لئے بنائی گئی یہ وقف تام ہے اور بعد والی آیات میں ان متقین کی تعریف کی گئی جن کے لئے جنت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بنائی ہے۔

وَاَمَّا الْاَحَادِيْثُ فَالْاَوَّلُ:

۸۷: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: ''بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ فَسَتَكُوْنُ فِتَنٌ كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَّيُمْسِیْ كَافِرًا، وَيُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا، يَبِيْعُ دِيْنَهٗ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا'' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۸۷: حضرت ابو ہریرہ تعالیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نیک اعمال میں جلدی کرو۔ عنقریب فتنے آنے والے ہیں جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے۔ صبح کو آدمی مؤمن ہوگا اور شام کو کافر اور شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کو کافر۔ دنیا کے معمولی سامان کے بدلے اپنا ایمان بیچ ڈالے گا''۔ (مسلم)

بادروا: اس میں بتلایا کہ موانع کے ظہور سے پہلے اعمال صالحہ میں جلدی کرو۔ اس حدیث کا مفہوم قریباً اغتنم خمسًا کی طرح ہے کہ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، غناء کو فقر سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔ پھر آپؐ نے ان فتنوں کی نشان دہی فرمائی جو کمال عمل یا عمل ہی سے مانع ہو جائیں گے کیونکہ وہ

كقطع: یہ قطعۃ کی جمع ہے ٹکڑا۔ من الليل المظلم کہ رات کی ایک سیاہ گھڑی گزرتی ہے تو دوسری اس کے بعد آن کھڑی ہوتی ہے۔

صاحب نہایہ کہتے ہیں اس سے مراد سیاہ فتنہ ہے جس کو بڑے ہونے کی وجہ سے سیاہ رات کا حصہ فرمایا۔

پیشین گوئی: اس روایت سے اشارہ ملتا ہے کہ آخری زمانہ میں پے در پے فتنے ہوں گے۔ ایک ختم نہ ہونے پائے گا کہ دوسرا ظاہر ہو جائے گا۔ اعاذنا اللہ منہ۔

يصبح: صبح وہ ایمان پر باقی تھا۔ يمسى كافرا: کفران نعم بھی ہو سکتا جو اس وقت عام ہے اور کفر حقیقی بھی ہو سکتا ہے۔ قرطبیؒ کہتے ہیں حقیقی کفر مراد لینے سے کوئی مانع نہیں کیونکہ پے در پے فتنوں سے انسان بگڑ جاتا ہے اور سخت دلی طاری ہو کر بندہ شقاوت میں جا گرتا ہے۔ اعاذنا الله منه بفضله۔

عرض: سے مراد سامان دنیا ہے۔ جس کے بدلے وہ اپنا دین بیچ ڈالے گا۔ ① اس کے بدلے مال لے لے گا ② مسلمان بھائی کے مال کو حلال قرار دے کر کھا جائے گا۔ ③ ملاوٹ اور سود کو حلال قرار دے گا۔ ④ ایسی تمام چیزیں اس میں داخل ہیں جو ضروریاتِ دین سے ہیں اور ان کی حرمت پر اتفاق ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں حدیث میں اشارہ فرمایا کے دین کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ (مسلم)

ترمذی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وہ اپنے دین کو دنیا کے معمولی مال کے بدلے فروخت کر دے گا۔ جامع صغیر میں یہ اضافہ بھی منقول ہے۔ يبيع دينه بعرض من الدنيا قليل۔

تخريج: أخرجه مسلم (۱۱۸) تحفة الأشراف (۱۳۹۹۰)

۸۸: عَنْ اَبِیْ سِرْوَعَةَ ''بِكَسْرِ السِّيْنِ الْمُهْمَلَةِ وَفَتْحِهَا'' عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ

صَلَّيْتُ وَرَآءَ النَّبِيِّ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ اِلٰى بَعْضِ حُجُرِ نِسَآئِهٖ ، فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَاٰى اَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ قَالَ : "ذَكَرْتُ شَيْئًا مِّنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ اَنْ يَّحْبِسَنِيْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ - وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ "كُنْتُ خَلَّفْتُ فِي الْبَيْتِ تِبْرًا مِّنَ الصَّدَقَةِ فَكَرِهْتُ اَنْ اُبَيِّتَهٗ"

"اَلتِّبْرُ" قِطَعُ ذَهَبٍ اَوْ فِضَّةٍ۔

۸۸: حضرت ابوسروعہ عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز مدینہ میں ادا کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے سلام پھیرا۔ پھر جلدی کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنوں کو عبور کرتے ہوئے کسی زوجہ محترمہ کے حجرہ کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کی اس تیزی سے لوگ گھبرا گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکل کر باہر تشریف لائے۔ پس آپ ﷺ نے اندازہ فرمایا کہ لوگ آپ ﷺ کی اس تیزی پر حیران ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے یاد آیا کہ میرے پاس چاندی یا سونے کا ٹکڑا ہے۔ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ یہ ٹکڑا میرے پاس رُکا رہے۔ اب میں اس کی تقسیم کا حکم دے کر آیا ہوں"۔ (بخاری) دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ میں گھر میں صدقہ کی چاندی' سونے کا ایک ٹکڑا چھوڑ آیا تھا۔ میں نے رات کو اس کا گھر میں رکھا رہنا ناپسند کیا۔

اَلتِّبْرُ : سونے' چاندی کا ٹکڑا۔

تشریح ۞ ابوسروعہ عقبہ بن حارث یہ قرشی نوفلی رضی اللہ عنہ ہیں۔ نووی نے اہل حدیث کے قول کے مطابق ان کو ابو سروعہ لکھا ہے مگر اہل نسب عقبہ کو ابوسروعہ کا بھائی قرار دیتے ہیں یہ دونوں بھائی فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ ابن اثیر نے اسی کو درست قرار دیا بخاری نے ان سے تین احادیث نقل کی ہیں۔

کہتے ہیں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں نماز عصر پڑھی۔ **العصر**: اگر یہ نام ہو ۞ وقت کا نام ہو تو مضاف محذوف ہوگا **صلاۃ العصر**۔ یہاں **ثم قام** ہے دوسری روایت میں **فقام** ہے۔ **فتخطی** لوگوں کے بیٹھے رہنے کی حالت میں صفوف کو کاٹا۔ ۞ کھڑے ہونے کا ارادہ کیا تو اس کو خرق صفوف سے تعبیر کیا۔ **حجر**: یہ حجرۃ کی جمع ہے۔ لوگ گھبرا گئے۔ کیونکہ آپ حجرہ کی طرف جلدی سے آئے تھے حالانکہ آپ ﷺ آہستگی سے چلتے تھے۔ گھبرانے کی وجہ عادت مقررہ کے خلاف ہونا اور اس لئے بھی کہ کہیں ان کے متعلق کوئی ایسی چیز نہ اتر پڑے جو ان کو ناپسند ہو۔

من سرعته حجرہ مبارک سے جلدی نکلنے پر انہوں نے تعجب کیا۔ **فکرهت ان یحسبنی** کہیں اس کی سوچ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے مشغول نہ کر دے۔ بعض نے ایک دوسرا معنی لیا کہ صدقہ کی تاخیر صدقہ والے کو قیامت کے دن روک لے گی۔ **فامرت بقسمته** اور دوسری روایت **فقسمته** میں نے اس کو تقسیم کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قدرت کے باوجود وکالت درست ہے اور بخاری نے کسی کام کے لئے جلدی جانے کا جواز ثابت کیا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں میں نے صدقہ کی چاندی کا ٹکڑا گھر میں چھوڑا تھا مجھے ناپسند ہوا کہ رات آنے تک وہ تقسیم کے بغیر رہ جائے اور میں نے کسی مستحق کو نہ دیا ہو۔ اس

سے معلوم ہوا کہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرنی چاہیے۔
التبر: بعض نے چاندی بعض نے سونے کا ٹکڑا جس پر مہر نہ لگی ہو۔ ② بعض نے زمین سے نکلنے والی کوئی قیمتی چیز جس پر مہر نہ لگی ہو۔ (انباری عن کسائی) بعض نے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے مراد لئے ہیں۔
تخریج: أخرجه احمد (۱٦۱٥۱/٥) والبخاری (۸٥۱)
الفرائد: ضرورت کے وقت لوگوں کی گردنیں پھاند کر گزرنا جائز ہے۔ ② بھول چوک عصمت نبوت کے خلاف نہیں۔ ③ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے۔ ④ امانت کی ادائیگی میں اہتمام کرنا چاہیے۔ ⑤ نماز کے بعد مسجد میں ٹھہرنا واجب نہیں۔ ⑥ ضرورت شدید کے وقت آگے سے گزر سکتے ہیں۔ ⑦ قدرت کے باوجود نائب بنانا درست ہے۔ ⑧ ضرورت کے وقت تیز چلنے میں حرج نہیں۔ ⑨ چلنے میں تصنع و بناوٹ درست نہیں۔

۸۹ : عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ اُحُدٍ :اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فَاَيْنَ اَنَا؟ قَالَ "فِي الْجَنَّةِ" فَاَلْقٰى تَمَرَاتٍ كُنَّ فِيْهِ يَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۸۹: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُحد کے دن ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر میں کافروں کے ہاتھ سے مارا جاؤں تو میں کہاں جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں''۔ اس نے اپنی ہاتھ والی کھجوریں پھینک دیں پھر لڑ کر شہید ہوگیا۔ (متفق علیہ)

تشریح رجل: سے مراد بقول خطیب عمر بن الحمام انصاری ہیں۔ بعض نے اور نام لیا کیونکہ یہ واقعہ تو بدر کا ہے نہ کہ احد کا (نووی) ارأیت: مجھے بتلاؤ۔ فاین انا: میں کہاں پہنچوں گا۔ ثمرات: تھوڑی کھجوریں۔ جہاد میں جلدی کرتے ہوئے کھانا چھوڑ دیا پھر جلدی سے اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں کی طرف سبقت کی۔ دوسری روایت میں ہے: **لئن انا حییت حتی اکل تمراتی هذه انها لحیاة طویلة فرمٰی بما کان معه من التمر تم قاتلهم حتی قتل** (مسلم) ابن عقبہ نے اپنے مغازی میں ذکر کیا کہ یہ سب سے پہلا شہید تھا۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ ایک سیاہ آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا میں سیاہ رنگ بدبو والا آدمی ہوں' میرے پاس کوئی مال نہیں اگر میں ان کفار سے لڑوں تو میں کہاں جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا تو جنت میں جائے گا۔ چنانچہ وہ لڑا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ تو آپؐ نے یہ دعائیہ کلمات فرمائے: **بیض اللّٰه وجهك وطیب ریحك واکثر مالك**: الحدیث۔ (مفتاح البلاد)
تخریج: أخرجه احمد (۱٤۳۱۸/٥) والبخاری (٤٠٤٦) و مسلم (۱۸۹۹) والنسائی (۳۱٥٤) وابن حبان (٤٦٥۳) والبیهقی (٤۳/۹) والبغوی فی المرقاة (۳۷۸۹)
الفرائد: روایت ۸۹ سے معلوم ہوتا ہے صحابہ کرام کو دین کی کس قدر حرص اور اس پر عمل کی کس قدر مبادرت تھی۔ ② جو کسی قومی و وطنی' نسبی حمیت نہیں بلکہ فقط اللہ تعالیٰ کی خاطر لڑتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ صحابہ کرامؓ میں شوقِ شہادت اور رضائے الٰہی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ محبت الٰہی سے ان کے سینے معمور تھے۔

۹۰ : عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا؟ قَالَ: "اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِیْحٌ شَحِیْحٌ تَخْشَی الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰی وَلَا تُمْهِلْ حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ" کَذَا وَلِفُلَانٍ کَذَا وَقَدْ کَانَ لِفُلَانٍ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔ "اَلْحُلْقُوْمُ" مَجْرَی النَّفَسِ – وَ "الْمَرِیُٔ" مَجْرَی الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ۔

۹۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کس صدقہ کا اجر سب سے زیادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو صدقہ ایسے وقت میں تم کرو جب کہ تم تندرست ہو اور مال کی حرص دل میں ہو اور فقر کا خطرہ ہو اور مال داری کی آس لگائے ہوئے ہو۔ صدقہ کرنے میں اتنی تاخیر نہ کرو یہاں تک کہ روح حلق تک پہنچ جائے تو اس وقت کہنے لگو فلاں کو اتنا۔ فلاں کو اتنا حالانکہ وہ مال تو فلاں (وارثوں) کا ہو چکا"۔ (متفق علیہ)

اَلْحُلْقُوْمُ :سانس کی نالی۔ اَلْمَرِیُٔ :کھانے اور پانی کی نالی۔

تشریح ۞ رجل: اس کے نام کی اطلاع نہیں ہو سکی۔ شاید یہ ابوذر ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ سائل نے ای الصدقة افضل؟ کا سوال کیا لیکن اس کے جواب میں مذکور ہے جهد من مقل او سرًا الی الفقیر اور مسند عبد بن حمید سے بھی یہ سوال ابوذر رضی اللہ عنہ کا معلوم ہوتا ہے۔ الشح یہ بخل سے زیادہ عام ہے۔ گویا یہ جنس ہے اور بخل اس کے افراد سے ہے۔ بعض نے کہا شح وہ بخل جو طبیعت ثانیہ بن جائے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بخل حالت صحت میں غالب ہوتا ہے۔ جب اس نے اسے ترک کر کے صدقہ کر دیا تو نیت میں مخلص ہونے کی وجہ سے بڑے اجر والا بن گیا۔ بخلاف اس انسان کے جو زندگی سے مایوس ہو اور دیکھے کہ مال دوسرے کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ اب اس کا صدقہ حالت صحت کے مقابلہ میں ناقص ہے کیونکہ اب بقاء کی امید کم ہے اور فناء سامنے ہے اور فقر کا خدشہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

صاحب فتح الباری نے الشُح کی تعریف میں کہا ایسا بخل جس میں حرص ہو۔ شین پر بعض نے ضمہ اور بعض نے فتحہ کو ترجیح دی ہے۔ تخشٰی ڈرنا۔ اس فعل کے چھ مصدر مستعمل ہیں: ① خشیاً ② مخشاة ③ مخشیةً ④ خشیةً ⑤ خشاء ⑥ خشیاناً۔

الفقر: کہ اگر تو نے خرچ کیا تو فقیر ہو جائے گا۔ یہ شیطان کا وسوسہ ہے ارشاد الٰہی ہے ﴿الشیطان یعدکم الفقر﴾ (البقرہ: ۲۶۸) تامُل: طمع کرنا۔

النَحو: لا تمحصل: یہ نہی ہے۔ ② نفی ہے ③ یہ منصوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مؤخر مت کرو۔

حتی اذا بلغت الحلقوم: حلق میں پہنچنے کے قریب ہو جائے۔ ورنہ غرغرہ کے وقت تو صدقہ وصیت دونوں ناجائز ہیں۔ سیاق کی وجہ سے روح کا لفظ نہیں لایا گیا مثلاً آیت قلتَ: یہ وصیت نہیں بلکہ اقرار ہے وہ مال تو انہی کا ہو چکا۔ خطابی کہتے ہیں پہلے اور دوسرے فلان سے موصیٰ لہ مراد ہے اور فلان آخیر سے وارث مراد ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ جب وہ وارث کا بن گیا تو وہ اس کی وصیت کو باطل کرے یا نافذ کرے جائز ہے۔

دیگر شارحین کا قول کہ عام فلان سے موصیٰ لہ مراد ہے۔ تیسرے میں کان کو اس لئے لائے کہ وہ تو ازل سے اس کا ہو چکا اس کے کہنے سے کچھ فرق نہ پڑے گا۔

کرمانی کا قول: یہ احتمال ہے کہ تیسرا فلان مورث یا موصیٰ لہ کے لئے ہو۔

ابن حجر کہتے ہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ بعض حصہ وصیت اور بعض حصہ اقرار ہو۔ ابن مبارک کی روایت میں ایسے الفاظ ہیں:

اِصْنَعُوا لِفَلان کذا و تَصدقُوا لِفَلان کذا۔

ایک قول یہ ہے کہ باب تنجیل سے ہے کہ جب تمہیں زندگی کی طمع تھی تو حق لازم کو تو نے چھپایا اور آج اس سے مایوس ہو گیا (تو یہ کہہ رہا ہے) تو نے آج ہی اس حق کا اقرار کیا ہے اس سے پہلے اس کا اقرار نہ کیا۔ اب زیادہ مناسب یہ ہے کہ اب تک تاخیر صدقہ تیرے لئے طمع کو لازم کر دے تو اس سے احتیاط کر تیرے مال میں سے اس وقت لیا جائے گا جبکہ تمہیں اس پر حسرت فائدہ نہ دے گی اور شرمندگی کام نہ آئے گی۔

متفق علیہ۔ ابوداؤد ترمذی نسائی نے بیان کیا۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس وقت ایک درہم کا صدقہ موت کے قریب سو درہم سے بہتر ہے۔ ابوداؤد ترمذی ابن حبان

حلقوم: نہایہ میں ہے کہ خلق سے ماخوذ ہو تو واؤ اور میم زائد ہیں۔ سانس کی نالی۔

المرّی: یہ جمع مُروءٌ: جیسے سریر۔

تخریج : أخرجه احمد (۳/۹۳۸۹) والبخاری (۱۴۱۹) و مسلم (۱۰۳۲) والنسائی (۲۴۵۱) وابنماجه (۲۷۰۶) وابن حبان (۳۳۱۲) وابن خزیمة (۲۴۵۴) والبیهقی (۴/۱۸۹ / ۱۹۰) والبغوی فی المشکوٰة ۱۶۷۱)

الفرائد : ① آدمی کو صدقہ دینے میں فوت ہونے کے ڈر سے جلدی کرنی چاہئے۔ ② جب تک ہوش وحواس قائم ہوں اگرچہ سیاق موت میں ہو اس کی گفتگو معتبر ہے۔ ③ معلوم ہوا کہ بدن کے نچلے حصہ سے پہلے نکل کر حلقوم کی طرف چڑھتی ہے۔ وہاں سے فرشتہ قبض کرتا ہے۔ ④ صحت و زندگی میں قرض ادا کرنا اور صدقہ دینا افضل ہے کیونکہ اس حالت میں شیطان فقر سے خوب ڈراتا ہے۔ ⑤ اہل ثروت دو مرتبہ معصیت کا ارتکاب کرتے ہیں اوّل جبکہ مال ہاتھ میں ہوتا ہے تو بخل کرتے ہیں دوسرا جب مال ہاتھ سے نکل رہا ہوتا ہے تو اسراف کرتے ہیں۔ ⑥ زندگی میں ایک روپیہ خرچ کرنا موت کے وقت سو روپے سے بھی بہتر ہے۔ (خلاصۃ الشروح)

۹۱ : عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَخَذَ سَیْفًا یَوْمَ اُحُدٍ فَقَالَ : مَنْ یَّاْخُذُ مِنِّیْ ھٰذَا؟ فَبَسَطُوْا اَیْدِیَھُمْ کُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْھُمْ یَقُوْلُ : اَنَا اَنَا قَالَ : فَمَنْ یَّاْخُذُہٗ بِحَقِّہٖ؟ فَاَحْجَمَ الْقَوْمُ فَقَالَ اَبُوْدُجَانَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ : اَنَا اٰخُذُہٗ بِحَقِّہٖ فَاَخَذَہٗ فَفَلَقَ بِہٖ ھَامَ الْمُشْرِکِیْنَ، رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

اسْمُ اَبِیْ دُجَانَۃَ سِمَاکُ بْنُ خَرَشَۃَ قَوْلُہٗ "اَحْجَمَ الْقَوْمُ" اَیْ تَوَقَّفُوْا — وَ "فَلَقَ بِہٖ" اَیْ شَقَّ "ھَامَ الْمُشْرِکِیْنَ" اَیْ رُءُوْسَھُمْ۔

۹۱: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار پکڑ کر فرمایا: "یہ تلوار کون لے

گا؟''۔ ہر ایک نے اپنا ہاتھ اس تلوار کی طرف بڑھایا اور کہا: مَیں، مَیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون اس کو اس کے حق کے ساتھ لے گا؟'' یہ سن کر لوگ رکے۔ تو حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لوں گا۔ چنانچہ انہوں نے اس تلوار کو لیا اور اس سے مشرکین کی کھوپڑیاں پھاڑ ڈالیں۔ ابو دجانہ کا نام سماک بن خرشہ ہے۔ (مسلم)

اَحْجَمَ الْقَوْمُ : رکنا۔

فَلَقَ بِہٖ : پھاڑ ڈالا۔

هَامَ الْمُشْرِكِيْنَ : مشرکین کے سر۔

تشریح ❁ **اُحد**: مدینہ کا معروف پہاڑ اس کے پاس مشہور غزوہ پیش آیا۔ **هذا**: کا مشار الیہ تلوار ہے۔ **انا** انا کا تکرار تعدد کی وجہ سے ہے۔ **بحقه**: قرطبی کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کل حق کے ساتھ کہ وہ اس تلوار سے فتح ہونے تک لڑے گا یا شہید ہو جائے گا۔ **فاحجم القوم**: جب وہ اس بات کو سمجھ گئے تو وہاں جو لوگ تھے وہ رک گئے۔ اس پر ابو دجانہ نے کہا اس کا نام سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہ تھا۔ یہ کنیت سے مشہور ہیں۔ بدر و احد اور بعد والی لڑائیوں میں شریک رہے یمامہ کی لڑائی میں شہادت پائی۔ مصعب بن عمیر دفاع میں ان کے ساتھ تھے وہ شہید ہو گئے۔ انہوں نے احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت زبردست دفاع کیا جس میں شدید زخمی ہو گئے۔ ابو عمرو کہتے ہیں ان کی طرف منسوب حدیث حرز کی سند ضعیف ہے بعض نے موضوع کہہ دیا مگر پہلی بات درست ہے۔

انا اخذه بحقه: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا حق دریافت کرنے کے بعد کہا کہ میں اس کو اس کے حق سمیت لیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے لے کر اس کا حق پورا کیا۔ اس سے کفار کی کھوپڑیاں چیر ڈالیں۔ ابن سید الناس نے اپنی سیرت میں لکھا کہ زبیر کہتے ہیں میرے دل میں تلوار لینے کا خیال آیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سوال کیا مگر آپ نے ابو دجانہ کو عنایت فرمائی۔ میں نے دل میں کہا اللہ کی قسم! میں اندازہ کروں گا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ میں ان کے پیچھے ہو لیا انہوں نے سرخ پٹی لے کر اپنے سر پر باندھ لی۔ انصار کہنے لگے۔ ابو دجانہ نے موت کی پٹی باندھ لی ہے۔ جب وہ یہ پٹی باندھتے تو انصار اسی طرح کہتے۔ ابو دجانہ وہاں سے نکل کر یہ کہتے ہوئے چل دیئے:

انا الذی عاهدنی خلیلی ☆ ونحن بالسفح لدی النخیل
الا اقوم الدهر فی الکیول ☆ اضرب بسیف اللّٰه والرسول

میں نے اپنے خلیل کے ساتھ میدان میں کھجور کے پاس عہد کیا ہے کہ میں کبھی پچھلی صف میں بزدلی سے کھڑا نہ رہوں گا، میں تو اللہ کے رسول کی تلوار سے مارتا چلا جاؤں گا۔

چنانچہ جس کو ملتے قتل کر دیتے۔ **احجم**: کی دو لغات ہیں: احجم اور اجحم اس کا معنی رکنا اور پیچھے ہٹنا ہے۔ **هام المشرکین** سے مراد ان کے سر ہیں جیسا اس شعر میں ہے:

ویضرب بالسیوف رؤس قومٍ ☆ ازیلت هامهنّ عن المقیل

(گردن کی جڑ) ان کے سر گردن کی جڑ سے کاٹ ڈالے گئے۔

تخریج : أخرجه أحمد (۱۲۲۳۷ / ٤) و مسلم (۲٤۷۰)

الفرائد :انسان کو بھلائی میں جلدی کرنی چاہئے اوراس میں اللہ تعالیٰ سے مدد کا طلبگار رہو۔ ۲ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کی خوب رعایت فرماتے تھے اسی لئے تلوار کے متعلق اعلان عام فرمایا۔

۹۲ : عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ اَتَيْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَشَكَوْنَا اِلَيْهِ مَا نَلْقٰى مِنَ الْحَجَّاجِ - فَقَالَ :اصْبِرُوْا فَاِنَّهٗ لَا يَاْتِيْ زَمَانٌ اِلَّا وَالَّذِيْ بَعْدَهٗ شَرٌّ مِّنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ سَمِعْتُهٗ مِنْ نَّبِيِّكُمْ ﷺ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۹۲: حضرت زبیر بن عدی کہتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجاج کی طرف سے جو تکلیف پہنچی تھی' ان سے اُس کی شکایت کی تو اس پر انہوں نے فرمایا:''صبر کرو کیونکہ جو زمانہ ابھی آ رہا ہے۔ وہ پہلے سے بدتر ہے۔ یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملو''۔ یہ بات میں نے تمہارے پیغمبر ﷺ سے سنی ہے۔ (بخاری)

تشریح ۞ زبیر بن عدی ہمدانی یہ بنو یامہ سے ہیں ری کے قاضی تھے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ ثقہ فقیہ ہیں۔۱۳۱ھ میں وفات پائی صحاح ستہ میں ان سے روایات منقول ہیں۔

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بصرہ میں آئے۔ حجاج کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کی شکایت کی تو انہوں نے صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا ہر بعد والا زمانہ بدتر آ رہا ہے۔ آدمی کو اعمال صالحہ میں جلدی کرنی چاہئے۔ اگر اس کو دکھ اور تکالیف آئیں ان سے خالی زمانہ کا انتظار نہ کرے۔ کیونکہ بعد والے حالات میں اس سے شدید تر ہوں گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشکاۃ نبوت سے زمانہ جتنا دور ہٹے گا اتنی ہی بدعات وفتن زیادہ ہوں گے۔ کسی گزشتہ زمانہ میں اگر سنن میں کوئی کمی آئی تو بعد والے زمانہ میں اس سے بڑھ کر ہوگی یا کوئی ابتلاء آیا تو بعد میں اس سے بڑھ کر ہوگا۔ اس کے متعلق اس طرح اعتقاد رکھے کہ وہ سنت جو پہلے چھوٹ گئی خواہ اس بناء پر کہ اسے چھوڑے عرصہ ہوا اور اس سے ناواقفی رہی یہ بھی ایک بدعت ہے۔

۲ اس کو ایسے مصائب آئیں گے جن کے سامنے گزشتہ مصائب ہیچ ہوں گے۔ حدیث میں وارد ہے کہ **فی کل عام ترذلون**: کسی شاعر نے خوب کہا۔

یا زمانا بکیت منه فلما ☆ صرت فی غیرہٖ بکیت علیه

اے وہ زمانے کہ جس کی وجہ سے میں رویا جب تو اور کی طرف لوٹ گیا تو میں اس پر رویا۔

علامہ شعرانی فرماتے ہیں عہود ومیثاق کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ وہ پہلے ایک مصیبت میں ڈالتا ہے پھر اس سے زیادہ سخت تر میں ڈالتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے تاکہ بندہ تدریجاً اخف سے اشد کی طرف اترے اگر اچانک سخت لائی جاتی تو بسا اوقات اس کے اٹھانے سے عاجز رہتا۔

اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ حجاج کے بعد عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا۔ اس کا جواب ① یہ ہے کہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں لوگوں کے لئے کچھ ایسا دور ضرور آتا ہے جس میں وہ سانس لے سکیں۔

② صاحب توشیح نے کہا حدیث میں اغلب واکثر کے اعتبار سے حکم لگایا گیا۔
③ مجموعی لحاظ سے فضیلت مراد ہے۔ حجاج کے زمانہ میں بہت سے صحابہ کرامؓ موجود تھے اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں وہ چل بسے اور صحابہ کرامؓ والا زمانہ تو بہر حال اعلیٰ ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وقت تلوار ہے۔ اگر تو اچھے اعمال سے اسے نہ کاٹو گے اور تمام تھکاوٹوں سے فراغت کے منتظر رہو گے تو وقت تمہیں کاٹ کر چلا جائے گا اور تیری نفیس اشیاء بے کار چلی جائیں گی۔ واللہ المستعان۔ باقی خوفناک چیزیں پے در پے حالات اچھے برے آتے جاتے رہیں گے۔
حتی تلقوا ربکم: مومن کے لئے لقاء ربانی کے بغیر راحت نہیں۔
ایک اہم اشکال اور اس کا جواب: نسائی میں روایت ہے: **امتی کالمطر لا یدری اولها خیر ام آخرها** میری امت کی مثال بارش جیسی ہے معلوم نہیں اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا پچھلا۔ جواب گزشتہ باب والی روایت میں زمانہ کے لحاظ سے بات فرمائی اور دوسری روایت میں اہل زمانہ کے لحاظ سے فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے عطایا کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں پچھلے کئی زمانوں میں ایسے ایسے عظیم لوگ پائے گئے جن کی مثالیں ان سے پہلے والے دور میں نایاب ہیں۔ مثلاً وہ عاملین علماء جو ہمیشہ حق پر قائم رہے۔ وہ اولیاء وصالحین جن کی برکات سے دنیا سے بلائیں اٹھتی اور برکات اترتی ہیں اور ان کی وجہ سے اوقات میں برکت رہتی ہے۔
سمعته: یہ اس لئے کہا تا کہ ان پر ان تکالیف کا برداشت کرنا آسان ہو جائے۔
مالینی کی اربعین میں انسؓ سے اس طرح نقل کیا: **لا یزدا الامر الاشدةً والدنیا الا ادبارًا' والناس الاشحًا' و مهدی الاعیسی بن مریم' ولا تقوم الساعة الا علی شرار الناس** اس روایت میں **لا مهدی الاعیسی** سے مفہوم نکالنا درست نہیں کہ مہدی اور عیسیٰ ایک شخصیت ہیں بلکہ دیگر احادیث جن میں مہدی کا الگ تذکرہ پایا جاتا ہے ان کی روشنی میں مفہوم لیا جائے گا اور نزول مسیح کے وقت شریعت محمدی کی قیادت مہدی کے ہاتھ میں ہوگی۔ (واللہ اعلم)
تخریج: أخرجه البخاری (٦٠٦٨)
الفوائد: انس بن مالک رضی اللہ عنہ ① حکام وولات کی طرف سے ظلم وزیادتی پر صبر کرنا چاہئے۔ قیامت کے دن ان کو ٹوٹ اور تمہیں صبر کا بدلہ ملے گا۔ ② ہر آنے والا دن پہلے سے زیادہ تغیر اور برائی میں بڑھ کر ہوگا۔

❁ ❁ ❁

۹۳ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعًا هَلْ تَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا فَقْرًا مُّنْسِيًا اَوْ غِنًى مُطْغِيًا اَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا اَوْ هَرَمًا مُّفْنِدًا اَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا اَوِ الدَّجَّالِ فَشَرُّ غَائِبٍ يُّنْتَظَرُ اَوِ السَّاعَةُ فَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ : حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔
۹۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سات چیزوں سے پہلے اعمال میں جلدی کرو: (۱) کیا تم کو ایسے فقر کا انتظار ہے جو بھلا دینے والا ہو۔ (۲) ایسی مالداری کے منتظر ہو جو سرکشی میں مبتلا کرنے والی ہے۔ (۳) ایسے مرض کے منتظر رہو جو بگاڑ دینے والا ہے۔ (۴) ایسے بڑھاپے کا انتظار ہے جو عقل کو زائل کر دینے والا ہے۔ (۵) یا ایسی موت کا انتظار ہے جو تیار کھڑی ہے۔ (۶) یا دجال کا انتظار ہے۔ جو کہ غائب

شر ہے۔ (۷) یا قیامت کا انتظار ہے وہ تو بہت بڑی مصیبت اور بہت ہی کڑوی ہے''۔ (ترمذی)

تشریح بادروا بالاعمال: یعنی ان میں جلدی سے مشغول ہو۔ الاعمال سے نیک اعمال مراد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم نیک اعمال کا اہتمام کرو اس سے پہلے کہ ایسے حالات پیش آئیں جو ہر چیز سے مشغول کر دیں۔ فقر منسیاً: جب نفس پر اس کا غم طاری ہو جاتا ہے تو اس سے نسیان پیدا ہوتا ہے۔ غنی مطغیا: ایسا غناء جو مالدار کو حقوق عبودیت کی ادائیگی سے غافل کردے۔ مرضا مفسداً: بگاڑنے والا امرض یعنی عقل کو بگاڑ دے یا بدن کو ادائے عبادت سے روک دے یا حصول کمالات سے روک دے۔ اسی کے متعلق فرمایا: نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحة والفراغ۔ ھرماً مفنداً: فند اصل میں جھوٹ کو کہتے ہیں۔ افند ای تکلم بالفند: پھر یہ انتہائی بوڑھے کے لئے بولا جانے لگا۔ کیونکہ وہ ایسا کلام کرتا ہے جو صحت کی راہوں سے ہٹا ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں افندہ الکبر: جب کہ بڑھاپا اس کو فند (جھوٹ) میں مبتلا کر دے۔

لطیفہ بقول عاقولی: عورت کیلئے مفندہ نہیں بولتے کیونکہ وہ پہلے بھی قابل اعتبار رائے والی نہ تھی کہ اب بڑھاپے کی وجہ سے وہ سٹھیائی ہوئی گفتگو کرتی۔ موتا مجھزاً: جلد آنے والی موت۔ اجھز علی الجریح: اس وقت بولتے ہیں جب اسے جلد قتل کر دیا جائے' گویا اس سے اچانک موت مراد لی گئی ہے یا جوانی کی موت۔ دجّال: یہ آخری زمانے کا سخت فتنہ ہے جس سے وہ بچے گا جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے گا۔ الساعة' فالساعة: یہ دو مرتبہ تفخیم شان کیلئے لایا گیا ہے۔ مراد قیامت کا عذاب ہے۔ ادھی: جس کی مصیبت بہت بڑی ہو' امر: دنیا کے عذاب و تکالیف سے جس کی کڑواہٹ زیادہ ہو۔

ترمذی' حاکم۔ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ روات متروک ہیں۔

تخریج : أخرجه الترمذی (۲۳۱۳) و فی إسناده محرز بن هارون قال البخاری: منكر الحديث. و كذا قال النسائی ذكره ابن عدی فی الكامل فی الضعفاء (۶/۴۴۲)

الفرائد : سات چیزوں کے متعلق خبردار کیا گیا تا کہ اعمالِ صالحہ میں جس قدر ہو سکے جلدی کی جائے۔

۹۴ : عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ: لَاُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ رَجُلًا يُّحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ – قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ :مَا اَحْبَبْتُ الْاِمَارَةَ اِلَّا يَوْمَئِذٍ فَتَسَاوَرْتُ لَهَا رِجَآءَ اَنْ اُدْعٰى لَهَا :فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهَا وَقَالَ :امْشِ وَلَا تَلْتَفِتْ حَتّٰى يَفْتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ'' فَسَارَ عَلِيٌّ شَيْئًا ثُمَّ وَقَفَ وَلَمْ يَلْتَفِتْ ' فَصَرَخَ ' يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلٰى مَا ذَا اُقَاتِلُ النَّاسَ ؟ قَالَ :قَاتِلْهُمْ حَتّٰى يَشْهَدُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَقَدْ مَنَعُوْا مِنْكَ دِمَآءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ'' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

قَوْلُهٗ :''فَتَسَاوَرْتُ'' هُوَ بِالسِّيْنِ الْمُهْمَلَةِ اَیْ وَثَبْتُ مُتَطَلِّعًا۔

۹۴: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا: ''میں یہ جھنڈا ایک ایسے آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور یہ قلعہ اللہ اس کے ہاتھوں فتح فرمائیں گے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے امارت کی کبھی تمنا نہ کی' مگر اس دن۔ میں اُٹھ اُٹھ کر جھانکتا اس اُمید پر کہ

مجھے آواز دی جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وہ جھنڈا ان کو عنایت فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ جھنڈا لے کر سامنے چلتے جاؤ اور کسی طرف توجہ مت کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تیرے ہاتھ پر اس کو فتح کر دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے عرض کیا کہ میں کس بات پر لوگوں سے قتال کروں؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان سے لڑو یہاں تک کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی گواہی دیں جب وہ ایسا کر گزریں تو انہوں نے اپنے خونوں کو تم سے محفوظ کر دیا اور مالوں کو محفوظ کر لیا مگر اس کے حق کے ساتھ پھر ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے''۔ (مسلم)

فَتَسَاوَرْتُ :اٹھ اٹھ کر جھانکنا۔

تشریح ۞ خیبر: یہ غزوہ ۷ھ میں پیش آیا۔ یحب اللہ و رسولہ کا مطلب ایمان لانا اور ان کی اتباع کرنا ہے۔ بعض قلعے جو کبار صحابہ کی قیادت میں لشکر بھیجنے کے باوجود فتح نہ ہوئے۔ ان کے متعلق نبوت کا معجزہ ذکر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر وہ قلعہ فتح کر دیں گے جس کا جھنڈا آج باندھا جائے گا عمر رضی اللہ عنہ کی تمنا اس لئے تھی کہ یہ چیز اس امیر کے متعلق علامت تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ تساورت میں پنجوں کے بل کھڑا ہوا۔ و لا تلتفت اور تم اور کسی طرف توجہ نہ کرو تاکہ التفات کمال توجہ سے مانع نہ بن جائے اور جہاد پر جمے رہو اور اِدھر اُدھر توجہ مت کرو۔ حتی یفتح اللہ علیك یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے۔ ② حتی تعلیلیہ ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ وحی سے اس کا علت ہونا معلوم ہو گیا ہو۔ فار علی شیئا علی رضی اللہ عنہ تھوڑا سا چلے پھر رک گئے۔ ولم یلتفت دائیں بائیں متوجہ نہ ہوئے ظاہری الفاظ سے اِدھر اُدھر سے یہی سمجھ آتا ہے تاکہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو۔ نووی کہتے ہیں اس سے مراد اقدام پر آمادہ کرنا اور حکم کی جلد تعمیل ہے اور دشمن سے آمنا سامنا ہونے کے بعد کسی طرف متوجہ نہ ہونا ہے تا آنکہ فتح ہو جائے۔

فصرخ: بلند آواز سے پوچھا۔ ماذا: کس چیز پر۔ حتی یشھد: آپ نے فرمایا: ان کے مسلمان ہونے تک۔ اس میں جزیے کا تذکرہ نہیں۔

علماء فرماتے ہیں اگر کسی قوم کو دعوت اسلام نہ پہنچی تو انہیں قتال سے پہلے دعوت اسلام واجب ہے اور اگر ان کو پہنچ چکی ہو تو پھر واجب نہیں۔ اذا فعلوا: یہ قول کو فعل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بحقھا سے مراد جان کے بدلے جان۔ حسابھم علی اللہ: ان کے اس اقرار پر قتال سے ہاتھ روک لیا جائے گا۔ باقی اللہ تعالیٰ اور ان کا معاملہ اس طرح ہوگا کہ اگر انہوں نے سچے دل سے ایمان قبول کیا ہوگا تو آخرت میں کامیاب ہوں گے اور عذاب سے بچ جائیں گے۔ جیسا دنیا میں فائدہ ہوگا اور اگر وہ منافق ہوں گے تو جہنم میں جائیں گے۔ تساورت کا معنی میں نے اپنا چہرہ ظاہر کیا اور آپ کی طرف مائل ہوا تاکہ آپ کو میری جگہ معلوم ہو جائے۔

تخریج : أخرجه مسلم (٢٤٠٥)

الفوائد : ① بحقھا: سے معلوم ہوتا ہے کہ شعائر اسلام کا انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد کیا جائے گا۔ ② انسان اگر کوئی کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے متعلق یہ کہنا درست ہے میں عنقریب ایسا کروں گا۔ (الشرح)

۱۱ :بَابٌ فِی الْمُجَاهَدَةِ

بَابٌ: مجاہدہ کا بیان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ [عنکبوت :۶۹]

''اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں۔ ہم ضرور ان کی اپنے راستوں کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ نیکوں کاروں کے ساتھ ہے''۔ (عنکبوت)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ﴾ [الحجر:۹۹]

''تو اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے موت آ جائے''۔ (النحل)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا﴾ [المزمل:۸]

''اور اپنے رب کا نام یاد کر اور اس کی طرف یکسو ہو جا یعنی ہر طرف سے تعلق توڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو''۔ (المزمل)

اَیِ انْقَطِعْ اِلَیْهِ۔

وَقَالَ تَعَالٰی:

اور فرمایا:

﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ﴾ [الزلزال:۷]

''جو آدمی ذرّہ بھر بھی نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا''۔ (الزلزال)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا﴾ [المزمل: ۲۰]

''اور جو کچھ بھلائی تم اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجو۔ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں تم پالو گے وہ بہت بہتر اور اجر میں بہت بڑھ کر ہے''۔ (المزمل)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ﴾ [البقرة:۲۷۳]

''اور مال میں جو بھی تم خرچ کرو پس اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے''۔ (البقرۃ)

وَالۡاٰيَاتُ فِي الۡبَابِ كَثِيۡرَةٌ مَّعۡلُوۡمَةٌ.

اور اس باب میں بہت سی آیات موجود ہیں۔

یہ باب مفاعلہ سے ہے۔ جہد سے بنا ہے وہ طاعت کو کہا جاتا ہے۔ انسان اپنے نفس کو استعمال کر کے اس سے مجاہدہ کرتا ہے تا کہ حال و مآل میں اسے فائدہ پہنچے۔ نفس جس چیز کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس کی مخالف چیز سے وہ جہاد کرتا ہے لیکن یہ مجاہدہ نفس انسانی کے ساتھ ہوتا ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے اسی لئے اس کو جہاد اکبر فرمایا اور دشمن سے لڑنا باہر نکل کر ہوتا ہے۔ اس کو جہاد اصغر کہا گیا۔

ارشاد فرمایا: ﴿وَالَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا فِيۡنَا﴾ قول عارفین یہ اس سورت کی منتخب آیات سے ہے۔ مجاہدات میں سے ایک مجاہدہ نفس ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ابتلاء کے وقت صبر کرے تا کہ اس سے صفاء قلب کا انس میسر ہو۔ اس سے جفاء کا لباس اتر جائے۔ حدیث میں فرمایا: ان ابتلاء المؤمن يذهب عنه درنه: ابتلاء مومن کی میل کچیل کا ازالہ کرتا ہے۔

لنھدینھم: ① یہ لام ابتدائیہ ہے ② یہ لام قسم مقدر کے جواب میں ہے۔ اس سے اشارہ کر دیا کہ میں بذاتِ خود مجاہدین کے لئے ہدایت کا ذمہ دار ہوں اور ان کی نعمت بھی کامل کروں گا اور بدلہ بھی دوں گا۔ تا جمع کا لا کر کثرت معارف اور لطائف شہود اور ان کے دوام کی طرف اشارہ کر دیا اور فضل کے بادلوں کے برسنے کی طرف اشارہ ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ ...... محسن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ نہیں دیکھ رہا تو اللہ تعالیٰ تو اسے دیکھ رہا ہیں۔ جب اس کا یہ حال ہو تو وہ شرف معیت سے نوازا جاتا ہے۔ اس میں اسی طرف اشارہ فرمایا۔ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں فرمایا: انا جليس من ذكرني: اور انا مع عبدي اذا ذكرني و تحركت بي شفتاه: (رواہ البیہقی)

آیت نمبر۲: ﴿وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ﴾: اپنے رب تعالیٰ کا نام توحید و تعظیم سے یاد کر۔ یعنی اس پر ہمیشگی اختیار کرو۔

وَتَبَتَّلۡ اِلَيۡهِ: اور اس کی طرف علیحدگی اختیار کرو عبادت میں۔

بعض نے کہا تَبَتَّلۡ یہ بَتِّلۡ کے معنی میں ہے۔ یعنی ماسواء کٹ جاؤ۔ ② کامل اخلاص اختیار کرو۔ ③ اس پر بھروسہ کرو۔ ④ دنیا کا تمام اشیاء سمیت انکار کرنا اور جو اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے مانگنا۔

آیت نمبر۳: وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ ـ الۡيَقِيۡنُ: موت۔

آیت نمبر۴: فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ: عمل دیکھنے کا مطلب اس کا ثواب دیکھ لے گا۔ اس میں شوق دلایا گیا کہ اپنے جانے سے پہلے نیک اعمال بھیجا کرو تا کہ وہاں پہنچ کر اس کا بدلہ ملے۔

آیت نمبر۵: وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ: وہ اس سے بہتر ہے جو تم نے پیچھے چھوڑا مطلب یہ ہے کہ جو تم اللہ تعالیٰ کی خاطر دے دو

وہ تمہارے لئے بہتر ہے اوراس سے اجر میں بڑھ کر ہے جوتم جمع رکھو۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایکم مال وارثه احب الیه من ماله: کس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کو وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو۔ آپؐ نے فرمایا: تم سمجھ بوجھ کر جواب دو۔ انہوں نے عرض کیا ہم تو سمجھ سے جواب دے رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: تم میں سے ہرایک کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہے۔ انہوں نے عرض کیا وہ کیسے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپؐ نے فرمایا: تمہارا مال تو وہ ہے جو آگے بھیج دیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ مال تو ورثاء کا ہے۔

آیت ۶: ما تفعلوا: خیر سے مراد انفاق وغیرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں وہ اس کا بدلہ عنایت فرمائیں گے۔

وَاَمَّا الْاَحَادِيْثُ فَالْاَوَّلُ :

احادیث یہ ہیں:

۹۵ :عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ مَنْ عَادٰى لِىْ وَلِيًّا وَّقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَىَّ عَبْدِىْ بِشَىْءٍ اَحَبَّ اِلَىَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ ' وَمَا يَزَالُ عَبْدِىْ يَتَقَرَّبُ اِلَىَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ ' فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِىْ يَسْمَعُ بِهٖ ' وَبَصَرَهُ الَّذِىْ يُبْصِرُ بِهٖ ' وَيَدَهُ الَّتِىْ يَبْطِشُ بِهَا ' وَرِجْلَهُ الَّتِىْ يَمْشِىْ بِهَا ' وَاِنْ سَاَلَنِىْ اَعْطَيْتُهٗ ' وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِىْ لَاُعِيْذَنَّهٗ ' رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ۔

"اٰذَنْتُهٗ" اَعْلَمْتُهٗ بِاَنِّىْ مُحَارِبٌ لَّهٗ۔ "اسْتَعَاذَنِىْ" رُوِىَ بِالنُّوْنِ بِالْبَآءِ۔

۹۵ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے میرے لیے کسی دشمن سے دشمنی کی میں اس سے اعلانِ جنگ کر دیتا ہوں اور بندے پر جو چیزیں میں نے فرض کی ہیں۔ ان سے بڑھ کر کوئی چیز بھی بندے کو میرے قریب کرنے والی نہیں۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا وہ پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر مجھ سے وہ کچھ مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں اور اگر وہ کسی چیز سے پناہ طلب کرے تو میں اسے ضرور اس چیز سے پناہ دیتا ہوں''۔ (بخاری)

اٰذَنْتُهٗ :میں اس کو خبردار کرتا ہوں کہ میں اس کا مقابل ہوں۔

اسْتَعَاذَنِىْ :یہ اسْتَعَاذَ بِىْ بھی مروی ہے۔

تشریح ۞ عادی: یہ معادات سے ہے جو کہ موالات کا عکس ہے۔

ولیًا: ① یہ تولّی سے ہو تو جو آدمی اطاعت وتقویٰ سے دوستی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ حفظ ونصرت سے اسکے دوست بن جاتے ہیں۔

④ولی سے ہوتو قرب' نزدیکی۔ ولی جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہو یعنی اس کے اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کر کے اس کا قرب اللہ تعالیٰ کے نور معرفت میں مستغرق ہونے کی وجہ سے دل سے کسی کو نہ دیکھے۔ وہ فقط دلائل قدرت دیکھے اور آیات رب کو سنے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے الگ نہ ہو اور کثرت سے نوافل پڑھے۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ وہ بولے اور اس کی اطاعت میں وہ حرکت کرے یہی تو متقی ہے۔ ارشاد فرمایا: ﴿ان اولیاءُ ہٗ الا المتقون﴾: (الانفال:۳۴) **فقد آذنته بالحرب**: میں نے اعلان کر دیا ہے کہ میں اس کی طرف سے اس کے دشمن سے وہ معاملہ کرتا ہوں جو محارب سے کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس پر جلال وعدل وانتقام کی تجلیات ہیں اور ظاہر ہے جس سے اللہ تعالیٰ محاربہ کا معاملہ فرمائیں وہ کیسے کامیاب ہوگا۔ یہ شدید تہدید ہے کیونکہ اس محاربہ کا انجام ہلاکت ہی ہے۔ یہ کلمات مجاز بلیغ کی قسم سے ہیں۔ گویا اس کا مطلب وہی ہے جس پر وہ دشمنی مشتمل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندے کو ناپسند کر کے اس کی دشمنی مول لینا اور اس آدمی کے لئے بڑی وعید ہے جو اللہ تعالیٰ کی ولایت کی وجہ سے اس کے ساتھ دشمنی کرتا ہے اور یہ اس طرح جیسے اس آدمی کو ایذاء دینے کی طرح جس میں قرآن وسنت کی اتباع کی وجہ سے نشانات ولایت ظاہر ہوں۔ خواہ عناداً یا حسداً ان آیات کا انکار کر دے یا جو احترام اس کا کرنا چاہئے وہ نہ کرے یا اس کو گالم گلوچ کرے ہر قسم کی ایذائیں جن کی شرع میں کوئی گنجائش نہیں جبکہ وہ اس کا مستحق نہ ہو۔

باقی کسی عدالت میں ولی سے نزاع یا وہ جھگڑا جو اس سے کسی حق کو حاصل کرنے کے لئے ہو یا کسی گہری بات کو معلوم کرنے کی غرض سے ہو اس کا اس وعید سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایسے باہمی تنازعات ابوبکر وعمر اور علی وعباس رضی اللہ عنہم کے مابین پیش آئے حالانکہ وہ تمام اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہیں۔

جب عداوت میں وعید ہے تو موالات میں عظیم ثواب' ثواب الٰہی' تائید' توفیق خداوندی بھی اسی قدر ہے۔

عبدی: کی نسبت تشریفی ہے۔ جو اس کے بلند مقامات کی اہلیت کو ظاہر کرتی ہے۔

من ما افترضت علیه: یہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے خواہ فرض عین ہو یا کفایہ مثلاً نماز' ادائیگی حقوق' والدین سے حسن سلوک اور دیگر واجبات کیونکہ ان کا حکم لازم ہے اس لئے ان کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے میں سزا ہے۔ اسی لئے فرض اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب اور اس کے قرب کا ذریعہ ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض کا ثواب نفل سے ستر درجہ بڑھ کر ہے۔ حاصل یہ ہے کہ فرض بنیاد اور نفل عمارت ہے۔

یتقرب: قرب حاصل کرتا ہے۔ ایک روایت میں یتحبب: ہے۔

بالنوافل: تمام قسم کی نفلی عبادات مثلاً قرأت قرآن یہ عظیم ترین قربات سے ہے۔ اسی طرح ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فاذکرونی اذکرکم اور اس کا باطن زہد' توکل' ورع' رضا و دیگر احوال عارفین سے مزین ہونا چاہئے۔ خصوصاً نیکیوں کی محبت اور اعداء سے دشمنی۔ **حتی احبه**: بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں کی توفیق اور اسکی انابت اور اس کے ساتھ احسان سے معاملہ۔

اہم تنبیہ ☆ اس سے معلوم ہوا کہ نوافل کی ادائیگی فرائض کی ادائیگی کے بعد ہے ورنہ نوافل کس شمار میں نہیں جیسا فرائض کی تقدیم سے ظاہر ہو رہا ہے اور یہ چیز بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دے گی اور وہ اس کے ان دوستوں سے ہو جائے گا جن کو وہ پسند کرتے ہیں اور حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی فرائض سے اس طرح قرب پائے گا کہ وہ کسی واجب کو ترک

نہ کرے اور کسی حرام کا ارتکاب نہ کرے یا فرائض کو نوافل سمیت انجام دے یہ کامل ترین صورت ہے۔ اسی لئے اس کو محبت سابقہ اور آئندہ سے خاص کیا۔

اور ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی ولایت اور محبت کی راہ ایک ہی ہے اور وہ طاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ باقی سب غلط۔

فاذا احببت کنت: یہاں کانَ صابر کے معنی میں ہے۔

قول محققین ☆ یہ مجاز ہے۔ ② بندے عام امور میں تائید و اعانت اور تولیت سے کنایہ ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو بندے کے آلات و جوارح ادراکیہ کے مقام پر اتار کر یہ فرمایا۔ اس دوسری روایت میں **فبی یسمع** :الحدیث کے الفاظ وارد ہیں۔ یعنی میں نے اسے ان افعال کی قدرت دی اور اس میں پیدا فرمائے۔ میں ان کا کرنے والا ہوں۔ بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں۔ خواہ کلی افعال ہوں یا جزیات سے متعلق ہوں۔ اس روایت سے معتزلہ کے اس اعتقاد کی تردید فرمائی کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اور دوسری طرف حلولیہ اور اتحادیہ نے اس کلام کو حقیقت قرار دے کر کہا کہ اللہ تعالیٰ عین عبد ہے یا اس میں حلول کرنے والا ہے۔ یہ کھلی گمراہی اور اجماعاً کفر ہے۔

ازالہ ☆ بعض عارفین کے کلام میں اسی طرح کی مشابہہ جو چیزیں وارد ہیں۔ وہ ان کی مراد نہیں وہ ظاہر بین کا قصور نظر ہے۔ ورنہ وہ اس خبیث اعتقاد سے بری الذمہ ہیں۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے ان کو دیگر مفاسد سے بچا کر رکھا ہے۔ (واللہ اعلم)

ولئن سألنی: اگر وہ مجھ سے مانگے گا تو میں ضرور دوں گا اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو خوف سے اس کو پناہ دوں گا۔ یہ حبیب کا اپنے محبوب سے معاملہ ہوتا ہے۔ امت کے بے شمار ایسے لوگ ہیں جن کے مطلوب ان کو ملے اور دکھ جاتے رہے۔ اس پختہ وعدہ میں جو قسم سے مؤکد ہے یہ اعلان کیا گیا کہ جو اللہ تعالیٰ کا مندرجہ بالا انداز سے قرب حاصل کرتا ہے۔ اس کی دعا مسترد نہیں ہوتی اور بعض اوقات اس کی دعا اس لئے قبول نہیں کی جاتی کہ اس کی بہتری دوسری چیز میں ہوتی ہے۔ جو اس کے لئے دنیا و آخرت کے لحاظ سے بہتر ہوتی ہے۔ (بخاری)

لا عیذنّہ: کے بعد یہ بھی اضافہ ہے: **وما ترددت عن شئی انا فاعلہ ترددی عن نفس المؤمن یکرہ الموت وانا اکرہُ ساء تہٗ:** (بخاری) نے یہ الفاظ نقل کئے' ابن حبان نے بھی نقل کئے ابوداؤد نے سنن کے علاوہ اور بیہقی نے کتاب الزہد میں اور ابن عدی نے کامل میں ذکر کئے ہیں۔ آذنتہ: اعلان کرنا۔ استعاذنی: مجھ سے پناہ طلب کی۔ یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے مگر سب میں کلام ہے اور جو روایت اسناد حسن رکھتی ہے وہ بہت غریب ہے۔

تخریج: أخرجه البخاری (٦٥٠٢) وابن حبان (٣٤٧) وانظير كلام الحافظ ابن حجر عليه فی الفتح (١٤٣/١٣)

الفرائد: ① صدق و توکل کی وجہ سے ولی اللہ بڑا مرتبہ پالیتا ہے۔ ② اللہ تعالیٰ کے دوست کو ایذاء دینے والا جلد انتقام الٰہی کا شکار ہوتا ہے۔ ③ اللہ تعالیٰ کے لئے ولایت ثابت ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (ا) ولایت عامہ سے مراد تمام بندوں پر غلبہ و تصرف مطلقہ اس کو حاصل ہے۔ (ب) ولایت خاصہ سے مراد انسان کا ایسے اسباب خیر اختیار کرنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کی ولایت حاصل ہو جاتی ہے۔ اللّٰہ ولی الذین امنوا میں اسی کا تذکرہ ہے۔ ④ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دشمنی اللہ تعالیٰ کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ ⑤ فرائض کا درجہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نوافل سے بہت زیادہ ہے۔ ⑥ اللہ تعالیٰ کی محبت

بندوں سے بتقاضائے حکمت متفاوت ہے۔ ⑦ جو اللہ تعالیٰ کی محبت چاہتا ہے وہ اس کے اوامر کی تعمیل کرے اور نواہی سے بچے۔ ⑧ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی دعا کو قبول فرماتے ہیں۔ ⑨ سب سے بڑا مجاہدہ تعمیل فرائض و واجبات اور پھر مستحبات و سنن سے اس کی تکمیل ہے۔

۹۶ :عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْمَا يَرْوِيْهِ عَنْ رَبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ :اِذَا تَقَرَّبَ الْعَبْدُ اِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَاِذَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ مِنْهُ بَاعًا، وَاِذَا اَتَانِيْ يَمْشِيْ اَتَيْتُهٗ هَرْوَلَةً رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۹۶: حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرتؐ سے آپؐ کا وہ ارشاد نقل کرتے ہیں جو آپؐ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جب بندہ میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جب وہ میری طرف ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور جب وہ میری طرف چلتا ہوا آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑتا ہوا آتا ہوں''۔ (بخاری)

تشریح ۞ **برویه عن ربه**: یعنی یہ حدیث قدسی ہے۔ اس میں اور قرآن مجید میں فرق یہ ہے: ① قرآن معجز ہے ② اس کی تلاوت سے ثواب ملتا ہے۔ ③ بالمعنی اس کی روایات جائز نہیں۔ ④ بلا وضو اس کو چھونا ناجائز ہے۔ ⑤ بلا وضو اس کا اٹھانا جائز نہیں۔ مگر ان احادیث کا یہ حکم نہیں۔ **قال رب سبحانہٗ**: یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: **تقربت الیه**: اور دوسری روایت میں **تقربت منه**: ہے۔ **اذا**: کے ساتھ بعض نسخوں میں واؤ ہے اور یہی ظاہر ہے تا کہ معلوم ہو کہ مذکور پہلی حدیث کا حصہ ہے۔ **انا عند ظن عبدی بی و انا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی في ملاءٍ ذکرته فی ملاء خیر منه الخ**: پھر یہ جانبین میں تمثیل ہے۔

علامہ کرمانی کہتے ہیں یہ بات قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ یہ اطلاقات اللہ تعالیٰ پر محال ہیں۔ پس یہ مجاز ہیں مطلب یہ ہے جو شخص طاعات میں سے کوئی معمولی چیز بھی انجام دیتا ہے۔ میں کئی گنا اس کا ثواب بڑھا کر اس کا اکرام کرتا ہوں اور اس کی جوں جوں اطاعت بڑھتی ہے۔ میرا ثواب بھی بڑھتا جاتا ہے۔ اگر وہ اطاعت میں دیر کرتا ہے تو میں ثواب جلدی سے دیتا ہوں الغرض ثواب عمل سے کئی گنا بڑھ کر ہوتا ہے۔ باقی اطلاقات نفس، تقرب، ہرولہ وغیرہ تیزی کے الفاظ بطور ① مشاطلت یا ② بطریق استعارہ یا ③ لوازم کے ارادہ سے لائے گئے ہیں یہ ان احادیث میں سے ہے جو اکرم الاکرمین کے کرم عمیم کو ظاہر کرتی ہیں (اللھم ارزقنا حظا و اخرًا منه۔ آمین): (رواہ البخاری) ابن جزری نے حصن میں اس حدیث کا پہلا حصہ لا کر متفق علیہ کا اشارہ دیا اسی طرح جامع الاصول دبیع میں بھی ہے۔ شاید دونوں کی روایت بالمعنی ہو اور بخاری سے خاص اس انداز سے نقل کیا۔

تخریج: أخرجه البخاری (٧٠٣٦) وأحمد (١٢٢٨٩ / ٤)

الفرائد: ① اللہ تعالیٰ کے انعامات بے شمار ہیں سب سے بڑا انعام نعمت ایمان و اسلام ہے پھر صحیح عقل پھر امن و وسعت رزق ہے۔

۹۷ :عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ :الصِّحَّةُ ، وَالْفَرَاغُ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۹۷: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان کے متعلق خسارے میں مبتلا ہیں:

(۱) صحت' (۲) فراغت''۔ (بخاری)

تشریح ۞ نعمتان: یعنی دو عظیم الشان نعمتیں ہیں۔ بقول ابن خازن نعمت اس کو کہتے ہیں جس سے انسان خوشحال ہو۔ علامہ طیبی کہتے ہیں نِعْمه: یہ جِلْسَة کی طرح ہے۔ وہ اچھی حالت جس پر انسان ہو۔ ایک قول یہ ہے نِعمه: وہ فائدہ جو دوسرے کو بطور احسان پہنچایا جائے۔

النحو :مغبون فيهما: یہ نعمتان کی خبر ہے۔ الغبن: کئی گنا قیمت بڑھا کر خریدنا۔ ② وہ بیع جو ثمن مثلی کے بغیر کی جائے۔

كثير من الناس: مغبون کا نائب فاعل ہے اور وہ خبر ہے۔ ② کثیر یہ مبتداء اور مغبون خبر ہے اور جملہ خبر ہے اور رابط ضمیر وصف ہے اور کثیر کی وجہ سے مفرد ہے۔ الصحة و الفراغ: یہ نعمتان سے بدل ہے۔

نکتہ ☆: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکلّف کو تاجر اور صحت سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی بدن اور فراغت میں یہ ایسی رکاوٹیں ہیں جو رأس المال میں طاعت کے سلسلہ میں مخل ہیں کیونکہ بدن و فراغت، یہ دونوں چیزیں نفع کے اسباب اور کامیابی کے مقدمات سے ہیں۔ پس جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی اختیار کی اور صحت و فراغت کو جلد آلیا وہ نفع پا گیا اور جس نے اپنے رأس المال کو ضائع کر دیا اس کو شرمندگی فائدہ نہ دے گی۔

تخریج: أخرجه أحمد (١/٣٢٠٧) والبخاری (٦٤١٢) والترمذی (٢٣٠٤) وابن ماجة (٤١٧٠)

الفرائد : ① اصل شکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو انجام دینا ہے۔ ② اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت دی کہ آپ کے متقدم و متاخر تمام ذنب بخش دیئے۔ ③ رات کے قیام طویل قیام افضل ہے۔

۹۸ :عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ حَتّٰى تَتَفَطَّرَ قَدَمَاهُ فَقُلْتُ لَهٗ :لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ؟ قَالَ :اَفَلَا اُحِبُّ اَنْ اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ- هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَنَحْوُهٗ فِي الصَّحِيْحَيْنِ مِنْ رِّوَايَةِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ۔

۹۸: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ رات کو قیام فرماتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک پھٹ جاتے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ اس طرح کیوں کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ جاؤں۔

(بخاری) اسی طرح کی روایت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں بھی مروی ہے۔

تشریح ۞ **یقوم**: سے یہاں تہجد کا قیام مراد ہے وہ رات کا چھٹا' چوتھائی یا پانچواں حصہ تھا۔ **تفطر**: یہ اصل میں تنفطر ہے جو پھٹنے کے معنی میں ہے۔ نسائی کی روایت میں **تزلع قدماہ**: اور بخاری کی دوسری روایت میں **تورمت قدماہ**: مگر تمام روایات کا حاصل ایک ہے ورم سے پھٹنا۔ **ھذا**: سے یہ مشقت اٹھانا مراد ہے۔ عارف باللہ ابو جمرہ نے **من یدخل احد کم الجنة بعمله**: پر کلام کے دوران فرمایا کسی کے خیال میں یہ بات نہ آئے کہ وہ ذنوب جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے غفران کا فرمایا ہے وہ ان گناہوں جیسے تھے جن میں ہم شب و روز مبتلا ہیں (حاشا وکلاّ) کیونکہ انبیاء علیہم السلام بالا جماع کبائر و صغائر سے معصوم ہیں۔ یہ اس قبیل سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے لائق تعظیم اور شکریہ میں انسانی تقاضے کے مطابق کمی رہ جاتی ہے۔ آپ ﷺ کا جس قدر مرتبہ بلند ہے شکریہ کے حقوق بھی اسی قدر زیادہ ہیں جن میں کمی رہ جاتی ہے۔ اس کے غفران کا اعلان کر کے اور رفعت بخش دی۔ قاضی عیاضؒ کا کلام اس سلسلہ میں باب اداء الامانت میں مذکور ہوگا۔

أفلا احب ان اکون عبدا شکورًا: فاسببیہ ہے محذوف یہ فعل ہے۔ **اترك التهجد فلا**: کیا میں تہجد چھوڑ دوں ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں تو اس کا شکر گزار بندہ بننا چاہتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ مغفرت تہجد کے شکریے کا سبب ہے پس اس کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے۔ قرطبی کہتے ہیں عبادت میں مشقت برداشت کرنے کا سبب دریافت کرنے والے کا خیال یہ تھا کہ یہ عبادت خوف ذنب سے اور طلب مغفرت و رحمت کے لئے ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غفران کا فیصلہ ہو چکا ان کو اس کی ضرورت نہیں۔ آپ نے سائل کی راہنمائی ایک اور طرف فرمائی کہ اس کا سبب غفران کے عطیہ پر شکرانہ ہے اور ان تک نعمت کا پہنچنا ہے جو ذرا سی نعمت کے بھی حقدار نہیں۔

(صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سوال کا مقصد اس قدر جسمانی مشقت میں کمی کی اپیل تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: یہ مشقتیں نعمت غفران کے شکریہ ہی میں خوش دلی سے اٹھائی جا رہی ہیں۔ واللہ اعلم منہ)

شکر: اعتراف نعمت کے ساتھ خدمت کو انجام دینا۔ جو اس کو کثرت سے کرنے والا ہو وہ شکور کہلاتا ہے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿**قلیل من عبادی الشکور**﴾: (السباء: ۱۳) اس قدر مشقت والے اعمال وہ اختیار کرے جو ان سے اکتاہٹ اختیار نہ کرے۔ جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جسم کو تکلیف پہنچنے کے باوجود اپنے رب کی عبادت سے نہ اکتاتے تھے۔ اور حدیث میں فرمایا گیا: **وجعلت قرة عینی فی الصلاة**: جو اکتاہٹ محسوس کرے اسے اپنی حد میں رہنا چاہئے۔ جیسا فرمایا: **اکلغوا من العمل ما تطیقون فان اللّٰہ لا یمل حتی تملوا**۔

تخریج: متفق علیہ۔ معنی کے لحاظ سے۔ البتہ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔ اس کو ترمذی' نسائی' ابن ماجہ سے بھی بیان کیا ہے۔ (جامع صغیر)

الفرائد: اس روایت میں آپ ﷺ کا عبادت کے لئے محنت اٹھانا اور اپنے رب سے ڈرنا مذکور ہے۔ کثرتِ عبادت کی وجہ انعاماتِ عظیمہ کی بقدر ہمت شکر گزاری کے لئے ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عشرہ اواخر رمضان کی راتیں آپ تمام رات عبادت میں گزارتے۔

۹۹ :عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ اَحْيَا اللَّيْلِ وَاَيقَظَ اَهْلَهٗ وَجَدَّ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"وَالْمُرَادُ" : اَلْعَشْرُ الْاَوَاخِرُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ- "وَالْمِئْزَرُ" اَلْاِزَارُ وَهُوَ كِنَايَةٌ عَنِ اعْتِزَالِ النِّسَآءِ- وَقِيْلَ : اَلْمُرَادُ تَشْمِيْرُهٗ لِلْعِبَادَةِ يُقَالُ : شَدَدْتُ لِهٰذَا الْاَمْرِ مِئْزَرِيْ : اَيْ تَشَمَّرْتُ وَتَفَرَّغْتُ لَهٗ۔

۹۹: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا تو آنحضرت ﷺ شب بیداری فرماتے اور گھر والوں کو جگاتے اور خوب کوشش فرماتے اور کمر کس لیتے۔ اَلْمِیْزَرُ :چادر۔ یہ عورتوں سے علیحدگی اختیار کرنے سے کنایہ ہے۔ مقصد اس سے عبادت کی پوری تیاری ہے۔ (متفق علیہ) جیسا کہ محاورہ عرب ہے: شَدَدْتُ لِهٰذَا الْاَمْرِ مِیْزَرِیْ :میں نے اس کام کے لئے پوری تیاری کرلی اور فارغ کرلیا۔

تشریح ۞ العشر الاواخر: سے رمضان المبارک کے ۲۱ سے لے کر آخر رمضان۔

احیا اللیل: مختلف عبادات سے۔ سال کی تمام راتوں میں تمام رات جاگنے پر دوام بدن وعقل کو مضر ہے۔

ایقظ اهله: نماز کے لئے جگاتے تاکہ اوقات مبارکہ کی فضیلت سے خبردار ہو جائیں اور ان میں نیک اعمال کو غنیمت سمجھیں جیسا ترمذی نے زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ عشرہ اخیرہ میں گھر میں ہر ایک کو جو قیام کی استطاعت رکھتا تھا آپ جگاتے۔

جدّ: عادت سے زیادہ عبادت کی کوشش کرتے۔ اس کی وجہ لیلۃ القدر ہے جو ہزار ماہ سے افضل ہے۔ شد المیئزار: ① یہ شد منرر ہے۔ شد ازار نہیں۔ عورتوں سے الگ رہنے سے کنایہ ہے۔ جیسا اس شعر میں

قوم اذا حاربوا اشدوا مآ زرهم ☆ من النساء ولو بائت باطهار

ثوری نے یہی معنی لیا ہے اور ابوبکر بن عیاش کا بھی یہی قول ہے۔ (ابن ابی شیبہ)

② یہ مجاز مرسل ہے۔ عبادت کے لئے پورے طور پر فارغ کرنا مراد ہے۔ یہ خطابی کا قول ہے۔

③ ابن حجر کہتے ہیں عبادت کے لئے تیاری اور اعتزال دونوں بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ (فتح الباری)

④ ایک احتمال یہ بھی ہے شد میئزر حقیقت ہو اور اس کو نہ کھولنا اور عورتوں سے الگ رہنا اور عبادت کے لئے خوب تیار رہنا مراد ہو مگر عاصم بن ضمرہ کی روایت میں شد مئزرہ واعتزل النساء کے الفاظ عطف کے ساتھ آئے ہیں جس سے پہلے معنی کی تائید ہوتی ہے۔

تخریج: أخرجه أحمد (۹/۲٤۱۸٦) والبخاری (۲۰۲٤) و مسلم (۱۱۷٤) و أبو داود (۱۳۷٦) والنسائی (۱٦۳۸) وابن ماجه (۱۷٦۸) وابن حبان (۳۲۱) والبیهقی (۳۱۳/٤)

الفرائد ① انسان کو عمل میں استمرار اختیار کرنا چاہئے اکتا کر چھوڑ نہ بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ سے ہر چیز مانگے اور اسی کی مدد پر بھروسہ کرے۔

۱۰۰ :عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَّاَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیْفِ وَفِیْ كُلٍّ خَیْرٌ اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُكَ ، وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجَزْ – وَاِنْ اَصَابَكَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ اَنِّیْ فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا ، وَلٰكِنْ قُلْ :قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَآءَ فَعَلَ فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ

۱۰۰: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''طاقتور مؤمن زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے کمزور مؤمن سے۔مگر ہر ایک میں بہتری اور خیر ہے اور تم اس چیز کی حرص کرو جو تمہیں فائدہ دے اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور ہمت نہ ہارو اور اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچے تو یہ مت کہو کہ میں ایسا کر لیتا اگر میں ایسا کر لیتا تو ایسا ہو جاتا البتہ یہ کہو اللہ کی تقدیر یہی تھی اور جو اس نے چاہا وہ کیا۔کیونکہ ''اگر'' کا لفظ شیطان کے عمل کا دروازہ کھولتا ہے''۔(مسلم)

تشریح ✿ **المؤمن القوی**:اس سے مراد وہ مومن ہے جس کو باطنی قوت کی وجہ سے اسباب کی طرف التفات نہ ہو بلکہ مسبب الاسباب پر بھروسہ ہو۔

نوویؒ کہتے ہیں مؤمن قوی وہ ہے جس کو امورآخرت کی طرف رغبت ہو اور وہ خوب عبادات کرنے والا ہو۔ ② جو لوگوں کو خیر وارشاد سکھائے اور اس راہ میں آنے والی لوگوں کی تکالیف برداشت کرے۔

③ قرطبی جو بدن ونفس کے لحاظ سے قوی ہو ارادے کو پورا کرنے والا اور وظائف عبادت حج' نماز' روزہ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جن پر دین قائم ہے ان وظائف کو ادا کرنے والا ہو۔

الضعیف: سے مراد جو قوی کی ضد ہو۔ **خیر** : یہاں مصدر ہے جو خلاف شر کو کہا جاتا ہے۔دونوں اصل ایمان میں شریک ہیں۔

علی ما ینفعك:احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے دین' عیال اور مکارم اخلاق میں معاون چیزوں کو حاصل کرے اور ان میں کوتاہی نہ برتے۔اسی لئے احرص کا صیغہ استعمال فرمایا۔

استعن باللّٰہ: اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اس پر بھروسہ کرو اور اپنی حرکات واسباب پر بھروسہ نہ کرے بلکہ تمام میں اس کی پناہ مانگے۔جس نے اس سے اعانت چاہی اس کی اعانت کی گئی۔کسی عارف نے کیا خوب کہا:

اذا لم یعنك اللہ فیما تریدہٗ ☆ فلیس لمخلوق الیہ سبیل

اللہ تعالیٰ کی اعانت نہ ہو تو مخلوق کو اس کی کیا طاقت۔

ان ھو لم یرشدك فی كل مسلكٍ ☆ ضللت ولو ان السماك دلیل

اگر اس کی راہنمائی نہ ہو تو سماک ستارہ بھی راہنمائی نہیں کر سکتا۔

و لا تعجز:اس میں کوتاہی کرتے ہوئے بتکلف عاجز مت بن اس سے طاقت پر بھروسہ کر کے حکمت الٰہیہ کو مت چھوڑ کیونکہ بیٹھ رہنے میں کوتاہ گنا جائے گا اور شرعاً وعادۃً تفریط قابل ملامت ہے۔اگر اس کے باوجود تقدیر کی کوئی چیز تجھے پہنچے تو ''فلا تقل لو انی فعلت کان کذا'': یہ لو کا جواب ہے اس میں عادات کی طرف جھکاؤ' مسببات کو اسباب عادیہ سے جوڑنا اور امور

کی اصل حقیقت یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے سے دوسری طرف جھکاؤ ثابت ہوتا ہے۔اسی لئے یہ کہنے کا حکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے یہی تھا وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔(برہان علوی کی تحقیق کے مطابق قَدَرَ اللّٰہ: ماضی کا صیغہ ہے)اس نے کر دیا اس کے ارادہ کو کوئی لوٹا نہیں سکتا وہ ہر چیز پر قادر ہے میں اس پر راضی ہوں۔

اس میں مقدور کے واقعہ ہونے پر افسوس کا علاج ذکر کر دیا اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کو تسلیم کرنے اور قدرت پر رضامندی سے ملتی ہے اور گزشتہ کی طرف نہ کرنے سے میسر آتی ہے کہ اس طرح نہ کہے اگر اسطرح کرتا تو یوں ہوتا کیونکہ لوکہنا ان کے لئے خسران کا باعث ہے۔

جن لوگوں کو خیال ہوا کہ تدبیر تقدیر سابق کے مخالف ہے۔جواب یہ ہے کہ یہ شیطانی چال ہے اگر لو' کو تقدیر کے معارض قرار دیا یا تقدیر اعتقاد کے باوجود کہے کہ اگر فلاں مانع نہ ہوتا تو اس کے خلاف ہوتا۔یہ ایسا وسوسہ ہے جو خسران کا باعث ہے۔ البتہ لو کو افسوس کے طور پر اس وقت استعمال کیا جائے جب اس سے علم اور بھلائی کی کوئی چیز رہ جائے اور وہ یہ جانتا ہو کہ مجھے جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ہے وہی ملے گا تو اس صورت میں مکروہ نہیں۔جیسا اس روایت میں ہے:لو استقبلت من امری ما استدبرت:الحدیث۔

تخریج: أخرجه احمد (۳/۸۷۹۹) و مسلم (۲٦٦٤) وابن ماجه (۷۹)

الفرائد :شہوات ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کی طرف نفس بلا سوچے سمجھے اور دین وشریعت کی رعایت کے لئے بغیر اور انسانی قدروں کا پاس کئے بغیر بڑھتا چلا جائے۔اسی لئے ان میں ابتلاء کو جہنم میں داخلہ کا ذریعہ بتلایا گیا اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کی پابندی نفس کو گراں ہے اسی وجہ سے اس کو برداشت کر لینے پر جنت کا حقدار بنایا گیا ہے۔

۱۰۱ : عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ ، وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

وَفِیْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ: "حُفَّتْ" بَدَلَ "حُجِبَتْ" وَهُوَ بِمَعْنَاهُ : اَیْ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا هٰذَا الْحِجَابُ فَاِذَا فَعَلَهُ دَخَلَهَا'

۱۰۱: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ جہنم کو شہوات سے ڈھانپ دیا گیا اور جنت کو ناپسندیدہ ناگوار کاموں سے ڈھانپ دیا گیا۔(متفق علیہ)

مسلم کی روایت ہے۔حُفَّتْ مگر دونوں کا معنی ایک ہے یعنی آدمی اور اس کے درمیان یہ حجاب اور رکاوٹ ہے جب وہ اس کو کر لیتا ہے تو وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے۔

تشریح ۞ حُجبت: یہ ماضی مجہول ہے۔قرطبی کہتے ہیں یہ انتہائی بلیغ کلام ہے۔مکارہ: کو خفاف' حجاب سے مثال دے کر سمجھایا۔خفاف اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے گرد اس طرح چھا جائے کہ اس کو پھاندنے کے سواء اس تک پہنچنا ممکن نہ ہو۔اس تمثیل سے یہ ظاہر فرمایا گیا کہ حب کا حصول مکارہ کے جنگل عبور کرنے اور اس میں آنے والی تکالیف کو برداشت کرنے سے ہوگا اور آگ سے وہ نجات پائے گا جو شہوات کو چھوڑ دے اور نفس کو اس سے الگ کر لے۔

امام نووی کہتے ہیں جنت کی طرف پہنچنے کا راستہ یہ ہے۔ طاعات میں مشقت کی ناپسند باتیں اختیار کرے اور شہوات سے باز رہے جیسا کہ کسی ڈھانپی ہوئی چیز کو پردہ پھاڑ کر اور پردے سے آگے گزر کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ شہوات کی اتباع آگ میں پہنچانے والی ہے۔ یہاں شہوات سے حرام شہوات مراد ہیں نہ کہ مباح۔ البتہ مباحات میں زیادہ انہماک دل میں قساوت پیدا کرتا ہے اور طاعت میں سستی کا باعث بنتا ہے۔ (متفق علیہ معنی کے لحاظ سے ہے) مسلم کی روایت میں حجبت: کی بجائے حفت کا لفظ ہے دونوں کا معنی ایک ہے۔ ابن مالک نے نووی کی طرف حجبت لاحفت کے الفاظ غلطی سے منسوب کر دیئے۔ ورنہ ریاض اور شرح مسلم میں نووی کی اپنی نقل میں یہ الفاظ موجود ہیں کاتب کا سہو ہے۔ (فتدبر)

بینهٗ: سے نار: اور **بینها:** سے جنت مراد ہے اور **فاذا فعله:** سے حجاب کو پھاڑ کر عبور کرنا ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (٤/١٢٥٦٠) والبخاری (٦٤٨٧) و مسلم (٢٨٢٢)

الفرائد: ① اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں کو چاہنے کے لئے عبادت کے اعمال شاقہ برداشت کرنے چاہئیں۔ ② رات کی نماز طویل قیام کے ساتھ افضل ہے۔ ③ تسبیح کی کثرت میں کوئی مقدار متعین نہیں۔

۱۰۲: عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ حُذَيْفَةَ ابْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَافْتَتَحَ الْبَقَرَةَ فَقُلْتُ يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَةِ ثُمَّ مَضٰى فَقُلْتُ يُصَلِّيْ بِهَا فِيْ رَكْعَةٍ فَمَضٰى، فَقُلْتُ يَرْكَعُ بِهَا فِيْ رَكْعَةٍ فَمَضٰى فَقُلْتُ يَرْكَعُ بِهَا ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَآءَ فَقَرَاَهَا يَقْرَاُ مُتَرَسِّلًا اِذَا مَرَّ بِاٰيَةٍ فِيْهَا تَسْبِيْحٌ سَبَّحَ وَاِذَا مَرَّ بِسُؤَالٍ سَاَلَ وَاِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ ثُمَّ رَكَعَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ: "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" فَكَانَ رُكُوْعُهٗ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهٖ ثُمَّ قَالَ: "سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ" ثُمَّ قَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا قَرِيْبًا مِّمَّا رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ فَقَالَ: "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" فَكَانَ سُجُوْدُهٗ قَرِيْبًا مِّنْ قِيَامِهٖ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۲: حضرت ابو عبد اللہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات نماز پڑھی۔ آپؐ نے سورۂ بقرہ شروع فرمائی میں نے دل میں کہا کہ آپؐ سو آیات پر رکوع فرمائیں گے۔ مگر آپؐ نے تلاوت جاری رکھی۔ میں نے سوچا کہ اس سورت سے ایک رکعت ادا فرمائیں گے لیکن آپ نے سورۂ نساء شروع کی اور اس کو مکمل پڑھا۔ پھر آل عمران شروع کی اور اس کو مکمل پڑھا۔ آپؐ کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر تھی۔ جب آپؐ کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں تسبیح باری تعالیٰ ہوتی تو تسبیح فرماتے اور جب سوال والی آیت سے گزرتے تو سوال کرتے اور جب استعاذہ اور پناہ والی آیت پر گزر ہوتا تو اللہ سے پناہ طلب کرتے۔ پھر آپؐ نے رکوع کیا تو اس میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ پڑھی۔ آپؐ کا رکوع قیام کے برابر تھا پھر آپؐ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتے ہوئے کھڑے ہوئے اور رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہا اور اتنا ہی طویل قومہ فرمایا جتنا کہ رکوع۔ پھر سجدہ کیا اور سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى پڑھا۔ آپؐ کا سجدہ قریباً قیام کے برابر تھا۔ (مسلم)

تشریح ۞ حذیفہ بن حسیل انصاری رضی اللہ عنہما۔ ان کے والد کا لقب یمان اس لئے پڑا کہ یہ انصار کے حلیف تھے اور وہ یمن سبا سے ہیں ورنہ یہ تو عبس بن بغیض مضری کی اولاد سے ہیں۔ دونوں باپ بیٹا اسلام لائے' احد میں شریک تھے غلطی سے ان کے والد مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ حذیفہ نے آواز دی یہ میرے والد ہیں مگر وہ نہ رکے یہاں تک کہ شہید کر دیا انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے' ان کا خون مسلمانوں کو معاف کر دیا۔ یہ رقباء میں سے ایک تھے۔ فقیہ اور اہل فتویٰ صحابہ میں سے تھے۔ منافقین کے متعلق صاحب سرِ رسول کہا جاتا تھا۔ فتن مستقبلہ کی بہت سی خبریں ان کے پاس تھیں۔ جہاد میں ان کے عظیم الشان کارنامے ہیں' غزوہ احزاب میں ان کا کارنامہ مشہور ہے۔ اسلامی فتوحات میں نمایاں حصہ لیا۔ انہوں نے ہمدان' دینور کو فتح کیا۔ الجزائر کی فتح میں موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مدائن کا گورنر بنایا۔ ایک دن انہوں نے اپنے دوستوں کو کہا آج اپنی اپنی تمنا پیش کرو۔ سب نے پیش کی۔ عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے میری تمنا یہ ہے کہ مجھے ابوعبیدہ' معاذ بن جبل' حذیفہ بن الیمان جیسے عظیم لوگ ملیں تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے مختلف جگہوں کا حاکم مقرر کروں۔

ان کی مرویات ایک سو سے کچھ زائد ہیں۔ ۱۲ متفق علیہ اور ۸ میں بخاری ۱۷ میں مسلم منفرد ہیں۔ ۳۷ھ میں مدینہ منورہ میں شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے چالیس راتیں بعد وفات پائی۔ صلیت: سے نماز تہجد مراد ہے اس میں سورۂ بقرہ شروع فرمائی۔ **ایمائۃ**: میم پر کسرہ کے باوجود رسم الخط میں التباس سے بچنے کے لئے ہمزہ کو الف کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔

ثم افتتح آل عمران فقرأها: قاضی عیاضؒ کہتے ہیں اس میں ان لوگوں کی دلیل ہے جو ترتیب سور کو اجتہادی مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے اوپر چھوڑا یہ امام مالکؒ اور جمہور علماء کا قول ہے۔ ابن باقلانی نے اس کو پسند کیا اور اس کو صحیح قرار دیا اور یہ کہتے ہیں کہ سور کی ترتیب کتابت نماز' درس' تلقین میں زیادہ واجب نہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نص اس سلسلہ میں پائی نہیں جاتی اور اس کی مخالفت بھی ناجائز نہیں۔ اسی وجہ سے مصاحف کی ترتیب میں مصحف عثمانی سے پہلے اختلاف پایا جاتا تھا اور دوسرا قول ان کا ہے جو اس کو توقیفی مانتے ہیں۔ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر فرمایا جیسا کہ مصحف عثمانی میں موجود ہے اور مصاحف کا یہ اختلاف توقیف اور آخری عرض اور دور سے پہلے کی بات ہے۔ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہے اور مصحف ابی بن کعب میں اسی طرح تھیں۔ بعض متاخرین نے ایک دوسری تاویل کی کہ اس طرح پڑھنا بیان جواز کے لئے تھا۔ باقلانی کہتے ہیں کہ یہ ترتیب کی خلاف ورزی ایک رکعت میں ناجائز ہے اور دوسری رکعت میں خلاف ترتیب پڑھنا جائز ہے۔ یا غیر صلاۃ میں ترتیب کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ بعض نے ایک اور بات کہی کہ ترتیب کے خلاف پڑھنا مباح ہے سلف نے جس ترتیب کی ممانعت کی وہ معکوس پڑھنا ہے۔ سورت کو آخر سے شروع کی طرف پڑھے۔

باقلانی کہتے ہیں کہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ہر سورۃ کی آیات کی ترتیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے توقیفی ہے اور اس طرح ہے جیسا کہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ امت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

مترسلاً: حروف کی صحیح ادائیگی کے ساتھ ترتیل سے پڑھنا۔

اذ امر بتعوذ تعوذ: معلوم ہوا کہ پڑھنے والے کو یہی طریق اپنانا مسنون ہے۔

سبحان ربی العظیم: بعض ائمہ کہتے ہیں آپؐ اسی تسبیح کو دہرایا کرتے۔ علماء شوافع کہتے ہیں کہ تسبیح کو مکرر نہ کرے سب سے کم ایک مرتبہ اور اقل کا کامل درجہ تین اور اکثر ۱۱ مرتبہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمول اور صریح ارشادات سے اور مواظبت سے یہی

بات ثابت ہوتی ہے۔ البتہ اس حدیث میں مذکور کبھی کیا جانے والا فعل ہے۔ جس کو مستقل حالت پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔
رکوعه نحواً: رکوع قریب تھا اس قیام کے جو قرأت کے لئے فرمایا۔ **سمع الله لمن حمده:** اللہ تعالیٰ نے اس کی سن لی جس نے اس کی تعریف کی یعنی قبول کر لی۔ **ثم قام:** رکوع سے اٹھنے کے بعد طویل قومہ فرمایا۔ وہ امام نووی نے اس سے اخذ کیا کہ اعتدال اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا یہ دونوں طویل رکن ہیں۔ لیکن صحیح مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں چھوٹے ہوں گے کیونکہ یہ مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود للغیر ہیں اور یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ رکوع سے قریب ہونا نسبتی معاملہ ہے اس میں کوئی ثبوت نہیں کہ مشروع طوالت سے بڑھ کر طوالت تھی اور اس کی مقدار فاتحہ اور اذکار و اوراد کی قرأت کی مقدار ہے۔
ایک حکمت ☆: رکوع میں العظیم اور سجدہ میں الاعلیٰ فرمایا گیا۔ اعلیٰ اسم تفضیل ہے۔ عظیم کی بنسبت زیادہ بلیغ ہے اور سجدہ تواضع میں رکوع سے بڑھ کر ہے۔ تو جو تواضع میں زیادہ بلیغ تھا اس کے لئے زیادہ بلیغ لفظ لائے۔ (رواہ مسلم)
تخریج: أخرجه احمد (۲۳۳۰۰ /۹) و مسلم (۷۷۲) و أبو داود (۸۷۱) والترمذی (۲۶۲) والنسائی (۱۰۰۷) و ابن ماجه (۱۳۵۱) والدارمی (۱.۲۹۹) و ابن حبان (۱۹۸۷) و ابن خزیمة (۶۰۳) و عبد الرزاق (۲۸۷۵) والطحاوی فی شرح معانی الآثار (۱/۳۵)
الفرائد: ① دنیا کو بقاء نہیں قبر میں فقط عمل انیس بنے گا۔ ② اعمال صالحہ پر دوام مجاہدہ نفس سے میسر آ سکتا ہے۔

۱۰۳ : عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاَطَالَ الْقِيَامَ حَتّٰى هَمَمْتُ بِاَمْرِ سَوْءٍ ، قِيْلَ : وَمَا بِهٖ؟ قَالَ هَمَمْتُ اَنْ اَجْلِسَ وَاَدَعَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۰۳: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ کے ساتھ ایک رات نماز پڑھی۔ آپؐ نے اتنا طویل قیام فرمایا کہ میں نے برے کام کا ارادہ کر لیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے کس چیز کا ارادہ فرمایا تھا؟ جواب دیا میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں بیٹھ جاؤں اور نماز چھوڑ دوں۔ (متفق علیہ)

تشریح ❁ **صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم لیلةً:** نماز سے تہجد کی نماز مراد ہے اور لیلہ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ **فاطال:** طویل قیام فرمایا جو عام عادت سے زائد تھا۔ **بامر سوءٍ:** سوء ضمہ سین سے اسم ہے اور فتحہ کے ساتھ سوء یہ مسرت کی نقیض ہے۔ مفتوح کی اضافت رَجُل سَوء: کی قسم سے ہے۔ (فتح الباری) فتحہ میں سوء پر اکتفاء کیا ہے اور ضمہ کی تردید کی ہے مگر دونوں میں فرق ظاہر ہے کہ ایک میں مصدر کی اضافت اور دوسرے میں اسم جامد کی اضافت ہے۔
اس نامناسب بات کی وضاحت فرمائی کہ **ان اجلس وادعه:** میں بیٹھ جاؤں اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز چھوڑ دوں۔
مسئلہ: بڑے علماء کے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ قول و فعل میں ان کی مخالفت نہ کی جائے جب تک کہ ان کا فعل دائرہ شرع میں ہو۔ علماء کا اس بات میں یہ اتفاق ہے کہ اگر مقتدی کو فرائض و نوافل میں قیام مشکل ہو جائے تو وہ بیٹھ سکتا ہے۔ البتہ ابن مسعود تو ادب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے نہیں بیٹھے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طویل نماز کو پسند فرماتے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ طاقت ور اور اقتداء نبوت کے دلدادہ تھے مگر جب عادت مالوفہ سے زیادہ قیام فرمایا تو اس وقت بیٹھنے کا ارادہ کیا اور حدیث میں وارد ہے کہ امام کی مخالفت افعال میں بری بات ہے۔ اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ جو

بات مبہم ہو اسے پوچھ لینا چاہئے کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں نے امر سوء کو نہ سمجھنے کی بناء پر ان سے استفسار کیا۔ (متفق علیہ' ترمذی فی الشمائل)

تخریج: أخرجه احمد (۳۶۴۶ / ۲) والبخاری (۱۱۳۵) و مسلم (۷۷۳) و ابن ماجه (۱۴۱۸)

الفرائد: ① بسا اوقات آدمی زبان سے کوئی ایسی بات نکال دیتا ہے جو اس کے دخول جنت کا باعث بن جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح ایک ایسا کلمہ منہ سے بول دیتا ہے جس سے وہ جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔

۱۰۴: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ : اَهْلُهُ وَمَالُهُ ، وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقٰى وَاحِدٌ :يَرْجِعُ اَهْلُهُ" وَمَالُهُ" وَيَبْقٰى عَمَلُهُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۰۴: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہؐ سے روایت کی ہے کہ تین چیزیں میّت کے پیچھے جاتی ہیں: (۱) اس کے گھر والے۔ (۲) اس کا مال۔ (۳) اس کا عمل۔ پس دو چیزیں واپس آ جاتی ہیں اور ایک باقی رہ جاتی ہے۔ اس کے گھر والے اور اس کا مال واپس آ جاتا ہے اور اس کا عمل اس کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: یتبع المیت: یعنی قبر تک ساتھ جاتے ہیں۔ ثلاثه: اس میں اجمالاً ذکر کیا پھر جملہ مستانفہ کے طور پر وضاحت کی تاکہ نفس میں بات خوب بیٹھ جائے بعض چیزوں کی تفصیل کے لئے طبع میں اشتیاق ہوتا ہے۔ الحاصل: حدیث میں عمل کو عمدہ طریقے سے کرنے پر آمادہ کیا گیا تاکہ قبر میں اس کا ہم نشین بن سکے۔ (متفق علیہ)

تخریج: أخرجه احمد (۱۲۰۸۱/۴) والبخاری ۶۵۱۴) و مسلم (۲۹۶۰) والترمذی (۲۳۷۹) والحمیدی (۱۱۸۶) و ابن حبان (۳۱۰۷)

الفرائد: ① سجدہ کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ ② ممنوع اوقات کے علاوہ نفلی نماز کی کثرت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ ③ آزاد آدمی سے خدمت لینا درست ہے۔ ④ مقرب ترین ہستیاں بھی جنت میں داخل کرنے کا اختیار نہیں رکھتیں۔

۱۰۵: عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اَلْجَنَّةُ اَقْرَبُ اِلٰى اَحَدِكُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ وَالنَّارِ مِثْلُ ذٰلِكَ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۱۰۵: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت تمہارے لئے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے اور اسی طرح جہنم بھی اتنی ہی قریب ہے''۔ (بخاری)

تشریح: الشراك: جوتے کے تسمے۔ ابن مالک کہتے ہیں۔ قریب تر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ معمولی نیکی جنت کے داخلے کا باعث بن جاتی ہے اور ایک معصیت جہنم میں لے جاتی ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں یہ حدیث بتلاتی ہے کہ طاعت جنت تک پہنچانے والی ہے اور معصیت آگ سے قریب کرنے والی ہے اور بسا اوقات یہ دونوں معمولی سی چیز سے ہوتی ہیں اسی معنی میں یہ ارشاد ہے: اِنّ الرجل لیتکلم بالکلمة: الحدیث۔ آدمی کے لئے مناسب یہ ہے کہ چھوٹی سی نیکی کرنے میں دریغ نہ کرے اور معمولی سی برائی کی جرأت نہ کرے۔ اس لئے کہ اس نیکی کا علم نہیں جس سے اللہ تعالیٰ رحمت فرما دیں اور نہ اس برائی کا علم

ہے کہ جس سے وہ ناراض ہو جائیں۔

ابن جوزی کہتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صحیح قصد اور فعل طاعت سے جنت کا حصول آسان ہے اور اسی طرح آگ بھی خواہشات کی پیروی اور گناہوں کے ارتکاب سے قریب الحصول ہے۔

ابن الکاذرونی کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ جو کافر تھا وہ مسلمان ہو گیا تو جنت قریب ہو گئی اور (خدانخواستہ) جس نے کفر اختیار کرلیا نار اس کے قریب ہو گئی۔ اسی طرح کبائر کا مرتکب بھی آگ سے قریب تر ہو گیا۔ (شرح شارق)

تخریج: أخرجه احمد (۲/۳۶۶۷) والبخاری (۶٤۸۸) و ابن حبان (٦٦١) والبیهقی (۳/۳٦۸)

الفرائد: ① طول عمر حسن عمل کے ساتھ عظیم الشان نعمت اور رفع درجات کا ذریعہ ہے۔

۱۰۶: عَنْ اَبِیْ فِرَاسٍ رَبِیْعَةَ بْنِ کَعْبِ الْاَسْلَمِیِّ خَادِمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَمِنْ اَهْلِ الصُّفَّةِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: "کُنْتُ اَبِیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاٰتِیْهِ بِوَضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ: "سَلْنِیْ" فَقُلْتُ: اَسْاَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّةِ فَقَالَ: اَوْ غَیْرَ ذٰلِكَ؟ قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ قَالَ: فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِکَثْرَةِ السُّجُوْدِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۶: حضرت ابو فراس ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ جو آنحضرت ﷺ کے خدام اور اصحاب صفہ میں سے تھے روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رات گزارتا اور ان کے لئے لوٹا اور ضرورت کی چیزیں مہیا کرتا۔ (ایک رات آپ نے فرمایا) مجھ سے مانگ لو۔ میں نے عرض کیا میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کے علاوہ کچھ اور؟" میں نے کہا فقط یہی۔ پھر ارشاد فرمایا: "تم میری اس سلسلہ میں کثرت سجود سے معاونت کرو"۔ (مسلم)

تشریح: ابو فراس ربیعۃ بن کعب بن مالک اسلمی الحجازی یہ جناب رسول اللہ ﷺ کے سفر و حضر کے خادم ہیں اور اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ یہ مسجد کے ایک جانب چھتی ہوئی جگہ جہاں وہ فقراء رہائش پذیر تھے جن کے گھر نہ تھے۔ یہ ہر وقت مسجد میں رہنے والے اور خدمت رسول میں ہر وقت مستعد رہنے والے لوگوں میں سے تھے۔ اہل صفہ سے ان کا تعلق تھا' ان کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے پاس رات گزارتا میں روشن دان سے رات کو سمع اللہ لمن حمدہ اور رات کے کنارہ میں آپ فرماتے اور رات کے ایک حصہ میں کہتے الحمد للہ رب العالمین۔ ابن جوزی نے اس کو بارہ روایات روایت کرنے والے صحابہ میں درج کیا ہے۔

برقی کہتے ہیں ان سے چار احادیث مروی ہیں۔ اس ایک روایت میں مسلم بخاری سے منفرد ہے۔ اصحاب سنن اربعہ نے ان سے روایت کی ہے۔ ۶۳ھ میں واقعہ حرّہ کے بعد انہوں نے وفات پائی۔

وَضوئه: وہ پانی جو وضو کے لئے تیار کیا جائے۔ وحاجته: لباس وغیرہ جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ سلنی: آپ نے فرمایا مجھ سے کوئی چیز مانگو تاکہ تمہاری خدمت کے مقابلہ میں بطور تحفہ تجھے دوں۔ اسخیاء کی یہ عادت ہوتی ہے اور آپ ﷺ سے بڑا سخی کون؟ سوال کے اطلاق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خزائن حق میں ان کی مطلوبہ چیز کی

اجازت دی گئی تھی۔ آپ ﷺ کے خصائص میں سے ایک بات یہ لکھی ہے جس کو چاہیں جس چیز سے خاص کردیں جیسے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو آدمیوں کے برابر قرار دیا گیا۔ (بخاری) اسی طرح ام عطیہ کو آل فلان کے سلسلہ میں بلند آواز سے رونے کی اجازت دی۔ (مسلم) **مرافقتك في الجنة**: جنت میں آپ کے قریب رہوں تا کہ زیارت وقرب سے متمتع ہوتا رہوں۔ اس میں یہ اشکال نہیں ہوسکتا کہ آپ کو تو مقام وسیلہ ملے گا جو کہ سب سے بلند مقام ہے۔ وہاں تک کسی نبی مرسل کی بھی رسائی نہیں اور دوسروں کی تو کیا بات ہے کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے مراتب قرب میں ایک مرتبہ میسر ہو جائے اس کو مرافقہ سے کنایۃً بیان کردیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اور کچھ مانگتے ہو کیونکہ یہ تو آسان ہے۔ یہاں او عطف کے لئے ہے یا ہمزہ استفہام کا فعل پر داخل ہے اور اب معنی یہ ہے: **أترجع عن سؤالك هذا**: کیونکہ یہ مشقت والی چیز ہے جس کی تم طاقت نہیں رکھتے بلکہ اور کوئی چیز مانگ لو جو اس سے آسان ہو۔ **قلت هو ذالك**: میں نے عرض کیا یہی میرا سوال ہے اور نہیں اگرچہ مشکل ہو میں اس سے رجوع نہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ **ذلك**: بعید ذکر فرما کر اشارہ کردیا کہ یہ مرتبہ اونچا اور شان والا ہے اور نرمی وکمزوری سے حاصل نہیں ہوتا۔ مگر سائل صحابی نے جواب میں ذاک کا اشارہ استعمال کر کے عرض کردیا میں اپنے سوال پر قائم ہوں وہ میرے لئے مستبعد نہیں ہے کیونکہ میں اس مرتبہ کے حصول کے لئے جو حکم دیا جائے گا اس کو پورا کرنے کے لئے عزم بالجزم کر چکا ہوں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قوت عزم اور صدق سوال کا جائزہ لے لیا تو فرمایا: **اعني على نفسك**: پھر اپنے اس بلند مراتب سے پیچھے رہنے والے نفس کے لئے جو کہ آرام وسکون من چاہی بے کار چیزوں کی طرف مائل ہے میری اعانت کرو۔ اعنی سے اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اصلاح میں دوسروں کی طرح خوب کوشاں ہیں اور وہ ایسے معالج ہیں جس کو اس کی شفاء مطلوب ہے۔ طبیب اپنے علاج میں مریض کی معاونت کا محتاج ہوتا ہے کہ جو وہ ہدایات دے اس پر مریض عمل پیرا ہو۔ **بكثرة السجود**: سجدوں کی کثرت جو کہ مرتبہ قرب کے حصول کا ذریعہ ہے اور نفس کو اس کی گڑبڑوں سے پاک کر کے اس کو اس کی عادات ومیلانات سے نکالنے والا ہے اور یہ تمہیں ان نقائص سے دور کردے گا جو دوام مراقبہ تک لے جانے والے ہیں اس طرح مرافقت ومجاورت کے درجہ میں ترقی مل جائے گی۔

ابن حجر شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں کہ کثرت سجود سے اس کو وہ بلند درجہ حاصل ہو جائے گا جس کے حصول کی طمع بھی نہیں کی جاسکتی مگر کثرت سجود کے ساتھ دنیا میں مزید مرتبہ بڑھایا جائے گا جس کی طرف **واسجدوا اقترب**: (العلق: ۱۹) میں اشارہ کردیا گیا ہے پس ہر سجدہ میں ایک خاص قرب ہے کیونکہ وہ درجات قرب میں سے ایک درجہ قرب کا وہ کفیل ہے۔ اس طرح ترقی کرتے کرتے مرافقت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے گا۔ پس اس کا نتیجہ اس آیت کے مطابق ہے: ﴿قُلْ إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فاتبعوني ايحببكم الله﴾ (آل عمران: ۳۱) کہ قرب رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرب الٰہی سے حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا قرب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب سے ملتا ہے یہ دونوں قرب آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو ان دونوں محبتوں کے درمیان ذکر کیا ہے تا کہ ہم پر ظاہر کردیا جائے کہ بندے کی محبت اللہ تعالیٰ سے ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت بندے سے ہو ان دونوں کا دارومدار متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔

تخريج: أخرجه مسلم (٤٨٩) و أبو داود (١٣٢٠) والترمذى (٣٤١٦) والنسائى (١١٣٧) و (١٦١٧) و ابن

ماجه (۳۸۷۹)

الفرائد : ① جب انسان مجاہدہ نفس کرتا ہے تو دنیا میں اللہ تعالیٰ جنت کی ہوائیں اس کے شام دماغ کو سونگھا دیتے ہیں۔ ذلک فضل اللہ۔

۱۰۷ : عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰه وَیُقَالُ اَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: عَلَیْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ ؛ فَاِنَّكَ لَنْ تَسْجُدَ لِلّٰهِ سَجْدَةً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً، وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِیْئَةً'' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۰۷: حضرت ابوعبداللہ' بعض نے کہا ابوعبدالرحمٰن ثوبان مولیٰ رسول اللہ (ﷺ) روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''اے ثوبان تم کثرت سے سجدے کیا کرو اس لئے کہ جو سجدہ بھی اللہ کے لئے کرو گے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہارا ایک درجہ بلند کر دے گا اور ایک گناہ اس کی وجہ سے مٹا دے گا''۔ (مسلم)

تشریح ۞ ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت۔ ابوعبداللہ یا ابوعبدالرحمان ہے ان کے والد کا نام بجد یا جحد ہے۔ کازرونی کہتے ہیں کہ یہ یمنی ہیں بعض نے حکمی بتلایا کہ حکم بن سعد کے خاندان سے ہیں جو العشیر ہ کے رہنے والے تھے۔ بعض نے التمر بعض نے السرة بتلایا یہ مکہ اور یمن کے درمیان واقع ہے۔ یہ قید ہو کر آئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو خرید کر آزاد کر دیا گیا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک ساتھ رہے۔ پھر حمص منتقل ہو گئے۔ ان کا وہاں دار الضیافت تھا۔ ۵۴ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات پائی۔

مرویات کی تعداد ۲۸ ہے۔ ایک روایت میں مسلم منفرد ہیں۔ بخاری نے ان سے دس احادیث کی تخریج کی جن کو ابن جوزی نے ذکر کیا۔

علیك: یہ اسم فعل ہے جو خُذْ: کے معنی میں ہے۔ بکثرة السجود میں با زائدہ ہے **للّٰہ سجدةً**: رکعت کے ضمن میں یا تلاوت وشکر میں' ورنہ فقط سجدہ تو غیر مشروع ہے۔

سبب حدیث: معدان بن طلحہ کہتے ہیں میں ثوبان کے پاس گیا اور ان کو کہا مجھے ایسا عمل بتلاؤ جس سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کر دے یا وہ عمل جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسند ہو۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے پھر دوبارہ سوال کیا تو انہوں نے جواب سے خاموشی اختیار فرمائی۔ میں نے پھر تیسری بار سوال کیا تو فرمایا میں نے یہی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا: **علیك بكثرة السجود**: الحدیث۔ پھر میں ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی مجھے وہی کہا جو ثوبان نے کہا (رواہ مسلم) احمد ترمذی' نسائی' ابن ماجہ۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت سجود طول قیام سے افضل ہے اور علماء کے تین مذاہب میں سے ایک یہ ہے۔ ہمارے ہاں صحیح یہ ہے کہ عدل طول قیام افضل ہے۔ (تفصیل شرح الاذکار میں دیکھیں)

تخريج: أخرجه احمد (۸/۲۲٤۳۳) و مسلم (٤۸۸) والترمذی (۳۸۸) والنسائی (۱۱۳۸) و ابن حبان (۱۷۳۵) و ابن حزیمة (۳۱٦) والطیالسی (۹۸٦) والبیهقی (۲/٤۸۵)

الفرائد: ① صحابہ کرامؓ خیرات میں کس قدر استباق کرنے والے تھے۔ ② منافق کو مسلمان کا چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا عمل ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ ③ اللہ تعالیٰ مؤمن کی طرف سے مدافعت فرماتے ہیں۔

۱۰۸: عَنْ اَبِیْ صَفْوَانَ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ بُسْرٍ الْاَسْلَمِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : خَیْرُ النَّاسِ مَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ'' رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ :حَدِیْثٌ حَسَنٌ۔

''بُسْرٌ'' :بِضَمِّ الْبَآءِ وَبِالسِّیْنِ الْمُهْمَلَةِ۔

۱۰۸: حضرت ابوصفوان عبداللہ بن بسر اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے بہتر آدمی وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور عمل اچھا ہو'۔ (ترمذی) اور انہوں نے کہا حدیث حسن ہے۔

بُسْرٌ :یہ لفظ بآ کے ضمہ سے ہے۔

تشریح: ابوصفوان عبداللہ بن بُسر اسلمی علامہ کازرونی نے ان کو مازنی قرار دیا ہے۔ مگر صاحب اسد الغابہ نے اس کی تردید کی ہے۔ سلیم مازن کا بھائی ہے۔ عبداللہ کا سُلیم سے کوئی معاہدہ نہیں کہ اس کی وجہ سے ان کی طرف نسبت کی جائے۔ یہ ان صحابہ کرامؓ میں سے تھے جنہوں نے قبلتین کی طرف نماز پڑھی اور ان کے سر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر رکھا اور دعا فرمائی اور فرمایا: **یعیش هذا الغلام قرنًا**: یہ لڑکا سو سال زندہ رہے گا۔ چنانچہ ان کی عمر سو سال ہوئی اور فرمایا یہ اس وقت تک فوت نہ ہوں گے یہاں تک کہ یہ مسّہ ان کے منہ سے چلا نہ جائے چنانچہ موت سے پہلے وہ مسہ ختم ہوگیا۔ ابن اثیر کہتے ہیں ان کو اور ان کے والد، والدہ بھائی عطیہ اور بہن شماء کو شرف صحابیت حاصل ہے۔ اس کے مطابق نووی کو رضی اللہ عنہما کہنا چاہئے تھا۔ ابن حجر کہتے ہیں نوعمر صحابی ہیں ان کو اور ان کے والد کو شرف صحابیت ملا۔ ۸۸ھ میں وفات پائی۔ ان کی عمر ۹۴ سال تھی۔ بعض نے کہا حمص میں وفات ہوئی۔ شام میں وفات پانے والے آخری صحابی ہیں۔ ۹۶ھ ان کی عمر سو سال تھی۔

ان کی مرویات ۵۰ ہیں۔ بخاری ایک اور مسلم ایک میں منفرد ہیں۔

من طال عمره و حسن عمله: اس نے اپنی طویل عمر میں ایسے کام کئے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے اور اس کی رضا تک پہنچانے والے تھے۔ **حسن عمل**: یہ ہے کہ تمام شروط و ارکان کے ساتھ کامل طور پر عمل کو انجام دے۔ یہ روایت ترمذی کی ہے بعض لکھنے والوں نے مسلم کی طرف منسوب کیا جو کہ غلط ہے۔ بُسر: یہ با کے ضمہ سے ہے۔

تخریج: أخرجه الترمذی (۲۳۳۶) و فی الباب عن أبی بکر رضی الله عنه عند أحمد (٦/١٧٦٩٦) والترمذی ٣٣٢٧) والدارمی (٣٠٨/٢) والحاكم (١/١٢٥٥) والبيهقی (٣٧١/٣) وابن أبی شيبة (٢٠٤/١٣) و أبو نعيم فی الحلية (٥١/٩) قال الترمذی : حسن صحيح و فی الباب عن جابر رضی الله عنة الحاكم (١/١٢٥٦) و صححه علی شرط و وافقه الذهبی وبالجملة فالحديث يقوی بشواهد۔

الفرائد: ① سچی توبہ کا دارومدار ان شرائط پر ہے: ① خالص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے ہو۔ ② سابقہ گناہ پر دل سے نادم ہو۔ ③ اس گناہ کو بالکل ترک کر دے۔ ④ آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرے۔ ⑤ حضور موت سے پہلے پہلے توبہ کی جائے۔ ⑥ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے۔ انسان کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ ملے گا۔

۱۰۹ : عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : غَابَ عَمِّیْ اَنَسُ بْنُ النَّضْرِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ قِتَالِ بَدْرٍ فَقَالَ : یا رَسُوْلَ اللّٰهِ غِبْتُ عَنْ اَوَّلِ قِتَالٍ قَاتَلْتَ الْمُشْرِكِیْنَ لَئِنِ اللّٰهُ اَشْهَدَنِیْ قِتَالَ الْمُشْرِكِیْنَ لَیَرَیَنَّ اللّٰهُ مَا اَصْنَعُ فَلَمَّا كَانَ یَوْمُ اُحُدٍ انْكَشَفَ الْمُسْلِمُوْنَ فَقَالَ : اَللّٰهُمَّ اعْتَذِرُ اِلَیْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَآءِ - یَعْنِیْ اَصْحَابَهٗ - وَاَبْرَاُ اِلَیْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَآءِ یَعْنِی الْمُشْرِكِیْنَ - ثُمَّ تَقَدَّمَ فَاسْتَقْبَلَهٗ سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ فَقَالَ : یَا سَعْدُ بْنُ مُعَاذٍ الْجَنَّةَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اِنِّیْ اَجِدُ رِیْحَهَا مِنْ دُوْنِ اُحُدٍ - قَالَ سَعْدٌ : فَمَا اسْتَطَعْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا صَنَعَ. قَالَ اَنَسٌ : فَوَجَدْنَا بِهٖ بِضْعًا وَّثَمَانِیْنَ ضَرْبَةً بِالسَّیْفِ اَوْ طَعْنَةً بِرُمْحٍ اَوْ رَمْیَةً بِسَهْمٍ وَّوَجَدْنَاهُ قَدْ قُتِلَ وَمَثَّلَ بِهِ الْمُشْرِكُوْنَ فَمَا عَرَفَهٗ اَحَدٌ اِلَّا اُخْتُهٗ بِبَنَانِهٖ- قَالَ اَنَسٌ : كُنَّا نَرٰی اَوْنَظُنُّ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰیَةَ نَزَلَتْ فِیْهِ وَفِیْ اَشْبَاهِهٖ : ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ﴾ اِلٰی اٰخِرِهَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

قَوْلُهٗ : "لَیَرَیَنَّ اللّٰهُ" رُوِیَ بِضَمِّ الْیَاءِ وَكَسْرِ الرَّآءِ : اَیْ لَیُظْهِرَنَّ اللّٰهُ ذٰلِكَ لِلنَّاسِ، وَرُوِیَ بِفَتْحِهِمَا وَمَعْنَاهُ ظَاهِرٌ" وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ۔

۱۰۹: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے چچا انس بن نضرؓ غزوۂ بدر میں موجود نہ تھے۔ عرض کرنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس غزوہ سے جو آپؐ نے مشرکین کے خلاف کیا غیر حاضر رہا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین سے قتال کا موقعہ عنایت فرمایا تو وہ دیکھ لے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ جب اُحد کا دن آیا تو مسلمان (دوسرے مرحلہ میں) منتشر ہو گئے۔ تو اللہ کی بارگاہ میں اس طرح عرض پیرا ہوئے: اَللّٰهُمَّ اَعْتَذِرُ اِلَیْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَآءِ وَاَبْرَاُ اِلَیْكَ مِمَّا صَنَعَ هٰؤُلَآءِ ۔ اے اللہ ساتھیوں نے جو کچھ کیا میں تیری بارگاہ میں اس سے معذرت خواہ ہوں۔ اور ان مشرکین نے جو کچھ کیا اس سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ پھر آگے بڑھے تو ان کا سامنا حضرت سعد بن معاذؓ سے ہوا۔ تو ان سے کہنے لگے اے سعد بن معاذ میں تو جنت کا طالب ہوں۔ رب کعبہ کی قسم! میں اس کی خوشبو اُحد سے اس طرف پا رہا ہوں۔ سعد کہتے ہیں جو انہوں نے کیا میں وہ نہ کر سکا۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ان کے جسم پر اسّی سے زیادہ تلوار' نیزے اور تیروں کے زخم پائے۔ ہم نے ان کو اس حال میں مقتول پایا کہ مشرکین نے ان کا مثلہ کر دیا تھا۔ ان کو اس حالت میں کسی نے نہ پہچانا۔ فقط ان کی بہن نے انگلی کے پوروں سے پہچانا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ہمارا خیال یا گمان تھا کہ یہ آیت ان کے اور ان جیسے دوسرے ایمان والوں کے بارے میں نازل ہوئی: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ﴾ ایمان والوں میں کچھ ایسے مرد ہیں جنہوں نے وہ عہد سچا کر دیا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے باندھ رکھا تھا۔ (متفق علیہ)

لَیَرَیَنَّ اللّٰهُ: اللہ لوگوں کے سامنے یہ ظاہر فرما دے گا۔ لَیَرَیَنَّ ضرور اللہ دیکھ لے گا۔

تشریح ۞ غاب عمی: اس سے مراد انس بن نضر رضی اللہ عنہ ہیں جو قتال بدر میں شریک نہ تھے۔ بدر یہ وہاں ایک

کنواں ہے جس کی وجہ سے یہ نام پڑا یا کنواں کھودنے والے کا نام بدر تھا۔

النحو : لئن اللّٰہ: لام قسم محذوف کی تمہید کے لئے ہے ای و اللّٰہ لئن: اور اللّٰہ فعل محذوف فاعل ہے جو کہ فعل شرط ہے۔ اس پر جواب قسم دلالت کررہا ہے۔ اشهدنی: حاضری کا موقعہ دیا۔

قتال المشركين: یہ اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہوسکتا ہے ضمیر کو حذف کر دیا گیا۔ مشرکین کے مقابلہ ذکر کرنے سے بچانے کے لئے۔ لیرین اللّٰہ ما اصنع: یہ جواب قسم ہے اور نون تاکید ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں یہ ایسا کلام ہے جو اس بات کو شامل ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر لازم کرلیا کہ وہ جہاد میں اپنے آپ کو پہنچائیں گے اور وہاں تک پہنچائیں گے جہاں تک ان کی ہمت ہوگی۔ کوتاہی کے خطرہ اور اپنی ہمت و طاقت سے برأت ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے تصریح نہیں کی۔ اسی وجہ سے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: فَهَاب ان يقول غيرها: وہ اور بات کہنے سے گھبرائے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے صمیم قلب اور صحیح قصد سے یہ فیصلہ کرلیا اسی لئے اللّٰہ تعالیٰ نے اس کو عہد قرار دے کر فرمایا: من المؤمنين رجال صدقوا اما عاهدوا اللّٰہ: (المفہم للقرطبی)

فلما كان يوم احدٍ: اگر کان قامہ ہو تو یوم مرفوع ہوگا ورنہ منصوب۔ معنی یہ ہے کہ احد کی لڑائی کے دن یا یوم سے واقعہ احد مراد ہے۔

انكشف المسلمون: مسلمانوں کو ہزیمت پہنچی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ان مقامات کو چھوڑ دیا جن پر نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے ان کو مقرر فرما کر حکم دیا تھا خواہ کچھ ہی ہو جائے اپنی جگہ نہ چھوڑنا۔ جب تک مسلمان اپنے مقامات پر قائم رہے کافر شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے پھر وہ لوگ اپنے مقامات چھوڑ آئے تو اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو ہزیمت پہنچ گئی۔

مما صنع هؤلا پہلے هؤلا سے مسلمان اور ان کا قتال سے ہٹنا مراد ہے۔ اور دوسرے هؤلا سے مشرکین اور ان کا نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے لڑنا مراد ہے۔ لوٹتے ہوئے ان کا سامنا سعد بن معاذ سے ہوا کہنے لگے۔

يا سعد بن معاذ: سعد مضموم منصوب دونوں ہوسکتا ہے کیونکہ یہ موصوف ہے۔ بن پر مضاف ہونے کی وجہ سے نصب متعین ہے۔ الجنة: محذوف فعل کی وجہ سے منصوب ہے: اُرِيد الجنة: یا مبتدء کی وجہ سے مرفوع ہے۔

النَضْر: جو لفظ اس وزن پر آئے اور ضا عین کلمہ ہو وہ معرفہ ہوگا اور عین صاد ہو تو نکرہ ہوگا نَصْراً۔

من دون احد: کا مطلب یہ ہے کہ احد سے بھی زیادہ قریب تر مقام سے ① ممکن ہے کہ حقیقت میں انہوں نے جنت کی خوشبو سونگھ لی۔ (وما ذالك على اللّٰه العزيز) ② انہوں نے شہید کے لئے دی جانے والی جنت کا اپنے تصور میں استحضار کیا گویا وہ اس کے لڑائی والے مقام میں موجود ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ جنت اس جگہ حاصل ہوگی میں اس کا مشتاق ہوں۔ ما صنع: یعنی میں وہ کروں جو انہوں نے کیا۔ مسلم کی روایت ہے کہ ''انہوں نے قتال کیا اور شہید ہو گئے''۔ قرطبی کہتے ہیں ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وہاں اکیلے قتال کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے موقعہ پر قتال مستحب و مستحسن ہے۔ بضعًا و ثماثين ضربة بالسيف او۔ بضع: کا لفظ تین سے نو پر بولا جاتا ہے بعض نے ایک سے دس تک کہا ہے۔ او نوع کو بیان کرنے کے لئے لائے۔ مثل به المشركون: مشرکین نے مثلہ کر دیا جس کی وجہ سے گھر والوں کو پہچان مشکل سے ہوئی۔ اخته: انس کی ہمشیرہ ربیع مراد ہیں۔ ببنانِهِ: سے مراد انگلی ہے۔ ان نسوى بنانه: میں یہی معنی ہے۔

کنا نری او نظن: یہ راوی کو شک ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے کون سے الفاظ بولے۔ مسلم کی روایت میں "فکانوا یرون"۔ صحابہ کرام گمان کرتے تھے کہ یہ آیت ان کے متعلق اتری دوسرا قول یہ ہے بیعت عقبہ میں شریک ۷۰ صحابہ کے متعلق اتری جنہوں نے وہ عہد پورا کر دیا۔ یہ کلبی کا قول ہے۔ آیت یہ ہے: ﴿من المؤمنین تا وما بدلوا تبدیلا﴾ (الاحزاب: ۲۳) وہ اپنے وعدہ پر قائم رہے اور کسی نے وعدہ نہ توڑا۔ نووی نے الیرینّ: کا معنی یہ کیا ہے کہ ضرور اللہ تعالیٰ اس کو جو میں اس کی راہ میں جہاد سے کروں گا ظاہر کرے گا۔ بخاری کا نسخہ لیَرانی اللّٰہ معنی کی تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

تخریج: أخرجه احمد (٤/١٣٠١٤) والبخاری (٢٨٠٥) و مسلم (١٩٠٣) والترمذی (٣٢٠١) والنسائی فی الکبری (٦/١١٤٠٣) والطیالسی (٢٠٤٤) و ابن أبی شیبة (١٤/٣٩٥) و ابن حبان (٤٧٧٢) والواحدی فی أسباب النزول (ص/٢٣٧/٢٣٨) والطبری (٢١/١٤٧) والبیهقی (٩/٤٣/٤٤)

۱۱۰: عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ عُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِیِّ الْبَدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اٰيَةُ الصَّدَقَةِ كُنَّا نُحَامِلُ عَلٰی ظُهُوْرِنَا فَجَآءَ رَجُلٌ فَتَصَدَّقَ بِشَیْءٍ كَثِيْرٍ فَقَالُوْا: مُرَآءٍ وَجَآءَ رَجُلٌ اٰخَرُ فَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ فَقَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنْ صَاعِ هٰذَا! فَنَزَلَتْ ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ اَلْاٰيَةَ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

" وَنُحَامِلُ" بِضَمِّ النُّوْنِ وَبِالْحَاءِ الْمُهْمَلَةِ: اَیْ يَحْمِلُ اَحَدُنَا عَلٰی ظَهْرِهٖ بِالْاُجْرَةِ وَيَتَصَدَّقُ بِهَا۔

۱۱۰: حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب صدقہ کی آیت نازل ہوئی تو اس وقت ہم اپنی کمروں پر بوجھ اُٹھاتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص آیا اور بہت کچھ مال خرچ کیا۔ منافقین نے کہا یہ دکھلاوا کرنے والا ہے۔ ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے ایک صاع کھجور صدقہ کی تو منافقین کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ اس صاع کھجور سے بے نیاز ہے۔ چنانچہ یہ آیت اتری: ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ وہ لوگ جو خوشی سے صدقہ کرنے والے مؤمنین کو طعنہ زنی کرتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی عیب لگاتے ہیں جو اپنی مزدوری کے سوا اور کوئی چیز نہیں پاتے۔ (متفق علیہ)

نُحَامِلُ: پشت پر بوجھ اُٹھا کر صدقہ کرنے کے لئے مزدوری کرنا۔

تشریح ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری البدری۔ یہ بدر کے مکین ہیں ایک جماعت محدثین و مغازی کے ہاں یہ بدر میں شریک نہیں ہوئے۔ مگر بخاری نے ان کی بدر میں موجودگی کو راجح قرار دیا ہے۔ یہ عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے ۱۰۲ روایات نقل کی ہیں۔ ۷ متفق علیہ ایک میں بخاری ۹ میں مسلم منفرد ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کے بعد وفات پائی۔ آیه صدقة: سے ابن حجرؒ کے ہاں خذ من اموالھم: والی آیات مراد ہے۔ کنا نحامل علی ظھورنا: خطابی کہتے ہیں صدقہ کرنے کے لئے اجرت پر بوجھ اٹھانا دوسری روایت بخاری میں "انطلق احدنا الی السوق یتحامل"۔

فجاء رجل: رجل سے مراد عبدالرحمان بن عوف ہیں۔ فتصدق بشئی: کثیر صدقہ کی مقدار آٹھ ہزار درہم یا چار ہزار درہم۔

ایک قول یہ ہے کہ چالیس اوقیہ سونا تھا۔ مراء: یہ اسم فاعل ہے ایسا عمل جس کو دکھلاوے کے لئے کرے تا کہ اس سے دنیوی غرض حاصل ہو۔ جاء رجل: رجل سے مراد ابو عقیل رضی اللہ عنہ ہیں۔ صاع: کی مقدار دو صاع کمائے ایک گھر والوں کو دے دیا ایک صدقہ کر دیا۔ فقالوا: منافقین کہنے لگے۔ اللہ تعالیٰ تو اس صاع سے مستغنی ہے۔ ان دونوں منافقین کے نام معتب بن قشیر اور عبد الرحمان بن نبتل فتح الباری میں لکھے ہیں۔ اس پر آیت ﴿اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ﴾: (البقرہ: ۷۹) اتری۔ یلمزون: عیب نکالنا۔

النَّحْوُ: الذین: جملہ مبتداء اور سخر اللہ یہ اس کی خبر ہے۔ نحامل: ہم مزدوری کرتے تا کہ صدقہ کر سکیں تا کہ صدقہ سے رضاء الٰہی حاصل ہو۔

مسئلۃ: بندے کو حسب طاقت اخلاص سے اپنے مولیٰ کی اطاعت کرتے رہنا چاہئے۔

تخريج: أخرجه البخاری (٤١٥) و مسلم (١٠١٨) والنسائی (٢٥٢٨) و ابن ماجه (٤١٥٥) و ابن حبان (٣٣٣٨) والطبرانی (١٧/٥٣٣) و ابن خزيمة (٢٤٥٣)

❁ ❁ ❁

١١١: عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِىْ اِدْرِيْسَ الْخَوْلَانِيِّ عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ جُنْدُبِ بْنِ جُنَادَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْمَا يَرْوِىْ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَّهٗ قَالَ يَا عِبَادِىْ اِنِّىْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِىْ وَجَعَلْتُهٗ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا يَا عِبَادِىْ كُلُّكُمْ ضَالٌّ اِلَّا مَنْ هَدَيْتُهٗ فَاسْتَهْدُوْنِىْ اَهْدِكُمْ، يَا عِبَادِىْ كُلُّكُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُهٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِىْ اُطْعِمْكُمْ، يَا عِبَادِىْ كُلُّكُمْ عَارٍ اِلَّا مَنْ كَسَوْتُهٗ فَاسْتَكْسُوْنِىْ اَكْسُكُمْ يَا عِبَادِىْ اِنَّكُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَاَنَا اَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِىْ اَغْفِرْلَكُمْ يَا عِبَادِىْ اِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضُرِّىْ فَتَضُرُّوْنِىْ وَلَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِىْ فَتَنْفَعُوْنِىْ، يَا عِبَادِىْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَا زَادَ فِىْ ذٰلِكَ فِىْ مُلْكِىْ شَيْئًا، يَا عِبَادِىْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِىْ شَيْئًا، يَا عِبَادِىْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَاِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوْا فِىْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ فَسَاَلُوْنِىْ فَاَعْطَيْتُ كُلَّ اِنْسَانٍ مَسْاَلَتَهٗ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِىْ اِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ اِذَا اُدْخِلَ الْبَحْرَ، يَا عِبَادِىْ اِنَّمَا هِىَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا لَكُمْ ثُمَّ اُوَفِّيْكُمْ اِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ، قَالَ سَعِيْدٌ كَانَ اَبُوْ اِدْرِيْسَ اِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ جَثَا عَلٰى رُكْبَتَيْهِ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّرَوَيْنَا عَنِ الْاِمَامِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ قَالَ: لَيْسَ لِاَهْلِ الشَّامِ حَدِيْثٌ اَشْرَفَ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ۔

۱۱۱: حضرت ابوذر جندب بن جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ

تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور اس ظلم کو تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے۔ پس تم ایک دوسرے پر ظلم مت کرو اور اے میرے بندو! تم سب راہ سے بھٹکے ہوئے ہو۔ مگر وہ جس کو میں ہدایت دوں۔ پس مجھ ہی سے ہدایت طلب کرو۔ میں تم کو ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو مگر وہ جس کو میں کھلاؤں۔ پس مجھ سے کھانا طلب کرو میں تم کو کھانا دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو مگر وہ کہ جس کو میں پہناؤں۔ پس مجھ سے لباس مانگو میں تم کو لباس پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم دن رات غلطیاں کرتے ہو اور میں تمام گناہوں کو معاف کرنے والا ہوں۔ پس مجھ سے گناہوں کی معافی مانگو۔ میں تمہیں بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! اگر تم ہرگز میرے نقصان کو نہیں پہنچ سکتے ہو کہ تم مجھے نقصان پہنچاؤ۔ اور تم میرے نفع کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے ہو کہ تم مجھے نفع پہنچا سکو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے اور تمہارے انس وجن تمام اس طرح ہو جائیں جس طرح سب سے زیادہ تقویٰ والے شخص کا دل ہوتا ہے تو اس سے میری مملکت میں ذرہ بھر اضافہ نہ ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول وآخر اور جن وانس فاجر ترین دل والے انسان کی طرح بن جائیں تو اس سے میری مملکت میں ذرّہ بھر بھی فرق نہیں پڑے گا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّلین وآخرین اور جن وانس تمام کے تمام ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں پھر مجھ سے سوال کریں اور میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عنایت کر دوں۔ اس سے میری ملکیت میں اتنی بھی کمی نہ ہوگی۔ جتنی سوئی کو سمندر میں ڈال کر نکالنے سے ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لئے شمار کر کے رکھتا ہوں۔ پھر اس پر پورا بدلہ دوں گا۔ پس جو آدمی کوئی بھلائی پائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور جو آدمی اس کے علاوہ کو پائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ سعید کہتے ہیں جب ابوادریس اس حدیث کو بیان فرماتے تو اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے۔ (مسلم) امام احمد نے فرمایا اہل شام کے لئے ان کی روایات میں اس سے زیادہ اعلیٰ واشرف کوئی روایت نہیں۔

تشریح ۞ سعد بن عبدالعزیز تنوخی یہ دمشق کے مفتی اور عالم ہیں۔ ابن عامر کو اپنی روایات سنائیں اور مکحول سے روایت سنی اور عطاء سے سوالات کئے۔ احمد کہتے ہیں میرے ہاں یہ اوزاعی کے درجہ کا آدمی ہے بلکہ خوف وبکاء میں اس سے بڑھ کر ہے۔ کہنے لگے جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو جہنم مثالی شکل میں میرے سامنے ہوتی ہے۔ ابومسہر نقل کرتے ہیں کہ یہ کہتے میرے پاس کوئی کتاب نہیں (یعنی خوب قوی الحافظہ تھے)۔ سفیان کہتے ہیں یہ ثقہ وپختہ ہیں۔ ۱۶۷ھ میں ۸۰ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے ان سے روایت لی ہے۔

ربیعہ: ان کی کنیت ابوشعیب ہے۔ یہ مکحول کے ساتھ دمشق کے فقیہ ہیں۔ بقول ابن فضالہ یہ مکحول سے افضل تھے۔ انہوں نے افریقیہ میں ۱۱۲ھ میں شہادت پائی۔ اصحاب ستہ نے ان سے روایت لی ہے۔

ابوادریس خولانی۔ خولان شام کا ایک قبیلہ ہے۔ ان کا اصل نام عائذ اللہ تھا یہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے بعد بقول سعید بن عبدالعزیز اہل شام کے عالم تھے۔ ان کی ولادت حنین کے دن ہوئی۔ ۸۰ھ میں وفات ہوئی۔ اصحاب ستہ نے ان سے روایت لی ہے۔ (الکاشف للذہبی)

فیما یروی عن اللہ تبارك و تعالیٰ: حافظ علائی نے کہا یہ **فیما یروی عن جبرئیل عن اللہ تبارك** ہے۔

اَلنَّحْو : تبارک لازم ہے۔ یہ حدیث قدسی ہے۔ ہم پہلے فرق بیان کر آئے ہیں۔

یا عبادی: یہ عبد کی جمع ہے۔ اس لفظ کی ۲۰ جمعیں آئی ہیں یہ آزاد غلام مذکر مؤنث کے لئے قرینہ سے استعمال ہوتا ہے۔

حرمت الظلم: ابن قیم کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا کسی فعل کے متعلق فرمانا کہ میں نے اس کو اپنے لئے حرام کرلیا ہے یہ اس کے عدم وقوع کو مستلزم ہے ابن قیم کے کلام کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے ظلم اس سے متصور تو ہے مگر اس نے اپنی ذات کو اس سے روک دیا وہ اسے اپنے عدل اور تنزیہ کی وجہ سے نہیں کرتا مگر جمہور علماء نے اس بات کی تردید کی ہے اور یہ فرمایا کہ ظلم کا تصور بھی حق تعالیٰ کے متعلق محال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظلم لغت کے لحاظ سے کسی چیز کو غیر محل میں رکھنا اور عرف عام میں ناحق غیر کسی دوسرے کے حق میں تصرف کرنا یا دوسرے لفظوں میں حدود سے تجاوز کرنا اور یہ اپنے دو معنوں کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے متعلق محال ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر کوئی نہیں جس کی اس کو اطاعت کرنا ہو کہ اس کے لئے کوئی حد بندی کی جائے اور کہا جائے کہ اس نے فلاں حد کو توڑا ہے اور اللہ تعالیٰ پر اپنی کسی مخلوق کا کوئی حق نہیں بلکہ اسی ہی نے مالکوں اور ان کی املاک کو بنایا اور محض فضل سے ایسا کیا اور ان املاک کی کچھ حدود مقرر کیں اور کچھ کو حلال اور کچھ کو حرام کیا۔ کوئی حاکم اس پر نہیں کہ جو اس کا پیچھا کر سکے اور نہ ہی کوئی ایسا حق ہے جو اس پر اس وجہ سے لازم ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہیں بعض نے کہا کہ ظلم سے مقدس ہونے کو تحریم سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ وہ عدم تحقق میں ممنوع کے مشابہہ ہے۔

بعض کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ نفس کے لفظ کا اطلاق اس کی ذات پر کیا جا سکتا ہے۔

دوسروں کا قول یہ ہے کہ یہ باب مقابلہ کی قسم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس کو اپنے اوپر حرام کیا ہے تو تمہارے مابین تو بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ جیسا **جعلته بینکم محرمًا**: سے اشارہ نکل رہا ہے۔ باقی جہاں مقابلہ کی صورت نہ ہو وہاں نفس کے لفظ کا اطلاق اس پر جائز نہ ہوگا کیونکہ اس سے نفس کی حقیقت کی طرف وہم جاتا ہے جو ذات باری تعالیٰ کے متعلق محال ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا اطلاق جائز ہے جبکہ یہ **النفاسة**: سے لیا جائے۔ پہلے قول پر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے قول سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے تو ذات الالہ کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ ذات شئی سے مراد اس کی حقیقت ہوتی ہے پس اس میں حدوث کا ذرہ نشان بھی نہیں۔ بخلاف لفظ نفس کے اس سے تنفس و حدوث کا شبہ پڑتا ہے۔ پس اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر مقابلہ کے علاوہ صورت میں ممنوع ٹھہرا اس لئے کہ اس صورت میں اس سے مراد حق تعالیٰ کی ذات ہے نہ نفس کی حقیقت یا جو معنی اس سے متبادر معلوم ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے مقابلہ کے علاوہ مقام پر اطلاق سے اللہ تعالیٰ کے لئے اس قول سے شمول کا ابہام ہوتا ہے "**کل نفس ذائقة الموت**": حالانکہ وہ اس سے بلند و بالا ہے۔

وجعلته بینکم محرمًا: اور میں نے تمہیں اس کی حرمت کا حکم دیا۔ تمام ملتوں میں نفوس اعراض انساب عقول اموال کی حفاظت کے لئے یہ حکم موجود رہا۔

ظلم کبھی ان تمام چیزوں میں ہوتا ہے اور کبھی بعض میں۔ سب سے بڑا ظلم شرک ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **ان الشرك لظلم عظیم** ﴾ (لقمان: ۱۳) اکثر آیات میں ظلم سے یہی مراد ہے۔ پھر اس سے کم درجہ دوسری انواع کا ظلم اپنی اپنی حیثیت سے ہے۔

فلا تظالموا: یہ ماقبل کی تاکید ہے اوراس کی حرمت میں شدت ظاہر کرنے کے لئے لائے۔

یا عبادی: بندوں کے شرف کو بڑھانے کے لئے دوبارہ نداء لائی گئی اور مابعد کی عظمت شان بھی بیان کرنا مقصود ہے۔جمع کا صیغہ استغراق کے لئے ہے۔ کلکم ضال: ① تم شرائع کے نزول سے پہلے غافل تھے۔ ② اگر تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے تو تم حق سے بھٹک جاؤ۔ الامن هديته: مگر جس کو توفیق ایمان دے کر ہدایت دے دوں یہ معنی اوّل کے لحاظ سے ہے۔ ② اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو آیا اس کی پیروی اور حق کی معرفت تک پہنچنے والی نظر دے کر حق تک پہنچا دوں یہ دوسرے معنی کے لحاظ سے ہے۔ ہر دو معنی کے مطابق یہ اس حدیث کے منافی نہیں "کل مولود یولد علی الفطرة": کیونکہ وہ ضلال تو فطرۃ پر چھانے والا ہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے: خلق اللّٰہ الخلق علی معرفةٍ فاغتالهم الشیطان"۔

مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ کل مولود: والی روایت کا مطلب یہ ہے کہ ہر بچے کی پیدائش اسلام کے لئے تیار کی جاتی ہے۔ پھر جس کے ماں باپ یا ان میں سے ایک مسلمان ہوتا ہے تو وہ دارین کے احکام پر قائم رہتا ہے اور اگر وہ کافر ہوتے ہیں تو اس پر ان کا حکم چلتا ہے وہ احکام دنیا میں ان کی پیروی کر لیتا ہے: فیهو دانه او ینصرانه: کا یہی مطلب ہے۔ دنیا میں اس پر انہی کا حکم لگتا ہے۔ جب بالغ ہو کر بھی وہ کفر پر قائم رہتا ہے اور اس کے متعلق بھی انہی کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔

ایک اہم مسئلہ ☆ جو بچپن میں مر گیا اس کے متعلق حکم میں اختلاف ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ وہ جنتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انسان قبول اسلام پر تو پیدا ہوا اور بالقوہ اس کے لئے یہ چیز مہیا کی گئی۔ مگر اسے اس کا اپنے فعل سے حصول ضروری ہے۔ وہ تعلیم سے پہلے ناواقف ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا: واللّٰہ اخرجكم من بطون امهاتكم لا تعلمون شيئا۔: پس جس کو وہ ہدایت دیتا ہے اس کے لئے وہ ایسا سبب بنا دیتا ہے جو اس کو ہدایت سکھائے پس وہ بالفعل ہدایت والا بن جاتا ہے اس کے بعد کہ وہ بالقوہ مہدی تھا اور جس کو وہ رسواء کرتا ہے (العیاذ باللہ) اس کے لئے وہ آدمی مقرر کر دیتا ہے۔ جو یہودیت کے ساتھ اس کی فطرت بدل دیتا ہے یا نصرانیت و مجوسیت سے اس کی فطرت بدل ڈالتا ہے۔

نووی کہتے ہیں اس میں اہل سنت کی دلیل ہے کہ ہدایت پانے والا وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور اللہ تعالیٰ کی راہنمائی اور ارادہ سے اس کو ہدایت ملی اور یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کی ہدایت کا ارادہ فرماتے ہیں اور وہی ہدایت پانے والا ہیں اور دوسروں کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرماتے اور اگر وہ ارادہ فرماتے تو وہ ضرور ہدایت پا جاتے ارشاد فرمایا: ولو شاء ربك لآمن من في الارض كلهم جميعًا۔

فاستهدونی: تم مجھ سے ہدایت مانگو یعنی راہ حق کی طرف دلالت اور اس تک پہنچانا طلب کرو یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ یہ ہدایت میرے فضل سے ملے گی۔ اهدكم: میں تم کو ہدایت دے دوں گا۔ یعنی اس کے واضح دلائل تمہارے لئے مقرر کر دوں گا اور جس کو چاہوں گا سابقہ قدیم ازلی علم کے مطابق مقصود تک پہنچا دوں گا۔

ایک حکمت ☆ طلب ہدایت میں حکمت یہ ہے کہ بندہ محتاج ہے اور اس بات کا یقینی اعلان ہے کہ اگر بلا سوال وہ ہدایت دے دے تو بسا اوقات انسان کہہ اٹھتا ہے انما اوتيتهٗ علی علم عندی: کہ یہ تو مجھے علم سے ملی ہے پس وہ اس طرح گمراہ ہو جائے گا اور جب رب تعالیٰ سے طلب کرے گا تو اپنے بارے میں غلامی کو سدرب کے متعلق کارسازی کا معترف ہوگا۔ یہ مرتبے والا مقام ہے۔ اس کی اطلاع سمجھ دار پا سکتا ہے۔ یہ وضاحت دینی نفع کے حصول اور دینی ضرر کے دور کرنے کا راستہ

ہے۔اس کو اہتمام اور عظمت کی وجہ سے شروع میں لائے۔
یا عبادی کلکم جائعٌ: کیونکہ تمام لوگ غلام ہیں ان کی حقیقی مِلک نہیں ہے۔خزائن رزق اس کے قبضہ میں ہیں۔جس کو وہ اپنے فضل سے نہ کھلائے وہ اس کے عدل سے بھوکا رہتا ہے کیونکہ اس کے ذمہ کسی کو کھانا کھلانا نہیں رہا یہ ارشاد ربانی ﴿ **وما من دابۃ فی الارض** ﴾: تو وہ اس نے خود اپنے اوپر فضل سے لازم کرلیا ہے اس پر واجب نہیں۔اسی طرح اطعام کی نسبت بھی اس کی طرف غلط نہیں کیونکہ ظاہری تمام اسباب رزق جو قسم قسم کے مکاسب سے متعلق ہیں اللہ تعالیٰ ہی ان کو اسباب ظاہرہ میں اپنی قدرت اور باطنی حکمت سے مقدر کرنے والے ہیں۔پس جاہل ظاہر کے ذریعہ باطن سے پردہ اسی میں ہے اور عارف کے لئے ظاہر باطن کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا نہ اس کا عکس۔بلکہ وہ تو ہر ایک کو اس کے مرتبہ میں رکھتا ہے۔
فاستطعمونی: تو مجھ ہی سے طعام طلب کرو۔**اطعمکم**: میں اسکی تحصیل کے اسباب آسان کردوں گا کیونکہ عالم جماد وحیوان اسی کے اس طرح مطیع ہیں جیسا غلام اپنے آقا کا اگر غور کیا جائے تو کائنات میں باری تعالیٰ کے عجیب تصرفات نظر آئیں گے۔بعض مقامات کے لئے بادلوں کو مطیع کرتا اور کسی کے دل کو دوسرے کے دینے کے لئے تحریک دیتا ہے اور کسی کو دوسرے کا ضرورت مند بناتا ہے۔اس میں فقراء کو ادب سکھایا کہ تم میرے سوا اوروں سے مت مانگو۔جن سے تم مانگتے ہو ان کو میں کھلاتا ہوں پس مجھ سے مانگو میں تمہیں بھی کھلاؤں گا۔
یا عبادی کلکم عارٍ: اس میں تنبیہ کردی مگر سب سے ظاہر تقریر اس کی یہ ہے کہ تمام مخلوق عاجز اور جلب منافع اور دفع مضار میں اس کی محتاج ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ اس کی نفع بخش چیز عنایت کردے اور ضرر رساں سے محفوظ کردے ہر قسم کا اختیار وطاقت اسی کو حاصل ہے اور کوئی چیز اگر روکی جاتی ہے تو اس کے اسباب سے روکی جاتی ہے۔

درحقیقت دنیوی ضرر کے دور کرنے اور فوائد کے پہنچانے کے لئے یہ دو مثالیں ہیں۔ان دو پر اکتفاء کیا گیا کیونکہ انسان کو سب سے زیادہ انہی کی ضرورت ہے۔
اَلنَّحْو : **یا عبادی انکم تخطئون**: یہ باب افعال سے ہے یا فتحہ سے خاطی جو گناہ کا فعل کرے جیسا اس ارشاد میں: ﴿ **انا کنا خاطئین** ﴾: (یوسف: ۹۷) اور ہر گناہ کے لئے بھی اخطاء بولتے ہیں۔یہ دونوں درست ہیں۔اس سے غیر معصوم کو خطاب ہے۔**باللیل والنہار**: یہ باب مقابلہ سے ہے کیونکہ ہر ایک سے لیل ونہار کے ہر وقت میں گناہ ناممکن ہے۔
انا اغفر الذنوب جمیعًا: مشرک اور اس کے گناہ کے علاوہ جس کو وہ بخشنا چاہیں'ارشاد فرمایا: ﴿ **ان اللّٰہ لا یغفر**...... ﴾:
یہ جملہ معترضہ ہے اس میں الذنوب: پر الف لام استغراق اور جمیعاً کا اضافہ گناہ گاروں کے لئے ایک عظیم الشان امید کا باعث ہے تاکہ کوئی کسی لمحہ بڑے گناہ میں بھی مایوسی کا شکار نہ ہو۔**فاستغفرونی**: غفر کا اصل ڈھانپنا ہے۔**غفر ذنب**: ڈھانپنا اور اس کے اثر کا مٹنا اور اس کی سزا سے مامون ہوجانا ہے۔فا سے ابتداء کرنے میں حکمت یہ ہے کہ غیر معصوم اور غیر محفوظ عموماً معصیت سے بچے ہوئے نہیں ہوتے۔پس اس صورت میں ہر گناہ کے لئے تجدید توبہ کی ضرورت ہے خواہ وہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو اور اسی سے یہاں استغفار مراد ہے۔پھر تو کبیرہ نہ ہونے کے باوجود اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ان دونوں میں بڑا فرق ہے ایک یہ کہ وہ بالکلیہ مٹاتا ہے اور یہ مٹانے والی چیز خالص توبہ ہے۔دوسرے وہ گناہ جن کی سزا میں کمی کرتا ہے یا ایک وقت تک مؤخر کرتا ہے وہ فقط استغفار ہے۔

یا عبادی انکم لن تبلغوا...... : جب یہ بات اجماع و برہان سے ثابت ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ مقدس، منزہ اور ذاتی طور پر غنی ہے۔ اس کو نفع ونقصان پہنچ ہی نہیں سکتا۔ وہ اگر اپنے بندوں پر خوب احسان کر دے تو اس کی احتیاج نہیں کہ ان سے فائدہ اٹھائے یا ان کے ضرر کو دفع کرے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ ......﴾: (الذاریات: ۵۶) ان کی عبادات کا فائدہ انہی کو ملنے والا ہے۔ جیسا فرمایا: ﴿من عمل صالحا فلنفسه﴾: (فصلت: ۴۶) باقی رہا عمل صالح کو اللہ تعالیٰ کا پسند کرنا اور اس پر خوش ہونا تو انسانوں پر کمال رحمت ورافت کی وجہ سے ہے۔

حدیث کے ظاہر کا اقتضاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نفع ونقصان کی ایک غایت ہے مگر اس کو بندے نہیں پا سکتے۔ مگر یہ ظاہری معنی متروک ہے کیونکہ اجماع اور دلیل سے اس کا غنی مطلق ہونا ثابت ہے۔ یا یہ بھی "**علی لاحب لا یهتدی بمنارة**": یعنی **لا منار له فیهتدی به**: کی طرح ہے۔ پس مفہوم یہ ہوا کہ کوئی ضرر و نفع مجھ سے متعلق نہیں کہ تم مجھے نفع یا نقصان پہنچا سکو کیونکہ میں غنی مطلق ہوں اور بندہ فقیر مطلق ہے۔

یا عبادی لو ان...... **انفسکم**: ① انسان کو انسان ظہور کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ ② ایک دوسرے سے انس پاتے ہیں۔ جن کو جن کہنے کی وجہ ان کا چھپ جانا ہے۔ ایک روایت میں **علی قلب اتقی**: اور دوسری میں **علی اتقی قلب رجل**: ہے۔ بعض نے کہا اتقی سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ **ما زاد ذالك**: یعنی اس کا فائدہ اللہ تعالیٰ کی طرف نہ لوٹے گا کہ اس سے اسکے ملک میں اضافہ ہو جائے بلکہ اسکا فائدہ کرنے والے کو ملے گا۔ **یا عبادی**...... **افجر رجل**: بعض نے کہا اس سے مراد ابلیس لعین ہے۔ اس میں **منکم**: کا خطاب ترک کر کے اشارہ کر دیا کہ ناپسندیدہ چیز کی نسبت مخاطب کی طرف ناپسند ہے۔

النَّحْو : **ما نقص ذلك**: کا مشار الیہ عصیان ہے۔ اس سے میری مملکت کے کمال میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ اس سے اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت انتہائی کمال والی ہے کہ تمام مخلوق کی اطاعت اور کامل بر وتقویٰ اس کی ملک کے کمال میں ذرہ بھر اضافہ نہیں کرتا اور نہ ان کی معصیت سے کچھ کمی واقع ہوتی ہے کیونکہ وہ غنی مطلق ہے۔ ذات صفات وافعال میں کامل ہے کسی طرف نقص اس کو لاحق نہیں ہو سکتا۔

یا عبادی لو ان اولکم...... : صعید واحد سے ایک مقام مراد ہے۔ **فسالونی**...... **ما نقص ذلك**: ذلک سے ہر سائل کا سوال پورا کرنا مراد ہے۔ **مما عندی خزائن الهیه**۔ **المخیط**: سوئی۔ جبکہ ظاہری نظر میں سمندر سے کچھ کمی نہیں کرتی۔ اسی طرح عدل سے خزائن الٰہی میں کچھ کمی نہ آئے گی کیونکہ وہ اس کی رحمت وکرم کے خزانے ہیں اور یہ اس کی قدیم ازلی ابدی صفات ہیں جن کی انتہاء نہیں اور غیر متناہی میں نقص محال ہے بخلاف متناہی سمندر وغیرہ کے۔ اگرچہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ زمین میں سب سے بڑی چیز سمندر ہیں بلکہ بسا اوقات متناہی میں بھی اس کا کثیر عطیہ ختم نہیں ہوتا مثلاً آگ، علم دونوں سے چنگاریاں لی جا رہی ہیں اور کمی نہیں بلکہ علم تو دینے سے بڑھتا ہے پس اس سے ثابت ہو گیا کہ **الا کما ینقص المخیط**: کے الفاظ سے حقیقت مراد نہیں بلکہ یہ قریب فہم کی ایک تمثیل ہے تاکہ یہ سمجھا دیا جائے کہ اس سے خزائن الٰہی میں قطعاً کوئی کمی نہ آئے گی۔ اس وجہ سے نہیں کہ سمندر کا پانی سوئی کی نوک سے کم نہیں ہوتا۔ پس مشبہ اور مشبہ بہ کو جو چیز جامع ہے وہ صورۃً مشاہدہ میں کم نہ ہونا ہے۔ مگر جب حقیقی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو یہ بات پاتے ہیں کہ سمندر میں سے سوئی کے ناکے سے معمولی سی چیز ضرور کم ہوئی جس کا ہم مشاہدہ سے ادراک نہیں کر سکے اور ان خزائن ربی میں آسمان وزمین کی پیدائش ہے اس عالم کے

اختتام تک ساری مخلوقات کو دیئے جانے کے باوجود سوئی کے ناکے سے لگنے والے پانی کی مقدار میں بھی کمی نہیں آتی نہ آئے گی نہ آ سکتی ہے۔ اس لئے کہ سمندر تو اتنا بڑا ہونے کے باوجود پھر بھی متناہی ہے اور خزائن ربی غیر متناہی ہیں۔ غیر متناہی سے متناہی کو نسبت ہی کیا ہے۔

ایک انتباہ: اس میں مخلوق کو خبردار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑی رغبت وسعت سے سوال کیا جائے' اختصار نہ کرے بلکہ ہر سال جو پسند کرے اپنی حیثیت کے مطابق مانگتا جائے۔ چونکہ یہ طے شدہ ہے کہ نعمتوں کے خزائن دن رات تقسیم ہونے کے باوجود ان میں کوئی کمی نہیں آتی۔ بعض نے کہا اس میں اشارہ کر دیا پیدا شدہ نعمتوں میں کمی کا تصور ہو سکتا ہے جیسے سمندر۔

النحو: **نقص ینقص**: لازم و متعدی استعمال ہوتا ہے۔

انما هی اعمالکم احصیالکم: شمار کرتا ہوں تمہاری خاطر باوجودیکہ میں جانتا ہوں اور محافظ فرشتے جانتے ہیں۔ شمار سے کم کرنا مقصود نہیں بلکہ فرشتوں کو انسانوں کے اعمال پر گواہ بنانے کے لئے۔ ان سے شمار کرائے جاتے ہیں اور زیادتی عدل کے لئے کبھی میں اعضاء کی گواہی بھی شامل کر دوں گا۔ اگرچہ یہاں کلمہ حصر لایا گیا ہے مگر یہ حصر جزاءِ عمل کی نسبت سے ہے مزید بدلے کے منافی نہیں جو اس آیت سے ثابت ہے: ﴿ولدینا مزید﴾ (ق: ۳۵) اور اجماع سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ مزید کی نفی و اثبات کے سلسلہ میں حدیث میں کوئی کلام نہیں اور اس سلسلہ میں بہت سی روایات صحیحہ بھی وارد ہیں ان کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ **ثم اوفیکم ایاها**: پھر میں وہ پورے پورے تمہیں دوں گا یعنی ان کا بدلہ آخرت میں اس انداز سے دیا جائے گا جیسا فرمایا: ﴿انما توفون اجورکم یوم القیامة﴾ (آل عمران: ۱۸۴) کہ تمہیں آخرت میں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور دنیا میں بھی اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ مؤمن کی سیئات کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اور وہ جنت میں اپنی حسنات کے باعث داخل ہوں گے۔ **فمن وجدا خیراً**: خیر سے مراد ثواب و نعمت ہے۔ اس طرح کہ ان دونوں کے اسباب کی توفیق مل جائے یا پاکیزہ خوشگوار زندگی۔ **فلیحمد اللہ**: اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا چاہئے کہ اس نے اس کو ان طاعات کی توفیق دی ہے جن پر وہ خیر و ثواب مرتب ہوا یہ محض اس کا فضل و رحمت ہے۔

اگر فقط آخرت مراد لی جائے تو اس صورت میں امر و نہی دونوں خبر کے معنی میں ہوں گے یعنی جس نے بھلائی پائی اس نے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور جس نے برائی پائی ایسے وقت اپنے کو ملامت کی جب کہ ملامت کا کوئی فائدہ نہیں۔ آیات میں اہل جنت کے متعلق وارد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں گے اور اہل نار اپنے آپ کو ملامت کریں گے۔

و من وجد غیر ذلك: سے مراد برائی ہے۔ برائی کا لفظ بھی چھوڑ دیا تاکہ یہ ادب سکھایا جائے کہ برائی تو برائی ہے اس کا لفظ بھی برا ہے۔ اسی لئے کنایہ استعمال کیا۔ قبیح کا تذکرہ بھی قبیح ہے۔ جب لفظ کے تذکرہ سے بھی گریز ہے تو برائی کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر برا ہے اور یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ حیاء و سخاوت والے ہیں۔ ستر پوشی اور مغفرت ذنوب کو پسند کرتے ہیں وہ جلدی سے سزا نہیں دیتے اور نہ پردہ دری کرتے ہیں۔

فلا یلومن الا نفسه: اس لئے کہ اس نے اپنے آقا کی رضامندی پر اپنی لذات و خواہشات کو ترجیح دی ہے۔ پس تقاضاء عدل سے وہ اسی معاملے کا حقدار ہے کہ اسے اس کے فضل و سخاوت کے عطیات سے محروم کر دیا جائے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ ان مہالک سے محفوظ فرمائے اور دامن فضل و رحمت میں لے لیں۔ آمین کہ ہم جا رہے ہوں اور اس کی رضامندیوں کی

خوشخبریاں مل رہی ہوں۔

ایک وجہ: اس پر روایت کا اختتام اس بات پر خبردار کرنے کے لئے فرمایا ہے۔ کھانا کھلانے اور ستر میں عدم استقلال کرنے اور نہ کرنے کی دونوں صورتیں مکلّف بنائے جانے کے مخالف نہیں۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ہم مستقل نہیں لیکن ہم وجدان سے حرکت اضطراریہ اور حرکت اختیاریہ میں فرق معلوم کر لیتے ہیں کہ پہلی کی حیثیت مرض رعشہ والے جیسی ہے اور دوسرے کی حیثیت اپنی مرضی سے حرکت کرنے جیسی ہے اور فرق ممکن محسوس مشاہد کی طرف لوٹنے والا ہے اور عادی معاملہ اختیار کے ساتھ تو پایا جاتا ہے اضطرار کے ساتھ نہیں اور یہی وہ مکلّف کا گھاٹ ہے جس کو کسب سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس ان کے درمیان تناقض وتعسف کہاں۔

حاصل کلام یہ ہے وہ معاصی جن پر سزا مرتب ہوتی ہے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر و مطع کرنے سے ہیں مگر وہ بندے کے کسب سے متعلق ہیں پس قبیح کسب کے ساتھ حدود کو توڑ دینے سے وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔

جثا: کامعنی گھٹنوں کے بل بیٹھنا۔ یہ اس روایت کی عظمت وتکریم کی وجہ سے تھا۔ (رواہ مسلم)

یہ عظیم الشان روایت ہے اس میں دین کے بہت سے اصول وفروع اور آداب اور لطائف غیبیہ بیان فرمائے گئے ہیں۔

باب کے اختتام پر لانے کی وجہ شرح اذکار میں دیکھیں۔ امام احمد اس کو اہل شام کی سب سے اعلیٰ روایت قرار دیتے۔ سخاوی نے تخریج اربعین میں لکھا کہ ابو مسہر نے اسی طرح کہا ہے۔

تخریج: أخرجه أحمد (۸/۲۱۴۲۵) و مسلم (۲۵۷۷) والترمذی (۲۴۹۵) و ابن ماجه (۳۲۵۷)

الفوائد: مجاہدہ دوقسم کا ہے ① مجاہدہ نفس ② مجاہدہ غیر۔ مجاہدہ نفس کی دوقسمیں ہیں: (ا) اللہ تعالیٰ کی طاعات پر اپنے آپ کو پابند کرنا خواہ وہ نفس کے کسی قدر خلاف ہو۔ (ب) نواہی الٰہیہ سے اپنے آپ کو مکمل طور پر بچا کر رکھنا۔ پھر مجاہدہ غیر کی بھی دو قسمیں ہیں: ۱) علم وبیان سے کفروشرک وجہالت کے خلاف جہاد ۲) اعداء دین سے موقعہ پڑنے پر ہتھیاروں سے جہاد کرنا۔

۱۲: بَابُ الْحَثِّ عَلَى الازْدِيَادِ مِنَ الْخَيْرِ فِي اَوَاخِرِ الْعُمُرِ

باب ۱۲: آخری عمر میں زیادہ نیکیاں کرنے کی ترغیب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ﴾ [فاطر:۳۷]

''کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا''۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالْمُحَقِّقُوْنَ مَعْنَاهُ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ سِتِّيْنَ سَنَةً وَّيُؤَيِّدُهُ الْحَدِيْثُ الَّذِيْ سَنَذْكُرُهٗ

اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَقِیْلَ :مَعْنَاہُ ثَمَانِیَ عَشْرَۃَ سَنَۃً وَّقِیْلَ :اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً قَالَہُ الْحَسَنُ وَالْکَلْبِیُّ وَمَسْرُوْقٌ وَنُقِلَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَیْضًا – وَنَقَلُوْا اَنَّ اَھْلَ الْمَدِیْنَۃِ کَانُوْا اِذَا بَلَغَ اَحَدُھُمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً تَفَرَّغَ لِلْعِبَادَۃِ – وَقِیْلَ :ھُوَ الْبُلُوْغُ –

وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی :

﴿وَجَآءَ کُمُ النَّذِیْرُ﴾

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَالْجُمْھُوْرُ :ھُوَ النَّبِیُّ ﷺ وَقِیْلَ :الشَّیْبُ قَالَہٗ عِکْرَمَۃُ وَابْنُ عُیَیْنَۃَ وَغَیْرُھُمَا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ.

وَاَمَّا الْاَحَادِیْثُ فَالْاَوَّلُ :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر محققین فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم نے تمہیں ساٹھ سال کی عمر نہیں دی۔ اس معنی کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ اور بعض نے کہا اس کا معنی اسی سال اور بعض نے کہا چالیس سال ہے یہ حسن' کلبی' مسروق' ایک ابن عباس کا بھی قول ہے۔ نقل کیا گیا کہ جب مدینہ والوں میں سے کسی کی عمر چالیس سال کی ہو جاتی تو وہ اپنے آپ کو عبادت کے لئے فارغ کر لیتا۔ بعض نے کہا بلوغت کی عمر مراد ہے۔ جَاءَ کُمُ النَّذِیْرُ: ابن عباس اور جمہور کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہے۔ عکرمہ اور ابن عیینہ کے نزدیک بڑھاپا مراد ہے۔ واللہ اعلم

ازدیاد: یہ باب افتعال ہے۔ تا کو دال سے بدلا گیا ہے۔ اضافہ کرنا۔ **الخیر**: سے مراد طاعات اور وہ تمام نیکی کے کام جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ذریعہ ہیں۔ **او اخر العمر**: کیونکہ یہ وقت طاعات کے ثمرات پانے اور حسنات کی برکات حاصل کرنے کا وقت ہے۔

آیت نمبر ① **اولم نعمر کم**: یہ استفہام توبیخ و تقریر کے لئے ہے۔

النحو: **ما یتذکر**: میں ما موصولہ ہے یعنی وہ مدت جس میں نصیحت والا نصیحت حاصل کرے گا۔ ② ما نکرہ موصوفہ ہو جو تعمیراً کے معنی میں ہو **جاء کم النذیر**: کا عطف **اولم نعمر کم**: پر ہے اور وہ استفہام تقریری ہے گویا اسطرح فرمایا ''ہم نے تم کو عمر دی اور تمہارے پاس نذیر آیا'' (بیضاوی) ③ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر محققین نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا ہم نے تمہیں ساٹھ سال کی عمر نہیں دی اور حدیث باب اس کی مؤید ہے۔ (ابن جریر' طبرانی وغیرہ **بالضعف قلیلًا**)

④ اس کا معنی یہ ہے کہ ہم نے تمہیں اٹھارہ سال کی عمر دی (یہ قتادہ' ابوالعالیہ' وہب' عطاء کا قول ہے زاد المسیر للنحوی) قتادہ کہتے ہیں طویل عمر حجت ہے۔ ہم طول عمر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یہ آیت اٹھارہ سال کی عمر والوں کے لئے اتری۔ ⑤ چالیس سال کی عمر مراد ہے (یہ حسن بصری' کلبی' مسروق کا قول ہے) ابن جریر نے مجاہد سے یہی نقل کر کے پسند کیا گویا انہوں نے اس آیت سے اخذ کیا **حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃً**: اہل مدینہ جب چالیس سال کی عمر کو پہنچتے عبادت کے لئے فارغ ہوتے۔ قرطبی نے ابن مالک سے نقل کیا کہ میں نے اپنے شہر کے اہل علم کو پایا کہ وہ دنیا اور علم طلب

کرتے اور لوگوں سے میل جول رکھتے ہیں جب چالیس سال کو پہنچتے ہیں تو میل جول چھوڑ کر عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں اور موت تک ان کا یہ طرز رہتا ہے۔

⑥ وہ بلوغت کی عمر ہے۔ یہ بغوی و خازن نے نقل کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بلوغت کی عمر پندرہ سال ہے۔ امام ابوحنیفہ ۱۸ سال باقی احتلام اور اسکا امکان نو سال کے بعد ہونے لگتا ہے۔ ممکن ہے کہ نووی کا رجحان اسی طرف ہو۔

آیت نمبر ② وجاء کم النذیر: ① ابن عباس رضی اللہ عنہما اور علماء جمہور کا قول ہے۔ اسی طرح قتادہ ابن زید ابن جریر کا قول بھی یہی ہے کہ نذیر سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر و نذیر اسی لئے بنایا تا کہ لوگوں کی حجت کو قطع کر دیا جائے۔ فرمایا: لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ: (السراء: ۱۶۵) ② بڑھاپا مراد ہے یہ ابن عباسؓ عکرمہ سفیان بن عیینہ وکیع حسین بن فضل فراء طبری کا قول ہے (قرطبی) بخاری نے اسی کو اختیار کیا کیونکہ یہ کہولت کی عمر ہے اور جوانی کے چلے جانے کی نشانی ہے جو کہ لہو ولعب کی عمر تھی۔ جیسا کہا گیا ہے:

رایت الشیب من نذر انمنایا۔ لصحابه وحسبك من نذیر

(بڑھاپا تو موت کا بڑا انذیر ہے) واللہ اعلم۔

احادیث ذیل میں ہیں:

۱۱۲: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: ''اَعْذَرَ اللّٰهُ اِلٰی امْرِیءٍ اَخَّرَ اَجَلَهٗ حَتّٰی بَلَغَ سِتّیْنَ سَنَةً'' رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

قَالَ الْعُلَمَآءُ مَعْنَاهُ: لَمْ یَتْرُكْ لَهٗ عُذْرًا اِذْ اَمْهَلَهٗ هٰذِهِ الْمُدَّةَ یُقَالُ: اَعْذَرَ الرَّجُلُ اِذَا بَلَغَ الْغَایَةَ فِی الْعُذْرِ۔

۱۱۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہنے دیا جس کی عمر ساٹھ سال کو پہنچ گئی''۔ (بخاری)

علماء رحمہم اللہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس کو اتنی مہلت دے دی تو اس کے لئے کوئی عذر نہیں چھوڑا۔ عرب کہتے ہیں اَعْذَرَ الرَّجُلُ جب وہ انتہائی عذر کو پیش کر دے۔

تشریح ۞ اَعْذَرَ اللّٰهُ: کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت دے کر کوئی موقعہ عذر نہیں چھوڑا کہ جس کو وہ اعمال صالحہ کے چھوڑنے کے لئے اختیار کر سکے۔

النّحو: اعذر میں ہمزہ سلب کی ہے۔ اس کا عذر ختم کر دیا' زائل کر دیا (ابن حجر) مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی معذرت باقی نہیں چھوڑی کل وہ اس طرح نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اجل میں وسعت ملتی تو میں اس کے احکام کو پورا کرتا اور جب اس کے پاس کوئی عذر ترک اطاعت کا باقی نہیں رہا کیونکہ اسے قدرت وطاقت والی عمر دی۔ پس اسکے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ استغفار کرے اور طاعات اختیار کرے اور بالکلیہ آخرت کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اعذار کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مجازی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے عذر کا کوئی موقعہ نہیں چھوڑا جس کا وہ سہارا لے سکے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ

تعالیٰ دلیل کے بعد ہی سزا دیتے ہیں۔ توریشتی کہتے ہیں اسی سے عربوں کا یہ قول ہے: اعذر من انذر: یعنی عذر بیان کردیا اور ظاہر کردیا۔ یہ قول سے مجاز ہے۔ عذر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ حقیقی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عذر کا کوئی موقعہ نہیں چھوڑا جس کو بندہ بہانہ بنا سکے''۔

تخریج: أخرجه أحمد (۳/۹٤۰۳) والبخاری (٦٤١٩)

۱۱۳: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا قَالَ كَانَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یُدْخِلُنِیْ مَعَ اَشْیَاخِ بَدْرٍ فَكَانَ بَعْضُھُمْ وَجَدَ فِیْ نَفْسِہٖ فَقَالَ: لِمَ یَدْخُلُ ھٰذَا مَعَنَا وَلَنَا اَبْنَآءٌ مِثْلُہٗ فَقَالَ عُمَرُ: اِنَّہٗ مِنْ حَیْثُ عَلِمْتُمْ فَدَعَانِیْ ذَاتَ یَوْمٍ فَاَدْخَلَنِیْ مَعَھُمْ فَمَا رَاَیْتُ اَنَّہٗ دَعَانِیْ یَوْمَئِذٍ اِلَّا لِیُرِیَھُمْ قَالَ مَا تَقُوْلُوْنَ فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ؟﴾ فَقَالَ بَعْضُھُمْ اُمِرْنَا نَحْمَدُ اللّٰہَ وَنَسْتَغْفِرُہٗ اِذَا نُصِرْنَا وَفُتِحَ عَلَیْنَا وَسَكَتَ بَعْضُھُمْ فَلَمْ یَقُلْ شَیْئًا – فَقَالَ لِیْ: اَكَذٰلِكَ تَقُوْلُ یَا ابْنَ عَبَّاسٍ؟ فَقُلْتُ: لَا قَالَ فَمَا تَقُوْلُ: قُلْتُ: ھُوَ اَجَلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْلَمَہٗ لَہٗ قَالَ: ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ﴾ وَذٰلِكَ عَلَامَۃُ اَجَلِكَ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ كَانَ تَوَّابًا﴾ فَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ: مَا اَعْلَمُ مِنْھَا اِلَّا مَا تَقُوْلُ: رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔

۱۱۳: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر فاروقؓ مجھے بدری بزرگوں کے ساتھ بٹھاتے۔ بعض اپنے دل میں یہ بات محسوس فرماتے ہوئے کہہ دیتے کہ یہ نوجوان ہمارے ساتھ مجلس میں کیونکر بیٹھتا ہے؟ حالانکہ ہمارے بھی اس جیسے بیٹے ہیں۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ ابن عباس کے مرتبے اور حیثیت کو تم جانتے بھی ہو۔ چنانچہ ایک دن مجھے بلایا اور ان شیوخ بدریین کے ساتھ بٹھایا اور میرے خیال یہ تھا کہ مجھے اس دن صرف اس لئے بلایا تا کہ ان پر میرا مرتبہ ظاہر کریں۔ حضرت عمرؓ نے اہل مجلس سے فرمایا تم ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ﴾ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ بعض نے کہا اس میں ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم اللہ کی حمد کریں اور اس سے استغفار کریں جبکہ مدد فتح ہمیں حاصل ہو جائے۔ بعض بالکل خاموش رہے۔ پھر مجھے فرمایا کیا تم بھی اسی طرح کہتے ہو اے ابن عباس! میں نے کہا نہیں۔ فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا اس سے مراد آنحضرتؐ کی وفات ہے۔ اللہ نے آپ کو بتلایا کہ جب فتح و نصرت حاصل ہو جائے تو یہ تمہاری وفات کی علامت ہے۔ پس آپ اپنے ربّ کی تسبیح اس کی خوبیوں کے ساتھ کریں اور اس سے استغفار کریں۔ بیشک وہ رجوع فرمانے والا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اس کے بارے میں وہی جانتا ہوں جو تم کہتے ہو۔ (بخاری)

تشریح ❁ اشیاخ بدر: بڑی عمر والے اکابر بدری صحابہ مراد ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو مشورہ میں ان کے ساتھ شامل فرماتے حالانکہ وہ معمر لوگ تھے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اللہ تعالیٰ نے چھوٹی عمر میں علوم و معارف سے نوازا تھا اسی

لئے ان کو البحر کہا جاتا تھا۔ **بعضهم:** سے مراد عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں جیسا بخاری نے تصریح کی ہے (ابن النحوی) **وجد فی نفسه:** دل میں اس بات کو محسوس کیا۔ **یدخل:** ایک نسخہ میں تدخل ہے۔

ابناء مثله: سے عمر میں ہم مثل اور یہ بھی احتمال ہے کہ صحبت نبوت میں اس جیسے۔ **حیث علمتم:** یعنی یہ بیت نبوت سے ہے اور اس گھر سے ہے جو علوم کا مرکز اور درست آراء کا مصدر ہے پھر ان کے شرف کو اور بیان کرنا چاہا جو ان کے شریک مشورہ کرنے کا باعث تھا۔

فما رأیت: مجھے قرائن احوال سے معلوم نہ ہوا دوسرے نسخہ میں **فما اریتهٔ:** ہے میرے گمان میں نہیں تھا۔ **لیریهم منی:** تا کہ ان کو بتلائیں کہ میں کس وجہ سے شیوخ کے ساتھ داخلے کا مستحق ہوں۔

ابن سعد کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ آج میں تمہیں دکھلاؤں گا جس سے تم پر اس کی فضیلت واضح ہو جائے گی۔

ما تقولون......: اس قائل نے خطاب کو عام قرار دے کر امت کو اس میں شامل سمجھا۔ **فقال لی أکذلك:** مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم بھی یہی کہتے ہو۔ **فقلت لا:** یعنی میں یہ بات نہیں کہتا۔ یعنی سورۃ کی مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلایا گیا کہ وقت مقررہ قریب آ گیا اور اس وقت جو پیش آنے والا ہے اس پر مطلع کیا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنوں کے خلاف مدد فرمائیں گے اور مکہ فتح ہو جائے گا۔ بعض نے کہا نصر اللہ سے مسلمانوں کی عام نصرت مراد ہے اور فتح مکہ سے فتح مکہ اور دیگر بلاد اسلامیہ مراد ہیں۔ **رأیت (ابصرت):** تم دیکھو گے۔ **دین اللّٰه:** سے دین اسلام مراد ہے۔ **افواجًا:** گروہ در گروہ۔ اس کے بعد کہ دین میں لوگ ایک ایک کر کے داخل ہوتے تھے۔ گروہ در گروہ داخلہ فتح مکہ کے بعد ہوگا۔

ذلك: یعنی نصرت اور اس کے مابعد۔ **علامه:** وقت مقررہ کے اختتام کے قریب ہونے کی نشانی ہے۔ شاید یہ اس وجہ سے ہو کہ یہ دعوت کی تکمیل اور امر دین کے کمال پر دلالت ہے۔ جیسا اس ارشاد میں ہے: ﴿**الیوم اکملت لکم دینکم**﴾ یا اس وجہ سے کہ استغفار کا حکم وقت مقررہ کے قریب ہونے کی اطلاع ہے۔ یعنی کیونکہ استغفار امور کے اختتام پر ہوتا ہے۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد استغفار کرنے اور اسی طرح جب خلاء سے نکلتے اور جب لوٹتے اسی لئے اس سورت کو تو دیع کیا گیا ہے۔ اور اکثر علماء کہتے ہیں کہ یہ سورت فتح مکہ سے پہلے اتری اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی اطلاع دی گئی۔ (بیضاوی)

ابو حیان کہتے ہیں ایک قول یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر منیٰ میں ایام تشریق کے دنوں میں اتری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد ۸۰ روز دنیا میں رہے۔ (ابو حیان فی النہر)

ابن التین کہتے ہیں ممکن ہے یہ ان تمام کے متعلق اتری ہو جبکہ آپ حنین سے واپس لوٹ رہے تھے۔ واحدی کہتے ہیں اس کے نزول کے بعد آپ دو سال بقید حیات رہے۔ یہ غریب قول تصحیف معلوم ہوتا ہے۔ دوسروں نے ساٹھ دن ذکر کیا ہے۔ (شرح بخاری لابن النحوی) ابن حجر کہتے ہیں مجھ سے کشاف کے قول کے متعلق یہ سوال کیا گیا کہ سورۃ نصر تو حجۃ الوداع کے ایام تشریق میں اتری پھر **اذا مستقبله:** اس پر کیسے آ گیا۔ جواب یہ ہے کہ یہ روایت کمزور ہے اور اگر اس کی صحت کو مقدم رکھا جائے تو فتح سے شرط مکمل نہیں ہوتی کیونکہ لوگوں کا فوج در فوج داخل ہونا ابھی مکمل نہ ہوا تھا پس شرط باقی ہونے کی وجہ سے استقبال کا صیغہ لائے۔ (فتح الباری) طیبی نے اس سوال کے جواب میں کہا ① اذا یہاں اذ کے معنی میں ہے ② کلام اللہ قدیم

ہے۔ابن حجر کہتے ہیں یہ دونوں جواب قابل غور ہیں۔

علامہ انجی کہتے ہیں۔ فتح مکہ تمام فتوحات کی بنیاد ہے بعد والی تمام فتوح کا دارومدار اسی پر ہے۔اگر چہ وہ منتظر ہیں۔

بحمد ربك: یعنی متلبساً بحمد ربک وہ تسبیح تو رب کی حمد سے ملی ہو۔ **کان توابا**: وہ بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ کے نزول کے بعد کثرت سے آپ **سبحانك اللهم وبحمدك اللهم اغفرلي**: اور ایک روایت میں **استغفرك واتوب اليك**: پڑھتے تھے۔

ما اعلم منها الا ما تقول: سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تفوق علمی کی طرف اشارہ کیا کہ تقدیم کا یہ سبب ہے اگر چہ عمر کم ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا:

فكم من صغير لا خطته عناية ☆ من الله فاحتاجت اليه الاكابر

(بہت سے ایسے چھوٹے کہ ان پر خصوصی عنایت خداوندی کی وجہ سے بڑے ان کے محتاج ہوتے ہیں)

تخریج: أخرجه احمد (۱/۳۱۲۷) والبخاری (۳٦۲۷) والترمذی (۳۳٦۲) والطبرانی (۱۰٦۱۷) والبيهقی فی الدلائل (٥/٤٤٦) والطبرانی (۳۰/۳۳۳) والنسائی فی الکبری (۱۱۷۱۱) بألفاظ متقاربه۔

الفرائد: ① ابن عباسؓ کی عظیم الشان فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ ② کسی نعمت کو بطور تحدیث نعمت کے ذکر کرنا جائز ہے۔ بطور فخر و مباہات جائز نہیں۔ ③ قرآن مجید کی تفسیر اس کو جائز ہے جو علم میں رسوخ رکھتا ہو۔

۱۱۴: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةً بَعْدَ اَنْ نَزَلَتْ عَلَيْهِ: ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ اِلَّا يَقُوْلُ فِيْهَا سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ، مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِي الصَّحِيْحَيْنِ عَنْهَا: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ يَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ – مَعْنٰى: يَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ اَيْ يَعْمَلُ مَا اُمِرَ بِهٖ فِي الْقُرْاٰنِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ – قَالَتْ عَائِشَةُ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْكَلِمَاتُ الَّتِيْ اَرَاكَ اَحْدَثْتَهَا تَقُوْلُهَا؟ قَالَ: جُعِلَتْ لِيْ عَلَامَةٌ فِيْ اُمَّتِيْ اِذَا رَاَيْتُهَا قُلْتُهَا: ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ اِلٰى اٰخِرِ السُّوْرَةِ– وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاكَ تُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ؟ فَقَالَ: اَخْبَرَنِيْ رَبِّيْ اِنِّيْ سَاَرٰى عَلَامَةً فِيْ اُمَّتِيْ فَاِذَا رَاَيْتُهَا اَكْثَرْتُ مِنْ قَوْلِ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فَقَدْ رَاَيْتُهَا: ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ

وَالْفَتْحُ﴾ فَتْحُ مَكَّةَ ﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا﴾

۱۱۴: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ اترنے کے بعد جو نماز بھی ادا فرمائی۔ اس میں یہ کلمات ضرور فرمائے: سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ (متفق علیہ) بخاری و مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع و سجود میں اکثر پڑھتے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ۔ اس طرح قرآن پر عمل کرتے يَتَاوَّلُ الْقُرْآنَ کا معنی یہ ہے کہ اس آیت میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے۔ اس کی عملی تصویر پیش فرماتے یعنی ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ﴾ مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ وفات سے قبل ان کلمات کو آپ کثرت سے پڑھتے تھے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا کلمات ہیں جن کو اکثر پڑھتے ہوئے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پاتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابًا فرمایا۔ میری اُمت میں ایک علامت مقرر کی گئی کہ جب میں اس کو دیکھوں تو یہ کلمات پڑھوں۔ ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾۔ مسلم کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ یہ کلمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے پڑھتے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں دیکھتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات بہت پڑھتے ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ربّ نے مجھے بتلایا۔ جب یہ علامت میں اپنی امت میں دیکھوں تو ان کلمات کو کثرت سے پڑھوں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ۔ میں نے اس علامت کو دیکھ لیا ہے۔ ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾ یعنی فتح مکہ اور ﴿وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ لوگوں کا فوج در فوج اسلام میں داخلہ ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ﴾ کے مطابق کثرت سے تسبیح و تحمید و استغفار کرتا ہوں۔

تشریح يقول فيها: سے مراد نماز کے رکوع و سجود میں تسبیحات پڑھنا ہے۔

سبحانك: اے اللہ تو ہر نقص سے سبحان ہے۔

النحو: یہ مفعول کی مضاف ہے اس کا فعل سبحت محذوف ہے۔ ② فاعل کی طرف مضاف ہوسکتا ہے اے نزهت نفسك۔

وبحمدك: ① او عاطفہ ہے یعنی تلبس بحمدك یا ② واؤ زائدہ اسبحك مع ملابسة حمدك ③ واؤ حالیہ ہے۔

ایک حکمت: تسبیح اے متلبسًا بحمدك من اجل توفيقك لي: ہے کو حمد سے پہلے لائے کیونکہ وہ نقائص سے پاک قرار دینا ہے اور حمد کمال صفات کے ساتھ اس کی ثناء کرنے کو حمد کہتے ہیں جب تک تخلیہ نہ ہو تحلیہ نہیں ہوتا۔

اللهم اغفرلي: وہ باتیں جو میرے مقام کے مناسب نہیں خواہ نفس الامر میں گناہ نہ ہو کیونکہ انبیاء علیہم السلام گناہ سے مطلقاً معصوم ہیں۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: اس مقام پر کان تکرار کا فائدہ نہیں دیتا۔ ابن حاجب اور ابن دقیق العید اس کے عرفی طور پر قائل ہیں۔

النحو: اللهم ربنا: ① یہ یاربنا ہے ② یہ اللهم: کا بدل ہے وصف نہیں۔

مسئلہ: رکوع وسجود میں سبحان ربی العظیم: اور سبحان ربی الاعلیٰ: مواظبت سے ثابت ہے کبھی یہ کلمات بھی بعض اوقات ساتھ ملالئے جاتے۔

النحو: یتاول القرآن: یہ مبین ہے اور یعمل ما امر به: الحدیث یہ عطف بیان ہے۔ ② بدل ہے مگر اس کا موقعہ نہیں کیونکہ یعمل سے واستغفرہ تک معنی کلی خبر ہے۔ یتاول القرآن: سے بدل نہیں ہوسکتا مگر اس صورت میں کہ بعد والا اس کا عطف بیان بنے یا بدل ہو جبکہ مفرد ہو۔ فی قوله: یہ بدل البعض ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ یتاول القرآن کا معنی یہ ہے کہ عام معنی کی بجائے اس سے خاص احوال مراد لیتے تھے۔

قبل الی یموت: وفات شریف سے قبل کا وہ زمانہ جو اس سورت کے نزول کے بعد کا ہے۔

سبحانك...... اتوب الیه: یہ بارگاہ ربوبیت میں مزید عاجزی اور مقام عبودیت کے حق کی ادائیگی میں تقصیر کا اعتراف ہے جو کہ آپ کے مقام علیاء کے لحاظ سے ذنب ہے (اگرچہ واقعہ میں ذنب نہیں) اگر اس حدیث اور آیت کو عموم پر چھوڑا جائے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تخصیص والی تاویل نہ کی جائے تو پھر بھی کثرت ذکر واستغفار نماز اور خارج نماز میں اور استغفار وتوبہ کا جمع کرنا احتیاط ہے کیونکہ استغفار کے ہر دو معانی کا احتمال ہے اور توبہ پر اس کا محمول کرنا انهٗ کان توابًا: کے قریب تر ہے۔ اس میں ان علماء کی دلیل مل جائے گی جو بیک وقت دونوں معانی پر محمول کرنے کو جائز کہتے ہیں۔

احدثتها تقولها: احدثت کے مفعول سے تقولها: حال ہے۔

جعلت: بصیغہ ماضی مجہول ہے یعنی مقرر کی گئی۔ رأیتها: دیکھنا، پہچاننا۔ وہ علامت اذا جاء نصر الله: الی آخر السوۃ ہے۔

① علامت سے اذ جاء: عطف بیان یا بدن ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ روایة له: سے مراد مسلم شریف ہے۔

فرق: ابونعیم کی روایت میں اتوب الیه: کے الفاظ نہیں ہیں۔ أراك: یعنی آپ کو دیکھتی ہوں اس حال میں کہ آپ کثرت سے سبحان اللہ...... پڑھتے ہیں۔ اس کا کثرت سے پڑھنا علامت کے وقت یا تو عظیم نعمت کی وجہ سے تھا ② سبح میں تفعیل کا صیغہ استعمال کیا جو کہ کثرت پر دلالت کرتا ہے اور اس کثرت کی وجہ یہ ہے کہ یہ انه کان توابًا: سے ملا ہوا ہے جو کہ طلب استغفار کو معلل ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (۹/۲٤۲۱۸) والبخاری (۷۹٤) و مسلم (٤٨٤) وأبو داود (۸۷۷) والنسائی (۱۱۲۱) وابن ماجه (۸۸۹) وابن خزیمة (۱۹۳۰) وأبو عوانة (۲/۱۸٦) و عبدالرزاق (۲۸۷۸) والبیهقی (۲/۱۰۹)

۱۱۵: عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ تَابَعَ الْوَحْیَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ وَفَاتِهٖ حَتّٰی تُوُفِّیَ اَکْثَرَ مَا کَانَ الْوَحْیُ عَلَیْهِ، مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

۱۱۵: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر وفات سے پہلے مسلسل وحی نازل فرمائی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات کے وقت وحی کا نزول آپ ﷺ پر پہلے کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ **اللہ عزوجل**: اللہ عزت وجلال والے ہیں یعنی وہ ہر چیز پر غالب ہیں اس کی مراد پر غلبہ نہیں پایا جاسکتا اور وہ اس سے بلندو بالا ہیں جو اس کے لائق نہیں۔ **علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**: ضمیر کی بجائے اللہ تعالیٰ نام مبارک تلذذ اً لایا گیا ہے۔

قبیل وفاته: یہ قبیل تصغیر ہے جس کا معنی تھوڑا عرصہ پہلے۔ یہ اس لئے تا کہ شریعت مکمل کر دی جائے اور جو وحی کرنا ہے اس میں سے کوئی چیز باقی نہ رہے اور جب تکمیل شریعت ہو چکی جس کی لوگوں کے معاش و معاد میں ضرورت تھی تو **الیوم اکملت**: کا مژدہ سنایا اس کے چند ماہ بعد آپ ﷺ کی وفات ہوگئی کمافی الصحیحین۔

تخریج: أخرجه احمد (٤/١٣٤٧٩) والبخاری (٤٩٨٢) و مسلم (٣٠١٦) وابن حبان (٤٤) بلفظ قریب۔

۞ ۞ ۞

۱۱۶: **عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ "يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔**

۱۱۶: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر بندے کو قیامت کے دن اسی پر اٹھایا جائے گا جس پر اس کی موت آئی''۔ (مسلم)

تشریح ۞ **یبثعکل عبد**: یُبعث: صیغہ مجہول ہے۔ عبد سے مکلّف مراد ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔ **علی ما مات علیه**: جس پر اسکی موت آئی یہاں تک کہ باجے والا باجے کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

اس میں اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا کہ اچھا عمل کرنا چاہئے اور تمام احوال اور افعال واقوال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص برتنا چاہیے تا کہ اس کی موت اچھی حالت میں آئے اور اچھی حالت میں اٹھایا جائے۔

باب کے آخر میں اس روایت کو لا کر تحسین عمل اور ازدیا طاعات کی تمام اوقات میں ترغیب دی کیونکہ کسی وقت بھی موت ممکن ہے۔ خصوصاً بڑھاپے اور بیماری کی حالت۔ پس یہ روایت **ختامه مسك**: کے مترادف ہے۔

تخریج: أخرجه مسلم (٢٨٧٨) و ابن ماجه (٤٢٣٠)

۱۳: بَابٌ فِيْ بَيَانِ كَثْرَةِ طُرُقِ الْخَيْرِ!

بَابٌ: بھلائی کے راستے بے شمار ہیں

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ [البقرة:٢١٥]

''اور جو تم بھلائی کرو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں''۔ (البقرة)

وَقَالَ تَعَالٰى:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾ [البقرة:۱۹۷]
''جو بھی تم بھلائی کا کام کرو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں''۔ (البقرۃ)
وَقَالَ تَعَالٰى :
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ [الزلزال:۷]
''جو شخص ایک ذرّہ کے برابر بھلائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا''۔ (الزلزال)
وَقَالَ تَعَالٰى :
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
''جس نے کوئی نیک عمل کیا پس وہ اس کے اپنے نفس کے لئے ہے''۔ (الجاثیہ)
﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ﴾ [الجاثية:۱۵]
وَالْاٰيَاتُ فِى الْبَابِ كَثِيْرَةٌ۔
آیات اس سلسلہ میں بہت ہیں۔
وَاَمَّا الْاَحَادِيْثُ فَكَثِيْرَةٌ جِدًّا وَّهِىَ غَيْرُ مُنْحَصِرَةٍ فَنَذْكُرُ طَرَفًا مِنْهَا الْاَوَّلُ :
احادیث بھی بہت زیادہ ہیں۔ چند یہاں مذکور ہیں:
مسلمان کی نشاط کو بڑھانے اور معاملات میں خوب کوشش کرنے کے لئے یہ باب لائے کہ جب ایک عمل سے تھک جائے تو دوسرے اچھے عمل میں وقت صرف کر کے اپنے مولیٰ کی رضا حاصل کر لے۔
آیت ۱، ۲، ۳ پر کلام باب المجاہدہ میں ملاحظہ کریں۔
④ **من عمل صالحاً:** ان تمام آیات میں خیرٍ خیراً، صالحًا: سیاق شرط میں نکرہ لایا گیا جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔
ایک قاعدہ: عموم قوت میں ان کلی قضایا کے حکم میں ہے جو تعدد افراد کے سبب متعدد ہو جائیں۔
فلنفسه: یعنی اسے اپنے عمل کا فائدہ ہوگا۔

۱۱۷ : عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ جُنْدُبِ بْنِ جُنَادَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَىُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَالْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِهٖ – قُلْتُ اَىُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ قَالَ اَنْفَسُهَا عِنْدَ اَهْلِهَا وَاَكْثَرُهَا ثَمَنًا قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ؟ قَالَ تُعِيْنُ صَانِعًا اَوْ تَصْنَعُ لِاَخْرَجَ – قُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اَرَاَيْتَ اِنْ ضَعُفْتُ عَنْ بَعْضِ الْعَمَلِ؟ قَالَ تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ مِّنْكَ عَلٰى نَفْسِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔
''الصَّانِعُ'' بِالصَّادِ الْمُهْمَلَةِ هٰذَا هُوَ الْمَشْهُوْرُ وَرُوِىَ ''ضَائِعًا'' بِالْمُعْجَمَةِ :اَىْ ذَا ضَيَاعٍ

مِّنْ فَقْرٍ اَوْ عِيَالٍ وَنَحْوِ ذٰلِكَ "وَالْاَخْرَقُ" الَّذِىْ لَا يُتْقِنُ مَايُحَاوِلُ فِعْلَهٗ.

۱۱۷: حضرت ابوذر جندب بن جنادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سا عمل زیادہ فضیلت والا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ پر ایمان اور اس کی راہ میں جہاد''۔ میں نے عرض کیا کون سا غلام آزاد کرنا زیادہ افضل ہے؟ ارشاد فرمایا: ''جو مالک کے ہاں سب سے اعلیٰ ہو اور سب سے زیادہ قیمتی ہو''۔ میں نے عرض کیا اگر میں نہ کرسکوں؟ ارشاد فرمایا: ''تم کسی نیک کرنے والے کا ہاتھ بٹاؤ یا بدسلیقہ کا کام کردو''۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر کیا حکم ہے اگر میں ان میں سے بعض کاموں سے عاجز رہوں؟ ارشاد فرمایا: ''پھر تو لوگوں کو اپنے شر سے بچا کر رکھو کیونکہ یہ بھی تمہارا اپنے نفس پر صدقہ ہے''۔ (متفق علیہ)

و الصَّانِعُ ایک روایت میں ضَائِعًا بھی ہے۔ یعنی فقر یا عیال کی وجہ سے ضائع ہونے والا۔ اَلْاَخْرَقُ: بدسلیقہ جو کام کو جس کا قصد کرتا ہو صحیح طور پر انجام نہ دے سکے۔

تشریح ۞ افضل: کا مطلب اللہ تعالیٰ کے ثواب کی کثرت والا تھا۔ ایمان باللّٰہ: کیونکہ اسی کا بدلہ خلود جنت اور رضا رحمان ہے جس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

والجهاد في سبيله: سے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنا۔

ای الرقاب افضل: کس گردن کو آزاد کرنے کا ثواب زیادہ ہے۔ انفسها عنه اهلها: یہ نفاست سے بنا ہے۔ مراد زیادہ قیمت اور عمدہ جس کی طرف زیادہ رغبت ہو جیسے کہتے ہیں مال نفیس اے مرغوب۔ اكثر ها ثمنا: زیادہ قیمت والی کیونکہ وہ ان کو زیادہ محبوب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون﴾: (آل عمران: ۹۲) نووی کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب وہ گردن آزاد کرنا چاہتا ہو اور اگر اس کے پاس ایک ہزار درہم ہوں اور وہ اس سے دو گردنیں خرید سکتا ہو اور نفیس ایک آتی ہو تو اس وقت دو افضل ہیں۔ قربانی کے معاملہ میں موٹی قربانی افضل ہے جبکہ دو کم موٹی آسکتی ہوں کیونکہ قربانی میں غرباء تک گوشت پہنچانا ہے وہ موٹی میں زیادہ ہے اور غلام میں گردن کا چھڑوانا ہے۔ پس کئی کا آزاد ہونا ایک کی آزادی سے بہتر ہے۔ (نووی)

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ چیز اختلاف اشخاص سے مختلف ہوگی۔ بسا اوقات ایک آدمی کی آزادی زیادہ نفع بخش ہوتی ہے زیادہ کو آزاد کرنے سے وہ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح بہت سے کثیر گوشت کے محتاج اور جس کو ان محتاجوں میں تقسیم کیا جائے سے جو زیادہ ضرورت مند ہوں وہ عمدہ گوشت سے نفع اٹھانے والوں سے زیادہ ہوں گے۔ اس میں **ایک کلیہ**: یہ ہے جس کا نفع زیادہ ہو وہ افضل ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

فان لم افعل: یعنی مذکورہ چیزیں جہاد عتق نہ کرسکوں۔ اس نفی میں ایمان کی نفی شامل نہیں کیونکہ اعمال صالحہ آخرت میں ایمان ہی کی بنیاد پر کام آئیں گے اور نہ کرنے سے مراد قدرت نہ پانا ہے اور دارقطنی نے یہاں لفظ فان لم استطع: کا نقل کیا ہے۔ (جو اس معنی کی تائید کرتا ہے)

النَّحْو: قال تعين صانعا: ① ان مقدر ہے یعنی یہ کہ تو کسی کاریگر کی مدد کرے اسی تسمع بالمعيدى: کی طرح ہے۔ ② مصدر کی جگہ مضارع لائے ای اعانة صانع: کاریگر کی معاونت کرنا۔

اخرق: وہ آدمی جو کام نہ جانتا ہو۔ عرب کہتے ہیں: رجل اخرق امراة خرقاء: بدسلیقہ اور ماہر کے لئے رجل صنعٌ بولتے ہیں اور امرأة صَنَّاعٌ: کہتے ہیں۔

بعض العمل: سے مراد اعانت و کاریگری یا مطلق کام۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت اگر ان سے ثواب میں اضافہ کرنے والے کاموں سے عاجز ہوں تو مجھے اضافہ ثواب کی وہ راہ بتلا دیں جو میری ہمت میں ہو۔ تکف شرك: دکھ دینے سے باز رہ یعنی لوگوں کی سلامتی کا قصد کرتے ہوئے تا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کی جائے۔ یہاں یہ حصول اجر کی شرط ہے۔ فانها صدقة: سے مراد خصلت یا کف ایذاء مراد ہے۔

ھا: ضمیر مونث خبر کی تانیث کی وجہ سے لائے۔

فرق روایت: یہاں تک مسلم کے الفاظ ہیں۔ بخاری میں ہے: ای الرقاب افضل: اس کے جواب میں (اغلاها ثمنا و انفسها عند اهلها) أرايتَ ان ضعفتُ: کے بعد عن العمل ہے فان لم افعل: کے جواب میں تدع لاالناس من الشر فانها صدقة تتصضدق بها علی نفسك: کے الفاظ ہیں۔

ضائعا۔ صَانعًا۔ کی بجائے یہ لفظ ہیں یہ ضَيعة: سے ہے جس کا معنی فقر و حاجت ہے۔ قاضی عیاضؒ نے اپنی روایت سے صانعا کی روایت نقل کی اور اخرق: کے مقابلہ میں اس کو درست کہا۔ صحیح بخاری میں زہری نے صانعا نقل کیا ہے۔ ابن المدینی نے ضائعًا: کو ہشام کی تصحیف قرار دیا۔

ابن صالح نے صانعاً کو ابو عامر عبدری اور ابوالقاسم بن عساکر کی روایت قرار دیا۔ ابن حجرؒ نے ضالعاً کو درست ترین قرار دیا بخاری نے بھی اسی پر جزم کیا ہے۔ اگر روایت کا مطلب ضائع سے ذو الضیاع من الفقر والمال: لیا جائے تو معنی اول کی طرف ہی لوٹ جائے گا۔ واللہ اعلم۔ (فتح الباری)

الاخرق: جو کسی کام کو اچھی طرح نہ جانتا ہو۔ (بدسلیقہ)

تخريج: أخرجه احمد (۸/۲۱۳۸۹) والبخاری (۲۵۱۸) و فی الأدب المفرد (۲۲۶) و مسلم (۸۴) والنسائی (۳۱۲۹) و ابن ماجه (۲۵۲۳) والدارمی (۲/۳۰۷) وا بن حبان (۱۵۲) وابن الجارود (۹۶۹) وابن منده فی الإيمان (۲۳۲) و عبدالرزاق (۲۰۲۸۹) والبیهقی (۶/۲۷۳) بألفاظ متنقاربة۔

الفوائد: ① نماز کو اس کے اوقات میں ادا کرنا چاہیے۔ ② سوال کو دھرانا مناسب ہے۔ ③ استاذ و مفتی کو افتاء میں صبر و اطمینان سے کام لینا چاہئے۔ ④ متعلم پر شفقت اور اس کی مصلحت کا لحاظ کرنا چاہئے۔ ⑤ کاریگر کی اس کے کام میں معاونت کرنا صدقہ ہے۔

۱۱۸: عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَيْضًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَّكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ ، وَكُلُّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ ، وَّكُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ ، وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَّنَهْیٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

"السُّلَامٰی" بِضَمِّ السِّيْنِ الْمُهْمَلَةِ وَتَخْفِيفِ اللَّامِ وَفَتْحِ الْمِيْمِ: الْمِفْصَلُ۔

۱۱۸: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے ہر ایک پر اُس کے ہر جوڑ کے بدلے ایک صدقہ لازم ہے۔ پس ہر تسبیح صدقہ ہے۔ ہر تحمید صدقہ ہے۔ ہر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ صدقہ ہے۔ ہر تکبیر صدقہ ہے۔ امر بالمعروف صدقہ ہے اور چاشت کے وقت کی دو رکعتیں ان تمام کی جگہ کام آنے والی ہیں"۔ (مسلم)

تشریح ۞ سلامٰی: ہر ہڈی اور جوڑ۔ من احدکم: جب کہ وہ آفات سے صحیح سالم جاگے اور اس حالت پر ہو جس سے اپنے افعال و منافع کی تکمیل کر سکے۔

صدقة: تنوین تعظیم کی ہے عظیم صدقہ اللہ تعالیٰ کے عظیم احسان پر شکریہ بجالاتے ہو جو اسی نے فرمادیا اور اس لئے بھی کہ الصدقة تدفع البلاء: جب اعضاء سے صدقہ دے گا تو بلاء سے محفوظ رہے گا۔

النَّحْوُ: خبر میں عَلٰی: تاکید کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں کیونکہ صلاۃ ضحی: وغیرہ واجب نہیں کہ جن کے ترک سے گنہگار ہو۔

فكل تسبيحة صدقة: فاتفصیلہ ہے کیونکہ پہلا صدقہ کا لفظ مجمل تھا۔ جوڑوں کی گنتی بیان کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ اس کی تائید ابوداؤد و احمد کی بریدہ والی روایت سے ہوتی ہے: "في الانسان ثلاث مائة وستون مفصل فعليه ان يتصدق عن كل مفصل منه صدقة قال ومن يطيق ذلك يا نبي الله؟ قال التحاعة في المسجد تدفنها صِدقة' والشي تنحيه عن الطريق صدقة' فان لم تجد فركعتا الضحى تجزئك": (ابوداؤد) مسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

كل تحميدة: حمد اللہ تعالیٰ کی اوصاف عالیہ سے تعریف کرنا مثلاً الحمدللہ۔ تهليلة: لا الٰہ الا اللہ کو کہتے ہیں۔ تكبير: اللہ اکبر۔

المعروف: جس کا شرع نے حکم دیا ہے۔ منكر: شرع نے جس کا انکار کیا۔

كل: کے لفظ کو امر و نہی سے پہلے ساقط کر دیا حالانکہ یہ دونوں قسمیں ماقبل سے مختلف ہیں۔ اس سے یہ اشارہ کر دیا کہ ماقبل کی بنسبت یہ بہت کم واقع ہوتی ہیں۔ خاص طور پر وہ آدمی جو لوگوں سے الگ تھلگ ہو۔

① امر و نہی کو کل: پر عطف کر کے مرفوع پڑھیں اور ان کی خبر بھی کل کی خبر پر معطوف ہوگی' اس وقت یہ عطف معمولین علی معمول عاملین مختلفین کی جنس سے ہوگا۔

② ہر ایک مبتداء اور مابعد اس کی خبر ہے اور واؤ جملوں کے عطف کے لئے ہے یا مستانفہ ہے کیونکہ یہ ماقبل سے مختلف النوع ہے کیونکہ ان کا نفع متعدی ہے اور ماقبل کا نفع قاصر ہے اور نکرہ ہونے کے باوجود ان کا مبتداء بننا ظرف میں عمل کی وجہ سے ہے اور نکرہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کا ہر فرد صدقہ ہے اگر اس کی بجائے یہ معرفہ لائے جاتے تو جنس کا احتمال یا معہود ذہنی کا احتمال پیدا ہو جاتا حالانکہ نص میں تو یہ قید نہیں۔

ایک لطیفہ: نص میں حقیقی صدقہ سے تعرض نہیں کیا گیا کیونکہ وہ تو خود واضح ہے۔ روایت میں دی جانے والی چیزوں کا صدقہ ہونا عام طور پر معلوم نہیں۔ ان کو صدقہ کہا گیا۔ البتہ مالی صدقہ کی طرف سے انکے کافی ہونے کے متعلق خبر میں خفاء ہے۔

یہ اطلاق صدقہ ان پر مجازاً ہے باقی انواع صدقہ کو محصور کرنا بھی مقصود نہیں بلکہ جوان کے علاوہ باقی ہیں ان پر متنبہ کرنا مقصود ہے۔جس چیز میں نفع کی کوئی قسم پائی جائے اور کسی انسان یا دیگر کسی چیز کو اس سے فائدہ پہنچے وہ اس میں شامل ہے۔

یُجْزِءُ اور یَجْزِیُ دونوں طرح درست ہے (عراقی شرح التقریب) من ذلك: جو مذکور ہوا یا اس کا بدل خبر کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کا جواز ہے مگر روایت ابوداؤد میں پہلے کے نہ ہونے کی صورت میں ان کا جواز مذکور ہے۔دونوں میں صورت موافقت یہ ہے کہ ابوداؤد میں صورت اکمل وافضل کا تذکرہ ہے۔اس لئے کہ یہ بعید نہیں کہ تین سو ساٹھ اعضاء کا صدقہ نماز چاشت سے افضل ہو اگر چہ نماز افضل ترین عمل ہے اور اس باب کی روایت میں اکتفاء مذکور ہے۔

انتباہ: ظاہر یہ ہے کہ چاشت کی دو رکعتیں جس کے قائم مقام ہیں وہ امر بالمعروف ہے جو استحباب کے درجہ میں ہے۔گویا اس سے اپنی طرف سے فرض کو ادا کیا ہے اور اس کے کلام میں اس امر بالمعروف کی تاکید وتقویت ہے۔رہا فرض تو فرض کے قائم مقام چاشت کی دو رکعت نہیں بن سکتیں اور نہ اس سے فرائض کے ترک کا گناہ دور کر سکتی ہیں۔

نماز چاشت کی اس میں بڑی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔یہ ثواب بندے کو حاصل کرنا چاہئے اور اس کا قیام ان افعال کے قائم مقام ہوگا۔پس اس پر دوام مناسب ہے اور صدقہ کے قائم مقام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تمام ماسبق بھلائیوں کو شامل ہونے کے علاوہ فحشاء ومنکر کو بھی روکتی ہے اور نماز چاشت کے ساتھ اس کی تخصیص سے کوئی رکاوٹ نہیں۔

فجر کی دو رکعات کے علاوہ (کذا قاولی العراقی) اور اگر چہ مذکور مفہوم دونوں میں موجود ہو کیونکہ شارع کی اعمال کے متعلق خاص نگاہ جوان کے اوقات اور مقامات کے اعتبار سے ہے۔شاید کہ اس کی خصوصیت کی وجہ سے وہ شکریہ کے لئے خاص ہو۔بخلاف سنن وروایت کے وہ تو فرائض کے نقصان کو پورا کرنے کے لئے ہیں۔ان کا قیام خالص ظاہری نعمتوں پر شکریہ کے لئے نہیں ہے۔

تخریج: أخرجه مسلم (٧٢٠) و أبو داود (١٢٨٥)

السلامٰی: جمع سلامیہ بعض نے کہا اس کی واحد جمع ایک ہی ہے جمع سلامیات آتی ہے۔جوڑ کو کہتے ہیں۔انسان کی ہڈیوں میں کھوکھلا عضو۔نہایہ میں انسان کی انگلیوں کے دو جوڑوں کے درمیان والا حصہ وغیرہ۔نووی کہتے ہیں تمام بدن کی ہڈیاں مراد ہیں عراقی نے بھی یہی کہا اس کی موید یہ روایت ہے: **وخلق الانسان علی ستین وثلاثمائة مفصل ففی کل مفصل صدقة**"۔

۱۱۹ : عَنْهُ قَالَ : قَالَ النَّبِیُّ ﷺ : "عُرِضَتْ عَلَیَّ اَعْمَالُ اُمَّتِیْ حَسَنُهَا وَسَیِّئُهَا فَوَجَدْتُّ فِیْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِهَا الْاَذٰی یُمَاطُ عَنِ الطَّرِیْقِ وَوَجَدْتُّ فِیْ مَسَاوِیْ اَعْمَالِهَا النُّخَاعَةُ تَکُوْنُ فِی الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۱۹: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری اُمت کے اچھے اور برے عمل مجھ پر پیش کئے گئے تو ان کے اچھے اعمال میں تکلیف دہ چیز کا راستہ سے ہٹا دینا بھی پایا گیا اور ان کے برے اعمال میں رینٹھ کو پایا جو مسجد میں کیا جائے اور اس کو دفن نہ کیا گیا ہو"۔ (مسلم)

تشریح ۞ **حسنها و سيئها**: یہ اعمال امتی کا بدل ہے۔ **الاذی**: مثلاً پتھر کانٹا۔ **يماط**: دور کیا جائے۔ **عن الطريق**: راستہ سے تاکہ گزرنے والوں کو ایذاء نہ پہنچے اس میں اس بات کی فضیلت بتلائی جس سے لوگوں کو فائدہ ہو۔ (۲) اور ان سے ضرر دور ہو۔ **مساوی**: گناہ۔

اَلنَّحو: اعمالها میں اضافت صفت الی الموصوف ہے۔ **التحاعة**: دماغ کے قریب والے حصہ سے نکلنے والا تھوک۔ **النخامة اقصى**: حلق سے نکلنے والا تھوک۔ (النہایہ)

تكون في المسجد: جملہ صفت یا حال کے محل میں ہے۔ **فلا تزال**: زائل نہ کیا جائے، دفن کر کے یا چھیل کر (یا دھوکر)

نوویؒ کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں مذمت صرف تھوکنے والے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر دیکھنے والا اس میں شامل ہے۔

فائدہ جلیلہ: بعض مشائخ نے کہا کہ تکلیف دہ چیز جب راستہ سے ہٹائے تو کہے لا الٰہ الا اللہ تاکہ ایمان کا اعلیٰ اور ادنیٰ شعبہ جمع ہو جائے۔ یہ کلمہ توحید ہے اور افعال و اقوال کے درمیان ہے جب دل و زبان دونوں مجتمع ہوں تو یہ زیادہ کمال ہے۔ (ابن رسلان، مسلم) جامع صغیر میں الفاظ اس طرح ہیں: **و رأيت في سيئي اعملها النخاعة في المسجد فلم تدفن**۔

تخريج: أخرجه مسلم (٥٥٣) والبخاري في الأدب المفرد (٢٣٠) والبغوي في المرقاة (٧٠٩)

---

۱۲۰ : عَنْهُ اَنَّ نَاسًا قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَهَبَ : اَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالْاُجُوْرِ يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّىْ وَيَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَيَتَصَدَّقُوْنَ بِفُضُوْلِ اَمْوَالِهِمْ قَالَ : اَوَلَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مَّا تَصَدَّقُوْنَ بِهٖ : اِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةً، وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةً، وَنَهْىٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةً، وَفِىْ بُضْعِ اَحَدِكُمْ صَدَقَةً" قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيَاتِىْ اَحَدُنَا شَهْوَتَهٗ وَيَكُوْنُ لَهٗ فِيْهَا اَجْرٌ؟ قَالَ : "اَرَاَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِىْ حَرَامٍ اَكَانَ عَلَيْهِ وِزْرٌ؟ فَكَذٰلِكَ اِذَا وَضَعَهَا فِى الْحَلَالِ كَانَ لَهٗ اَجْرٌ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

"الدُّثُوْر" بِالثَّاءِ الْمُثَلَّثَةِ : الْاَمْوَالُ وَاحِدُهَا دَثْرٌ۔

۱۲۰: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مالدار لوگ تو زیادہ اَجر لے گئے۔ وہ بھی نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں اور وہ اپنے زائد اموال میں سے صدقہ کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: "کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایسی چیزیں نہیں بنائیں کہ جن سے تم صدقہ کرو۔ (پھر فرمایا) بیشک ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے اور ہر تحمید صدقہ ہے اور ہر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ صدقہ ہے اور امر بالمعروف صدقہ ہے اور نہی عن المنکر صدقہ ہے، اور اپنی شرم گاہ کی حفاظت بھی صدقہ ہے"۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم میں سے ایک آدمی اپنی جنسی خواہش پوری کرتا ہے تو کیا اس میں بھی اجر ہے؟ ارشاد فرمایا: "تم یہ بتلاؤ اگر وہ اپنی شہوت کو حرام مقام پر پوری کرتا تو کیا اس کا گناہ ہوتا؟ پس اسی طرح جب اس نے اس کو حلال طریقہ سے پورا کیا تو اس کو اجر ملے گا"۔ (مسلم)

الدُّثُوْرُ :اس کا واحد دَثْرٌ :مال وخزانہ

تشریح ❁ اناسًا: یہ اصل میں ناس ہے۔ یہ اسم جمع ہے جیسا دجال۔ کیونکہ فُعَالٌ جمع کے اوزان میں ثابت نہیں ہے۔ اَنِسَ: سے ماخوذ ہے کیونکہ انسان اپنے امثال سے مانوس ہوتا ہے یا آنَسَ: (ضرب) دیکھنا کیونکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔صاحب قاموس کہتے ہیں ناس کا لفظ جنات پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہاں الناس: سے مراد صحابہ ہیں۔قالوا...... بالاجور: میں کثرت اعمال کی وجہ سے سبقت لے گئے۔ فضول اموال: سے مراد کفایت سے زائد مال۔صدقے کی فضیلت کے لئے یہ قید لگائی گئی ہے۔ کفایت سے پہلے صدقہ صبر نہ کرنے والے کے لئے مکروہ یا حرام ہے۔صحابہ کرام نے یہ بات اعمال صالحہ میں حرص اوران کی شدید رغبت اوران میں سبقت کے لئے کہی کیونکہ ان کو اعمال صالحہ کی طرف شدید حرص تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مقصد سوال معلوم کرلیا تو قال: ان کو جواباً فرمایا تاکہ ان کی دلجوئی بھی ہوجائے اور ہوسکتا ہے وہ نیکی میں اغنیاء کے برابر ہوجائیں۔او لیس: لیس لا کے معنی میں ہے استفہام انکاری ہے۔ ایسا مت کہو۔ بکل تسبیحة: ہر تسبیح کے سبب جیسا فرمایا: ﴿تلك الجنة اللتی اورثتموها بما كنتم تعملون﴾ یہ آیت اس سابقہ روایت کے خلاف نہیں جس میں فرمایا: ﴿لن يدخل احدكم الجنة بعمله﴾: جیسا پہلے ذکر ہوا۔ ② آیت حصول درجات کا ذکر ہے اور وہ اعمال سے ملیں گے۔اور وہ حدیث اصل داخلہ جنت کو ظاہر کرتی ہے جو محض فضل سے ہوگا۔ ③ آیت کا محمل اسلام ہے جو کہ دخول جنت کا کفیل ہے اور حدیث کا محمل درجات ہیں جو حصول درجات کا سبب ہیں۔

النَّحْو: وکلِ: مجرور ہو تو ماقبل پر عطف ہے۔ ② مرفوع ہو تو جملہ مستانفہ ہے۔

صدقةً: نصب ہو تو ماقبل پر عطف ② رفع میں: جملہ مستانفہ۔

امر بالمعروف: امر اگرچہ نکرہ مگر بالمعروف کی وجہ سے نکارت ختم ہوگئی۔ المعروف کو معرفہ لائے کیونکہ وہ مانوس' قائم' پختہ ہے۔ یہ مبتداء ہے صدقہ خبر ہے۔

نھی عن منکر: نکرہ لا کر اشارہ کردیا گویا یہ عدم و مجہول ہے جس سے نفس کو کوئی الفت نہیں۔جس کو شرع نے منع کردیا اور اس کی حرمت پر اتفاق ہے یا فاعل اس کو برا خیال کرتا ہے۔ ان کو صدقہ مشابہت کی وجہ سے مجازاً کہا ہے۔ یعنی ان اشیاء کا اس طرح اجر ہے جیسا جنس میں صدقہ کرنا کیونکہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی رضا سے اس کی طاعت پر بدلے کے طور پر ہوگا خواہ مقدار ہو یا حالت ہو پس اعمال کی مقدار کم زیادہ ہونے اور ان کی غایت وثمرات مختلف ہونے سے متفاوت ہوگا۔

اور ایک قول کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اپنی ذات پر صدقہ ہے اور امر و نہی کو آخر میں علی سبیل الترقی لائے کیونکہ وہ تو واجب العین یا واجب الکفایہ ہیں اور دوسرے اس طرح نہیں اور یہ بات بلا ریب ہے کہ واجب کی ہر دو قسمیں نفل سے افضل ہیں جیسا بخاری کی سابقہ روایت و ما تقرب الی عبدی بافضل من اداء ما افترضته علیه: میں صراحت ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ قدرت والے کو صدقہ کرنا نفع کے متعدی ہونے کی وجہ سے ان اذکار سے افضل ہے اور اس کی مؤید یہ بات بھی ہے کہ متعدی نفع والا عمل قاصر عمل سے عملاً افضل ہوتا ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عاجز کے حق میں ان اذکار کا اجر جب کہ خالص نیت ہو نفلی صدقہ سے بڑھ جائے گا۔

فی: یہ سببیہ ہے جو کہ باکے معنی میں ہے جیسا اس روایت میں ہے: عذبت امراة بالنار فی هرة' ای بسبب هرةٍ: مجازاً

ظرفیت کے لئے ہوسکتا ہے۔ گویا ثواب کے اس پر مرتب ہونے کی وجہ سے اس کے لئے ظرف کی طرح بن گیا۔ بُضع: جماع یا شرمگاہ۔ احد کم: سے مراد بیوی۔ جب اس کے ساتھ صحیح نیت ملی ہو مثلاً اپنی اور بیوی کی پاکدامنی' نظر' فکر کا حرام خیالات سے بچانا' ادائیگی حق زوجیت' اولاد کی طلب' مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے لئے اس کا استقبالی بنے جب کہ اس کی موت کے صدمے پر صابر ہو' پس اس سے معلوم ہو گیا نیک نیتی سے حق زوجیت کی ادائیگی جس سے مسلمانوں کو فائدہ حاصل ہو وہ صدقہ ہے۔ جیسے ایسا بچہ ہو جو امت مسلمہ کا دفاع کرے یا علم دین کو پھیلائے۔

انادہ: تمام اقسام کے خیر و معروف و احسان کے افعال صدقہ ہیں اور مسلم کی روایت اسکے موافق ہے: **کل معروف صدقة**: البتہ ابن ماجہ' بزاز کی روایت میں ہے: **ما من یوم و لا لیلة و لا ساعة الا للّٰہ فیھا صدقة یمن بھا علی من یشاء من عبادہٖ وما من اللّٰہ علی عبد مثل ان یلھمہ ذکرہٗ**: دن و رات میں کئے جانے والے صدقہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور بندے کے دل میں ذکر ڈال دینے سے بڑھ کر کوئی بندے پر احسان نہیں۔

قالوا...... فیھا اجر؟: صحابہ کرامؓ نے اس بات کو یہ خیال کرتے ہوئے عجیب سمجھا کہ عام طور پر حصول اجر تو عبادت شاقہ اور شہوات نفس کی مخالفت میں ہے اور اس لذت والے فعل سے اجر کیسا؟ آپؐ نے فرمایا: تم مجھے بتلاؤ! وِزرٌ: گناہ۔ انہوں نے نعم کہا اور خاموش ہو گئے کیونکہ یہ ظاہر بات تھی۔ روایت احمد' ابن منیع میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس کی تصریح ہے کہ میں نے کہا ہم اپنی شہوت پوری کریں اور اجر بھی پائیں؟ آپؐ نے فرمایا: اگر تو اس کو ناحق استعمال کرتا کیا وہ تم پر بوجھ نہ ہوتا؟ کہتے ہیں میں نے بلیٰ کہا۔ آپؐ نے فرمایا: تمہارے شر کو تو گنا جائے اور خیر کو نہ گنا جائے۔ آپؐ نے فرمایا: **فکذلك...**

اجرٌ: خبر کے ظاہر سے مطلقاً بیوی کے حقوق زوجیت پورا کرنے پر اجر معلوم ہوتا ہے۔ مگر امام احمد کے ہاں نیت صالحہ کی قید اس میں معتبر ہے۔

قیاس عکس پر استدلال: اس سے قیاس مضاد کا جواز ثابت ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ ضد الحکم کو ضد اصل کی وجہ سے ثابت کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسا حرام کا ارتکاب گناہ ہے اسی طرح فعل حلال پر اجر ہے۔

نیکی پر صدقے کا ثواب	برائی پر گناہ و وزر
وطی حلال پر اجر	زنا پر سزا و گناہ
فعل حلال میں ماجور	ارتکاب حرام میں گناہ گار

اس میں قیاس کے منکرین اہل ظاہر کا بھی رد نکلتا ہے۔ تمام علماء اسلام شروط مقررہ کے ساتھ قیاس کے جواز کے قائل ہیں اور اس قیاس عکس کے مخالفین کا قول بھی ضعیف ہے۔

تخریج: مسلم' احمد' ابوداؤد' نسائی' ابوعوانہ' طبرانی' بیہقی۔ مختلف طرق سے بیان کی ہے۔ (شرح اربعین للسخاوی)

اس روایت میں دین کے بہت سے نفیس قواعد مذکور ہیں۔ الدثور: کثیر اموال جمع دثر یہ جمع کی صفت میں بھی آتا ہے مثلاً مال دثر۔ اموال دثر۔

۱۲۱ : عَنْهُ قَالَ قَالَ لِیَ النَّبِیُّ ﷺ : "لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا وَّلَوْ اَنْ تَلْقٰی اَخَاكَ بِوَجْهٍ

طَلِیْقٍ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۲۱: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کسی نیکی کو ہرگز حقیر نہ سمجھو خواہ تم اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ہی ملو"۔ (مسلم)

تشریح ۞ **لا تحقرن**: مت حقیر سمجھو۔ شیئاً: کہ تم اسے معمولی سمجھ کر چھوڑ دو اور وہ رضا الٰہی تک پہنچنے کا سبب بن جائے جیسا اس روایت میں ہے: **ان العبد یتکلم بالکلمہ لا یلقی الھا بالاً یرفعہ اللّٰہ بھا درجاتٍ**: بندہ بسا اوقات کوئی ایسا کلمہ کہتا ہے جس کی اس کو پرواہ بھی نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے درجات بڑھا دیتا ہے۔ (رواہ احمد، بخاری، من ابی ہریرہ) ولو: اگرچہ وہ نیکی ہو۔ **ان تلقی اخاك بوجهٍ طلیق**: ایک روایت میں طلق ہنس مکھ ملنا کیونکہ اس سے ایک مسلمان دوسرے سے مانوس ہو جاتا ہے اور وحشت دور ہو جاتی ہے اور اس کی دل جوئی ہو کر الفت پیدا ہوتی ہے۔

تخریج: أخرجه مسلم (٢٦٢٦) والترمذی (١٨٣٣) مطولاً والبغوی فی المشكاة (٨٩٤)

۱۲۲: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "كُلُّ سُلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْهِ الشَّمْسُ: تَعْدِلُ بَیْنَ الْاِثْنَیْنِ صَدَقَةٌ وَّتُعِیْنُ الرَّجُلَ فِیْ دَآبَّتِهٖ فَتَحْمِلُهٗ عَلَیْهَا اَوْ تَرْفَعُ لَهٗ عَلَیْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ، وَالْكَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ وَبِكُلِّ خُطْوَةٍ تَمْشِیْهَا اِلَی الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ، وَتُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَةٌ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ *وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ اَیْضًا مِنْ رِّوَایَةِ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اِنَّهٗ خُلِقَ كُلُّ اِنْسَانٍ مِّنْ بَنِیْ اٰدَمَ عَلٰی سِتِّیْنَ وَثَلَاثِ مِائَةِ مِفْصَلٍ، فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَحَمِدَ اللّٰهَ وَهَلَّلَ اللّٰهَ وَسَبَّحَ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَعَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ شَوْكَةً اَوْ عَظْمًا عَنْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ اَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَهٰی عَنْ مُّنْكَرٍ عَدَدَ السِّتِّیْنَ وَالثَّلَاثِ مِائَةِ فَاِنَّهٗ یَمْشِیْ یَوْمَئِذٍ وَّقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهٗ عَنِ النَّارِ۔

۱۲۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لوگوں کے ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ ہر دن میں لازم ہے جس میں سورج طلوع ہوتا ہے۔ دو آدمیوں میں انصاف کر دینا بھی صدقہ ہے، کسی دوسرے آدمی کو بٹھانا بھی صدقہ ہے یا اس کے سامان کو اٹھا کر رکھوانے میں اس کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے، اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے، ہر قدم جو مسجد کی طرف جائے وہ بھی صدقہ ہے، راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا بھی صدقہ ہے"۔ (متفق علیہ) مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کو روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "ہر انسان کی پیدائش ۳۶۰ جوڑوں پر ہوئی ہے جس نے اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ اور اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کہا یا راستہ سے کسی پتھر کو ہٹایا یا کوئی کانٹا یا ہڈی لوگوں کے راستہ سے دُور کی یا امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کیا تین سو ساٹھ (۳۶۰) مرتبہ تو وہ اس حالت میں شام کرنے والا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو آگ سے دور کر دیا"۔

روایت۱۲۲من الناس علیه: وہ انسان جو کہ مکلّف ہے اسپر جوڑوں کا شکریہ ادا کرنے کا مؤکد حق ہے۔ صدقة: صدقہ جوڑوں کی گنتی کے مطابق ہوگا۔

النحو : علیه: میں ضمیر مذکر معنی عضو کا اعتبار کر کے ضمیر لائے۔ ② یہ ضمیر صاحب کی طرف لوٹتی ہے جو سلامیٰ سے پہلے محذوف ہے ہر ایک کی طرف نہیں لوٹتی اگر مضاف الیہ کی طرف لوٹتی تو مؤنث ہوتی۔ یوم تطلع فيه الشمس: یہ اس وہم کے ازالہ کے لئے لائے جو بعض روایات کے مطابق مرۃً لفظ سے پیدا ہوتا ہے کہ شاید نعمتوں کا شکریہ ایک مرتبہ ہی کافی ہے۔ اس پر خبردار کر دیا کہ ہر دن نیا شکریہ اس دن میں سلامتی ملنے پر ضروری ہے۔ تعدل: ① دو ناراض آدمیوں میں انصاف کر کے صلح کرادے۔ ② دو جھگڑے والے یا فیصلے کے درمیان حاکم کی حیثیت سے یا وہ تمہیں فیصل مان لیں تو عدل، انصاف، عمدہ قول و فعل سے صلح کرادے۔ یہ اسی طرح ہے جیسا دوسری روایت میں ہے: لا يحل حراما و لا يحرم حلالاً: ''حلال وحرام شرعی کا لحاظ رکھے''۔

صدقة: یہ صدقہ ہے کیونکہ برے اقوال وافعال سے ان کے درمیان جھگڑا بڑھ جاتا ہے۔ اس نے ان کو اس سے بچالیا۔ اس سے صلح کا مقام معلوم کیا جاسکتا ہے کہ تالیف بین المسلمین کے لئے توریہ کے الفاظ بولنے درست ہیں۔

تعين الرجل: تیرا اس کی مدد کرنا۔

النحو : او: یہ تنویع کے لئے ہے۔ والكلمة الطيبة سے مراد ہر وہ ذکر و دعا ہے جو اپنی ذات اور دوسروں کے لئے سلامتی کا باعث اور صحیح تعریف کا ذریعہ ہو۔ اسی طرح کی اور اشیاء جن میں سامع کے لئے سرور اور دلوں کی اجتماعیت والفت ہے۔ اور وہ تمام چیزیں جن میں لوگوں سے مکارم اخلاق اور محاسن افعال کا معاملہ ہو اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی اسی میں داخل ہے: لا تحقرن من المعروف شيئاً۔

فطوة: دونوں قدمین کا فاصلہ جس سے تم نماز کی طرف چل کر آؤ وہ صدقہ ہے۔ اس میں جماعت اور مساجد کی طرف جانے اور تعمیر مساجد پر آمادہ کیا گیا۔ اسلئے کہ اگر وہ اپنے گھر میں نماز پڑھتا تو یہ ثواب اس سے نکل جاتا۔ تميط: راہ سے موذی چیز کا ازالہ۔

الطريق: مذکر و مؤنث ہر دو طرح مستعمل ہے اس کے لئے سبیل صراط کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ صدقة: یہ عامۃ المسلمین کے حق میں صدقہ بنے گا اس کو سب سے آخر میں لائے کیونکہ یہ ماقبل سے کم درجہ ہے جیسا کہ آئندہ خبر اس پر دلالت کرتی ہے ''وادناها اماطة الاذى عن الطريق''۔

بعض متصوفین نے اس اذیٰ کو مظالم وغیرہ پر محمول کر کے طریق سے شریعت واحکام مراد لئے مگر یہ تکلف ہے۔ نص کے الفاظ خود اس کی تردید کے لئے صریح ہیں کیونکہ اس صورت میں اماطة الاذى: اعلیٰ ترین شعبوں میں سے بنے گا نہ کہ ادنیٰ۔ پھر ان اعمال میں خلوص نیت اور رضاء الٰہی کے لئے ان کا انجام دینا ثواب کی شرط ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الا من امر بصدقة او معروف...... عظيما: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال بر میں کچھ کا تذکرہ کر کے فرمایا: والذى نفسى بيده مامن عبد يعمل بخصلة منها يريد بها ما عند الله لا اخذت بيده يوم القيامه حتى يدخل الجنة۔: ابن حبان کہ مجھے اللہ کی قسم! جو بندہ ان میں سے کوئی خوبی اپناتا ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضامندیاں چاہنے والا ہو۔ میں قیامت کے دن اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جنت میں داخل کروں گا''۔ اسی وجہ سے تو حسن وابن سیرین رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمادیا فعل معروف کا اجر

تب بھی ملتا ہے خواہ اس میں نیت نہ بھی ہو۔

تخریج ☆: أخرجه احمد (۳/۸۱۸۹) والبخاری (۲۷۰۷) و مسلم (۱۰۰۹) و ابن حبان (۳۳۸۱) والبیهقی (۱۸۷/٤) والبغوی فی المشکوٰة (۱۸۹٦) * أخرجه مسلم (۱۰۰۷) والبغوی فی المشکاة (۱۸۹٦)

فرق روایت: مسلم نے اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح بیان کیا۔

انهٗ: ۂ ضمیر شان ہے۔

النحو: خلق: معروف مجہول دونوں طرح ہوسکتا ہے۔ آدم: یہ اگر عجمہ مانیں تو غیر منصرف ورنہ منصرف ہے۔ (ابو منصور جوالیقی نے یہی کہا)

مفصل: مسلم کے یہ لفظ ہیں بزاز نے للانسان ثلاثماته و ستون عظما نقل کیا ہے۔

طویق الناس: اہتمام کے طور پر الفاظ کا اعادہ کیا گیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ نقصان دہ چیز کو لوگوں سے دور کیا جائے تا کہ عامۃ الناس کو فائدہ پہنچے' زیادہ نقصان دینے والی چیز پتھر کا بھی ذکر کیا اور کم ایذاء والی چیز کانٹے کو بھی بیان کیا تا کہ ثواب کا خواہاں کسی موقعہ کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دے خواہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔

و امَرَ: واؤ کی بجائے او زیادہ صحیح نسخہ ہے۔ **عدد الستین**: یعنی جس نے مختلف اقسام کی نیکیاں کیں جن کی تعداد ۳۶۰ ہوگئی۔

زحزح: دور ہونے والا ہے کیونکہ اس نے قسم قسم کی طاعات سے اس منعم کی شکر گزاری کی جس نے اس کو وجود دیا۔

تکف شرّکَ: اپنے شر کو دوسروں سے روک کر رکھ۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اگر وہ قیام واجبات نہ کر سکے تو تمام محرمات کو ترک کر دے یہ بات ان نعمتوں کے واجب شکریے کے لئے کافی ہو جائے گی۔ البتہ مستحب شکر' نفلی عبادات کو خوب انجام دینے پر موقوف ہے خواہ وہ اس کی ذات کی حد تک ہوں یا ان کا ثواب متعدی ہو۔

حدیث کا مقصد اقسام صدقہ کو محصور کرنا نہیں بلکہ ماقی پر متنبہ کرنا مقصود ہے۔ ان تمام کو جامع وہ ہیں جو اس کو اور دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔

❁ ❁ ❁

۱۲۳: **عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ''مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ اَدْرَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ فِي الْجَنَّةِ نُزُلاً كُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ'' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔**

''اَلنُّزُلُ'' اَلْقُوْتُ وَالرِّزْقُ وَمَا يُهَيَّأُ لِلضَّيْفِ۔

۱۲۳: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی مسجد کی طرف صبح یا شام کو گیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر صبح وشام کو مہمانی تیار کرتا ہے''۔ (متفق علیہ)

اَلنُّزُلُ: خوراک رزق اور جو کچھ مہمان کے لئے تیار کیا جائے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

تشریح ☆: غدا: صبح کے وقت سفر کرنا۔ الی المسجد: مسجد کی طرف یعنی اس میں نماز ادا کرنے یا اعتکاف کرنے یا قراءۃ قرآن مجید یا علم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حاصل کرنا ہو۔ راح: دن کے پچھلے وقت میں سفر کرنا۔ اعد اللّٰہ: اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس کے عمل کا ثواب تیار کر دیتے ہیں۔ النزل: خوراک۔ رزق: ہر وہ چیز جس سے نفع اٹھایا جائے خواہ حلال ہو

یا حرام۔ یہاں نووی نے اس کا معنی مہمان کے لئے تیار کئے جانے والا کھانا مراد لیا کیونکہ سیاق کے یہی معنی مناسب ہے۔

مناسبت باب: مسجد کی طرف آنا جانا ایک عمل خیر ہے۔ باب سے یہی مناسبت ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (۵/۲۰۳۷) والبخاری (۶۶۲) و مسلم (۶۶۹)

۱۲۴: عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ''یَا نِسَآءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِّجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنُ شَاةٍ'' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

قَالَ الْجَوْهَرِيُّ: اَلْفِرْسِنُ مِنَ الْبَعِيْرِ كَالْحَافِرِ مِنَ الدَّآبَّةِ قَالَ وَرُبَّمَا اسْتُعِيْرُ فِي الشَّاةِ۔

۱۲۴: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے مسلمان عورتو! ہرگز تم اپنی پڑوسن کو حقیر نہ سمجھنا (اس کا ہدیہ قبول کرنا) خواہ وہ بکری کا ایک کھر ہی کیوں نہ ہو''۔

اَلْفِرْسِنُ: اصل میں اونٹ کے کھر کے لئے خاص ہے جیسے کہ حافر جانور کے لئے البتہ بکری کے لئے بعض اوقات استعارۃً استعمال ہوتا ہے۔

النَّحْو: یا نساء المسلمات: ① موصوف کی صفت کی طرف اضافت کی جنس سے ہے۔

② عام کی خاص کی طرف نسبت ہے۔ کوفیوں کے ہاں یہ ظاہر پر ہے اور بصریوں کے ہاں یہاں حذف ہے: یا نساء الانفس المسلمات یا نساء الجماعات المسلمات۔

③ بعض نے اس نسبت کو یا رجال القوم: بول کر سرداران قوم مراد لئے ہیں یہاں بھی یا فاضلات المسلمات ہے۔

ابن حجر کہتے ہیں نساء کا رفع بھی جائز ہے یا نساءُ: اور مسلمات کا بھی رفع یا ایها النساء المسلمات۔

ابن علان کہتا ہے یہ منصوب ہے۔ بلجی نے ابن حجر کی طرح مرفوع کی نسبت کی ہے۔

ابن بطال نے اضافت کو تقدیر بعید سے درست قرار دیا۔

لا تحقرن: معروف کو قلیل خیال کرنے کی ممانعت ہے کہ تھوڑی چیز دینے کو حقیر مت خیال کرو بلکہ اس پر شکر گزار رہو۔ حدیث میں فرمایا: **لا یشکر اللّٰہ من لا یشکر الناس**:۔

الجوهری: یہ کتاب صحاح کے مصنف ہیں ذہین بلند پرواز تھے۔ اڑنے کے شوق میں گر کر مر گئے۔ انہوں نے فرسن: کو اونٹ کے ساتھ خاص قرار دیا۔ جیسا حمار و خچر کے لئے حاضر ہے۔ اس کے یہ اشعار بطور نمونہ درج ہیں۔

لو کان لی بدّ من الناس ☆ قطعت حبل الناس بالیاس

العزُ بالعزلة لکنه ☆ لا بدّ للناس من الناس

کہ ہر کام کے لئے آدمی چاہئیں۔ بکری کے لئے ظِلف: استعمال ہوتا ہے۔ فرسن: مجازاً استعمال کرلیا جاتا ہے۔ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔ اہل لغت نے فرسن کو اصل کے لحاظ سے اونٹ کے لئے خاص کہا ہے۔ استعارۃً بکری کے لئے استعمال ہو جاتا ہے۔ اس روایت میں چیز کو حقیر قرار دینے کی ممانعت ہے کہ کوئی پڑوسن دوسری پڑوسن کو صدقہ و ہدیہ دینا اس وجہ سے ترک نہ کرے کہ وہ ہدیہ تھوڑا اور معمولی ہے بلکہ اسے جو میسر ہو اسے دے ڈالنا چاہئے کیونکہ کچھ ہونا نہ ہونے سے بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یرہ﴾:اور ارشاد نبوت ہے:"اتقوا النار ولو بشق تمرةٍ......":یعنی صدقہ دے کر آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔قاضی عیاض نے اسی تاویل کو ترجیح دی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس کی نسبت کی۔قاضی نے کہا جس کو صدقہ دیا گیا اس کو حقیر سمجھنے کی ممانعت مراد ہونے کا بھی احتمال ہے۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:ان دونوں تاویلات کی بجائے عام معنی میں رکھنا زیادہ بہتر ہے۔(فتح الباری)

لو:کا لفظ اسی طرح ہے جیسا اس روایت میں اتقوا النار ولو بشق تمرةٍ:۔

المغنی میں درج ہے کہ لو تقلیل کے لئے آتا ہے۔اس کی مثال یہ دی:﴿ولو علی انفسکم......﴾:مگر یہ قابل غور ہے شاید کہ لو کی خاص مثال دی ہو تقلیل کا افادہ اس سے مقصود نہ ہو جیسا ان روایات میں ولو بشق تمرة ولو خاتماً من حدیدٍ:(المغنی)

تخریج: أخرجه البخاری (٢٥٦٦) و مسلم (١٠٣٠)

***

۱۲۵:عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ ، شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَآءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"اَلْبِضْعُ" مِنْ ثَلَاثَةٍ اِلٰى تِسْعَةٍ بِكَسْرِ الْبَآءِ وَقَدْ تُفْتَحُ – "وَالشُّعْبَةُ" :اَلْقِطْعَةُ۔

۱۲۵:حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"ایمان کے ساٹھ یا اس سے کچھ اوپر یا ستر اور اس سے کچھ اوپر شعبے ہیں ان میں سب سے افضل لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور سب سے کم درجہ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا اٹھانا ہے اور حیاء ایمان کا شعبہ ہے"۔(متفق علیہ)

اَلْبِضْعُ :تین سے نو تک عدد پر بولا جاتا ہے۔

اَلشُّعْبَةُ:ٹکڑا،حصہ۔

تشریح ۞ الایمان بضع وسبعون:نووی کہتے ہیں اس حدیث کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کا اطلاق اعمال پر ہو جاتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ تقدیر عبارت "شعب الایمان" یہ ہے۔بضع کی وجہ سے ستة و سبعون: سے خبر دینا بھی درست ہے۔دوسری روایت میں بضع ستون وارد ہے۔بعض نے اس کو راجح کہا۔قاضی عیاضؒ نے پہلی روایت کو راجح کہا کیونکہ تمام روات سے اسے نقل کیا مگر کرمانی کہتے ہیں ثقہ کا اضافہ معتبر ہے اور ان دونوں روایات میں اختلاف ہے مگر منافات معنوی نہیں اور اس لئے بھی کہ اقل کا تذکرہ اکثر کے منافی نہیں یا اسطرح کہہ لیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف ستین ۶۰ کی خبر دی گئی۔پھر آپ ﷺ کو اور زیادہ کی اطلاع دی گئی اور اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے اکثر اقل کو شامل ہے جیسا کرمانی معترف ہیں پس نووی رحمۃ اللہ علیہ کی بات درست ہوگئی۔پھر اس پر یہ بھی اعتراض ہے کہ جنہوں نے اضافہ نقل کیا انہوں نے اس پر جزم نہیں کیا خاص طور پر جبکہ مخرج بھی ایک ہے۔بعض نے اس عدد کو تکثیر و مبالغہ پر محمول کیا اور بندے پر لازم ہے کہ وہ اصل کی طرف لوٹے جو اصلاح معاش کے ساتھ تکمیل نفس ہے تاکہ معاد کی کامرانی مل جائے۔اسی لئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفیان ثقفی کے اس سوال کے جواب میں مجھے ایک ہی بات بتلاؤ کہ آپ ﷺ کے بعد پھر اس کے متعلق دوسرے سے نہ

پوچھوں۔فرمایا: قل آمنت باللّٰہ ثم استقم"۔بعض لوگوں نے اس بات کو زیادہ پختہ قرار دیا کہ تحدید مراد نہیں۔ بضع: کا ذکر ترقی کے لئے کیا کیونکہ شعب کی تو کوئی انتہاء نہیں۔ دوسروں نے کہا کہ مراد عددِ حقیقی ہے اور پہلے نص بضع و ستین: واقع ہوئی کیونکہ واقع میں اتنے ہیں پھر دس نئے شامل کئے تو زیادہ فرمادیا۔ اختلافِ روایات کا انہوں نے اسی طرح جواب دیا۔ پس جمع کرنے کی صورت میں اس طرح کہا جائے گا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اقل ارشاد فرمایا پھر اس میں اضافہ فرمایا اور اس میں ابہام کی کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ روایت میں مراتب کا تذکرہ فرماتے ہوئے سامعین کے فہم کا لحاظ فرمایا۔ جب قیاس کے سلسلہ میں گہری نگاہ ڈالے تو یہ بات بخوبی سمجھ آجاتی ہے۔ مگر یہ بات مشکل اور بلند چوٹی سے متعلق ہے اور اس قیاس کرنے میں نظر وفکر کا اختلاف ہے اس لئے ان بقیہ شعب میں علماء کا اختلاف ہے وہ ان گہرے پانیوں میں غوطہ لگانے کے باوجود تفاصیل نہ پاسکے اور حقیقت میں ان کی تفاصیل بیان کرنا جبکہ تعیین میں خطرہ واحتمال موجود ہو کہ یہ مرادِ نبوت کے کہیں خلاف نہ ہو جائیں۔ جیسے ابن حبان وغیرہ کہ جن سے نقل وارد ہوئی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ شعبوں کے شمار میں کسی ایک صورت پر اتفاق نہیں ہو سکا۔ ابن حبان کا طریقہ سب سے زیادہ بہتر ہے۔ وہ فرماتے ہیں میں نے ان طاعات کو جنہیں قرآن مجید اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد میں ذکر کیا جب شمار کیا تو ان کی تعداد ۷۹ نکلی نہ کم نہ زیادہ۔ پس میں نے سمجھ لیا کہ یہی مراد ہیں۔ کارزونی نے انہی کو شرح مشارق میں ذکر فرمایا ہے مگر ابن حبان کی طرف نسبت نہیں کی شاید انہوں نے خود تلاش کئے ہوں یا انہی سے بلانسبت نقل کر دیئے ہوں۔ ہر دو کا مقتضیٰ ایک ہے۔ پھر بیضاوی وکرمانی نے اپنے اپنے انداز سے ان کو لکھا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے ان کو دیکھا تو وہ تمام اعمال اعمال قلب' اعمال لسان اور اعمال بدن سے متفرع ہوتے ہیں۔ پس دل کے اعمال وہ اعتقادات اور نیات ہیں جن کی تعداد ۲۴ خصلتیں ہیں جن میں پہلا نمبر ایمان باللہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور توحید پر ایمان لانا ہے اور یہ کہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور اس کے ماسواء کو حادث یقین کرنا' اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور اچھی بری تقدیر پر ایمان لانا اور آخرت کے دن پر ایمان لانا اور اسی میں قبر کا سوال اور بعث بعد الموت اور حساب ومیزان' پل صراط اور جنت وجہنم شامل ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت' اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے بغض اور محبت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا اور آپ ﷺ کی تعظیم کا اعتقاد رکھنا اور آپ ﷺ پر درود بھیجنا اور آپ ﷺ کی سنت کی اتباع اور اخلاص اسی میں شامل ہے اور ریاکاری ونفاق کا چھوڑنا اور توبہ' خوف' رجاء' شکر و صبر اور رضاء بالقضاء توکل ورحمت اور تواضع بھی اس میں شامل ہے اور اس میں بڑے کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت اور کس کے لئے غصہ کا چھوڑنا شامل ہے۔

زبان کے اعمال کی سات خصلتیں ہیں کلمہ توحید کا زبان سے اقرار' تلاوت قرآن مجید اور علم کا سیکھنا سکھانا اور دعا و ذکر اور استغفار اور لغویات سے گریز بھی اس میں شامل ہے۔

جبکہ بدن کی خصلتیں ۳۸ اڑتیس ہیں۔ ان میں بعض تو وہ ہیں جن کا تعلق ایمان سے ہے ان کی تعداد پندرہ ہے۔ حسًا اور حکمًا پاکیزگی حاصل کرنا' نجاست سے بچنا' ستر کو ڈھانپنا' نماز فرض ونفل اور زکوٰۃ بھی اس میں شامل ہے۔ اسی طرح گردن آزاد کرنا' سخاوت کرنا اس میں داخل ہے اور غرباء کو کھانا کھلانا' مہمان کا احترام' روزے فرض ونفل اور حج وعمرہ اسی میں شامل

ہے۔اسی طرح طواف' اعتکاف' لیلۃ القدر کی تلاش دین کو بچانے کے۔لئے کسی جگہ سے فرار اختیار کرنا بھی داخل ہے۔دارکفر سے ہجرت اور نذر کا ایفاء' قسموں اور ادائیگی کفارات کا مکمل خیال کرنا اور دوسرے خصال وہ ہیں جن کا تعلق اتباع سے ہے۔وہ چھ خصال ہیں۔نکاح کے ذریعہ پاکدامنی حاصل کرنا' اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی' والدین سے حسن سلوک اور اسی میں والدین کی نافرمانی سے بچنا' اولاد کی تربیت' صلہ رحمی' سردار کی طاعت' غلاموں سے نرمی کرنا شامل ہے۔جن خصال کا تعلق عام لوگوں سے ہے۔ان کی تعداد سترہ ہے۔امراء سے عدل کے ساتھ سلوک' جماعت کا ساتھ دینا' اولی الامر کی طاعت' لوگوں میں اصلاح کرنا اس میں باغیوں' خارجیوں سے قتال شامل ہے۔بر وتقویٰ کے ساتھ معاملہ کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور قیام حدود اللہ' جہاد اسی میں شامل ہے۔سرحدات کی حفاظت اور امانت کی ادائیگی اور خمس کی ادائیگی' قرض کو وقت پر ادا کرنا' پڑوسی کا اکرام اور اس سے اچھا سلوک اس میں داخل ہے۔حلال مال کا جمع کرنا' اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا' فضول خرچی کو چھوڑنا' سلام کا جواب دینا' چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا' لوگوں سے اپنی ایذاء کو روک کر رکھنا' لہو ولعب سے پرہیز اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کا اٹھانا داخل ہے یہ کل ۶۹ انہتر خصال بن گئے۔ان کی گنتی ۷۹ بھی ممکن ہے۔جبکہ ان کو فرداً فرداً شمار کرلیں جن کو ملا کر گنا گیا ہے۔

حافظ سیوطی نے حاشیہ سنن ابی داؤد میں بضع و سبعون والی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے کہا ''شک کی طرف قطعاً التفات نہ کیا جائے ان کے علاوہ ثقات سے بضع و سبعون پر یقین کا اظہار کیا گیا ہے اور جنہوں نے جزم کیا ان کی روایت اولیٰ ہے۔روایت کا مقصد یہ ہے کہ اعمال شرطیہ کا نام ایمان رکھ سکتے ہیں اور وہ اعمال اسی تعداد میں منحصر ہیں۔البتہ شریعت نے ان کی ادائیگی ہمارے سامنے بیان نہیں فرمائی اور نہ ان کو جدا جدا ذکر کیا اور بعض متأخرین نے ان کی گنتی میں تکلف کیا اور شریعت کے کئی خصال سے درگزر کر کے تمام کو شمار کر کے اتنی تعداد بنائی۔مگر یہ بات قطعاً درست نہیں کیونکہ ان کی ذکر کردہ خصلتوں پر اضافہ بھی ہوسکتا ہے اور تداخل سے کمی بھی ہوسکتی ہے۔سب سے زیادہ صحیح بات وہ ہے جس کو علامہ خطابی نے اپنایا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائیں گئیں شریعت میں تفصیل کے ساتھ پھیلی ہوئی ہیں' شریعت نے ہمیں الگ الگ ان کے ابواب کی نشاندہی نہیں فرمائی اور نہ ان کی تعداد متعین کی ہے اور نہ ان کی تقسیم کی کیفیت بتلائی گئی ہے اور یہ چیز ہمارے علم شرعی کے لئے جس کے ہم ذمہ دار بن گئے کچھ بھی نقصان دہ نہیں ہے۔اس لئے کہ وہ مجملہ شریعت میں تو مفصل طور پر مذکور ہیں۔جن چیزوں کے متعلق ہمیں عمل کا حکم دیا ہمیں ان کو اختیار کرنا چاہئے اور جن باتوں سے ہمیں روک دیا ہم ان سے باز رہیں۔اگرچہ عدد معین ہمیں معلوم نہیں۔(خطابی)

النحو: **فافضلها:** یہ شرط محذوف کی خبر ہے یعنی جبکہ ایمان کے مختلف شعبے ہیں تو ان میں سب سے افضل لا الٰہ الا اللہ کا قول ہے کیونکہ یہ ہر مکلّف کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی خبر دیتا ہے۔یہ وہ قول ہے کہ بقیہ تمام شعبے اسی وقت درست ہوسکتے ہیں جب بنیاد میں یہ ہو۔یہ ایسی اصل ہے جس پر تمام شعبوں کا دارومدار ہے۔

وادناها: یہ دُنو سے ہے جو قرب کے معنی میں ہے۔اسی لئے اعلیٰ کے مقابلہ میں اس کو استعمال کیا گیا۔اس کا معنی مقدار میں سب سے کم۔

اِماطه: ازالہ۔ **الاذی:** موذی چیز خواہ کانٹا ہو یا پتھر۔ایک روایت میں **اماطة العظم:** ہڈی کا دور کرنا بھی مذکور ہے۔اس کے

ادنیٰ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ہٹانا ادنیٰ قسم کے ضرر کا ازالہ ہے جو کسی انسان کو پہنچ سکتا ہے۔ **الحیاء**: ① قابل مذمت و عیب والی چیز کے متعلق خوف کی وجہ سے انسان پر وارد ہونے والا تغیر و انکسار۔ ② یا ارتکاب قبائح کے خوف سے نفس کا بند ہو جانا۔ ③ شرع میں وہ عادت جو انسان کو قبیح سے بچنے پر آمادہ کرے اور صاحب حق کی ادائیگی میں کوتاہی سے روکے اور باز رکھے۔

شعبہ: تنوین عظمت کے لئے۔ مراد عظیم حصہ۔ **فی الایمان**: کیونکہ ایمان تمام شعبوں پر حاوی ہے اور ایمان والا معاصی سے بچ جاتا ہے۔ حیاء والا دونوں جہاں کی رسوائی سے ڈرتا ہے۔ پس وہ ہر طاعت اختیار کرے گا اور ہر برائی سے رکا رہے گا اور حیاء کا سب سے بلند درجہ یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ سے حیاء کرے کہ وہ تجھے ایسی حالت میں نہ دیکھے جس سے اس نے منع کیا ہو اور یہ چیز مراقبہ حق اور اس کی صحیح معرفت سے پیدا ہوگی اور اس کو مقام احسان کہا جاتا ہے۔

ایمان میں دو ہی چیزیں ہیں مامور کا کرنا اور منہی عنہ سے بچنا۔ اسی لئے صرف حیاء کا تذکرہ کیا کیونکہ اس کا مرتبہ اعلیٰ و ادنیٰ کے درمیان ہے۔ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اعلیٰ اور اوسط و ادنیٰ کی طرف اشارہ کر دیا اور باقی کا بیان اس لئے چھوڑ دیا کہ ان تینوں پر قیاس سے علم ہو سکتا ہے۔ پس جس کو قیاس معلوم ہو وہ واضح کرے اور جس کو قیاس کا طریقہ نہیں آتا وہ عموم عدد پر ایمان لاتے خواہ وہ اس کے تمام افراد سے واقفیت نہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ ملائکہ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اگرچہ ان کے اسماء وعیال سے ناواقفیت ہو۔ (ابن حجر فی شرح مشکوٰۃ)

دمیری کہتے ہیں حیاء کو ایمان کا بعض حصہ قرار دیا۔ حیاء اور اس کی فضیلت اس کے باب میں آئے گی۔ (متفق علیہ)

فرق روایت: یہ متفق علیہ کے الفاظ قابل توجہ ہیں کیونکہ **فافضلها قول لا اله الا الله وادناها اماطة الاذى عن الطريق**: یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔ اس کی تاویل یہ ہوگی۔ اصل روایت اس اضافہ کے بغیر دونوں میں ہے۔ اس کا لحاظ کر کے متفق علیہ کہہ دیا۔ (یہ جامع صغیر میں سیوطی نے کہا) اس روایت کو مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ نے ذکر کیا۔ مصنف کی طرح صاحب مشکوٰۃ کو یہی بات پیش آئی۔ اس پر ابن حجر نے مذکورہ اعتراض کیا۔ پھر ایمان کے متعلق خبر دینا کہ اس کے اتنے شعبے ہیں، یہ اصل (ایمان) کا فرع (یعنی اعمال) پر اطلاق کی قسم سے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ایمان سے پیدا ہوتے ہیں اس کا جزو حقیقی نہیں۔

بضع: کا اطلاق تین سے ۹ تک ہے جیسا کہ طبرانی، ابن مردویہ کی روایت میں ہے۔ **البضع ما بين الثلاث الى تسبع**: بعض نے تین اور دو سے دس تک کا قول کیا ہے۔ بعض نے ایک سے نو تک کہا ہے۔ قاموس نے حدیث والی بات کی تصدیق کی ہے بلکہ اس نے تین سے پانچ یا ایک سے چار یا چار سے نو یا سات کا قول کا بھی نقل کیا جبکہ دس سے گزر جائیں تو بضع کا اطلاق ختم ہو جاتا ہے۔ بضع وعشرون نہیں کہتے (قاموس) **شعبہ**: ٹکڑا، ٹہنی، ہر اصل کی فرع۔ اس روایت میں اس سے مراد خصلت یا حصہ ہے۔ یعنی ایمان خصلتوں والا ہے یا متعدد اجزاء والا ہے۔

تخریج: أخرجه البخاری (۹) و مسلم (۳۵) و أبو داود (۳۶۷۶) والترمذی (۲۶۱۴) والنسائی (۵۰۱۹) و ابن ماجه (۵۷) وابن حبان (۱۶۷)

الفرائد: ① مباح اعمال میں نیت کا خوب استحضار ہونا چاہئے۔ ② امر بالمعروف اور نہی عن المنکر افضل ترین اعمال سے ہیں۔

۱۲۶ : عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِىْ بِطَرِيْقٍ اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيْهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَاِذَا كَلْبٌ يَّلْهَثُ يَاْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِىْ كَانَ قَدْ بَلَغَ مِنِّىْ فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَاَ خُفَّهٗ مَآءً ثُمَّ اَمْسَكَهٗ بِفِيْهِ حَتّٰى رَقِىَ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَ لَهٗ قَالُوْا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لَنَا فِى الْبَهَآئِمِ اَجْرًا؟ فَقَالَ : فِىْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِىِّ : فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَ لَهٗ فَاَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ وَفِىْ رِوَايَةٍ لَهُمَا : بَيْنَمَا كَلْبٌ يُطِيْفُ بِرَكِيَّةٍ قَدْ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ اِذْ رَاَتْهُ بَغِىٌّ مِّنْ بَغَايَا بَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ فَنَزَعَتْ مُوْقَهَا فَاسْتَقَتْ لَهٗ بِهٖ فَسَقَتْهُ فَغُفِرَ لَهَا بِهٖ۔

"اَلْمُوْقُ" : "اَلْخُفُّ" : "وَيُطِيْفُ" يَدُوْرُ حَوْلَ رَكِيَّةٍ" وَهِىَ الْبِئْرُ۔

۱۲۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی راستے پر چلا جا رہا تھا۔ اس کو سخت پیاس لگی اس نے ایک کنواں پایا۔ چنانچہ اس نے اتر کر اس میں سے پانی پیا۔ پھر باہر نکلا تو ایک کتا ہانپ رہا تھا اور پیاس سے گیلی مٹی کھا رہا تھا۔ اس آدمی نے کہا یہ کتا پیاس کی اسی شدت کو پہنچ چکا ہے جس کو میں پہنچا تھا۔ چنانچہ وہ کنویں میں اُترا اور اپنے موزے کو پانی سے بھرا پھر اپنے مُنہ میں پکڑ کر اُوپر چڑھ آیا اور کتے کو پلایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کی قدر فرمائی اور اس کو بخش دیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا۔ کیا حیوانات کے سلسلہ میں بھی اجر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہر تر جگر والے میں اجر ہے۔ (متفق علیہ) بخاری کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر فرما کر اس کو بخش دیا اور اس کو جنت میں داخل فرما دیا اور مسلم و بخاری کی روایت میں ہے کہ اسی دوران ایک کتا کنویں کے گرد گھوم رہا تھا کہ اس کو بنی اسرائیل کی ایک بدکارہ عورت نے دیکھا۔ پس اس نے اپنا موزہ اتارا اور اس سے کتے کے لئے پانی کھینچا اور اس کو پلایا۔ پس اسی عمل کی برکت سے اس کی بخشش کر دی گئی۔

اَلْمُوْقُ : موزہ۔ يُطِيْفُ: گھومنا۔ رَكِيَّةٍ: کنواں۔

تشریح ۞ ثم خرج فاذا: اذا مفاجات کے لئے ہے۔ کلب یلھث: اچانک ایک کتا پیاس سے زبان نکالنے والا تھا اور کوئی حیوان ایسا نہیں کرتا۔ یاکل الثری: ترمٹی۔

النَّحْو : ابن حجر کہتے ہیں یہ جملہ دوسری خبر بن سکتا ہے۔ ② حال بن سکتا ہے (فتح) لَهَث یلھث: فتحہ وکسرہ حاء کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ رجل لھثان وامراۃ لھثٰی: کہتے ہیں وہ شخص جو پیاس سے زبان نکالے۔ منی العطش: یہ من تعلیلہ ہے گیلی مٹی ٹھنڈک میں پانی سے قریب تر ہے۔ اس لئے وہ کھا رہا تھا (نووی شرح مسلم) اس آدمی نے گیلی مٹی کھانے سے اس کا پیاسا ہونا معلوم کر لیا۔ تو اس نے دل میں کہا:

لقد بلغ هذا الکلب من العطش...... الکلبَ: یہ منصوب ہے۔ مثلُ: یہ بلغ: کا فاعل ہے۔ بخاری کی روایت میں فنزل البئر فحلاء خفه: اور حتّٰی رَقِی: کے الفاظ ساقط ہیں۔

فشکر اللہ لہ: ابو جمرہ کہتے ہیں ① یہ شکر کلب کی طرف سے ہے یا بندے کی طرف سے اگر ہم یہی کہیں شکر قول یا حال سے ہوتا ہے' قدرت الٰہی میں تو ہر بات کا احتمال ہے۔ ② اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اس کا معنی قبولیت ہے۔ گویا نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے اس بندے کے عمل کو قبول فرمایا اور اس کے بدلے جنت بطور ثواب دی۔ نووی نے دوسری صورت کو اختیار کیا ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ اِنّ افضلَ القُربِ الجیرُ المتعدی: جب یہ بندہ اس چھوٹے سے عمل پر اتنا بدلہ دیا گیا جو اس نے اس حیوان کے ساتھ کیا جو بعض شرائط سے قتل کا حقدار ہے تو آدمی جو اس احسان کے لائق ہو اس کے ساتھ اچھائی کا بدلہ کتنا بڑا ہوگا؟ ① اس میں دلیل ہے کہ نیکی کے کام پر آمادہ کرنا چاہئے خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ اسے کیا معلوم کہ کس کام میں خوش نصیبی ہے۔ ② اس میں دلیل ہے کہ اخلاص میں کثرت اجر کا باعث ہے کیونکہ آدمی کا حال یہی تھا کہ وہ جنگل میں تھا سوائے اللہ تعالیٰ کے اس کے پانی پلانے کو کسی نے نہیں دیکھا وہ اس عمل میں مخلص تھا۔ ③ اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ کامل اجر تب ہوتا ہے جب عمل کامل ہو یہ اس ارشاد سے لیا گیا: "فسقی الکلب حتٰی اروا ہٗ": جب اس نے اس کو مکمل سیراب کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی نعمت کامل کر دی کہ جنت میں داخل کر دیا۔ ④ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض سامان کے خراب ہو جانے سے گناہ نہیں جب کہ اس پر اخروی ثواب مل جائے۔ ملاحظہ ہو کہ موزہ میں آنے والا چلو پانی موزے کو بگاڑ دے گا لیکن جب اس میں دوسرے کی بھلائی تھی تو یہ اصلاح شمار ہوگا نہ کہ فساد۔ ⑤ کم درجہ والے کے لئے زیادہ درجہ والے کو مشقت اٹھانا جائز ہے جبکہ اس کو شدید ضرورت ہو۔ جیسا آدمی نے کتے کے لئے مشقت سے پانی نکالا۔ ⑥ انسان سب سے افضل ہے۔ (ابو جمرہ)

قالوا یا رسول اللہ: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ ذکر فرمایا اور اچھا کام کرنے پر آمادہ کیا خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود اس قسم کے واقعہ سے نیک کاموں کی ترغیب اور برائی سے ڈرانا تھا تو صحابہؓ نے سوال کیا حیوانات کو پانی پلانے میں بھی کیا ثواب ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: فی کل کبد وطبہ اجرٌ: رطوبت زندگی سے کنایہ ہے مردے کا جسم وجگر خشک ہو جاتا ہے۔ ② جگر پیاس کے وقت تر ہوتا ہے۔

فَائِدَہ: قابل قدر حیوان پر احسان کرنا چاہئے۔ اس کو پانی پلانے اور احسان کرنے میں اَجر ملتا ہے۔ یہی حکم انسان کا ہے خواہ وہ آزاد ہو یا غلام' خواہ اپنا ہو یا پرایا۔ جس حیوان کو مارنے کا حکم ہے اس کو رحمت کھا کر چھوڑنا شرع کی خلاف ورزی کی وجہ سے ناجائز ہے مثلاً سانپ۔

(متفق علیہ) بخاری کی روایت میں فادخلہٗ اللہ الجنہ: یعنی ابتداء میں نجات پانے والوں میں جنت میں داخل کر دیا یہ روایت سابقہ کے لئے لازمہ ہے کیونکہ بعد میں تو ہر بخشش والے کا داخلہ ہے۔

قد کاد: قد تقریب کے لئے ہے۔ قریب تھا کہ پیاس اس کو قتل کر ڈالتی۔

بغی: زانیہ عورت۔ ابغاء: زنا' اس میں کوئی فرق نہیں کہ پہلے روایت میں تو مرد کا تذکرہ تھا مگر یہاں عورت کا ہے۔ اس لئے کہ قصے کئی ہو سکتے ہیں۔

موقہا: موزہ یا موزے کے اوپر جو پہنا جائے (جرموق یا جرموق)

یطیف: تومنا۔ طاف، اطاف۔ رکیّۃ: منڈیر کے بغیر کنواں یا کنواں فقط۔

تخریج: أخرجه مالك في موطئه (۱۷۲۹) وأحمد (۳/۸۸۸۳) والبخاری (۱۷۳) و في الأدب المفرد (۳۷۸) و مسلم (۲۲۴۴) و أبو داود (۲۵۵۰) و ابن حبان (۵۴۴) والقضاعي في مسند الشهاب (۱۱۳) والبيهقي (۱۵۸/٤)

الفرائد: ① انفرادی طور پر بلا زاد بھی سفر کر سکتے ہیں جبکہ ہلاکت کا خطرہ نہ ہو۔ ② لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہئے۔ جب کتے کو پانی پلانے سے بخشش ہوگئی تو مسلمان کو پانی پلانے سے بدرجہ اولیٰ ہو جائے گی۔ ③ نفلی صدقات کفار کو بھی دیئے جا سکتے ہیں جبکہ وہ محتاج ہوں۔ ④ پانی پلانے میں انسان و حیوان میں سے انسان کو ترجیح دی جائے گی۔
(خلاصۃ الشروح)

۱۲۷: **عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيْقِ كَانَتْ تُؤْذِي الْمُسْلِمِيْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ: وَفِيْ رِوَايَةٍ – مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ فَقَالَ: وَ اللّٰهِ لَا نَحِّيَنَّ هٰذَا عَنِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا يُؤْذِيْهِمْ فَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا: بَيْنَهُمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ بِطَرِيْقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيْقِ فَأَخَّرَهٗ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَ لَهٗ.**

۱۲۷: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے ایک آدمی کو جنت میں چلتے پھرتے دیکھا جس نے راستہ سے ایسے درخت کو کاٹ دیا تھا جو مسلمانوں کو ایذا دیتا تھا''۔ (مسلم) ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ایک آدمی کا گزر درخت کی ایسی ٹہنی کے پاس سے ہوا جو راہ گزر پر واقع تھی۔ اس نے دل میں کہا میں اس ٹہنی کو ضرور بضرور دور کروں گا تا کہ یہ مسلمانوں کو ایذاء نہ پہنچائے۔ پس اس کو جنت میں داخل کر دیا گیا۔ بخاری و مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ایک آدمی راستہ پر جا رہا تھا۔ اس نے راستہ پر ایک کانٹے دار ٹہنی پائی۔ پس اس کو ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر فرما کر اس کو بخش دیا۔

تشریح ۞ **یتقلب فی الجنة:** اس میں جانے کی وجہ سے خوب نعمتیں پا رہا تھا۔

کانت تؤذی المسلمین: اس میں راستے سے ایذاء دینے والی چیز ہٹانے کی ترغیب ہے اور یہ بات پہلے گزری کہ یہ ایمان کے شعبوں میں سے ہے۔ اس میں اس چیز کی فضیلت بتلائی جو فائدہ والی اور ضرر کو زائل کرنے والی ہے۔ (مسلم)

لا نحِینّ یہ تحیہ سے ہے۔ جس کا معنی زائل کرنا ہے یعنی مضر کو **لا یو ذیهم** اس ارادے سے کہ وہ ان کو تکلیف نہ پہنچائے۔

فادُخل الجنة ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی نیت کی وجہ سے وہ جنت میں داخل کر دیا گیا۔ ② ممکن ہے اس نے وہ کام کر دیا ہو مگر راوی سے سہواً اس کا تذکرہ رہ گیا یا اور کوئی سبب بنا۔

النَّحْو: **بینهما رجلٌ:** رجل مرفوع ہے کیونکہ بین کے ساتھ ما کافہ ملا ہوا ہے۔

فاخره راستہ سے ہٹا دیا۔ دوسری روایت میں **اخذه من الطریق** اس نے وہ ٹہنی تکلیف دور کرنے کے لئے پکڑی۔ **فشکر الله:** اللہ تعالیٰ نے اس کے معمولی فعل کو قبول فرما کر اسے بخش دیا۔

تخریج: أخرجه البخاری (٤٣٦٧)، و مسلم (٢٢٤٥) و ابن حبان (٣٨٦) وأحمد (٣/ ١٠٦٢٦) والبيهقي

(۱٤/۸)

الفرائد: ① راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا باعث اَجر و ثواب ہے۔ ② مسلمان کو نفع پہنچانا اور اس سے تکلیف کا ازالہ باعث فضیلت ہے۔

۱۲۸ : عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَاَنْصَتَ غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ ، وَمَنْ مَسَّ الْحَصَا فَقَدْ لَغَا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۲۸: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس نے اچھے طریقہ سے وضو کیا پھر جمعہ کے لئے آیا اور کان لگا کر خاموشی سے خطبہ سنا۔ اس کے اس جمعہ اور گزشتہ جمعہ کے درمیان کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں بلکہ تین دن زائد کے بھی بخشے جاتے ہیں جس نے کنکریوں کو چھوا اُس نے لغو حرکت کی"۔ (مسلم)

تشریح ۞ **احسن الوضوء:** سے وضو کو اس کے تمام آداب و سنن کے ساتھ ادا کرنا ہے۔

ثم اتی الجمعه: پھر وہ نماز جمعہ کے لئے مسجد کی طرف آیا۔

فاستمع: غور سے خطبہ سنا۔ **و انصتِ** اور مباح کلام سے بھی رکا رہا تو اس کے گناہ صغیرہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

الجمعة الماضية بعض علماء نے فرمایا: نماز جمعہ اور خطبہ سے دوسرے جمعہ کے اس وقت تک کامل سات دن بنتے ہیں اور تین دن ملا کر یعنی دس دن کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

علماء نے فرمایا: دس دن کا مطلب یہ ہے کہ ہر نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا ملتا ہے۔

جمعہ کے دن کی جانے والی نیکیاں دس گنا ہونے سے دس دن کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

سی الحصی: کنکریاں چھونا وغیرہ اور اسی طرح کے فضول کام جو دورانِ خطبہ کئے جائیں مراد ہیں۔

فائدۃ: اس حدیث میں اشارہ کر دیا کہ خطبہ کی طرف دل، جان اور جوارح سے متوجہ ہونا چاہئے۔ لغو سے مردود و مذموم کام مراد ہیں۔

تخریج: أخرجه فی مالك فی موطئه (۲۹۵) وأحمد (۳/۱۰۸۹۸) والبخاری (٦٥٢) و مسلم (۱۹۱٤) و أبو داود (٥٢٤٥) والترمذی (۱٥۹۸) وابن ماجه (۳٦۸۲) والحميدی (۱۱۳٤) وابن حبان (٥۳٦) بألفاظ متقاربة۔

۱۲۹ : عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "اِذَا تَوَضَّاَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ ، اَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَّجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَآءِ ، اَوْ مَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَآءِ ، فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَآءِ ، اَوْ مَعَ اٰخِرِ قَطْرِ الْمَآءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِّنَ الذُّنُوْبِ ، فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَّشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَآءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِّنَ الذُّنُوْبِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

۱۲۹: حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب مؤمن بندہ وضو کرتا ہے پس اپنا چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرہ سے پانی کے استعمال کے ساتھ ہی یا آخری قطرہ کے ساتھ وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں۔ جو اس نے اپنی آنکھوں سے کئے تھے۔ پھر جب ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں سے پانی کے استعمال کے ساتھ یا آخری قطرہ کے ساتھ وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو اس نے اپنے ہاتھوں کو استعمال کر کے کئے۔ پس جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ اس کے وہ تمام گناہ نکل جاتے ہیں جو اس نے پاؤں سے چل کر کئے۔ یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے''۔ (مسلم)

تشریح المسلم او المؤمن: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا لفظ بولا۔ راوی کو اس میں شک ہے اگرچہ ایک کا اطلاق دوسرے پر ہوتا رہتا ہے۔

النحو: فعسل...... نظر الیه۔ فاتفصیلیه ہے۔ خطیه سے وہ صغیرہ گناہ مراد ہیں جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ الیها: سے سبب گناہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ بعینه: علامہ قرطبی کہتے ہیں یہ عبارت تکفیر خطایا کے لئے استعمال کی ہے ورنہ گناہ اجسام نہیں کہ ان کے لئے خروج ہو۔ ابن عربی کہتے ہیں ظاہر پر محمول کرنا چاہئے کیونکہ گناہوں کے اثرات سے باطن میں سیاہی پیدا ہوتی ہے۔ جس کو ارباب حال وکشف معلوم کرتے ہیں اور وضو کا پانی اس کو زائل کرتا ہے۔ پھر حجر اسود والی روایت لائے کہ مشرکین کے گناہوں نے حجر اسود کو سفیدی سے سیاہی میں بدل دیا جب اس پتھر پر گناہوں کا اثر ہو گیا تو گناہ کرنے والے پر کیوں نہ ہوگا۔ پس وضو سے ہر گناہ کی سیاہی دُھلتی جاتی ہے۔ (قوت المغتذی)

اور اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں بذاتِ خود گناہ کا بدن سے تعلق ہے پس گناہ جسم ہے عرض نہیں۔ ہمارے یہاں جو چیزیں عرض ہیں عالم مثال میں اس کی صورتیں ہیں۔

مع الماء او مع آخر قطر الماء: راوی کو شک ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا لفظ فرمایا۔

لطیفه: آنکھ کا تذکرہ کیا حالانکہ گناہ تو چہرہ منہ ناک سب سے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنکھ دل کا جاسوس ہے اور اس کا راہنما ہے۔ اس لئے دوسروں کے تذکرہ کی حاجت نہیں۔ باقی گناہ میں تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ منہ اور ناک کی طہارت مستقل ہے چہرے کے ماتحت نہیں وہ ان کے گناہوں کے لئے مکفی ہے اور آنکھ کے گناہوں کا متکفل تو چہرے کا دھونا ہے۔ پس اس کی غلطیاں چہرہ دھونے سے گریں گی۔

مشتها: یعنی چلا چلنا یا اس کی طرف چلا۔ **الذنوب:** یعنی صغیرہ۔

تخریج: أخرجه مسلم (۲۷/۸۵۷) وأبو داود (۱۰۵۰) والترمذی (۴۹۸) و ابن ماجه (۱۰۹۰)

۱۳۰ : **عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :''الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَى الْجُمُعَةِ ، وَرَمَضَانُ مُكَفِّرَاتٌ لِّمَا بَيْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَآئِرُ'' رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔**

۱۳۰: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک درمیان کے تمام گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے

بچا جائے''۔ (مسلم)

تشریح مکفرات: سے مراد جو حقوق اللہ تعالیٰ سے متعلق صغائر ہیں۔

ایک تحقیق: اجتنبت الکبائر: حافظ عراقی کہتے ہیں اسی روایت کی بناء پر علماء نے اعمال صالحہ سے معاف ہونے والے گناہوں کو صغیرہ سے مقید کیا ہے۔ اب کیا اس سے کبائر جن پر اصرار نہ ہو وہ بھی معاف ہوتے ہیں یا صرف صغائر۔ اس میں اختلاف ہے مگر تمام علماء کا حقوق عباد کے متعلق اتفاق ہے کہ وہ اس معافی میں شامل نہیں۔ باقی اگر اللہ تعالیٰ کسی کے صغائر و کبائر اپنے فضل سے معاف فرما دیں تو وہ اس کی رحمت ومہربانی ہے (قرطبی)

ابن العربی نے اس سلسلہ میں لکھا کہ اگر دل کو گناہوں کی میل سے باطنی طہارت کے ساتھ اور اعضاء کو وضو کے پانی سے پاک کر لیا اور اس کے ساتھ نماز کو ملایا جیسے علائق دنیا وخیالات سے پاک کر کے فکر آخرت کے ساتھ تحریمہ سے سلام تک قائم رہی تو ایسی طہارت کبائر کو بھی یقیناً بخش دے گی۔ سلف صالحین کا وضو اسی طرح تھا۔

مگر جمہور علماء کہتے ہیں کبائر توبہ سے معاف ہوتے ہیں یا پھر فضل الٰہی سے۔ نہ کہ عمل صالح سے۔

اہم سوال کا حل: نووی کہتے ہیں بسا اوقات یہ خیال آتا ہے کہ جب وضو سے سارے گناہ مٹ گئے تو نماز سے کس چیز کا کفارہ ہوگا؟ اور جب نماز سے گناہ بخشے گئے تو جمعات سے کیا بخشا گیا؟ اسی طرح جمعات سے بخشے گئے تو روضان سے کیا بخشا گیا ہے۔

الجواب: علماء فرماتے ہیں کہ یہ تمام چیزیں گناہ مٹانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ پس اگر اس کے صغائر ہوں گے تو ان کا کفارہ ہو جائے گا اور اگر اسکا کبیرہ صغیرہ کوئی گناہ نہ ہو تو اس کی بجائے نیکیاں مل جائیں گی اور درجات کی بلندیاں ملیں گی اور اگر اس نے کبائر یا ایک کبیرہ کا ارتکاب کیا مگر صغیرہ نہ کرتا تھا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی تخفیف فرما دیں گے۔

ابن سید الناس نے ''امید'' کے لفظ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ چیزیں توقیفی ہیں۔ قیاس کو مجال نہیں۔

سیوطی کہتے ہیں۔ اشکال یہ ہے کہ صغائر اس وقت معاف ہوتے ہیں جب کبائر سے گریز کیا جائے تو نمازیں پھر کس چیز کا کفارہ بنتی ہیں؟

تحقیقی جواب: اس کا تحقیقی جواب بلقینی نے دیا ہے کہ لوگوں کی مختلف اقسام ہیں: ① جن کے بالکل گناہ نہیں ان لوگوں کے تو درجات بلند ہوتے ہیں۔ ② جن کے بلا اصرار صغائر ہیں تو ان کے گناہ اجتناب کبائر کے ساتھ معاف ہوتے ہیں یہاں تک کہ ایمان پر موت کی توفیق ملتی ہے۔ ③ جن کے صغائر مع الاصرار ہیں پس صغائر یہی صالح اعمال سے مٹائے جاتے ہیں۔ ④ جن کے کبائر وصغائر دونوں ہوں تو ان کے فقط صغائر صالح اعمال سے معاف ہوتے ہیں۔ ⑤ جن کے فقط کبائر تو ان کے ان گناہوں میں سے اتنی مقدار معاف ہوتی ہے جو صغائر کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے۔

شیخ زکریا فرماتے ہیں اگر تم کہو کہ صغائر معاف ہوتے ہیں جبکہ کبائر سے بچا جائے تو اس سے دو اسباب کا ایک میں جمع ہونا لازم آتا ہے جو کہ ممتنع ہے۔

جواب: یہ ہے کہ اسباب معروضہ میں ان کے اجتماع سے کوئی چیز مانع نہیں کیونکہ یہ تو علامات ہیں مؤثرات نہیں جیسا کہ اسباب حدث کے اجتماع میں پایا جاتا ہے کہ وہ کئی جمع ہو سکتے ہیں۔

نووی کہتے ہیں کہ اذا اجتنبت الکبائر کا مطلب یہ ہے کہ تمام گناہ نیکی سے معاف ہوتے ہیں مگر کبائر معاف نہیں ہوتے۔ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ گناہ بخشے جاتے ہیں جب تک کبیرہ نہ ہوں جب وہ کبیرہ ہوں تو کوئی چیز بخشی نہیں جاتی۔ اگرچہ اس کا احتمال تو ہے مگر احادیث اس مفہوم کا انکار کرتی ہیں۔

تخریج: أخرجه مسلم (٢٤٤) والترمذی (٢)

۱۳۱ : عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ''اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ؟ قَالُوْا : بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ : ''اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا اِلَى الْمَسَاجِدِ : وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ'' رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۳۱: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں تم کو ایسے اعمال نہ بتلاؤں جن سے اللہ تعالیٰ گناہ مٹاتے اور درجات کو بلند کرتے ہیں؟'' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ارشاد فرمایا: ''ناگواری کے باوجود کامل وضو کرنا' مساجد کی طرف زیادہ قدم چل کر آنا اور نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا پس یہ سرحد پر پہرہ دینے کی طرح ہے''۔ (مسلم)

اللغات: الا: یہ کلمہ تنبیہ ہے۔ جو سامع کو خبردار کرنیکے لئے آتا ہے۔ یمحو اللہ بہ الخطایا ① اس سے مراد دیوان حفظہ سے مٹانا ہے ② یہ مغفرت کے معنی میں ہے۔

الدرجات: جنت کے منازل۔ بلٰی سے مراد یہ ہے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتلائیں۔

اسباغ الوضوء: وضوء کو تمام اداب و مکملات سے پورا کرنا۔ علی یہاں مع کے معنی میں ہے۔ المکارہ یہ مَکْرَہٌ کی جمع ہے۔ مشقت و تکلیف۔

کثرت الخطاء: اس میں مسجد سے دور مکانات کی قریب کی بنسبت فضیلت بتلائی گئی۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے دیارکم تکتب آثارکم: وہ روایت اس کے خلاف نہیں جس میں اس گھر کو منحوس بتلایا جو مسجد سے دور ہو کیونکہ وہ شؤم اس لحاظ سے ہے کہ بسا اوقات اس سے نماز فوت ہو جاتی ہے اور اگر وہاں سے وہ مسجد کا اہتمام کرتا ہے تو بڑی فضیلت کا مستحق ہے۔ اب شؤم و فضل مختلف اعتبارات سے ہوئے پس منافات نہیں۔ انتظار الصلوٰۃ نماز کے وقت کا انتظار یا جماعت کا انتظار مراد ہے۔

بعد الصلوٰۃ: خواہ انفرادی طور پر ہو یا جماعت کے ساتھ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسجد میں بیٹھنا یا گھر میں یا بازار میں یا کام میں نماز کے انتظار میں ہے اور یہ اس کے فکر وسوچ اور دل کے مسجد سے متعلق ہونے کی دلیل ہے۔ گویا اس کی دائمی طور پر حضوری اور مراقبہ والی حالت ہے جو افضل ترین بدنی عبادات میں سے ہے۔

فذلکم الرباط: اس بات سے اُدھر لوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عظیم بلند مرتبہ ہونا اذہان میں پایا جاتا تھا۔ یہ حصہ اضافی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مذکورہ تینوں اشیاء رباط کے لقب کی حقدار ہیں۔ رباط حقیقی تو اسلامی سرحدات کی حفاظت کے لئے جانبازی دکھانا ہے۔ یہ نام تو اس پر فٹ نہ آتا تھا مگر یہاں اس لئے لائے کہ انسان کے سب سے بڑے دشمن نفس امارہ کو مقہور کیا جاتا

ہے اور اسکی شہوات ومکائد کی بیخ کنی کی جاتی ہے اور یہ اعمال شیطان اور خواہشات نفس کی راہوں کو بند کرتے اور نفس کو وساوس وشہوات کے قبول کرنے سے روکتے ہیں ۔ پس یہ رباط حقیقی یعنی جہاد کی طرح بن گئے ۔ یہ روایت **رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر** کی مؤید بن گئی ۔ یعنی جہاد غدو سے جہاد نفس کی طرف لوٹے ہیں کیونکہ جہاد کفار کی حقیقت یہ ہے کہ یا اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے نفس جان، مال سے علیحدگی اختیار کرنا اور مالوفات ومستلذات سے نکال کر نفس کی تکمیل کرنا مگر یہ دائمی نہیں اس کا زمانہ کچھ دیر کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور یہ اعمال تو دائمی ہیں اس میں تکمیل نفس بمع اضافہ موجود ہے ۔ (مسلم) موطا میں **فذلكم الرباط** کو دو مرتبہ اور ترمذی میں تین مرتبہ دہرایا گیا ۔ اس سے اہتمام وپختگی مقصود ہے ۔

تخریج: أخرجه مسلم (۲۳۳) والترمذى (۲۱٤)

۱۳۲ : **عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَنْ صَلَّی الْبَرْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔**

"اَلْبَرْدَانِ" : اَلصُّبْحُ وَالْعَصْرُ۔

۱۳۲ : حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو دو ٹھنڈی نمازیں پڑھتا ہے جنت میں جائے گا'' ۔ (متفق علیہ)

اَلْبَرْدَانِ : صبح وعصر کی نماز

تشریح ۞ البردان : سے مراد فجر، عصر ہیں ۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں یعنی العصر والفجر مذکور ہے ۔

خطابی کہتے ہیں ان دونوں کو بَردین اس لئے فرمایا کہ یہ دونوں ٹھنڈے وقت میں پڑھی جاتی ہیں ۔ جب کہ ہواء عمدہ اور گرمی کی شدت چلی جاتی ہے ۔ ایک دن کا ابتدائی دوسرا دن کا انتہائی حصہ ہے ۔

النَّحْو : **دخل الجنة** من موصولہ ہے شرطیہ نہیں ۔ قزاز نے وجہ تخصیص میں کہا کہ یہ پانچوں نمازوں کی فرضیت سے پہلے کی بات ہے ۔ یہ مخصوص لوگوں کے لئے ہے اس میں عموم نہیں ۔ مگر یہ بات خواہ مخواہ کا تکلف ہے ۔

بہتر یہ ہے کہ من شرطیہ ہے اور **دخل الجنة** جواب شرط ہے اور مضارع کو چھوڑ کر ماضی سے تعبیر تاکید وقوع کے لئے ہے کہ مستقبل میں واقع ہونے والا گویا واقع ہو چکا ہے ۔

اس سے بہتر یہ کہنا چاہئے کہ صبح کا وقت نوم وغفلت کا وقت اور عصر کا وقت کاموں کی تکمیل اور مشغولیت کا وقت ہے ۔ تجارت کو سمیٹنا اور عشاء کی تیاری کا ہے ۔ اس لئے ان نمازوں کا اہتمام کر لینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس نے عبادت میں نفس کو سستی سے بچالیا ہے ۔ تو دوسری نمازوں کو وہ خود بجالانے والا ہوگا ۔ پس ان کی تخصیص اس لئے نہیں کہ ان دونوں کو ادا کرنے سے باقی ادا ہو جائیں گی اس لئے کہ یہ نصوص کے خلاف ہے ۔

بعض نے کہا بردین سے مراد صبح وعشاء ہیں ۔ عشاء کو خاص کرنے کی وجہ نیند کی کثرت اور بدن کھانے وغیرہ کے استعمال سے بوجھل ہو جاتا ہے ۔ جس سے حرکت معطل ہو کر نماز مشکل ہو جائے گی ۔ تو اس نے مشقت ظاہرہ کے باوجود ادا کیا وہ بلا عذاب کے دخول جنت کا حقدار ہوگا ۔

تخريج: أخرجه مالك في موطئه (٣٨٦) وأحمد (٣/٧٢١٣) و مسلم (٢٥١) والترمذي (٥١) والنسائي (١٤٣)

۱۳۳: عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهٗ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيْمًا صَحِيْحًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۱۳۳: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر کرتا ہے تو اس کے لئے اسی طرح کے عمل لکھ دیئے جاتے ہیں جو وہ اقامت یا صحت کی حالت میں کرتا تھا''۔(بخاری)

تشریح مرض: بیمار پڑنا۔ جب یہ حیوان کے لئے استعمال ہو تو تھکانا۔ مرض: ایسی حالت جو انسان کو اس کی طبعی حالت سے نکال دے۔ اسے معلوم ہوا کہ آلام اور ام مرض کے عوارض ہیں۔ سافو: ایسا سفر جو معصیت کے لئے نہ ہو۔ سفر کی تعریف جوھری نے اس طرح کی ہے قطع مسافت کا نام سفر ہے۔ سفر یسفر (ض) سَفَر کی جمع سَفْرٌ بروزن رَکْبٌ جب آدمی کوچ کے لئے یا کسی جگہ کا قصد کرے جو دوڑ کی مسافت سے زیادہ ہو وہ سفر کہلاتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کم از کم سفر ایک دن ہے۔ حدیث کم وبیش سفر کو شامل ہے۔ خواہ اپنی یا ایسی جگہ ہے کہ جہاں جمعہ لازم نہ ہو۔ یہ مصباح کے قول کے خلاف نہیں عرف میں اس کو سفر نہیں کہتے ان کے طویل سفر مراد ہے۔

کتب له نیکی لکھی جاتی ہے۔ ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں: كاصلح ما كان يعمل وهو صحيح مقيم ابن بطال کہتے ہیں اس سے مراد نماز نفل ہے۔ فرض نماز تو سفر ومرض سے ساقط نہیں ہوتی۔ (بخاری) احمد۔

اس روایت سے ان کی تائید نکلتی ہے جن کے ہاں اعذار ہوں تو جماعت کی حاضری ساقط ہو جاتی ہے اور ان کو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

نووی کا کلام ان لوگوں سے متعلق ہے جو عدم عذر کے باوجود جماعت کو ضروری خیال نہیں کرتے یا ان سے متعلق ہے کہ اگر عذر نہ بھی ہوتا تو وہ نیت نہ کرتے۔

اور دوسروں کے کلام کا محمل جماعت کی عادت والا تھا اور جماعت کی نیت رکھتا تھا مگر سفر ومرض کی وجہ سے ادائیگی نہ کر سکا۔

تخريج: أخرجه احمد (٥/١٦٧٣٠) والبخاري (٥٧٤) و مسلم (٦٣٥) والدارمي (١/٣٣١/٣٣٢) وابن حبان (١٧٣٩) والبيهقي (١/٤٦٦)

۱۳۴: عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ''كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ'' رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ مِّنْ رِّوَايَةِ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

۱۳۴: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر بھلائی صدقہ ہے''۔(بخاری)

مسلم نے اس کو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔

تشریح ۞ **معروف:** سے ہر عمل بر و خیر مراد ہے۔ **صدقة:** اس کا ثواب صدقہ کے ثواب کی طرح ہے۔ یہ بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں متفق علیہ اس لئے نہیں کہا کہ ہر دو کی سند متفق نہیں اگر چہ معنی اور مبنیٰ متفق ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (۷/۱۹۶۹۹) والبخاری (۲۹۹۶) وأبو داود (۳۰۹۱) والحاکم فی الجنائز (۱/۱۲۶۱) وابن حبان (۲۹۲۹) والبغوی فی المرقاة (۱۵٤٤) والبیهقی (۳/۳۷٤)

۞ ۞ ۞

۱۳۵ : عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اِلَّا كَانَ مَا اُكِلَ مِنْهُ لَهٗ صَدَقَةً ، وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهٗ صَدَقَةً ، وَلَا يَرْزَؤُهٗ اَحَدٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ صَدَقَةً" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ : "فَلَا يَغْرِسُ الْمُسْلِمُ غَرْسًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ وَّلَا دَآبَّةٌ وَّلَا طَيْرٌ اِلَّا كَانَ لَهٗ صَدَقَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ " وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ : لَا يَغْرِسُ الْمُسْلِمُ غَرْسًا وَلَا يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ وَّلَا دَآبَّةٌ وَّلَا شَيْءٌ اِلَّا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةٌ" وَرَوَيَاهُ جَمِيْعًا مِّنْ رِّوَايَةِ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔

قَوْلُهٗ "يَرْزَؤُهٗ" اَيْ يَنْقُصُهٗ۔

۱۳۵: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے۔ اس میں سے جتنا کھالیا جاتا ہے وہ اس لگانے والے کے لئے صدقہ بن جاتا ہے جو اس میں سے چرالیا جاتا ہے وہ اس کیلئے صدقہ ہے اور جو کوئی اس کو نقصان پہنچاتا ہے وہ اس کیلئے صدقہ ہے"۔ (مسلم) مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ کوئی مسلمان درخت لگاتا ہے اور اس سے کوئی حیوان یا انسان یا پرندہ کھاتا ہے تو قیامت تک کیلئے وہ صدقہ بن جاتا ہے اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے۔ مسلمان جو کوئی درخت لگاتا ہے اور کوئی کھیتی کاشت کرتا ہے۔ پس اس سے کوئی انسان اور جانور اور کوئی دوسری چیز اس کو استعمال کر لیتی ہے تو وہ اس کیلئے صدقہ ہے۔ یہ تمام کی تمام روایات حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہیں۔

يَرْزَؤُهٗ : کم کرنا۔

تشریح ۞ **غَرْسًا:** فتحہ کے ساتھ یہ مصدر ہے درخت لگانا۔ **منه:** جو اس نے بویا۔

له صدقة: بونے والے کو کھانے کی وجہ سے صدقے کا ثواب ملے گا اگر چہ کھانے کا ضمان نہ ہوگا۔ **له صدقه:** چرائے ہوئے مال کا ثواب صدقے کی طرح ملے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسروقہ مال سارق کی ملکیت بن جائے گا۔ جیسا کہ صدقہ کرنے سے اس کی ملکیت بن جاتا ہے۔ **لا يَرْزَؤُهٗ:** کم کرنا۔

مسلم کی دوسری روایت میں: **فیاکل منه انسان:** اس سے بطور صدقہ کھائے یا مہمانی کے طور پر کھائے یا غصب کے ساتھ بلا بدلہ کھائے۔

اس سے جو انسان کھائے یا جانور تلف کرے۔ **دابة** سے شاید ہر جاندار مراد ہو کیونکہ یہ عام ہے۔ **ولا طير** یہ طائر کی اسم جمع ہے یا جمع ہے صحب و صاحب جب تک وہ صدقہ یا اس سے پیدا شدہ چیز برقرار رہے گی قیامت تک ثواب باقی رہے گا۔

ثواب کا باقی رکھنا کچھ بعید نہیں اگر چہ ملک تو اور کو منتقل ہو جائے گی۔ یہ درخت میں ممکن ہے۔

صدقہ جاریہ: ابن العربی کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے کرم ونوازش کی بات ہے کہ جیسے وہ زندگی میں ثواب دیتا ہے۔ موت کے بعد بھی اسی طرح ثواب دے اور یہ چھ چیزیں ہیں: ① صدقہ جاریہ ② وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا رہے۔ ③ نیک اولاد جو والدین کے لئے دعا گو ہو ④ درخت ⑤ کھیتی ⑥ سرائے۔ سرحد کی حفاظت کرنے والے کو اس کے عمل کا ثواب قیامت تک ملے گا۔

ابن علان کہتا ہے کہ ان صدقات کا ثواب اسی کے ساتھ مخصوص نہیں جو بذاتِ خود اس کھیتی یا درخت کو بوئے بلکہ جس نے اجرت پر یہ کام کرایا وہ لگوانے والے کا عمل شمار ہوتا ہے اور صدقہ کا ثواب اس کو بھی ملے گا یہاں تک کہ حن کو جمع کرنے سے وہ عاجز رہے گا مثلاً کٹائی کے وقت جو بالیں گر جاتی ہیں اور ان کو کوئی انسان یا حیوان استعمال کرے ان میں اجر ہے۔ یہ بھی اس حدیث کے مفہوم کے تحت داخل ہے۔ دوسری روایت میں کان کی بجائے کانت کے الفاظ بھی ملتے ہیں جو کہ زروع' مغروسات کے لحاظ سے مونث لائے گئے ہیں۔

مسئلہ: نووی کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پاکیزہ کمائی کے ذرائع کون سے ہیں۔ ایک قول ① تجارت ② کاریگری کا کام ③ زراعہ اور یہ صحیح ہے۔ حدیث میں ہے کہ آخرت کا ثواب مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ انسان کو مسروقہ مال اور وہ چیز جس کو جانور نے تلف کر دیا یا پرندے وغیرہ نے کھالیا اس میں ثواب ملے گا۔

تخریج: أخرجه البخاری (۲۰۲۱) و فی الأدب المفرد (۲۲٤) و مسلم (۱۰۰۵) و أبو داود (٤٩٤٧) والحاکم فی البیوع (۲/۲۳۱۱) مطولاً وأحمد (۹/۲۳٤۳۰) وابن أبی شسة (۸/٥٤۸) والبخاری فی الأدب فی المفرد (۲۳۳) وابن حبان (۳۳۷۸) و (۳۳۷۹) والطبرانی فی سعر (٦۷۲)

الفرائد: ① اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسرت وغرس (کھیتی باڑی درخت لگانا) باعث ثواب ہے۔ ② **لا تتخذوا الضیعة** والی روایت سے مراد وہ زمین ہے جو آخرت سے غافل کر دے۔ ③ زراعت کی نسبت انسان کی طرف کرنا درست ہے۔

❁ ❁ ❁

۱۳٦ : عَنْهُ قَالَ : اَرَادَ بَنُوْ سَلِمَةَ اَنْ يَّنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لَهُمْ : اِنَّهٗ قَدْ بَلَغَنِىْ اَنَّكُمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ؟ فَقَالُوْا : نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَرَدْنَا ذٰلِكَ فَقَالَ : "بَنِىْ سَلِمَةَ دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ اٰثَارُكُمْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّفِىْ رِوَايَةٍ : "اِنَّ بِكُلِّ خُطْوَةٍ دَرَجَةً" رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِىْ رِوَايَةٍ : اِنَّ بِكُلِّ خُطْوَةٍ دَرَجَةً رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ اَيْضًا بِمَعْنَاهُ مِنْ رِّوَايَةِ اَنَسٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ – وَبَنُوْ سَلِمَةَ بِكَسْرِ اللَّامِ قَبِيْلَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ آثَارَهُمْ خُطَاهُمْ۔

۱۳٦: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنو سلمہ نے مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی سلمہ تم اپنے گھروں میں رہو۔ تمہارے قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں۔ (مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ ''ہر قدم پر درجہ ہے''۔ بخاری نے اسی سے ہم معنی روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے۔

بَنُو سَلِمَةَ : انصار کا مشہور قبیلہ ہے۔

آثَارُهُمْ: قدم۔

تشریح ۞ بنو سلمه: یہ انصار کا مشہور قبیلہ ہے۔ (کتاب الانساب) ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ سلمہ بن سعد بن الخزرج کی اولاد سے ہے۔ مگر کازرونی نے کہا یہ قبیلہ سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن سادرہ بن زید بن جشم بن خزرج بن حارثہ کی اولاد سے ہیں یہ انصار کا ایک خاندان ہے (واللہ اعلم) ان بنتقلوا ان مکانات سے منتقل ہوں جو کہ مسجد نبوی سے دور تھے۔ قرب المسجد مسجد کے قریب خالی مقام میں جیسا مسلم نے تصریح کی ہے۔ فقال بنی سلمه: یہاں حرف نداء حذف کر دیا۔ دیارکم: فعل محذوف کا مفعول ہے اے الزموا دیارکم و لا تنتقلوا قرب المسجد: تم اپنے مکانات میں رہو اور مسجد کے قریب منتقل نہ ہو۔ تکتب اثارکم: یہ شرط مقدر کا جواب ہے۔ آثار: نشانات قدم کو کہا جاتا ہے جو جمعہ و جماعت کے لئے جاتے ہوئے لگتے ہیں (رواہ مسلم) دوسری روایت میں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا اور فرمایا: خطوة: دو قدموں کا فاصلہ جمع خطوات ہر قدم پر جنت میں ایک درجہ ملتا ہے۔ روایت انس میں الا تحتسبون آثار کم سنو! تمہارے قدموں کا تمہیں ثواب ملتا ہے۔

تخریج: حدیث جابر رضی الله عنه أخرجه مسلم (۱۵۵۲) و حديث أنس رضی عنه أخرجه البخاری (۲۳۲۰) و مسلم (۱۵۵۳) والترمذی (۱۳۸۲)

الفرائد: ① نیکی کا عمل اگر خالص ہو تو اس کے آثار بھی نیکیاں بن جاتے ہیں۔ ② مسجد کے قریب رہائش مستحب ہے۔ ③ اگر دُور جگہ سے چل کر آنے کا اجر لینا چاہتا ہے تو پھر دور مقام افضل ہے۔

۱۳۷ : عَنْ اَبِی الْمُنْذِرِ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : ''كَانَ رَجُلٌ لَا اَعْلَمُ رَجُلًا اَبْعَدَ مِنَ الْمَسْجِدِ مِنْهُ وَكَانَ لَا تُخْطِئُهُ صَلٰوةٌ فَقِيْلَ لَهُ اَوْ فَقُلْتُ لَهُ : لَوِ اشْتَرَيْتَ حِمَارًا تَرْكَبُهُ فِی الظَّلْمَاءِ وَفِی الرَّمْضَاءِ؟ فَقَالَ : مَا يَسُرُّنِیْ اَنْ مَنْزِلِیْ اِلٰی جَنْبِ الْمَسْجِدِ اِنِّیْ اُرِيْدُ اَنْ يُّكْتَبَ لِیْ مَمْشَایَ اِلَی الْمَسْجِدِ وَرُجُوْعِیْ اِذَا رَجَعْتُ اِلٰی اَهْلِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : قَدْ جَمَعَ اللّٰهُ لَكَ ذٰلِكَ كُلَّهٗ'' رَوَاهُ مُسْلِمٌ - وَفِیْ رِوَايَةٍ: ''اِنَّ لَكَ مَا احْتَسَبْتَ''

''الرَّمْضَاءُ'' :اَلْاَرْضُ الَّتِیْ اَصَابَهَا الْحَرُّ الشَّدِيْدُ۔

۱۳۷: حضرت ابو المنذر اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی تھا' میں نہیں جانتا کہ کسی اور کا گھر مسجد سے اتنا دور ہو جتنا اس کا تھا' مگر اس سے کوئی نماز (جماعت) سے نہ چھوٹتی تھی۔ ان سے کہا گیا یا میں نے خود ان کو کہا تم اندھیرے اور گرمی کی تمازت میں سفر کے لئے گدھا خرید لو تا کہ اس پر سوار ہو کر آ سکو۔ اس پر اس نے جواب

دیا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میرا مکان مسجد کے ایک جانب ہوتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مسجد کی طرف میرا چلنا اور واپس لوٹنا جبکہ میں واپس گھر لوٹ کر آؤں (ثواب میں) لکھا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے یہ تمام جمع کر دیا ہے" اور ایک روایت میں ہے کہ "تیرے لئے وہ سب کچھ ہے جس کے ثواب کی تو نے نیت کی ہے"۔

اَلرَّمْضَآءُ: سخت گرم زمین۔

تشریح ۞ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو منذر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور ان کی کنیت ابوالطفیل عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رکھی۔ یہ کعب بن قیس بن عبید بن عبد یزید بن معاویہ بن عمرو بن مالک بن النجار کے خاندان سے ہیں۔ نجار کا اصل نام تیم اللات یا تیم اللہ ہے۔ ان کا نام نجار اس لئے مشہور ہوا کہ انہوں نے کلہاڑے سے ختنہ کیا۔ یا بیوی کے چہرہ پر کلہاڑی مار کر چیر دیا۔ ان کو قاری کا لقب ملا۔ یہ عقبہ ثانیہ میں ستر انصار میں شامل تھے۔ بدر سے لے کر تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی۔ ان کی مرویات ۱۶۴ ہیں۔ متفق علیہ ۳۔ بخاری ۳ اور مسلم ۷ میں منفرد ہیں۔ ان کی سب سے اعلیٰ فضیلت یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ لم یکن ان کو پڑھ کر سنائی اور فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ میں یہ تمہیں پڑھ کر سناؤں (بخاری و مسلم) یہ ایسی منقبت ہے جس میں کوئی ان کا سہیم نہیں۔ مدینہ منورہ میں ۳۰ ھ میں وفات پائی جبکہ خلافت عثمانی کا زمانہ تھا۔ ابوعثمان اصفہانی نے اسی کو درست کہا ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں ان کی وفات خلافت فاروقی میں ہوئی۔ (تہذیب)

رجلاً ابعد: اس آدمی کا نام معلوم نہیں ہو سکا اس کا مکان سب سے زیادہ دور تھا۔ لا تخطئه: فوت ہونا۔ لو ① یہ تمنی کے لئے ہے۔ جواب کی ضرورت نہیں۔ ② شرطیہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں جواب محذوف ہے۔ ای لکان احسن۔
الظلماء سے مرادرات ہے۔ ما یسرني: مجھے پسند ہے۔ الی جنب المسجد: متعدد قدموں کا ثواب جو گھر دور ہونے کی وجہ سے اٹھانے پڑتے ہیں قرب کی وجہ سے نہ ملے گا۔ ان یکتب: یہ معروف و مجہول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ ممشای: یہ مصدر میمی ہے۔ اجوعی الی اھلی: نماز سے لوٹنے کا ثواب۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح نماز کی طرف جانے کا ثواب ہے لوٹنے کا بھی ثواب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیقاً فرمایا: جمع الله لك: اللہ تعالیٰ نے وہ تمام جس کی تم نے امید لگائی دے دیا۔ تیرے حسن نیت اور عمدہ قصد کی وجہ سے۔ دوسری روایت مسلم میں ان لك یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرا اجر ہے۔ ما احتسبت: جس میں تم نے کثرت اقدام کی وجہ سے ثواب کی امید لگائی۔ الرمضاء: وہ سخت حرارت کی وجہ سے گرم ہو جائے۔

تخریج: أخرجه مسلم (٦٦٣) و أبو داود (٥٥٧) و ابن ماجه (٧٨٣)

۱۳۸: عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "اَرْبَعُوْنَ خَصْلَةً اَعْلَاهَا مَنِیْحَةُ الْعَنْزِ مَا مِنْ عَامِلٍ یَّعْمَلُ بِخَصْلَةٍ مِّنْهَا رَجَآءَ ثَوَابِهَا وَتَصْدِیْقَ مَوْعُوْدِهَا اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهَا الْجَنَّةَ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

"اَلْمَنِیْحَةُ": اَنْ یُّعْطِیَهُ اِیَّاهَا لِیَاْکُلَ لَبَنَهَا ثُمَّ یَرُدَّهَا اِلَیْهِ۔

۱۳۸: حضرت ابومحمد عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''چالیس اچھی عادات میں سب سے اوّل عادت دودھ والی بکری کسی کو دینا ہے۔کوئی عمل کرنے والا ان خصلتوں میں سے کوئی خصلت اگر ثواب کے وعدہ کو سچ جان کر اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے جنت میں داخل فرما دے گا''۔ (بخاری)

اَلْمَنِيحَةُ: دودھ دینے والا جانور کسی کو دودھ کے استعمال کے لئے دے دینا۔

تشریح ۞ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی کنیت ابوعبدالرحمان یا ابونصیر ہے۔قریش کی شاخ بنوسہم سے تھے۔ بڑے زاہد و عابد صحابی ہیں۔ والد سے پہلے اسلام لائے۔ان کی اور والد کی عمر میں بارہ سال کا فرق ہے۔ یہ بڑے علم والے مجتہد صحابہؓ میں سے تھے۔قرآن مجید کی بہت تلاوت کرتے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت احادیث حاصل کیں۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو مجھ سے زیادہ کوئی جاننے والا نہ تھا۔ یہ لکھ لیتے میں لکھتا نہ تھا۔ان سے سات سو روایات مروی ہیں۔۷ متفق علیہ ۸ میں بخاری اور ۲۰ میں مسلم منفرد ہیں۔ان کی روایات اس لئے کم نقل ہوسکیں کہ یہ مصر میں مقیم ہوگئے۔پس ان سے حاصل کرنے والوں کی تعداد کم تھی۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں مقیم تھے اور وہ تو ہر لحاظ سے مسلمانوں کا مقصود تھا۔یہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار مثل یاد کیں اور فرمایا کوئی نیک کام جس کو میں آج کروں وہ مجھے اس دوگنا سے زیادہ محبوب ہے جو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کرتا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تو ہمیں آخرت ہی مقصود تھی دنیا کا بالکل قصد نہ ہوتا تھا اور آج حال یہ ہوگیا کہ دنیا ہم پر جھک پڑی (اور نیک کام کرنا مشکل ہوگیا آج تو ایک بھی ہو جائے وہ بھی غنیمت ہے) ان کی وفات مصر میں ۶۳ یا ۶۵ھ میں ہوئی۔بعض نے کہا انہوں نے مکہ ۶۶ھ میں بعض نے کہا طائف میں ۵۵ھ میں بعض نے ۶۸ھ بعض نے ۷۳ھ میں وفات پائی مگر یہ قول ضعیف ہے۔ان کی عمر ۷۳ سال تھی۔

خصلہ: نیکی کی ایک قسم۔ان میں مرتبہ میں سب سے اعلیٰ۔**مِنْحَة**: اصل میں اونٹنی یا بکری جو بطور عطیہ دی جائے۔بعض نے کہا یہ اونٹنی کے ساتھ خاص ہے بکری کے لئے استعارۃً استعمال کرتے ہیں۔ابراہیم حربی نے کہا عرب کہتے ہیں: **منحتك الناقة، اغرستك النخله، اعمرتك الدار، اخدمتك العبد**: یہ تمام نفع بخش عطیات ہیں (فتح الباری) ایک نسخے میں منیحہ بروزن عظیمہ ہے۔العنز جمع انعز و عناز۔بکری۔

اَلنَّحْو: اربعون: مبتداء، اعلاها: مبتداء ثانی جملہ اس کی خبر ہے۔**ما من عامل**: ما عموم استغراق کے لئے اور عامل سے مسلمان عامل مراد ہے۔

رجاء ثوابها: یہ مفعول لہ ہے اور تصدیق موعودہا بھی اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے۔**ادخله الله بها**: اس عمل کو اپنے فضل سے قبول کرنے کے سبب سے اس کو جنت میں داخل کرتے ہیں۔ان لوگوں کے ساتھ جو جنت پانے والے ہیں (بخاری) حسان راوی کہتے ہیں ہم دودھ والی کے علاوہ کو شمار کیا تو وہ پندرہ بھی نہ بنیں مثلاً سلام کا جواب، چھینک کا جواب، راستہ سے گری چیز کا ہٹانا وغیرہ ہم پندرہ نہ بنا سکے۔

ابن بطال کہتے ہیں حسان کے قول میں ایسی بات نہیں جوان کو پانے میں رکاوٹ ہو۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر کے اس قدر دروازے بتلائے کہ جن کا شمار مشکل ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس کا علم تھا۔آپ ﷺ نے ان کا تذکرہ

اس وجہ سے نہیں فرمایا کہ کہیں چالیس پر اکتفاء کر کے باقی سے بے رغبت نہ ہو جائیں اس لئے چھوڑ دیا۔ بعض حضرات نے ان کو تلاش کیا اور پالیا وہ چالیس سے بھی بڑھ گئی۔ اضافی یہ ہیں کسی کاری گر کا ہاتھ بٹانا' بدسلیقہ کا کام کر دینا' جوتے کا تسمہ دے دینا' مسلمان کی عیب پوشی کرنا' اس کی عزت کا دفاع کرنا' مسلمان کو خوش رکھنا' مجلس میں ان کے لئے جگہ فارغ کرنا' خیر کی راہنمائی کرنا' اچھی بات کرنا' درخت لگانا' فصل بونا' کسی کی سفارش کرنا' مریض کی عیادت کرنا' مصافحہ کرنا' اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنا' اللہ تعالیٰ کی خاطر بغض رکھنا' نیکوں کے پاس بیٹھنا' ایک دوسرے سے ملاقات کرنا' مسلمان کی خیر خواہی کرنا' مسلمان پر شفقت کرنا۔ یہ تمام احادیث صحیحہ میں وارد ہیں اور ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے بکری کے عطیہ سے کم ہونے کے متعلق نزاع بھی ہے۔ میں نے ان اشیاء کو چھوڑ دیا جن کا ابن المنیر نے تعاقب کیا تھا اور اس کا کہنا یہ ہے کہ ان کے گننے کی طرف نہ جائے۔ (ابن حجر)

کرمانی کہتے ہیں یہ تمام مذکورہ چیزیں رجمًا بالغیب ہیں۔ پھر ان کا منیحہ سے کم درجہ ہونا کہاں سے جان لیا گیا۔

ابن حجر کہتے ہیں حسان بن عطیہ نے جن پندرہ کو شمار کیا میرے بے شمار ان کی تقریب مقصود ہے۔ باقی ابن بطال کی تتبع کو درست قرار دیتا ہوں جن کو ابن بطال نے منیحہ سے اعلیٰ قرار دیا ہے۔ ان میں ابن منیر کی تردید کو درست کہتا ہوں۔ واللہ اعلم۔

تخریج: أخرجه أحمد (۲/٦٨٤٦) والبخاری (۲٦۳۱) وأبو داود (۱٦٨۳) وابن حبان (٥٠٩٥) والبیهقی (٤/۱٨٤) والحاکم فی الذبائح (٤/٧٥٧٨)

۱۳۹ : عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : "اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهٗ رَبُّهٗ لَيْسَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ تَرْجُمَانٌ فَيَنْظُرُ اَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ، وَيَنْظُرُ اَشْاَمَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ ، وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَا يَرٰى اِلَّا النَّارَ تِلْقَآءَ وَجْهِهٖ فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ"۔

۱۳۹: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''اے لوگو! آگ سے بچو خواہ وہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ہو''۔ (متفق علیہ) بخاری و مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی ایسا نہیں کہ جس سے اس کا ربّ کلام نہ فرمائے گا جبکہ اس کے اور بندے کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہو گا۔ پس اس وقت انسان اپنے دائیں جانب دیکھے گا تو اسے اپنے آگے بھیجے ہوئے عمل کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تو پہلے سے بدتر دیکھے گا۔ سوائے اپنے عمل کے کچھ نہ دیکھے گا اور اپنے آگے دیکھے گا تو اپنے چہرے کے سامنے آگ پائے گا۔ پس آگ سے بچو خواہ کھجور کے ٹکڑے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ جو یہ نہ پائے تو وہ اچھی بات کہہ دے''۔

تشریح ۞ اتقوا النار: یعنی تم صالح عمل اور صدقہ میں ایسے کام کر لو جو تمہیں آگ کے عذاب سے محفوظ کر سکیں۔ ولو بشق تمرۃ: اگرچہ صدقہ آدھی کھجور کیوں نہ ہو۔ سیوطی کہتے ہیں شق شئی نصف کو کہتے ہیں۔ ابن ملک کہتے ہیں کھجور کا

بعض حصہ۔

تخریج: متفق علیہ۔اس کو احمد نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور نسائی نے عدیؓ اور بزاز نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے کبیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے (جامع صغیر سیوطی)

فی روایة لهما عنه ایک روایت میں انہی عدی سے نقل کیا ہے۔

سیکلمه ربه: اللہ تعالیٰ کا ذاتی کلام جو اسی طرح سنا جائے گا جیسا کلیم اللہ نے سنا۔ترجمان جو کلام ایک لغت سے دوسری لغت میں ترجمہ کرے۔ یہاں بقول ابن ملک یہاں مراد رسول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر تو کوئی چیز مخفی نہیں پس آخرت میں اسکا کلام وحی کے ساتھ ہوگا رسول کے واسطہ سے نہ ہوگا۔مطلب یہ ہوا کہ رسول کا واسطہ نہ ہوگا بلکہ براہِ راست اس بندے سے کلام ہوگا۔

ما قدم: صالح عمل مراد ہیں۔**اشأکم:** بائیں جانب۔**ما قدم** سے برے اعمال مراد ہیں۔**تلقاء:** سامنے۔

فاتقوا النار: یعنی نیک عمل کو جہنم سے نبچنے کا ذریعہ بناؤ۔**فان لم یجد:** اگر وہ آگ سے بچانے والی چیز نہ پائے۔**فبکلمه طیبه** تو آگ سے اچھی بات کہہ کر بچے۔(اگر صدقہ کی کوئی چیز نہ ہوتو خوش کلامی کے لئے زبان تو پاس موجود ہے جس میں کوئی خرچ نہیں)(مسلم)

۱۴۰ : عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضٰى عَنِ الْعَبْدِ اَنْ يَّاْكُلَ الْاَكْلَةَ فَيَحْمَدُهٗ عَلَيْهَا اَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدُهٗ عَلَيْهَا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ

وَ "الْاَكْلَةُ" بِفَتْحِ الْهَمْزَةِ :وَهِيَ الْغَدْوَةُ اَوِ الْعَشْوَةُ۔

۱۴۰ : حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتے ہیں جو کھانا کھا کر اللہ کا اس پر شکر ادا کرتا ہے یا پانی کا گھونٹ پی کر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہے۔(مسلم)

اَلْاَكْلة: صبح یا شام کا کھانا۔

تشریح ✿ **یاکل الاکلة:** ہمزہ مفتوح ہے۔یہ بار کے معنی میں ہے تا کہ معلوم ہو کہ معمولی نعمت پر بھی شکریہ کا حق بنتا ہے۔**فیحمد علیها:** الحمدللہ کہے۔ابن مالک کہتے ہیں کھانا کھانے کے بعد زور سے الحمدللہ نہ کہے جب تک کہ اس کے ہم مجلس فارغ نہ ہو گئے ہوں تا کہ یہ ان کے کھانے سے رکنے کا سبب نہ بن جائے۔

اکلہ: ایک مرتبہ کا اتنا کھانا جس سے سیر ہو جائے خواہ صبح ہو یا شام۔

تخریج: (مسلم) اس کو احمد، ترمذی، نسائی نے نقل کیا (جامع صغیر)...... مسلم (۲۷۴۳) و الترمذی (۱۸۱٦)

۱۴۱ : عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :"عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ" قَالَ : اَرَاَيْتَ اِنْ لَّمْ يَجِدْ؟ قَالَ :"يَعْمَلُ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَيَتَصَدَّقُ" قَالَ : اَرَاَيْتَ اِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ؟ قَالَ :"يُعِيْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ " قَالَ : اَرَاَيْتَ اِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ؟ قَالَ :"يَاْمُرُ

بِالْمَعْرُوْفِ اَوِ الْخَيْرِ" قَالَ : اَرَاَيْتَ اِنْ لَّمْ يَفْعَلْ؟ قَالَ :"يُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۴۱: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ''ہر مسلمان پر ایک صدقہ لازم ہے''۔ کسی نے عرض کیا حضرت! اگر صدقہ میسر نہ ہو؟ آپ نے جواباً فرمایا: ''اپنے ہاتھ سے اس کا کوئی کام کر کے اس کو فائدہ پہنچائے اور صدقہ کرے''۔ عرض کیا گیا اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہوتو؟ ارشاد فرمایا: ''ضرورت مند مظلوم کی مدد کرے''۔ عرض کیا گیا حضرت! اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہوتو؟ ارشاد فرمایا: ''بھلائی یا خیر کا حکم دے''۔ عرض کیا گیا اگر ایسا بھی نہ کر سکتا ہو؟ ارشاد فرمایا: ''برائی سے باز رہے بس یہی صدقہ ہے''۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ **علی کل مسلم** یعنی ہر مسلمان پر سفر تاکیدی حق ہے۔ صدقہ تاکہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں پر شکر یہ ہو جائے۔ یہاں عام بدل مراد ہے۔ اگرچہ یہ مثبت انداز سے ہے اور اس کی دلیل وہ صریح روایت ہے جس میں ''**کل سلامی من الناس علیه صدقة**'' اور اعضاء کی تعداد بھی بخاری و مسلم کے مطابق ۳۶۰ ہے۔ احمد، ابوداؤد نے مرفوعاً نقل کیا کہ انسان کے جوڑ ۳۶۰ ہیں ہر جوڑ کا صدقہ اس پر لازم ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا اتنے صدقہ کی ہر روز کس میں ہمت ہے۔ فرمایا: مسجد میں جو رینٹھ لگی ہو اس کو دور کر دے اور راستہ سے ایذاء والی چیز ہٹا دے اگر ایسی چیز نہ کر سکے تو چاشت کی دو رکعت صدقے کا بدلہ ہے''۔

ارایت: یہ اخبرنی کے معنی میں ہے۔ **ان لم یجده** یعنی صدقہ کے لئے مال نہ پائے۔ **ینفع نفسه**: اپنے عمل کی قیمت یا اجرت یا کمائی سے حاصل کر کے صدقہ کرے۔

فائدہ: اس میں آمادہ کیا گیا کہ وہ اپنی ضرورت طعام، مشروب و ملبوس کے لئے کمائے تاکہ غیر سے سوال کرنے سے اس کی عزت نفس مجروح نہ ہو اور وہ صدقے کا کثیر ثواب اچھے ارادے سے پائے۔ **بالمعروف او الخیر** یہ راوی کا شک ہے۔ **ان لم یفعل** یعنی وہ اس کے چھوڑنے پر معذور ہو یا وہ معروف فرض کنایہ سے نہ ہو۔ **یمسك**: اپنے نفس کو روکے اور تھام کر رکھے۔ **عن الشر**: شر سے روکنے کا مطلب یہ ہے کہ برائی نہ کرے جس سے فرائض چھوٹ جائیں۔ روایت فرائض و واجبات کی ادائیگی کا لزوم ثابت ہوتا ہے۔ **صدقة**: یہ خصلت اس کی طرف سے اپنے نفس کے لئے صدقہ اس لئے ہوئی کہ یہ ہلاکت سے بچ گیا اور دوسرے کے لئے اس طور پر کہ وہ اس کے شر سے بچ گیا بلکہ یہ تو واجب شکر یہ ہے جو ان نعمتوں پر لازم ہے۔ باقی مستحب شکر یہ وہ یہ ہے کہ ذاتی نیکیاں مثلاً اذکار اور متعدی نیکیاں مثلاً صدقہ اور اعانت دیگراں کرے۔

تخریج: أخرجه البخاری (١٤٤٥) و فی الأدب المفرد (٢٢٥) و مسلم (١٠٠٨) والنسائی (٢٥٣٧)

١٤ :بَابٌ فِي الْاِقْتِصَادِ فِي الطَّاعَةِ

باب: اطاعت میں میانہ روی

اقتصاد: عبادت کی ادائیگی میں میانہ روی تاکہ جان بھی درست رہے اور اکتاہٹ سے بچا رہے۔ انسانی نفس کا حال راہ شرع میں جانور جیسا ہے۔ جو کسی راستہ پر چل رہا ہو۔ جب آدمی اپنے حسی جانور (سواری) کو بھاری بوجھ ڈال کر تھکاتا ہے اور لمبے

لمبے سفراس پر طے کرتا ہے تو راستہ میں ہی تھک کر رہ جاتا ہے اور منزل مقصود تک پہنچ نہیں سکتا اور اگر اس سے مناسب نرمی برتتا ہے تو مراد تک پہنچ جاتا ہے اور مقصد کو پالیتا ہے خواہ اسے کچھ مشقت بھی پیش آئے۔ یہاں بھی یہی حال ہے۔

ابن رسلان نے شرح ابوداؤد میں کہا کہ حسن فرماتے تمہارے نفوس تمہاری سواریاں ہیں ان کو درست رکھو تو تمہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچادیں گی۔ پس جس نے نفس کا مباح حق اس کو صالح عمل کی نیت سے دیا اور اس کو شہوات سے روک کر رکھا تو وہ اس سلسلہ میں ماجور ہوگا۔ جیسا معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ''میں اپنی نیند کا حساب کرتا ہوں جیسے میں بیداری کا حساب کرتا ہوں''۔ جب آدمی نفس کے حق میں کوتاہی کرے گا اگر ضعیف ہو کر اس کو نقصان پہنچائے گا تو یہ آدمی ظالم ہوگا اور اسی بات کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں جو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو فرمایا اشارہ کیا: ''**انك اذا افعلتَ تَفِهَتْ لَهُ النفس وهَجَمَتْ له العين**'' **تفهت** کا معنی تھکنا اور عاجز آنا ہے۔ **هجت العين** کا معنی آنکھ کا اندر گھس جانا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمایا جو کہ آپ کی خدمت میں آ کر مسلمان ہوا پھر ایک سال بعد آیا تو اس کی حالت بدل چکی تھی۔ آپؐ نے اس کو نہ پہچانا جب اس نے پہچان کروائی تو آپؐ نے اس سے وجہ دریافت کی تو اس نے کہا میں نے آپ کی ملاقات یعنی اسلام لانے کے بعد دن میں کبھی کھانا نہیں کھایا''۔ آپؐ نے فرمایا: تمہیں کس نے کہا کہ تم اپنے نفس کو سزا میں مبتلا کرو اور جس کسی نے اپنے نفس کو ایسی چیز پر آمادہ کیا جس کی اس میں طاقت نہیں تو اس نے اپنے آپ کو عذاب دیا مثلاً مسلسل روزے وغیرہ۔ بسا اوقات اس کا اثر ضعف بدن وعقل کی صورت میں ہوتا ہے اور اس سے کئی طاعات کے کام رہ جاتے ہیں۔ اتنے نیک کام نفس کو تعذیب سے وہ حاصل نہیں کر پاتا۔

عبادت انتہائی تذلل کا نام ہے۔ یہ لفظ عبودیت سے زیادہ بلیغ ہیں کیونکہ عبودیت صرف اظہار تذلل کو کہتے ہیں۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى﴾ [طه: ۱،۲]

''طٰہٰ۔ ہم نے تم پر قرآن کو اس لئے نہیں اتارا کہ تم مشقت میں پڑو''۔

وَقَالَ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة: ۱۸۵]

''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتے''۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں مجاہد وضحاک کہتے ایسر کی مثال سفر میں افطار کی اجازت العسر کی مثال سفر میں روزہ اور وجہ یہ ہے کہ لفظ میں عموم ہے۔ یہ دین کے تمام امور کو اسی طرح اس میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وما جعل عليكم في الدين من حرج** کہ اللہ تعالیٰ نے دین میں کوئی تنگی نہیں بنائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **دين الله يسر** اللہ کا دین آسان ہے۔ اور فرمایا: **ولا تعسروا** تم تنگی مت کرو۔ **اليسر** کا معنی سہولت ہے۔ **يسار**: جس کا معنی مالداری ہے۔ وہ اسی سے نکلا

ہے۔ دائیں ہاتھ الیسریٰ بھی خوش گمانی کے طور پر کہتے ہیں یا اس وجہ سے کہ اس سے کام کرنا آسان ہوتا ہے۔

۱۴۲: وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ قَالَ: مَنْ هٰذِهِ؟ قَالَتْ: هٰذِهِ فُلَانَةٌ تُذْكَرُ مِنْ صَلَاتِهَا قَالَ: "مَهْ عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيْقُوْنَ فَوَ اللّٰهِ لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوْا" وَكَانَ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَيْهِ مَا دَاوَمَ صَاحِبُهُ عَلَيْهِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"وَمَهْ" كَلِمَةُ نَهْيٍ وَّزَجْرٍ - وَمَعْنٰى "لَا يَمَلُّ اللّٰهُ" لَا يَقْطَعُ ثَوَابَهُ عَنْكُمْ وَجَزَآءَ اَعْمَالِكُمْ وَيُعَامِلُكُمْ مُعَامَلَةَ الْمَالِ حَتّٰى تَمَلُّوْا فَتَتْرُكُوْا فَيَنْبَغِيْ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مَا تُطِيْقُوْنَ الدَّوَامَ عَلَيْهِ لِيَدُوْمَ ثَوَابُهُ لَكُمْ وَفَضْلُهُ عَلَيْكُمْ۔

۱۴۲: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ ان کے ہاں تشریف لائے اور ان کے پاس ایک عورت بیٹھی تھی۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے جواب دیا یہ فلاں عورت ہے جس کی نماز کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "بس ٹھہرو! تم وہ چیز لازم پکڑو جس کی تمہیں طاقت ہو۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نہیں اُکتاتے بلکہ تم اُکتا جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو وہ اطاعت زیادہ محبوب ہے جس کو کرنے والا اس پر مداومت اختیار کرے"۔

مَهْ: یہ ڈانٹ وتوبیخ کے الفاظ ہیں۔ لَا يَمَلُّ اللّٰهُ اس کا ثواب تم سے منقطع نہیں فرماتے اور نہ ہی تمہارے اعمال کی جزاء منقطع کرتے ہیں بلکہ تم سے مالی معاملہ جیسا معاملہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ تم اُکتا کر چھوڑ نہ دو۔ پس مناسب یہ ہے کہ تم وہ اختیار کرو جس کی تم دواماً طاقت رکھتے ہو تاکہ اس کا ثواب اور فضیلت بھی دواماً تمہارے لئے ہو۔

تشریح ۞ **هذه فلانة** خطیب کہتے ہیں اس کا نام حولاء بنت ثویب بن حبیب بن اسد بن عبدالعزیٰ تھا (نووی فی المبہمات) تذکر یہاں تذکر کے الفاظ ہیں جبکہ مسند حسن بن. نیان میں **هذه فلانه وهی المبدا اهل المدینه** کے الفاظ اور مسند احمد میں **لا تنام تصلی** کہ وہ سوتی نہیں نماز میں مشغول رہتی ہے۔

قال مَهْ: یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کے الفاظ اس لئے فرمائے کہ وہ اکتا کر اصل عبادت بھی نہ چھوڑ بیٹھے۔ سیوطی کہتے ہیں ممکن ہے یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی تعریف پر زجر کا کلمہ فرمایا۔ (التوشیح) ابن حجر کہتے ہیں یہ اکفف کے معنی میں ہے "رک جا"۔ **بما تطیقون** یعنی جس عمل پر مداومت کرسکو۔ **فو اللّٰه**: یہ تاکید کے لئے ہے۔ ایسے موقعہ کا حلف مسنون ہے۔ **لا یمل اللّٰه حتی تملوا**: الملل کسی پسندیدہ چیز کو بوجھل سمجھ کر نفس کا اس سے بھاگنا اور اللہ تعالیٰ کیلئے یہ ناممکن ہے۔

عمدہ تاویل: یہ اطلاق باب المشاکلہ سے ہے۔ جیسا **جزاء سیئة سیئة مثلها**: سیوطی کہتے ہیں یہ بہتر تاویل ہے۔ بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں۔ **اکلفوا من العمل ما تطیقون فان اللّٰه لا یمل من الثواب حتی تملوا من العمل** (ابن جریر فی التفسیر) ثواب کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ عمل کا ثواب اس وقت تک منقطع نہیں کرتے جب تک تم عمل کو نہیں چھوڑتے۔

ابن حجر نے ابن جریر کی روایت کو مدرج قرار دیا۔ (فتح الباری)

قرطبی کہتے ہیں جب آدمی اکتا کر عمل چھوڑے تو اس کا ثواب بھی منقطع ہو جاتا تو اسی کو ملل سے تعبیر کر دیا۔ یہ حتیٰ کو غایت کے لئے ماننے کی صورت میں ہے۔

بعض نے کہا جب تم اکتا جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو نہیں اکتاتے۔ یہ کلام عرب میں مستعمل ہے۔ عرب کہتے ہیں **لا افعل کذا حتی یشیب الغراب** کوے کے سفید ہونے تک میں ایسا نہ کروں گا۔ اسی طرح کہتے ہیں: **البلیغ لا ینقطع حتي یقطع خصومه** کیونکہ اگر وہ بھی دوسروں کے منقطع ہونے کے ساتھ منقطع ہو جائے تو اس کا کوئی مرتبہ نہیں رہتا۔ یہ مثال ماقبل کے بہت مشابہہ ہے کیونکہ کوے کا سفید ہونا عادۃً ممکن نہیں بخلاف عابد کے اکتانے کے وہ عین ممکن ہے۔

مازری کہتے ہیں حتی واؤ کے معنی میں ہے اب مطلب یہ ہوگا اللہ تعالیٰ اکتاتے نہیں تم اکتا جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی نفی کی اور دوسروں کے لئے ثابت کیا۔

ایک اور قول یہ ہے کہ حتی، حین کے معنی میں ہے۔

صدیقی کہتا ہے کہ سب سے بہتر یہ ہے کہ مقابلہ لفظیہ کی قسم سے ہے جس کو مشاکلہ کہا جاتا ہے۔ **کان احب الدین الیه**: مستعملی کہتے ہیں الیہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے مگر دیگر شارحین ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹاتے ہیں۔ مگر ان دونوں باتوں میں منافات نہیں کیونکہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے وہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

ما داوم صاحبه علیه ابن عربی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی محبت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ثواب دینے کا ارادہ فرماتے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اس عمل کا ثواب زیادہ ہے جس پر مداومت ہو۔

نووی کہتے ہیں تھوڑے عمل پر دوام سے ذکر، مراقبہ، اخلاص، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ میں استمرار نصیب ہوتا ہے۔ بخلاف زیادہ مشکل کام کے قلیل بڑھتے بڑھتے منقطع ہونے والے کثیر سے بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔

ابن جوزی کہتے ہیں محبوب عمل دائمی ہے کیونکہ خیر پر مداومت کرنے والا وہ ہر وقت کا ملازم ہے۔ جو تمام مہینہ ایک گھنٹہ ملازمت کرے وہ اس سے بہتر ہے جو پورے مہینہ میں ایک دن ملازمت کرے اور پھر پورا مہینہ غائب رہے کیونکہ وہ مہینے کے بقیہ دنوں میں اس کا چھوڑنا اس اعراض کرنے والے کی طرح ہے جو وصل کے بعد اعراض کر جائے۔ یہ شخص تو مذمت کے قابل بن جاتا ہے۔ **مه**: جب امر معین سے روکنے کے لئے ہو تو ہا ساکن ہوگی اور اگر مہٍ ہو تو غیر معین سے ممانعت کرنا مقصود ہوگا۔

لا یقطع یعنی جب تم نے یہ معلوم کر لیا کہ عمل شاق میں انقطاع ہو جاتا ہے تو اپنی طاقت کے مطابق مداومت والا عمل صالح اختیار کرو اگرچہ تھوڑا ہو تا کہ اس کا ثواب ہمیشہ ملے اور اس کا فضل ہمیشہ رہے۔

۱۴۳: وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَآءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ اِلٰی بُیُوْتِ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْاَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا کَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا وَقَالُوْا اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ – قَالَ اَحَدُهُمْ: اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ: وَاَنَا اَصُوْمُ الدَّهْرَ اَبَدًا – وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ: وَاَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ

فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا ، فَجَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ : ''اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّىْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّىْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّىْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِىْ فَلَيْسَ مِنِّىْ'' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۴۳: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تین آدمی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن کے گھر پر آئے اور ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ جب ان کو اطلاع دی گئی تو انہوں نے اس کو بہت قلیل سمجھا اور کہنے لگے ہم کہاں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہاں۔ آپؐ کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور درمیان میں افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے کنارہ کشی اختیار کروں گا اور کبھی صحبت نہ کروں گا۔ آنحضرتؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا تم وہ لوگ ہو جنہوں نے اس اس طرح کہا؟ ''خبردار اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں اور تم میں سب سے زیادہ اس کا ڈر رکھنے والا ہوں۔ لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں اور نماز پڑھتا اور سوتا ہوں اور عورتوں سے ہمبستری کرتا ہوں۔ پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں''۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ ثلاثة رجال: یہ علی بن ابی طالب' عبداللہ بن عمرو اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم تھے۔ رھط کا لفظ تین سے دس تک بولا جاتا ہے۔

النَّحْو :یسألون: یہ ثلاثہ کی صفت بھی بن سکتا ہے یا حال بن سکتا ہے۔

عبادة النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم سے مقدار عبادت مراد ہے تاکہ وہ اس کی اقتداء کر سکیں ان کو بتلائی گئی۔

تقالُوا یہ قلت سے باب تفاعل ہے یعنی اس کو قلیل شمار کیا۔ بقول ابی انہوں نے اپنے ذہنوں کے مطابق اس کو قلیل سمجھا اور بہت سی قلیل چیزیں فی نفسہ کثیر ہوتی ہیں۔

ابن عرفہ کہتے ہیں کہ ضمیر ان کے اعمال کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کے عمل کو کثیر سمجھا مگر یہ بات اس لئے درست نہیں کیونکہ بخاری کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: **حین تقالوا قالوا و این نحن من النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم** کہ ہمارے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بہت بڑا فاصلہ ہے۔ آپ معصوم اور ہم کمی کوتاہی کرنے والے۔ **وما تأخر** اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**لیغفرلك اللّٰہ ما تقدم من ذنبك**......﴾ یہ آپ کی تکمیل وتشریف سے کنایہ ہے۔ ورنہ آپ کے معصوم ہونے کی وجہ سے ذنب تو ہے ہی نہیں۔

فقال احدھم: مسلم میں بعضہم کے الفاظ ہیں (مفہوم ایک ہی ہے)

انا اصلی...... میں قیام کر کے رات کو زندہ کروں گا اور بالکل نہ سوؤں گا۔ **اصوم الدھر**: ممنوعہ ایام کے علاوہ ہمیشہ نفلی روزہ رکھوں گا اور کسی دن افطار نہ کروں گا۔ **فلا اتزوج ابدا**: ممکن ہے اس کے مستلزات ہونے کی وجہ سے زہد اختیار کیا ہو اور یہ بھی خیال کیا کہ نکاح عبادت میں محنت سے مشغول کرنے والا ہے۔ جنید کہتے ہیں ہم نے نہیں دیکھا کہ شادی والا اپنی عبادت کی حالت پر باقی رہ گیا ہو۔ **فجاء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم** آپ تشریف لائے تو ازواج مطہرات نے ان حضرات

کی بات بتلائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: انتم یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے یہ استفہام تقریری ہے۔ یعنی کیا تمہیں وہ لوگ ہو جنہوں نے یہ یہ کہا۔ ممکن ہے وحی اتری ہو اور کسی انسان نے آپ کو نہ بتلایا ہو یہ آپؐ کا معجزہ ہو۔ اور ② یہ بھی احتمال ہے کہ لازم فائدہ الخبر کے قبیل سے ہو اور ان کے کلام سے ہی یہ بات معلوم کی ہو۔ پہلی بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ (بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات نے انکی باتیں سنی اور آپ کو نقل فرمائیں)

واللہ انی لا خشاکم...... اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معرفت قلبیہ اور علم الیقین اور استحضار عظمت الٰہیہ کی دولت سے اس طرح نوازا ہے جو اور کسی کو میسر نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس نے ان کی اس بات کی تردید تھی جس کو انہوں نے بنیاد بنایا تھا۔ ان کو بتلایا کہ میں خشیت میں سب سے بلند ترین مقام پانے اور عبادت میں انتہائی مرتبہ پانے کے باوجود وہ نہیں کرتا جس کا تم نے ارادہ کیا۔ اگر یہ کام اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتا تو میں ضرور اس کو کرتا۔

خشیت: معرفت الٰہیہ سے ملا ہوا خوف یہ مخصوص خوف ہے۔ اس لئے کہ اس میں اس خوف سے قلب کا اضطراب اور مجازی انفاس پر عقوبت کی توقع ہوتی ہے۔

بعض نے کہا کہ خوف حرکت کا اور خشیت سکون کا نام ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس نے اپنے دشمن کو حالت استقرار میں ایسے مقام میں دیکھا کہ جہاں دشمن اس تک پہنچ سکتا ہو تو وہ اس مقام سے بھاگنے کی کوشش کرے گا اس کو حالت خوف کہا جاتا ہے اور جس نے حالت استقرار میں ایسے مقام سے دشمن کو دیکھا کہ وہ اس تک پہنچ نہیں سکتا تو وہ پرسکون رہے گا یہ حالت خشیت کہلاتی ہے۔

سیوطی کہتے ہیں کہ شیخ عزالدین نے کہا کہ حدیث میں اشکال ہے کیونکہ خوف وخشیت ایک حالت ہے جو ایسی سزا کی شدت کے ملاحظہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے جس سزا کے خوفزدہ پر پڑ جانے کا خطرہ ہو اور یہ بات تو قطعی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سزا سے مامون ومحفوظ ہیں تو پھر خوف کا تصور کیونکر اور پھر اشد الخوف بدرجہ اولیٰ نہیں؟

الجواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ذہول ہو جانا تو عصمت کے منافی نہیں جب عقاب کی نفی کو لازم کرنے والی چیزوں سے ذہول ہوا تو خوف پیش آیا۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے آپ کا شدت خوف سے اور عظمت خشیت سے خبر دینا نوع کے لحاظ سے عظیم ہو گیا کثرت عدد کے لحاظ سے نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ جب آپ ﷺ سے خوف صادر ہوا گرچہ تھوڑے زمانے کے لئے اور تھوڑی مقدار میں ہوا مگر وہ غیروں کی بنسبت سخت ترین خوف ہوگا (کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر حساس تھے) (مرقات الصعود)

لکنی اصوم وافطر: میں کبھی روزہ رکھتا اور دوسری مرتبہ افطار کرتا ہوں۔

اصلی راتوں کے بعض حصوں میں تہجد پڑھتا ہوں تاکہ حق عبودیت ادا کروں اور ارقد اور نفس کا حق ادا کرنے کے لئے سوتا ہوں۔

فمن رغب عن سنتی: جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا۔

فلیس منی: یہ من اتصال کے لئے ہے۔ یعنی وہ میرے قریب نہیں وہ میرے ساتھ متصل نہیں۔ سنت کی اضافت ضمیر معرفہ کی طرف ہے تو عدم کی وجہ سے شہادتین اور ارکانِ اسلام کو بھی شامل ہے۔ پس ان سے بے رغبت تو مرتد ہے۔

مظرزی کہتے ہیں جس نے کسی فرض یا سنت کو بطور استحقاف اور عدم التفات سے چھوڑا وہ مجھ سے نہیں کیونکہ وہ کافر ہے۔ مگر جس نے سستی سے چھوڑا وہ کافر نہ ہوگا۔ اس وقت اس کا مطلب یہ ہے ''وہ میری سنت کا پیرو نہیں اور میری اقتداء کرنے والا نہیں۔ (متفق علیہ) یہ لفظ بخاری کے ہیں مسلم میں بھی اسی طرح ہے۔ ابی کہتے ہیں احادیث کی دلالت سے نکاح کا راجح ہونا معلوم ہوتا ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب عورتوں میں دین و دنیا کی اعانت کا جذبہ تھا اور اولاد کے سلسلہ میں تکلف کم اور اولاد پر شفقت پائی جاتی تھی۔ مگر آج کل شیطان نما عورتوں سے پناہ۔ اب تو عزلت و بلا شادی رہنا جائز ہو گیا ان کے شر سے بچنے کے لئے ان سے فرار ضروری ہوگا۔ (شرح مسلم لابی)

(آج کل تو عورتوں کی اکثریت حبالۃ الشیطان کا نمونہ ہے بلکہ پوری دنیا میں عورت کو شہوانی جذبات ابھارنے اور تجارتی مقاصد کے لئے عورت کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فتنہ سامانی سے حفاظت فرمائے۔ آمین)

تخریج: أخرجه البخاری (۵۰۶۳) و مسلم (۱۴۰۱) وأحمد (۴/۱۳۵۳۴) وابن حبان (۱۴) والبیهقی (۷/۷۷)

الفرائد: ① نکاح ایک فضیلت والا معاملہ ہے۔ ② اکابر کے حالات کو اقتداء کیلئے معلوم کرنا چاہئے۔ ③ نیک عمل کو ظاہر کرنے میں کوئی حرج نہیں جب اسکے کرنے کا پختہ عزم ہو۔ ④ عیش پرستی اور تکبر سے بچتے ہوئے طیبات کا کبھی کبھی استعمال کیا جائے تاکہ تنطع میں مبتلا ہو کر تحریم زینت کے گناہ میں مبتلا نہ ہو۔ ⑤ معرفت الٰہی کا علم مجرد عبادت سے بڑھ کر ہے۔

۱۴۴: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: ''هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ'' قَالَهَا ثَلَاثًا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

اَلْمُتَنَطِّعُوْنَ: اَلْمُتَعَمِّقُوْنَ الْمُشَدِّدُوْنَ فِیْ غَیْرِ مَوْضِعِ التَّشْدِیْدِ۔

۱۴۴: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دین میں بے جا تشدد کرنے والے ہلاک ہو گئے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ (مسلم)

اَلْمُتَنَطِّعُوْنَ تعمق اور بے جا تشدد والے۔

تشریح: هلك المتنطعون: یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ دہرایا اور نہی کی تاکید کے لئے دہرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اچھی طرح سمجھانے کے لئے بعض اوقات تین مرتبہ دہراتے۔ (مسلم، ابوداؤد، احمد)

المتنعطون: جمع متنطع جوان مقام پر سختی کرنے والے ہوں جو سختی کا مقام نہ ہو۔ خطابی کہتے ہیں کسی چیز میں تعمق برتنے والا ایسی چیز پر بحث میں تکلف کرنے والا جو اس کی عقل کی رسائی سے باہر ہے۔ اہل کلام کے مذاہب اس میں داخل ہیں۔

نہایہ میں کہا گیا ہے۔ کلام میں غلو اختیار کرنے والے لوگوں کو متنطع کہا جاتا ہے جو کہ اپنے حلق کے انتہائی حصہ سے بات کرنے والے ہیں یہ نطع سے لیا گیا ہے۔ منہ کی بلند نماز کو کہا جاتا ہے۔ پھر اس کا استعمال ہر قول و فعل میں تعمق اختیار کرنے کے لئے ہونے لگا۔ علامہ عاقولی کہتے ہیں اس مذمت میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کا مقصود صرف لفاظی ہوتی ہے اور اس میں لفظ پر معنی کو بند کر کے معنی کو اس کا تابع بنایا جاتا ہے اور اگر معنی کا لحاظ کر کے لفظ کو تابع بنائیں تو وہ قابل تعریف ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات کو اپنی حالت پر چھوڑ دے ان معانی میں جن کی وہ تعبیر کرنا چاہتا ہے۔ ان کو تسلیم کرلے جیسا کسی نے کہا ''میں

نے نفس کو اس کی حالت پر چھوڑا اور اس کو کہہ دیا جو تو نے کہا ہے وہ قابل عزت نہیں۔

تخریج: أخرجه مسلم (٢٦٧٠) و أبو داود (٤٦٠٨)

۱۴۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: "اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَّلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَیْءٍ مِّنَ الدُّلْجَةِ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّهٗ: سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاغْدُوْا وَرُوْحُوْا وَشَیْءٌ مِّنَ الدُّلْجَةِ: الْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا قَوْلُهٗ "الدِّیْنُ" هُوَ مَرْفُوْعٌ عَلٰی مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُهٗ– وَرُوِیَ مَنْصُوْبًا وَرُوِیَ: "لَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ"، وَقَوْلُهٗ ﷺ: "اِلَّا غَلَبَهٗ" الدِّیْنُ وَعَجَزَ ذٰلِكَ الْمُشَادُّ عَنْ مُقَاوَمَةِ الدِّیْنِ لِكَثْرَةِ طُرُقِهٖ وَ"الْغَدْوَةُ": سَیْرُ اَوَّلِ النَّهَارِ وَ "الرَّوْحَةُ" اٰخِرِ النَّهَارِ – "وَالدُّلْجَةُ" اٰخِرِ الَّیْلِ – وَهٰذَا اسْتِعَارَةٌ وَّتَمْثِیْلٌ وَمَعْنَاهُ: اسْتَعِیْنُوْا عَلٰی طَاعَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ بِالْاَعْمَالِ فِیْ وَقْتِ نَشَاطِكُمْ وَفَرَاغِ قُلُوْبِكُمْ بِحَیْثُ تَسْتَلِذُّوْنَ الْعِبَادَةَ وَلَا تَسْاَمُوْنَ وَتَبْلُغُوْنَ مَقْصُوْدَكُمْ، كَمَا اَنَّ الْمُسَافِرَ الْحَاذِقَ یَسِیْرُ فِیْ هٰذِهِ الْاَوْقَاتِ وَیَسْتَرِیْحُ هُوَ وَ دَآبَّتُهٗ فِیْ غَیْرِهَا فَیَصِلُ الْمَقْصُوْدَ بِغَیْرِ تَعَبٍ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

۱۴۵: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دین آسان ہے اور جو کوئی بے جا تشدد دین میں اختیار کرتا ہے دین اس پر غالب آ جاتا ہے پس تم میانہ درست راستہ پر رہو۔ میانہ روی اختیار کرو اور خوش ہو جاؤ اور صبح و شام اور رات کو کچھ حصہ کی عبادت سے مدد حاصل کرو''۔ (بخاری) بخاری کی دوسری روایت میں ہے: ''سیدھے راستہ پر چلو! اعتدال برتو۔ صبح و شام اور رات کے کچھ حصہ میں عبادت کے لئے چلو تم اصل مقصود تک پہنچ جاؤ گے''۔ اَلدِّیْنُ: یہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور منصوب بھی آیا ہے۔ لَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهُ الدِّیْنُ یعنی دین اس پر غالب آ جائے گا اور وہ متشدد دین کا مقابلہ کرنے سے عاجز رہے گا کیونکہ دین کے اعمال تو بے شمار ہیں۔ اَلْغَدْوَةُ: صبح کا چلنا۔ اَلرَّوْحَةُ: شام کا چلنا۔ اَلدُّلْجَةُ: رات کا آخری حصہ۔ یہ استعارہ اور تمثیل ہے اس کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اعمال کے ذریعہ اس وقت مدد حاصل کرو جبکہ طبیعت میں نشاط اور دلوں کو فراغت میسر ہو۔ اس طرح تمہیں عبادت میں لذت حاصل ہوگی اور تم نہ اُکتاؤ گے اور اپنے مقصد کو پالو گے۔ جس طرح کہ سمجھ دار مسافر ان اوقات میں چلتا ہے اور اس کا جانور دوسرے اوقات میں آرام کرتا ہے اور بلا مشقت مقصود کو پہنچ جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

تشریح ۞ الدین: سے مراد دین اسلام ہے۔ یسر: کرمانی کہتے ہیں آسانی یا دین کو بطور مبالغہ آسانی فرمایا جیسا زید عدل: یعنی بہت آسان گویا وہ آسانی کا مجسمہ ہے۔ طیبی کہتے ہیں:

اَلنَّحْوُ: اگر مفعول کی جگہ مبالغۃ رکھا جائے تو یہ ان کی خبر ہے۔ لن یشاد...... طیبی کہتے ہیں:

مفاعلہ یہاں مغالبہ کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے ہے۔ جیسے طارقت النعل اور یہ مکلف کی جانب سے ہے۔ صدیقی کہتا ہے جو کسی بھی عمل میں تعمق اختیار کرتا ہے تو وہ بالآخر عاجز آ کر کل یا بعض چھوڑ بیٹھتا ہے۔ بطور استعارہ مبالغہ کے لئے ہو سکتا ہے اور مستثنیٰ منہ زیادہ عام اوصاف والا ہے۔ یعنی اس کو وہ چیز حاصل نہیں کر پاتا اور یہ تعمق برتنے والا ایک حالت پر برقرار رہتا ہے مگر وہ مغلوب ہو جاتا ہے۔

فسدّدوا: یہ فا شرط مقدر کے جواب میں آئی ہے یعنی جب میں نے تعمق کی کمزوری بتلا دی تو میانہ روی کو لازم پکڑو۔ سراد: افراط و تفریط چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔ اہل لغت کہتے ہیں: سدا: میانہ روی۔ قاربوا اگر تم کامل عمل کی طاقت نہیں رکھتے تو اس سے قریب تر کو اختیار کرو۔

وابشروا اور دائمی عمل پر ثواب کی خوشخبری سے خوش ہو جاؤ اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ واستعینوا عبادت کو حاصل کرنے کے لئے مدد لو۔

بالغدوۃ...... الدلجه صاحب توشیح کہتے ہیں الدُلجه دال کے فتحہ وضمہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ (رواہ البخاری) ایک روایت کے الفاظ کچھ مختلف ہیں: سددوا و قاربوا واغدوا وروحوا وشئی من الدلجه۔

القصدَ یعنی میانہ روی کو لازم کرلو۔ کمی بیشی نہ کرو۔

یہ فعل الزموا کا مفعول ہے یا انمراء کی وجہ سے منصوب ہے۔

تبلغوا یہ شرط مقدر کا جواب ہے یعنی اگر تم اس کو میانہ روی اور مقاربۃ کے انداز سے کرو گے تو اپنے رب کی رضامندی اور ہمیشہ عبودیت کی انجام دہی پالو گے اور اگر تم نے مبالغہ کیا تو ہو سکتا ہے تم اکتا جاؤ۔

الدین یہ یشاد کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے تا اور فاعل کو مضمر مان لیں تو یہ مفعول بنے گا۔ (صاحب المطالع) نووی کہتے ہیں کہ اکثر روایات رفع کی ہیں۔

ابن حجر کہتے ہیں۔ یہ مغربی، مشرقی مصنفین کی روایات کے لحاظ سے ہے۔ کسی نے معروف کسی نے مجہول نقل کیا۔ ابن السکن نے فاعل کی تصریح سے نقل کیا ہے۔ اسماعیلی اور ابی نعیم کے ہاں اسی طرح ہے۔

زرکشی کہتے ہیں۔ الدین کے لفظ پر اس روایت میں نصب ہی ہے۔ الا غلبه ای علیه الدین ضمیر کا مرجع دین ہے۔

وعجز دین کے طرق کثیر ہونے کی وجہ سے وہ تعمق کرنے والا عاجز آ جائے گا۔ ہر وقت میں تمام کا قیام ممکن نہیں کیونکہ وقت دو عملوں کو قبول نہیں کرے گا اور انسان کے سینہ میں ایک ہی دل ہے۔

الغدوہ: دن کے پہلے حصہ میں جانا یہ الغَدْو سے بار کے معنی میں آتا ہے اور روحہ بھی اسی طرح الروحہ: ایک بار شام کا چلنا۔ عبارت میں کچھ تسامح ہے۔

سیوطی کہتے ہیں الغَدو شروع دن میں چلنا اور غدوۃ ایک بار کا چلنا اور غُدْوَۃ صبح کا نماز اور طلوع آفتاب کا درمیانی وقت۔

الدلجۃ: بعض اہل لغت رات کے پچھلے حصہ میں چلنا کہتے ہیں۔ صاحب قاموس کہتے ہیں تمام رات چلنے کو کہتے ہیں۔

قاضی عیاض کہتے ہیں اہل لغت میں ادلج اور ادلاج میں فرق ہے: ① تمام رات چلنے کو کہتے ہیں۔ دَلجه اور دُلجه دونوں کا معنی ایک ہے یہ دو لغات ہیں: ② ادّلج رات کے پچھلے حصہ میں چلنا اور ادْلج: تمام رات چلنا، عرب کہتے ہیں سار

دُلجة: وہ رات کی ایک گھڑی چلا۔ الدلجُ والادلاج دَلجة: تمام رات چلنا اور ادّلاج اور دُلجہ رات کے پچھلے حصہ میں چلنا۔ روایت ہجرت میں ہے فیدلج من عندھما سحراً (شرح المشارق للقاضی)

بلاغت: استعینوا یہ استعارہ ہے تاکہ ایک نشاط کے قریبی اوقات کو استعمال کر کے اپنے مقصود کو پالے، وہ مسافر کی طرح ہے۔ جو ایسے اوقات میں سفر کرتا ہے جن میں سواری کا جانور نشاط میں ہوتا ہے اور منزل سے قریب تر راہوں سے سفر طے کرتا ہے۔ پھر اس سے استعارہ فعل میں سرایت کر گیا یہ استعارہ مصرحہ تبعیہ ہے۔ یہ تمثیل ہے وہ اس طرح کہ راہ چلنے والا اپنے وقت پر آرام کرتا اور نشاط وفراغت کے اوقات میں استراحت کرتا اور کبھی راہ میں اترنا اور اوقات نشاط میں مقصد تک پہنچنے کے لئے کبھی کوچ کرتا ہے۔ نووی کے کلام میں واو او کے معنی میں ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نووی اس کو استعارہ تمثیلیہ قرار دیں واللہ اعلم۔ مطلب یہ ہے تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اعمال سے اوقات نشاط میں مدد لو۔ وہ وقت نشاط صبح وشام کے اوقات ہیں۔

فراغ قلوبکم: سے رات کا وقت مراد ہے۔ **یحسث تستلذون الطاعه** کہ طاعت سے لذت حاصل ہو اگرچہ وہ فی حد ذاتہا مشکل ہے مزید نشاط اور تاکہ اس سے مزید نشاط اور صفائی ان چیزوں سے دل کو حاصل جو عبادت کی خوبیوں میں جلاء سے مانع ہیں۔

ولا تسأمون اور تم نہ اکتاؤ گے کیونکہ نشاط میں ہو گے اور دل بھی فارغ ہو گا۔

مقصود کم یعنی اداء عبودیت حسب طاقت کر سکو۔

الاوقات سے وہ اوقات مراد ہیں جن میں چوپائے نشاط میں ہوتے ہیں اور ہواء بھی مناسب ہوتی ہے اور اس سے سفر زیادہ طے ہو پاتا ہے جو دوسرے اوقات میں طے نہیں ہوتا۔

تخریج: اخرجه البخاری (۳۹) والنسائی (۵۰۴۹) وابن حبان (۳۵۱) والبیہقی (۱۸/۳)

الفرائد: ① عبادت میں میانہ روی مناسب ہے۔ ② اپنے نفس کو اتنا نہ تھکائے کہ عاجز ہو کر دوام عمل سے دستبردار ہونا پڑے۔ ③ اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کو حسی سفر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

۱۴۶: وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَسْجِدَ فَاِذَا حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ بَیْنَ السَّارِیَتَیْنِ فَقَالَ: مَا هٰذَا الْحَبْلُ؟ قَالُوْا: هٰذَا حَبْلٌ لِّزَیْنَبَ فَاِذَا فَتَرَتْ تَعَلَّقَتْ بِهٖ- فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: "حُلُّوْهُ لِیُصَلِّ اَحَدُکُمْ نَشَاطَهٗ فَاِذَا فَتَرَ فَلْیَرْقُدْ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۱۴۶: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دو ستونوں کے درمیان ایک رسّی بندھی ہوئی پائی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا یہ رسّی کیسی ہے؟ انہوں نے بتلایا یہ زینب کی رسّی ہے۔ جب تھک جاتی ہے تو اس سے لٹک جاتی ہے (سہارا لیتی ہیں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کو کھول ڈالو ہر کوئی طبیعت کے نشاط کی حالت میں نماز پڑھے جب سستی پیدا ہو تو سو جائے"۔ (متفق علیہ)

تشریح: السارِیتین: مسلم کی روایت میں یہ نکرہ ہے اور اس کے بعد من سواری المسجد کے الفاظ ہیں۔ گویا کہ وہ دونوں ستون جانے پہچانے تھے۔

ما ھذا الحبل: یہ رسی کیا ہے یعنی اس رسی کو یہاں باندھنے کا کیا مقصد ہے۔ قالوا: حاضرین نے کہا۔ لزینب: ابن حجر کہتے ہیں شارحین نے زینب بنت جحش لکھا ہے مگر مجھے اس کی صراحت نہیں ملی۔ البتہ بعض قرائن ایسے ہیں ایک قرینہ یہ ہے کہ ابو داؤد نے اپنے ایک شیخ سے زینب بنت جحش نقل کیا اور دوسرے سے حمنہ بنت جحش۔ یہ قرینہ ہے کہ وہ زینب بنت جحش ہیں۔ امام احمد نے حمنہ بنت جحش نقل کیا۔ شاید ایک کی طرف رسی کی نسبت ملکیت اور دوسری کی طرف استعمال کے لحاظ سے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ جحش کی دونوں تغلیباً زینب کہتے ہوں۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں یہ میمونہ بنت حارث کی تھی۔ مگر یہ روایت شاذ ہے اور بعض نے واقعہ کو تعدد پر محمول کیا ہے۔ مسلم نے زینب کے بعد تصلی کے لفظ زیادہ کئے ہیں۔

فترت: نماز میں قیام سے جب وہ تھک جاتی ہے۔ مسلم میں کسلت او فترت: کے الفاظ ہیں۔ (متفق علیہ)

ابن حجر کہتے ہیں۔ اس میں عبادت پر میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے اور تعمق سے روکا گیا ہے اور نما کی طرف نشاط سے متوجہ ہونے کا حکم ہے اور یہ بھی فرمایا کہ منکر کو زبان و ہاتھ سے دور کرنا چاہئے۔ نیز مسجد میں عورتوں کے نفل نماز پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (٤/١١٩٨٦) والبخاری (١١٥٠) و مسلم (٧٨٤) وأبو داود (١٣١٢) والنسائی (١٦٤٢) وابن ماجه (١٣٧١) وابن حبان (٢٤٩٢) وأبو عوانة (٢/٢٩٧/٢٩٨) وابن خزيمة (١١٨٠)

الفوائد: ① عبادت میں تعمق سے گریز کیا جائے۔ ② منکر کو حتی الامکان زبان و ہاتھ سے روکنا چاہئے۔ ③ عورت کا مسجد میں نفل پڑھنا درست ہے۔

۱۴۷: وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَاِنَّهٗ اِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِىْ لَعَلَّهٗ يَذْهَبُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهٗ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۴۷: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جب تم میں سے کسی کو نماز پڑھتے ہوئے اُونگھ آ جائے اس کو چاہئے کہ وہ سو جائے۔ یہاں تک کہ نیند اس سے دور ہو جائے کیونکہ جب وہ ایسی حالت میں نماز پڑھے گا کہ وہ اُونگھ رہا ہوگا تو اس کو خبر نہ رہے گی کہ آیا وہ استغفار کر رہا ہے یا اپنے آپ کو گالیاں دے رہا ہے''۔ (مسلم)

تشریح: نعس: یہ نَعَس یَنْعَسُ (ف'ن) نیند کے مقدمات کو نُعاس کہتے ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ حاضرین کی بات تو سنے مگر اس کا معنی پورے طور پر نہ سمجھے۔

فلیرقد: نسائی میں فلینصرف ہے وہ لوٹ جائے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ سلام پھیر دے۔ نعاس یہ نوم کا سبب ہے۔ اس کی وجہ سے نماز کو قطع کرنے کا حکم ہے۔ مہلب نے اس کا مطلب لیا ہے کہ غلبہ نوم کی وجہ سے نماز قطع کرے۔ پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر اونگھ کم ہو تو قطع نہ کرے۔

وھو ناعس: پہلے لفظ ماضی لائے یہاں اسم فاعل لائے تاکہ خبردار کر دیں کہ معمولی اونگھ کافی نہیں بلکہ اونگھ اس قدر ہو کہ وہ جو

خود کہتا ہو اس کو سمجھ میں نہ آتا ہو اور جو پڑھتا ہو وہ اس کو معلوم نہ ہوتا ہو۔

دونوں جملوں کا فرق: اذا نعس احدکم وھو یصلی اس جملے کا مقصد غلبہ نعاس کو ظاہر کرنا ہے نہ کہ نماز کو کیونکہ سونے کا حکم دینے کی علت یہی ہے اور اس ترکیب میں مقصود اصلی یہی ہے۔ ② صلی وھو ناعس اس جملے میں صلاۃ مقصود ہے نہ کہ اونگھ کیونکہ استغفار کی علت نماز ہی ہے پس وہی ترکیب میں مقصود ہے گویا تقدیر کلام یہ ہے۔ اذا صلی احدکم وھو ناعس یستغفر۔

یذھب یستغفر: یعنی استغفار کرنے کا قصد رکھتا ہو۔

فیسب نفسہ: وہ اپنے نفس کو بددعا دے رہا ہو۔

النحو: اگر مرفوع ہو تو یستغفرہ پر عطف ہے۔ ② نصب کی صورت میں لعل کا جواب ہے۔

عارف باللہ ابو جمرہ نے علت ممانعت ساعت اجابت کو قرار دیا۔ لعل کی ترجی کا تعلق نمازی سے ہے متکلم بہ سے نہیں۔ یعنی وہ نہیں جانتا کہ آیا وہ استغفار کر رہا ہے یا گالی دے رہا ہے حالانکہ وہ تو استغفار کا امیدوار ہے اور فی الواقع اس کا الٹ ہے یعنی اسے تو معلوم ہی نہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

طیبی کہتے ہیں نصب اولیٰ ہے کیونکہ معنی اس طرح ہے شاید کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی مغفرت طلب کر رہا ہے تا کہ وہ پاک ہو جائے پھر وہ ایسی کلام کر رہا ہے جو گناہ لاتی اور نافرمانی پر نافرمانی بڑھاتی ہے تو گویا وہ اپنے کو خود گالی دے رہا ہے۔

لا یدری کا مفعول محذوف ہے یعنی لا یدری ما یفعل: اس کا مابعد جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ فیسب کی فاسببیہ ہے جیسے اس آیت میں ﴿فالتقطہ آل فرعون لیکون لھم عدوًا﴾ (متفق علیہ)

تخریج: أخرجه مالك في موطئه (٢٥٩) وأحمد (١٠/٢٥٧١٩) والبخاري (٢١٢) و مسلم (٧٨٦) وأبو داود (١٣١٠) والترمذي (٣٥٥) والنسائي ١٦٢) و ابن ماجه (١٣٧٠) و عبد الرزاق (٤٢٢٢) والدارمي (٣٢١/١) والحميدي (١٨٥) وابن حبان (٢٥٨٣) وأبو عوانة (٢٩٧/٢) والبيهقي (١٦/٣)

الفوائد: تمام کاموں میں میانہ روی اختیار کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿و کذلک جعلنا کم امة وسطًا ......﴾

۱۴۸ : وَعَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : كُنْتُ اُصَلِّیْ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ الصَّلَوَاتِ فَكَانَتْ صَلَاتُهٗ قَصْدًا وَخُطْبَتُهٗ قَصْدًا ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

قَوْلُهٗ : "قَصْدًا" : اَیْ بَیْنَ الطُّوْلِ وَالْقِصَرِ۔

۱۴۸: حضرت ابو عبد اللہ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچ نمازیں ادا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز درمیانی ہوتی تھی اور آپ ﷺ کا خطبہ بھی درمیانہ۔ (مسلم)

قَصْدًا۔ درمیانہ نہ لمبا نہ مختصر۔

تشریح ❁ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبد اللہ یا ابو خالد ہے۔ السوائی لقب ہے۔ ہوازن قبیلہ سے ہیں جو معد بن عدنان کی اولاد ہے یہ اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں۔ ان کی مرویات ۱۴۶ ہیں۔ ۲ متفق علیہ اور ۲۳ میں مسلم منفرد ہیں۔

۶۶ھ میں وفات ہوئی۔

كنت اصلى مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں والله لقد صلّيت مع رسول الله عليه وسلم اكثر من الفى صلاة۔ قصداً یعنی آپ نماز کے مکملات ومسکونات کو بلا طول وقصر ادا کرتے۔خطبہ قصداً یعنی جمعہ وغیرہ کا خطبہ بھی درمیانہ ہونا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع الکلم ملے تھے۔بہت سے معانی کو مختصر مگر جامع وسہل الفاظ میں جمع فرماتے۔(مسلم) قصداً جونہ طویل ہو نہ نہایت درجہ قصیر۔

تخریج: أخرجه مسلم (٨٦٦)

۱۴۹ : وَعَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ وَهْبِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :اٰخَی النَّبِیُّ ﷺ بَیْنَ سَلْمَانَ وَاَبِی الدَّرْدَآءِ فَزَارَ سَلْمَانُ اَبَا الدَّرْدَآءِ فَرَاٰی اُمَّ الدَّرْدَآءِ مُتَبَذِّلَةً فَقَالَ :مَا شَاْنُكِ؟ قَالَتْ : اَخُوْكَ اَبُو الدَّرْدَآءِ لَیْسَ لَهٗ حَاجَةٌ فِی الدُّنْیَا فَجَآءَ اَبُو الدَّرْدَآءِ فَصَنَعَ لَهٗ طَعَامًا فَقَالَ لَهٗ :كُلْ فَاِنِّیْ صَائِمٌ قَالَ :مَا اَنَا بِاٰكِلٍ حَتّٰی تَاْكُلَ فَاَكَلَ فَلَمَّا كَانَ اللَّیْلُ ذَهَبَ اَبُو الدَّرْدَآءِ یَقُوْمُ فَقَالَ لَهٗ :نَمْ فَنَامَ ثُمَّ ذَهَبَ یَقُوْمُ فَقَالَ لَهٗ نَمْ فَلَمَّا كَانَ اٰخِرُ اللَّیْلِ قَالَ سَلْمَانُ :قُمِ الْاٰنَ فَصَلَّیَا جَمِیْعًا فَقَالَ لَهٗ سَلْمَانُ :اِنَّ لِرَبِّكَ عَلَیْكَ حَقًّا ، وَاِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَیْكَ حَقًّا ، وَلِاَهْلِكَ عَلَیْكَ حَقًّا ، فَاَعْطِ كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ ، فَاَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ "صَدَقَ سَلْمَانُ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۱۴۹: حضرت ابوجحیفہ وہب بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے سلمان وابودرداء کو بھائی بنایا تھا۔حضرت سلمان نے ایک دن حضرت ابودرداء سے ملاقات کی اور یہ دیکھا کہ ام درداء میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس ہیں۔سلمانؓ سے کہا تمہیں کیا ہو گیا؟ تو ام درداء نے کہا کہ تمہارا بھائی تو دنیا سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ابودرداء آئے تو ام درداء نے ان کے لئے کھانا تیار کیا۔جب ان کو کہا گیا کہ کھانا کھاؤ تو ابودرداء نے کہا میں تو روزہ سے ہوں۔سلمان نے کہا میں اس وقت تک نہیں کھا سکتا جب تک تم نہ کھاؤ۔چنانچہ انہوں نے کھانا کھالیا۔جب رات ہوئی تو ابودرداء قیام کے لئے تیار ہوئے۔سلمان نے ان کو کہا تم سو جاؤ وہ سو گئے پھر وہ اٹھنے لگے تو سلمان نے کہا تم سو جاؤ۔جب رات کا پچھلا حصہ ہوا تو سلمان نے کہا اب اٹھ جاؤ اور نماز ادا کرو۔پھر دونوں نے نماز ادا کی۔پس سلمان نے ان کو کہا بے شک تمہارے ربّ کا تم پر حق ہے اور تمہاری ذات کا تم پر حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا تم پر حق ہے۔ہر حق والے کو اس کا حق ادا کرو۔پھر وہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات کا تذکرہ کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا:''سلمان نے سچ کہا''۔(بخاری)

تشریح ابو جحیفه: وہب بن عبداللہ ② دوسرا قول ابن وہب السوائی۔یہ ان کے خاندان بڑے سواءۃ بن عامر کی طرف نسبت ہے۔انہوں نے ۴۵ احادیث روایت کی ہیں جن میں ۲ میں بخاری ومسلم کا اتفاق ہے۔۲ میں بخاری ۳ میں مسلم

منفرد ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت یہ بلوغت کو نہ پہنچے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کی عزت کرتے اور ان سے محبت کرتے تھے اوران پر اعتماد رکھتے تھے ان کو کوفہ کے بیت المال کا نگران بنایا۔ یہ کوفہ میں اترے پھر وہاں اقامت اختیار کی۔ وہاں ۳۷ھ میں وفات پائی۔

آخی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: یہ معاہدہ مواخات ایک دوسرے کی مدد اور دینی امور میں معاونت کے لئے تھا۔ سلمان اور ابوالدرداء عویمر انصاری میں بھائی چارہ تھا۔ یہ مدینہ پہنچنے کے ۵ ماہ بعد معاہدہ کیا گیا۔ جبکہ مسجد نبوی کی تعمیر کی گئی۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ سلمان تو احد کے بعد اسلام لائے اور سب سے پہلے یہ غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ مگر اس کا جواب یہ ہے وہ معاہدہ اخوت کی ابتداء تھی پھر جو جو اسلام لاتا ان میں مواخات کرا دیتے۔ یہ لازم نہیں کہ مواخات صرف ایک ہی مرتبہ ہوئی ہو۔

ام الدرداء: الکبریٰ ان کا نام خیرہ بنت حدرد ہے یہ صحابیہ بنت صحابی ہیں ان کی وفات ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے پہلے ہوگئی۔
مبتذلہ: محنت و مزدوری کے کپڑے پہننے والی تھیں مطلب یہ ہے کہ زینت کا لباس چھوڑنے والی تھیں۔ **کشمھینی** کہتے ہیں معنی ایک ہے۔ **فقال لھا ما شأنك:** ترمذی کی روایت میں ام الدرداء متبذلہ کے الفاظ زائد ہیں۔ **فی الدنیا:** دارقطنی کی روایت میں: **فی نساء الدنیا** اور ابن خزیمہ میں **یصوم النھار و یقوم اللیل** کے الفاظ زائد ہیں یعنی ابودرداء رضی اللہ عنہ کو دنیا میں عورتوں کی حاجت نہیں وہ دن کو روزہ اور رات کو قیام کرتا ہے۔

له طعامًا: بطور مہمانی و اکرام کے کھانا تیار کیا۔ **فقال له:** انہوں نے کھانا پیش کئے جانے کے بعد سلمان کو کہا **کل انی صائم** تم کھاؤ میں روزہ سے ہوں۔ سلمان نے کہا جب تک تم نہ کھاؤ میں نہ کھاؤں گا۔ ان کا مقصد ابودرداء رضی اللہ عنہ کو اس رائے سے پھیرنا اور ان کی بیوی کی شکایت کا ازالہ کرنا تھا۔ **فاکل:** ابودرداء رضی اللہ عنہ نے اکراماً کھا لیا۔ پس ان کا افطار عذر کی وجہ سے تھا جس پر ان کو ثواب ملے گا۔ **فلما کان اللیل** ابن خزیمہ کی روایت میں **ثم بات عندہ فلما کان اللیل** پھر وہ رات ان کے ہاں مقیم رہے۔ جب رات کا اول حصہ گزر گیا تو ابودرداء قیام کرنے لگے۔ سلمان نے کہا نم...... **آخر اللیل** جب سحر کا وقت ہوا۔ ابن خزیمہ ترمذی کی روایت میں **فلما کان عند الصبح** اور دارقطنی میں **فلما کان فی وجه الصبح**۔ جب صبح کا وقت قریب ہوا۔ **قال سلمان...... فصلیا** دونوں نے نماز پڑھی۔ طبرانی میں **فقاما فتوضاء ثم رکعا ثم خرجا الی الصلاۃ** دونوں اٹھے وضو کیا پھر نماز نفل پڑھی۔ پھر نماز صبح کے لئے نکل کر گئے۔ **قال سلیمان:** سلیمان نے میانہ روی کی حکمت اور عبادت میں غلو چھوڑنے کی حکمت بتلائی۔ **علیك حقا:** تیرے رب کا عبادت والا حکم ہے۔ **لنفسك:** تیرے نفس کا حق ہے وہ کھانا ہے جس سے تو نفس کی قوت اور نیند کو قائم رکھے گا جس سے جسم کی صحت ہے۔ **لاھلك:** بیوی کا حق زوجیت ہے۔ ترمذی، ابن خزیمہ نے **ولضیفك علیك حقا** اور دارقطنی نے **فصم و افطر و صلّ و نم و اٰتِ اھلك** کے الفاظ ذکر کئے یہ یہاں تفسیر کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ تیرے مہمان کا تجھ پر حق ہے۔ پس تو روزہ رکھ اور افطار کر، نماز پڑھ اور سو اور اپنے اہل کا حق زوجیت ادا کر۔ **فاعط کل ذی......** ہر حق والے کو اس کا حق دو۔ **فاتی:** ابودرداء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ ترمذی میں **فاتیا** کے الفاظ ہیں اور دارقطنی **ثم خرجا الی الصلاۃ۔ فدنا ابو الدرداء لیخبر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالذی قال له سلمان۔ فقال له یا ابا الدرداء ان لجدك علیك حقًا** یعنی دونوں آئے آپ نے اطلاع

سے پہلے فرمایا تیرے جسم کا تم پر حق ہے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہوا۔ اس طرح دونوں روایتیں جمع ہوسکتی ہیں۔ وحی کے ذریعہ آپ ﷺ کو اطلاع ملی ہو۔ پھر ابوالدرداء نے کھول کر بتلایا ہو۔ صدق سلمان طبرانی کی مرسل روایت میں ہے کہ کان ابو الدرداء یحیی لیلة الجمعه ویصوم یومها فاتاه سلمان یہ وہ جمعہ کی تمام رات جاگتے اور دن کو روزہ رکھتے پس سلمان ان کے ہاں آئے پھر واقعہ نقل کیا آخر میں پھر اضافہ یہ ہے۔ آپ نے فرمایا: اے عویمر سلمان تم سے بڑا فقیہ ہے۔ ابونعیم کی روایت میں لقد اوتی سلمان علمًا سلمان کو بڑا علم ملا ہے۔ ابن حجر اس تشریح کے بعد کہتے ہیں۔

فوائد حدیث میں کئی فوائد ہیں ① اللہ تعالیٰ کی خاطر مواخذہ جائز ہے۔ ② دوستوں کی ملاقات کرنی چاہئے۔ ③ ان کے ہاں رات کو ٹھہرنا بھی چاہئے۔ ④ ضرورت کے وقت اجنبیہ سے کلام جائز ہے۔ ⑤ مسلمان کو نصیحت اور غفلت پر متنبہ کرنا چاہئے۔ ⑥ آخر لیل کا قیام افضل عبادت ہے۔ ⑦ جب مستحبات سے اکتاہٹ میں ابتلاء کا خطرہ ہو تو ان سے روک دینا چاہئے۔ جبکہ واجب و مستحب حقوق تلف ہوتے ہوں۔ ⑧ ان افعال کا کرنا بطور استحباب ہی ہے۔ اور ممانعت کا تعلق ان سے ہے جو ظلم و عدوان کے طور پر روکے۔ عبادت میں نفس پر اسی قدر بوجھ ڈالنا چاہئے جس قدر وہ طاقت رکھتا ہو۔ ⑩ نفلی روزے کو ضرورت کے وقت افطار کیا جاسکتا ہے۔

تخریج: أخرجه البخاری (١٩٦٨) والترمذی (٢٤٢١) وابن حبان (٣٢٠) والبیهقی (٢٨٦/٤)

الفرائد: ① اللہ تعالیٰ کی خاطر مواخات مشروع ہے۔ ② ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی یہ ہے کہ اسے غفلت سے بیدار کیا جائے۔ ③ رات کا آخری حصہ فضیلت والا ہے۔ ④ عبادت میں نفس پر زیادہ بوجھ نہ لادنا چاہئے۔

١٥٠ : وَعَنْ اَبِیْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ اُخْبِرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنِّیْ اَقُوْلُ : وَ اللّٰهِ لَاَصُوْمَنَّ النَّهَارَ ، وَلَاَقُوْمَنَّ اللَّیْلَ مَا عِشْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :اَنْتَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ذٰلِكَ؟ فَقُلْتُ لَهٗ :قَدْ قُلْتُهٗ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ :فَاِنَّكَ لَا تَسْتَطِیْعُ ذٰلِكَ فَصُمْ وَاَفْطِرْ ، وَنَمْ وَقُمْ ، وَصُمْ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ فَاِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَذٰلِكَ مِثْلُ صِیَامِ الدَّهْرِ – قُلْتُ :فَاِنِّیْ اُطِیْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ :فَصُمْ یَوْمًا وَّاَفْطِرْ یَوْمَیْنِ قُلْتُ :فَاِنِّیْ اُطِیْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ :فَصُمْ یَوْمًا وَّاَفْطِرْ یَوْمًا فَذٰلِكَ صِیَامُ دَاوٗدَ ﷺ وَهُوَ اَعْدَلُ الصِّیَامِ وَفِیْ رِوَایَةٍ :"هُوَ اَفْضَلُ الصِّیَامِ فَقُلْتُ :فَاِنِّیْ اُطِیْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :"لَا اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاَنْ اَكُوْنَ قَبِلْتُ الثَّلَاثَةَ الْاَیَّامَ الَّتِیْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَهْلِیْ وَمَالِیْ" وَفِیْ رِوَایَةٍ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّیْلَ؟ قُلْتُ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ :فَلَا تَفْعَلْ : صُمْ وَاَفْطِرْ ، وَنَمْ وَقُمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَیْكَ حَقًّا ، وَاِنَّ لِعَیْنَیْكَ عَلَیْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِكَ

عَلَيْكَ حَقًّا ، وَاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ، وَاِنَّ بِحَسْبِكَ اَنْ تَصُوْمَ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَاِنَّ لَكَ بِكُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرُ اَمْثَالِهَا فَاِذَنْ ذٰلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ" فَشَدَّدْتُّ فَشُدِّدَ عَلٰى قُلْتُ :يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَجِدُ قُوَّةً قَالَ :صُمْ صِيَامَ نَبِيِّ اللّٰهِ دَاوٗدَ وَلَا تَزِدْ عَلَيْهِ" قُلْتُ :وَمَا كَانَ صِيَامُ دَاوٗد؟ قَالَ :"نِصْفُ الدهر" فَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَقُوْلُ بَعْدَ مَا كَبِرَ يَا لَيْتَنِيْ قَبِلْتُ رُخْصَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَفِيْ رِوَايَةٍ :"اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ الدَّهْرَ وَتَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ كُلَّ لَيْلَةٍ" فَقُلْتُ :بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَمْ اُرِدْ بِذٰلِكَ اِلَّا الْخَيْرَ قَالَ :فَصُمْ صَوْمَ نَبِيِّ اللّٰهِ دَاوٗدَ ، فَاِنَّهٗ كَانَ اَعْبَدَ النَّاسِ ، وَاقْرَءِ الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ قُلْتُ :يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ؟ قَالَ : فَاقْرَاْهُ فِيْ كُلِّ عِشْرِيْنَ" قُلْتُ :يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ؟ قَالَ :فَاقْرَاْهُ فِيْ كُلِّ عَشْرٍ " قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ؟ قَالَ :فَاقْرَاْهُ فِيْ كُلِّ سَبْعٍ وَّلَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ فَشَدَّدْتُّ فَشُدِّدَ عَلَيَّ وَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّكَ يَطُوْلُ بِكَ عُمْرٌ قَالَ :فَصِرْتُ اِلَى الَّذِيْ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَلَمَّا كَبِرْتُ وَدِدْتُّ اَنِّيْ كُنْتُ قَبِلْتُ رُخْصَةَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَفِيْ رِوَايَةٍ "وَاِنَّ لِوَلَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا" وَفِيْ رِوَايَةٍ :"لَا صَامَ مَنْ صَامَ الْاَبَدَ" ثَلَاثًا - وَفِيْ رِوَايَةٍ "اَحَبُّ الصِّيَامِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى صِيَامُ دَاوٗدَ وَاَحَبُّ الصَّلٰوةِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى صَلٰوةُ دَاوٗدَ :كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُوْمُ ثُلُثَهٗ وَيَنَامُ سُدُسَهٗ ، وَكَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا وَّيُفْطِرُ يَوْمًا ، وَلَا يَفِرُّ اِذَا لَاقٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ :اَنْكَحَنِيْ اَبِيْ امْرَاَةً ذَاتَ حَسَبٍ وَّكَانَ يَتَعَاهَدُ كِنَّتَهٗ "اَيِ امْرَاَةَ وَلَدِهٖ" فَيَسْاَلُهَا عَنْ بَعْلِهَا فَتَقُوْلُ لَهٗ : نِعْمَ الرَّجُلُ مِنْ رَّجُلٍ لَمْ يَطَاْلَنَا فِرَاشًا وَّلَمْ يُفَتِّشْ لَنَا كَنَفًا مُنْذُ اَتَيْنَاهُ- فَلَمَّا طَالَ ذٰلِكَ عَلَيْهِ ذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَقَالَ : "اَلْقِنِيْ بِهٖ" فَلَقِيْتُهٗ بَعْدُ فَقَالَ: "كَيْفَ تَصُوْمُ؟" قُلْتُ : كُلَّ يَوْمٍ قَالَ: "وَكَيْفَ تَخْتِمُ؟ قُلْتُ : كُلَّ لَيْلَةٍ وَذَكَرَ نَحْوَ مَا سَبَقَ - وَكَانَ يَقْرَاُ عَلٰى بَعْضِ اَهْلِهِ السُّبُعَ الَّذِيْ يَقْرَؤُهٗ يَعْرِضُهٗ مِنَ النَّهَارِ لِيَكُوْنَ اَخَفَّ عَلَيْهِ بِاللَّيْلِ وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّتَقَوّٰى اَفْطَرَ اَيَّامًا وَّاَحْصٰى وَصَامَ مِثْلَهُنَّ كَرَاهِيَةَ اَنْ يَّتْرُكَ شَيْئًا فَارَقَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- كُلُّ هٰذِهِ الرِّوَايَاتُ صَحِيْحَةٌ مُعْظَمُهَا فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَقَلِيْلٌ مِّنْهَا فِيْ اَحَدِهِمَا-

۱۵۰: حضرت ابومحمد عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کو میرے متعلق بتلایا گیا کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ کی قسم! میں دن کو روزہ رکھوں گا اور جب تک زندہ رہوں گا رات کو قیام کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: "تم نے یہ باتیں کہی ہیں؟" میں نے آپؐ سے عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں یقیناً یہ

باتیں میں نے کہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم ان کی طاقت نہ رکھ سکو گے۔ اس لئے تم کبھی روزہ رکھو اور کبھی چھوڑ و۔ اسی طرح سو جاؤ اور کچھ قیام کرو اور مہینے میں تین دن روزے رکھو اس لئے کہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ہے پس یہ روزے ہمیشہ روزہ رکھنے کی طرح ہو جائیں گے''۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم ایک دن روزہ رکھا کرو اور دو دن افطار کیا کرو''۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''پھر ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو۔ یہ داؤدؑ کے روزے ہیں اور یہ سب سے زیادہ معتدل روزے ہیں'' اور ایک روایت میں ہے ''یہ افضل ترین روزے ہیں''۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اس سے زیادہ کوئی افضل نہیں''۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ کاش میں نے ہر ماہ میں تین دن کے روزے قبول کر لئے ہوتے جو آپؐ نے فرمائے تھے۔ تو یہ مجھے اہل وعیال اور مال سے زیادہ محبوب تھا اور ایک روایت میں ہے کہ کیا مجھے یہ نہیں بتلایا گیا کہ ''تم دن کو روزہ رکھتے اور رات کو نوافل پڑھتے ہو؟'' میں نے عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ نے فرمایا: ''اس طرح مت کرو۔ روزہ رکھ اور افطار کر۔ سو اور قیام کر کیونکہ تیرے جسم کا تم پر حق ہے۔ تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے۔ تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔ تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے۔ تمہارے لئے یہ کافی ہے کہ تم ہر ماہ میں تین دن کے روزے رکھو۔ پس تمہیں ہر نیکی کا بدلہ دس گنا ملے گا۔ چنانچہ یہ ہمیشہ کے روزے ہوں گئے''۔ میں نے سختی کی تو مجھ پر سختی کر دی گئی۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم اللہ کے پیغمبر داؤد کے روزے رکھو اور اس پر اضافہ مت کرو''۔ میں نے عرض کیا وہ داؤد کے روزے کیا ہیں؟ تو ارشاد فرمایا: ''آدھی زندگی''۔ حضرت عبداللہ بڑھاپے میں کہا کرتے تھے کاش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کو قبول کر لیتا اور ایک روایت میں ہے کہ ''مجھے یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور ہر رات کو ایک قرآن پڑھتے ہو؟'' میں نے عرض کیا جی ہاں۔ یارسول اللہؐ! میں نے اس سے بھلائی ہی کا ارادہ کیا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تو اللہ کے پیغمبر داؤد کے روزے رکھ۔ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے اور ہر ماہ میں ایک قرآن پڑھ''۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے پیغمبرؐ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپؐ نے فرمایا: ''بیس دن میں ایک قرآن پڑھو''۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''ہر دس دن میں ایک قرآن پڑھو''۔ میں نے گزارش کی یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس سے افضل کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ''ہر سات دن میں ایک قرآن پڑھو اور اس پر اضافہ مت کرو''۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں میں نے سختی کی مجھ پر سختی کر دی گئی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تمہیں کیا معلوم کہ شاید تیری عمر طویل ہو''۔ چنانچہ اب میں اس عمر کو پہنچ گیا جو آپؐ نے فرمائی تھی۔ اب جبکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں تو میں چاہتا ہوں کہ کاش میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کو قبول کر لیا ہوتا اور ایک روایت میں ہے: ''تمہاری اولاد کا تم پر حق ہے'' اور ایک روایت میں ہے کہ ''اس کا روزہ نہیں جس نے ہمیشہ روزہ رکھا''۔ یہ تین مرتبہ فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب داؤد کے روزے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو تمام نمازوں میں محبوب ترین نماز داؤد کی ہے۔ وہ آدھی رات سوتے اور رات کا تیسرا حصہ قیام فرماتے اور چھٹا حصہ آرام فرماتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور جب

دشمن سے سامنا ہوتا تو نہ بھاگتے اور ایک روایت میں ہے کہ میرے والد نے میرا نکاح ایک خاندانی عورت سے کر دیا اور میرے والد اپنی بہو کا بہت خیال کرتے تھے اور اس سے اس کے خاوند کے متعلق پوچھتے رہتے تھے تو وہ ان کو کہتی وہ آدمیوں میں اچھے آدمی ہیں۔ انہوں نے ہمارا بستر نہیں روندا اور ہمارے پردے والی چیز کو نہیں ٹٹولا جب سے ہم اس کے ہاں آئے ہیں۔ جب اس بات کا تذکرہ بہت مرتبہ ہو چکا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں اس کا تذکرہ کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اس کو مجھ سے ملواؤ''۔ چنانچہ اس کے بعد میں آپؐ کو ملا تو آپؐ نے فرمایا: ''تم کیسے روزہ رکھتے ہو؟''۔ میں نے عرض کیا ہر روز۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم قرآن مجید کیسے ختم کرتے ہو؟''۔ میں نے عرض کیا ہر رات اور اسی طرح ذکر کیا جیسے پہلے گزرا۔ حضرت عبداللہ اپنے بعض گھر والوں کو قرآن کا وہ حصہ دن میں سناتے جو رات کو تلاوت کرتے تاکہ رات کو پڑھنا آسان ہو جائے اور جب قوت حاصل کرنا چاہتے تو کئی روز روزہ چھوڑ دیتے اور ان کو شمار کر لیتے اور پھر اتنے روزے بعد میں رکھ لیتے کیونکہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ کوئی چیز ان میں سے رہ جائے (جس پر وہ پہلے سے عمل کرتے چلے آرہے ہیں) جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جدا ہوئے۔ یہ تمام روایات صحیحین کی ہیں ان میں کم حصہ کسی دوسری روایت سے لیا گیا ہے۔

تشریح ✿ **عمرو بن العاص**: اس میں العاصی اور العاص دونوں طرح کتب احادیث میں وارد ہے۔ حافظ کہتے ہیں اصل تو یا کا نہ ہوتا ہے۔ اس کا سقوط خواہ اجوف کی وجہ سے ہو یا تخفیف کی وجہ سے۔ اس کی جمع اعیاص آتی ہے اولاً قریش امیہ بن عبد شمس کو العاص اور ابوالعاص اور ابوالعیص کہا گیا۔ یہ عصی سے اسم فاعل نہیں بلکہ معتل العین ہے اس لئے یا کا وصل و وقف کسی صورت میں پڑھنا درست نہیں۔ یہ عصی سے اسم فاعل ہرگز نہیں۔

اُخبر۔ النهار اُخْبِرَ ماضی مجہول ہے۔ نہار سے ایام عید و تشریق کے علاوہ دن مراد ہیں۔ **الليل** سے تمام رات ہے۔ **ما عشت۔ ای مدة عيشي** یعنی پوری زندگی۔ ما مصدریہ ہے۔ **انت الذی** یہاں ہمزہ محذوف ہوگا اگر استفہام تقریری مانیں **أانت الذی**: الحدیث اور مشار الیہ لاصومن ہے۔

فانك لا تستطيع: ابن حجر کہتے ہیں: ① یہ احتمال ہے کہ تم تکلف سے اپنے نفس پر مشقت ڈال رہے ہو کہیں اس سے اہم تر عبادات فوت نہ ہو جائیں اور ہمیشگی نہ کر سکو۔ ② تم مستقبل میں اس کی طاقت نہ رکھ سکو گے کیونکہ بڑھاپا اور عجز کی عمر آرہی ہے۔ چنانچہ بڑھاپے میں یہ کہتے تھے کاش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کو قبول کر لیتا۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ وہ اپنے نفس پر کوئی ایسی چیز مقرر نہ کر لیں جس کو بعد میں نبھا نہ سکیں' دیگر مقامات پر آپ کی طرف سے اس کی مذمت کی گئی ہے۔

نم و قم تاکہ افطار و نیند سے روزے اور قیام پر قوت حاصل ہو سکے۔ اسی لئے افضل صیام داؤد علیہ السلام کے قرار دیئے گئے۔
صم من الشهر: یہ سابقہ اجمال کی تفصیل ہے یعنی تین دن کے روزے پورے مہینے کے روزے کے قائم مقام ہوں گے کیونکہ نیکی کا کم سے کم بدلہ دس گنا ہے۔ یہ حسنات میں دس گنا کا اضافہ اس امت کے ساتھ خاص ہے۔ ظاہر حدیث سے کوئی سے تین ایام سے یہ ثواب مل جائے گا۔ البتہ ان میں سے افضل کون سے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ **ذلك** کا مشار الیہ ہر ماہ میں تین دن کے روزے ہیں۔ **مثل صيام الدهر**: اصل ثواب میں ان کی مثل ہیں۔ صیام کے ساتھ جو مرتبہ میں اضافہ ہے وہ

الگ چیز ہے۔ یہ اس لئے قید لگائی تا کہ قلیل ثواب اور کثیر ثواب میں تمام اعتبار سے برابر ہونا لازم نہ آئے۔ قواعد شرع سے اس کا انکار کرتے ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں اس آدمی کو صائم الدھر مجازاً کہا جائے گا۔ **قلت انی اطیق افضل من ذلك** میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں یعنی میں تین دن سے زیادہ روزے کی طاقت رکھتا ہوں تا کہ اسپر زیادہ ثواب مرتب ہو کیونکہ میں اس کی طاقت رکھتا ہوں۔ کیونکہ مسلم کی روایت **انی اطیق اکثر من ذلك** اور بخاری **انی لاقویٰ من ذلك** اور مسلم کی دوسری روایت میں **اِنّ بی قوۃً** اور **انی اجدنی اقویٰ من ذلك** کے تمام الفاظ اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ **قال فصم یومًا وافطر یومین** قلقشندی کہتے ہیں اس کے بعض طرق میں اس سے پہلے یہ اضافہ ہے۔ **اما یکفیك من کل شھرٍ ثلاثه ایام؟** کیا ہر ماہ میں تین دن کافی نہیں۔

قلت یا رسول الله' قال خمسًا	میں نے عرض کیا یارسول اللہ	فرمایا پانچ دن کے
قلت یا رسول اللّٰه قال سبعًا	میں نے عرض کیا یارسول اللہ	فرمایا سات دن کے
قلت یا رسول اللّٰه قال تسعًا	میں نے عرض کیا یارسول اللہ	فرمایا نو دن کے
قلت یا رسول اللّٰه قال احد عشر	میں نے عرض کیا یارسول اللہ	فرمایا: گیارہ دن کے۔

قلت یا رسول الله فقال النبی صلی الله علیه وسلم لا صوم فوق صوم داؤد شطر الدھر صیام یوم داؤد افطار یوم میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے فرمایا داؤد کے روزوں سے افضل کوئی (نفلی) روزہ نہیں۔ آدھی عمر روزے ایک دن کا روزہ ایک دن کا افطار۔

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ اضافہ تدریجاً فرمایا گیا پس بعض رواۃ نے ذکر کیا بعض نے چھوڑ دیا۔

قلت فان اطیق..... اعدل الصیام کیونکہ افطار کے دن نفس قوت کی کمی کو پورا کرے گا جو روزے سے حاصل ہوئی۔ اس طرح عمل میں مداومت رہے گی۔ یہ اعدل کا لفظ مسلم کا ہے۔ بخاری کے الفاظ **افضل الصیام** ہیں یعنی صیام دہر سے یہ روزے افضل ہیں۔ متولی کا فتویٰ یہی ہے اس کا راز یہ ہے صیام دہر میں بسا اوقات مفروض حق فوت ہو جاتا ہے تو اس سے وہ روزہ حرام ہو گیا۔ یا کم از کم روزے سے بڑھ کر مستحب چھوٹ جاتا ہے اور اگر کوئی بھی فوت نہ ہو تو پھر عادت کی وجہ سے مشقت بھی نہیں ہوتی۔ جیسا ایک دن افطار اور ایک دن روزہ میں ہوتی ہے۔ تحفۃ القاری میں ہے اگر کسی کا افطار اثنین وخمسین میں آجائے جبکہ اس کی عادت ان دونوں دنوں میں روزے کی ہو کیا اس کو ان دونوں دنوں کے روزے کی فضیلت مل جائے گی؟ جواب یہ ہے کہ اس کو فضیلت مل جائے گی۔ کیونکہ اس نے صوم داؤد کی وجہ سے ان دنوں کے روزے کو چھوڑا ہے اور وہ روزہ افضل ہونے کی وجہ سے نقصان کا ازالہ بھی کردے گا۔

لا افضل من ذلك: متولی نے تو عبداللہ بن عمرو کے ساتھ اسے خاص مانا ہے۔ دوسرے کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ عبداللہ کے لئے تو ان سے افضل کوئی دوسروں کے لئے مسلسل روزے افضل ہیں کیونکہ وحی سے ان کی کمزوری کا حال معلوم ہو گیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے حمزہ بن عمرو کو مسلسل روزوں سے منع نہیں فرمایا اگر تمام لوگوں کے حق میں ایسا ہوتا تو اس کی بھی راہنمائی آپ فرماتے کیونکہ موقعہ بیان پر بیان نہ کرنا جائز نہیں۔

ابن حجر فرماتے ہیں: **لا افضل** میں مساوات کی نفی صراحۃً موجود نہیں۔ مگر عرض یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں احب

الصیام الی اللہ صیام داؤد کے الفاظ ہیں اور مسلم نے بھی نقل کئے ہیں۔اس کا مقتضی یہ ہے کہ روزہ میں اس پر اضافہ فضیلت میں بھی اضافہ کردے گا۔

قال عبداللہ: عبداللہ رخصت کے قبول کر لینے کی تمنا کرتے تھے جبکہ ضعف آ گیا اور التزام میں فرق کا خطرہ ہوا (مگر انہوں نے کمی نہ آنے دی)

النحو: الثلاثة الایام الایام پر عطف بیان یا بدل کی وجہ سے نصب ہے۔ جو درست نہیں جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اشارہ فرمایا اور نفس کے بقاء کے لئے اکتفاء کا ارشاد فرمایا۔ احب الی من اهلی و مالی ابن حجر فرماتے ہیں۔ تمنا اور عجز کے باوجود انہوں نے اس پر عمل ترک نہ کیا جس کو اپنے اوپر لازم کیا تھا بلکہ اس میں تخفیف کی ایک قسم اختیار کی جیسا ابن خزیمہ نے ذکر کیا۔ جب بوڑھے ہو گئے تو ان دنوں کا روزہ رکھتے اور ملا کر رکھتے جاتے پھر جتنے دن ملا کر رکھے ہوتے ان کی گنتی کے مطابق افطار کرتے تاکہ روزے پر قوت زیادہ ہو اور فرماتے اگر میں رخصت قبول کر لیتا تو یہ عدول رخصت سے زیادہ پسند تھا۔ لیکن میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب جدائی اختیار کی تو اس وقت میں ان پر عمل پیرا تھا اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ ولان اکون کا لفظ مسلم نے نقل کیا ہے۔

وفی روایۃ سے بخاری کی روایت مراد ہے۔ الم اُخبر ہر وہ دن جس میں روزہ رکھا جا سکتا ہو اور ہر وہ رات میں قیام کروں گا۔ مسلم میں یہ الفاظ ہیں: لم ارد بذلك الا الخیر میں نے خیر ہی کا ارادہ کیا ہے۔

قال لا تفعل یہ شفقت کے طور پر فرمایا۔ شاید عبادت کے نقل سے اکتاہٹ تک معاملہ پہنچ جائے بخلاف نرم معاملے کے کہ وہ دائمی رہتا ہے۔ وافطر...... حقاً بطور مہلت جسم کا حق یہ ہے کہ اس میں ایسی قوت رہنے پائے جس سے عمل میں دوام ہو اور عبادت میں نفس کو تھکانا یہ دوام کو منقطع کر دیتا ہے۔ جیسا لن شیاد والی روایت بتلاتی ہے۔ اس روایت میں عینك اور بقول کشمیہنی یہ تثنیہ کے ساتھ بھی ہے۔ آنکھ کا حق اتنی نیند جس سے بیداری کا زور ٹوٹ جائے۔ زوجہ کا حق اس کے جسم میں اتنی قوت باقی رہے جس سے جماع کر سکے۔ یہ عورت کا حق ہے اس کا مطالبہ کر سکتی ہے جب کسی کو عِنِّین پایا جائے تو مدت مقرر کر لی جائے اگر وہ ازالہ نہ کر سکے تو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔ مہمان کا حق اس کی خدمت ہے۔ اسکو مانوس کرنا۔ الزور کا معنی مہمان ہے اس میں مذکر و مونث' واحد و جمع تثنیہ برابر ہیں کیونکہ یہ مصدر اسم کی جگہ مستعمل ہے مثلاً قوم صوم اور یہ بھی ممکن ہے کہ زائر کی جمع ہو۔ اِنْ بِحَسْبِكَ...... صوم الدھر حسبک کا معنی تیرے لئے کافی ہے۔

النحو: فاذاً یا ان کے جواب میں تنوین ہے خواہ تقدیراً ہی ہو۔ تین دن سے ہر مہینے کے تین دن مراد ہیں۔ صوم الدھر اصل ثواب کے لحاظ سے فرمایا گیا ہے۔ شیخ زکریا نے فرمایا تقدیر عبارت یہ ہے اگر تو ہر مہینہ میں تین روزے رکھ لے گا تو دس گنا بدلہ مل جائے گا۔ فشددت میں نے رخصت کو قبول نہ کر کے اپنے اوپر سختی کی۔ فشُدِّد پس سختی کر دی گئی۔ اجد قوۃ میں ایسی طاقت پاتا ہوں جو تین دن سے زیادہ روزے کو برداشت کر سکتی ہے۔ لا تزد علیه اس پر اضافہ نہ کرو کیونکہ یہ بڑی فضیلت والے ہیں۔

وما کان صیام داؤد ما یہ کان کی خبر ہے اور اسم استفہام کی وجہ سے شروع میں لائے۔ صیام داؤد اسم کان ہے۔ ان کو نصف الدھر بطور تقریب فرمایا۔ صیام ممنوعہ مستثنیٰ ہیں۔ فکان عبداللہ بڑی عمر کی وجہ سے عمل میں مشقت ہوئی مگر چھوڑنا پسند نہ

کیا۔ رخصة النبی صلی اللہ علیه وسلم سے مراد تین دن کے روزے ہیں۔ فی روایة اس سے مسلم کی روایت مراد ہے۔ اس میں الم اُخبر: مجہول ہے۔ تقر القرآن سے مکمل ختم کرنا مراد ہے۔ ملی یا رسول کا مطلب یہ ہے کہ میں وہ کرتا ہوں جس کی مجھے خبر دی گئی۔ یہ مطلب نہیں کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی اطلاع مل گئی ہے۔ بذلك کا مشار الیہ پے در پے روز قیام ہے۔ الا الخیر سے اللہ تعالیٰ کا ثواب یا حق عبودیت الوہیت کے لئے قیام۔ قال ایک نسخہ میں قیل فصم صوم داؤد اور یہ اضافہ بھی ہے: بحسبك ان تصوم من كل شهرٍ ثلاثه ايام' قلت يا رسول الله انى اطيق افضل من ذلك' قال فان لزوجك عليك حقا' ولزوجك عليك حقيا' ولجسدك عليك حقًا قال فصم صوم...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ سب سے زیادہ عبادت والے تھے۔ اس سے ان کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونا بھی لازم نہیں آتا کیونکہ تفضیل موہبت الٰہیہ ہے۔ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حصہ سابقہ روایت کی وجہ سے حذف کر دیا۔ اقرء القرآن سے تہجد میں ایک ماہ میں ختم کرنا ہے۔ جب افضل کا ذکر کیا تو آپ نے بیس راتوں میں ختم کی اجازت دی۔ جب افضل کا مطالبہ کیا تو دس راتوں میں پھر آپ نے سات تک کی اجازت فرمائی۔ یہ اس آدمی کی حالت پر محمول ہے جو اور اشتغالات بھی رکھتا ہو یا معانی قرآن میں تامل والا ہو۔ قال۔ انك لا تدری...... یہ اخبار بالغیب ہے جو کہ معجزۂ نبوت ہے کہ لمبی عمر پانے سے قیام سے شاید عاجز آ جاؤ۔ رخصة النبی صلی اللہ علیه وسلم سے صیام و قیام دونوں میں تخفیف والی رخصت مراد ہے۔

فی روایه: اس سے مسلم کی روایت مراد ہے۔ ان لولدك عليك حقا وہ حق اولاد کے لئے کمانا اور ان پر خرچ کرنا ہے۔ وَلَدٌ: اگر مفرد ہو تو دونوں منصوب اور اگر وَلْدٌ ہو تو واؤ پر ضمہ سے جمع ہوگا۔

فی روایة: بخاری و مسلم کی روایت مراد ہے۔ لا صام من صام الابد: ① ممکن یہ جملہ دعائیہ ہو۔ ② بعض نے کہا حقیقت مراد ہے۔ سارے سال کے روزے رکھنے والا اور ایام ممنوعہ میں افطار نہ کرنے والا مراد ہے۔ ③ اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے روزے کی وجہ سے اپنے کو مشقت میں ڈالا گویا یہ ممانعت عبداللہ کو فرمائی اور آخری عمر میں وہ شدید کمزور بھی ہو گئے مگر حمزہ بن عمرو اسلمی کو اجازت دی۔ (شرح مسلم)

④ یہ اطلاع ہے کہ اس نے روزہ نہ رکھا یعنی اس نے روزے کی وہ مشقت نہ پائی جو دوسرے پاتے ہیں۔ مگر طیبی نے کہا یہ سیاق روایت کے خلاف ہے کہ پہلے ان کو صیام دہر سے منع کر کے پھر تین دن کے روزوں پر آمادہ کیا۔ پھر صیام داؤد پر؟ بہتر یہ ہے کہ امر شرع کی پیروی نہ کرنے والے کے متعلق اس کو خبر مانا جائے۔ ثلاثا: یہ بات تین مرتبہ اس لئے دہرائی تاکہ عبداللہ صیام دہر کو ترک کر دیں کیونکہ وحی سے ان کا مآل معلوم ہو چکا تھا۔

وفی روایة: یہ بخاری و مسلم و احمد کی روایت ہے۔ احب الصیام جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ یہ احب کا محبوب کے معنی میں استعمال قلیل ہے۔ کیونکہ اسم تفضیل کا اکثر استعمال فاعل کے فعل کے لئے ہوتا ہے اور جو محبت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس سے مراد کرنے والے کے لئے ارادۂ خیر یا کثرت ثواب مراد ہے۔

صلاة داؤد سے مراد اوقات قیام للصلاۃ ہے کیونکہ دوسری روایت میں احب القیام قیام داؤد کے الفاظ وارد ہیں۔ نصف اللیل تاکہ بدن کو دن کے کاموں کی تھکاوٹ سے آرام دیں۔ ثُلُثَه سے مراد تجلیات الٰہی کا وقت جب هل من مستغفرٍ کا

اعلان ہوتا ہے۔نیام سُدُسَه: قیام کی تھکاوٹ سے سکون مل جائے۔اس سے معلوم ہوتا ہے بیضاوی نے سورۂ ص میں قیام داوٗد کونصب لیل کہااس کا مطلب قیام کی ابتداء ہے کل مدت مراد نہیں ہے۔

یفطر یومًا تا کہ غذا سے ضعف صوم کا ازالہ ہو۔اس کے احب ہونے کی وجہ یہی ہے کہ نفس کو سہولت دی اور عبادت پر بھی مداومت ہوگئی۔قوئ نفس کی بقاء کے ساتھ ساتھ اداء عبادات اور مجاہد مع کفار کا موقعہ بھی مل گیا۔

کانَ لا یفراذ الاقٰی نفس کی قوت کو محفوظ رکھنے کی وجہ سے فرار نہ تھا۔نسائی کے الفاظ زائد ہیں: و اذا وعدلم یخلف حافظ نے اس کو دوسروں کے متعلق خیال کیا ہے اس مقام سے مناسبت یہ ہے کہ ممانعت اس لئے فرمائی تا کہ جس کو وہ بطور التزام اختیار کررہے ہیں اس سے عاجز نہ رہ جائیں۔التزام کی خلاف ورزی وعدہ خلافی جیسی ہے۔وفی روایة اس سے بخاری کی روایت مراد ہے۔بخاری نے تفسیر میں نقل کیا ذات حسب سے مراد آبائی شرف والی۔یا اچھے افعال اور اچھے خاندان والی۔ الکنته سے یہاں بیٹے کی بیوی مراد ہے۔لغت میں بہو اور بھابی دونوں مراد ہوتی ہیں۔بعل خاوند۔فتقول له ثناء وشکر میں تعریض شکایت کی نعم الرجل۔ لم یطألنا فراشا بستر میں اس کے ساتھ سونا۔ولم یفتش یہ امتناع جماع سے کنایہ ہے۔ کنف سے مراد عدم قرب ہے۔فلما طال ذلك عدیه شروع میں اس عورت کی اس میں رضا محسوس کی مگر بار بار دہرانے سے معلوم کرلیا کہ لڑکے سے متعلق بات ہے۔

فقال الْقِنِی به فتح الباری میں ہے کہ نسائی وابن خزیمہ میں عبداللہ سے یہ الفاظ نقل کئے کہ میں والد سے ملا تو انہوں نے مجھے بیوی کے متعلق سمجھایا مگر میں نے التفات نہ کی تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو کہو مجھے ملے۔احمد کی روایت میں ہے کہ انہوں نے میری شکایت کی۔ بخاری میں ابوالملیح کی روایت سے یہ الفاظ ہیں۔ذکر للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم صومی فدخل علی فالقیت له وسادة دوسری روایت میں بلغ النبی صلی اللّٰه علیه وسلم انی اسرد الصوم واصلی اللیل فاما ارسل الی واما لقیته آپ کو میرا دن کا روزہ اور رات کا قیام پہنچا تو یا تو آپ نے پیغام بھیجا یا میری آپ سے ملاقات ہوگئی۔

ابن حجر کہتے ہیں ان کو اس طرح جمع کرسکتے ہیں کہ اپنے والد سمیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے ہوں گے اور آپ سے مکمل بات نہ کرسکے ہوں۔پھر تاکید کے لئے پھر آپ کے مکان پر گئے ہوں تو آپؐ نے فرمایا: فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم۔

یقروه باللیل جس کو وہ رات پڑھنے کا ارادہ کرتے۔لیکون تا کہ قریب دہرانے کی وجہ سے قرأت میں تخفیف ہو۔احصر جتنے دن چھوڑتے ان کو شمار کرتے پھر ان کی تعداد دنوں کا روزہ رکھ لیتے۔فارق علیه تا کہ نبوت کے زمانہ والے قیام میں فرق نہ آئے۔

تخریج☆: أخرجه احمد (٦٥٠١ ـ ٦٨٩٧ /٢) والبخاری (١١٣١) و مسلم (١١٥٩) وأبو داود (٤٣٢٧) و عبدالرزاق (٧٨٦٢) والطیالسی (٢٢٥٥) والترمذی (٧٧٠) والنسائی (٢٠٩/٤) و ابن حبان (٣٥٢) والبیهقی (١٦/٣) وغیرهم من ائمة الحدیث الشریف۔

۱۵۱ : وَعَنْ اَبِیْ رِبْعِیٍّ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِیْعِ الْاُسَیِّدِیِّ الْکَاتِبِ اَحَدِ کُتَّابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : لَقِیَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ : کَیْفَ اَنْتَ یَا حَنْظَلَةُ؟ قُلْتُ : نَافَقَ حَنْظَلَةُ! قَالَ : سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ؟ قُلْتُ : نَکُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یُذَکِّرُنَا بِالْجَنَّةِ وَالنَّارِ کَاَنَا رَاْیَ عَیْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّیْعَاتِ نَسِیْنَا کَثِیْرًا قَالَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ : فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰی مِثْلَ هٰذَا ، فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ حَتّٰی دَخَلْنَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ : فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "وَمَا ذَاکَ؟" قُلْتُ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَکُوْنُ عِنْدَکَ تُذَکِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ کَاَنَا رَاْیَ الْعَیْنِ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِکَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّیْعَاتِ نَسِیْنَا کَثِیْرًا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اَنْ لَّوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰی مَا تَکُوْنُوْنَ عِنْدِیْ وَفِی الذِّکْرِ لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ عَلٰی فُرُشِکُمْ وَفِیْ طُرُقِکُمْ وَلٰکِنْ یَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَّسَاعَةً ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

قَوْلُهٗ "رِبْعِیٌّ" بِکَسْرِ الرَّآءِ "وَالْاُسَیِّدِیُّ" بِضَمِّ الْهَمْزَةِ وَفَتْحِ السِّیْنِ وَبَعْدَهَا یَاءٌ مُّشَدَّدَةٌ مَکْسُوْرَةٌ وَقَوْلُهٗ : "عَافَسْنَا" هُوَ بِالْعَیْنِ وَالسِّیْنِ الْمُهْمَلَتَیْنِ : اَیْ عَالَجْنَا وَلَاعَبْنَا ۔ "وَالضَّیْعَاتُ" الْمَعَایِشُ۔

۱۵۱: حضرت ابو ربعی حنظلہ بن ربیع اسیدی رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے ایک کاتب ہیں روایت کرتے ہیں کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے۔ انہوں نے پوچھا حنظلہ تم کیسے ہو؟ میں نے کہا حنظلہ منافق ہوگیا۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سبحان اللہ تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہمارے سامنے جنت اور دوزخ کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں کہ گویا ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے باہر نکل آتے ہیں اور بیوی بچوں اور دنیا کے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں تو ان میں سے بہت سی چیزیں بھول جاتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم اس جیسی باتیں تو ہمیں بھی پیش آتی ہیں۔ چنانچہ میں اور ابوبکر چل دیئے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ پھر میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنظلہ منافق ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ کیا بات ہے؟"۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے جنت اور دوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں تو گویا ان کو ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے نکل کر جاتے ہیں اور ہم بیوی بچوں اور دنیاوی کاروبار میں مشغول ہو کر بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا: "مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر تم ہمیشہ اسی حالت پر رہو جس میں تم میرے پاس ہوتے اور ذکر میں (ہر وقت) مشغول رہو تو فرشتے تم سے تمہارے بستروں اور راستوں میں مصافحہ کریں۔ لیکن اے حنظلہ وقت وقت کی بات ہے" اور یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ فرمائی۔ (مسلم)

رِبْعِيٌّ :اَلْاُسَیِّدِیُ :
عَافَسْنَا : کام کاج اور کھیل میں مصروف ہونا۔
اَلضَّیْعَاتُ : گزراوقات کے اس۔

تشریح ۞ حنظلہ بن ربیع بن ضیعی بن رباح بن حارث بن مخاشن تمیمی الاسیدی یہ کاتبین وحی میں سے تھے۔ان کی کنیت ابی ربعی ہے والد کا نام الربیع معروف ہے بعض نے ربیعہ کہا ہے۔کاتبین وحی کے نام ابن سیدالناس نے اسطرح ذکر کئے۔

خلفاء اربعہ عامر بن فہیرہ خالد بن سعید بن العاص بن ابی اُحیحہ' ابان بن سعید بن العاص' سعید بن ارقم زہری' عبداللہ بن ارقم زہری۔(محمد میاطی نے سعید اور عبداللہ جو ارقم زہری کے دونوں بیٹے ہیں ان کا نام ذکر کیا ہے)حنظلہ بن ربیع اسیدی' ابی بن کعب' ثابت بن قیس بن شماس' زید بن ثابت' شرحبیل بن حسنہ' معاویہ بن ابی سفیان' مغیرہ بن شعبہ' عبداللہ بن زید' جریم بن صلت' زبیر بن العوام' خالد بن الولید' علاء بن الحضرمی' عمرو بن العاص' عبداللہ بن رواحہ' محمد بن سلمہ' عبداللہ بن عبداللہ بن ابی' معیقیب بن ابی فاطمہ' عبداللہ بن بن سعد بن سرح العامری' عبداللہ مرتد ہو گیا پھر یہ آیت اتری: ﴿ومن اظلم ممن افتری علی اللّٰہ کذباً﴾ پھر فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔پھر ان سے کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی۔سجدہ کی حالت میں وفات ہوئی۔
بعض کتب میں یہ نام بھی لکھے ہیں۔

طلحہ' یزید بن ابی سفیان' ارقم بن ابی ارقم' زہری' علاء بن عقبہ' ابوایوب انصاری' خالد بن زید' بریدہ بن حصیب' حصین بن نمیر' ابوسلمہ مخزومی' عبداللہ بن عبدالاسد' حویطب بن عبدالعزیٰ' ابوسفیان بن حرب' حاطب بن عمرو۔ابوداؤد نے ابن عباس سجیل کا نام لکھا ہے(مگر یہ روایت ثابت نہیں)ابن دحیہ' بنی نجار کا بے نام آدمی یہ وحی لکھتا تھا پھر نصرانی ہو گیا جب مر گیا تو زمین نے اس کو قبول نہ کیا۔ (سیرۃ ابن سیدالناس)

ابن اسحاق کہتے ہیں حنظلہ کو اہل طائف کے پاس سفیر بنا کر بھیجا گیا کہ آیا وہ صلح چاہتے ہیں یا کچھ اور؟ جب یہ ان کے ہاں گئے تو آپؐ نے فرمایا:ان جیسے لوگوں کی اقتداء کرو'۔پھر یہ قرقس کی طرف منتقل ہو گئے اور وہیں ان کی وفات ہوئی۔ انہوں نے تین روایات نقل کی ہیں۔ایک میں مسلم منفرد ہیں اور وہ یہی روایت ہے۔دو متفق علیہ ہیں۔

نافق حنظلة ان کو اپنے متعلق نفاق کا وسوسہ پیدا ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ان پر خوف کی خاص کیفیت طاری ہوتی جس سے کمال مراقبہ اور فکر آخرت اور توجہ آخرت کا دروازہ کھلتا' جب وہ وہاں سے نکل کر اپنے کاموں میں مشغول ہو جاتے تو کیفیت جاتی رہتی۔انہوں نے اس کو نفاق سے تعبیر کیا لغت میں نفاق ایسی چیز ظاہر کرنا جس کے خلاف اندر ہی چھپائے ہوئے ہو۔قال:ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میری بات سن کر تعجب کیا اور سبحان اللہ کہی اور کہا ما تقول تم غور کرو کیا بول رہے ہو۔

النحو :ما استفہامیہ ہے یہ تقول کا مفعول مقدم ہے۔یذکرنا بالجنة والنار کانا رای العین گویا ہم جنت و دوزخ کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔
قرطبی نے رأی العین کو منصوب اور قاضی نے مرفوع کہا مصدر کی صورت میں نصب صحیح ہے۔

فاذا ...... الضیعات فافسا کا معنی ملنا جلنا۔ضیعات جمع صیغۃ آدمی کی معیشت کا ذریعہ خواہ مال ہو یا پیشہ یا کاریگری۔

ففینا جب وہاں سے نکل کر ان امور میں مشغول ہوتے ہیں تو مجلس نبویؐ والی حالت جاتی رہتی ہے۔ قال ابو بکر...... قرطبی کہتے ہیں اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ یہ حالت ہمیشہ رہتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ اہل و مال کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ مگر ان کا یہ قول غلط ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں مگر وہ بھی اس فطرت سے خارج نہیں اور دوام ذکر اور عدم تھکاوٹ تو فرشتے کی فطرت ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے اس عالم انسانی میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ تمکین انسانوں کے دلوں میں ڈال دی اور ان کا مشاہدہ تکالیف میں رکھ دیا اور اس کا راز یہ ہے کہ یہ عالم انسانی فرشتوں اور جنات کے درمیان ہے۔ فرشتوں کی بھلائی میں قدرت اس طرح ہے کہ وہ وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم ملتا ہے۔ ارشاد فرمایا: ﴿یسبحون اللیل و النهار و لا یفترون﴾ اور شیاطین کو شر و اغواء میں اس طرح قدرت ہے کہ جو ان کو حکم ملا اس کا الٹ کرتے ہیں۔ یہ عالم انسانی رنگا رنگی کا جہاں ہے۔ اس کو اختیار دیتا ہے بے پروا کرتا' باقی رکھتا اور مشاہدہ کرتا اور گم کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا: ولکن یا حنظلة ساعة و ساعة اے حظلہ یہ گھڑی گھڑی کی بات ہے۔ حدیث ابو ذر رضی اللہ عنہ میں وعلی العاقل ان یکون له ساعات۔ ساعة یناجی فیها ربه و ساعة یحاسب فیها نفسه و ساعة یفکر فیها فی صنع اللّٰه الیه و ساعة یخلو فیها لحاجته من مطعم و مشرب انسان اپنے اوقات کو تقسیم کرے ایک وقت میں وہ اللہ کو پکارے' ایک گھڑی اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور ایک گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی صنعت پر غور کرے ایک گھڑی میں کھانے پینے کی فکر کرے''۔

کمالات اس طرح ملتے ہیں اس کے علاوہ خواب و خیال ہیں۔

فانطلقت...... ماذاك وہ کیا بات ہے جس سے وہ منافق ہوا؟ کہ آپ کی تذکیر مجلس میں کمال خوف حاصل ہوتا اور آخرت کی طرف پوری توجہ ہوتی ہے۔ فنسینا کثیراً یہ حالات طیبہ ہم سے غائب ہو جاتے ہیں۔ اس اختلاف حالت کو حظلہ نے نفاق سے تعبیر کیا۔ ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ تمہیں اس حالت کے دوام کا مکلّف نہیں بنایا گیا جو میرے پاس موجودگی میں ہوتی ہے اور یہ حالت کا اختلاف نفاق نہیں ہے۔ والذی نفسی...... علیه عندی...... طرقکم اگر آخرت کی طرف توجہ والی یہ حالت ہر وقت باقی رہے تو فرشتے راستوں پر تم سے مصافحہ کریں۔ قرطبی کہتے ہیں۔ فرشتوں کا مصافحہ دو باتوں پر موقوف ہے: ① اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ جنت کا مشاہدہ۔ ② اس حالت کا دوام۔ مطلب یہ ہے کہ اس بات پر قدرت اس وقت مل سکتی ہے جب تمام امور کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے کرے۔ جب جنت دیکھ لے گا تو اس کی نعمتیں اور اس کا حسن خود نظر آ جائے گا کیونکہ وہ قرب الٰہی کا مقام ہے۔ پس اس کی جدائی اس کے جمع میں اور اس کی عطاء منع میں ہوگی۔ جو مشاہدہ والا ہوگا فرشتے اس کی جلد پہچان کر کے اس کا اکرام' احترام اور اس سے مصافحہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ یہ موقعہ ہمیں بھی عنایت فرما دے آمین ثم آمین۔

ساعہ ایک وقت اداء عبودیت کا ہے اور ساعۃ ایک گھڑی انسانی ضروریات کو پورا کرنے والی ہے۔ یہ تین بار دہرایا تا کہ نفاق والا وسوسہ دور ہو جائے۔ (رواہ مسلم) امام بخاری فرماتے ہیں بندے کا حال وہی سر میں اس کا مقام اور دل اور صفت میں اس کا شہود ہو۔ مطلب یہ ہے جو اس حالت میں ہوگا تو یہ حالت اس کو لازم رہنے والی ہے کسی حال میں اس سے جدا نہیں ہوئی اور نہ وہ اس سے منتقل ہوتا ہے۔ باقی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے ہوئے جو کیفیت ہے یہ مواجید ہیں جو آتے جاتے

ہیں کیونکہ مواجید وہ عوارضات ہیں جو عالم اسرار میں خارج سے پختہ ہو جاتے ہیں۔

بعض اکابر عارفین نے فرمایا: وجد تو زوال پذیر ہے اور معرفت قائم رہنے والی ہے زائل نہیں ہوتی اور حال وہ ہے جو سر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجودگی میں خلاف عادت پایا جائے۔ پھر وہاں سے چلے جانے سے زائل ہو جائے اور آپ کے پاس ہوتے ہوئے اس کا پایا جانا وہ آپ کی قوت سر اور حق کا دبدبہ ہے۔ کیا تم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول پر نظر نہیں ڈالتے کہ ہم نے دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ ہی جھاڑے تھے کہ دلوں کی کیفیت میں فرق پایا اور اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ دبدبہ نبوت ان سے زائل ہو گیا جو کہ اعداء کو مقہور کرتا اور اولیاء کو کھینچتا ہے۔ پس غلبہ کو ابوجہل کے اس واقعہ میں دیکھو مکہ کے مظلوم کو اس کے اونٹوں کی قیمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس نے فوراً ادا کی اور جس غلبہ حق کو صحابہؓ پاتے تھے وہ حق کا اپنی طرف کھینچنا تھا (اور اس کو صوفیاء تصرف کرتے ہیں) جس کی وجہ سے کوئی اشیاء سے ہٹ جاتے اور یہ جذب حال کے بغیر ہی ہوتا رہتا۔ جب وہ آپ ﷺ کی مجلس سے لوٹ جاتے تو وہ اپنے احوال کی طرف لوٹ جاتے اگر جذب کی وہ کیفیت باہر بھی قائم رہتی تو فرشتے ان سے مصافحہ کرتے اور حال نہ بننے کی وجہ سے فرشتوں سے مصافحہ نہیں ہوا۔ مجلس میں یہ غلبہ حق کی حالت تھی۔ اگر یہ ان کا حال بن جاتا تو یہ قائم رہتا۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہوتا اور اللہ تعالیٰ اپنے ہبہ کو واپس نہیں لیتے اور نہ کرامت کو سلب کرتے ہیں (کتاب الاخبار بفوائد الاخیار)

الاُسَیدی قاضی عیاض نے اس کی نسبت بنی اسید کی طرف کی ہے جو بنو تمیم کا ایک خاندان ہے۔ شارح مسلم ابی نے لکھا کہ حظلہ بن الربیع اسید صحابی ہیں جو الکاتب کے لقب سے مشہور ہیں اسید بن عمرو بن تمیم کی اولاد سے ہیں۔

عافسنا یہ اصل میں معروف ہے اس کا معنیٰ مشغول ہونا اور نووی نے عانسنا کی روایت کو لے کر **ملاعبت بالاولاد واھل** اس کا ترجمہ کیا ہے۔

الضَّیعات اسباب معاش کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ انسان کو ضائع ہونے سے حفاظت کرتے ہیں۔

تخریج ☆: أخرجه مسلم (٢٧٥٠) والترمذی (٢٤٥٢) و ابن ماجه (٤٢٣٩)

۱۵۲: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ اِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ فَسَاَلَ عَنْهُ فَقَالُوا اَبُوْ اِسْرَآئِيْلَ نَذَرَ اَنْ يَّقُوْمَ فِي الشَّمْسِ وَلَا يَقْعُدَ وَلَا يَسْتَظِلَّ وَلَا يَتَكَلَّمَ وَيَصُوْمَ۔ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مُرُوْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۱۵۲: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اچانک آپ ﷺ کی نگاہ ایک کھڑے آدمی پر پڑی۔ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں پوچھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بتلایا کہ یہ ابو اسرائیل ہے۔ جس نے نذر مانی ہے کہ وہ دھوپ میں کھڑا رہے گا اور بیٹھے گا نہیں اور نہ سایہ لے گا اور نہ گفتگو کرے گا اور روزہ رکھے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اس کو کہہ دو کہ وہ بات کرلے اور سایہ میں ہو جائے اور بیٹھ جائے اور روزہ کو مکمل کرے"۔ (بخاری)

تشریح ۞ **تسأل عنه** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام اور سبب قیام پوچھا۔ابو اسرائیل یہ کنیت ہے۔ان کا نام یُسَیْر جو یُسر کی تصغیر یہ انصاری صحابی ہیں۔ **لا یقعد و لا یستظل** نہ بیٹھے گا اور دھوپ میں کھڑا رہے گا۔ **لا یتکلم** وہ ذکر و تلاوت کے علاوہ کلام نہ کرے گا۔ **فیتکلم** خاموش رہنے کی نذر ہماری شریعت میں جائز نہیں۔ **لیقعد** نماز کے علاوہ البتہ جو نماز نفل میں قیام کی نیت کر لے اس پر لازم ہو جائے گا۔

ولیتم صومه کیونکہ روزہ تو پہلے بھی قربت الٰہی ہے جو کسی اطاعت کی نذر مانے وہ اطاعت ضرور کرے۔دوسرے کام نہیں۔ (رواہ البخاری) ابن رجب کہتے ہیں کہ جس کسی نے ایسے عمل کو کرنے کی نذر مانی جو اللہ تعالیٰ نے نیکی کا نہ بنایا ہو تو اس کا وہ عمل مردود ہے اور ہر وہ چیز جو عبادت میں قربت کا باعث ہو ضروری نہیں کہ وہ دوسرے مقام میں بھی قربت بن جائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر دوران خطبہ ایک آدمی کو کھڑا دیکھا اس نے نذر مانی تھی کہ جب تک آپ ﷺ خطبہ دیتے ہیں میں خطبہ سننے کے لئے کھڑا رہوں گا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قربت قرار نہیں دیا حالانکہ قیام نماز واذان' عرفات کی دعا کے لئے عبادت ہے۔اسی طرح محرم کے لئے دھوپ میں نکلنا عبادت ہے۔پس اس سے ثابت ہوا کہ جو کسی ایک عبادت میں قربت ہے دوسری عبادت میں اس کا قربت ہونا ضروری نہیں جب تک شریعت سے ثابت نہ ہو۔

(شرح اربعین لابن رجب)

تخریج: أخرجه مالك (۱۰۲۹) وأحمد (٦/۱۷٥٤٠) والبخاى (٦٧٠٤) وأبو داود (۳۳۰۰) وابن ماجه (۲۱۳٦) والدارقطنی (٤/۱٦۱) وابن حبان (٤۳۸٥) وابن الجارود (۹۳۸) والطبرانی (۱۱۸۷۱) و عبدالرزاق (۱٥۸۱۷) والطحاوی فی مشکل الآثار ۳/٤٤) والبیهقی (۱۰/۷٥)

۱۵: بَابٌ فِي الْمُحَافَظَةِ عَلَى الْأَعْمَالِ

باب: اعمال کی حفاظت ونگہبانی

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اقتصاد کے بعد یہ باب ذکر کیا کیونکہ اس باب کا حاصل عبادت کو لازم کرنا ہے اور اس کی طرف پہنچنے والا راستہ اقتصاد اور میانہ روی ہے۔کیونکہ تشدید بسا اوقات عبادت کے ترک تک پہنچاتی ہے جو کہ قابل مذمت ہے۔یہ ترتیب پہلے امام بخاری کی اختیار کردہ ہے۔انہوں نے تشدید فی العبادۃ کی کراہت کو ذکر کرتے ہوئے پھر باب ما یکرہ من ترك قيام الليل لمن كان يقومه لائے۔ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترتیب کی تحسین کی ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ [الحديد:۱٦]

''کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ وہ اللہ کی یاد کے لئے اور اللہ تعالیٰ نے جو حق کی باتیں اتاری ہیں ان

کے لئے ان کے دل جھک جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتابیں دی گئیں اور ان پر زمانہ طویل گزرا تو ان کے دل سخت ہو گئے''۔(الحدید)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنَاهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾

[الحدید:۲۷]

''ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ان کو انجیل دی اور ان کے لوگوں کے دلوں میں کہ جنہوں نے ان کی اتباع کی شفقت و رحمت ڈال دی اور رہبانیت جس کو انہوں نے خود گھڑ لیا تھا۔ ہم نے ان پر لازم نہ کی تھی مگر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو حاصل کرنے کے لئے پھر انہوں نے اس کا اس طرح خیال نہیں رکھا جس طرح خیال رکھنے کا حق تھا''۔(الحدید)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا﴾ [النحل:۹۲]

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''تم اس عورت کی طرح مت بنو جس نے نہایت محنت سے کاتے ہوئے سوت کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا''۔(النحل)

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ [الحجر:۹۹]

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور تو اپنے ربّ کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے موت آ جائے''۔(الحجر)

آیت (۱) الم یأن شوق مند ہونا۔ یہ ان صحابہ کرامؓ کے متعلق اتری جنہوں نے مزاح میں کثرت اختیار کی۔ من الحق سے قرآن مجید مراد ہے۔

النَّحْوُ : ولا یکونوا کا عطف تخشع پر ہے۔ اوتوا الکتٰب سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ الامد سے مراد انبیاء علیہم السلام اور ان کے درمیان زمانہ۔

فقست قلوبهم اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے نرم نہ ہوتے۔

آیت نمبر (۲) وقفینا...... رهبانیة بتدعوها رہبانیت گرجے بنانا اور عورتوں سے مکمل علیحدگی کرنا۔ کواشی کہتے ہیں

رھبانیه سے پہلے فعل ابتداء محذوف ہے اور یہ ابتدعوا اس کی تفسیر ہے۔ ② بعض نے ماقبل پر اس کا عطف کو جائز کہا اور اس ابتدعوا کے بعد رہبانیة کو محذوف مانا ہے۔ ③ بعض نے اس کا ماقبل پر عطف ڈال کر ابتدعوا کو اس کی صفت بنایا تقدیر عبارت یہ ہے: جعلنا فی قلوبهم رأفة ورحمة و رهبانیه مبتدعة حاصل یہ ہے کہ ہم نے ان کو باہمی رحم کی توفیق دی۔ (الکواشی) یہ رہبانیت انہوں نے خود گھڑلی۔ ہم نے اس کا حکم نہیں دیا۔ الا یہ لکن کے معنی میں ہے۔ ابتغاء رضوان اس کی رضامندی چاہنے کے لئے اس کے حکم کی پیروی کی اور ممنوعات سے پرہیز کیا۔

فما رعوها...... اس لئے کہ اکثریت نے چھوڑ دیا اور دین عیسیٰ کا انکار کر دیا اور بادشاہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ بہت تھوڑے لوگ دین مسیح پر قائم رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی اس نے اس کا پورا حق ادا کیا اور جو مجھ پر ایمان نہ لایا وہ ہلاکت میں مبتلا ہوگا۔ یہ روایت کواشی نے نقل کرنے سے پہلے لکھا کہ رہبانیت کے موجدوں نے اس کا لحاظ نہ کیا جیسا نذر والا اپنی نذر کا لحاظ کرتا ہے بلکہ اپنے اوپر لازم کی جانے والی طاعات میں کوتاہی برتی۔ کواشی کہتے ہیں اس آیت میں خبردار کیا کہ جو شخص اپنے اوپر کوئی چیز لازم کرلے اور اس پر لازم نہ ہو تو اس کو اس کی تکمیل ضروری ہو جاتی ہے وہ اسے ہرگز نہ چھوڑے ورنہ فسق کے نام کا مستحق ہوگا۔

آیت نمبر (۳) نقضت بگاڑنا۔ دھاگہ توڑنا۔ من بعد قوة اس کو مضبوط کر کے۔

النحو: انکاثاً یہ حال ہے یا نقض کا دوسرا مفعول ہے کیونکہ وہ جعل کے معنی کو متضمن ہے یا نقضت کا مفعول مطلق ہے۔ اس صورت میں معنی مضبوط کو کھولنا ہوگا۔ یہ مکہ کی ایک احمق عورت تھی جس کا نام ریطہ بنت سعد بن زید منات تھا۔ یہ قریش میں شمار ہوتی تھی۔ جعرانہ میں مری۔ یہ تمام دن دھاگہ کاتتی پھر سرشام اس کو توڑ ڈالتی۔

خازن کہتے ہیں یہ عورت نہ تو کام سے باز آئی اور نہ کام کر کے توڑنے سے باز رہی اسی طرح اس آدمی کا حال ہے جس نے اپنا عہد توڑا نہ اس کو چھوڑا اور نہ معاہدہ کر کے وفاء کی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿واعبد ربك حتی یاتیك الیقین﴾

الفرائد: ① ہماری شریعت میں خاموشی کا روزہ حرام ہے۔ ② حرام کی نذر کا پورا کرنا واجب نہیں اور اس کے توڑنے سے کفارہ بھی لازم نہ ہوگا۔

۱۵۳: وَاَمَّا الْاَحَادِیْثُ فَمِنْهَا حَدِیْثُ عَآئِشَةَ "وَكَانَ اَحَبُّ الدِّیْنِ اِلَیْهِ مَا دَاوَمَ صَاحِبُهٗ عَلَیْهِ" وَقَدْ سَبَقَ فِی الْبَابِ قَبْلَهٗ۔

۱۵۳: اس سلسلہ کی احادیث میں سے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔ كَانَ اَحَبُّ الدِّیْنِ اِلَیْهِ مَادَاوَمَ صَاحِبُهٗ عَلَیْهِ جو گزشتہ باب میں گزری۔

تشریح: احب الدین: دین سے اس کا عمل مراد ہے۔ ما دام علیه جو بلا انقطاع مسلسل کیا جائے حدیث نمبر ۱۴۲ میں اس کی شرح گزری ہے۔ (متفق علیہ)

۱۵۴: وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "مَنْ نَّامَ عَنْ حِزْبِهٖ مِنَ

اللَّيْلِ اَوْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ فَقَرَاَهُ مَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهُ كَاَنَّمَا قَرَاَهُ مِنَ اللَّيْلِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۵۴: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ جو شخص اپنے رات کے وظیفے سے یا اس کے کچھ حصے سے سو جائے اور وہ اسے فجر سے لے کر ظہر کی نماز کے وقت کے درمیان میں پڑھ لے تو اس کے لئے لکھ لیا جاتا ہے کہ گویا اس نے رات ہی میں پڑھا''۔ (مسلم)

تشریح ۞ من نام عن حزبه قاضی عیاض کہتے ہیں۔ حِزْب اصل میں باری کو کہتے ہیں پھر منتقل ہو کر وہ نماز و قرأت وغیرہ میں استعمال ہونے لگا جو انسان اپنے لئے یومیہ وظیفہ مقرر کر لے۔ چنانچہ ابن ماجہ نے جُزْئہ نقل کیا ہے۔ نسائی نے او کے ساتھ دونوں نقل کئے ہیں۔

من اللیل...... فقرأہ علامہ بیضاوی نے کہا ذکر میں اسی پر اکتفاء اس لئے معلوم ہوتا ہے یہ وقت افضل ہے اس میں ذکر بھی افضل ہے۔ بقیہ اذکار اس کی مثل ہیں۔ ② اور ممکن ہے اس ثواب میں یہ خاص ہو کیونکہ کُتِبَ کا لفظ آ رہا ہے۔ ③ اور یہ احتمال ہے کہ یہ بطور مثال ہو۔ پس جو بھی فعل و قول ہے وہ اس کی مثل ہے کیونکہ اس نے عہد پورا کر لیا (بیضاوی) قاضی عیاض و عاقولی نے تیسری وجہ کو اختیار کیا ہے۔

ما بین صلاۃ الفجر...... یہ اس وقت میں پورا کر لیا جائے جبکہ عموماً لوگ عبادت سے غافل ہوتے ہیں۔ کانما قراہ من اللیل جیسا رات کی قرأت پر اس کا اجر ثابت ہے۔ اسی طرح اس کا اجر ثابت ہو گیا۔ امام نووی کہتے ہیں صورادکی مخالفت کرنی چاہئے۔ قرطبی کہتے ہیں: ① یہ فضیلت وہ پاتا ہے جس کا ذکر غلبہ نوم سے رہ گیا ہو۔ ② اس کی نیت قیام کی تھی مگر کسی عذر کی وجہ سے قیام نہ کر سکا۔ روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اجر مکمل اضافہ سمیت ملے گا اور اس کی وجہ حسن نیت اور سچا افسوس ہے۔ کذا قال بعض شیوخنا۔

بعض کا قول یہ ہے ممکن ہے اضافہ کے بغیر ملے کیونکہ رات میں پڑھنا افضل، اکمل ہے مگر پہلا قول ظاہر ہے۔

تخریج: أخرجه مسلم (٧٤٧) و أبو داود (١٣١٣) والترمذی (٥٨١) والنسائی (١٧٨٩) و ابن ماجه (١٣٤٣)

الفرائد: ① رات کے وقت کسی چیز کا ورد بنا لینا درست ہے۔ ② جب رات کو رہ جائے کسی اور وقت ادا کر لیا جائے۔ ③ رات کا عمل تہجد وغیرہ رہ جائے تو اسے نمازِ فجر سے نمازِ ظہر کے درمیان ادا کرنا مستحب ہے۔

۱۵۵: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "يَا عَبْدَ اللّٰهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۵۵: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عبداللہ تو فلاں کی طرح مت ہو وہ رات کو قیام کرتا تھا پھر اس نے رات کا قیام چھوڑ دیا''۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ فلان اس کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ ستر پوشی کے لئے نام نہیں لیا۔ مذموم بات والے کے نام کی تلاش میں نہ پڑنا چاہئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معین شخص مقصود نہ ہو۔ صرف عبداللہ کو اس حرکت سے نفرت دلانا مقصود ہو۔

کان یقوم اللیل اکثر روایات میں حذف من کے ساتھ ہے۔ حافظ ابن حجر کا جزم بھی اسی پر ہے۔ ابن عربی کہتے ہیں اس میں کسی نیک کام پر دوام کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ اس کا انقطاع ناپسند ہے اگرچہ وہ واجب نہ ہو۔

تخریج: أخرجه البخاری (۱۱۵۲) و مسلم (۱۱۵۹ / ۱۸۵) والنسائی (۱۷۶۲) و (۱۷۶۳) وابن ماجه (۱۳۳۱)

الفرائد : ① عیب والے کا تذکرہ اس لئے تا کہ وہ باز آ جائے جائز ہے۔ ② عادت والے اچھے کام کو برقرار رکھنا درست ہے۔ ③ عادت میں میانہ روی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنا چاہئے کیونکہ شدت ترک کی طرف لے جانے والی ہے۔

۱۵۶ : وَعَنْ عَآئِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا فَاتَتْهُ الصَّلٰوةُ مِنَ اللَّیْلِ مِنْ وَّجَعٍ اَوْ غَیْرِهٖ صَلّٰی مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ رَکْعَةً" رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

۱۵۶: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب درد وغیرہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز جاتی رہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن کو بارہ رکعات ادا فرما لیتے تھے۔ (مسلم)

تشریح ۞ من اللیل سے نماز تہجد مراد ہے۔ وجع او غیرہ عذر یا غلبہ نیند۔ یہ بارہ رکعت کی ادائیگی قیام لیل کے نقصان کے دفعیہ کے لئے تھی۔ قضاء کے طور پر نہیں کیونکہ آپ ﷺ کی تہجد کی نماز مختلف تعداد میں ادا فرماتے۔ نوافل کی ادائیگی مشروع ہے اس کی دلیل حدیث ابوداؤد ہے جو کہ حسن ہے۔ ترمذی نے اگرچہ اس کی تضعیف کی ہے۔ من نام عن وترہٖ او سنته فلیصل اذا ذکرہٗ۔

تخریج: أخرجه مسلم (۷۴۶/۱۴۱) والترمذی (۴۴۵) والنسائی (۱۷۸۸)

۱۶ : بَابٌ فِی الْاَمْرِ بِالْمُحَافَظَةِ عَلَی السُّنَّةِ وَاٰدَابِهَا

بَاب ۷: سنت اور اس کے آداب کی حفاظت ونگہبانی

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ [الحشر:۷]

''رسول اللہ ﷺ کو جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ''۔ (الحشر)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی﴾ [النجم:۳،۴]

''آپ ﷺ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ تو وحی ہے جو ان کی طرف اتار دی جاتی ہے''۔ (النجم)

وَقَالَ تَعَالٰی:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ﴾ [آل عمران:۳۱]

''آپ فرمادیں اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے اور تمہارے گناہوں کو بخش دیں گے۔ (آل عمران)

وَقَالَ تَعَالٰی:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ﴾

[الاحزاب:۲۱]

''البتہ تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی میں عمدہ نمونہ ہے۔ اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتا ہو''۔ (آل عمران)

وَقَالَ تَعَالٰی:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِىْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [النساء:٦٥]

''اور تیرے رب کی قسم ہے وہ لوگ مؤمن نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے باہمی جھگڑوں میں آپ کو اپنا حکم وفیصل نہ مان لیں پھر تمہارے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں اور پورے طور پر اسے تسلیم کرلیں''۔

وَقَالَ تَعَالٰی:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾

[النساء:۵۹]

''اگر کسی چیز کے متعلق تمہارا باہمی جھگڑا ہو جائے تو تم اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو''۔

قَالَ الْعُلَمَاءُ: مَعْنَاهُ اِلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ

علماء نے فرمایا اس کا معنی کتاب وسنت کی طرف لوٹانا ہے۔

وَقَالَ تَعَالٰی:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [النساء: ۸۰]
''جس نے اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی''۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّكَ لَتَهْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [الشوریٰ: ۵۲]
''بیشک آپ اُن کی راہنمائی صراطِ مستقیم کی طرف کرتے ہیں یعنی اللہ کہ راستہ''۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [النور: ۶۳]
''چاہئے کہ ڈریں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ ان کو کوئی آزمائش آئے یا ان کو کوئی دردناک عذاب پہنچے''۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰی فِیْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ [الاحزاب: ۳۴]
''اورتم یاد کرو جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت کی باتیں تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں''۔

وَالْاٰيَاتُ فِی الْبَابِ كَثِيْرَةٌ.

آیات اس باب میں بہت ہیں۔

اس باب میں اقوال وافعال سب ہی کو سنت سے تعبیر کیا۔ آداب لفظ سنت کا معنی دیتا ہے مگر یہ تاکید میں اس سے کم درجہ ہے۔ (روضہ)

آیت نمبر(۱) **وما اتاکم الرسول** اتی اعطی کے معنی میں ہے یعنی مال فیئ وغیرہ۔ سیوطی کہتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے آپ کے اوامر ونواہی کو اپنانا ضروری ہے۔ علماء نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے وہ قرآن میں ہے۔

آیت نمبر(۲) **وما ینطق عن الھویٰ** جو آپ ﷺ تمہارے پاس لاتے ہیں وہ خواہش نفس سے نہیں لاتے وہ تو وحی ہے جو آپ کی طرف کی جاتی ہے۔

آیت نمبر(۳) **قل ان کنتم** آپ ﷺ کفار کو کہہ دیں کہ تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ تم بتوں کی پوجا تقرب الی اللہ کے لئے کرتے ہو اگر تم اس بات میں سچے ہو تو میری اتباع کرو وہ تمہیں بدلہ دے گا۔ حدیث **اعنّی علی نفسك بكثرة السجود** سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت حب رسول کو لازم ہے اور بالعکس بھی اور محبت اللہ اور محبّ الرسول دونوں کا دارومدار

اتباع رسول پر ہے۔

آیت نمبر(۴)لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اقتداء کے لئے۔لِمَنْ یہ کم سے بدل ہے۔یرجو اللّٰہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔یوم الآخر قیامت کا نام ہے۔

آیت نمبر(۵)فلا وربك لا زائدہ ہے۔شجر مختلط ہو جائیں۔حرجًا: تنگی وشک ویسلموا تسلیما تمہارے فیصلہ کے مطیع ہو جائیں بغیر معارضہ کے۔

آیت نمبر(۶)فان تنازعتم اختلاف کرو۔الی اللّٰہ والرسول سے کتاب وسنت ہے۔آپ ﷺ کی زندگی تک ظاہری معنی مراد تھا۔(جلالین)

آیت نمبر(۷)من یطع الرسول اوامر ونواہی میں۔فقد اطاع اللّٰہ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت واتباع کا حکم دیا ہے۔

آیت نمبر(۸)وانك لتهدی آپ ﷺ کو حکم) کے ساتھ ان کو دعوت دیتے ہیں۔صراط مستقیم سے دین اسلام مراد ہے۔

آیت نمبر(۹)فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ۔ ہٗ اللہ تعالیٰ کے حکم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے۔ باب کے مناسب دوسرا قول ہے۔

آیت نمبر(۱۰)واذکرن امہات المؤمنین کو خطاب کیا گیا ہے۔آیات اللّٰہ و الحکمه سے قرآن وسنت مراد ہے۔

احادیث درج کی جاتی ہیں۔

وَاَمَّا الْاَحَادِیْثُ فَالْاَوَّلُ:

۱۵۷ : عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "دَعُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ، اِنَّمَا اَهْلَكَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَثْرَةُ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلٰی اَنْبِیَآئِهِمْ - فَاِذَا نَهَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ وَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۱۵۷: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو باتیں میں تمہیں بیان کرنے سے چھوڑ دوں۔ان میں تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔اس لئے کہ تم سے پہلے لوگوں کو کثرتِ سوال نے ہلاک کیا اور اپنے پیغمبروں سے وہ لوگ اختلاف کرتے تھے۔اس لئے جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو تم اس سے پرہیز کرو اور جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اسے اپنی طاقت کے مطابق انجام دو''۔(متفق علیہ)

تشریح ۞ قال: یہ خطبہ کے دوران فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا پس تم حج کرو تو ایک آدمی نے کہا۔کیا ہر سال یا رسول اللہ؟ اس پر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔یہاں تک کہ اس آدمی نے یہ سوال کئی مرتبہ دہرایا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: اگر میں نعم کہتا تو لازم ہو جاتا اور تم طاقت نہ رکھتے۔پھر آپؐ نے فرمایا: دعونی مسلم میں ذرونی کے الفاظ ہیں مجھ پر کثرت سے سوالات مت کرو۔ما ترکتکم ما مصدریہ ظرفیہ ہے۔یہاں وذرتکم کی بجائے ترکتم لائے۔کیونکہ اہل عرب

اسے فقط شعر میں استعمال کرتے ہیں۔ واؤ کے ثقیل ہونے کی وجہ سے عام استعمال میں اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ودع قلیل الاستعمال ہے جیسا ما ودعك ربك میں اور تخفیف والی قرأت شاذ ہے۔رہی حدیث دعوا الحبشة ما ودعوکم کا معنی بھی اسی طرح ہے۔

ذرونی کا معنی ان مقامات کی زیادہ تفصیل مت طلب کرو جو بظاہر تو فائدہ مند نظر آئے اور دوسروں کے لئے درست بھی ہو جیسا فحجوا اگرچہ اس سے تکرار کا گمان بھی ممکن ہے مگر لفظ کا ظاہری مصداق تو ایک حج ہے اور اس سے زائد مشکوک خیال ہے۔اس سے اعراض کیا جائے گا مگر یہاں مقصد یہ ہے کہ کثرت سوالات سے ایسا جواب مل سکتا ہے جو تعب و مشقت والا ہو جیسا بنی اسرائیل کے لئے ہوا۔پس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے متعلق اس قسم کے سوالات کا خطرہ ہوا اسی پر آپ ﷺ نے فرمایا: انما اهلك مسلم کے الفاظ ہیں: فانما هلك من كان قبلكم بكثرة سوا لهم و اختلافهم۔ اختلاف کے لفظ کو مرفوع پڑھیں گے تو کثرتِ سوال کی قید سے یہ زیادہ بلیغ ہوگا بخلاف مجرور پڑھنے کے۔علی انبیائهم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاضرورت کثرت سوال اور اختلاف حرام ہے کیونکہ ہلاک کی وعید اس کے ساتھ موجود ہے۔کسی چیز پر وعید کا آنا حرمت اور اس کے گناہ ہونے کی دلیل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے دلوں میں دوری پیدا ہوتی ہے اور دین میں بزدلی آجاتی ہے اور یہ حرام ہے۔پس اس کو پیدا کرنے والا سبب بھی حرام ہوگا۔اور کثرت سوال ضد بازی کو ظاہر کرتا ہے یا کم از کم اس تک پہنچانے والا ہے اور ضد بازی بھی حرام ہے۔

فاذا نهيتكم عن شئی فاجتنبوه اس سے ہمیشہ پرہیز کرو جب تک وہ ممنوع ہے تو اس کا کرنا حرام ہے اور استحباباً ممنوع ہے تو کرنا مکروہ ہے۔نہی پر عمل تبھی ہوسکتا ہے جب اس کے تمام اجزاء چھوڑے جائیں ورنہ عاصی و مخالف کا مصداق بنے گا اور ممنوعہ چیز کا چھوڑنا یہ عدم کی حالت کو ساتھ رکھنا اور حالت عدم پر استمرار ہے اور اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو استطاعت سے باہر ہو جس سے انسان کا مکلف ہونا اسے معاف ہو جائے اور کبھی بعض اوقات معصیت کے داعیہ کا قوی ہونا کہ جس کو روکنے کی ہمت نہ رہے یہ نادر ہے اور نادر پر حکم نہیں لگتا۔اسی لئے ما دام کی قید سے یہ صورت نکل گئی مثلاً مضطر کو مردار کا کھانا اور لقمہ گلے سے اتارنے کے لئے مسکر کا مجبوری میں استعمال۔مگر یہ اس طرح ممنوع رہتا نہیں۔واذا امرتکم...... ما استطعتم یعنی تم میں طاقت ہو کیونکہ اس کا کرنا اس کو عدم سے وجود کی طرف لے جانا ہے۔یہ شروط و اسباب پر موقوف ہے مثلاً قدرت علی الفعل اور اسباب تو استطاعت میں ہیں اور بعض غیر مستطیع ہیں مگر تکلیف تو ان سے ثابت ہے جو استطاعت میں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا: ﴿لا يكلف الله نفسًا الا وسعها﴾ نووی کہتے ہیں یہ حدیث اس آیت کے موافق مفہوم رکھتی ہے: ﴿فاتقوا الله ما استطعتم﴾ اور اس لئے بھی کہ امور کا دارومدار (فعل) کرنے پر ہے۔بخلاف منہی عنہ کے وہ تو محض رک جانا ہے اسی لئے فعل کے متعلق فرمایا: فأتوا ما استطعتم اور اس کے بارے میں فرمایا: فاجتنبوا اور یہ اسلام کے قواعد میں سے اہم قاعدہ ہے اور آپ کے جوامع الکلم میں سے ہے کیونکہ اس میں لاتعداد احکام داخل ہیں اور اس روایت اور موافقت والی آیت سے وما اتاكم الرسول فخذوه کے عموم میں تخصیص پیدا ہوگئی اور نص کا مطلب اس طرح ہوگیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو اور امام احمد نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت نقل کی ہے: انظروا الذی امرتكم به فاعملوا به والذی نهيتكم عنه فانتهوا عنه (متفق علیہ)

اور امام احمد کی روایت میں الفاظ ہیں: و اتمروا ما استطعتم حکم بجالاؤ اپنی استطاعت کے مطابق۔

تخریج: أخرجه احمد (۱/۷۳۷۱) و عبد الرزاق (۲۰۳۷٤) والبخاری (۷۲۸۸) و مسلم (۱۳۳۷) والنسائی (۲٦۱۸) و ابن حبان (۱۸) و ابن خزیمة (۲۵۰۸) والبیهقی (٤/۳۲٦)

الفرائد: ① ریاکاری سے آدمی کے دِل سے علم کا نور چلا جاتا ہے۔ ② جلد پیش آنے والے مسائل میں مشغول ہونا چاہئے' ان مسائل میں نہ الجھے جن کی فی الحال ضرورت نہیں۔

۱۵۸ : عَنْ اَبِیْ نَجِیْحٍ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :"وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْعِظَةً بَلِیْغَةً وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُیُوْنُ فَقُلْنَا : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَاَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا – قَالَ :"اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ تَاَمَّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبَشِیٌّ ، وَاِنَّهٗ مَنْ یَّعِشْ مِنْکُمْ فَسَیَرَی اخْتِلَافًا کَثِیْرًا فَعَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ عَضُّوْا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَاِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ کُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ، وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ :حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

"النَّوَاجِذُ" بِالذَّالِ الْمُعْجَمَةِ الْاَنْیَابُ وَقِیْلَ الْاَضْرَاسُ۔

۱۵۸ : حضرت ابی نجیح عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت مؤثر وعظ فرمایا جس سے دل ڈر گئے اور آنکھیں بہہ پڑیں۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو گویا الوداعی وعظ ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں وصیت فرمادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور بات کو سننے اور ماننے کا حکم دیتا ہوں۔ خواہ تم پر کسی حبشی غلام کو امیر مقرر کیا جائے اور ثانی یہ ہے کہ جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا پس تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کی سنّت کو لازم پکڑو۔ اس سنت کو کچلیوں (سامنے کے دو دانت) سے مضبوط پکڑو اور دین میں نئے نئے کام ایجاد کرنے سے بچو۔ اس لئے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ (ابوداؤد' ترمذی) حدیث حسن صحیح ہے۔

اَلنَّوَاجِذُ : کچلیاں یا ڈاڑھیں۔

تشریح ابی نجیح عرباض بن ساریہ یہ سلمی ہیں اصحاب صفہ سے ہیں۔ یہ بہت زیادہ رونے والوں سے تھے یہ کہا کرتے تھے کہ میں چوتھے نمبر پر اسلام لانے والوں میں سے ہوں۔ نووی نے محمد بن عوف کا قول نقل کیا کہ عرباض بن ساریہ اور عمرو بن عتبہ دونوں کہا کرتے تھے کہ میں رابع الاسلام ہوں۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کون دوسرے سے پہلے اسلام لایا۔ یہ شام میں چلے گئے اور حمص میں رہائش اختیار کرلی۔ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے فتنہ کے زمانہ میں وفات ہوئی۔ بعض نے ۷۵ھ نقل کیا ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں ان کی مرویات ۳۱ ہیں۔ سنن اربعہ میں ان سے روایت لی گئی ہے۔ وعظنا دوسری روایت سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعظ صبح کی نماز کے بعد تھا۔ موعظہ یہ وعظ سے نکلا ہے۔ یہ نصیحت' انجام یاد دلانے کو کہتے ہیں۔ اس کی تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ ایک روایت میں اس کے ساتھ بلیغہ کا لفظ بھی وارد ہے یعنی عظیم الشان وعظ۔ وجلت منها القلوب جس کے سبب دل ڈر گئے۔

النّحو : من ابتدائیہ بھی ہوسکتا ہے۔ ذرفت منها العیون آنسو بہہ پڑے۔ کانها موعظه مودع صحابہ کرامؓ کے سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تخویف وتحذیر کے معمول سے زیادہ تخویف فرمائی۔ پس انہوں نے گمان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت قریب ہے کیونکہ عموماً الوداع کہنے والا قول وفعل میں ایسی تاکید سے بات کہتا ہے جو عادم آدمی نہیں کہتا۔

مسئلہ : وعظ میں عادت سے بڑھ کر تخویف سے صحابہ کرامؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الوداع ہونے کا مسئلہ معلوم کیا۔ اس سے پس قرائن سے بات سمجھنے کا جواز ثابت ہوا۔

فاوصنا یعنی جامع قسم کی وصیت فرمادیں۔ **اوصیکم بتقوی الله** اس میں تمام امور آخرت جمع کر دیئے کیونکہ تقویٰ تمام اوامر کو انجام دینے اور نواہی سے پرہیز کرنے کا نام ہے اور تمام شرعی احکام اس میں داخل ہیں۔ **والسمع والطاعة**: ان دونوں کو اکٹھا لایا گیا تاکہ اس مقام کی طرف خصوصی توجہ اور تاکید ہوجائے اور اسی لئے تقویٰ پر اسکا عطف کر کے مزید اہتمام کر دیا گیا کیونکہ تقویٰ اس کو پہلے بھی شامل ہے۔ ② اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ عطف مغائرت کے لئے ہو۔ اس طرح کہ تقویٰ کے واضح ترین مقاصد میں سے اخروی امور کا انتظام ہے۔ اور امامت کا سب سے بڑا مقصد امور دنیا کا انتظام ہے۔ اسی لئے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگوں کی درستی کے احوال کے لئے امیر ضروری ہے خواہ وہ عادل ہو یا فاجر۔ **وان تأمر علیکم عبد**: یہ ضرب المثل ہے جو فرض وتقدیر کے طور پر لائی گئی ہے ورنہ عبد کی ولایت درست نہیں یا اخبار بالغیب کی قسم سے ہے کہ آئندہ زمانوں میں نظام شریعت مختل ہو جائے گا یہاں تک کہ حکومت نا اہل لوگوں کے پاس آجائے گی اور یہاں اطاعت کا حکم ایسے حالات میں دونوں ضرروں مین سے خفیف کو اختیار کرنے کی قسم ہے۔ **وانه من یعش منکم** یہ بھی معجزات نبوت سے ہے کہ آئندہ کثرت اختلاف اور منکر کا غلبہ ہو جائے گا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وحی سے منکشف کیا گیا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل نہیں بتلائی البتہ امت کو اس کے متعلق خبردار کیا اور ڈرایا۔ ان میں بعض تفاصیل بعض صحابہ کرام کو بتلائیں مثلاً حذیفہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کو۔

فعلیکم یعنی تم اس وقت مضبوطی سے تھام لو۔ **بسنتی**: میرے طریقہ اور پختہ عادات جن کی تفصیلات احکام اعتقادیہ اور عملیہ واجبہ اور مندوبہ میں ہے۔ اصولیین کا اس کی تخصیص مطلوب طلباً غیر جازم سے کرنا جدید اصطلاح ہے جو سنت وفرض کے فرق کے لئے ہے۔

خلفاء الراشدین المهدیین: وہ ابوبکر وعمر وعثمان وعلی پھر حسن رضی اللہ عنہم ہیں اور بقیہ صحابہ کرامؓ ہیں جو ان کے متعلق معروف ہے وہ دوسروں کی اتباع سے بہتر ہے جبکہ صحابہ کرامؓ کے عمل میں اختلاف ہو۔ مقلد کے لئے بعض ائمہ کے نزدیک ائمہ اربعہ کی تقلید ضروری ہے کیونکہ ابوحنیفہ' شافعی' و مالک واحمد رحمہم اللہ کے مذاہب معلوم ہو چکے اور احکام پختہ طور پر ثابت ہو چکے اور ان لوگوں نے اتباع کر لی اور ایک ایک فرع ایک ایک حکم تحریر کر دیا گیا۔ اجمالی یا تفصیلی طور پر تمام فروعات ذکر کر دی گئیں۔ ان کے علاوہ کے مذاہب فقہیہ نہ مدون ہوئے نہ تحریر میں آئے بلکہ ان کے قواعد تخریج بھی موجود نہیں۔ ان کی کسی محفوظ بات کی

تقلید اسی وقت درست ہے جبکہ ان کے قواعد سے واقفیت ہو کیونکہ بعض چیزیں انہوں نے قواعد سے سمجھ لینے پر چھوڑ دیں جو اپنے مقام پر شرائط سے مشروط ہیں اور مقام تمام شرائط لکھنے کا نہیں ہوتا۔

عضوا علیها بالنواجذ یعنی پورے دانتوں سے ان کو تھامو۔ ① اگر مجاز بلیغ ہو تو معقول کو محسوس سے تشبیہ دی ہے۔ ② یا کنایہ ہے کہ سنت کو مضبوطی اور کوشش سے تھام لو اور ان میں اسی طرح کوشاں رہو جیسا وہ آدمی جو کسی چیز کو اس لئے تمام دانتوں سے تھامنے والا ہو کہ اس سے چھن نہ جائے۔ جب نواجد کسی چیز میں گھس جائیں تو پھر وہ چیز نہیں نکلتی۔ ③ اللہ تعالیٰ کی خاطر جو تکالیف آئیں ان کو صبر سے برداشت کر لیا جائے۔ جیسا الم رسیدہ کیا کرتا ہے۔

وایاکم و محدثاتِ الامور۔ ای باعدوا انفسکم واحذروا الاخذ بالامور المحدثة فی الدین ۔یعنی تم اپنے نفوس کو دور رکھو اور امور محدثہ کو اختیار کرنے سے بچو۔

اَلنَّحْو : یہ دونوں فعل مضمر سے منصوب ہیں۔

خلفاء راشدین کے علاوہ دوسروں کی پیروی سے بچو۔ اس لئے کہ یہ بدعت ہے۔ بدعه ہر وہ کام جس کو امر شارع کے خلاف ایجاد کیا جائے اور اس کی کوئی مثال موجود نہ ہو۔ خواہ اس کی دلیل خاص ہو یا عام۔ ضلالة: وہ گمراہی ہے کیونکہ حق وہی ہے جو شرع نے بتلایا جو شرع میں نہیں اس کو شہوت پرستی یا ارادۂ شہوت پر محمول کیا جائے گا۔ بخلاف اس عمل کے جس کی اصل شرع میں ہو مگر اب اس کو نظیر پر محمول کیا جائے۔ یا اس کے علاوہ ہو وہ حسن ہے۔ اس لئے کہ اصل موجود ہے اور وہ خلفاء راشدین اور ائمہ ہدیٰ کا طریقہ ہے۔

پس بدعت میں مذمت کا منشاء فقط محدث یا بدعت نہیں بلکہ اس کا قابل مذمت پہلو سنت کے خلاف ہونا اور گمراہی کی رعایت کرنا ہے۔ اس لئے بدعت کے متعلق پانچ نوعیتیں ہیں۔ جب اس کو قواعد شرع پر پیش کیا جائے گا تو ان پانچ سے وہ باہر نہیں ہو سکتی۔ ① بدعت واجبہ علی الکفایہ۔ اس کی مثال وہ علوم جن پر کتاب وسنت کی فہم موقوف ہے یا وہ علوم جن سے شریعت کی حفاظت ہوتی ہے (یہ علوم اگرچہ بعد میں ایجاد ہوئے اس زمانے کے عربوں کو ان کی ضرورت نہ تھی بعض کے عجم وعرب تمام کو ضرورت ہے) کیونکہ شریعت کی حفاظت واجب علی الکفایہ ہے ان چیزوں میں جو تعیین سے زائد ہیں اور اس کی حفاظت انہی سے ہی ہوتی ہے وہ واجب ہیں۔ ② بدعات محرمہ میں اہل بدعت کے تمام مذاہب ہیں اس لئے کہ وہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں۔ ③ مستحب بدعت وہ نیکی کے کام جو صدر اول میں نہ تھے مثلاً مدارس' تصوف کے دقائق میں بحث' ④ بدعت مکروہ میں تزئین مساجد' مصاحف کا نقش نگار' ⑤ بدعت مباحہ۔ لذیذ کھانے پینے کی اشیاء کا استعمال۔ پس معلوم ہوا و کل بدعة ضلالة عام ہے مگر اس کی مراد خاص ہے۔ اس سے سنت خلفاء راشدین اس میں نہیں ہے حالانکہ ہمیں اس کی اتباع کا حکم ہے۔ کیونکہ اس کی اصل شرعی موجود ہے۔ اسی طرح **سنتهم** تو لفظ عام ہے مگر مراد اس کی خاص ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی خلیفہ راشد ایک طریقہ اختیار کرتا ہے جس کی دلیل شرعی معاون نہیں تو اس کو اپنایا نہ جائے گا اور یہ چیز اس کے رشد کے خلاف نہیں کیونکہ بسا اوقات مصیب خطاء کرتا اور استقامت والا ٹیڑھ اختیار کرتا ہے۔ رواہ احمد' دارمی' ابوداؤد' ترمذی۔

امام نوویؒ نے اس کو حدیث حسن اور دوسرے نسخہ میں حسن صحیح کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن ماجہ' ابونعیم' حاکم مستدرک' طبرانی کبیر' بغوی معجم الصحابہ اس کی ابن حبان وابن خزیمہ نے بھی تصحیح کی ہے۔

النواجذ کا معنی دانتوں اور ڈاڑھوں کے درمیان والے دانت بعض نے ڈاڑھیں کہا ہے اور حدیث حتی بدت نواجذہ: قاضی عیاض نے بھی اضراس ہی ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے ضواحک کہا اور آخری دانتوں یعنی عقل ڈاڑھ کو قرار دیا ہے یہ آخری ڈاڑھ ہے جو آدمی کی پختگی عقل کی علامت ہوتی ہے یہ کل چار ہوتی ہیں۔ صاحب نہایہ نے یہی بات کہی۔ یہاں یہی معنی مراد ہے۔ سیوطی نے بھی اس کی تائید کی۔

تخریج: أخرجه احمد (١٧١٤٥ /٦) و أبو داود (٤٦٠٧) والترمذی (٢٦٧٦) و ابن ماجه (٤٢) والدارمی (١/ ٤٤) وإسناده صحیح۔

۱۵۹ :عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :"كُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی" قِیْلَ :وَمَنْ یَّاْبٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ :"مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۱۵۹: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: "میری امت سب کی سب جنت میں جائے گی مگر جس نے انکار کیا"۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کس نے انکار کیا؟ ارشاد فرمایا: "جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا"۔ (بخاری)

تشریح ❁ کل امتی سے امت دعوت مراد ہے۔ ابی اس کا معنی واضح کیا امتناع کا اسناد ان کی طرف مجازی ہے اصل تو سبب امتناع مراد ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے۔ اگر تو دخول اسلام سے ہی باز رہا تو یہ کافر ہے وہ جنت میں داخل نہ ہوگا اگر دخول کے بعد امتناع مراد ہے تو فائزین میں داخل ہونے سے روکا جانا مراد ہے۔

عاقولی کہتے ہیں معصیت کا مرتکب رد کرنے والے کی طرح ہے کیونکہ اس کی حرمت کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اس پر اباء کا لفظ لایا گیا اور اس سے مراد آگ کا استحقاق ہے جو سبب کو مسبب کی جگہ رکھنا ہے۔ جوہری نے اباءۃ کہا ہے۔

تخریج: أخرجه البخاری (٧٢٨٠)

الفرائد : ① کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنا چاہئے۔ ② مطیع حقیقی وہی ہے جو کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنے والا اور خواہشات وبدعات سے گریز کرنے والا ہے۔

۱۶۰ :عَنْ اَبِیْ مُسْلِمٍ وَّقِیْلَ اَبِیْ اِیَاسٍ سَلَمَةَ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا اَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِشِمَالِهٖ فَقَالَ :"كُلْ بِیَمِیْنِكَ" قَالَ :لَا اَسْتَطِیْعُ قَالَ "لَا اسْتَطَعْتَ" مَا مَنَعَهٗ اِلَّا الْكِبْرُ فَمَا رَفَعَهَا اِلٰی فِیْهِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

۱۶۰: حضرت ابو مسلم اور بعض نے کہا ابو ایاس سلمہ بن عمرو بن الاکوعؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے پاس بائیں ہاتھ سے کھایا۔ آپؐ نے فرمایا: "دائیں ہاتھ سے کھاؤ"۔ اس نے کہا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپؐ نے فرمایا: "خدا کرے تجھے طاقت نہ رہے"۔ اس کو دائیں ہاتھ کے ساتھ کھانے سے صرف تکبر نے روکا تھا۔

پس اس کا ہاتھ منہ کی طرف پھر کبھی نہ اُٹھا۔ (مسلم)

تشریح: ان کا نام ابوایاس یا ابوعامر سلمہ بن عمرو بن اکوع ہے۔ اکوع کا اصل نام سنان بن عبداللہ بن قشیر بن خزیمہ۔ اسلمی رضی اللہ عنہ یہ بیعت رضوان میں موجود تھے۔ انہوں نے شروع، درمیان اور آخر میں تین مرتبہ بیعت کی۔ یہ بڑے تیر انداز، بہادر، نیک فاضل تھے۔ سات غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی۔ ان کی مرویات ۷۷ ہیں۔ ۱۶ متفق علیہ ہیں، ۵ میں بخاری اور ۹ میں مسلم منفرد ہیں۔ مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔ شہادت عثمانی کے بعد ربذہ میں منتقل ہو گئے۔ پھر وفات سے قبل مدینہ آ گئے ۷۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ اس وقت عمر ۸۰ سال تھی۔

ان رجلا سے مراد بقول خطیب یسر بن ربعی العسیر اشجعی ہیں۔ شرح مسلم میں اسی طرح ہے۔ ابونعیم، ابن مندہ، ابن ماکولا نے اسی طرح ذکر کیا یہ مشہور صحابی ہیں۔

بشماله بائیں ہاتھ کے ساتھ تکبر کی بناء پر۔ کل بیمینك میں امر استحباب کے لئے ہے۔ قابل اعتماد قول یہی ہے اور آئندہ الفاظ کی دعا تو قصداً مخالفت سنت کی وجہ سے ہے۔

ما منعه الا الكبر یہ مدرج راوی ہے۔ تکبر نے متابعت سنت سے روکا۔ نووی کہتے ہیں اگر کل بیمینك میں امر ایجاب کے لئے ہو تو یہ معصیت بنے گا۔ تکبر اگر پایا بھی جائے تب بھی نفاق ثابت نہیں ہو سکتا جیسا کہ قاضی عیاض کا میلان ہے۔ بائیں ہاتھ سے کھانے کی ممانعت اس وقت ہے جبکہ دائیں ہاتھ سے کھانے کے لئے مرض وقطع ید کا عذر نہ ہو۔ ورنہ کوئی کراہت نہیں۔ فما رفعها الى فيه سابقہ قصد کی وجہ سے وہ اس بددعا کا مستحق بن گیا۔

تخریج: رواہ مسلم، احمد، ابن حبان الی الاذکار لابن حجر اس کے الفاظ یہ ہیں: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ابصر رجلاً ...... فما وصلت يمينه الى فيه بعد۔

۱۶۱: عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: "لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ– وَفِیْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّیْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّیْ بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى اِذَا رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَ اَنْ يُكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ"۔

۱۶۱: حضرت ابوعبداللہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا: "تم اپنی صفوں کو ضرور سیدھا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے مابین مخالفت پیدا فرما دے گا"۔ (متفق علیہ) مسلم کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ہماری صفوں کو اس طرح سیدھا فرماتے گویا اس سے تیروں کو سیدھا کریں گے۔ یہاں تک کہ آپؐ نے اندازہ فرمایا کہ ہم اس کو اچھی طرح سمجھ گئے ہیں۔ پھر ایک دن آپ تشریف لائے اور کھڑے ہو گئے۔ اللہ اکبر کہنے ہی والے تھے کہ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے نکلا ہوا ہے تو آپؐ نے فرمایا: "اے اللہ

کے بندو! تم اپنی صفیں درست کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف پیدا کر دے گا''۔

تشریح ابو عبداللہ نعمان بن بشیر بن سعد الخزرجی الانصاری یہ اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں۔ یہ عقبہ ثانیہ میں ان کے والد موجود تھے۔ وہ بدر٬ احد اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ یہ پہلے انصاری ہیں جنہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں عین التمر کے واقعہ ۱۲ھ میں جام شہادت نوش کیا جب کہ وہ یمامہ سے لوٹ رہے تھے۔ نعمان کی پیدائش ہجرت کے بعد چوتھے مہینے میں ہوئی۔ ہجرت کے بعد یہ سب سے پہلے انصاری بچے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۱۴ احادیث روایت کی ہیں۔ ۵ متفق علیہ اور ایک میں بخاری اور ۴ میں مسلم منفرد ہیں۔ نعمان کی شہادت حمص کی ایک بستی میں ذی الحجہ ۶۴ھ میں ہوئی۔ ابن ابی خیثمہ نے ۶۰ھ تہذیب میں اسی طرح ہے۔ انہوں نے شام میں رہائش اختیار کی پھر کوفہ کے گورنر بنے۔

النحو: لتسون صفوفکم بیضاوی کہتے ہیں لتسون کا لام ایسا ہے جس کے ساتھ قسم علی ہوتی ہے۔ یہاں قسم مقدر۔ اسی لئے آخر میں نون تاکید ہے۔

تسویہ صفوف صف کی درستگی یعنی کھڑے ہونے والوں کا ایک سمت میں اعتدال اختیار کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ ضرور بضرور تم صفوف میں اعتدال اختیار کرو۔ او وجوھکم اگر برابر نہ کرو گے تو تمہارے چہروں میں ضرور بضرور مخالفت ہو جائے گی۔ تسویة الوجہ چہرے کو بدل کر گدی کی جگہ کر دیا جائے یا انسان کی شکل تبدیل کر کے کوئی دوسری شکل بنا دی جائے یا اسی طرح کی کوئی اور صورت۔ اس معنی کی تائید ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے: لتسون الصوف او لتطمسن الوجوہ اس کو امام احمد نے سند ضعیف سے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اس روایت کے ضعف کی وجہ سے اس وعید کی مثال قرار دیا جو اس آیت میں ہے: ﴿من قبل اَنْ نطمس وجوھًا﴾ بعض نے کہا یہ مجاز ہے۔ نووی فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ تمہارے درمیان عداوت٬ بغض اور دلوں کا اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ جیسا محاورہ میں کہتے ہیں تغیر وجہ فلان یعنی اس کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار نظر آئے کیونکہ ان کا صفوف میں مختلف ہونا ظاہر کی مخالفت ہے۔ ظاہر کا اختلاف یہ باطن کے اختلاف کی علامت ہے۔ اس کی تائید ابوداؤد کی اس روایت نعمان سے ہوتی ہے: او لیالفن اللہ بین قلوبکم۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر چہرے سے عضو مخصوص مراد لیا جائے تو پھر مخالفت انسانی صورت کے لحاظ سے ہوگی یا اگلے حصے کو پیچھے سے بدلنے سے ہوگی اور اگر وجہ سے ذات مراد ہو تو پھر مخالفت مقاصد کے اعتبار سے ہوگی یہ کرمانی کا قول ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں مخالفت سے جزاء میں مخالفت مراد ہے جو صف درست کرے گا اس کو بدلہ خیر کا دیا ملے گا جو نہ درست کرے گا اس کو بدلہ شر کا ملے گا۔ (متفق علیہ)

فرق روایت: مسلم کی روایت میں کان یسوی صفوفنا حتی کانما یسوی بھا القداح تیر کی لکڑی اس کا واحد قدح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درست کرنے میں مبالغہ کرتے یہاں تک کہ وہ اس طرح درست و معتدل ہو جاتیں گویا اس سے تیر سیدھے کئے جائیں گے۔

عقلنا عنہ: ہم سمجھ گئے۔ سیکھ گئے ہیں۔ تو ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے نکلے۔ کاد یکبر فرأی رجلاً بادیا صدرہ تکبیر سے تکبیر تحریمہ مراد ہے۔ فا عاطفہ ہے اس کا عطف خرج پر ہے یعنی ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنا سینہ سمت صف سے

آگے بڑھانے والا ہے۔ فقال...... وجوهکم امام نووی کہتے ہیں اس میں صف کی درستی پر آمادہ کیا گیا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان ضرورت کے وقت کلام جائز ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے خواہ وہ کلام نماز سے متعلق ہو یا اس کے علاوہ سے متعلق ہو یا بلا مصلحت ہو۔

تخریج : أخرجه البخاری (۷۱۷) و مسلم (٤٣٦) وأبو داود (٦٦٣) والترمذی (٢٢٧) والنسائی (۸۰۹) وابن ماجه (٩٩٤)

۱۶۲ : عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : احْتَرَقَ بَیْتٌ بِالْمَدِیْنَةِ عَلٰی اَھْلِهٖ مِنَ اللَّیْلِ فَلَمَّا حُدِّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِشَاْنِھِمْ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ النَّارَ عَدُوٌّ لَّکُمْ فَاِذَا نِمْتُمْ فَاَطْفِئُوْھَا عَنْکُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۱۶۲: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رات کو ایک مکان مکینوں سمیت مدینہ میں جل گیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے متعلق بتلایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ آگ تمہاری دشمن ہے جب تم سونے لگو تو اسے بجھا دیا کرو"۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ امن اللیل یہ من فی کے معنی میں ہے۔ جیسا اس آیت: ﴿اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة﴾ میں ہے۔ (المغنی)

اور شاعر کا قول ہے:

عسی سامل ذو حاجة ان منحته
من الیوم منسؤلاً ان ایسر فی غد

یہاں من الیوم سے فی الیوم مراد ہے۔
حدّث یہ ماضی مجہول ہے۔

النَّحْو :فاذا انمتم یہ نام ینام نوماً از باب علم ہے۔ یہ ہمزہ اور تضعیف سے متعدی ہوتا ہے۔ المنوم استرفاء اعصاب دماغ کی وجہ سے قلب کے شعور کا زائل ہونا۔ نعاس اس کا مقدمہ ہے۔ اس کا سبب رطوبات ریاحی ہوتی ہیں۔ فاطفؤھا عنکم قرطبی کہتے ہیں امر ارشاد کے لئے ہے۔ کبھی ندب کے لئے بھی آتا ہے۔ مصنف نے اس کو مصلحت دنویہ قرار دے کر ارشاد پر یقین کا قول کیا ہے۔ مگر علماء نے فرمایا کہ کبھی اس میں دینی مصلحت بھی ہوتی ہے اور وہ اس جان کی حفاظت کے لئے جس کا قتل حرام ہے اور مال کی حفاظت کہ جس میں فضول خرچی حرام ہے۔

طبری کہتے ہیں جب کوئی کسی ایسے گھر میں رات گزارے جس میں اس کے سواء کوئی نہ ہو اسے سونے سے پہلے آگ بجھا دینی چاہئے یا ایسا کام کرے جس سے آگ سے حفاظت رہے۔ اگر گھر میں کئی لوگ ہوں تو سب سے آخر میں سونے والے کی ذمہ داری ہے۔ اس میں کوتاہی خلافِ سنت ہے۔

نووی کہتے ہیں روایت عام ہے اس میں دیا بھی شامل ہے۔ ایسے قنادیل جو محفوظ ہوں انکے جلتے رہنے میں حرج نہیں۔

مسئلہ: آج کل سوئی گیس کے ہیٹر اور چولہے کا یہی حکم ہے ان کے ہینڈل اچھی طرح بند کر کے سوئے تا کہ گیس کے نکلنے سے دم گھٹ کر یا جل کر حادثہ سے حفاظت ہو سکے۔ واللہ اعلم

تخریج: أخرجه احمد (۷/۱۹۵۸۸) والبخاری (٦٢٩٤) و مسلم (۲۰۱٦) وابن ماجه (۳۷۷۰) وابن حبان (۵۵۲۰)

۱٦۳: عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اِنَّ مَثَلَ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَصَابَ اَرْضًا فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ: قَبِلَتِ الْمَآءَ فَاَنْبَتَتِ الْكَلَاَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ، وَكَانَ مِنْهَا اَجَادِبُ اَمْسَكَتِ الْمَآءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا مِنْهَا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا، وَاَصَابَ طَائِفَةً مِّنْهَا اُخْرٰى اِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَّا تُمْسِكُ مَآءً وَّلَا تُنْبِتُ كَلَاً۔ فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهٗ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَاْسًا وَّلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِيْ اُرْسِلْتُ بِهٖ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

"فَقُهَ" بِضَمِّ الْقَافِ عَلَى الْمَشْهُوْرِ وَقِيْلَ بِكَسْرِهَا: اَيْ صَارَ فَقِيْهًا۔

۱٦۳: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ہدایت اور علم کی مثال جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس بارش جیسی ہے جو زمین کو پہنچے۔ پس اس زمین کا کچھ حصہ تو زرخیز تھا جس نے پانی کو اپنے اندر جذب کیا اور گھاس اور بہت سا سبزہ اُگایا اور کچھ حصہ اس کا بنجر تھا۔ جس نے پانی روک لیا پھر اس پانی سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا۔ لوگوں نے اس سے پانی پیا اور پلایا اور کھیتوں کو سیراب کیا اور وہ بارش زمین کے ایک اور حصہ کو پہنچی جو چٹیل میدان تھا جس نے نہ پانی روکا اور نہ گھاس اُگائی۔ پس یہ مثال اس کی ہے جس نے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کی اور اس علم سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نفع دیا۔ پس اس نے علم خود بھی حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھایا اور (دوسری) مثال اس شخص کی ہے جس نے اس کی طرف اپنا سر بھی نہیں اٹھایا اور نہ ہی اس نے اس ہدایت کو قبول کیا جو میں لے کر آیا ہوں''۔ (متفق علیہ)

فَقُهَ: فقیہ بننا۔

تشریح ۞ اِنَّ مثل یہ میم کے کسرہ اور ثا کے سکون اور میم وثا کے فتحہ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ لغت میں نظیر کے معنی میں آتا ہے۔ پھر ہر عجیب صفت وحالت کے لئے استعمال ہونے لگا۔ یہاں یہی مراد ہے۔ **ما بعثنی..... والعلم** ابن مالک کہتے ہیں الہدیٰ سے مراد وجدان قلب ہے۔ **العلم** یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ ممکن ہے کہ ایک ہی چیز مراد ہو۔

کمثل غیث اصاب ارضا اس میں علم کو اس بارش سے تشبیہ دی جو بنجر زمین کو آباد کر دیتی ہے۔ اسی طرح مردہ دل کو علم زندہ کر دیتا ہے۔

② **غیث کے لفظ لانے میں لطیفہ** ☆: جب پانی کم ہو جائیں اور لوگوں کو بارش کی ضرورت ہو اور وہ پانی کے لئے فریاد کر رہے ہوں تو اس وقت ہونے والی بارش کو غیث کہا جاتا ہے۔ بعثت نبوت کے وقت لوگ حیران تھے گمراہی کی

پگڈنڈیوں پر جا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علوم نبوت کی موسلا دھار بارشوں سے سیراب کر دیا۔ ③ دین سے فائدہ اٹھانے والے کو سرسبز و شاداب زمین سے تشبیہ دی۔ ④ اور دین قبول کرنے والے اور اس سے فائدہ اٹھانے والے کو اس زمین سے مشابہت دی جو پانی کو روکنے والی اور اس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہوں۔ ⑤ اور اس علم کو حاصل کر کے اس سے فائدہ نہ اٹھانے والے کو قیعان سے تشبیہ دی ہے۔ مگر ابن مالک کی رائے یہ ہے کہ اس کو تشبیہ مرکب بنایا جائے تاکہ اول کو آخر پر موقوف کیا جائے۔ ذرا غور کرو بارش کی اس طرح تعریف کی اصاب ارضاً۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی تشبیہ ہے اور وہ آسمان سے اترنے والی وحی ہے جس کا فائدہ کچھ لوگوں پر ظاہر ہوا اور بعض پر ظاہر نہ ہوا۔ آسمان سے اترنے والی بارش کے ساتھ تشبیہ دی جو اس زمین پر پڑی جس پر اثر ظاہر ہوا اور جس پر پڑی اور اثر ظاہر نہ ہوا۔

فكانت منها طائفة طيبة الماء...... العشب الكثير

النّحو : **كانت منها** یہ حال ہے۔ طائفة ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ الكلاء چراگاہ' نووی کہتے ہیں **العشب الخلی' الكلاء والحشيش** تمام نبات کے نام ہیں۔ لیکن حشیش خشک گھاس اور عشاب خلی' تر گھاس۔ اس پر عطف اہتمام شان کے لئے ہے۔ ایک قول یہ ہے۔ الکلاء بھی تر گھاس جو کہ دیر سے اگے اور کم اگے۔ عشب جو جلد اگے اور خوبی اُگے۔ اسی وجہ سے اس کی صفت کثیر لائے۔

خطابی ابن فارس۔ الخلیٰ خشک گھاس۔ مگر یہ ضعیف اور شاذ قول ہے۔ کازرونی نے دونوں کو ہم معنی قرار دیا اور بعض نے کلاء خشک کو کہا اور عشب جو سوکھنا شروع ہو۔ ایک قول یہ ہے االکا نبات اور عشب تر گھاس اور خاص کا عام پر عطف درست ہے تا کہ افراد کا اہتمام ہو۔

اجادب جمع اجدب وہ زمین جو کچھ نہ اُگائے۔ ابن الملک کہتے ہیں یہ بات بطور قیاس ہے ورنہ نووی نے ابن بطال وغیرہ سے نقل کیا کہ یہ جَدْبٌ کی جمع خلاف قیاس ہے جیسا حَسَن کی جمع محاسن۔ قیاس میں تو یہ محسن کی جمع ہونی چاہئے۔

قاضی عیاض نے کہا مسلم میں یہ الجدب آیا ہے جو الخصب کی ضد ہے۔ خطابی کی تشریحات پسندیدہ نہیں۔ باقی اجارد کے لفظ کا معنی تو یہی ہے مگر روایت اس کی معاونت نہیں کرتی۔ (نووی)

امسكت الماء ...... طائفة اخرى انما هي قيعان جمع قاع ابر زمین۔ بعض نے کہا ایسی زمین جس میں نباتات نہ ہو۔ مصنف کہتے ہیں یہاں یہی مراد ہے۔ **لا تمسك ماء** بعض اوقات قیعان میں گھاس اُگ آتی ہے۔ یہاں **لا تنبت كلاء** سے اس کی تردید فرمائی۔ ذلك کا مشار الیہ اقسام ثلاثہ ہے اور مثال کے موارد کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ پہلا ٹکڑا جو پانی کے قابل ہو اور گھاس اگائے **مثل من فقه...... فعلّم**۔ یہ دوسرے ٹکڑے کی مثال ہے **مثل من لم يرفع بذلك رأساً** یہ وہ حصہ ہے جو اُگاتا تو نہیں مگر لوگوں کو فائدہ پہنچا۔ یہ بے عمل عالم کی مثال ہے۔ عدم رفع راس کا مطلب عدم انتفاع اور عدم عمل ہے۔ تیسرے ٹکڑے کی مثال جو نہ پانی روکے نہ گھاس اگائے۔ یہ ان کی مثال ہے جس سے تعلیم و تعلم فوت ہو جائیں۔ عدم قبول ہدیٰ یہ علم سے خود نفع نہ اٹھانے اور نہ دوسروں کو پہنچانے سے کنایہ ہے۔ (متفق علیہ) مگر سیاق مسلم کا ہے۔ فَقُه یہ قاف کے ضمہ و کسرہ سے ہے۔ احکام شرعیہ کو جاننے والا اور لغوی معنی کے لحاظ سے یہ فَقِهَ ہی ہے اور نہیں۔

تخريج: أخرجه البخاري (٧٩) و مسلم (٢٢٨٢)

الفرائد: ① علم کی مثال بیان کرنا درست ہے۔ ② علم نہایت ضروری چیز ہے۔ ③ علم سے اعراض سخت محرومی ہے۔

۱۶۴ : عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : "مَثَلِیْ وَمَثَلُکُمْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اَوْ قَدَ نَارًا، فَجَعَلَ الْجَنَادِبُ وَالْفَرَاشُ یَقَعْنَ فِیْھَا وَھُوَ یَذُبُّھُنَّ عَنْھَا وَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تُفْلِتُوْنَ مِنْ یَدِیْ" رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

"اَلْجَنَادِبُ" نَحْوُ الْجَرَادِ وَالْفَرَاشِ ، ھٰذَا ھُوَ الْمَعْرُوْفُ الَّذِیْ یَقَعُ فِی النَّارِ۔
"وَالْحُجَزُ" جَمْعُ حُجْزَۃٍ وَھِیَ مَعْقِدُ الْاِزَارِ وَالسَّرَاوِیْلِ۔

۱۶۴: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری اور تمہاری مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے آگ جلائی تو پتنگے اور پروانے اس میں گرنے لگے اور وہ ان کو آگ سے دور ہٹا رہا ہے۔ میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ سے بچا رہا ہوں۔ لیکن تم میرے ہاتھوں سے چھوٹے جا رہے ہو"۔ (مسلم)

اَلْجَنَادِبُ :ٹڈی اور پروانے کی طرح کا کیڑا ہے یہ وہ معروف کیڑا ہے جو آگ میں گرتا ہے۔
اَلْحُجُزُ جمع حُجْزَۃٌ : چادر وشلوار یا تہہ بند باندھنے کی جگہ۔

تشریح ۞ الجنادب: آگ میں گرنے والے کیڑے مکوڑے۔ بعض روایات میں دواب ہے۔ یقعن فیھا کیونکہ وہ اس چیز کا ادرک نہیں رکھتے جو ان کو نقصان پہنچانے والی ہے۔ یذبھن عنھما ان پر شفقت کرتے ہوئے ہٹاتا ہے کیونکہ اسے ان کی ہلاکت کا یقین ہے۔ انا اخذ یہ فعل مضارع یا اسم فاعل ہے۔ زیادہ مشہور اسم فاعل ہے دونوں درست ہیں۔ بحُجز کم جمع حُجزۃ پاجامہ باندھنے کی جگہ۔ انتم تفلتون یہ لام مشدد و مضموم یا لام مکسور کے ساتھ آتا ہے۔ افلت منی وتفلت جبکہ غلبہ کرے اور بھاگنے کی کوشش کرے پھر غالب آ کر بھاگ جائے۔ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلوں اور مخالفوں کے گناہوں اور شہوات کے سبب آخرت کی آگ میں گرنے اور پڑنے کی حرص شدید کو باوجودیکہ ان کو روکا جا رہا ہے اور ایسی جگہ سے تھاما گیا جو رکنے کی جگہ ہے کو ذکر فرمایا کہ وہ اپنی خواہشات اور ضعف تمیز کی وجہ سے آگ میں گر رہے ہیں اور دونوں ہی اپنے نفس کی ہلاکت کے لئے جہل وحرص کی وجہ سے کوشاں ہے۔ مسلم۔ احمد (جامع صغیر)
الجنادب جمع جُندب جیم مضموم ہے قاضی عیاض نے کسرہ بھی نقل کیا ہے۔ اس کو جھینگر کہتے ہیں یہ مکڑی سے چھوٹا پتنگا ہے رات کو شور کے ساتھ تیزی سے اڑتا ہے اس کے چار پر ہوتے ہیں۔ الفراش جو مچھر کی طرح اڑتا ہے یہ خلیل کا قول ہے جوں کی طرح آگ میں گرنے والے چھوٹے مکوڑے۔

تخریج: أخرجه مسلم (۲۲۸۵)

۱۶۵ : عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَصَابِعِ ، وَالصَّحْفَۃِ وَقَالَ : "اِنَّکُمْ

لَا تَدْرُوْنَ فِیْ اَیِّھَا الْبَرَکَةُ" رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّہٗ :"اِذَا وَقَعَتْ لُقْمَةُ اَحَدِکُمْ فَلْیَاْخُذْھَا فَلْیُمِطْ مَا کَانَ بِھَا مِنْ اَذًی وَّلْیَاْکُلْھَا وَلَا یَدَعْھَا لِلشَّیْطَانِ۔ وَلَا یَمْسَحْ یَدَہٗ بِالْمِنْدِیْلِ حَتّٰی یَلْعَقَ اَصَابِعَہٗ فَاِنَّہٗ لَا یَدْرِیْ فِیْ اَیِّ طَعَامِہِ الْبَرَکَةُ" وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّہٗ :"اِنَّ الشَّیْطَانَ یَحْضُرُ اَحَدَکُمْ عِنْدَ کُلِّ شَیْءٍ مِّنْ شَاْنِہٖ حَتّٰی یَحْضُرَہٗ طَعَامَہٗ فَاِذَا سَقَطَتْ مِنْ اَحَدِکُمُ اللُّقْمَةُ فَلْیُمِطْ مَا کَانَ بِھَا مِنْ اَذًی فَلْیَاْکُلْھَا وَلَا یَدَعْھَا لِلشَّیْطَانِ"۔

۱۶۵: حضرت جابرؓ سے ہی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنگلیاں اور پیالہ چاٹ لینے کا حکم دیا ہے اور فرمایا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے کونسے کھانے میں برکت ہے"۔ (مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اسے پکڑ لے اور اُس پر جو مٹی وغیرہ لگی ہے اس کو صاف کر کے اس کو کھالے اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے اور اپنے ہاتھ کو تولئے کے ساتھ نہ پونچھے۔ جب تک کہ وہ اپنی انگلیاں چاٹ نہ لے۔ اس لئے کہ اسے معلوم نہیں کہ اس کے کونسے کھانے میں برکت ہے اور ایک اور روایت میں ہے کہ "شیطان تمہاری اشیاء کے ہر موقعہ پر حاضر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ کھانے کے وقت میں بھی۔ پس جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اس پر لگ جانے والی تکلیف دہ چیز کو دور کر کے اس کو کھالے اور شیطان کے لئے اس کو نہ چھوڑے"۔

تشریح ۞ بلعق الاصابع خود چاٹ لے یا بیوی' بچہ' لونڈی' شاگرد چاٹ لے جو اس سے نفرت نہ کرتا ہو بلکہ اس سے تبرک کا ارادہ رکھتا ہو۔ یہ درحقیقت تواضع کے ذریعہ نفس کو توڑنا ہے۔ قال اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علت بتلائی۔ اس روایت میں ایة ہے دوسری روایت میں طعام کا لفظ ہے۔

امام نووی کہتے ہیں۔ انسان کے کھانے میں برکت اترتی ہے۔ اسے معلوم نہیں' آیا وہ برکت اس کھانے میں تھی جو کھالیا گیا یا جو انگلیوں پر باقی ہے یا پیالے کی تہہ میں لگا ہے یا گرنے والے لقمہ میں ہے۔ اسی لئے تمام حالتوں کی محافظت کرے تا کہ برکت حاصل ہو جائے۔ برکت سے یہاں مراد جس سے غذائیت میسر آ جائے یا انجام میں وہ نقصان دہ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی قوت اس سے پیدا ہو۔ (رواہ مسلم)

فرق: ایک روایت میں ہے: فلیأخذھا یعنی اس کو پکڑ لے اور خوش حال متکبروں کی طرح پڑا نہ رہنے دے۔ **فلیمط** ماطہ یعنی اس کو دور کیا (جوہری) اصمعی کہتے ہیں یہ حرف اماطہ ہے دور اور زائل کرنا۔ **ما کان بھا** بافی کے معنی میں ہے یا الصاق و ملابست کے لئے ہے۔ یعنی جو اس میں لگ گیا ہو یا اس کے ساتھ لگ جائے۔ **من اذی** اس کو ملوث کرنے والی مٹی وغبار وغیرہ۔ اگر نجس جگہ گر جائے تو پھر پلید ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اس کا دھونا ممکن ہے تو دھوئے اگر ممکن نہ ہو تو کسی حیوان کو کھلا دے شیطان کے لئے نہ چھوڑے۔ للشیطان یہ شطن بمعنی بعد ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ شاط بمعنی احترق ہے۔ الف لام جنس یا عہد ذہنی کے لئے ہے۔ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ شیاطین کھاتے ہیں۔ **مندیل** شاید یہ مندل سے بنا ہے اور وہ جوتے اور تسمے کو کہتے ہیں یہ ابن فارس کا قول ہے۔ دوسروں نے کہا یہ ندل سے نکلا ہے جس کا معنی میل ہے کیونکہ اس سے میلا کچیلا ہو جاتا ہے۔ اہل لغت ہیں تندلت بالمندیل میں نے مندیل باندھا۔

چاٹنے کا طریقہ:

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو طبرانی اوسط میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تین انگلیاں یعنی انگوٹھا' اس کے قریب والی اور درمیانی انگلی سے کھاتے دیکھا پھر میں نے دیکھا کہ پونچھنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس طرح چاٹتے پہلے درمیانی پھر شہادت والی پھر انگوٹھا''۔

ابن حجر شرح ترمذی میں فرماتے ہیں کہ اس میں راز یہ ہے کہ درمیانی سب سے زیادہ ملوث ہوتی ہے کیونکہ وہ طویل ہے۔ پس اس میں کھانا دوسروں سے زیادہ لگ جاتا ہے اور وہ طوالت کی وجہ سے کھانے میں سب سے پہلے اترتی ہے۔ یا چاٹنے والے کے ہاتھ کی ہتھیلی چہرے کی طرف ہوتی ہے۔ جب درمیانی سے ابتداء کرے گا پھر شہادت کی طرف منتقل ہوگا جو اس کے دائیں جانب اور اس کے بعد انگوٹھا اس کے بھی دائیں جانب ہے (تاکہ دائیں پر اختتام ہو) جامع صغیر علقمی) ایک اور روایت میں جو جابر سے ہے: **ان الشیطان یحضر احدکم عند شأنه کله** ایک روایت میں **عند کل شئ من شأنه** اس میں گویا شیطان سے خبردار رہنے کی تاکید کردی۔ حتی یہاں غایت کے لئے ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (۵/۱٤۹٤۳) و مسلم (۲۰۳۳) والترمذی (۱۸۰۲) وابن ماجه (۳۲۷۰) و ابن أبی شیبة (۲۹۷/۸) و ابن حبان (۵۲۵۳)

الفرائد: ① کھانے کی سنن میں سے یہ ہے کہ انگلیوں اور پیالے کو چاٹ لیا جائے تاکہ کھانے کی برکت حاصل ہو۔ ② گرے ہوئے لقمہ کو صاف کر کے کھالینا چاہئے۔ ③ چاٹنے کے بعد انگلیوں کو رومال وغیرہ سے پونچھ لینا چاہئے تاکہ شیطان کی وسوسہ اندازی نہ رہے۔

---

١٦٦ : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَوْعِظَةٍ فَقَالَ: يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّكُمْ مَّحْشُوْرُوْنَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا: كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ اَلَا وَاِنَّ اَوَّلَ الْخَلَائِقِ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِبْرَاهِيْمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، اَلَا وَاِنَّهٗ سَيُجَآءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِيْ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ: يَا رَبِّ اَصْحَابِيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ: كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: "وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ" اِلٰى قَوْلِهٖ: "الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" فَيُقَالُ لِيْ: "اِنَّهُمْ لَمْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

"غُرْلًا": اَيْ غَيْرَ مَخْتُوْنِيْنَ۔

١٦٦: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ہم میں وعظ و نصیحت کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''اے لوگو! تم اللہ کی بارگاہ میں ننگے پاؤں' ننگے بدن' غیر مختون جمع کئے جاؤ گے جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ ہم اسے دوبارہ لوٹائیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے ہم یقیناً پورا کرنے والے ہیں۔ اچھی طرح سنو! بلاشبہ

سب سے پہلے قیامت کے دن جسے لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔ خبردار سنو! میری اُمت کے بعض لوگوں کو لایا جائے گا انہیں بائیں طرف پکڑ لیا جائے گا۔ میں کہوں گا اے میرے رب یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ چنانچہ آپ کو کہا جائے گا۔ اے پیغمبر تجھے نہیں معلوم! انہوں نے تیرے بعد کیا کیا چیزیں ایجاد کیں۔ پس میں وہ کہوں گا جو عبد صالح (عیسیٰ بن مریم) نے کہا ﴿كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ﴾ الایہ میں ان پر گواہ رہا جب تک ان کے اندر موجود رہا۔ آپ نے یہ آیت ﴿اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ تک تلاوت فرمائی۔ پھر مجھے کہا جائے گا یہ اپنی ایڑیوں پر دین سے پھر گئے۔ جب سے تم ان سے جدا ہوئے۔ (متفق علیہ)

غُرْلاً : غیر مختون۔

تشریح ۞ محشورون تم جمع کئے جاؤ گے بعث کے بعد۔ حفاۃ جمع حاف ننگے پاؤں والا۔ عراۃ ننگا جسم۔ غرلا بے ختنہ۔ نعیدہٗ ہم لوٹائیں گے مٹانے کے بعد۔ کما اس کے متعلق ہے ما مصدریہ ہے۔

النحو : وعدا علینا فعل محذوف کا مفعول ہے۔ انا کنا فاعلین یہ ہم ہی اپنے وعدے کو پورا کرنے والے ہیں۔ یہ اس بات پر بطور دلیل مذکور ہے کہ مخلوق کا اعادہ تمام اجزاء کے ساتھ ہوگا۔ الا یہ حرف تنبیہ ہے۔ ابراهيم عليه السلام سب سے پہلے پہنانے سے فضیلت کلی لازم نہیں آتی۔ کرمانی کہتے ہیں: ① متکلم کے علاوہ مراد ہیں۔ ② سیوطی کہتے ہیں ان کو آگ میں برہنہ ڈالا گیا۔ ③ بعض نے کہا انہوں نے سب سے پہلے شلوار کی ابتداء کی۔ ④ آپ ﷺ کو اس کی بجائے دو حلے پہنائے جائیں گے۔ اس سبقت کا ازالہ ہے۔ باقی تمام کو ایک ایک (بیہقی) انہ یہ ضمیر شان ہے۔ ذات الشمال اس سے آگ والی جانب مراد ہے۔ ① بقول ابن النحوی یہ منافقین ہیں۔ ② بعض نے کہا حقوق میں کوتاہی کرنے والے مسلمان۔

هم اصحابی بخاری کی روایت میں فاقول یا رب ارحم اصحابی سیوطی نے توشیح میں کہا اکثر روایات اُصیحابی تصغیر کے ساتھ ہے۔ کشمیھنی نے غیر مصغر مانا۔ خطابی کہتے ہیں وہ معمولی طبقہ ہے جس سے یہ ہوا۔ صحابہ مشہورین میں سے کسی سے نہیں ہوا۔

صدیقی علان کہتا ہے اصحابی کے لفظ سے امتی ہیں بعد میں آنے والے لوگوں کیلئے صحبت کا مجازاً استعمال ہوا۔ پہچان علامات امت سفید پیشانی سے ہوگئی اور یہ مفہوم برجال من امتی کے بالکل مناسب ہے۔ اسی روایت کے الفاظ برجال من امتی خود وضاحت کر رہے ہیں۔ ما احدثوا بعدك آپ ﷺ کی تفخیم شان کے طور پر ذکر نہیں تا کہ قیام عدل اور قوام حجت پر زیادہ دلالت کرے۔ فاقول میں امر الٰہی کو تسلیم کرتے ہوئے کہوں گا۔ العبد الصالح سے عیسیٰ بن مریم مراد ہیں۔

الرقيب عليهم یعنی ان کے اعمال پر نگران ہے۔ انت على كل شئى شهيد یعنی آپ ﷺ کو میری اور ان کی بات کا بخوبی علم ہے۔ ان تعذبهم یعنی جنہوں نے انکار کیا تو ان کا مالک و متصرف ہے۔ کسی کو اعتراض کی مجال نہیں۔ و ان تغفر لهم اور اگر ان کو بخش دے جو ان میں سے ایمان لائے تو آپ ﷺ اپنے حکم پر غالب اور اپنی صنعت میں حکمت والے ہیں۔ (جلالین)

كما قال العبد الصالح...... یہ قول عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بطور تسلیم ہے۔ ان کو ان کے متعلق بتلایا گیا جو ان میں سے ایمان لائے۔ پس ان تعذبهم کا مطلب یہ ہے کہ ان کے کفر اور سابقہ بہتان پر اگر تو سزا دے تو وہ اس کے حقدار ہیں اور آپ پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ آپ اپنے بندوں میں تصرف کرنے والے ہیں۔ و ان تغفر لهم اور اگر ان کو بخش دیں جو توبہ کرنے

والے ہیں۔(کذا قال ابن النحوی)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عیسیٰ کو معلوم ہوا کہ وہ ان کے بعد نافرمانی کریں گے تو کہا وان تغفرلھم یعنی جو گناہ وہ کر بیٹھے۔

فیقال لی تو مجھے ان محدثات کرنے والوں کے متعلق کہا جائے گا۔انھم لم یزالوا مرتدین قاضی عیاض کہتے ہیں۔

بھترین تاویل ☆ حضرات کی بات درست ہونے کی دلیل ہے جنہوں نے اس کی تاویل مرتدین سے کی ہے۔اسی لئے آپ نے ان کے متعلق سحقاً سحقاً فرمایا اور آپ اپنی امت کے مذنبین کے متعلق نہ کہیں گے بلکہ ان کے لئے تو اہتمام سے شفاعت فرمائیں گے۔یہ بہترین تاویل ہے۔

ایک ضعیف قول یہ ہے کہ ان کی دو اقسام ہیں: ① گناہ گار ② استقامت سے پھرنے والے نہ کہ اسلام سے یہ اعمال صالحہ کو سیئہ سے بدلنے والے ہیں۔

② کفر کی طرف لوٹنے والے یہ حقیقت میں ایڑیوں کے بل پھرنے والے ہیں۔

منذ یہ ظرف ہے۔غرل یہ جمع اغرل ہے غیر مختون۔

تخریج: أخرجه احمد (۱/۱۹۵۰) والبخاری (۳۳۴۹) و مسلم (۵۸/۲۸۶۰) والترمذی (۲۴۲۳) والنسائی (۲۰۸۱) والدارمی (۳۲۶/۲) وابن حبان (۴۳۴۷) والبیهقی فی الأسماء والصفات (۱۳۸/۲)

۱٦۷ :عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَذْفِ وَقَالَ :اِنَّهٗ لَا يَقْتُلُ الصَّيْدَ وَلَا يَنْكَأُ الْعَدُوَّ وَاِنَّهٗ يَفْقَأُ الْعَيْنَ وَيَكْسِرُ السِّنَّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّ قَرِيْبًا لِّابْنِ مُغَفَّلٍ خَذَفَ فَنَهَاهُ وَقَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْخَذْفِ وَقَالَ :اِنَّهَا لَا تَصِيْدُ صَيْدًا" ثُمَّ عَادَ فَقَالَ :اُحَدِّثُكَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهُ ثُمَّ عُدْتَّ تَخْذِفُ لَا اُكَلِّمُكَ اَبَدًا۔

۱٦۷:حضرت ابوسعید عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکری مارنے سے منع کیا اور فرمایا:''یہ نہ تو شکار کو مارتی ہے اور نہ دشمن کو زخمی کرتی ہے البتہ یہ آنکھ پھوڑتی اور دانت کو توڑتی ہے''۔(متفق علیہ)

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن مغفل کے کسی قریبی رشتہ دار نے کنکری ماری تو حضرت عبداللہ نے اس کو منع فرمایا اور فرمایا حضور اکرم ﷺ نے کنکری مارنے سے منع فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ نہ تو شکار کرتی ہے۔اس نے پھر اس حرکت کا اعادہ کیا۔عبداللہ نے فرمایا میں تمہیں بتلا رہا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور تو دوبارہ کنکری مار رہا ہے میں تم سے کبھی کلام نہ کروں گا۔(کیونکہ تمہاری یہ حرکت قصداً مخالفت معلوم ہوتی ہے)۔

تشریح ۞ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوسعید' ابوعبدالرحمان' ابوزیاد وارد ہوئی ہے۔ان کے دادا کا نام عبدغنم یا عبدنہم بن عفیف۔مضر بن نزار المزنی البصری۔مزنیہ جس کی طرف قبیلہ کی نسبت ہے۔یہ عثمان بن عمرو کی بیوی کا نام ہے۔عبداللہ بیعت رضوان میں شامل تھے۔یہ کہتے ہیں میں ان لوگوں میں سے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کی

ٹہنیوں کو بلند کرنے والا تھا۔ مدینہ میں رہائش اختیار کی پھر بصرہ منتقل ہو گئے۔ یہ ان لوگوں میں سے ایک تھے جن کے مخلصانہ رونے کو قرآن مجید نے نقل کیا: ﴿ولا علی الذین اذا ما اتوك لتحملهم...... ﴾ ان کی مرویات ۴۳ روایات ہیں۔ ۴ متفق علیہ ایک میں بخاری منفرد اور دوسری میں مسلم منفرد ہے۔ بصرہ میں ۶۰ ھ میں وفات ہوئی۔ بعض نے ۵۹ ھ نقل کیا ہے۔ ان کی وصیت کے مطابق ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ الخذف انگوٹھے اور سبابہ سے کنکری پھینکنا۔ لا ینکاء یہ شکار کو زخمی نہیں کرتی۔ یفقاء آنکھ پھوڑتی ہے۔ بعض روایات میں یَنْکِیْ ہے۔ منکیت العدو و الکیته اور قاضی عیاض کہتے ہیں یہ یہاں زیادہ بہتر ہے اور ناقص پائی ہے مہموز اللام نہیں ہے اور مہموز کی لغت پائی جاتی ہے۔ ہمارے شیوخ کی روایات اسی طرف ہیں۔ یکسر السن دانت توڑتا ہے یعنی نقصان دہ ہے اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ (متفق علیہ) مسلم کی روایت میں ہے: لا تصید صیدا یعنی اس سے نہ شکار ہوتا ہے نہ اس سے لڑائی میں فائدہ ہوتا ہے۔ اعاد کا معنی یہ ہے کہ یہ بات سننے کے بعد کنکری پھینکی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے گفتگو کا بائیکاٹ کر دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اہل بدعت وفسق اور تارکین سنت سے علیحدگی جائز ہے اور تین دن سے اوپر چھوڑنے کی ممانعت ذاتی غرض اور دنیا کی خاطر منع ہے' اہل بدعت کو تو ہمیشہ چھوڑنا چاہئے۔ اس کی تائید اس روایت اور کعب بن مالک کی روایت سے ہوتی ہے۔

تخریج: أخرجه البخاری (۵۴۷۹) و مسلم (۱۹۵۴) والنسائی (۴۸۳۰)

الفرائد: ① کنکری مارنے کی ممانعت اس لئے کی گئی کہ یہ بے فائدہ ہے البتہ نقصان کا خطرہ ہے۔ ② اس جیسی تمام اشیاء کے جو بے فائدہ ہوں وہ اس میں داخل ہیں۔ ③ دشمن اور شکار پر کنکریاں مارنا درست ہے۔ ④ اہل بدعت سے تعلق کو کاٹ لینا چاہئے۔

۱۶۸: وَعَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ: رَاَيْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ ' يَعْنِي الْاَسْوَدَ ' وَيَقُوْلُ ' اَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ مَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْ لَا اَنِّي رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ'' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۶۸: حضرت عابس بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حجرا سود کو بوسہ دیتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت آپ یہ فرما رہے تھے میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔ (متفق علیہ)

تشریح: عابس بن ربیعہ یہ نخعی کوفی مخضرم کبار ثقہ تابعین سے ہیں۔ انی اعلم: بخاری کی ایک روایت میں اما واللہ انی لا علم خبردار اللہ کی قسم میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ لا تضر و لا تنفع یعنی مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے۔

نہایت ضعیف روایت:

ابن حجر کہتے ہیں حاکم نے ابو سعید سے روایت کی کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تو ان کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا بے شک وہ نفع و نقصان دیتا ہے اور بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم سے عہد لیا اسے کاغذ پر لکھ کر پتھر کو کھلا دیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ اس پتھر کو قیامت کے دن لایا جائے گا' اس کی چلنے والی زبان ہوگی جو اس

کی گواہی دے گی جس نے اس کو توحید کے ساتھ بوسا دیا۔ یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔
اور یہ بھی روایت میں وارد ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع بیان کیا۔
ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے حجر اسود کو تین مرتبہ بوسہ دیا۔ پھر کہا انك حجر...... ما قبلتك پھر عمر کہنے لگے میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر کو بوسہ دیا اور فرمایا: انك حجر ما تنفع و لا تضر طبرانی کہتے ہیں جناب عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اس لئے کیا کیونکہ لوگوں کا عبادت اصنام والا زمانہ قریب تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں جاہل یہ گمان نہ کرلیں کہ استلام حجر یہ پتھروں کی تعظیم کی قسم سے ہے۔ جیسا کہ اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا۔
ولو لا انی رأیت ......اس قول عمر رضی اللہ عنہ میں یہ قاعدہ بتلایا گیا کہ شارع کی بات امور دین میں تسلیم کرنی چاہئے۔ جس کے معانی نہیں کھولے گئے اس میں خوب اتباع کرے۔ اگر چہ اس کی حکمت معلوم نہ ہو۔
اس سے جہاں کے اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا کہ حجر کی خاصیت ہے جو اس کی ذات کی طرف لوٹنے والی ہے۔
② سنن نبویہ کو قول و فعل سے بیان کرنا چاہئے۔ ③ امام کو جب کسی کی سوء اعتقادی کا خدشہ ہو تو اسے امر جلد بیان کر دینا چاہئے۔ (متفق علیہ) مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: ولکن رایت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بك حفیا" یقبلك کے الفاظ ذکر نہیں کئے۔ (تجرید الاصول للبارزی)

تخریج: أخرجه مسلم (۱۲۷۰/۲۵۱) وأخرجه البخاری (۱۶۰۵) و مسلم (۱۲۷۰) وأحمد (۱/۲۲۶) والدارمی (۱۸٦٤) والبزار (۱۳۹) والنسائی فی الکبری (۳۹۱۹) وأبو یعلی (۲۲۰) وابن خزیمة (۲۷۱۱) وابن الجارود (٤٥۲) وابن حبان (۳۸۲۱) من طرق من حدیث عبدالله بن عمر رضی الله عنهما۔

الفرائد: ① حجر اسود کا بوسہ مسنون ہے۔ ② نفع و نقصان اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جیسا کہ فرمایا ﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ﴾ [الأنعام: ۱۷] ③ سنت کو بلا کم و کاست ادا کرنا چاہئے۔

۱۷: بَابٌ فِی الْوُجُوْبِ الْاِنْقِیَادِ لِحُکْمِ اللّٰهِ وَمَا یَقُوْلُهٗ مَنْ دُعِیَ اِلٰی ذٰلِكَ وَاُمِرَ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نُهِیَ عَنْ مُّنْكَرٍ!

بَاب: اللہ کے حکم کی اطاعت ضروری ہے اور جس کو اللہ کے حکم کی طرف بلایا جائے یا امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کہا جائے وہ کیا کہے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [النساء:٦٥]

''تمہارے ربّ کی قسم ہے وہ مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک تجھے اپنے باہمی جھگڑوں میں فیصل نہ مان لیں اور پھر تمہارے فیصلہ پر اپنے دلوں میں ذرّہ بھر تنگی محسوس نہ کریں اور اس کو مکمل طور پر تسلیم کرلیں''۔(النساء)

وَقَالَ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [النور:٥١]

''مؤمنو! بات یہ ہے کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں کہ وہ کہہ دیں کہ ہم نے سنا اور مانا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔(النور)

انقیاد: ظاہری فرمانبرداری اور باطنی رضامندی۔ دُعی یہ ماضی مجہول ہے۔ **ذلك:** اسم اشارہ بعید تفخیم شان کے لئے۔

آیت نمبر (۱) فلا وربك......

سیوطیؒ کہتے ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت زبیر اور انصاری کے تنازعہ میں اتری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے تم پلاؤ پھر پانی اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو۔ اس پر انصاری نے کہا یارسول اللہ وہ تمہارا پھوپھی زاد ہے۔ زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرا گمان ہے کہ یہ اسی سلسلہ میں اتریں اس کو ائمہ ستہ نے روایت کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ زبیر اور حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے درمیان پانی کے جھگڑے کے سلسلہ میں اتری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ پہلے اونچی زمین والا پلائے پھر نیچی والا (اخرجہ ابن ابی حاتم) ایک قول یہ ہے کہ اس کا سبب یہ تھا کہ دو آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان فیصلہ فرما دیا۔ اس نے کہا جس کے خلاف فیصلہ ہوا۔ ہمیں عمر کے پاس جانا چاہئے۔ پس وہ دونوں ان کے پاس پہنچے تو اس آدمی نے کہا کہ میرے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرما دیا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ ہمیں عمر کے پاس جانا چاہئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اسی طرح ہے؟ اس نے کہا جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تم دونوں میرے نکلنے تک انتظار کرو تا کہ میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں وہ تلوار لے کر نکلے اور اس آدمی کی گردن اڑا دی جس نے کہا تھا کہ ہمیں عمر کے پاس جانا چاہئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ سیوطی کہتے ہیں اس کو ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابوالاسود سے مرسلاً بیان کیا ہے مگر اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے پس یہ سند غریب ہے۔ مگر رحیم نے اپنی تفسیر ضمرہ سے اس کا شاہد نقل کیا ہے (جس سے اس کی غرابت میں کمی آگئی)۔

آیت نمبر ۲: ﴿انما كان قول المؤمنين﴾ (النور: ٥١)

قول: سے مراد جو ان کو کہنا چاہئے۔ **اطعنا:** ہم نے مانا قبولیت کے ساتھ۔

اولئك: یہ لوگ اس وقت ناجی ہیں۔ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مراد دعونی ما ترکتکم ہے۔

وَفِيْهِ مِنَ الْاَحَادِيْثِ حَدِيْثُ اَبِىْ هُرَيْرَةَ الْمَذْكُوْرُ فِىْ اَوَّلِ الْبَابِ قَبْلَهٗ وَغَيْرُهٗ مِنَ الْاَحَادِيْثِ فِيْهِ۔

اس باب سے متعلقہ روایات میں وہ حدیث ابوہریرہ ہے جو پہلے گزری اور دیگر روایات میں سے یہ ہے۔

۱۶۹ : وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ﴿لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ اَلْاٰيَةَ اشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلٰى اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ بَرَكُوْا عَلَى الرُّكَبِ فَقَالُوا : اَىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلِّفْنَا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا نُطِيْقُ : الصَّلٰوةُ وَالْجِهَادُ وَالصِّيَامُ وَالصَّدَقَةُ وَقَدْ اُنْزِلَتْ عَلَيْكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَلَا نُطِيْقُهَا ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَقُوْلُوْا كَمَا قَالَ اَهْلُ الْكِتَابَيْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا؟ بَلْ قُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ فَلَمَّا اقْتَرَاَهَا الْقَوْمُ وَذَلَّتْ بِهَا اَلْسِنَتُهُمْ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ اِثْرِهَا اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ نَسَخَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا" قَالَ : نَعَمْ ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾ قَالَ: نَعَمْ ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ قَالَ : نَعَمْ ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

۱۶۹: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہؐ پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿لِلّٰهِ مَا ......﴾ ''اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو وہ جو تمہارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ اللہ تعالیٰ اس پر تمہارا محاسبہ کریں گے''۔تو یہ آیت صحابہ کرام رضوان اللہ پر گراں گزری۔ وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور عرض کیا یارسول اللہؐ ہمیں کچھ ایسے اعمال کا ذمہ دار بنایا گیا ہے جن کی ہم طاقت رکھتے ہیں مثلاً نماز' جہاد' روزہ' صدقہ وغیرہ اور آپؐ پر یہ آیت اتری ہے اور ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''کیا تم چاہتے ہو کہ تم اسی طرح کہو جس طرح تم سے پہلے اہل کتاب نے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا بلکہ تم یوں کہو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ...... جب اس دعا کو صحابہ نے پڑھا اور ان کی زبانوں پر یہ رواں ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی: ﴿آمَنَ الرَّسُوْلُ ......﴾ ''ایمان لائے رسولؐ اس پر جوان پر ان کے ربّ کی طرف سے اُتارا گیا اور مؤمن بھی ایمان لائے۔ سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے

رسولوں پر۔ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان (ایمان کے لحاظ سے) تفریق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ اے ہمارے ربّ ہم تیری بخشش کے طالب ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ جب انہوں نے ایسا کرلیا تو اللہ نے آیت کے اس حصہ کو منسوخ فرما دیا اور اس کی جگہ نازل فرمایا: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ ......﴾ اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جو اچھے کام کرے گا اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا اور جو برے کام کرے گا اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ اے ہمارے ربّ! ہماری بھول اور غلطیوں پر ہماری گرفت نہ فرما۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا۔ بہت اچھا۔ اے ہمارے ربّ! ہم پر اس طرح بوجھ نہ ڈال جس طرح تو نے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے تھے۔ اللہ نے فرمایا ہاں اور ہمیں معاف فرما دے اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہاں۔ (مسلم)

تشریح ۞ نزلت: یہ صیغہ معروف ہے۔ لله: اللہ تعالیٰ کے لئے خلق و ملک کے لحاظ سے آسمان و زمین کی ہر چیز ہے۔ **وان تبدوا**: ظاہر کرو۔ **ما فی انفسکم**: یعنی برائی یا عزم سوء۔ **او تخفوہ**: چھپاؤ۔ **یحاسبکم بہ**: وہ قیامت کے دن جزاء دے گا۔

واللہ علی کل شئی قدیر: اسی کی طرف سے بدلہ و محاسبہ ہے۔

ای: یہ نداء قریب کا لفظ ہے۔ **کلفنا**: یہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔

ما نطیق: جن کی ادائیگی کر سکتے ہیں۔ **الصلاۃ...... الصدقۃ**: ① بدل کی وجہ سے نصب ② رفع جائز ہے جب جملہ الگ ہو۔

لا نطیقھا: مارزی کہتے ہیں شاید یہ اس لئے کہا کہ وہ سمجھے کہ خواطر غیر مکتبہ پر مواخذہ ہوگا جبکہ ان کے دفع کی تو قدرت نہیں۔ اسی لئے اس کو مالا یطاق کی قسم خیال کیا اور ہمارے ہاں تکلیف مالا یطاق عقلاً جائز ہے۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا شریعت میں ایسی عبادت کا حکم وارد ہے یا نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نافرمانی کے وظیفہ اور اوامر سے باز رہنے والے وطیرے سے خبردار کرتے ہوئے کہا۔

فرمایا: **أتریدون**: کیا تم یہود و نصاریٰ والی بات کہنا چاہتے ہو۔

النّحو: **من قبلکم**: یہ اہل الکتابین سے حال ہے یا صفت ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تو سن لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی۔ **بل قولوا سمعنا**: کہ تم کہو جو ہمیں حکم ملا اس کو ہم نے قبول کرلیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اطاعت کی۔

غفرانك: یہ اغفر محذوف کا مصدر ہے یا نسئالك: کا مفعول ہے۔

ربنا: حرف نداء کو حذف کر دیا۔ گویا بندہ ہر وقت بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہے۔ آپ کی طرف لوٹنا ہے نہ غیروں کی طرف۔

اقترأھا: جب صحابہ کرامؓ نے یہ آیت پڑھی اور ان کی زبانوں پر چڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: آمن: تصدیق کی۔ **ما انزل الیہ**: سے مراد قرآن مجید۔

کلٌ: کی تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے۔ ای **کل واحدٍ منھم ملائکتہ و کتبہ و رسلہ**: یہ ترتیب وجودی پر لائے گئے ہیں۔

لا نفرق: اس سے پہلے **یقولون**: محذوف مانا جائے گا اور تفریق رسل کا مطلب یہ ہے کہ کسی پر ایمان ہو اور کسی پر نہ ہو۔ جیسا

یہود ونصاریٰ نے کیا۔ **قالوا سمعنا**...... ① جب انہوں نے پختہ طور پر **سمعنا و اطعنا**: کہہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت میں ان کی تعریف فرمائی اور دلوں سے مشقت کو ہٹا دیا یہ طاعت اور انقطاع الی اللہ کا ثمرہ ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل نے اس کا الٹ کیا تو ان پر مشکل کام ڈالے گئے اور ذلت و مسکینی اور جلاوطنی ان کا مقدر بن گئی۔ یہ سب سرکشی اور نافرمانی کا نتیجہ تھا۔ **قالوا سمعنا و عصینا**: قرطبی۔ جب صحابہ کرامؓ نے بات مان لی تو اللہ تعالیٰ نے حکم منسوخ کر دیا اور یہ اتار دیا۔ **لا یکلف الله**: ② امام نووی کہتے ہیں اس سلسلہ میں اکثر مفسرین نے نسخ کا قول کیا ہے مگر بعض متأخرین نے اس کا انکار کیا ہے کہ یہ خبر ہے اور اس میں نسخ کا کوئی معنی نہیں مگر یہ اس طرح نہیں اگر چہ یہ خبر ہے اور تکلیفی خبر ہے۔ اس پر مؤاخذہ ہے جس کو دل چھپاتے ہیں اور ایسی حالت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جس فرمانبرداری کا حکم دیا وہ **سمعنا**: اور **اطعنا**: ہے یہ اقوال' اعمال' لسان وقلب سے ہوتے ہیں۔ پھر اس مؤاخذہ اور تنگی کو ہٹا لیا گیا۔ ③ بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ نسخ کا یہاں مفہوم اس شدت وخوف کا ازالہ تھا جو اس امر سے ان کے دلوں میں پیدا ہوئی۔ پس دوسری آیت سے اس بات کو زائل کر دیا گیا اور ان کے دل مطمئن ہو گئے۔ مگر یہ بات کہنے والے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر تکلیف مالا یطاق جیسی چیز لازم نہ کی گئی تھی۔ البتہ نفس کے خواطر سے تحفظ اور اخلاص باطن ان پر گراں ہوا۔

ان کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں ان کو تکلیف مالا یطاق کا ذمہ دار نہ بنا دیا جائے۔ تو ان سے یہ خطرہ دور کر کے بتایا کہ ان کو تو اسی بات کی تکلیف دی گئی ہے جو ان کی وسعت میں ہے۔ پس اس کے مطابق تکلیف مالا یطاق کا جب ثبوت انہیں تو نسخ کس چیز کا ہوا۔

④ بعض کا قول یہ ہے کہ یہ آیت اس بات میں کہ شک و یقین کو مؤمن و کافر مخفی رکھیں۔ پس وہ ایمان والوں کو بخش دے گا اور کفار کو عذاب دے گا۔ (کذا قال القاضی)

⑤ واحدی نے کہا کہ محققین نے اسی بات کو اختیار کیا کہ آیت محکم غیر منسوخ ہے۔

وسعها: جو اس کی قدرت میں ہے۔ **الوسع**: طاقت اور محنت کو کہتے ہیں یہ اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی بات کا حکم دیتے ہیں جو ہماری طاقت اور بس میں ہے اور شریعت کے احکام ایسے ہی ہیں اور شریعت میں درگزر کا معاملہ بھی اسی پر دال ہے۔ اس پر اجماع نقل کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں سے اس تکلیف کا ازالہ ہوا جو کہ خواطر کے سلسلہ میں تاویل سے پیدا ہوئی تھی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ عقلاً جائز ہے یا نہیں۔ (المفہم للقرطبی)

لها ما کسبت: جو اس نے نیک عمل کئے ان کا ثواب اسے ملے گا۔ **علیها ما اکتسب**: اور جو برے کام کئے ان کی سزا ہو گی۔ کسی کے گناہ کے بدلے میں دوسرا نہ پکڑا جائے گا اور نہ خواطر نفس پر سزا ہو گی (جب تک کہ اس کو دل میں پختہ نہ کرے)

نیکی کے سلسلہ میں لام لائے کیونکہ انسان اپنی کمائی سے خوش ہوتا ہے اس لئے نیکی کو اس کی ملک قرار دیا گیا اور گناہ کے سلسلہ میں علی لائے کیونکہ وہ سخت قسم کے اٹھائے جانے والے بوجھ ہیں۔

ابن عطیہ کا قول یہ ہے کہ حسنہ میں کسب کا لفظ لایا گیا کیونکہ یہ بلا تکلف حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ کمانے والا شریعت کے طریقہ اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر چل رہا ہوتا ہے اور گناہ میں اکتساب فرمایا کیونکہ اس کا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ممنوعات کے پردے کو پھاڑ کر اس سے آگے قدم بڑھانے والا ہے''۔

ربنا لا تؤاخذنا: اے ہمارے رب ہمارا سزا کے ساتھ مؤاخذہ نہ کر۔ ان نسینا او اخطأنا: اگر ہم درست راہ جان بوجھ کر نہیں بلکہ بھول کر چھوڑ دیں۔ جیسا پہلے لوگوں سے مؤاخذہ ہوا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قال نعم: فرمایا میں نے کر دیا۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔ ابن عباسؓ نے قد فعلت: سے روایت کیا۔

قرطبی کہتے ہیں اس سے ثابت ہوا وہ بات بالمعنیٰ نقل کرتے تھے۔ درست یہ ہے کہ عالم مناسب الفاظ سے ایسا کر سکتا ہے۔ مگر صدر اول کے بعد یہ درست نہیں کیونکہ کلمات ولغات میں تباین وتغیر شدید آ گیا ہے۔

ربنا: اے ہمارے رب ہماری دعا قبول کر۔ اصرا: وہ حکم جسکا اٹھانا ہمیں مشکل ہو۔ من قبلنا: بنی اسرائیل وغیرہ جن کو توبہ کے لئے قتل نفس، زکوٰۃ میں ربع مال، نجاست والی جگہ سے کپڑا کاٹنا پڑتا تھا۔ قال نعم: فرمایا میں نے کر دیا۔ لا طاقة لنا: یعنی تکالیف وآزمائشیں واعف عنا: ہمارے گناہ مٹادے۔ وارحمنا: رحمت میں مغفرت سے اضافہ ہے۔ مولانا: ہمارا کارساز ہے۔ فانصرنا علی القوم الکافرین: لڑائی میں غلبہ اور حجت میں فوقیت۔ مولیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے موالی کے خلاف اعداء کی مدد نہیں کرتا۔ قرطبی کہتے ہیں یہ دعا کا طریقہ بتلایا۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب اس سورت کی قرأت سے فارغ ہوتے تو آمین کہتے۔ ابن عطیہ کہتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بات معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے تو خوب تر ہے اور اگر دعا کی وجہ سے قیاساً کہا اور کیا ہے اور فاتحہ پر قیاس کیا ہے تو بھی خوب ہے۔

تخریج: أخرجه مسلم (١٢٥)

١٨: بَابٌ فِي النَّهْيِ عَنِ الْبِدْعِ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُوْرِ!

بَابٌ: بدعات اور نئے کاموں کے ایجاد کی ممانعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَا ذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ﴾ [یونس:٣٢]

''نہیں ہے حق کے بعد مگر گمراہی''۔ (یونس)

وَقَالَ تَعَالٰى:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ [الانعام:٣٨]

''ہم نے کسی چیز کے لکھ کر رکھنے میں کوئی فروگزاشت نہیں کی''۔ (الانعام)

وَقَالَ تَعَالٰى:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ [الانعام:١٥٤]

''اگرتم کسی چیز کے متعلق آپس میں اختلاف و جھگڑا کرو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو یعنی کتاب وسنّت کی طرف لوٹاؤ''۔ (الانعام)

اَیِّ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ۔ وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ﴾

[الانعام:١٥٣]

''بے شک یہ میرا راستہ سیدھا ہے پس اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ وہ تمہیں اس سیدھے راستے سے جدا کر دیں گے''۔ (الانعام)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ﴾ [آل عمران:٣١]

''اے میرے پیغمبر ﷺ آپ فرما دیں اگرتم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالیں گے اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا''۔ (آل عمران)

وَالْاٰیَاتُ فِی الْبَابِ کَثِیْرَةٌ مَعْلُوْمَةٌ وَاَمَّا الْاَحَادِیْثُ فَکَثِیْرَةٌ جِدًّا وَّهِیَ مَشْهُوْرَةٌ فَنَقْتَصِرُ عَلٰی طَرَفٍ مِّنْهَا۔

اس سلسلہ کی روایات' احادیث بھی بہت ہیں مگر چند یہاں ذکر کرتے ہیں۔

محدثات الامور: جو قواعد شریعت پر نہ ہوں نہ شریعت ان کی تائید کرتی ہو۔

آیت نمبر ① ﴿فما ذا بع الحق الا الضلال﴾ (یونس:۳۲)

حق و باطل دونوں ضدیں ہیں ایک کو اختیار کرنا دوسرے کو چھوڑنا ہے۔ حق وہ ہے جس کی کتاب وسنت میں نص ہو یا نص سے مستنبط ہو۔ امام مالک سے دریافت کیا گیا نرد' شطرنج کھیلنے والے کی گواہی کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کا عادی ہو اس کی گواہی درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فما ذا بعد الحق الا الضلال﴾ یہ سب ضلال کی چیزیں ہیں۔ (احکام القرآن سیوطی)

آیت نمبر ② ﴿ما فرطنا فی الکتاب من شئی ......﴾ خازن کہتے ہیں کتاب سے لوح محفوظ مراد ہے کیونکہ اس میں تمام مخلوق کے احوال درج ہیں۔ بعض نے قرآن مراد لیا یہ تمام احوال (شریعت) پر مشتمل ہے۔

آیت نمبر ③ ﴿فان تنازعتم فی شئی......﴾ الی اللہ والرسول کا مطلب کتاب وسنت ہے۔ لف نشر مرتب ہے۔ باب المحافظہ علی السنہ میں تفسیر گزری۔

آیت نمبر ④ ﴿وان هذا صراطي مستقيما﴾ یہ جس کی میں تم کو تائید کی یہ میرا راستہ ہے اس حالت میں کہ وہ مستقیم ہے۔ البد: وہ راستے جو اس کے خلاف ہیں۔ سبیله: سے دین مراد ہے۔ آیت میں متکلم سے غیب کی طرف نسبت ہے۔

آیت نمبر ⑤ ﴿قل ان كنتم تحبون الله......﴾ اس کے متعلق کلام گزر چکا ہے۔

۱۷۰ :عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :"مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ :"مَنْ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ"۔

۱۷۰: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں تو وہ مردود ہے''۔ (متفق علیہ) مسلم کی روایت میں ہے: ''کہ جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کے متعلق ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے''۔

احدث: ایجاد کرنا۔ امرنا: سے دین مراد ہے یعنی دین اسلام۔

النحو: ما الذى: کے معنی میں ہے۔ ليس منه: کوئی اصول اس کی شہادت نہیں دیتا۔ ردٌّ: وہ مردود ہے۔ اس کی طرف توجہ نہ کی جائے گی۔

مصدر پر مفعول کا اطلاق ہے۔ جیسے خلق بمعنی مخلوق۔ امام نووی کہتے ہیں ابطال منکرات کے لئے اس حدیث کی خوب اشاعت کرنی چاہئے۔ ابن حجر کہتے ہیں یہ اصول دین اور قواعد دین میں سے ہے۔ طوفی کہتے ہیں اس کو شرع کی آدھی دلیلیں کہنا چاہئے۔

روایت مسلم میں ہے۔ اس کو احمد نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اس کو تعلیقاً بخاری نے کتاب البیوع فی باب النجش میں اور باب اجتهد العالم او الحاكم: میں ذکر کیا ہے مگر نووی کہتے ہیں مجھے نہیں ملی۔ بلکہ وہاں بھی مسلم کی طرف نسبت ہے۔ من عمل علاً ليس عليه امرنا فهو رد: اس کے الفاظ عام ہیں اس میں ممنوع عقود اور بیوع ممنوعہ پر مرتب ہونے والے ثمرات کا عدم، ردم محدثات، رد جمیع منہیات شامل ہیں کیونکہ وہ امور دین سے نہیں۔

فائدہ: ① حاکم کا حکم امرنا: کے باطن کو نہیں بدلتا۔ ② فاسد صلح ٹوٹ جائے گی اور ماخوذ علیہ مستحق ہوگا۔

تخریج: أخرجه احمد (۱۰/۲۶۰۹۲) والبخارى (۲۶۹۷) و مسلم (۱۷۱۸) و (۱۸/۱۷۱۸) و ابو داود (۴۶۰۶) و أبو عوانة (۱۹/۱۸/۴) وابن ماجه (۱۴) والقضاعى فى مسند الشهاب (۳۵۹) والطيالسى (۱۴۲۲) و ابن حبان (۲۶) والبيهقى (۱۱۹/۱۰) والدارقطنى (۲۲۴/۴)

الفرائد: ① اللہ تعالیٰ کا قرب کتاب وسنت کی اتباع سے ہوسکتا ہے۔ ② جس نے ایسے عمل سے تقرب چاہا جو اللہ اور اس کے رسول نے نہیں فرمایا وہ مردود ہے۔ جیسا کہ قریش ننگے طواف کرتے، سیٹیاں بجاتے، بتوں کو نذرانے تقرب الی اللہ کے لئے کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔
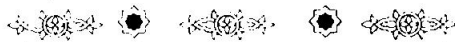
۱۷۱ : وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا خَطَبَ

احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَاَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ : "صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ" وَيَقُوْلُ : "بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ" وَيَقْرِنُ بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ السَّبَابَةِ وَالْوُسْطٰى وَيَقُوْلُ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" يَقُوْلُ :"اَنَا اَوْلٰى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِّنْ نَّفْسِهٖ مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِاَهْلِهٖ ، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا اَوْ ضِيَاعًا فَاِلَيَّ وَعَلَيَّ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

۱۷۱: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ اور آواز بلند ہو جاتی اور غصہ شدید ہو جاتا۔ یہاں تک کہ محسوس ہوتا کہ آپ کسی دشمن کے لشکر سے ڈرانے والے ہیں۔ آپ ارشاد فرماتے اے لوگو! وہ لشکر تم پر صبح یا شام کو حملہ آور ہونے والا ہے۔ اور فرماتے میں اور قیامت ایسے بھیجے گئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں اور آپ اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ایک دوسرے سے ملاتے اور فرماتے اما بعد! بیشک بہترین بات کتاب اللہ ہے اور بہترین طریقہ محمدؐ کا طریقہ ہے اور سب سے بدترین کام (دین میں) نئے نئے کام ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے اور آپ فرماتے ہیں میں ہر مؤمن پر اس کی جان سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں جو شخص مال چھوڑ کر جائے وہ تو اس کے ورثاء کے لئے ہے اور جو آدمی قرض چھوڑ جائے یا کمزور اہل وعیال چھوڑ جائے وہ میرے سپرداری اور میری ذمہ داری میں ہے''۔ (مسلم)

اذ اخطب: جب آپ ایسا خطبہ دیتے جس میں کسی ممنوع کی تحذیر یا عقوبت سے ڈرانا مقصود ہوتا تو **اشتد غضبهٗ:** کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جلال کی بجلیوں کی چمک اور انذار کی روشنیوں کی دھمک' امت کے احوال کا مشاہدہ اور اکثریت کی امتثال امر میں تقصیر کے سامنے ہوتی اسی وجہ سے جابر نے آپ کی حالت انذار کو قیامت کی آمد اور اس کے قرب وقوع اور ایذاء والی چیزوں کے ذریعہ لوگوں کے ہلاکت میں مبتلا ہونے کو اس آدمی کی حالت سے تعبیر کیا جو اپنی قوم کو ان کی غفلت کے وقت میں قریبی حملہ آور لشکر سے خبردار کرے جو ان پر اچانک پڑ کر ان کو گھیرنے والا ہے کہ اس وقت کوئی اس کے قریب نہ آ سکے گا۔ **منذر جیش:** دشمن کے اس لشکر کی خبر دینے والا جس لشکر کا خطرہ ہو۔ **یقول:** یہ جملہ منذر کی صفت ہے۔ **صبحکم:** وہ دشمن تم پر لوٹ ڈالنے والا ہے۔ صبح یا شام کے وقت۔ پس حفاظت کرلو۔ جس طرح یہ دشمن اپنی قوم کی حالت پر خود متوجہ ہے اور آواز بلند کر رہا ہے اور اس کی آنکھیں سرخ ہیں اور ان کے تغافل پر اس کا غصہ سخت ہو رہا ہے کیونکہ وہ ایسی چیز سے غافل ہیں جو ان کا استیصال کر دے گی اور ان کو ہلاکت کے گھاٹ پر اتار دے گی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی حال تھا۔ امت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرص شدید تھی اور قیامت اور اس کے احوال کے متعلق سخت خوف تھا۔ اسی لئے **کانہٗ:** پر اس کو عطف کیا۔ **بعثت انا:** انا کو بطور تاکید لائے تاکہ آگے عطف درست ہو سکے۔ **والساعة کهاتین:** الساعۃ پر نصب مشہور ہے کیونکہ یہ مفعول معہ ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں ① یہ قرب کی تمثیل ہے اور ان کے مابین کوئی اور انگلی نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قیامت کے درمیان اور کوئی نبی نہیں۔ ② مدت کے قرب کا ذکر بھی ہو سکتا ہے جیسا دو انگلیوں میں تقارب ہوتا ہے۔ یہ تقرب ہے تحذیر نہیں۔ **یقرن:** راء کا کسرہ معروف ہے۔ **اصبعیه:** یہ تثنیہ ہے اس میں دس لغات ہیں۔ **سبابه:** اس کو سبابہ کہتے

ہیں کہ گالی کے وقت اس سے اشارہ کرتے ہیں۔ اما بعد: اس کا استحباب جمعہ وعید اور وعظ کے خطبات میں محسوس ہوتا ہے۔
فان خیر الحدیث...... ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم: قاضی نے ھُدی: کوضمہ سے نووی نے فتح سے ذکر کیا ہے۔ ① ھَدْی: کا معنی سب سے بہتر طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور ② ضمہ کی روایت سے معنی دلالت وارشاد کا ہے۔ اسی کی اضافت رسل اور قرآن اور بندوں کی طرف کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْ الی صراط المستقیم﴾ اور فرمایا: ﴿ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم﴾ ③ باقی ہدایت کا معنی لطف وتائید۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے خاص ہے۔ جیسا اس آیت میں ہے ﴿انک لا تھدی من احببت......﴾ (الخلاصہ)
وشر الامور محدثاتھا: محدث کتاب وسنت واجماع میں جس کی اصل نہ ہو۔ شر: یہ اِن کے اسم پر عطف ہو تو منصوب ہے اور محل اِنْ: پر ہو تو مرفوع ہے۔ **کل بدعۃ ضلالۃ:** یہ عام مخصوص البعض ہے۔ جیسا حدیث عرباض میں گزرا ہے۔
انا اولی...... یہ اس آیت کے مطابق ہے: ﴿النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم......﴾ اس کا معنی احق ہے۔ ہمارے علماء نے فرمایا: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی ضرورت ہوتی تو آپ ﷺ کے ہر ساتھی پر دینا ضروری تھا اور مالک کی بلا اجازت بھی آپ ﷺ کا لینا درست تھا اگرچہ ایسا پیش نہیں آیا۔
من ترک مالاً فلأھلہ: اہل جو کہ ورثاء ہیں اور اگر وہ تمام مشغول بالدین ہوں تو ان کے قرض سے بچا ہوا آپ ﷺ کی طرف لوٹے گا۔ **من ترک دیناً......:** ابن حجر کہتے ہیں انا اولیٰ بلکل مؤمن: کی تفسیر ہے۔ اہل لغت کا قول ہے کہ الضیاع میں ضا پر فتحہ ہے۔ مراد بچے ہیں۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں اصل ضاع یضیع ہے مراد ذی ضیاع (یعنی بیوی، بچے) مصدر کو اسم کی جگہ لایا گیا ہے۔ جس طرح اس روایت میں من مات وترک فقراء۔
بعض کہتے ہیں اگر ضاد کو کسرہ کر دیا جائے تو یہ ضائع کی جمع بن جائے گی جیسے جائع وصیاع۔ سیوطی کہتے ہیں ابوالبقاء نے ضاد کا فتحہ لکھا ہے کسرہ جائز ہی نہیں کہا۔ علیّ: کا مطلب قرض کی ادائیگی۔ بعض نے کہا یہ بطور سخاوت تقاضا فرمایا۔ نووی کہتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ آپ ﷺ کے ذمہ واجب تھا۔ اب یہ آپ کی خصوصیات سے ہے یا آپ کے بعد والے خلیفہ پر اسی طرح لازم ہے اگر اس سے زیادہ اہم کام نہ ہو۔ الیّ ضیاع: میرے ذمہ ہے۔ حدیث میں لف نشر غیر مرتب ہے۔
تخریج: أخرجه مسلم (۸٦۷) والنسائی (۱۵۷۷) و ابن ماجه (٤٥)
الفرائد: ① خطیب کو خطبہ پر اثر انداز سے دینا چاہئے۔ جلال الٰہی کا رعب اس سے ٹپکے۔ ② عظمت رسول اللہ ﷺ پر اپنے مال، نفس، اولاد بلکہ ساری کائنات پر اس کو ترجیح دینی چاہئے۔ ③ زندگی وموت ہر حالت میں آپ اُمت پر شفقت فرمانے والے ہیں۔

۱۷۲: وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ حَدِیْثُہُ السَّابِقُ فِیْ بَابِ الْمُحَافَظَۃِ عَلَی السُّنَّۃِ۔
۱۷۲: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روائیت باب المحافظة علی السنة میں گزر چکی ہے۔
تشریح: عرباض بن ساریہؓ والی سابقہ روایت حدیثہٗ السابق: رفع کے ساتھ مبتداء اور اس کی خبر ماقبل کا ظرف ہے۔
تخریج: (ایضًا)

۱۹ : بَابٌ فِيمَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً اَوْ سَيِّئَةً

بَاب: جس نے کوئی اچھایا براطریقہ جاری کیا

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ [الفرقان: ٧٤]

''اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں ایسی بیویاں اور اولاد عطا فرما جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں اور ہمیں متقین کا راہنما بنا''۔ (الفرقان)

وَقَالَ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ [الانبیاء: ۷۳]

''اور ہم نے ان کو مقتدا بنایا وہ ہمارے حکم کے ساتھ لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں''۔ (الانبیاء)

یہ باب اس کے ثواب کے بیان کرنے کے لئے ہے جس نے کوئی اچھا طریقہ نکالا اور جس کی قواعد شرع میں گنجائش ہے۔اس کی سزا جس نے براطریقہ جو قواعد شرع کے خلاف تھا رائج کیا۔

آیت نمبر ① اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے بعض اوصاف کا اس طرح تذکرہ فرماتے ہیں:

والذین یقولون...... قرة اعین: اس طرح کہ ان کو آپ کا فرمانبردار پائیں۔بعض نے کہا کہ جب ان کو کمال نفع میسر آیا تو انہوں نے اپنے پیروکاروں پر لوٹانا مناسب خیال کیا اور اس کی ابتداء بیویوں سے کی کیونکہ ان کی اصلاح میں اولاد کی اصلاح مضمر ہے۔ بچے والدین کے تابع ہوتے ہیں۔بعض نے کہا آدمی کی بڑی سعادت اسی میں ہے کہ اس کا بیٹا شریف ہو۔ والدین کا اولاد کے لئے دعا کرنا اگرچہ اولاد کے لئے ہے مگر اس میں والدین کی بھی بھلائی ہے کیونکہ بعض بندے قیامت کے دن پیش ہوں گے ان کے نامہ اعمال میں کچھ نیکیاں ہوں گی بندہ کہے گا یہ نیکیاں کہاں سے آئیں تو فرشتے کہیں گے تمہارے بیٹے نے استغفار کیا تھا۔ایک جماعت کا قول ہے کہ لڑکا جب کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کو دوگنا کر کے والدین کے لئے لکھ دیا جاتا ہے۔اماماً: یعنی مقتداء بھلائی میں۔

آیت نمبر ② **أئمةً:** جن کی بھلائی میں اقتداء کی جاتی ہے۔جو ہمارے حکم سے لوگوں کی راہنمائی کرنے والے ہیں۔

۱۷۳ : وَعَنْ اَبِىْ عَمْرٍو وَجَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كُنَّا فِىْ صَدْرِ النَّهَارِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَآءَهُ قَوْمٌ عُرَاةٌ مُجْتَابِى النِّمَارِ اَوِ الْعَبَآءِ مُتَقَلِّدِى السُّيُوْفِ ، عَامَّتُهُمْ بَلْ كُلُّهُمْ مِنْ مُّضَرَ فَتَمَعَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا

رَاى بِهِمْ مِنَ الْفَاقَةِ فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ فَامَرَ بِلَالًا فَاذَّنَ وَاَقَامَ ثُمَّ صَلَّى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ : ﴿يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ اِلَى اٰخِرِ الْاٰيَةِ : ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ وَالْاٰيَةُ الْاُخْرٰى الَّتِيْ فِيْ اٰخِرِ الْحَشْرِ : ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِّنْ دِيْنَارِهٖ مِنْ دِرْهَمِهٖ مِنْ ثَوْبِهٖ مِنْ صَاعِ بُرِّهٖ مِنْ صَاعِ تَمْرِهٖ" حَتّٰى قَالَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ ' فَجَآءَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ بِصُرَّةٍ كَادَتْ كَفُّهٗ تَعْجِزُ عَنْهَا بَلْ قَدْ عَجَزَتْ ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ حَتّٰى رَاَيْتُ كَوْمَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَّثِيَابٍ حَتّٰى رَاَيْتُ وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَلَّلُ كَاَنَّهٗ مُذْهَبَةٌ – فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَ وِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْقَصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

قَوْلُهٗ "مُجْتَابِي النِّمَارِ" هُوَ بِالْجِيْمِ وَبَعْدَ الْاَلِفِ بَاءٌ مُوَحَّدَةٌ وَالنِّمَارُ جَمْعُ نَمِرَةٍ وَّهِيَ كِسَآءٌ مِّنْ صُوْفٍ مُخَطَّطٌ وَمَعْنٰى "مُجْتَابِيْهَا" لَا بِسِيْهَا قَدْ خَرَقُوْهَا فِيْ رُؤُوْسِهِمْ "وَالْجَوْبُ" الْقَطْعُ وَمِنْهُ قَوْلُهٗ تَعَالٰى : ﴿وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ﴾ اَيْ نَحَتُوْهُ وَقَطَعُوْهُ– وَقَوْلُهٗ "تَمَعَّرَ"هُوَ بِالْعَيْنِ الْمُهْمَلَةِ : اَيْ تَغَيَّرَ – وَقَوْلُهٗ :"رَاَيْتُ كَوْمَيْنِ" بِفَتْحِ الْكَافِ وَضَمِّهَا : اَيْ صُبْرَتَيْنِ– وَقَوْلُهٗ : "كَاَنَّهٗ مُذْهَبَةٌ" هُوَ بِالذَّالِ الْمُعْجَمَةِ وَفَتْحِ الْهَآءِ وَالْبَآءِ وَالْمُوَحَّدَةِ قَالَهُ الْقَاضِيْ عِيَاضٌ وَغَيْرُهٗ وَصَحَّفَهٗ بَعْضُهُمْ فَقَالَ:"مُدْهُنَةٌ" بِدَالٍ مُّهْمَلَةٍ وَّضَمِّ الْهَآءِ وَبِالنُّوْنِ وَكَذَا ضَبَطَهُ الْحُمَيْدِيُّ وَالصَّحِيْحُ الْمَشْهُوْرُ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْمُرَادُ بِهٖ عَلَى الْوَجْهَيْنِ :الصَّفَآءُ وَالْاِسْتِنَارَةُ۔

۱۷۳: حضرت ابوعمرو جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ہم دن کے شروع میں آنحضرتؐ کے پاس تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ ایسے لوگ آئے جو ننگے بدن تھے اون کی دھاری دار چادریں یا کمبل ڈالے اور تلواریں لٹکائے ہوئے تھے۔ان کی اکثریت قبیلہ مضر سے بلکہ تمام کے تمام قبیلہ مضر سے تھے۔ جب رسول اللہؐ نے ان کی فاقہ کشی کو دیکھا تو آپؐ کا چہرہ مبارک متغیر ہوگیا۔پس آپؐ گھر میں تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے۔ پھر آپؐ نے بلال کو اذان کا حکم دیا۔انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی اور آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ پھر آپؐ نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! تم اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ الآیہ اور یہ آیت ﴿رَقِيْبًا﴾ تک پڑھی۔ اور دوسری آیت جو حشر کے آخر میں ہے۔ تلاوت فرمائی ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ ......﴾ ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو ہر شخص کو دیکھ لینا چاہئے کہ اس نے کل کے لئے کیا کچھ آگے بھیجا

ہے''۔ ہر آدمی کو چاہئے کہ وہ درہم' دینار' کپڑے اور گندم کا صاع' کھجور کا صاع صدقہ کرے۔ آپؐ نے یہاں تک فرمایا کہ صدقہ کرو خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ انصار میں سے ایک شخص تھیلی لایا جو اتنی بوجھل تھی کہ اس کے ہاتھ اٹھانے سے عاجز ہو رہے تھے بلکہ عاجز ہو ہی گئے۔ پھر لوگ مسلسل لاتے رہے یہاں تک کہ میں نے دو ڈھیر کپڑے اور خوراک کے دیکھے۔ میں نے آنحضرتؐ کے چہرۂ مبارک کو دیکھا کہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ گویا اس پر سونے کی چھال پھیر دی گئی ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: ''جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لئے اس کا اجر اور ان تمام لوگوں کا اجر ہے جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے۔ بغیر اس بات کے کہ ان کے اجروں میں کوئی کمی کی جائے اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ رائج کیا تو اس پر اس کے اپنے گناہوں کا بوجھ اور ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا جو اس پر اس کے بعد عمل کریں گے۔ بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں کے بوجھ میں کچھ کمی کی جائے''۔ (مسلم)

مُجْتَابِی النِّمَارِ: یہ نمر کی جمع ہے دھاری دار چادر۔

مُجْتَابِیْھَا: پہننے والے۔ انہوں نے دو چادریں پھاڑ کر سروں پر ڈال رکھی تھیں۔

اَلْجَوْبُ: کاٹنا۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے ﴿وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ﴾ یعنی ان کو تراشا اور کاٹا۔

تَمَعَّرَ: تبدیل ہوا۔

رَاَیْتُ کَوْمَیْنِ: دو ڈھیر۔

کَاَنَّہٗ مُذْھَبَۃٌ: یہ بقول قاضی عیاض ہے۔

امام حُمیدی نے مُدْھَنَۃٌ لکھا ہے مگر پہلا زیادہ صحیح ہے۔

دونوں صورتوں میں مراد اس سے چہرہ کی صفائی اور چمک ہے۔

تشریح ❁ جریر بن عبداللہ بن مالک بن نضر بن ثعلبہ البجلی الاحمسی الکوفی رضی اللہ عنہ۔ ان کا نام جریر کنیت ابوعمرو ہے۔

بُجَیْلَۃ: یہ صعیر بن سعد کی بیٹی کا نام ہے یہ ام انمار بنت اوس کا خاندان ہے اور اسی کی طرف منسوب ہے۔

ابن قتیبہ کہتے ہیں جریر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۱۰ھ رمضان میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلام پر بیعت کی۔ عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے یہ اس امت کے یوسف ہیں۔ ان کا قد اتنا لمبا تھا کہ اونٹ کی کوہان تک پہنچتا تھا۔ ان کا جوتا ایک ہاتھ لمبا تھا۔ یہ کوفہ میں مقیم ہوئے پھر افریقیا منتقل ہو گئے۔ وہاں ۵۱ھ میں وفات ہوئی۔ بعض نے کہا انہوں نے جزیرہ میں اقامت اختیار کی وہاں ۵۴ھ میں وفات ہوئی۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۰۰ روایات مروی ہیں۔ ۸ متفق علیہ۔ بخاری ایک اور مسلم ۶ میں منفرد ہے۔ ان کے مناقب بہت ہیں۔

ان کی عجیب باتوں میں ایک یہ ہے کہ ان کے وکیل نے ان کے لئے ۳ سو درہم کا گھوڑا خریدا۔ اس کو جریر نے دیکھا تو خیال کیا یہ چار سو درہم کا ہے تو اس کے مالک کو فرمایا تو اسے چار سو درہم میں بیچتا ہے۔ اس نے کہا جی ہاں پھر ان کو خیال ہوا پانچ سو کا پھر چھ سو کا پھر سات سو کا پھر آٹھ سو کا تو اسے آٹھ سو میں خرید کیا۔ (تہذیب نووی)

كنا فى صدر: ہم دن کی ابتداء میں دیدار نبوی سے مشرف بار تھے کہ ایک قوم۔ عراۃ: یہ عارٍ کی جمع ہے۔ مجتابی النمار: وہ اون کی دھاری دار چادریں درمیان سے کاٹ کر ان کو پہننے والے تھے۔ العباء: جمع عباءۃ چادریں۔ عامتهم: سے مراد اکثریت۔ کلهم من مضر: تمام مضر ہی سے تھے۔ فتمعر: بدل گیا۔ من الفاقة: یعنی شدید احتیاج۔ جس کی وجہ اغنیاء کی عدم ہمدردی ہے خوشحال مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ محتاجوں سے تکلیف کا ازالہ کریں۔ بھوکے کو کھانا کھلائیں اور ننگے کو کپڑے پہنائیں۔ اغنیاء نے ان کی حاجت پوری کرنے کی طرف سبقت نہ کی تھی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک بدل گیا۔ فدخل: یعنی اپنے گھر میں تشریف لائے۔ فصلی: سے ظہر کی نماز مراد ہے اور دن کے شروع ہونے کے بعد یہ پہلی نماز ہے۔ یایها الناس: یہ آیت اگرچہ مکی ہے مگر حکم ان پر موقوف نہیں بلکہ عام ہے۔

اتقوا ربكم: اس کی اطاعت کر کے اس کے عذاب سے بچو۔ رقيبا: وہ تمہارے اعمال کا نگہبان ہے پس وہ ان پر بدلہ دے گا اور آیت کی موقعہ سے مناسبت یہ ہے کہ لوگوں کی اصل ایک ہے۔ پھر رحموں کے متعلق تقویٰ کا حکم دیا۔ پھر اس کو اللہ تعالیٰ کے تقویٰ سے جوڑا۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا مرتبہ ہے اور آیت کو رقيبا: پر ختم کیا۔ وہ نگران ہے ہر اس چیز کا جو مالدار کو محتاج کی ضرورت پورا کرنے کے لئے آمادہ ہے خاص طور پر رشتہ دار کیونکہ جس نے اپنے حقیقی رشتہ دار کو حاجت میں دیکھا اور صلہ رحمی نہ کی تو وہ قطع رحمی کرنے والا ہے وہ حق قرابت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے رقیب ہونے کا استحضار رکھنے والا ہے۔

اور یہ آیت بھی تلاوت فرمائی: ﴿یایها الذین امنوا اتقوا اللّٰه ولتنظر ...... لغدٍ﴾ اس میں آج کے وقت میں نیک کام پر آمادہ کیا گیا ہے۔ تصدق: یہ ليتصدق: کی بنسبت زیادہ بلیغ ہے۔ خبر بمعنی امر ہے۔ رجلٌ: یہ نکرہ ہے جمع معرفہ کی جگہ لائے۔ اسی لئے بلا عاطف یہ عبارت لائے۔ من ديناره و من درهمه...... پھر جتنے معطوفات ہیں سب سے پہلے رجلٌ: لگے گا۔ لو بشق تمرة: اس کو صدقہ کرنا چاہئے خواہ کھجور کا ٹکڑا ہو۔ من: جنس کے لئے ہے یعنی اس جنس میں سے جو بعض اس کے پاس ہے۔

النحو: اور ظرف محل حال میں ہے یا تصدق سے متعلق ابتدائیہ ہے: ای من دنیار له: اگرچہ اس کو ضرورت ہو کیونکہ ایثار کمال کی حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ویؤثرون علی انفسهم ولو کان بهم خصاصه......﴾

فجاء رجل من الانصار: یہ مبہم مسلم کی روایت میں وارد ہے۔

بل: اضرابیہ تاکید و تحقیق کے لئے ہے۔

تتابع الناس: اپنی ہمت کے مطابق لوگ مسلسل لانے لگے۔ رأيت كومين: کاف پر ضمہ وفتحہ دونوں پڑھ سکتے ہیں کذا قاضی قال۔ كُومة: ڈھیر۔ کومہ ایک مرتبہ کا ایک ڈھیر۔ كُومَة: گندم کا ڈھیر۔ كَومه: ہر چیز کا بڑا حصہ۔ الكوم ٹیلہ کی طرح بلند مقام۔ قاضی کہتے ہیں یہاں فتحہ بہتر ہے کیونکہ مقصود کثرت ہے اور ٹیلے سے مشابہت ہے۔ یتهلل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا کیونکہ ان محتاجوں کا مقصود صحابہ کرام کی جلد تعمیل سے پورا ہو چکا تھا۔ سنة حسنة: پسندیدہ طریقہ اگرچہ اس کا حسن نص سے ثابت نہ ہو بلکہ استنباط کے ساتھ ہو اس طرح کہ اس نے اس کے کرنے کے لئے اپنے قول یا فعل سے دعوت دی یا اس پر معاونت کی یا خود کیا اور دوسروں نے اس کے عمل کی اقتداء کی۔ فله اجرها: کیونکہ وہ اس کے کرنے کا سبب بنا گویا اس

نے خود کیا۔ کلام میں مجاز ہے۔

شئیٌ: یہ ینقص کا فاعل ہے یعنی اس کو اتنا بڑا اجر دینے سے اصل کام کرنے والوں کے اُجور میں ذرا کمی نہ آئے گی۔ سنه سيئة: گناہ کا کام خواہ معمولی ہو۔ اس طرح کہ اس نے خود کیا اور لوگوں نے اس کی اقتداء کی یا اس کی طرف بلایا یا اس پر معاونت کی ہو۔ تو اس پر کرنے کا گناہ ہوگا۔ من اوزارهم شئی: ان کے بوجھ بھی کم نہ ہوں گے اس کی وجہ یہ ہے اگرچہ مکلّف کا فعل نہ واجب کرنے والا اور نہ ثواب کا تقاضا کرنے والا اور نہ ذاتی لحاظ سے عقاب کا باعث ہے۔ مگر عادت الٰہیہ یہ ہے کہ اس کو اس طرح اس کے ساتھ جوڑا گیا جیسا مسبب سبب کے ساتھ جڑا ہوتا ہے۔ فعل کے صادر کرنے میں بندے کی کسی تاثیر کا دخل نہیں۔ پس جیسا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے مباشر پر مرتب ہو جاتا ہے اسی طرح سبب پر بھی مرتب ہو جاتا ہے۔ پس جب مباشرت کی جانب جزاء دلالت کی جہت سے جدا ہوگئی تو دلالت کرنے والے کا اجر ذرہ بھر کم نہ ہو۔

نکتہ ☆: حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعمال امت کے کئی گنا بڑھنے سے اجر بھی کئی گنا بڑھ کر ثواب ملے گا جس کا عقل اندازہ نہیں کر سکتی اور جس کی کوئی حد نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے۔ آپ ﷺ کا ثواب اپنے صحابہ کے عمل کے اعتبار سے بڑھا کر ملے گا اور صحابہ کرام نے جن کی راہنمائی کی قیامت تک اسی طرح آپ ﷺ کے اجر میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اسی طرح ہر مرتبہ میں پہنچانے والوں سے بڑھا کر امت کے اختتام تک دیا جائے گا۔

اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہر اہل مرتبہ کی فضیلت بہت بڑی ہوگی جبکہ بعد والوں کے بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کا ثواب متعدد مرتبہ بڑھایا جائے گا۔ پس غور کرو گے تو سلف کی خلف پر فضیلت اور متقدمین کی متاخرین سے سبقت سمجھ آ جائے گی (فتح الدلہ)

امام نوویؒ کہتے ہیں من سن سنه: سے كل محدثه: کی تخصیص معلوم ہوتی ہے۔ (رواہ مسلم)

(مگر سیاق روایت سے من سن سنه حسنةً: کا مفہوم صدقہ جو کہ ایک ثابت شدہ چیز ہے اس میں پہل کرنا معلوم ہوتا ہے۔ گویا وہ شرع سے پہلے سے ثابت ہے۔ اب اس میں اپنی ہمت کے مطابق پہل ہے اور بدعت کی شرعی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی معاملات یا علوم وغیرہ تو بدعت کی تعریف میں پہلے ہی سے شامل نہیں ان پر نفسہ اطلاق آ رہا ہے۔ پس لغوی اطلاق سے اس حدیث کی تخصیص کی حاجت نہیں اگلی روایت جو سیئہ کی مثال کی اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم مترجم)

مُجْتَابِيْ النمار: اون کی دھاری والی چادر پہننے والے۔ خرقوها: اس حال میں کہ پھاڑ لیا گریبان کا مقام۔ جواب مجتاب کا معنی کاٹنا جیسا فرمایا: ﴿الذين جابوا الصخر بالواد......﴾ الواد سے وادی القریٰ مراد ہے۔ تمر بدلنا جیسا عرب کہتے ہیں: مكان اَمْعَر: قحط زدہ جگہ۔ صبرہ کھانے کا ڈھیر۔ مُذْهَبَة: حمیدی وغیرہ اس کو مَدْهنه: لکھا ہے اگر یہ درست ہو تو تیل ڈالنے کا برتن۔ پہاڑ میں گہری جگہ جہاں صاف ستھرا پانی جمع ہو جائے تو اس صورت میں بھی چہرۂ مبارک کی صفائی کو اس صاف ستھرے بے غبار پانی سے تشبیہ دی ہے اور تیل کی صفائی سے بھی یہی مقصود ہے۔ قاضی کہتے ہیں پہلا صحیح تر اور معروف ہے۔ نووی نے اس کی تفسیر میں دو وجہیں ذکر کی ہیں: ① فضه مُذهبه: (وہ چاندی جس پر سونا پھیر دیا ہو) یہ چہرے کے حسن اور چمک میں زیادہ بلیغ ہے۔ ② چہرے کے حسن و نور میں ان کھالوں سے تشبیہ دی جن پر سونے کے خطوط لگاتے تھے۔ مذهبة: کی جمع

مذاہب۔ ان دونوں صورتوں میں چہرے کی صفائی و روشنی مراد ہے۔
تخریج: أخرجه مسلم (۱۰۱۷) والنسائی (۲۵۵۳) و ابن ماجه (۲۰۳)
الفرائد: نیک کاموں میں پہل کرنا چاہئے۔ جو پہل کرے گا بعد والوں کا ثواب پائے گا۔

۱۷۴: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: "لَیْسَ مِنْ نَّفْسٍ تُقْتَلُ ظُلْمًا اِلَّا کَانَ عَلَی ابْنِ اٰدَمَ الْاَوَّلِ کِفْلٌ مِّنْ دَمِھَا لِاَنَّہٗ کَانَ اَوَّلَ مَنْ سَنَّ الْقَتْلَ" مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

۱۷۴: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "جو جان بھی ظلماً قتل کی جاتی ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر اس کے خون ناحق کا ایک حصہ ہے۔ اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل ناحق کا یہ طریقہ رائج کیا"۔ (متفق علیہ)

تشریح: ابن آدم الاول: قابیل مراد ہے جو ہابیل کا قاتل تھا۔
النحو: من: تاکید استغراق کے لئے زائدہ ہے۔ جبکہ ہر ایک نے اپنی اس اخت سے شادی کی جو دوسرے کے ساتھ پیدا ہوئی۔ شریعت آدم میں ایک حمل بمنزلہ اقارب اور دوسرا بمنزلہ اباعد تھا۔ بقاء نسل کے لئے یہ تجویز کی گئی۔ قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا کیونکہ اس کی بیوی زیادہ جمال والی تھی۔ قابیل کو حسد نے قتل پر آمادہ کیا۔ آیت میں سبب قتل کی طرف تعرض نہیں کیونکہ ممکن ہے یہ حسد ہی سبب قتل ہو۔ قابیل پہلا قاتل اور ہابیل پہلا مقتول مظلوم تھا۔ سن القتل: اس نے قتل ایجاد کیا۔ تو ہر قاتل اس کی اقتداء کرنے والا ہے۔ خواہ ایک واسطہ سے یا کئی وسائط سے۔ (متفق علیہ)
بعض نے کہا یہ ولا تزر وازرۃ: کے خلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہر نفس جس پر یہ معاملہ پیش آیا وہ اس کا سبب بننے کی وجہ سے اس کے گناہ کا بوجھ اٹھانے والا ہے۔
تخریج: أخرجه احمد (۲/۳۶۳۰) والبخاری (۳۳۳۵) و مسلم (۱۶۷۷) والترمذی (۲۶۷۳) والنسائی (۳۹۹۶) و ابن ماجه (۲۶۱۶) و ابن حبان (۵۹۸۳) و عبدالرزاق (۱۹۷۱۸) و ابن أبی شیبة (۳۶٤/۹) والطبرانی (۱۱۷۳۸) والبیهقی (۱۵/۸)

۲۰: بَابٌ فِی الدَّلَالَۃِ عَلٰی خَیْرٍ وَّالدُّعَآءِ اِلٰی ھُدًی اَوْ ضَلَالَۃٍ!

باب ۲۰: خیر کی طرف راہنمائی اور ہدایت و گمراہی کی طرف بلانا

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
﴿وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ﴾ [القصص: ۸۷]
"تم اپنے رب کی طرف بلاؤ"۔ (الحج، القصص)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ﴾ [النمل:۱۲۵]

''تم اپنے ربّ کے راستہ کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ سے بلاؤ''۔(النمل)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی﴾ [المائدة:۲]

''نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرو''۔(المائدہ)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ﴾ [آل عمران:۱۰٤]

''چاہئے کہ تم میں ایک جماعت ایسی ہو جو بھلائی کی طرف دعوت دینے والی ہو''۔(آل عمران)

الدّلاله: راہنمائی خواہ دینی ہو یا دنیوی۔

آیت نمبر ① :﴿ادع الی ربك.....﴾ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید و عبادت کی طرف بلاؤ۔اس آیت میں دعوت کا حکم ہے خواہ قبول کریں یا نہ کریں اور ذکر کی طرف بھی اشارہ ہے خواہ فائدہ دے یا نہ دے۔

آیت نمبر ② ادع: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بلاؤ۔الی سبیل ربك: یعنی اس کے دین کی طرف۔بالحکمة: قرآن مجید۔والموعظة الحسنه: اس کے اچھے مواعظ سے یا نرم انداز سے۔

آیت نمبر ③ وتعاونوا علی البر: جس کا حکم ملا اس کو کرنے سے۔والتقویٰ: اور ممنوعات کو چھوڑ کر یہ امر تمام طاعات میں عام ہے۔فرض میں فرض اور مستحب میں مستحب۔

آیت نمبر ④ ولتکن منکم امة: اس سے معلوم ہوا کہ خیر کی طرف بلانے والے امت میں افضل ترین ہیں۔اسی لئے ان کا خصوصی تذکرہ فرمایا۔منکم: میں اشارہ تمام لوگ مرتبہ میں ایک جیسے نہیں بلکہ متفاوت ہیں اس لئے کہ عالم اور اعلم فاضل اور افضل ہوں گے۔

۱۷۵ :وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ عُقْبَۃَ ابْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِیِّ الْبَدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ :"مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ" رَوَاہُ مُسْلِمٌ

۱۷۵: حضرت ابومسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ عنہ ہیں' سے روایت ہے کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''جس نے کسی بھلائی کے کام کی طرف راہنمائی کی تو اس کو اس بھلائی کے کرنے والے کے برابر اجر ملے گا''۔(مسلم)

تشریح مثل اجر فاعله: سبب بننے کی وجہ سے جیسا کہ مسلم میں ابومسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک آدمی خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور کہنے لگا میری اونٹنی ہلاک ہوگئی پس مجھے سوار کردو۔ آپ نے فرمایا: میرے پاس نہیں۔ ایک آدمی نے کہا میں اس کو ایسا آدمی بتلاتا ہوں جو اس کو سواری دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے خیر کی طرف راہنمائی کی اس کو کرنے والے جیسا اجر ملے گا۔ اُبْدَع بی: ایک۔ بُدِعَ: بھی آیا ہے مگر بقول قاضی یہ لغت میں معروف نہیں ہے۔

نووی کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ اس کو کرنے والے کی طرح ثواب ملے گا۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ ان کی مقدار برابر ہو۔ ① بعض نے کہا اصل ثواب میں مثلیت مراد ہے تضعیف و اضافہ میں نہیں۔ قرطبی کہتے ہیں اس کو ہر حصہ میں اس کی مثل ملے گا کیونکہ ثواب کا تعلق فضل الٰہی سے ہے وہ کسی بھی چیز پر جس کو چاہے عنایت کردے۔ خصوصاً جبکہ نیت درست ہو جو کہ تمام اعمال کی جڑ ہے ان طاعات میں جو کسی صانع کی وجہ سے نہ کرسکا اس قادر مطلق کے لئے بعید نہیں کہ اس عامل کو اصل فاعل جیسا ثواب دے دے۔ یا اس سے بھی بڑھا دے اور یہ حکم ان تمام مقامات پر جاری ہوگا جو اس کے مشابہ ہیں۔ جیسا حدیث **من فطر فله مثل اجره:** ہے۔

صدیقی کہتا ہے ترمذی کی روایت میں **ورجل ليس عنده شئى:** کہ کئی آدمی ایسے ہیں جن کے پاس دنیا کی کوئی چیز نہیں اور اس کی تمنا یہ ہے اگر اس کے پاس ہوتا تو وہ ضرور اس موقعہ پر خرچ کرتا۔ تو یہ اجر میں برابر ہیں او کما قال علیہ السلام اور دوسری روایت جو آ رہی ہے اس کا ظاہر بھی اسکا گواہ ہے۔ کذا قال القرطبی۔ (رواہ مسلم کتاب الامارۃ) اس میں اضافہ بھی موجود ہے۔

تخريج: أخرجه مسلم (۱۸۹۳) والبخاری فی الأدب المفرد (۱٤۲) و أبو داود (۵۱۲۹) والترمذی (۲٦۷۱)

۱۷٦: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا، وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَیْئًا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۷٦: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس کی پیروی کرنے والوں کو ملے گا اور اس سے ان کے اجروں میں کوئی کمی نہ کی جائے گی اور جو کسی کو کسی گمراہی کی طرف بلائے گا اس پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کا اتنا ہی وبال ہوگا جتنا اس کی پیروی کرنے والوں کو گناہ کرنے کا وبال ہوگا اور وبال ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی کمی نہ کرے گا''۔ (مسلم)

تشریح **دعا الى هدى:** جس نے دوسرے کی راہنمائی کسی اچھے بڑے کام میں کی یا خیر کے خلاف کام کو چھوڑا مثلاً راستہ سے پتھر اٹھایا اس کا حکم دیا یا اس میں معاونت کردی۔ **اجور من تبعه:** یعنی اس کی دلالت سے یا اختیار کرنے سے۔ **لا ينقص ذلك:** دلالت کرنے والے کو دیا جانے والا یہ اجر۔ **من اجورهم:** جو ان کے اعمال پر ان کو ملا۔ **شيئا:** کوئی ذرہ بھی کم نہ

کرے گا کیونکہ بدلے کی جہت مختلف ہے۔ دعا الی ضلالۃ: جس نے کسی دوسرے کو گناہ کی ترغیب دی خواہ وہ معمولی تھا یا اس کو حکم دیا یا اس کی اعانت کی۔ من تبعہ: اس فعل میں اس کا پیرو یا اس کا حکم مان کر چلنے والا۔ (رواہ مسلم، کتاب العلم)

تخریج: أخرجه مالك في موطئه (٥٠٧) بلاغاً. ووصله أحمد (٣/٩١٧١) و مسلم (٢٦٧٤) و أبو داود (٤٦٠٩) والترمذي (٢٦٧٤)

الفرائد: ① برے کاموں کی بنیاد ڈالنے والے کو سب کے برابر گناہ ملے گا۔ ② نیکی میں پہل کرنے والا بعد والوں کے اجر کو بھی حاصل کرنے والا ہے۔ مثلاً تعلیم، علم، عیادت وغیرہ۔

❁ ❁ ❁

۱۷۷: وَعَنْ اَبِی الْعَبَّاسِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ یَوْمَ خَیْبَرَ: "لَاُعْطِیَنَّ هٰذِهِ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیْهِ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَبَاتَ النَّاسُ یَدُوْكُوْنَ لَیْلَتَهُمْ اَیُّهُمْ یُعْطَاهَا - فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كُلُّهُمْ یَرْجُوْا اَنْ یُّعْطَاهَا فَقَالَ: اَیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ؟" فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُوَ یَشْتَكِیْ عَیْنَیْهِ قَالَ: فَاَرْسِلُوْا اِلَیْهِ" فَاُتِیَ بِهٖ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ عَیْنَیْهِ وَدَعَا لَهٗ فَبَرِئَ حَتّٰی كَاَنْ لَّمْ یَكُنْ بِهٖ وَجَعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّایَةَ - فَقَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُقَاتِلُهُمْ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مِثْلَنَا؟ فَقَالَ: "اُنْفُذْ عَلٰی رِسْلِكَ حَتّٰی تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ وَاَخْبِرْهُمْ بِمَا یَجِبُ عَلَیْهِمْ مِّنْ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالٰی فِیْهِ فَوَ اللّٰهِ لَاَنْ یَّهْدِیَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَیْرٌ لَّكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

قَوْلُهٗ: "یَدُوْكُوْنَ" اَیْ یَخُوْضُوْنَ وَیَتَحَدَّثُوْنَ - قَوْلُهٗ "رِسْلِكَ" بِكَسْرِ الرَّآءِ بِفَتْحِهَا لُغَتَانِ وَالْكَسْرُ اَفْصَحُ۔

۱۷۷: حضرت ابوالعباس سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کے دن فرمایا: ''میں یہ جھنڈا کل ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح عنایت فرمائے گا اور وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرتا ہے پس لوگوں نے رات اس بحث میں گزاری کہ وہ کون ہوگا جس کو جھنڈا دیا جائے گا۔ جب صبح کے وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لوگ حاضر ہوئے۔ تو ان میں سے ہر ایک امیدوار تھا کہ اس کو جھنڈا ملے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ ان کی آنکھیں خراب ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان کی طرف پیغام بھیجو''۔ جب ان کو لایا گیا تو آپ ﷺ نے اپنا لعاب مبارک ان کی آنکھوں پر لگایا اور ان کے لئے دعا فرمائی۔ چنانچہ ان کی آنکھیں اس طرح درست ہوگئیں گویا کہ ان کو تکلیف ہی نہ تھی۔ پس آپ ﷺ نے ان کو جھنڈا عنایت فرمایا۔ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا میں ان سے لڑوں یہاں تک کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم آرام سے چلتے جاؤ!

یہاں تک کہ ان کے میدان میں جا اترو۔ پھر ان کو اسلام کی طرف دعوت دو اور ان کو اللہ تعالیٰ کا وہ حق بتلاؤ جو ان کے ذمہ ہے۔ قسم بخدا! اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو وہ تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہت زیادہ بہتر ہے''۔ (متفق علیہ)

یَدُوْکُوْنَ : بحث اور بات چیت کرنا۔

عَلٰی رَسْلِكَ: اپنے انداز سے۔

تشریح ۞ سہل بن سعد بن مالک بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن خزرج بن ساعد بن کعب الخزرجی انصاری الساعدی رضی اللہ عنہ ان کی کنیت ابوالعباس یا ابویحییٰ ہے۔ ان کا نام حزن تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر سہل رکھ دیا۔ زہری کہتے ہیں وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ ان کی وفات ۸۸ھ میں مدینہ میں ہوئی۔ بعض نے ۹۱ھ لکھا ہے۔ بقول ابن سعد یہ مدینہ میں وفات پانے والے آخری صحابی ہیں۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں دیگر نے اس میں اختلاف کیا ہے (تہذیب نووی) اختلاف کی تائید صاحب المواقیت الفاخرہ کا یہ قول ہے کہ مدینہ میں سائب بن یزید جو نمر کے بھانجے ہیں صحابہ میں سب سے آخر میں وفات پائی۔ ان کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی۔ ان کی مرویات ۱۸۸ ہیں۔ ۲۸ میں بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ ۱۱ میں بخاری منفرد ہیں۔ **یوم خیبر**: عرب کسی کام کے سلسلہ میں یوم کا لفظ بول دیتے ہیں خواہ وہ کئی روز میں ہوا ہو۔ جیسے خیبر کئی روز میں فتح ہوا مگر یوم خیبر کہا ہے **یوماً من ایام خیبر**: ہے۔ یہ کنایہ ہے۔

لاعطین الرایة: رجلا کی تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ **یحب اللّٰہ**: یہ رجل کی صفت ہے۔ **یحبھم اللّٰہ ویحبونه رضی اللّٰہ**: یہ دونوں شرف باہمی متلازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت سے مراد بندے کے حق میں مرضیات الٰہی کی توفیق اور اس کو ثابت قدم رکھنا ہے اور بندے کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کا مطلب اللہ کے احکام کی پیروی اور ان کے مناہی سے باز رہنا۔

یدو کون: اس بحث میں مصروف رات گزاری کہ کس کو ملے گا۔

غدوا: دن کے شروع میں جانا۔ رواح دن کے پچھلے حصے میں جانا۔ یہ اصل معنی ہے البتہ ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ **کل ھم یرجو**: کل کا لفظ کبھی لفظ کے لحاظ سے اور کبھی معنی کے لحاظ سے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں لفظ کے لحاظ سے ہے۔ کبھی دونوں کا لحاظ ہوتا ہے مثلاً **ان کل من فی السمٰوات...... احصاھم**: مگر درست بات یہ ہے کہ اس کی خبر سے ضمیر ہمیشہ مفرد مذکر ہی لوٹے گی مثلاً **کلھم آتیه**: اور آپ کا ارشاد ''**کلکم راعٍ**'' رہا یہ سوال کہ آیت میں ایسا نہیں تو جواب یہ ہے **احصاھم**: یہ جملہ قسم مقدر کا جواب ہے۔ یہ کل: کی خبر نہیں اور ضمیر کا مرجع من: ہے اور من معناً جمع ہے۔

ان یعطاھا: صحابہؓ اس امید سے آئے نہ کہ جھنڈے کے لئے کیونکہ اس کی خصوصیت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا محبوب ہونا تھا۔ **یشتکی عینیه**: رمد کی تکلیف تھی جیسا دوسری روایت میں وارد ہے۔

اَلنَّحْوُ :**قال فارسلوا الیه**: اگر قال کا فاعل ضمیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو جیسا کہ سیاق سے معلوم ہوتا ہے تو فَاَرْسِلُوا الیه: امر ہوگا۔ ② اور اگر فاعل قال کی ضمیر راوی کی طرف لوٹے تو کلام میں اختصار ہے۔ ''**فقال ارسلوا الیه فارسلوا الیه**.'' مگر اس انداز سے مجھے کسی روایت میں نہیں ملا۔ **فاُتیَ دعا له**: عافیت کی دعا فرمائی۔ پس وہ فبرئ: اسی وقت درست ہو گئے۔ یہ معجزہ نبوت ہے۔ درد اور اس کے آثار تک جاتے رہے۔ گویا کبھی درد تھا ہی نہیں۔

اقاتلهم: یہاں ہمزہ استفہام مقدر ہے۔توالی ہمزتین ثقل کا باعث بنتا ہے۔ مثلنا: اسلام لاکر ہماری مثل ہو جائیں۔ انُفذ: چلتا رہا۔ علی رسلك: اپنی ہیئت کے مطابق' جلدی مت کرو۔ بساحتهم: قبیلہ کے گھروں کے جانب کھلی جگہ۔ ادعهم: پھر ان کو اسلام کی دعوت دو۔ من حق اللّٰہ: سے اعمال بدنیہ مثلاً نماز' روزہ' زکوۃ' حج وعمرہ مراد ہیں۔

ایک استدلال: اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا کہ قتال سے پہلے دعوت واجب ہے۔

جواب: صحیح یہ ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے جن کو آپ کی دعوت نہیں پہنچی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق پر حملہ کیا جب کہ دعوت نہیں دی۔

یھدی اللّٰہ: یعنی اس کو تمہاری اسلام وہدایت کی طرف راہنمائی کی وجہ سے کفر وگمراہی سے چھٹکارامل جائے۔ **من حمر النعم:** یہ اس سے بہتر ہے کہ تمہیں سرخ اونٹ ملیں۔ سرخ اونٹ عرب کا نفیس ترین مال تھا۔ چیزوں کی نفاست میں اس سے تشبیہ دی جاتی تھی اور آخرت کے معاملات کو دنیا کی چیزوں سے تشبیہ صرف تقریب فہم کے لئے ہے ورنہ دنیا کی اشیاء کو آخرت سے کچھ نسبت ہی کیا ہے۔ (متفق علیہ) **یدو کون:** کا معنی باتیں کرنے اور مشغول ہوتے بعض نسخوں میں یذکرون ہے۔ **علی رسلك:** یہ راء کے فتحہ وکسرہ سے آتا ہے۔ سکون ووقار یہ اسی طرح ہے جیسے **علی هینتك**۔

تخریج: أخرجه احمد (۸/۲۲۸۸٤) و سعید بن منصور (۲٤۷۲) والبخاری (۲۹٤۲) و مسلم (۲٤۰٦) و أبو داود (۳٦٦۱) و ابن حبان (٦۹۳۲) والطبرانی (۵۸۷۷) والبیهقی ۹/۱۰٦) و أبو نعیم فی الحلیة (۱/٦۲)

الفرائد: ① اس میں آپ ﷺ کا قولی معجزہ مذکور ہے کہ علیؓ کے ہاتھ سے خیبر کا قلعہ قموص فتح ہوگا۔ ② فعلی معجزہ بھی مذکور ہے کہ یہ آپ ﷺ کے لعابِ مبارک سے علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں درست ہوگئیں۔ ③ علی رضی اللہ عنہ کی بڑی شان و منقبت ذکر کی گئی ہے۔ ④ قتال کے شروع سے پہلے ہدایت کی طرف دعوت ضروری ہے۔

۱۷۸ : وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ فَتًی مِّنْ اَسْلَمَ قَالَ :یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْغَزْوَ وَلَیْسَ مَعِیَ مَا اَتَجَهَّزُ بِهٖ؟ قَالَ :"ائْتِ فُلَانًا قَدْ كَانَ تَجَهَّزَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ فَقَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُقْرِؤُكَ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ :اَعْطِنِی الَّذِیْ تَجَهَّزْتَ بِهٖ فَقَالَ :یَا فُلَانَةُ اَعْطِیْهِ الَّذِیْ تَجَهَّزْتُ بِهٖ وَلَا تَحْبِسِیْ مِنْهُ شَیْئًا ، فَوَ اللّٰهِ لَا تَحْبِسِیْنَ مِنْهُ شَیْئًا فَیُبَارَكَ لَنَا فِیْهِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۷۸ : حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ بنو اسلم کے ایک نوجوان نے عرض کیا یارسول اللہؐ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس وہ سامان نہیں جس سے میں جہاد کی تیاری کروں۔ آپؐ نے فرمایا: "فلاں شخص کے پاس جاؤ۔ اس نے جہاد کی تیاری کی تھی مگر وہ بیمار ہوگیا"۔ چنانچہ وہ نوجوان گیا اور اُس سے جا کر کہا رسول اللہؐ تجھے سلام کہتے اور فرماتے ہیں کہ تم مجھے وہ سامان دے دو جس سے تم نے جہاد کی تیاری کی تھی۔ اس شخص نے کہا: اے فلانہ! اس کو وہ سامان دے دو جس سے میں نے جہاد کی تیاری کی تھی اور اس میں سے کوئی چیز بھی نہ روکنا۔ قسم بخدا! تو اس میں سے کوئی نہیں روکے گی کہ پھر تمہارے لئے برکت ہو (جو روکے گی وہ بے برکتی کا باعث ہوگا)۔ (مسلم)

تشریح ۞ **اسلم**: یہ قبیلہ کے بڑے کا نام ہے۔ اسلم بن افصی بن حارثہ بن عمرو بن عامر بن عویمر بن عمر۔ یہ برقی کا بیان ہے۔ (جازفی کتاب الانساب) مگر خلیفہ بن خیلط نے اس طرح بیان کیا اسلم بن افصی بن حارثہ بن امرء القیس بن ثعلبہ بن المازن بن الازد بن الغوث۔ یہ اس قبیلہ کے بہت سے لوگ صحابہ' تابعین اوران کے بعد علماء اور رواۃ حدیث سے ہیں۔
(مختصر کتاب الانساب للمعانی)

ما اتجهز به: الجھاز وہ سامان جو مسافر کو سفر میں ضروری ہوتا ہے۔ **تجهز**: غزوہ کی تیاری کی۔ **فمرض**: پس بیماری کی وجہ سے وہ نہ جاسکا۔

اہم فوائد ☆: ① اس روایت میں دلالت علی الخیر ہے۔ ② جو آدمی کسی خیر کا ارادہ کرے پھر وہ اسے نہ کر سکے تو اسے اور کسی مقام پر خرچ کردے بشرطیکہ نذر نہ مانی ہو۔

اعطنی: وہ سامان مجھے بطور اعانت علی الخیر دے دو۔ **فقال**: اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں جلدی کرتے ہوئے کہا۔ **تجهزت به**: جو راحلہ زاد وغیرہ سفر میں ضرورت پڑتا ہے اور جو تو نے تیار کیا ہے سب اسے دے دو۔ **لا تحبسی**: اس میں کچھ مت روکنا۔

النَّحْوُ: اس میں نون کا حذف ماقبل کی مناسبت کے لئے ہے جیسا اس روایت میں ہے: **لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا**: بلا ناصب و جازم نون حذف کیا ہے۔ یہاں جواب میں مضارع کا آنا اور حتی کا مضارع پر داخلہ حذف نون کا سبب ہے) ترجمہ) **فيبارك الله لك فيه**: کیونکہ وہ رضاء مالک کے خلاف ہے کیونکہ وہ تمام اس کو دینے کا کہا ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ اگر تم اس کی مرضی کے خلاف روک لوگی تو اس میں برکت نہ ہوگی۔
(رواہ مسلم کتاب الامارہ)

باب سے مناسبت بھی اسی حصہ حدیث کی وجہ سے ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (٤/١٣١٥٩) و مسلم (١٨٩٤) و أبو داود (٢٧٨٠) و ابن حبان (٤٧٣٠)

الفرائد: ① اگر کسی نے کسی نیک کام کی نیت کی مگر اس کا راستہ بند ہوگیا تو اسے دوسری جانب اس مال کو صرف کردینا چاہئے۔ ② جس نے خیر کے کام سے روکا اس کی برکت ختم ہوجائے گی۔

۲۱ بَابٌ فِی التَّعَاوُنِ عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی

بَابٌ: نیکی و تقویٰ میں تعاون

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی﴾ [المائدة:٢]

''نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے سے تعاون کرو''۔ (المائدہ)

وَقَالَ تَعَالٰی :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ [العصر]

''قسم ہے زمانے کی۔ یقینا انسان نقصان میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالح کئے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی''۔ (العصر)

قَالَ الْاِمَامُ الشَّافِعِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ كَلَامًا مَعْنَاهُ: اِنَّ النَّاسَ اَوْ اَكْثَرَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ عَنْ تَدَبُّرِ هٰذِهِ السُّوْرَةِ۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے اس سورت کے بارے میں فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام لوگ یا لوگوں کی اکثریت غور وفکر کرنے سے غافل ہے۔

① تعاونوا: تم ایک دوسرے سے تعاون کرو۔ علی البر: نیکی کمانے پر۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں سنت کی متابعت کرتے ہوئے۔ التقوی: اوامر ونواہی کو صحیح طور پر انجام دینا۔

② والعصر: زمانہ۔ ② زوال کے بعد کا وقت۔ ③ نماز عصر۔ ④ زمان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ ﷺ کے زمانے کی قسم اس لئے اٹھائی تا کہ اس کی افضلیت ظاہر کی جائے۔ ان الانسان: یہ جواب قسم ہے۔ الف لام استغراق کا ہے۔ لفی خسر: خسارہ ونقصان جو تجارت میں ہو۔ انسان کی تجارت عمر ہے ① جب ایک لمحہ گناہ میں ضائع ہو گیا تو وہ کھلا ہوا نقصان ہے۔ ② یا کسی غیر افضل کام میں مصروف ہو کر افضل کی قدرت ہوتے ہوئے نقصان میں مبتلا ہوتا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہو گیا کہ انسان خسارے سے بچ نہیں سکتا۔ الا الذین امنوا...... یہ خسارے سے بچے ہوئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف ہونے والی گھڑی اصلاح وخیر کی گھڑی ہے اور اس کے بالمقابل تباہی وہلاکت ہے۔ تواصوا بالحق: ایک دوسرے کو ایمان وتوحید کی نصیحت کی۔ ② قرآن اور اس پر عمل کرنا۔ تواصوا بالصبر: اطاعت پر صبر کیا اور معصیت سے رُکا رہا۔ خازن کہتے ہیں انسان کو جب دنیا میں عمر مل جائے اور وہ بوڑھا ہو جائے تو وہ ہر روز کمی اور کمزوری میں ہے مگر ایمان والوں کے اجر لکھے جا رہے ہیں اور ان کے جوانی والے اعمال جو صحت میں کئے ان کے مطابق ان کا بدلہ مل رہا ہے۔ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: ﴿ثم رددناہٗ اسفل سافلین﴾۔

امام: وہ آدمی جس کی اقتداء کی جائے۔ عرف شرع میں وہ آدمی جس کی خیر میں اقتداء کی جائے۔ شافعی رحمہ اللہ: یہ قریش کے بڑے عالم ہیں۔ شاید ان کے متعلق یہ پیش گوئی ہو: لا تسبوا قریشًا فان عالمها یملاء الارض علمًا'' نام و نسب یہ ہے محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف۔ یہ آپ کے اجداد میں سے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جوش جوانی میں ملاقات ہوئی۔ ان کے والد بدر کے دن اسلام لائے۔ پہلے قید ہوئے فدیہ دیا گیا۔ امام شافعی غزہ میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے پھر مکہ لائے گئے اور وہاں پرورش پائی۔ قرآن مجید یاد کیا اس وقت ان کی عمر سات سال تھی اور دس سال کی عمر میں موطا حفظ کر لیا اور مسلم بن خالد المعروف زنجی سے فقہ حاصل

کی۔ فتوی کی اجازت ۱۵ سال کی عمر میں مل گئی پھر امام مالک کے ہاں گئے۔ کچھ عرصہ ان کے ہاں رہے۔ پھر ۱۹۵ھ میں بغداد آئے اور وہاں دو سال ٹھہرے۔ وہاں کے علماء ان کے ہاں جمع ہوئے اور ان میں سے کئی نے اپنے مذہب سے رجوع کیا۔ اپنی کتاب وہیں لکھی۔ پھر مکہ واپس آ کر ایک ماہ مقیم رہے۔ پھر مصر گئے اور وہاں کی جامع العتیق میں وفات تک رہے۔ ۲۰۴ھ جمعہ کے دن اواخر رجب میں وفات ہوئی۔ اسی دن عصر کے دن مدفون ہوئے۔

ان کے اپنے اشعار ہیں جو نہایت لذیذ ہونے کی وجہ سے نقل کئے جاتے ہیں:

امتُ مطا معي فأرحت نفسي ☆ فان النفس ما طمعت تهون

واحييت القنوع وكان ميتاً ☆ ففي احيائه عرضي مصونه

اذ اطمْعٌ يحل بقلب عبدٍ ☆ علتهٔ مهانة وعلاهٔ هون

مقصد یہ ہے کہ طمع کو ترک کرنے میں انسان کی عزت ہے ورنہ ذلت۔

او: یہ تردد کے لئے ہے۔ تدبر: مقاصد پر غور کرنے سے غافل ہیں۔ یہ سورت اپنے شرف کے سبب صبر و حق کی وصیت اور عمل بر کی تلقین کرتی ہے اور اگر یہ نہ ہوں تو خسارے میں مبتلا ہونے کو بتلاتی ہے۔

۱۷۹: وَعَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "مَنْ جَهَّزَ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِیًا فِیْ اَهْلِهٖ بِخَیْرٍ فَقَدْ غَزَا" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۱۷۹: حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے خدا کے راستہ میں جہاد کرنے والے کو جہاد کا سامان تیار کر کے دیا۔ بلاشبہ اس نے خود جہاد کیا اور جو جہاد کرنے والے کے اس کے گھر میں بھلائی کے ساتھ اس کا جانشین بنا۔ یقیناً اس نے جہاد کیا"۔ (متفق علیہ)

تشریح: زید بن خالد الجہنی قبیلہ جہینہ کی طرف نسبت ہے۔ ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن، ابو طلحہ، ابو زرعہ ... حجازی کہتے ہیں ان کا سلسلہ نسب یہ ہے ... مشہور قبیلہ ہے جس میں ... بڑی تعداد ہے۔ زید مدینہ میں رہنے لگے۔ حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے فتح مکہ کے دن ان کے ہاتھ میں جہینہ کا جھنڈا تھا۔ ان کی مرویات ۸۱ ہیں۔ ۵ متفق علیہ ہیں ... ہیں۔ ان کی وفات مدینہ میں ہوئی بعض نے کوفہ بعض نے مصر میں بتلائی ہے۔ ۷۸ھ ان کی عمر ۸۵ سال تھی (تہذیب) جھز غازیا: جنگ میں معاونت کرتے ہوئے اسباب فراہم کیے۔ فقد غزا: ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ اجر میں اس کی مثل ہے اگرچہ حقیقت میں اس نے غزوہ نہیں کیا۔ فی اهله بخیر: ان کو ضروریات مہیا کیں۔ ابن حبان کی روایت میں ہے من جهز غازیا فی سبیل اللّٰه وخلفه فی اهله كتب اللّٰه له مثل اجره غیر انه لا ینقص من اجره شئی (متفق علیہ) ابن ماجہ میں ابن عمر ان الفاظ میں ہے: عن جهز غازیا حتی یستقل كان له مثل اجره حتی یموت او یرجع"۔

علماء کہتے ہیں اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ① یہ وعدہ اس صورت میں ہے جبکہ مکمل انتظام کرے۔ یہ حتی یستقل سے ثابت ہوتا ہے۔ ② غزوہ کے اختتام تک وہ غزوہ کے اجر میں شریک ہے۔ یہ بھی کہا کہ جو غازی کو سامان مہیا کرتا

ہے یا جو اس کے بال بچوں کی نگرانی کرے ان کاموں میں براہ راست کچھ مشقت ہے۔ غازی سے وہ عمل اسی وقت آسان ہوگا جب اس میں کفایت فیہ ہوگی۔ تو گویا وہ خود غزوہ میں شریک ہے۔ بخلاف اس کے جو فقط نیت پر اکتفاء کرے۔ اس کو غزوہ کے سبب اجر مل جائے گا۔ یہ ثواب تو ہر چھوٹے بڑے سامان سے مل جائے گا اور ہر اس آدمی کو ملے گا جو اس کے اہل کی ضروریات مہیا کرے گا یا ان پر خرچ کرے گا یا ان سے دفاع کرے گا یا ان کے معاملات میں ہاتھ بٹائے گا اور ان کاموں کی قلت و کثرت کے لحاظ سے ثواب مختلف ہوگا۔

صدیقی کہتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ابن ماجہ کی روایت میں اجر کو کمال تجہیز پر مرتب کیا گیا تو اس سے مراد کمال اجر اور دوام اجر ہے اور اس کی طرف اس قول میں اشارہ ہے حتی یرجع الیه: اور یہ معمولی سامان بھی حاصل ہو جائے گا۔

تخریج: أخرجه احمد (۶/۱۷۰۵۵) والبخاری (۲۸۴۳) و مسلم (۱۸۹۵) وأبو داود (۲۵۰۹) والترمذی (۱۶۲۸) والنسائی (۳۱۸۰) و ابن حبان (۳۶۳۱) و ابن الحارود (۱۰۳۷) والطبرانی (۵۲۲۵) والطیالسی (۹۵۶) والبیهقی (۹)

الفرائد: جو شخص مسلمانوں کی بھلائی کے لئے اچھا کام کرتا ہے یا اس میں معاون بنتا ہے تو اسے تمام کرنے والوں کے برابر اجر ملتا ہے۔

* * *

۱۸۰ : وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ بَعَثَ بَعْثًا اِلٰی بَنِیْ لَحْیَانَ مِنْ هُذَیْلٍ فَقَالَ: "لِیَنْبَعِثْ مِنْ كُلِّ رَجُلَیْنِ اَحَدُهُمَا وَالْاَجْرُ بَیْنَهُمَا" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۸۰: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ہذیل کی شاخ بنو لحیان کی طرف ایک لشکر بھیجا اور فرمایا کہ گھر کے دو آدمیوں میں سے ایک ضرور جائے اور ثواب دونوں کے درمیان ہوگا"۔ (مسلم)

تشریح ۞ **بعث:** سے مراد بھیجنے کا ارادہ فرمایا۔ **الحیان:** لام مکسور معروف ہے یہ بنو ھذیل کا ایک قبیلہ ہے۔ جن کا سلسلہ نسب یہ ہے لحیان بن ھذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ بنو لحیان اس وقت کافر تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جہاد کے لئے ایک لشکر بھیجا۔ آپ نے اس لشکر کو ہدایات دیتے ہوئے فرمایا: **ینبعث:** مقصد یہ تھا کہ ہر قبیلہ میں نصف تعداد جہاد کے لئے نکلے۔ **والاجر:** جو غازی اور پیچھے رہنے والوں کو نیکیوں سے ملے گا وہ ان کے مابین ہوگا۔ اس کا مطلب وہی ہے جو پہلی روایت کا ہے: "ومن خلف غازیا فقد غزا" باقی مسلم کی روایت۔ "ایکم خلف الخارج فی اهله و ماله بخیر کان له مثل نصف اجر الخارج" تو اس کے متعلق قرطبی کہتے ہیں ممکن ہے کہ نصف کا لفظ بعض رواۃ کی طرف سے ہو۔ مگر علقمی کہتے ہیں صحیح روایت میں ثبوت مل جانے کے بعد زیادت کا دعویٰ بلا وجہ ہے۔ ظاہراً اس کی توجیہہ یہ ہے کہ غازی اور خالف بالخیر کے ثواب کو نسبۃً کو مطلق رکھا گیا ہے۔ جب ثواب نصفا نصف تقسیم ہوگا تو ہر ایک دوسرے کی مثل ملے گا پس دونوں میں تعارض نہ رہا۔ اس توجیہہ کو تسلیم کرنے کی صورت میں اس میں حذف ماننا پڑے گا اور قرطبی کی توجیہہ میں اضافہ ماننا پڑے گا واللہ اعلم۔ **والاجر بینهما:** جب مقیم خیر سے دیکھ بھال کرے اس وقت اس کو اجر

ملے گا۔ بظاہر یہ روایت بھی نصف اجر والی روایت کی تائید کرتی ہے۔ باقی مثلیت میں ایک دوسرے کے برابر مانا جائے تو ایک دوسرے کو آدھا ملنے میں بھی مثلیت تو پائی گئی۔ باقی یہ فضل باری جل رسمہ ہے۔ جیسے چاہے کرے۔

تخریج: أخرجه مسلم (١٨٩٦) و أبو داود (٢٥١٠)

۱۸۱ : وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَقِيَ رَكْبًا بِالرَّوْحَاءِ فَقَالَ مَنِ الْقَوْمِ؟" قَالُوْا : الْمُسْلِمُوْنَ فَقَالُوْا : مَنْ اَنْتَ؟ قَالَ : "رَسُوْلُ اللّٰهِ" فَرَفَعَتْ اِلَيْهِ امْرَاَةٌ صَبِيًّا فَقَالَتْ : اَلِهٰذَا حَجٌّ؟ قَالَ : "نَعَمْ وَلَكِ اَجْرٌ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

۱۸۱: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ روحاء کے مقام پر ایک قافلہ کو ملے آپ نے پوچھا۔ "تم کون لوگ ہو؟" انہوں نے عرض کیا ہم مسلمان ہیں۔ انہوں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: "میں اللہ کا رسول ہوں"۔ اس پر ایک عورت نے اپنے بچے کو اٹھا کر پوچھا کیا اس پر حج ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اور اس کا اجر تجھے ملے گا"۔ (مسلم)

تشریح ۞ لقی: آپ کی ملاقات حجۃ الوداع کے موقعہ پر مقام روحاء میں ایک قافلہ سے ہوئی۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا اس کے بعد ایک عورت کہنے لگی۔

مسئلہ: قافلے کو خواہ نہ جانتا ہو سلام کرنا چاہئے اور قوم میں بڑے درجے والے کو سلام کرنا چاہئے۔ ملاقاتی کو سب سے پہلے سلام کرنا چاہئے۔ کیونکہ حدیث میں وارد ہے **السلام علیکم الکلام قالوا المسلمون**: اس میں دلیل ہے کہ مطلقاً مسلمان کہنا چاہئے سوء خاتمہ کے خوف سے ان شاء اللہ کہنے کی حاجت نہیں کیونکہ اصل تو بقاء فضل ہے یعنی اپنے کو مسلمان باقی رکھنا ہے۔ البتہ سوء خاتمہ کے خطرہ کو سامنے رکھتے ہوئے ساتھ کہہ لینا افضل ہے۔

فقالوا من انت: ابوداؤد کی روایت میں **من انتم**: ہے۔ قاضی کہتے ہیں ممکن ہے کہ یہ ملاقات رات کو ہوئی اور انہوں نے آپ ﷺ کو نہ پہچانا یا اس سے پہلے آپ کی زیارت نہ کی ہو۔ اپنے وفد کے ذریعہ اسلام لے آئے اور ہجرت نہ کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **وانا رسول اللہ۔ فرفعت الیہ امراۃ صبیاً**: ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ عورت نے بچے کو بازو سے پکڑ کر پالکی سے نکالا۔ **فقالت یا رسول اللّٰہ**: کیا اس کے لئے حج ہے اور ابوداؤد کی روایت میں **ھل لھذا حج**۔: آپ ﷺ نے فرمایا **نعم**۔: اس میں امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ہے کہ جمہور کے ہاں بھی بچے کی طرف سے حج منعقد ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں تمیز نہ ہو جس کو بازو پکڑ کر پالکی سے نکالا جائے وہ اسی طرح کا ہوگا۔ ولی احرام باندھے اگر بچہ تمیز کی عمر والا ہے تو اس کو خبر دی جائے گی۔ دونوں حالتوں میں بچے کو ثواب ملے گا اگرچہ یہ حج نفلی رہے گا' بالغ ہونے پر حج فرض ہوگا۔ **ولك الاجر**: تمہارے لئے اجر ہوگا۔ اس کو اٹھانے اور محرم والے افعال کرانے اور جن سے محرم گریز کرتا ہے ان سے بچانے کی وجہ سے۔ اس کی طرف سے احرام اگر تو وصیت ہو یا قیمت دی ہو تو باندھے درست ہے ورنہ نہیں۔ اس کی طرف سے احرام باندھنے میں اجر نہ ہوگا۔ باقی حج کا اجر اور دیگر طاعات طواف' سعی' طہارت' نماز وغیرہ کا ثواب ملے گا گناہ نہ لکھا جائے گا (بالاجماع)

تخریج: أخرجه مالك في موطئه (٩٦١) واحمد (١/١٨٩٨) و مسلم (١٣٣٦) ولنسائي (٢٦٤٦) والطيالسي و أبو يعلى (٢٤٠٠) و ابن حبان (٣٧٩٨) و ابن الجارود (٤١١) والحميدي (٥٠٤) وأبو داود (١٧٣٦) و ابن

خزيمة (٣٠٤٩) والبيهقى (١٥٥/٥) والطحاوى فى شرح معانى الآثار (٢٥٦/٢)

١٨٢ : وَعَنْ اَبِىْ مُوْسٰى الْاَشْعَرِىِّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ : اَلْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْاَمِيْنُ الَّذِىْ يُنَفِّذُ مَا اُمِرَ بِهٖ فَيُعْطِيْهِ كَامِلًا مُوَفَّرًا طَيِّبَةً بِهٖ نَفْسُهٗ فَيَدْفَعُهٗ اِلَى الَّذِىْ اُمِرَ لَهٗ بِهٖ اَحَدُ الْمُتَصَدِّقِيْنَ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

وَفِىْ رِوَايَةٍ : "اَلَّذِىْ يُعْطِىْ مَا اُمِرَ بِهٖ" وَضَبَطُوْا : "اَلْمُتَصَدِّقِيْنَ" بِفَتْحِ الْقَافِ مَعَ كَسْرِ النُّوْنِ عَلَى التَّثْنِيَةِ وَعَكْسِهٖ عَلَى الْجَمْعِ وَكِلَاهُمَا صَحِيْحٌ۔

۱۸۲: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان امانت دار خزانچی وہ ہے جو کہ اپنے اوپر اس حکم کو نافذ کرے جو اس کو دیا گیا اور پوری خوش دلی سے مال کو پورا پورا اسی کو ادا کر دے جس کو ادا کرنے کا حکم ہوا تو وہ بھی دو صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہوگا۔ ایک روایت میں ہے جو اس کو دیتا ہے جس کو حکم دیا گیا''۔ (متفق علیہ)

اَلْمُتَصَدِّقِيْنِ :جمع اور تثنیہ دونوں طرح صحیح ہے۔

تشریح ۞ الخازن: جو دوسرے کے مال کو اس کی مرضی سے جمع رکھنے والا ہو۔ الامین: اس مال میں جس میں اس کو امین بنا کر دینے کا حکم دیا گیا۔ اگر کسی دوسرے مال میں اس سے پہلے کمی بیشی کی ہو تو اس سے اس طاعت میں کمی نہ آئے گی جبکہ اس میں خیانت نہ کی ہو۔ کاملا موفرا: یہ تاکید در تاکید ہے کیونکہ عام طور پر خازن میں طمع اور نقص پیدا ہو جانا جس کو دینے کا اسے حکم دیا گیا ہو۔ طیبہ بہ نفسہ: دینے والے پر حسد نہ کرے اور جس کو دے رہا ہے اس سے ترش روئی اختیار نہ کرے اور نہ منہ کو بسورے جس سے اس کا دل مکدر ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار کیا کیونکہ اکثر خازنوں پر بخل غالب ہو جاتا ہے اور وہ ابخل البخلاء بن جاتے ہیں۔ فیدفعه الی الذی اُمر: جس کو دینے کا حکم دیا گیا وہ اسی کو دے۔ تو وہ احد التصدقین: اس کو صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ لیکن یہ ثواب تھکاوٹ و مشقت اور بشاشت مارفق میں کمی بیشی سے کم زیادہ ہوگا۔

ایک روایت بخاری و مسلم میں الذی یعطی ما امر بہ: کے الفاظ ہیں۔ مشکوٰۃ میں اسی طرح ہے۔ المتصدقین: یہ جمع اور تثنیہ دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے جمع کی صورت میں جنس خازن اور جنس متصدق کا تذکرہ ہے یا جمع بول کر دو مراد لئے گئے۔

تخریج: أخرجه مالك فى موطه (٩٦١) واحمد (١٨٩٨/١) و مسلم (١٣٣٦) والنسائى (٢٦٤٦) والطيالسى (٢٧٠٧) وأبو يعلى (٢٤٠٠) و ابن حبان (٣٧٩٨) و ابن الجارود (٤١١) والحسيدى (٥٠٤) وأبو داود (١٧٣٦) و ابن خزيمة (٣٠٤٩) والبيهقى (١٥٥/٥) والطحاوى فى شرح معانى الآثار (٢٥٦/٢)

٢٢ : بَابٌ فِى النَّصِيْحَةِ

بَابُ: خیر خواہی کرنا

قَالَ تَعَالٰى :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ [الحجرات: ١٠]
''بلاشبہ مسلمان بھائی بھائی ہیں''۔ (الحجرات)

وَقَالَ تَعَالٰی :
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِخْبَارًا عَنْ نُّوْحٍ ﴿وَاَنْصَحُ لَكُمْ﴾ [الأعراف: ٦٢]
حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے ''اور میں تم کو نصیحت کرتا ہوں'' (الاعراف)

وَعَنْ هُوْدٍ ﴿وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ﴾ [الأعراف: ٦٨]
اور ہود علیہ السلام کے بارے میں فرمایا اور ''میں تمہارے لئے امانت دار خیر خواہ ہوں''۔ (الاعراف)

فاکہانی نے شرح اربعین میں لکھا۔ نصیحت ایک جامع کلمہ ہے۔ اس کا معنی مخاطب سے کامل خیر خواہی کی بات کہنا۔ بلکہ اس طرح بھی کہا گیا کہ یہ کلمہ اتنا جامع ہے کہ کوئی کلمہ مفرد اس کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا۔ الفلاح میں کہا لیس فی کلام العرب اجمع الخیر الدارین منها: ① یہ نصح الرجل ثوبہ سے لیا گیا ہے جبکہ وہ اس کی سلائی کرے۔ ناصح کو درزی کے فعل سے تشبیہ دی کہ اس نے جس طرح کپڑے کے سوراخ کی اصلاح کر دی اسی طرح اس نے مخاطب کی پیدا ہونے والی کمی کو پورا کر دیا۔

② بعض نے کہا نصحت العل: سے لیا گیا ہے۔ جب شہد کو موم سے خالص کر لیا جائے ملاوٹ سے صاف کر کے مخاطب کو بات کہنے کو خالص شہد سے تشبیہ دی۔

آیات الباب

آیت ① ﴿انما المؤمنون اخوة﴾ اخوت کی تعبیر تقاضا کرتی ہے کہ دوسرے مسلمانوں کے مصالح پر نظر کرے اور اس کو فائدہ پہنچانا اس کے ساتھ خیر خواہی کی طرف اشارہ ہے۔

آیت ② ﴿وانصح لكم﴾ (الاعراف: ٦٢) یہ نوح علیہ السلام کے متعلق خبر دی۔ سلمی کہتے ہیں انصح کا معنی یہ ہے میں ہدایت کی طرف تمہاری راہنمائی کرتا ہوں۔

کرمانی کہتے ہیں نصیحت کی علامات تین ہیں: ① مسلمانوں کے مصائب پر دل میں دکھ ہو۔ ② ان کے ساتھ خیر خواہی صرف کرے۔ ③ انکی بہتری کے کاموں کی طرف انکی راہنمائی کرے۔ خواہ وہ اس کو ناپسند کریں اور اس سے ناواقف ہوں۔

آیت ③ حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ﴿انا لكم ناصح﴾ (الاعراف: ٦٨) میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ماسواء کو چھوڑنے کا جو تمہیں حکم دیتا ہوں اس میں مخلص ہوں۔

امین: رسالت کا پیغام پہنچانے اور نصائح کی ادائیگی میں امانت دار ہوں۔ امین اس کو کہا جاتا ہے جس پر اس کو امانت دار بنایا گیا ہو اس پر وہ پختگی اختیار کرنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے متعلق مضارع اور ہود علیہ السلام کے متعلق اسم فاعل کے صیغہ سے یہ صفت ثابت فرمائی ہے۔

نکتہ ☆: خازن کہتے ہیں۔ فعل مضارع کا صیغہ ہر گھڑی تجدد پر دلالت کرتا ہے۔ نوح علیہ السلام اپنی قوم کو دن رات دعوت دیتے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿رب انی دعوت قومی لیلاً و نهاراً﴾ چونکہ ان کی یہ عادت مبارکہ تھی اس لئے صیغہ فعل سے ذکر کر دیا۔

اور ہود علیہ السلام ان کو موقعہ بموقعہ دعوت دیتے اس لئے وصف کے صیغہ سے تذکرہ کر دیا۔

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرورت کے موقع پر اپنی اچھی صفات کا تذکرہ بطور تحدیث نعمت کر دیا جائے تو مناسب ہے۔

۱۸۳: عَنْ اَبِیْ رُقَيَّةَ تَمِيمِ بْنِ اَوْسٍ الدَّارِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "اَلدِّيْنُ النَّصِيحَةُ" قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: "لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۸۳: حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''دین خیر خواہی ہے''۔ ہم نے عرض کیا کس کے لئے؟ فرمایا: ''اللہ کے لئے اور اس کی کتاب کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مسلمان پیشواؤں کے لئے اور عامۃ المسلمین کے لئے''۔ (مسلم)

تشریح: ابو رقیہ تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ۔ ان کی کنیت اپنی بیٹی کی وجہ سے ہے ان کا بیٹا نہیں تھا۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے: بن خارجہ بن سود بن جذیمہ بن دارع بن عدی بن حارث بن مرہ بن ادر بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان بن سبا یشجب بن یعرب بن قحطان۔ الداری کی نسبت میں اختلاف ہے: ① بعض نے کہا ان کے دادا کا لقب ہے۔ ② بعض نے کہا یہ دیری ہے جو دیر کا اسم منسوب ہے یہ گرجا میں عبادت گزار تھے۔ انہوں نے ۹ ھ میں اسلام قبول کیا۔ مدینہ میں مقیم رہے پھر شام منتقل ہو گئے اور شہادت عثمان کے بعد بیت المقدس چلے گئے۔ ان کی مرویات ۱۸ ہیں۔ مسلم نے ایک روایت نقل کی ہے۔ اصحاب سنن نے ان سے روایت لی۔ بخاری نے ان کی روایت نقل نہیں کی۔ مسلم میں بھی صرف یہی روایت ہے۔

یہ روایت ایسی ہے جس پر اسلام کا مدار ہے۔ بعض نے کہا اسلام کا چوتھائی حصہ اس میں آ گیا۔ بعض نے کہا یہ مدار اسلام ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی بعض باتیں نقل فرمائیں جو ان کے لئے بڑا شرف ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے اکابر اصاغر سے نقل کر لیتے ہیں۔ الدین النصیحه: یہ دین کا عماد و قوام ہے۔ جیسا فرمایا: ''الحج عرفة'' یہ حصر مجازی ہے حقیقی نہیں۔ نصیحت کی مدح میں مبالغہ کیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کو تمام دین قرار دیا گیا۔ اگرچہ دین اور بھی بہت سے خصال پر مشتمل ہے۔

قلنا لمن: اس سے متعلم کا عالم سے سوال کرنا جب کہ التباس و ابہام ہو ثابت ہوتا ہے۔ للّٰہ: خطابی کہتے ہیں النصیحة للّٰہ: کا مطلب اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس سے شرکت کی نفی کرنا اور اس کے اسماء و صفات میں الحاد سے بچنا اور کمال والی صفات کی نسبت اس کی طرف کرنا اور تمام نقائص سے اس کو پاک جاننا اس کی اطاعت بجا لانا اور اس کی نافرمانی سے بچنا۔ اسی کی خاطر محبت کرنا اور اسی کی وجہ سے کسی سے بغض رکھنا۔ اس کے مطیع سے موالات کرنا اور نافرمانوں سے دشمنی کرنا اور اس کے منکروں

سے جہاد کرنا اور اس کی نعمتوں کا اعتراف کر کے شکریہ ادا کرنا اور تمام امور میں اخلاص برتنا اور تمام اوصاف کی طرف لوگوں کو بلانا اور اس پر آمادہ کرنا لوگوں سے نرمی کرنا اور جن کے متعلق ہو سکے ان کا علم حاصل کرنا۔ خطابی کہتے ہیں ان اوصاف کی حقیقت درحقیقت بندے کی ذاتی خیر خواہی کی طرف لوٹنے والی ہے۔ ورنہ ذات جلاء وعلاء تو ناصحین کی نصح سے وراء الوراء ہے۔

ولکتابہ: علماء فرماتے ہیں کتاب سے خیر خواہی یہ ہے کہ وہ ایمان لائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس نے اس کو اتارا ہے اور مخلوق کا کلام اس کے مشابہ نہیں اور نہ ہی کسی کو اس کی طاقت ہے۔ پھر اس کی تعظیم کرے اور اس کو کما حقہ پڑھے۔ عمدہ انداز سے پڑھے۔ تلاوت کے وقت خشوع اختیار کرے' تلاوت میں اس کے حروف کو درست رکھے۔ محرفین کی تاویلات سے اس کا دفاع کرے اور جو کچھ اس میں ہے اس کی تصدیق کرے۔ اس کے احکام کو جانے اور علوم و امثال کو سمجھے۔ اس کے مواعظ کی طرف توجہ کرے اور اس کے عجائبات کے متعلق سوچ و بچار کرے اور اس کے محکم پر عمل کرے اور متشابہہ کو تسلیم کرے اور اس کے عموم وخصوص' ناسخ و منسوخ کو پہچانے اور اس کے علوم کو پھیلائے اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔ **ولرسولہ:** رسول سے خیر خواہی کا مطلب اس کی رسالت کی تصدیق کرنا اور اس پر ایمان لانا اور اس کے اوامر کو ماننا اور نواہی سے بچنا اور زندگی اور موت میں ان کی مدد اور ان سے دشمنی رکھنے والے سے دشمنی اور اس سے دوستی کرنے والے سے دوستی کرنا' ان کے حق کا لحاظ رکھنا اور ان کی توقیر کرنا اور ان کے طریقہ وسنت کو زندہ کرنا' اس کی دعوت اور سنت کو پھیلانا اور اس کے علوم سے استفادہ اور اس کے معانی میں گہری سمجھ حاصل کرنا اور اس کی طرف لوگوں کو بلانا اور اس کی تعلیم و تعظیم و بزرگی میں نرم رویہ برتنا اور اس کی قرأت کے وقت اس کا ادب کرنا اور اس کے متعلق بات کرنے سے زبان کو روکنا اور سنت و دعوت کی طرف نسبت والے لوگوں کا اس کی وجہ سے احترام کرنا۔ اس کے اخلاق کو اپنانا اور رسول کے آداب کو سیکھنا اور آپ ﷺ کے آل واصحاب سے محبت کرنا سنت رسول کی بجائے بدعت کو اپنانے والوں اور کسی صحابی پر اعتراض کرنے والے لوگوں سے بغض رکھنا۔

ولائمہ المسلمین: کے ساتھ خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ حق میں ان کی معاونت کرے اور ان کی اطاعت کرے۔ ان کے حکم کو حق کے ساتھ مانے اور نرمی سے ان کو متنبہ کرنے اور ڈرائے اور جس چیز سے غافل ہوں اس کی انہیں خبر دے اور مسلمانوں کے جو حقوق ان تک نہیں پہنچتے وہ ان تک پہنچائے۔ ان کے خلاف خروج نہ کرے۔ ان کی اطاعت کے لئے مسلمانوں کے دلوں کو نرم کرے اور جھوٹی تعریف سے ان کو دھوکے میں مبتلا نہ کرے اور ان کے حق میں بھلائی کی دعا کرے۔ یہ تمام باتیں اس صورت میں کہ جب اس سے مراد خلفاء اور مسلمانوں کے خیر خواہ حکمران ہوں۔ یہی مشہور ہے خطابی نے اس کو بیان کیا۔ پھر خطابی کہتے ہیں کبھی اس سے مراد علماء دین لئے جاتے ہیں اور ان سے خیر خواہی کا مطلب یہ ہے جو انہوں نے بیان کیا اس کو قبول کیا جائے اور احکام میں ان کی تقلید اختیار کی جائے اور ان پر حسن ظن کا اظہار کیا جائے۔ **وعامتھم:** عام لوگ ان سے خیر خواہی کا مطلب ان کو نصیحت کرنا اور دنیا و آخرت کی مصلحتوں میں ان کی راہنمائی کرنا اور قول و فعل سے ان کی مدد کرنا' پردہ پوشی کرنا' ضرورت کو پورا کرنا' ان کو تکلیف دہ چیز سے دور کرنا اور منافع پہنچانے کی کوشش کرنا نرمی سے ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور ان کے حق میں وہی پسند کرنا جو اپنے لئے پسند کرتا ہو اور قول و فعل سے ان کی جان و مال اور اغراض سے دفاع کرنا۔ خیر خواہی کی تمام اقسام کو اپنانے پر انہیں آمادہ کرنا اور سلف میں کئی ایسے گزرے جو دوسروں کی خیر

خواہی میں اپنی دنیا کا نقصان بھی اٹھاتے تھے۔

ابن بطال کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نصیحت کا دوسرا نام دین واسلام ہے اور دین کا اطلاق جس طرح عمل پر ہوتا ہے اسی طرح قول پر بھی ہوتا ہے۔ نصیحت فرض ہے جس نے اس کو انجام دیا وہ بدلہ دیا جائے گا اور باقی سب ساقط ہو جائے گی اور ضرورت کی مقدار میں لازم ہے جب کہ ناصح یہ سمجھے کہ وہ اس کی نصیحت کو قبول کرتا ہے اور اس کی بات تسلیم کی جاتی ہے اور اپنی ذات کو کسی ناپسندیدہ چیز کے پہنچنے کا بھی خدشہ نہیں اگر ناصح کو ایذاء کا خطرہ ہو تو اسے اختیار کرے۔

تخریج: (رواہ مسلم) اس کو شافعی واحمد نے روایت کیا۔ نسائی' ابن خزیمہ نے اس کی تخریج کی۔ (سخاوی فی الاربعین)

۱۸۴: عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۸۴: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی برتنے پر بیعت کی''۔ (متفق علیہ)

تشریح: اقام الصلاۃ: یہ اصل میں اقامۃ الصلاۃ ہے۔ تا اضافت کے وقت حذف کر دی گئی اور اس سے مراد مکمل فرائض' سنن و آداب سے ادائیگی ہے۔ ایتاء الزکاۃ: فرض زکوٰۃ ادا کرنا۔ الفصح: یہ مصدر ہے۔ نَصَحتُہ: یہ نون کے ضمہ اور فتحہ سے مستعمل ہے۔ نصحت الثوب: (میں نے کپڑا سیا) سے لیا گیا ہے۔ لکل مسلم: خیر خواہی میں یہ صحابی اس مقام تک پہنچ گئے کہ گھوڑے کو آٹھ سو کا خیال کیا حالانکہ وکیل نے چار سو میں لے لیا تھا۔ انہوں نے آٹھ سو ادا کئے۔ (متفق علیہ)

تخریج: أخرجه احمد (۱۹۲٤۸ /۷) والحمیدی (۷۹۵) والبخاری (۵۷) و مسلم (۵٦) والترمذی (۱۹۲۵) وابن حبان (٤۵٤۵) والطبرانی (۲۲٤٦) والبیهقی (۸) والنسائی (٤۱٦۷)

الفرائد: ① آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے اسلام کے علاوہ مختلف ایسے اعمال پر بیعت لی جن کی ان حضرات کے متعلق ضرورت محسوس فرمائی۔ اسی وجہ سے بیعت کے الفاظ مختلف ہیں۔ (قرطبی فی المفہم) ② مسلمانوں کی خیر خواہی کا عظیم واقعہ ہے کہ حضرت جریرؓ کے لئے گھوڑا خریدا گیا جو قیمت کے لحاظ سے زیادہ کا تھا۔ آپ نے بائع کو قیمت بڑھا کر دوگنی کر دی اور پھر فرمایا میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔ (طبرانی)

۱۸۵: عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۸۵: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہ چیز پسند نہ کرے جو خود اپنے لئے کرتا ہے''۔ (متفق علیہ)

تشریح: لا یؤمن احدکم: سے کامل ایمان مراد ہے۔ یحب لاخیہ سے مراد خیرات و طاعات۔ نسائی کی روایت میں یہ اضافہ ہے حتی یحب لاخیہ من الخیر: سخاوی کہتے ہیں یہ اضافہ درست اور علی الشرط الشیخین ہے۔ اس کو ابن مندہ

نے بھی کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے۔ ما یحب لنفسه: ابن صلاح کہتے ہیں یہ مشکل و ناممکن سا معلوم ہوتا ہے مگر ایسا نہیں کیونکہ اس کا معنی یہ ہے تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں جب تک کہ وہ مسلمان کے لئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور یہ اس طرح پورا ہو سکتا ہے کہ اس کے لئے اس چیز جیسی چیز کو پسند کرے جبکہ کوئی مزاحم نہ ہو وہ اس طرح کہ اس نعمت میں کمی نہ کرے جو خود اس کے پاس ہے اور یہ قلب سلیم کے لئے آسان ہے مگر کھوٹ والے دل کے لئے مشکل ہے۔ (عافانا اللہ) ابوالزناد کہتے ہیں حدیث کے ظاہر سے تو برابری معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں تفصیل ہے کیونکہ انسان اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے افضل ہو۔ جب اس نے اپنے بھائی کے لئے اپنے جیسی چیز چاہی تو یہ آدمی اس کو اپنے اوپر فضیلت دینے والوں میں سے بن گیا اور حدیث میں ہے کہ ایک مؤمن دوسرے مومن کے لئے ایک جان کی طرح ہوں۔ پس وہ اپنے بھائی کے لئے وہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اس طور پر کہ وہ ایک جان ہے۔ حدیث صحیح میں ہے تمام مومن ایک جسم کی طرح ہیں جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو تمام جسم پر بخار طاری ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ) بقول سخاوی اس کو ابوداؤد طیالسی، دارمی، عبد نے اپنی مسانید میں اور ابن ماجہ نے سنن میں اور ابوعوانہ نے مستخرج میں اور ابن حبان نے ذکر کیا ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (٤/١٢٨٠١) والبخاري (١٣) و مسلم (٤٥) والترمذي (٢٥١٥) والنسائي (٥٠٣١) وابن ماجه (٦٦) والدارمي (٢/٣٠٧) و ابن حبان (٢٣٤) و أبو عوانة (١/٣٣) والطيالسي (٢٠٠٤) و ابن منده في الإيمان (٢٩٦) وغيرهم۔

الفوائد: کرمانی کہتے ہیں ایمان کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہ چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو اور اس کے لئے وہ چیز ناپسند کرے جس کو اپنے لئے ناپسند کرتا ہو۔ ایک جانب ذکر کر کے دوسری چھوڑ دی کیونکہ وہ خود سمجھ آ رہی تھی۔ ایک شئی کی محبت دوسری کے بغض کو مستلزم ہے۔

۲۳: بَابٌ فِي الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ!

بَاب ۲۳: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان

امر بالمعروف شرع میں خواہ اس کا تعلق فرائض، سنن، آداب، محاسن اخلاق محمودہ میں سے کسی سے ہو وہ ایک ایسا امر ہے جس کا حسن عقل و شرع سے ثابت ہو۔

نہی عن المنکر یہ معروف کی ضد ہے۔ مثلاً ترک واجب یا فعل حرام کا ارتکاب خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [آل عمران: ١٠٤]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو بھلائی کی طرف دعوت دینے والا اور بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے والا ہو اور یہی لوگ کامیاب ہیں''۔ (آل عمران)

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

[آل عمران:۱۱۰]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''تم سب سے بہترین امت ہو جنہیں لوگوں کی ہدایت کے لئے نکالا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو''۔ (آل عمران)

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ [الاعراف:۱۹۹]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے پیغمبر ﷺ درگزر سے کام لو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو''۔ (الاعراف)

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَّاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

[التوبة:۷۱]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق کار و مددگار ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو''۔(التوبہ)۔

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾

[المائدة:۷۸،۷۹]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''بنی اسرائیل کے ان کافروں پر حضرت داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی یہ اس سبب سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھنے والے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو ان برائیوں سے نہ روکتے تھے جن کا وہ خود ارتکاب کرتے تھے البتہ بہت برا تھا جو وہ کرتے تھے''۔ (المائدہ)

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ [الكهف:۲۹]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''حق تمہارے ربّ کی طرف سے ہے۔پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرلے''۔(الکہف)

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ [الحجر:۹٤]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''جس کا آپ کو حکم دیا گیا اس کو کھول کر بیان کر''۔(الحجر)

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿نَجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾

[الأعراف:۱٦٥]

اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

''ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برائی سے روکتے تھے اور ظالموں کی سخت عذاب کے ساتھ گرفت کی۔اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے''۔(الاعراف)

وَالْاٰيَاتُ فِي الْبَابِ كَثِيْرَةٌ مَّعْلُوْمَةٌ۔

اس سلسلہ کی آیات بہت معلوم ومعروف ہیں۔

آیت ① ﴿ولتكن منكم امةٌ...... الى الخير﴾ خیر ہر اس عمل کو کہتے ہیں افعال حسنہ میں جن کی طرف رغبت کی جائے۔بعض نے کہا یہ اسلام سے کنایہ ہے۔خازن مفسر کہتے ہیں۔منکم: میں من بیانیہ ہے نہ کہ اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لازم کیا۔﴿كنتم خير امة......﴾ پس آیت کا معنی یہ ہے: کونوا امة دعاة الى الخير آمرين بالمعروف ناهين عن المنكر۔: تم خیر کی داعی امت بنو اس حال میں کہ بھلائی کا حکم دو اور منکر سے روکو! اس قول کے قائل کہتے ہیں امرونہی جن کا تذکرہ ہے وہ فرض کفایہ ہیں جب ایک اسکو انجام دے دے تو باقی سے ساقط ہو جائے گا۔ ② دوسرا قول یہ ہے کہ من تبعیض کے لئے ہے کیونکہ امت میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو عاجزی وضعف کی وجہ سے اس کی قدرت نہیں رکھتے پس من کا داخل کرنا خوب ہے۔ ③ یہ اہل علم سے خاص ہے اور اس طرح حکام سے پس اس وقت معنی یہ ہیں کہ بعض تم میں معروف کا حکم دینے والے اور منکر سے روکنے والے ہونے چاہئیں۔المفلحون: کامیاب ہو کر آگ سے بچنے والے ہیں اور جنت پانے والے ہیں۔المفلح: جو مطلوب کو اس طرح پائے کہ کامیابی کی راہیں کھل جائیں اور بند نہ ہوں۔

آیت ② ﴿كنتم خير امت﴾ اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے علم میں تم بہترین امت ہو اور امتوں پر شرف کی وجہ یہ ہے تامرون بالمعروف: یہ وصف جس میں پایا گیا وہ افضل الامۃ ہے۔

آیت ③ ﴿خذ العفو......﴾ باب الصبر میں اس پر کلام گزرا۔

آیت ④ ﴿والمؤمنون والمؤمنات ......﴾ سلمی نے حقائق میں لکھا ہے کہ معاونت کرنے والے عبادت میں تعاون کرتے اور اس کی طرف سبقت کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی پشت پناہی کرتا ہے اور نجات کی راہ میں اس کا معاون ہے۔ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ مؤمن مومن کے لئے دیوار کی طرح ہیں جس کا بعض حصہ بعض کو مضبوط کرتا ہے اور ارشاد فرمایا: المومنون کالجسد الواحد: (مومن ایک جسم کی طرح ہیں)

ابوبکر وراق کہتے ہیں مومن دوسرے مومن کی طبع وعادت کے لحاظ سے معاونت کرتا ہے۔

خازن کہتے ہیں منافقین کے لئے بعضهم من بعض: فرمایا کیونکہ پیروکاروں کا نفاق وکفر متبوعین کی تقلید سے حاصل ہوا اور طبع کی خواہش ہوا اور ایمان والوں کو موافقت اللہ تعالیٰ کی درستی اور توفیق سے تھی۔ تقاضا طبع اور ہویٰ نفس کا دخل نہ تھا اس لئے فرمایا: ﴿بعضهم اولياء بعض يأمرون بالمعروف ......﴾

اَلنَّحْو : جملہ حالیہ یا وصفیہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ الف لام جنس کا ہے۔ ② خبر کے بعد خبر بھی ہوسکتا ہے۔ ﴿لعن الذين كفروا......﴾ خازن کہتے ہیں کہ اس سے مراد اکثر مفسرین کے ہاں اصحاب سبت ہیں جنہوں نے زمانہ داؤد میں زیادتی کی۔ داؤد نے بددعا کی اللهم العنهم واجعلهم قردةً: پس ان کو مسخ کر دیا گیا۔ سورۂ اعراف میں ان کا واقعہ ہے۔

وعيسى بن مريم: اس سے مائدہ والے لوگ مراد ہیں جنہوں نے کھایا اور جمع کیا اور یقین نہ کیا تو عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اللهم العنهم: پس ان کو خنزیر بنا دیا گیا اور کہا گیا ہے کہ داؤد وعیسیٰ علیہما السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی اور ان کے انکار کرنے والے پر لعنت کی۔

ذلك بما عصوا: یہ لعن کرنا ان کی نافرمانی اور حد سے گزرنے کی وجہ سے تھا۔ پھر اعتداء کی تفسیر کی کہ وہ ایک دوسرے کے منکر سے نہ روکتے تھے۔ ایک قول یہ ہے وہ برے کام کو بار بار کرتے تھے۔ اصرار نہیں تھا۔

لبئس ما كانوا: یہ لام قسم ہے۔ میں قسم اٹھاتا ہوں کہ وہ ارتکاب معاصی اور عدوان والے برے کام کرتے تھے۔

آیت ④ ﴿قل الحق من ربكم﴾ حق وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو مگر وہ کہ جس کا تقاضا خواہش کرے۔

لَنَّحْو : الحق مبتداء محذوف کی خبر اور من ربكم : حال یا صفت فمن شاء فليؤمن: کسی مؤمن کو ایمان اور کافر کے کفر کی کچھ پروا نہیں۔ کتاب حقائق سلمی میں کہا گیا کہ مخلوق کے لئے ظاہر حق، حق کی راہ اور حقیقت کا راستہ ہے۔ جو اس پر چلنے والا ہے وہ توفیق سے ہے اور جو اس سے منہ موڑنے والا ہے وہ ذلت کے سبب سے ہے پس جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو چاہا اس کی راہنمائی طریق ایمان کی طرف کر دی اور جس کے لئے اضلال چاہی اس کو کفر وضلال بعید کی راہ پر چلا دیا۔

آیت ⑤ فاصدع: ظاہر کرو جس کا حکم دیا گیا۔

آیت ⑥ انجينا الذين ينهون۔: صحیح بخاری میں شروع فا ہے مگر تلاوت میں حذف ہے۔ نسوا کا جواب ہے۔ ظلموا: بوجہ حد سے گزرنے کے۔ بئيس: شدید کے معنی میں ہے۔ بؤس يبؤس بما كانوا يفسقون: ان کے فسق کے سبب۔

۱۸۶ : عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : "مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ، فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ، وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۱۸۶: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا: ''جو تم میں سے کسی برائی کو ہوتا دیکھے تو وہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔
(مسلم)

تشریح ۞ ابو سعید خدری (باب توبہ میں ان کے حالات پڑھیں)۔ من رأی: یہ علم کے معنی میں ہے۔ ضروری نہیں آنکھوں سے دیکھے تو تب انکار کرے بلکہ مدار جاننے پر ہے۔ **منکم**: سے وہ بالغ قدرت والے مسلمان مراد ہیں جو قدرت رکھتے ہوں۔ تمام امت کے حاضرین کو بالمشافہ اور غائبین کو بالتبع حکم ہے۔ **فلیغیرہ**: اگر ایک سے زیادہ جانیں تو فرض کفایہ ورنہ فرض عین ہے اور کتاب و سنت سے اس کا وجوب ثابت ہے۔ **بیدہ**: اگر اس کی تبدیلی ہاتھ پر موقوف ہو مثلاً شراب کے برتن توڑنا یا آلات لہو کو توڑنا۔ **فان لم یستطع**: یعنی ہاتھ سے انکار کی طاقت نہ ہو۔ مثلاً اپنے کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے یا مال کو اور عدم استطاعت سے فقط یہی بات نہیں کہ اس کا رعب و دبدبہ نہ ہو اور ترمذی کی اس روایت کا مفہوم بھی یہی ہے۔ ''**الا لا یمنعن رجلاً ھیبۃ الناس ان یقول بحق اذا علمہ**'' ہرگز کوئی آدمی فقط ڈرانے دھمکانے کے لئے نہ روکے۔ پس جب حق بات معلوم ہو تو کہے۔ **فبلسانہ**: زبان سے اسے کہے جس سے فائدہ کی امید ہو مثلاً زور سے آواز دینا اور فریاد کرنا' اس کو حکم دینا جو ایسا کرے ڈانٹ ڈپٹ' اللہ تعالیٰ کا خوف دلانا' نرمی و سختی جو فائدہ دے سکے' اللہ تعالیٰ کی سزا سے ڈرانا۔ وجوب انکار ہر دو پر ہے خواہ حکم دینے والا امتثال امر کرنے والا یا ممنوعات سے اولاً گریز کرنے والا ہو یا اس کا کلام اثر کرنے والا یا نہ کرنے والا ہو۔ وصنف کے انداز سے اس پر اجماع ہے جبکہ بعض حضرات نے وجوب کو ساقط قرار دیا جبکہ عدم تاثیر کا علم ہو اور انہوں نے یہ بات احادیث صریحہ سے اخذ کی ہے جو کہ خلاف واقعہ ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ حکم دینے والا ولی یا غیر ولی اس پر اجماع ہے کیونکہ من کا عموم تمام کو شامل ہے۔ ہاں اگر امام کا استیذان ترک کرنے سے بگاڑ راجح یا اس کے انحراف کے برابر ہو۔ اس طرح کہ اس کے خلاف فتوے ہوں تو اس وقت استیذان کا وجوب بعید نہیں اور انکار کے جائز ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ ہتھیار اٹھانے تک نہ پہنچے اگر وہ اس تک پہنچے تو پھر اس حکم کا تعلق عام سے نہیں بلکہ بادشاہ سے ہوگا اور کبھی اس کا وجوب شرط ہوتا ہے اور کبھی جائز جبکہ کسی جان یا عضو یا مال کے ضیاع کا خطرہ ہو یا دوسرے کے متعلق معمولی سا خطرہ ہو تو بھی یہ منکر سے واقع ہونے والے فساد سے بڑھ کر ہے اور بعض علماء نے انکار کو ہر حال میں لازم کیا ہے اگرچہ اس نے منکر کا ارتکاب کر لیا اور اس نے اس سے قبول کر لیا۔ مگر یہ غلو ہے جو کہ اس حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے اور اس کے لئے اپنی اس بات کی اس میں کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ خوف نفس کے وقت کلمہ کفر کا تلفظ جائز ہے یا اکراہ کی صورت میں بھی جیسا آیت میں ہے۔ ترک انکار کا جواز تو بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے کیونکہ ترک فعل قبیح کے کرنے سے کم درجہ ہے اور اس کے گمان پر یہ بات بھی عناداً غالب نہ آئے کہ منہی تو اس سے بڑھ جائے گا جس چیز میں وہ پہلے سے ہے اور یہ منکر چیز بالاجماع منکر ہو یا اس کا کرنے والا اس کی حرمت کا قائل ہو یا حلت کا قائل ہو یا اس کی حرمت میں اس کا شبہ کمزور ہو مثلاً متعہ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿**علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل** ......﴾ اس وجوب کے خلاف نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو پس جب تم دیکھو کہ بخل طباع پر غالب آ گیا اور خواہش پرستی ہو

رہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر رائے والا اپنی رائے کو سب سے زیادہ ترجیح دیتا ہے تو اس وقت اپنے کو سنبھالو (الحدیث) اس روایت نے تصریح کر دی کہ آیت اس بات پر محمول ہے جبکہ منکر سے عاجز آ جائے۔ ایسے وقت میں وجوب کے ساقط ہونے میں کوئی شک نہیں۔ محققین نے آیت کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ جب تم وہ کام کرو جن کی تم کو تکلیف دی گئی ہے تو اس وقت کسی دوسرے کی کوتاہی تمہیں نقصان نہ پہنچائے گی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ہم ذمہ دار بنائے گئے ہیں۔ جب مخاطب ان کو نہ مانے تو کہنے والے پر کوئی عتاب نہیں کیونکہ واجب امر و نہی ہے قبول کرانا واجب نہیں۔

فان لم یستطع فبقلبه: اگر اسے زبان سے طاقت نہ ہو تو دل سے انکار کرے اس طرح کہ اس کو ناپسند کرے اور پختہ ارادہ کرے کہ اگر اسکو قدرت حاصل ہو جائے خواہ قول سے یا فعل سے تو وہ ضرور اس کا ازالہ کرے گا کیونکہ معصیت سے نفرت واجب ہے۔ پس معصیت نے جو راضی ہو وہ کرنے والے کا شریک سمجھا جائے گا اور یہ ہر ایک کے ذمہ واجب ہے بخلاف ان دونوں صورتوں کے جو پہلے گزر چکیں۔ پس حدیث سے معلوم ہوا اور یہ بات ثابت ہوئی کہ منکر کا بدلنا لازم ہے خواہ جس طریق سے ممکن ہو۔ علامہ شعرانی کہتے ہیں اگر مرید کے لئے منکر کا ازالہ ضروری ہو تو دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور اس منکر کو زائل کرے جس کو دیکھا ہے یا تو زانی کو زنا سے روکے یا شرابی کو شراب سے وغیرہ اور خاموشی والی بات کی طرف منسوب نہ ہو (یعنی تیسرے درجہ میں نہ پہنچے۔ (انوار قدسیہ للشعرانی)

قدیم زمانے میں منکرات کو اس طرح لوگ تبدیل کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے اس بات کی مخالفت کی اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے بدلا یا زبان سے بدلا پس انہوں نے والی کے گھر کا گھیراؤ کر لیا اس کو مارا' قید کیا۔ اس طرح منکر منکرات میں اضافہ کر دیا۔ سید ابراہیم متبولی فرماتے ہیں تغیر منکر ہاتھ سے حکام اور ان کے قریب لوگوں کے ذمہ ہے اور قول سے علماء عاملین کا کام ہے۔ دل سے تغیر ارباب قلوب کا کام ہے۔ **وذلك** :اور یہ دل سے انکار اس وقت ہے جبکہ دوسروں سے عاجز ہو۔ **اضعف الایمان**: یعنی سب سے کم ثمرہ دینے والا ہے۔ ایک روایت میں ہے: "**هو اضعف الایمان**" یہ شخص سب سے کم درجہ ایمان والا ہے۔ اس سے نیچے رائی کے برابر ایمان کا درجہ نہیں۔ منکر کے متعلق دل کا انکار نہ کرنا یہ ایمان کے رخصت ہونے کی علامت ہے۔ اسی لئے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ ہلاک ہو گیا جو معروف و منکر کو دل سے نہیں سمجھتا۔ کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے جو کسی سے کسی حال میں ساقط نہیں اور اس پر راضی ہونا قبیح ترین حرام چیزوں میں سے ہے۔ اگر چہ اس کا ثمرہ سب سے کم ہے (رواہ مسلم) ابوداؤد' ابن ماجہ' احمد' عبد نے مسندین میں ابویعلیٰ' ابن ابی الدنیا' سخاوی فی الاربعین)

① کہا گیا ہے کہ یہ روایت ثلث اسلام سے ہے کیونکہ احکام چھ ہیں واجب' مندوب' مباح' خلاف اولیٰ' مکروہ' حرام اور پہلے کا حکم اس سے نکلتا ہے کہ اس کا کرنا واجب ہے اور آخر کا بھی کہ اس سے بچنا ضروری ہے۔

② بعض نے نصف دین کہا کہ شریعت کے اعمال یا تو معروف ہیں جن کا کرنا لازم ہے یا منکر ہے جن کا نہ کرنا ضروری ہے مگر یہ قول پختہ نہیں کیونکہ پہلے اور آخری کے سواء کوئی نہ واجب ہے اور نہ حرام ہے۔ اس طور پر کہ جس طرح وہ دوسرے (یعنی وجوب النہی عن المنکر) اور پہلے کے درمیان ہے کیونکہ منکر ترک واجب اور فعل حرام کو شامل ہے۔ پس پہلے کی تبدیلی واجب کا حکم دینے اور دوسرے کی تبدیلی حرام سے رک جانے میں ہے۔ پس ان کو چاہئے تھا کہ وہ اس کو کل اسلام کہتے ہیں۔

تخریج: أخرجه مسلم (٤٩) و أبو داود (١١٤٠) والترمذی (٢١٧٢) والنسائی (٥٠٢٣) و ابن ماجه (١٢٧٥)

۱۸۷ :عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَہُ اللّٰہُ فِی اُمَّۃٍ قَبْلِی اِلَّا کَانَ لَہٗ مِنْ اُمَّتِہٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ یَّاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِہٖ وَیَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ ثُمَّ اِنَّھَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِھِمْ خُلُوْفٌ یَّقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ وَیَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ ، فَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِیَدِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِقَلْبِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاھَدَھُمْ بِلِسَانِہٖ فَھُوَ مُؤْمِنٌ لَیْسَ وَرَآءَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِیْمَانِ حَبَّۃُ خَرْدَلٍ " رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۔

۱۸۷: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے جو نبی بھی بھیجا۔ اس کی امت میں اس کے کچھ حواری اور ساتھی ہوتے رہے جو اس کی سنت پر عمل اور اس کے حکم کی اقتداء کرتے رہے۔ پھر ان کے بعد ایسے نالائق لوگ پیدا ہوئے جو ایسی باتیں کہتے جو خود نہ کرتے تھے اور ایسے کام کرتے تھے جس کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا پس جو شخص ان کے ساتھ دل سے جہاد کرے گا وہ مؤمن ہے اور جو ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے گا وہ مؤمن ہے اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا درجہ نہیں ہے''۔ (مسلم)

تشریح ۞ من: یہ استغراق نفی کے لئے بڑھایا گیا ہے۔ نبی انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ پر لوگوں کی اعانت کی ضرورت ہے۔ قرطبی کہتے ہیں تمام مراد نہیں غالب و اکثر مراد ہیں۔ جیسا اس روایت میں ہے: "ویأتی النبی ومعہ الرجل والرجلان ویأتی النبی ولیس معہ احدٌ"۔

اگر چہ یہ من کی وجہ سے عموم ہے مگر یہ مخصوص ہے۔ (الفہم)

حواریون: ① انبیاء علیہم السلام کے مخلص منتخب افراد۔ جو ہر عیب سے خالص ہوں۔ (ازہری) ② دیگر کہتے ہیں اس سے مراد انصار ③ بعض نے کہا مجاہدین ④ بعض نے کہا جو خلافت کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ ⑤ بعض نے کہا خاص فضیلت والے۔ **اصحاب:** جمع صَحْبٌ: جیسے فرح جمع افراح (قرطبی) جوہری کہتے ہیں یہ صاحب کی جمع ہے جیسے شاہد و اشہاد یہ صحب کی جمع نہیں ہے کیونکہ فعل کی جمع افعال نہیں۔ صرف چند الفاظ آتے ہیں یہ ان میں سے نہیں ہے۔ **الصحبہ:** محبت کے طریقہ پر میل جول کرنا۔ عرب کہتے ہیں: **صحبہ یصحبہ صُحبَۃ:** اور **صَحابہ:** یہ صاد کے فتحہ سے ہے اور صاحب کی جمع صَحْب: جیسے راکب اور رکب اور صحبہ یہ فارۃ اور **فَرْھَۃ:** کی طرح ہے اور صاحب یہ جائع و جیاع کی طرح اور **صُحْبَان:** جیسے شاب و شُبّانٌ۔ **یأخذون بسنتہ:** اس کے طریقہ اور شریعت کو اختیار کریں گے اور پیروی کرنے والے ہوں گے۔ **یقتدون:** پیروی کرتے ہیں۔ **بامرہ:** ثم یہ تراخی رتبی کے لئے ہے۔ **انھا۔ ھا:** یہ ضمیر قصہ ہے۔ قرطبی کہتے ہیں یہ امت کی طرف راجح ہے یا طائفہ کی طرف جو حوارییین کے معنی میں ہے۔ **تخُلف:** یعنی پیدا ہوگا۔ آئے گا' **خلوف:** جمع خَلْفٌ: نالائق جانشین خلف لائق پیرو۔ بعض نے ہر دو میں فتحہ و امکان کا جواز ثابت کیا مگر جوہری پہلے قول کے حامی ہیں۔ اخفش دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ **یقولون ما لا یفعلون:** وہ ایسی طاعت ظاہر کریں گے جو ان کو میسر نہیں یا ایسی حالت و مقام ظاہر کریں گے جو ان میں نہیں۔

یفعلون ما لا یؤمرون: وہ ایسی منکرات کا ارتکاب کرتے ہیں جن کی شرع نے اجازت نہیں دی۔
فمن جاهدهم بیده: جب کہ منکر کا ازالہ اس پر موقوف ہو اور اس سے کوئی ایسا فساد نہ پڑتا ہو جو اس منکر سے بڑھ کر ہو جیسے ولی الامر کی مخالفت سے ہوتا ہے۔ وہ کامل مؤمن ہے۔ ومن جاهدهم بلسانه: ایسے لوگوں سے معاونت حاصل کی جو اس کو دفع کریں۔فهو مؤمن۔ ومن جاهدهم بقلبه: یعنی اللہ تعالیٰ سے اس کے ازالہ کے لئے مدد طلب کرنا۔فهو مومن: پس کمال کے مراتب میں فرق ہے ثمرات میں بھی فرق ہوگا۔لیس وراء: دل سے منکر کو برا نہ سمجھنے کے بعد۔
حبة خردل: یہ انتہائی درجہ سے کنایہ ہے کیونکہ رضا بالکفر بھی کفر ہے اور غلبہ شہوت سے اس میں پیدا ہونے والی نافرمانی پر رضا بھی ایمان کے لئے نقصان ہے۔قرطبی کہتے ہیں یہاں ایمان اسلام کے معنی میں ہے۔ بندے کے لئے آخر کا متعین درجہ وہ دل سے انکار ہے۔اس کے بعد اور کوئی رتبہ نہیں۔ (رواہ مسلم)
تخریج: أخرجه مسلم (٥٠)

۱۸۸ : عَنْ اَبِی الْوَلِیْدِ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ :فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ وَعَلٰی اَثَرَةٍ عَلَیْنَا وَعَلٰی اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَکُمْ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْهِ بُرْهَانٌ ' وَعَلٰی اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَمَا کُنَّا لَا نَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَةَ لَائِمٍ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

"اَلْمَنْشَطُ وَالْمَکْرَہُ" بِفَتْحِ مِیْمَیْهِمَا اَیْ فِی السَّهْلِ وَالصَّعْبِ وَالْاَثَرَةُ الْاِخْتِصَاصُ بِالْمُشْتَرَكِ وَقَدْ سَبَقَ بَیَانُهَا۔ "بَوَاحًا" بِفَتْحِ الْبَاءِ الْمُوَحَّدَةِ وَبَعْدَهَا وَاوٌ ثُمَّ حَاءٌ مُهْمَلَةٌ :اَیْ ظَاهِرًا لَّا یَحْتَمِلُ تَاْوِیْلًا۔

۱۸۸: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کی اس بات پر بیعت کی کہ ہم تنگی اور آسانی اور ناگواری اور خوشی (ہر حال میں) سنیں اور اطاعت کریں اور اس بات پر بیعت کی کہ خواہ ہم کو دوسروں پر ترجیح دی جائے اور اس بات پر کہ ہم اقتدار کے سلسلہ میں مسلمان حکمرانوں سے جھگڑا نہ کریں گے مگر اس صورت میں کہ جب ان سے صریح کفر دیکھیں جس کی تمہارے پاس اللہ کی بارگاہ میں واضح دلیل ہو اور اس بات پر بیعت کی کہ ہم جہاں بھی ہوں حق بات کہیں اور اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں"۔ (متفق علیہ)
اَلْمَنْشَطُ وَالْمَکْرَہُ: نرمی اور سختی۔
اَلْاِثَرَةُ :مشترک چیز میں کسی کو خاص کرنا۔
بَوَاحًا: ظاہر جس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

تشریح ✿ عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن ثعلبہ بن غنم بن سالم بن عوف بن عمرو بن خزرج انصاری الجزرجی۔ان کی کنیت ابوالولید ہے۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں موجود تھے۔ بدر'احد' خندق' بیعت رضوان اور تمام غزوات

میں شرکت کی' عقبہ کی رات بارہ نقباء میں سے ایک تھے۔ یہ بنی عوف بن خزرج پر نقیب تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے ان کی مواخات کرادی تھی۔ ان کو صدقات پر آپؐ نے عامل مقرر فرمایا یہ اہل صفہ کو قرآن مجید پڑھاتے تھے' فتح شام کے بعد عمرؓ نے ان کو معاذ وابوالدرداءؓ کے ساتھ شام بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں اوران کو سمجھائیں۔ یہ حمص میں مقیم ہوئے اور معاذ فلسطین اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ دمشق میں ٹھہرے پھر یہ فلسطین چلے گئے۔

ان کی مرویات ۱۸۱ ہیں۔ ۴ متفق علیہ اور ۲ میں بخاری اور ۲ میں مسلم منفرد ہیں۔ اوزاعی کہتے ہیں عباد رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جن کو فلسطین کا قاضی بنایا گیا۔ چنے ہوئے فضلاء سے تھے۔ خوبصورت' طویل' جسم والے تھے۔ بیت المقدس میں ان کی وفات ہوئی۔ بعض نے رملہ نقل کیا۔ ۳۴ھ میں ان کی عمر اس وقت ۷۲ سال تھی۔ بعض نے کہا ۴۵ھ میں ان کی وفات ہوئی مگر پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔ (تہذیب)

بایعنا: ہم نے عہد کیا۔ معاہدہ کو مبایعت اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ متعاقدین میں سے ہر ایک اپنا ہاتھ دوسرے کی طرف بڑھاتا ہے تاکہ اس سے عہد کرے جیسا کہ خرید وفروخت کرنے والے ایک دوسرے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ (۲) بعض نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے عظیم معاوضہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ ﴿ان اللّٰہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم......﴾

علی السمع والطاعۃ: حکام کے لئے۔ **العُسر والیُسر:** اس وزن پر جو آئے اس میں فا مضموم اور دوسرا حرف ساکن ہوتا ہے (صحاح) **منشط:** جس کام میں نفس کو نشاط حاصل ہو اور وہ اس کی طرف مائل ہو کر کرنا پسند کرے۔ یہ نشاط کے معنی میں ہے۔ **المکرہ:** جو اس کے الٹ ہو۔

النحو: والمنشط والمکرہ: یہ مصدر میمی ہے۔ ان کا عطف السمع پر ہے۔ ای **بایعنا علی استئثار الامراء بحظوظھم وتخصیصھم ایاھا بانفسھم۔** نووی کہتے ہیں اصل اس طرح ہے: **بایعنا علی الطاعۃ فیما یشق وتکرھہ النفوس وغیرھا مما لیس بمعصیۃ۔** ہم نے نفوس کو ناپسند اور گراں چیزوں میں طاعت کرنے کی بیعت کی جب تک کہ معصیت کی حد تک نہ پہنچے کیونکہ معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔ پس یہ مطلق نہیں بلکہ مقید ہے۔ ان تمام باتوں میں طاعت کا نتیجہ کلمۃ المسلمین کی یکجہتی ہے فساد سے دین میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ **اِثْرۃ:** اس کی تین لغات ہیں۔ دنیا کے امور میں ترجیح دینا اور خاص کرنا۔ قرطبی کہتے ہیں یہ قول انصار کے ساتھ خاص ہے۔ اس کا اثر حنین کے دن ظاہر ہوا جب کہ فئی کا مال قریش اور دیگر سرداران قبائل عرب کو دیا گیا اور انصار کو اس سے کچھ نہ دیا۔ اس میں خبردار کیا کہ خلافت تمہارے علاوہ دوسروں میں ہوگی۔ **الامر اھلہ:** سے حکام مراد ہیں۔ **کفراً بواحا:** یہ باح۔ **یبوح بواحاً** ظاہر کرنا۔ اکثر نسخوں میں یہی ہے بعض میں **براحاً** کا لفظ بھی ہے۔ قرطبی کہتے ہیں یہ ابوجعفر کا قول ہے۔ یہ برح الخفاء (اس نے خفاء ظاہر کیا) سے لیا گیا۔ نووی کہتے ہیں کفر سے گناہ مراد ہیں۔ **برھان:** واضح دلیل جس میں شک نہ ہو۔ بلکہ تم اس کو اللہ تعالیٰ کے دین سے جانتے ہو۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حکام سے معاملات میں جھگڑا نہ کرنا اور نہ ان کے درپہ ہونا جب تک کہ ان سے قواعد اسلام کے خلاف کھلا منکر امر نہ دیکھو۔ جب اس کو دیکھو تو ان پر انکار کرو۔ حق کی حمایت میں کھڑے ہو جاؤ۔ باقی ان کے خلاف خروج و قتال یہ حرام ہے اگرچہ وہ فاسق ہوں نصوص اسی کی تائید کرتی ہیں۔

قرطبی کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ تم ان سے کھلا کفر دیکھو جس کے متعلق تمہارے پاس واضح دلیل ہو اور غیر مشکوک یقینی بات ہو۔ اس وقت اس کی بیعت توڑ دینی چاہئے۔ **نقول الحق:** امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ **اینما کنا:** یعنی ہر مکان و زمان میں۔ **لا نخاف فی اللہ لومة لائم:** یعنی ہم نہ مداہنت کریں اور نہ کسی سے ڈریں اور اس میں ہم مقتداؤں کی طرف نہ دیکھیں جس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا قیام ہو۔

تخریج: أخرجه احمد (۸/۲۲۷۹۵) والبخاری (۱۸) و مسلم (۱۷۰۹) والنسائی (۴۱۶۰) و ابن ماجه (۲۸۶۶)

۱۸۹: **عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَثَلُ الْقَائِمِ فِيْ حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهِمَا كَمَثَلِ قَوْمٍ نِ اسْتَهَمُوْا عَلٰى سَفِيْنَةٍ فَصَارَ بَعْضُهُمْ اَعْلَاهَا وَبَعْضُهُمْ اَسْفَلَهَا وَكَانَ الَّذِيْنَ فِيْ اَسْفَلِهَا اِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَآءِ مَرُّوْا عَلٰى مِنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوْا لَوْ اَنَّا خَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقًا وَّلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا فَاِنْ تَرَكُوْهُمْ وَمَا اَرَادُوْا هَلَكُوْا جَمِيْعًا وَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰى اَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيْعًا" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.**

"اَلْقَائِمُ فِيْ حُدُوْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى" مَعْنَاهُ الْمُنْكِرُ لَهَا الْقَائِمُ فِيْ دَفْعِهَا وَاِزَالَتِهَا وَالْمُرَادُ بِالْحُدُوْدِ: مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ "وَاسْتَهَمُوْا": اِقْتَرَعُوْا۔

۱۸۹: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اس آدمی کی مثال جو اللہ کی حدود پر قائم رہنے والا ہے اور اس کی جو ان حدود میں مبتلا ہونے والا ہے۔ ان لوگوں جیسی ہے جنہوں نے ایک کشتی کے متعلق قرعہ اندازی کی۔ پس کچھ ان میں سے اس کی بالائی منزل پر اور بعض نچلی منزل پر بیٹھ گئے۔ نچلی منزل والوں کو جب پانی کی طلب ہوتی ہے تو وہ اوپر آتے جاتے اور اوپر منزل میں بیٹھنے والوں پر گزرتے ہیں (تو ان کو ناگوار گزرتا ہے) چنانچہ نچلی منزل والوں نے سوچا کہ اگر ہم نچلے حصہ میں سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ پس اگر اوپر والے ان کو اس ارادے کی حالت میں چھوڑ دیں (عمل کرنے دیں) تو تمام ہلاک ہو جائیں گے اور اگر وہ ان کے ہاتھوں کو پکڑ لیں گے تو وہ بھی بچ جائیں گے اور دوسرے مسافر بھی بچ جائیں گے''۔ (بخاری)

اَلْقَائِمُ فِيْ حُدُوْدِ اللّٰهِ: منع کی ہوئی چیزوں کا انکار کرنے والا اور ان کے ازالہ کی کوشش کرنے والا۔ **اَلْحُدُوْدُ:** اللہ کی منع کردہ اشیاء۔ **اسْتَهَمُوْا:** قرعہ اندازی کرنا۔

تشریح: **مَثَلُ:** پہلے دو حروف کے فتحہ کے ساتھ ہو تو مال مرکب کی تشبیہ کے لئے آتا ہے۔ **القائم فی حدود اللہ:** ان کو قائم کرنے والا اور محارم سے دفاع کرنے والا۔ بخاری میں اسی طرح ہے اور کتاب الشہادات میں "مثل المداهن" مداہن: جو دکھلاوا کرے حقوق کو ضائع کرے اور منکر کو نہ بدلے۔ مگر ابن حجر کہتے ہیں یہ وہم ہے کیونکہ مداہن تو حدود میں مبتلا ہونے کو کہتے ہیں۔ واقع اور قائم ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور اسماعیلی کی روایت میں مثل الواقع کے الفاظ ہیں مگر فریقین کا تذکرہ بطور مثال ہے کیونکہ وہ حقیقتاً واقع ہونے والا نہیں ہے لیکن اگر مداہن واقع کے ساتھ مذمت میں مشترک ہو تو پھر یہ ایک

گروہ شمار ہوگا۔ تو تین فرقوں کا تذکرہ مثال میں ہوگا۔ ① وہ لوگ جنہوں نے کشتی کو ڈبونا چاہا وہ حدود اللہ میں واقع ہونے والے کی طرح ہیں۔ ② پھر ان کے علاوہ دو قسم ہیں اول وہ جو انکار کرنے والے ہیں یہی طبقہ حدود پر قائم ہے۔ دوسرا طبقہ خاموش یہ مداہنت کرنے والا ہے۔

استھموا علی سفینۃ: قرعہ سے ہر ایک نے ایک حصہ مقرر کر لیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسلک یا اجارہ میں شریک ہیں اور قرعہ برابری کی صورت میں ڈالا جا سکتا ہے۔ پھر فیصلوں میں بھی قطع نزاع کے لئے ڈالا جاتا ہے۔ **اعلاھا:** ان کا قرعہ کشتی کے بالائی حصہ کا نکلا۔

النَّحْو : بعضھم اسفلھا: یہ قبل پر عطف ہے۔ ② مستانفہ بھی ہو سکتا ہے۔ اعلیٰ و اسفل ظرف مکانی کی وجہ سے منصوب ہیں اور متعلق خبر ہے۔ قرعہ اندازی سے نیچے والوں کو پانی حاصل کرنے کے لئے اوپر جانا پڑتا ہے۔ **فقالوا:** ان نیچے والوں نے اوپر والوں کی گزرنے سے تکلیف ملاحظہ کی بخاری کتاب الشہادت میں **فتأذوا بہ:** ہے۔ اگر ان کے دل میں آئے کہ اگر ہم اپنے حصے میں سوراخ کریں تو پانی بھی مل جائے گا اور اوپر والوں کو تکلیف بھی نہ ہوگی۔ **فان ترکوھم:** اگر اوپر والے نیچے والوں کو اسی حال میں چھوڑ دیں۔ **وما ارادوا:** واؤ مصاحبت کے لئے ہے یعنی ان کے ارادہ سمیت رو کاٹ ڈالنے کے بغیر چھوڑ دیں۔ **ھلکوا جمیعًا:** تو وہ سب ہلاک ہو جائیں گے کیونکہ اس حرکت کی نحوست اور پانی کا غلبہ ساری کشتی کو ڈبو دے گا اور حکمران تمام کے لئے عام ہے۔ **اخذوا علی ایدیھم:** یعنی سوراخ کرنے سے روک دیں یہ پکڑنے والے بھی بچ گئے اور دوسروں کو بھی بچا لیا۔ **جمیعًا:** دونوں سابقہ فعلوں کے فاعل سے حال ہیں۔

اقامت حدود کا بھی یہی حال ہے۔ جس کے لئے قائم کی جائے گی جس پر قائم ہوگی وہ سب بچ جائیں گے ورنہ گناہ گار معصیت سے اور راضی ہونے والا خاموش رہنے کی وجہ سے ہلاک ہوگا۔

فَائِدَہ: حدیث سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف کے چھوڑنے سے سب عقوبت کے حقدار بن جاتے ہیں۔ (بخاری کتاب الفتن والشہادت) ترمذی کتاب الفتن۔ **القائم فی حدود اللہ:** سے مراد حد سے بڑھنے والے کی حرکت پر انکار کرنے والا اور ازالہ کیلئے کوشاں شخص مراد ہے۔ **الحدود:** سے تمام ممنوعات شرعیہ یا قائم سے مراد معروف پر عامل۔ اس صورت میں حدود سے حد زنا وقذف وغیرہ مراد ہوں گی۔ یہ دوسرا حصہ حکام سے خاص ہے اور پہلا حصہ شروط کے ساتھ تمام اہل ایمان کیلئے ہے۔

استھموا: جاہلیت میں قرعہ خاص حصص سے تھا مگر یہاں وہ مراد نہیں فقط قرعہ جو برابر حصص میں ہو وہ مراد ہے۔

تخریج: أخرجہ احمد (۶/۱۸۳۸۹) والبخاری ۳۴۹۳) والترمذی (۲۱۷۳) والبیھقی (۱۰)

۱۹۰ : عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ اُمِّ سَلَمَةَ هِنْدٍ بِنْتِ اَبِیْ اُمَیَّةَ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ : "اَنَّهٗ یُسْتَعْمَلُ عَلَیْكُمْ اُمَرَآءُ فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ اَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ وَلٰكِنْ مَّنْ رَضِیَ وَتَابَعَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَا نُقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ : لَا مَا اَقَامُوْا فِیْكُمُ الصَّلٰوةَ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ –

مَعْنَاهُ : مَنْ كَرِهَ بِقَلْبِهٖ وَلَمْ یَسْتَطِعْ اِنْكَارًا بِیَدٍ وَّلَا لِسَانٍ فَقَدْ بَرِئَ مِنَ الْاِثْمِ وَاَدّٰى

وَظِيفَتَهُ، وَمَنْ اَنْكَرَ بِحَسَبِ طَاقَتِهٖ فَقَدْ سَلِمَ مِنْ هٰذِهِ الْمَعْصِيَةِ وَمَنْ رَّضِىَ بِفِعْلِهِمْ وَتَابَعَهُمْ فَهُوَ الْعَاصِىْ۔

۱۹۰: حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''تم پر عنقریب ایسے حکمران بنائے جائیں گے جن کے کچھ کاموں کو تم پسند کرو گے اور کچھ کو ناپسند۔ پس جس نے (ان کے برے کاموں کو) برا سمجھا وہ بری الذمہ ہوگیا۔ جس نے انکار کیا وہ سلامت رہا۔ لیکن وہ جوان پر راضی ہوگیا اور ان کی اتباع کی (وہ ہلاک ہوگیا) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم ایسے حکمرانوں سے قتال نہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ جب تک وہ تمہارے اندر نماز کو قائم کریں''۔ (مسلم)

اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے دل سے برا سمجھا اور وہ ہاتھ اور زبان سے انکار کی طاقت نہیں رکھتا۔ وہ گناہ سے بری الذمہ ہے اس نے اپنی ذمہ داری پوری کردی اور جس نے حسب طاقت اس کا انکار کیا وہ اس گناہ سے بچ گیا اور جو ان کے فعل پر راضی ہوا اور ان کی اتباع کی وہ نافرمان ہے۔

تشریح ۞ ام المؤمنین: یعنی احترام وعظمت کے لحاظ سے۔ ان کا نام ہند بن ابوامیہ حذیفہ ہے۔ قال: یہ اخبار غیبیہ میں سے ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ہے۔ انہ ہٗ: ضمیر شان ہے۔ امراء: یعنی بادشاہ تم پر عمال مقرر کریں گے۔ فتعرفون: شرع کے موافق اعمال کو پہچانو گے۔ منکرون: یعنی شرع کے مخالف ہونے کی وجہ سے نہ پہچانو گے۔ صاحب مصابیح نے تعرفوں کی فا کو حذف سے نقل کیا ہے۔ عاقولی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے بعض افعال کو تم پہچانو گے اور بعض کو نہ پہچانو گے۔ فمن کرہ: یعنی دل سے ناپسند کیا ان کے دبدبہ کی وجہ سے زبان سے انکار نہ کرسکا۔ فقد بریٔ: وہ انکار باطنی کی وجہ سے دل سے نفرت کرنے کی بناء پر گناہ سے بری ہے۔ من انکر فقد سلم: جس نے زبان وہاتھ سے انکار کیا وہ عقاب اخروی سے بچ گیا۔ مصابیح کے الفاظ یہ ہیں من کرہ فقد سلم فمن انکر فقد بریٔ: عاقولی کہتے ہیں بری کا مطلب واجب سے بری ذمہ ہوگیا کہ اس نے اس کو ادا کردیا۔ تغیر قلب پر قائم ہونے کی وجہ سے وہ گناہ سے سلامت رہا۔ من رضی: یعنی جوان کے فعل پر دل سے راضی ہے۔ وتابع: عمل میں ان کے پیچھے چلا وہ بری نہ ہوگا اور نہ گناہ سے بچے گا۔ شرکت ورضاء کی وجہ سے گناہ میں حصہ دار ہوگا۔ اس کی خبر دلالت کلام کی وجہ سے حذف کردی۔ الا نقاتلهم: کیا ہم اس وقت ان سے قتال نہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان سے مت لڑو۔ ما اقاموا الصلاۃ: نماز جو عنوان اسلام ہے اس کے قائم کرنے تک قتال سے منع کیا۔ نماز یہ کفر واسلام کے درمیان فارق ہے۔ قتال سے ممانعت اختلاف امت سے بچانے کے لئے کی گئی۔

کرہ بقلبه: سے انکار کرنے والا مراد ہے۔ لم یستطع: مال وجان پر خطرہ کی وجہ سے۔ دل سے برأت کرنے سے واجب ساقط ہوجائے گا۔ من انکر: یعنی جس نے ہاتھ اور زبان پر قدرت ہوتے ہوئے قوت وشوکت سے کام لیا وہ اس معصیت میں شامل ہونے کے گناہ سے بچ جائے گا یعنی منکر کے انکار کو عدم عقاب کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ تابعهم: جس نے اس کے کرنے میں ان کی اتباع کی وہ عاصی ہے۔

تخریج: أخرجه أحمد (۱۰/۲۶۶۳۹) و مسلم (۱۵۸٤) و أبو داود (٤٧٦٠) و (٤٧٦١) والترمذی (۲۲٦٥)

الفرائد: ① اس میں مستقبل میں پیش آنے والے ایک معجزہ کی خبر دی گئی ہے۔ ② جو شخص ازالہ منکر سے عاجز ہو وہ منکر پر

خاموشی سے گنہگار نہ ہوگا۔ البتہ گناہ پر دِل سے راضی ہوتو پھر گنہگار ہوگا۔ ③ گناہ کو دِل سے برا نہ سمجھنے پر گنہگار ہے۔ ④ جو گناہ میں ساتھ دیگا اسکا بھی اتنا ہی گناہ ہوگا۔ ⑤ وحدت کلمہ امت کی وجہ سے جب تک کھلا کفر نہ دیکھا جائے خروج جائز نہیں۔

۱۹۱: عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اُمِّ الْحَكَمِ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَزِعًا يَقُوْلُ :لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ ' فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مِثْلَ هٰذِهٖ" وَحَلَّقَ بِاِصْبَعَيْهِ الْاِبْهَامِ وَالَّتِيْ تَلِيْهَا فَقُلْتُ :يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَهْلِكُ وَفِيْنَا الصّٰلِحُوْنَ :قَالَ :"نَعَمْ اِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۱۹۱: حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دن ان کے ہاں گھبرائے ہوئے تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی زبان پر یہ کلمات تھے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہلاکت ہے عربوں کے لئے اس شر سے جو قریب آ گیا۔ آج یاجوج ماجوج کی دیوار سے اتنا حصہ کھول دیا گیا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں یعنی انگوٹھے اور شہادت والی انگلی سے حلقہ بنا کر دکھایا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جبکہ ہمارے اندر نیک لوگ بھی ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جبکہ برائی عام ہو جائے''۔ (متفق علیہ)

تشریح ❁ ام المؤمنین: یعنی جلالت واحترام کی وجہ سے۔ زینب بنت جحش نام ہے ام الحکم کنیت ہے۔ جحش کے والد رباب بن معمر بن صبرہ بن مرہ بن کثیر بن غنم بن رودان بن اسید بن خزیمہ اسدیہ۔ یہ عبداللہ بن جحش کی بہن ہیں۔ ان کی والدہ امیمہ بنت المطلب ہیں جو حضور ﷺ کی پھوپھی ہیں۔ یہ شروع میں اسلام لائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی۔ ۵ھ میں شادی کی۔ یہ قتادہ وواقدی کا قول ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں ان سے شادی ۵ھ ذوالقعدہ میں ہوئی' اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی بعض نے ۳۳ سال کہی ہے۔ اس سے پہلے یہ زید بن حارثہ مولیٰ رسول کے عقد میں تھیں۔ پھر انہوں نے طلاق دے دی تو عدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا اور یہ آیت اتاری: ﴿زوجنا کھا﴾ (الاحزاب) یہ تمام امہات المؤمنین پر فخر کرتیں کہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا۔ ان کے مناقب بہت ہیں۔ (تہذیب) ان کی وفات ۲۰ھ میں ہوئی۔ بعض نے ۲۱ھ کہا۔ اس پر اتفاق ہے کہ ازواج مطہرات میں آپ ﷺ کے بعد سب سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔ بقیع میں مدفون ہوئیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اسماء کے مشورہ سے ان کی چارپائی پر نعش (تابوت) رکھا گیا ان کی مرویات ۱۱ ہیں ۲ متفق علیہ ہیں۔

الفزع: گھبرانا' کانپنا۔ **یقول لا الہ**: یہ جملہ حالیہ ہے۔ اس کو امر واقع کے متعلق تعجب کے لئے لائے۔ جیسے سبحان کا لفظ اس آیت میں ﴿سبحان الذی اسریٰ بعبدہ......﴾ (اسراء) **ویل**: یہ کلمہ ویح کی طرح ہے۔ مگر یہ عذاب کا کلمہ ہے۔ تحفہ میں ہے کہ یہ حزن کے وقت یہ کلمہ کہا جاتا ہے۔ عرب یہ لفظ عجم کے برعکس ہے۔ اعراب دیہاتی ہے جو شہری کا عکس ہے۔ عربوں کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کا بڑا بگاڑ ان کو پہنچے گا۔ **من شر**: یہ تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ **ردم یاجوج**: سد یاجوج۔ **مثل**

ھذہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی تمثیل بیان فرمائی۔ **باصبعیہ:** دونوں انگلیوں اور انگوٹھے سے حلقہ بنایا اس لفظ میں دس لغات ہیں۔ایک اصبوع بھی ہے۔ بخاری کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے گنتی کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے یہ نوے کا عدد بنتا ہے۔ **عقدہ بیدہ تسعین:** مسلم میں ہے کہ سفیان نے اپنے ہاتھ سے دس کا عقد بنایا۔ یہ اس روایت کے بھی خلاف ہے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے بھی کیونکہ دس کا عقد کھلا ہے اور ۹۰ کا تنگ۔ قاضی عیاض کہتے ہیں شاید ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی روایت مقدم ہو اور یہ دیوار کا کھلنا بعد کو معلوم ہوا۔ یا تحدید مراد نہیں بلکہ تقریب فہم مراد ہے۔ **أنھلك:** یہ لام کے کسرہ سے ہے فتحہ والی روایت فاسد ہے۔

الصالحون: جن کی وجہ سے بلائیں اور دکھ دور کئے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں تم ہلاک ہو جاؤ گے جب یہ حال ہوگا۔ **اذا کثر الخبث:** خا کے فتحہ سے ہے۔ ① جمہور نے فسق و فجور اور بعض نے زنا سے تفسیر کی ہے۔ ② بعض نے اولادِ زنا سے۔ ③ نووی کہتے ہیں اس سے معاصی مراد ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب خبث بہت ہو جائے تو عام ہلاکت ہوگی اگرچہ صالحین کی کثرت ہو۔

فائدہ: اس میں معصیت کی نحوست بتلائی اور اس کے انکار پر آمادہ کیا۔

تخریج: أخرجه احمد (۱۰/۲۷۴۸۳) والبخاری (۳۳۴٦) و مسلم (۲۸۸۰) و عبدالرزاق (۲۰۷٤۹) والحمیدی (۳۰۸) وابن ابی شیبة (۱۹۰٦۱) و ابن ماجه (۳۹۵۳) والترمذی (۲۱۸۷) وابن حبان (۳۲۷) والبیهقی (۱۰/۹۳)

ایک لطیفہ: اس روایت کی سند میں تین سلسلہ تک صحابہ ہیں زینب بنت ام سلمہ عن ام حبیبہ بنت ابی سفیان عن زینب بنت جحش یہ وسائط تمام روایت نے ذکر کئے مگر بخاری و مسلم نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا واسطہ ساقط کیا ہے۔ (اطراف مزی)

۱۹۲ : عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : اِیَّاکُمْ وَالْجُلُوْسَ فِی الطُّرُقَاتِ فَقَالُوا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَالَنَا مِنْ مَّجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِیْھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَسَلَّمَ فَاِذَا اَبَیْتُمْ اِلَّا الْمَجْلِسِ فَاَعْطُوا الطَّرِیْقَ حَقَّہٗ'' قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِیْقِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ؟ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَکَفُّ الْاَذٰی وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ'' مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

۱۹۲: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کہ تم راستوں میں بیٹھنے سے بچو!'' صحابہ رضوان اللہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے لئے ان مجالس میں بیٹھے بغیر چارہ نہیں۔ ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم نے وہاں بیٹھنا ہی ہے تو تم راستے کو اس کا حق دو''۔ صحابہ رضوان اللہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نگاہوں کا پست رکھنا (تکلیف دہ چیز راستہ سے ہٹانا) 'دوسروں کو تکلیف دینے سے ہاتھ کو روکنا' سلام کا جواب دینا' نیکی کی تلقین کرنا اور برائی سے روکنا''۔ (متفق علیہ)

تشریح ❁ **قال:** جب اس کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہو تو یہ۔

النَّحْو: جملہ مستانفہ ہے۔ اور اگر ابو سعید رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹے تو اس کے بعد ایک قال مقدر ہوگا۔ اختصاراً ایک قال ذکر کر دیا۔

الجلوس: یہ منصوب احذرکم: کا مفعول ہونے کی وجہ سے۔ فی الطرقات: ابن حبان نے الصُعُدان: جمع صَعْد: نقل کیا جیسے طریق وطرق۔ ثعلب نے خیال کیا کہ اس کا معنی نچلی سطح زمین ہے۔ طریق مؤنث و مذکر دونوں طرح مستعمل ہے۔ راستہ کے ساتھ دوکان' کھڑکیاں' جو بازار والی جانب کھلتی ہوں ان کا یہی حکم ہے۔ یہ نہی تنزیہ ہے۔ حقوق کی ادائیگی میں تاکہ کمی نہ آئے۔ مجالسنا: راستوں والی مجالس۔ بُدّ: جدائی' چارۂ کار۔ فتحدث فیها: یہ چھوڑنے پر عام قدرت کا بیان ہے کیونکہ دنیوی واخروی خیر اس میں ہے۔ ان کی مجالس بے کار مباحث سے محفوظ تھیں۔ الا المجلس: مصدر میمی جلوس کے معنی میں ہے (بخاری) المجالس: بالجمع ہے الف لام عہد کا ہے۔ استثناء مفرغ ہے۔ یعنی جب تم نے تمام باتوں سے انکار کیا سوائے راستوں میں بیٹھنے کے۔ بخاری نے فاذا اتیتم المجالس: کے لفظ ذکر کئے اور ایک روایت یہ بھی ہے: ابیتم الا۔: کشمیہنی کہتے ہیں باب الاستیذان میں اسی طرح ہے۔ الطریق حقه: یعنی جو راستہ کے مطلوبہ آداب ہیں۔ تعبیر میں ان امور کی تاکید واہتمام ثابت ہونا ہے۔ یہ اضافت ملابست کے لئے ہے۔ قالوا: ابن حجر کہتے ہیں اس کے قائل ابوطلحہ ہیں اور مسلم کی روایت میں یہ واضح ہے اور واحد پر جمع کا مجازاً اطلاق ہوا ہے۔ حق الطریق: جو راستہ پر بیٹھے۔ قال غض البصر: بدنگاہی سے گریز۔ کف الاذی: گزرنے والوں کو تکلیف نہ دینا۔ ابن حجر کہتے ہیں اس کے پاس جو عورت وغیرہ گزرے ان سے تعرض نہ کرے۔ ② غیبت اور دوسرے کو حقیر قرار دینے سے بچے' گزرنے والے کو سلام کرے۔ والامر بالمعروف: جو مشروع چیزیں ہیں ان سب کو اختیار کرے (متفق علیہ) بخاری فی المظالم والاستیذان' مسلم فی الاستیذان واللباس' ابوداؤد فی الادب (اطراف للمزی)

فرق روایت

علقمی کہتے ہیں ابوداؤد نے ارشاد بن السبیل اور اسی طرح چھینکنے والا الحمدللہ کہے تو اس کا جواب دینا بھی ذکر کیا ہے۔ سعید بن منصور نے اعناة الملهوف: (مظلوم کی مدد) بھی ذکر کیا۔ بزاز نے واعینوا عل الحموله: (سواری میں اعانت کرنا) اور طبرانی اعینوا المظلوم: (مظلوم کی مدد) اور کثرت ذکر کو بھی شمار کیا۔ حدیث ابی طلحہ میں حسن کلام (اچھی گفتگو) ترمذی میں افشوا السلام: (سلام خوب کرنا)۔ طبرانی نے اهدوا الاغبیاء: (غبی کی راہنمائی) غبی کم فہم کو کہتے ہیں۔

ان تمام احادیث کے مجموعی خصال ۱۴ ہیں جو ابن حجر کے شعار میں مذکور ہیں۔

جمعت آداب من رام الجلوس علی ال ☆ طریق من قول خیر الخلق انسانا
افش السلام' احسن فی الکلام وشمدت ☆ عاطسا وسلاماً رد احسانا
فی الحمل عاون ومظلوماً اعن واغث ☆ لهفان هد سبیلا واهد حیوانا
بالعرف مروانه عن منکر وکف اذی ☆ وغض طرفا واکثر ذکر مولانا

حدیث مالک بن تیہان میں ۱۵ وشدوا الاعمی: (اندھے کی راہنمائی) کا اضافہ ہے۔ رواہ اسحاق راہویہ بن شیبہ مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ (اتحاف للبوصیری)

تخریج: أخرجه احمد (۴/۱۱۳۰۹) والبخاری (۲۴۶۵) و مسلم (۲۱۲۱) و أبو داود (۴۸۱۵) والبخاری فی الأدب المفرد (۱۱۵۰) وابن حبان (۵۹۵) والبیهقی (۱۰/۹۴)

۱۹۳ : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰى خَاتَمًا مِّنْ ذَهَبٍ فِيْ يَدِ رَجُلٍ فَنَزَعَهٗ فَطَرَحَهٗ وَقَالَ يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ اِلٰى جَمْرَةٍ مِّنْ نَّارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهٖ" فَقِيْلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : خُذْ خَاتَمَكَ انْتَفِعْ بِهٖ - قَالَ : لَا وَاللّٰهِ لَا اٰخُذُهٗ اَبَدًا وَّقَدْ طَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ -

۱۹۳: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ ایک سونے کی انگوٹھی ایک آدمی کے ہاتھ میں دیکھی ۔ آپ ﷺ نے اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا: ''تم میں سے ایک شخص آگ کے انگارے کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو اپنے ہاتھ میں رکھ لیتا ہے''۔ اس آدمی کو آنحضرت ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد کہا گیا کہ تم اپنی انگوٹھی لے لو اور اسے فائدہ اٹھالو۔ اس نے کہا خدا کی قسم! میں اس کو کبھی نہ لوں گا جسے رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا۔ (مسلم)

تشریح ۞ رأی : دیکھا۔ خاتما: اس کی لغات بقول ابن حجر دس ہیں۔ خاتام، خاتم، ختم، خاتم و ختما، خایتام، خیتوم، خیتام، خاتام، ختتم۔ نووی نے چار کو درست کہا ہے۔ خَاتَم، خاتِم، خیتام و خاتام۔

فنزعه فطرحه: اس میں ہاتھ سے ازالہ منکر کا تذکرہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے عظیم نقصان پر خبردار کرتے ہوئے فرمایا: **یعمد احدکم الی جمرة من نار**: اس کو ظاہر پر محمول کرنا خلاف عقل نہیں مطلب یہ ہوا کہ یہ انگوٹھی آخرت میں آگ ہوگی اگر مجاز پر محمول کریں تو مطلب یہ ہے کہ پہننے والے کو اس کے گناہ کی بڑھائی بتلائی کہ وہ اس کی جگہ پر آگ پہن لے کیونکہ سزا بقدر گناہ ہوتی ہے اور وہ کافی بڑی ہے۔

فیجعلها فی یدہ: یعنی اپنی انگلی میں ڈال لے۔ یہ مجاز مرسل ہے کل بول کر جزء مراد لیا گیا ہے۔ جیسا اس آیت میں ﴿**یجعلون اصابعهم فی آذانهم**.....﴾ انگلیوں کے پورے کانوں میں رکھے جاتے ہیں نہ کہ تمام انگلی۔ جب اس کی زینت ہاتھ کی زینت کا باعث تھی تو اس سے تعبیر کر دیا۔

فائدہ ☆ اس میں تصریح ہے کہ سونے کی انگوٹھی پہننے کی ممانعت تحریمی ہے۔ صدیقی کہتا ہے کہ اس میں یہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ یہ کبائر میں سے ہے کیونکہ اس میں وعید سخت ہے اور اس کا معیار یہی ہے۔

ذهب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: یعنی مجلس سے تشریف لے گئے۔ **خذ خاتمك**: لینے کی علت بیان کرنے کے لئے **انتفع به**: جملہ مستانفہ لائے یعنی فروخت کر دو یا ہبہ کر دو یا اس کو دے دو جس کے لئے حلال ہے مثلاً عورت۔

فقال لا واللّٰه اخذه ابداً وقد طرحه رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: یہ اس کی طرف سے امتثال امر واجتناب نہی مبالغہ ہے اور کمزور وتاویلات سے بہانہ تلاش نہیں کیا۔ اس آدمی نے انگوٹھی کو چھوڑ دیا تا کہ فقراء میں سے جو چاہے لے جائے۔ ② اس کا لینا ہر ایک کے لئے جائز تھا جب لے لیتا تو اس کا تصرف درست ہو جاتا۔ اسے لینا اور اس میں تصرف بالبیع

حرام نہ ہوئی۔لیکن اس نے تورع اختیار کیا اور یہ چاہا کہ ہر ضرورت منداس کو لے لے۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فروخت وغیرہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس کو پہننے سے منع فرمایا تھا اور اس کا بقیہ تصرف تو مباح رہا تھا۔(رواہ مسلم)

اتحاف المہرہ نے سالم سے انہوں نے اپنی قوم اشجع کے ایک آدمی سے بیان کیا کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں گیا اور میں نے سونے کی انگوٹھی پہن رکھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شاخ لی اور میری ہتھیلی پر ماری اور فرمایا: اس کو پھینک میں نے اسی وقت انگوٹھی پھینک دی پھر میں اس کے بعد داخل ہوا تو مجھے فرمایا: تو نے انگوٹھی کا کیا کیا؟ میں نے عرض کیا پھینک دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے پھینکنے کا حکم نہیں دیا تھا میں نے اس سے نفع اٹھانے کا کہا تھا کہ تو اس سے نفع اٹھائے اس کو نہ پھینکے۔(ابن ابی شیبہ واحمد بن حنبل) صدیقی کہتا ہے کہ مسلم کی روایت سے قریب تر ہے۔

تخریج: أخرجه مسلم (۲۰۹۰)

۱۹۴: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ اَنَّ عَائِذَ بْنَ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ دَخَلَ عَلٰی عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ زِیَادٍ فَقَالَ: اَیْ بُنَیَّ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ: ''اِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَۃُ فَاِیَّاكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنْھُمْ فَقَالَ لَہٗ: اِجْلِسْ فَاِنَّمَا اَنْتَ مِنْ نُّخَالَۃِ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ فَقَالَ: وَھَلْ كَانَتْ لَھُمْ نُخَالَۃٌ اِنَّمَا كَانَتِ النُّخَالَۃُ بَعْدَھُمْ وَفِیْ غَیْرِھِمْ'' رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔

۱۹۴: حضرت ابوسعید حسن بصری روایت کرتے ہیں حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ عبید اللہ بن زیادہ کے پاس گئے اور فرمایا اے بیٹے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ وہ حکمران سب سے بدتر ہے جو اپنی رعایا پر سختی کرے تو اپنے کو ان میں سے ہونے سے بچا۔اس نے کہا آپ بیٹھ جائیں۔آپ تو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھوسہ میں سے تھے۔آپ نے فرمایا کیا ان میں بھی چھان اور بھوسہ تھا۔بلا شبہ بھوسہ تو ان کے بعد والوں اور ان کے غیروں میں ہے۔(مسلم)

تشریح ابوسعید کنیت ہے نام حسن بن بشار بصری ہے یہ موالات کی وجہ سے انصاری کہلاتے ہیں۔یہ زید بن ثابت یا جمیل بن قطبہ کے مولیٰ ہیں۔ان کی والدہ کا نام خیرہ ہے۔جو کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی ہیں۔ان کی ولادت خلافت فاروقی کے آخری دوسالوں میں ہوئی۔ان کی والدہ بسا اوقات کام کے لئے چلی جاتیں اور یہ روتے تو ام المؤمنین اپنا پستان اس کے منہ میں ڈال دیتیں اور دودھ پلادیتیں۔ان کو یہ فصاحت و بلاغت اسی برکت سے میسر آئی۔انہوں نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا مگر ان سے سماع ثابت نہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ابن حجر ہیثمی نے اپنے معجم میں اس کی تائید کی ہے۔جمہور متاخرین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔نووی کہتے ہیں کہ فضیل بن عیاض نے بیان کیا کہ میں نے ہشام بن حسان سے پوچھا کہ حسن نے کتنے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا۔ انہوں نے کہا ۱۳۰۔میں نے پوچھا ابن سیرین نے کتنے۔انہوں نے کہا صرف تیس۔حسن سے مروی ہے کہ ہم خراسان کی طرف ایک غزوہ میں شریک تھے۔اس میں تین سو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے (الحدیث) حسن کا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔حسن کی پُر حکمت باتوں میں سے ایک یہ ہے جس کو شافعی نے مختصر میں بیان کیا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

وشاورهم فی الامر: حسن کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مشورہ سے مستغنی تھے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے حکام کو آپ کے بعد ایک طریقہ سکھانے کے لئے یہ حکم دیا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ففھمناھا سلیمان: فرمایا اگر یہ آیت نہ ہوتی تو حکام ہلاک ہو جاتے اللہ تعالیٰ نے مشورہ کی درستی اور اجتہاد کے صحیح ہونے پر تعریف فرمائی۔ کتاب احاسن المحاسن میں ہے کہ ان کی کلام کا ایک نمونہ یہ ہے۔اے ابن آدم تو حقیقت ایمان کو نہیں پا سکتا جب تک وہ عیب جو تو لوگوں کے نکالتا ہے ان کے اصلاح کرنے کی ابتداء اپنے نفس سے نہ کرے جب اصلاح کر لو گے تو نفس کا دوسرا عیب پالو گے۔ جب اس کی درستی کر لو گے تو اور عیب مل جائیں گے پس اپنے نفس میں ہی مشغول ہو جاؤ گے۔اللہ تعالیٰ کے بندوں میں وہ پسندیدہ ہے جو اسی طرح ہو۔عائذ بن عمرو بن ہلال مزنی جن کی کنیت ابو ہبیرہ بصری ہے یہ صحابی ہیں۔حدیبیہ میں موجود تھے۔درخت کے نیچے بیعت کی۔یہ رافع بن عمرو کے بھائی ہیں۔عبید اللہ بن زیاد کی حکومت کے زمانہ ۶۱ ھ میں وفات پائی۔

ابن اثیر کہتے ہیں یہ صالحین صحابہؓ میں سے تھے۔بصرہ میں رہائش اختیار کی وہاں گھر بنایا اور حکومت عبید اللہ بن زیاد جو یزید بن معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا وفات پائی۔ابن زیاد نے ان پر نماز جنازہ وصیت کے مطابق پڑھی۔ان سے حسن بصری اور معاویہ بن قسرہ اور عامر الاحول وغیرہ نے روایت نقل کی ہے۔

تہذیب ذہبی میں ہے کہ حشرج بن عبد اللہ بن حشرج بن عائذ المزنی عن ابیہ عن جدہ نے بیان کیا کہ عائذ بن عمرو یہ دھاری دار کاٹھیوں پر سوار ہوتے اور خز پہنتے اور اس میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے۔انہوں نے ایک ہی غزوہ میں مزینہ کے چالیس آدمیوں کی شادی کی اور ہر عورت کا مہر ایک ہزار غلام رکھا۔ثابت بنانی کہتے ہیں انہوں نے وصیت کی کہ ان کا جنازہ ابو برزہ اسلمی پڑھائیں۔یہ عبید بن زیاد کی امارت کا زمانہ تھا۔ابن جوزی نے المستخرج الملیح میں اسی طرح کہا اور مزید یہ لکھا ہے کہ ابن حزم نے نقل کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ احادیث روایت کی ہیں ۳ متفق علیہ ہیں۔ایک بخاری کی روایت موقوف ہے اور دو مسلم اور نسائی بھی ان کے ساتھ دو کی نقل میں شریک ہے۔

یا بُنیّ: نرمی کے لئے کہا تا کہ وعظ کو سنے اور مانے۔

النحو: انی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: جملہ حال میں ہے ماضی کی حکایت کی جا رہی ہے۔

الرعاء: جمع راع۔ الحطمہ: رعایا پر ظلم کرے اور عام لوگوں پر رحم نہ کھائے۔ بلکہ سیراب کرنے میں ایک کی دوسرے سے مڈبھیڑ کرائے۔ان تکون منھم: کہ اس مذمت کے گڑھے میں جا گرے۔النخالہ: اور حثافہ کا ایک ہی معنی ہے گندم کا چھلکا۔ عائذ نے اس بات کو بعید قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان میں تو چھان نہیں ہو سکتا ان کو اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کی صحبت کے لئے چنا اور آپ کے انوار سے مشرف فرمایا ہے۔

بقول شاعر

واذا سخر الالہ اناساً ☆ لسعید فکلھم سعداء

النخالہ: یہ بے کار پن ان کے بعد اور فی غیرھم: ان کے غیروں میں ہے وہ تو تمام سردار ہیں۔ان کی فضیلت کے لئے یہ روایت کافی ہے۔

"اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم: اس کا ضعف کچھ نقصان دہ نہیں کیونکہ اس روایت کی مؤید کثیر روایات

ہیں۔(رواہ مسلم فی المغازی والامارہ)

تخريج: أخرجه احمد (٧/٢٠٦٦٢) و مسلم (١٨٣٠)

١٩٥ : عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :"وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِّنْهُ ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ" رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

١٩٥: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم کرو اور ضرور برائی سے روکو! ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب اتار دے پھر اس حالت میں اس سے دعائیں کرو اور وہ قبول نہ کی جائیں''۔(ترمذی)

تشریح ۞ **والذی نفسی بیده:** یہ قسم ایسے مواقع کی تائید کے لئے مسنون ہے۔**لتأمرون:** خطاب براہِ راست مخاطبین کو حقیقت اور بعد والوں کو تبعاً ہے۔**معروف:** سے وہ کام جو شرعاً درست ہوں مراد ہیں۔

النَّحْو: **لتنهون:** جمع میں یہ واؤ ثابت رہتی ہے۔**او:** یہ عاطفہ ہے کہ دو میں سے ایک کرنا ہوگا یا تو امتثال حکم یا وقوع سزا جو کہ اگلے کلمات میں ہے۔**لیوشکن الله..... عقابا منه:** خواہ ولاۃ کے ظلم کی صورت میں ہو یا تسلط دشمناں یا دیگر مصائب۔ **ثم تدعونه:** پھر اس کے ہٹنے کی دعائیں کرو گے۔**فلا یستجاب لکم:** کیونکہ حکمت الٰہیہ نے تمہاری ترک امر ونہی والی زیادتی پر سزا کے طور پر اسے مقرر فرمایا ہے۔

فَائِدَة: اس سے معلوم ہوا کہ منکر کا انکار نہ کرنے کی نحوست انکار نہ کرنے کی صورت میں عام ہو جاتی ہے۔پہلے روایت **انهلك وفينا الصالحون:** گزری۔انکار اپنی حیثیت کے مطابق ہوگا۔

تخريج: أخرجه الترمذی (٢١٧٦) و فی سنده عبدالله بن عبدالرحمن الأنصاری۔ لم یوثقه غیر ابن حبان۔ لکن للحدیث شاهد من حدیث عائشه رضی الله عنها عند البزار (٣٣٠٤) و شاهد من حدیث عبد الله بن عمر رضی الله عنه عنهما عند الطبرانی فی الأوسط (١٣٨٩) و شاهد من حدیث أبی هریرة رضی الله عنه عند البزار (٣٣٠٧) فهو حسن بشواهد۔

١٩٦ : عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :"اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ، وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ :حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

١٩٦: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''کہ سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے''۔(ابوداؤد، ترمذی)

تشریح ۞ **افضل الجهاد:** یہ ثواب فضل سے زیادہ ملے گا۔**عدل:** حق بات مراد ہے۔**سلطان:** سے حاکم مراد ہے۔

تخریج: ابوداوٗد، ترمذی، احمد، ابن ماجہ، طبرانی، بیہقی نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے اور ترمذی واحمد طارق بن شہاب سے۔
(جامع صغیر سیوطی)

۱۹۷ : عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ طَارِقِ ابْنِ شَھَابِ الْبُجَلِیِّ الْاَحْمَسِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِیَّ ﷺ وَقَدْ وَضَعَ رِجْلَہٗ فِی الْغَرْزِ : اَیُّ الْجِھَادِ اَفْضَلُ؟ قَالَ : "کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ" رَوَاہُ النَّسَائِیُّ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ۔

"الْغَرْزُ" بِغَیْنٍ مُعْجَمَۃٍ مَّفْتُوْحَۃٍ ثُمَّ رَاءٍ سَاکِنَۃٍ ثُمَّ زَایٍ وَھُوَ رِکَابُ کَوْرِ الْجَمَلِ اِذَا کَانَ مِنْ جِلْدٍ اَوْ خَشَبٍ وَقِیْلَ لَا یَخْتَصُّ بِجِلْدٍ وَّخَشَبٍ۔

۱۹۷: حضرت ابوعبداللہ طارق بن شہاب بجلی احمسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا قدم مبارک رکاب میں رکھے ہوئے تھے کہ کونسا جہاد افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حق بات ظالم بادشاہ کے سامنے کہنا"۔ (نسائی)

اَلْغَرْزِ : چمڑے یا لکڑی کی رکاب۔ بعض کے نزدیک کوئی بھی رکاب مراد ہے۔

تشریح ۞ طارق بن شہاب نام اور ابوعبداللہ کنیت ہے۔ ان کا سلسلہ نسب ابن عبد شمس البجلی پہلے گزرا (باب النہی عن البدع) الاحمس: یہ احمس بن غوث بن انمار بن اراس بن عمرو بن غوث بن کہلان کی طرف نسبت ہے۔ احمس کی طرف صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کی نسبت ہے۔ انہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا۔ صحبت نبوی ﷺ نصیب ہوئی اور زمانہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی ۳۳ یا ۴۳ لڑائیوں میں کثرت کی اور انہوں نے خلفاء اربعہ سے روایت کی ہے اسی طرح دیگر صحابہ سے بھی۔ کوفہ کو مسکن بنایا۔ ۸۲، ۸۳ھ وفات پائی۔ ان کی روایت ابوداوٗد، نسائی اور حافظ نے اطراف میں پانچ نقل کی ہیں۔ چھٹی کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔

اَلنَّحْوُ :وقد وضع: یہ سائل کے مفعول سے حال ہے۔ افضل: یعنی ثواب کے لحاظ سے زیادہ ہے۔ کلمہ حق: ایک نسخہ میں عدل کا لفظ ہے۔ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر یا عزت نفس سے دفاع یا مال وغیرہ سے دفاع ہو۔ عند سلطان جائر: اس کو افضل جہاد اس لئے فرمایا کیونکہ یہ کرنے والے کے کمال یقین کی علامت ہے اور قوت ایمان، شدت یقین کی نشانی ہے کہ اس نے ظالم و جابر امیر کے سامنے بلاخوف وخطر اور بلاخوف بطش و جور بات کہہ دی۔ بلکہ اپنی جان کو خاطر میں نہ لایا۔ اللہ تعالیٰ کے حق اور حکم کو مقدم رکھا۔ اس نے اس مجاہد سے جو اپنے دشمن سے مقابل ہے بڑھ کر کام کیا۔ (نسائی نے اسناد صحیح سے نقل کیا اسحاق بن منصور نے بھی نقل کیا (مزی فی الاطراف) الغرز الاکور: کجاوہ میں بیٹھنے کی جگہ جو زین کی طرح ہو۔

تخریج: أخرجه النسائی (۴۲۲۰) و رجال إسناده ثقات۔

۱۹۸ : عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ :قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ :اِنَّ اَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰی

بَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ اَنَّهٗ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُوْلُ :يَا هٰذَا اتَّقِ اللّٰهَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ فَاِنَّهٗ لَا يَحِلُّ لَكَ ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ وَهُوَ عَلٰى حَالِهٖ فَلَا يَمْنَعُهٗ ذٰلِكَ اَنْ يَّكُوْنَ اَكِيْلَهٗ وَشَرِيْبَهٗ وَقَعِيْدَهٗ فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ ضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ" ثُمَّ قَالَ ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ اِلٰى قَوْلِهٖ ﴿فَاسِقُوْنَ﴾ ثُمَّ قَالَ :كَلَّا وَاللّٰهِ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَاْخُذُنَّ عَلٰى يَدِ الظَّالِمِ وَلَتَاْطِرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا وَّلَتَقْصُرُنَّهٗ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا اَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ثُمَّ لَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ" رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ، وَالتِّرْمِذِىُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ – هٰذَا لَفْظُ اَبِىْ دَاوٗدَ، وَلَفْظُ التِّرْمِذِىِّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا وَقَعَتْ بَنُوْ اِسْرَآئِيْلَ فِى الْمَعَاصِىْ نَهَتْهُمْ عُلَمَآؤُهُمْ فَلَمْ يَنْتَهُوْا فَجَالَسُوْهُمْ فِىْ مَجَالِسِهِمْ وَاٰكَلُوْهُمْ وَشَارَبُوْهُمْ فَضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ وَّلَعَنَهُمْ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ :لَا وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ حَتّٰى تَاْطِرُوْهُمْ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا"

قَوْلُهٗ :"تَاْطِرُوْهُمْ" اَىْ تَعْطِفُوْهُمْ "وَلَتَقْصُرُنَّهٗ" اَىْ لَتَحْبِسُنَّهٗ۔

۱۹۸: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بنی اسرائیل میں خرابی اس طرح شروع ہوئی کہ ان میں ایک آدمی دوسرے سے ملتا اور کہتا اے شخص تو اللہ تعالیٰ سے ڈر اور جو کام تو کر رہا ہے اسے چھوڑ دے۔ اس لئے کہ وہ تیرے لئے جائز اور حلال نہیں۔ پھر جب اگلے روز اس کو ملتا جبکہ وہ اسی حال پر ہوتا تو اس کا یہ حال اس کو ہم مجلس بننے اور ہم پیالہ اور ہم نوالہ بننے سے نہ روکتا۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو برابر کر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ﴾ ''بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبانی لعنت کی گئی۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے آگے نکلنے والے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو اس برائی سے نہ روکتے تھے جس برائی کا وہ ارتکاب کرتے تھے۔ یقیناً بہت برا تھا وہ فعل جو وہ کرتے تھے۔ تو ان میں اکثر لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں۔ بہت برا ہے جو ان کے نفسوں نے آگے بھیجا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فَاسِقُوْنَ تک تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا: ''ہرگز نہیں قسم بخدا! تم لوگوں کو ضرور نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکو۔ اور ظالم کا ہاتھ پکڑو اور ان کو زبردستی حق کی طرف موڑو اور ان کو حق پر مجبور کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں پر مُہر لگا دیں گے۔ اور تم پر لعنت کریں گے جیسا ان پر کی گئی''۔ (ابوداؤد

ترمذی) ترمذی کے الفاظ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوئے تو ان کے علماء نے ان کو روکا پس وہ نہ رکے۔ پھر ان کے علماء نافرمانوں کی مجالس میں بیٹھے اور ان کے ساتھ کھانے پینے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو یکساں کر دیا اور ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ کی زبان سے لعنت کی۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ چھوڑ کر سیدھے بیٹھ گئے اور ارشاد فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم نجات نہیں پا سکتے یہاں تک کہ تم ان کو حق کی طرف موڑو''۔

تَاطِرُوْهُمْ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا: موڑو' قائل کرو۔

لَتَقْصُرُنَّهٗ: ان کو ضرور روکو۔

تشریح ۞ **ما دخل**: میں ما مصدریہ ہے یعنی اول دخول مراد ہے۔ **علی بنی اسرائیل**: یعنی دین بنو اسرائیل میں۔ **یلقی الرجل ویقول**: معصیت کرنا۔ **یا هذا اتق الله**: یعنی اس کے امر کو انجام دو اور نہی سے پرہیز کرو وہ تیرے لئے عذاب سے بچنے کا سبب بنے گا۔

ودع ما تصنع: جو گناہ تو کرتا ہے چھوڑ دے۔ **فانهٗ لا یحل لك**: یہ جو کچھ تو کرتا ہے وہ تیرے لئے حلال نہیں کیونکہ یہ محرمات سے ہے۔ **هو علی حاله**: یعنی معصیت والی حالت۔ **فلا یمنعه ذلك**: جن محرمات سے اس نے روکا اسی پر اس کو پایا جاتا اس کو نہ روکتا کہ وہ اس کے ساتھ کھانے پینے والا' بیٹھنے والا بنے۔ یعنی اس کے دوست کا گناہوں میں ابتلاء اس کو اس کی دوستی آنے جانے' میل وجول اختیار کرنے سے نہ روکتا حالانکہ اسے اس بات کا حکم دیا گیا کہ اس سے سوائے مجبوری کے موالات و روابط نہ رکھے۔ **فلما فعلوا ذلك**: **ذلك**: کا اسم اشارہ بعید اس کام کی مزید شناعت ظاہر کرنے کے لئے لائے یا لفظ دو زمانوں میں نہیں رہ سکتا تو وہ اس دور چیز کی طرح بن گیا جس کی طرف اشارہ کیا جائے۔

ثم قال: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عموم لعنت پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا: ﴿**لُعن الذین کفروا من بنی اسرائیل**......﴾ ابو حیان نھر میں لکھتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تورات میں ہر زبان کے ساتھ ان پر لعنت کی گئی اور داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں زبور میں اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں انجیل میں لعنت کی گئی۔

اَلنَّحْو: لعن ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ فاعل اس کا حذف کر دیا گیا وہ انبیاء علیہم السلام بھی ہو سکتے ہیں۔ لسان سے مراد زبان پر جاری کر دی گئی لسان سے لغت مراد نہیں۔ **ذلك بما عصوا**: مشارٌ الیہ لعنت ہے۔ باسببیہ ہے یہ بطور تاکید فرمایا ورنہ **الذین کفروا**: کی دلالت ظاہر ہے۔ جیسے کہتے **رجم الزانی**: اب اس کے رجم کا سبب زنا خود اس جملے سے واضح ہے۔ **کانوا یعتدون**: اس کا عطف عصوا پر بھی ہو سکتا ہے۔ پس اس صورت میں ما کے صلہ میں داخل ہوگا۔ **ای بعصانهم و کونهم معتدین** ② یہ ان کی حالت کی اطلاع بھی ہو سکتی ہے کہ **شانهم الاعتداء**۔ **کانوا لا یتناهون عن منکر فعلوه**: ظاہراً تفاعل بمعنی اشتراک ہے یعنی وہ ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے فعل منکر اور اس کو سرعام کرنا جمع کر دیا اور دوسروں کو اس سے نہ روکنا بھی شامل کر لیا اور گناہ جب ہو جائے اور بندہ کر بیٹھے تو اس کو چھپانا چاہئے۔ پس جب سرعام کیا جائے گا عدم انکار کی عادت پڑ جائے گی یا اسی طرح کی اور باتیں جو بنی اسرائیل کے متعلق نقل کی گئی ہیں ان کی

عادت ہو جائے گی۔ خود اس کے کرنے کی تحریض اور اس کے ظاہر کرنے کا سبب بنے گی۔ لبئس ما کانوا یفعلون: لام تاکید کے لئے لائے اور ان کے برے فعل پر اظہارِ تعجب کیا گیا ہے۔

صاحب کشاف کہتے ہیں مسلمانوں پر بہت افسوس ہے کہ منکر کی روک تھام کے سلسلہ میں وہ کم توجہ کرنے والے ہیں۔ گویا یہ اسلام کا کوئی حکم ہی نہیں حالانکہ وہ قرآن مجید پڑھتے ہیں اور اس سلسلے کی سخت چیزیں پڑھتے ہیں۔

تری: آنکھوں سے دیکھنا یا دل سے دیکھنا۔ منھم: سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ یتولون الذین کفروا۔ اس سے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی جنہوں نے مشرکین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ابھار مراد ہیں۔ لبئس ما قدمت: انہوں نے بہت برا سبب اپنے آگے وارد ہونے کے لئے بھیجا ہے۔ ان سخط اللّٰہ: یہ مخصوص بالذم ہے۔ مطلب یہ ہے موجب سخط اللّٰہ والخلود فی العذاب: (اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو لازم کرنے والی اور عذاب میں ہیشگی کو لازم کرنے والی) یا ذم کی علت ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے یعنی یہ بہت بری چیز ہے کیونکہ انہوں نے خلود نار والی ناراضگی کو کمایا ہے (کشاف) ابوحیان نے پہلے اعراب میں تعاقب کیا کہ ما معرفہ تامہ بمعنی الشی میں فعلیہ نہیں بنتا اور اس کے پس جملہ کا بدل منکر مرفوع ہے اب مخصوص محذوف کی صفت ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے لبئس الشئی شیئاً قدمت لھم الغنھم: پس اس طرح ان سخط مخصوص محذوف یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ وہ ان سخط ہے۔ النبی: سے یہاں اپنا پیغمبر مراد ہے۔ اگر آیت منافقین کے سلسلہ میں ہو تو پھر النبی سے مراد ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ما اتخذوھم اولیاء: کیونکہ ایمان صحیح اس کو مانع ہے۔ کثیراً منھم فاسقون: ان میں کثرت ایمان سے نکلنے والوں کی ہے یا منافقت میں سرکشی اختیار کرنے والے ہیں یعنی ان میں ایمان والے کم ہیں۔ کلا واللّٰہ لتامرن بالمعروف: کلا حقا کے معنی میں ہے۔ شرعی طور پر جن کے کرنے کا حکم اور جن سے روکا گیا ہے۔ علی ید الظالم: ہاتھ سے ظالم کو روکو اگر عاجز ہو تو زبان سے۔ ولتأطرنہ: اس کو ضرور حق کی طرف موڑ دینے دینے میں۔ ولتقصرنہ: اس کو حق پر روک دو اور تجاوز سے منع کرو ورنہ یہ نتیجہ نکلے گا۔ او: دو کاموں میں سے ایک کے لئے آتا ہے۔ یعنی امر بالمعروف کرو یا پھر لعنت کر دی جائے گی۔ (ابو داؤد فی الملاحم ترمذی فی التفسیر' ابن ماجه فی الفتن): ترمذی نے تحسین کی ہے یہ لفظ ابوداؤد کے ہیں۔ ترمذی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ لمّا: یہ وجود یہ ہے۔ فلم ینتھوا: علماء کے ذمہ تھا مگر انہوں نے نہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ان کو چھوڑا اور نہ اس کی خاطر ان سے بغض رکھا بلکہ شاربوھم: کھایا پیا بیٹھے۔ لعنھم: ان کو دور کر دیا۔ ذلك: اس کا مشار الیہ لعنت اور ضرب قلوب ہے۔ بما عصوا و کانوا یعتدون۔ و کانوا ما: کے صلہ سے خارج قرار دیں تو یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہوگا۔ جو اس بات کی وضاحت کے لئے لائے کہ حد سے بڑھ جانا ان کی حالت و شان بن چکی تھی۔ مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امر کی عظمت اور ضخامت شان پر متنبہ کے لئے بیٹھ گئے تاکہ سامع ان کی طرف متوجہ ہوں۔ متکئاً: تکیہ پر ٹیک لگانا یا کہنی پر ٹیک لگانا دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ فقال لا: آپ نے فرمایا: فقط زبان کی ممانعت کافی نہیں جبکہ ہاتھ سے روکنے کی طاقت ہو اور حق پر قائم کرنے کی طاقت ہو۔ بیدہ: سے مراد قدرت ہے۔ تأطروھُم: موڑنا۔ ھم: سے وہ نافرمان مراد ہیں۔ ولتقصرنھم: روکنا' بند کرنا۔ یہی معنی اس آیت میں ہے: ﴿حورٌ مقصورات فی الخیام﴾ (الرحمان)

تخریج: أخرجه ابو داود (٤٣٣٦) والترمذی (٣٠٤٧) و ابن ماجه (٤٠٠٦)

۱۹۹ : عَنْ اَبِیْ بَكْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّكُمْ تَقْرَؤُوْنَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ﴾ وَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ : اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ یَاْخُذُوْا عَلٰی یَدَیْهِ اَوْ شَكَ اَنْ یَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِّنْهُ“ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ ، وَالتِّرْمِذِیُّ ، وَالنَّسَائِیُّ بِاَسَانِیْدَ صَحِیْحَةٍ۔

۱۹۹: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! بے شک تم اس آیت کو پڑھتے ہو: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ﴾ ”اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو۔ تم کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گا جو گمراہ ہو جبکہ تم ہدایت پر ہو“۔ اور بیشک میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: ”جب لوگ ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں پھر اسے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب عام بھیج دیں“۔ (ترمذی ابوداؤد نسائی)

تشریح ۞ الناس: یہ اسم جنس ہے جبکہ اس پر آل آئے۔ یایها الذین امنوا: اس سے تمہارے خیال میں یہ بات ہے کہ جب تم مامورات کرتے اور ممنوعات سے رکتے ہو اور دوسرا ممنوع کو کر رہا ہو اور اس کو نہ روکا جائے تو کوئی حرج نہیں حالانکہ یہ درست نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ آیت کو اپنے موقعہ سے تم نکال رہے ہو۔ گویا آیت کو عموم پر محمول کرتے ہو حالانکہ ایسا نہیں پس میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا۔ ظالم: سے ظلم کرنے والا اور معصیت کرنے والا مراد ہے۔ فلم یأخذوا علی یدیه: ہاتھ سے روک سکتے تھے مگر نہ روکا نہ زبان سے منع کیا۔ بشرطیکہ جان کا خطرہ یا مال کی بربادی یا بڑے منکر میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو اور ان پر حرج نہیں۔ بعقاب منه: ظالم پر ظلم کی وجہ سے اور ان کے منع نہ کرنے کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ مگر معذور بچا رہے گا کیونکہ: ﴿لا یكلف الله نفسًا الا وسعها......﴾ اس بیان کے مطابق یہ آیت تمام لوگوں کو شامل ہے۔ پس اس پر عمل ضروری ہے۔ عاقولی کہتے ہیں صحیح بات یہ ہے کہ یہ امر بالمعروف کے وجوب کے مخالف نہیں کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ تمہیں دوسرے کی کوتاہی نقصان نہ دے گی تم سے یہ بات سن کر اس لئے کہ تم نے اپنے ذمہ واجب حق کو ادا کر دیا۔

سند کے متعلق وضاحت: حافظ مزی کہتے ہیں کہ ابوداؤد نے اس کو وہب بن منبہ عن خالد الطحان وعن عمرو بن عوف عن ھشیم۔ پھر دونوں نے اسماعیل بن ابی خالد الطحان عن قیس بن ابی حازم عن الصدیق نقل کیا اور ترمذی نے فتن میں احمد بن منیع اور محمد بن بشار سے اور انہوں نے یزید بن ہارون عن اسماعیل اسی سند سے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اسی طرح یہ حدیث یزید وغیرہ سے نقل کی گئی ہے بعض نے اسے مرفوع اور بعض نے موقوفاً نقل کیا اور تفسیر میں ابن منیع کی روایت کو لوٹا کر عن عقبہ بن عبداللہ عن ابن المبارک سے روایت کی اور ابن ماجہ نے ابوبکر بن ابی شیبہ عن عبداللہ بن نمیر اور ابواسامہ سے نقل کی اور تینوں نے اسماعیل سے اسی طرح نقل کی ہے۔ ان تمام سندوں کا دارومدار اسماعیل میسر ہے۔ پس حدیث کی سند تو ایک ہے اگرچہ ناقل زیادہ ہیں۔

تخریج: أخرجه أبو داود (٤٣٣٨) والترمذی (٣٠٥٧) والنسائی فی الکبری (٦/١١١٥٧) وابن ماجه (٤٠٠٥) وغیرهم۔ وإسناده صحیح۔

٢٤ :بَابُ تَغْلِيظِ عُقُوبَةِ مَنْ اَمَرَ بِمَعْرُوفٍ اَوْ نَهٰى عَنْ مُنْكَرٍ وَّ خَالَفَ قَوْلُهُ فِعْلَهُ!

باب ۲۴: جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے مگر اس کا فعل، قول کے خلاف ہو اس کی سزا سخت ہے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [البقرة:٤٤]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا نہیں سمجھتے''۔ (البقرۃ)

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ؟﴾ [الصف:٢]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:-

''اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بڑی ناراضگی والی ہے کہ وہ باتیں کہو جو تم خود نہ کرو''۔ (الصف)

وَقَالَ تَعَالٰى :اِخْبَارًا عَنْ شُعَيْبٍ ﷺ

﴿وَمَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهٰكُمْ عَنْهُ﴾ [هود:٨٨]

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کا قول فرمایا کہ

''میں نہیں چاہتا کہ میں تمہیں جس چیز سے روکتا ہوں میں خود وہ کرکے تمہاری اس میں مخالفت کروں''۔ (ھود)

النَّحْوُ :وخالف قوله فعله:فعلہ نصب کے ساتھ ہوسکتا ہے ای کان امرہ مخالفًا لفعلہ۔:۲ رفع بھی جائز ہے۔

آیت ۱ ﴿اتامرون الناس......﴾ (البقرہ:۴۴) نہر میں کہا گیا کہ اگرچہ مخاطب بنی اسرائیل ہیں مگر آیت کا معنی عام ہے۔ استفہام توبیخ وتقریع کے لئے ہے۔ بالبر: اچھے کام جیسے صلہ رحمی، احسان، طاعت اللہ وغیرہ۔ تنسون: تم اس نیکی کو چھوڑتے ہو۔ تتلون الکتاب: تم اس کے مضامین کو جانتے ہوئے پڑھتے ہو۔ پھر اس کی مخالفت کرکے تم نے غیر کے مقابلے میں کیا تعمیل کی۔ کتاب سے تورات و انجیل مراد ہے۔

مفرد کی بجائے جملہ حالیہ زیادہ بلیغ ہے۔

افلا تعقلون: یعنی جو ان سے صادر ہوا وہ عقل والوں کا فعل نہیں کیونکہ عقل کے ہاں یہ مقرر ہے کہ جو اپنی خیر خواہی نہ کرے تو وہ

دوسروں کی کیا کرے گا اور خاص طور پر وہ مصلحت جس میں اس کی نجات ہو۔

فا عاطفہ ہے۔ اصلاً اس کو مقدم کرنا چاہئے مگر ہمزہ صدر کلام میں آتی ہے۔ پس فا سے مقدم کی گئی (سیبویہ) زمخشری کہتے ہیں فا اپنی جگہ پر ہے۔ ہمزہ اور فا کے درمیان فعل مقدر ہے جس سے فا عاطفہ واؤ اور ثم کے حکم والی لائی گئی ہے مگر یہ قول صائب نہیں خود زمخشری کا رجوع ثابت ہے۔ (النہر ابو حیان)

آیت ② ﴿یایها الذین امنوا لم تقولون﴾ بیضاوی کہتے ہیں مسلمانوں نے کہا اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین عمل معلوم ہو تو اس کے لئے مال و جان صرف کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آیت اتاری: ﴿ان اللّٰہ یحب الذین ......﴾ احد کے دن میدان سے ہٹے تو یہ آیت اتری۔ ﴿لم تقولون......﴾

لما لام جارہ اور ما استفہامیہ ہے۔ اکثر اس کا الف حذف کر دیتے ہیں اس کی وجہ کثرت استعمال ہے اور مستفہم عنہ کے متعلق ان کی دلالت اکٹھی ہوتی ہے۔ کبُر مقتا۔ المقت: سخت ناراضگی۔

تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تا کہ بتلایا جائے کہ ان کا یہ قول اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والا ہے۔

آیت ③ حضرت شعیب بن منکیل بن یشجب بن مدین بن ابراہیم خلیل اللہ آپ پر اور تمام انبیاء علیہم السلام پر سلام ہو۔ انبیاء علیہم پر درود کا اسی طرح حق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صلّوا علی انبیاء اللّٰہ فانھم ارسلوا کما ارسلت (طبرانی) یہ سلسلہ نسب تہذیب نووی میں ہے۔ ابن جوزی نے شعیب بن عنقاء بن بویب بن مدین بتلایا۔ (شذوز ابن جوزی)

وما ارید...... میں نہیں چاہتا کہ میں وہ کروں جس سے میں تمہیں منع کرتا ہوں۔ اگر یہ درست ہوتا تو میں اسکو ترجیح دیتا اس سے منع نہ کرتا عرب کہتے ہیں: خالفت زیدا الی کذا یعنی جب تم اس کا ارادہ کرو وہ منہ موڑے اور مخالفت کرے جبکہ معاملہ برعکس ہو۔

۲۰۰: وَعَنْ اَبِیْ زَیْدٍ اُسَامَةَ ابْنِ زَیْدِ بْنِ حَارِثَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: ''یُؤْتٰی بِالرَّجُلِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَیُلْقٰی فِی النَّارِ فَتَنْدَلِقُ اَقْتَابُ بَطْنِهٖ فَیَدُوْرُ بِهَا كَمَا الْحِمَارُ فِی الرَّحَا فَیَجْتَمِعُ اِلَیْهِ اَهْلُ النَّارِ فَیَقُوْلُوْنَ: یَا فُلَانُ مَالَكَ؟ اَلَمْ تَكُنْ تَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ؟ فَیَقُوْلُ: بَلٰی كُنْتُ اٰمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اٰتِیْهِ وَاَنْهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ وَاٰتِیْهِ'' مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

قَوْلُهٗ: 'تَنْدَلِقُ' هُوَ بِالدَّالِ الْمُهْمَلَةِ وَمَعْنَاهُ تَخْرُجُ – وَ'الْاَقْتَابُ' الْاَمْعَاءُ وَاحِدُهَا قِتْبٌ۔

۲۰۰: حضرت ابو زید اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''آدمی کو قیامت کے دن لایا جائے گا اور اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں گی وہ ان کو لے کر ایسے گھومے گا جیسے گدھا چکی میں گھومتا ہے۔ پس اس کے گرد جہنمی جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے۔ اے فلاں! کیا ہوا ہے کیا تو نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا۔ وہ کہے گا۔ ہاں یقیناً۔ لیکن میں لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا اور دوسروں کو تو برائی سے روکتا تھا لیکن خود اس کا ارتکاب کرتا تھا۔ (متفق علیہ)

تَنْدَلِقُ: نکلنا۔

اَقْتَابُ جمع قِتْبٌ: انتڑیاں۔

تشریح ۞ الرجل: الف لام جنس کا ہے۔ فتندلق اقتاب بطنه یعنی اس کی انتڑیاں پیٹ سے نکل رہی ہوں گی۔ اندلاق: کسی چیز کا اپنی جگہ سے نکلنا۔ فیدور: پس وہ آدمی ان انتڑیوں کے ساتھ گھومے گا۔ جیسا گدھا اپنی چکی میں گھومتا ہے۔ یعنی آدمی گھومے گا تو انتڑیاں اس کے گرد گھومنے سے لپٹ جائیں گی۔ یہ گھومنا عبرت کے لئے ہوگا۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ وہ نکلنے کی تکلیف کی وجہ سے ان انتڑیوں کے گرد گھومے گا۔ (اللھم احفظنا عذاب النار)

فیجتمع الیه اهل النار: یعنی جن کو اس سے نسبت ہوگی۔ وہ اس کے آگے میں داخلے پر تعجب کریں گے کیونکہ وہ ان کو ایسی باتیں بتلاتا تھا جو آگ سے دور کرنے والی تھیں۔ فیقولون یا فلان یہ نام سے کنایہ ہے۔

النحو : مالك؟ یہ مبتداء اور خبر ہے۔ الم تكن اور حکم دینے والے کا فرض ہے کہ وہ خود عمل کرے اور منکر کو چھوڑے۔ معروف کا کرنا اور منکر کو چھوڑنا اس وعدے کے مطابق ہے جس کی خلاف ورزی نہ ہوگی دخول نار سے مانع ہے۔ یقول بلی یہ ان کے قول قول کا جواب ہے اس میں آگ میں داخلے کی وجہ مذکور ہے۔

کنت امر المحدیث: اس پر سختی کی وجہ علم کے باوجود حکم کی مخالفت ہے۔ اسے ڈرنا اور مخالفت سے باز رہنا چاہئے تھا۔ واللّٰہ غالب علی المرء ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ!

(متفق علیہ) بخاری نے فتن اور صفت النار میں اور مسلم نے آخر کتاب میں۔

الاقتاب: جمع قتب (جوہری) مگر ابوعبیدہ کہتے ہیں قتب وہ ہے جن کو حوایا کہتے ہیں اور جو پیٹ میں سمٹی ہوتی ہے۔ امعاء: جمع معنی یہ تو اقصاب کو کہتے ہیں (آنتیں)

تخريج: أخرجه أحمد (۸/۲۱۸۴۳) والبخاري (۳۲٦۷) و مسلم (۲۹۸۹)

۲۵ :بَابُ الْاَمْرِ بِاَدَآءِ الْاَمَانَةِ
باب: امانت کی ادائیگی کا حکم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا﴾ [النساء:۵۸]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم امانتیں امانت والوں کو پہنچا دو''۔ (النساء)

وَقَالَ تَعَالٰی :

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ [الاحزاب:۷۲]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''ہم نے امانت کو آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھایا بے شک وہ بڑا نادان اور بے باک ہے''۔ (الاحزاب)

آیات الباب

آیت ① ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ ......﴾ نہر میں ہے اس کا سبب نزول مفتاح کعبہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ امراء کے متعلق اتری کہ رعایا کے جن معاملات کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے ہو ان کو پورا کرو اور ماقبل سے اس کی مناسبت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے وعدے کا ذکر کیا اور اعمال صالحہ کا ذکر کیا تو پھر ان دونوں عظیم الشان کاموں کے متعلق ایمان والوں کو خبردار کیا کہ جس میں یہ دونوں خصلتیں ہوں اس کو دیگر اعمال صالحہ سے بھی متصف ہونا چاہئے۔ ایک جو اس کے اور دوسرے کے درمیان خاص ہے وہ اداء امانت ہے۔ دوسرا جو دو کے درمیان ہے یعنی عدل والا حکم جو خواہش سے خالی ہو۔ یہ وہ عظیم عمل ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا۔ صحیح ترتیب یہی ہے کہ انسان نیک کام کرنے اور دفع مضار میں اپنے سے ابتداء کرے پھر دوسرے میں مشغول ہو۔ اس لئے پہلے اداء امانت پھر حق کا حکم دینے کا امر فرمایا۔

آیت ② ﴿اِنَّا عَرَضنا الامانة......﴾ نہر میں لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ ہر امر و نہی جس کا دین و دنیا سے تعلق ہو۔ وہ مراد ہے پس شریعت تمام کی تمام امانت ہے اور ظاہر عرض امانت سے مراد اوامر و نواہی ہیں۔ علی السمٰوٰت کہ اگر تم نیکی کرو تو بدلہ برائی کرو تو سزا۔

فابین: یہ ناممکن نہیں کہ ان میں ادراک پیدا کر دیا جائے۔ جب ان من شی الا یسبح بحمدہٖ موجود ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی میں کنکریاں تسبیح پڑھنے لگیں، ستون سے رونے کی آواز آئی، مسموم بازو نے آپ سے بات کہی۔ پس عرض وغیرہ اس کے مطابق حقیقت پر محمول ہوں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جمادات کو فہم ملی ہے پس ان کو اٹھانے میں اختیار دیا گیا اور پہاڑوں کا تذکرہ اس لئے کیا کہ یہ زمین میں قوی چیز ہے اور ان کی صلاحیت معاملے کی بڑھائی وعظمت پر دلالت کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کے کمال عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے کہ اگر ان پر پیش کیا جائے اور یہ ادراک وشعور والی ہو جائیں تو ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کے اٹھانے سے ڈر جائیں گی۔ حملها الانسان: قوت کی کمزوری اور ضعف جسامت کے باوجود اٹھا لیا تو لازماً اسے دارین کا خیال حقوق سمیت کرنا ہوگا۔ ظلوماً: کیونکہ یہ اداء امانت کو چھوڑنے والا ہے۔ جھولا: عاقبت کی حقیقت سے ناواقف ہے۔ (بیضاوی دیکھیں) آیت کی تفسیر اور وجوہ سے بھی ہے۔

۲۰۱: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ'' مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ: ''وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ''۔

۲۰۱: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۲) وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ (۳) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور ایک روایت میں ہے کہ اگر چہ وہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور یہ گمان کرے کہ وہ مسلمان ہے''۔ (متفق علیہ)

تشریح ✿ آیة: اس کا معنی علامت ہے یعنی اس کے نفاق کی علامت جو اس کی نیت کے بگاڑ کو ظاہر کرتی ہے۔ ثلاث: یعنی تین خصال۔ مفرد لائے مگر مراد جنس ہے۔ ② علامت اس وقت واضح ہوگی جب تینوں ہوں۔ ظاہر روایت میں تین کا ذکر ہے حالانکہ دوسری روایت میں چار کا ذکر ہے۔

① قرطبی کہتے ہیں شاید کہ آپ ﷺ کو نئے سرے سے علم حاصل ہوا ہو جو پہلے نہ تھا۔

② عسقلانی کہتے ہیں دونوں روایات میں منافات نہیں۔ خصال کے گننے سے ضروری نہیں کہ وہ خصلت علامت بن جائے۔ مسلم کی روایت میں عدم معلوم ہوتا ہے۔ لفظ یہ ہیں: **من علامة المنافق ثلاث** سے ان میں سے بعض کو بتلایا اور دوسری دوسرے وقت بتلائیں۔

النحو: **اذا حدث کذب** یہ دوسری خبر ہے یا ماقبل کا بدل ہے جس میں ماقبل کی تفصیل ہے۔ گویا یہ خصلت سب سے قبیح ترین ہے۔ **اذا وعد**: جب وہ خیر کا وعدہ کرتا ہے۔ **اخلف** تو پورا نہیں کرتا۔ ماقبل اور اس میں مغایرت اس طرح ہے کہ خلاف ورزی کبھی بالفعل ہوتی ہے اور وہ کذب کے علاوہ ہے جو کہ قول کی صفت ہے۔ پھر اس کا دوسرا موقعہ وہ لوگ ہیں جو دوران وعدہ خلاف ورزی کا عزم کر لیں اور اگر وفاء کا عزم کرے جبکہ وعدہ ہو پھر قدرتی رکاوٹ پڑ جائے تو اس میں علامت نفاق نہ ہوگی۔ (سیوطی)

وعدہ کے پورا کرنے کا لزوم اس مذکورہ بات سے لازم نہیں ہوتا کیونکہ خلاف ورزی کی مذمت تو اس کے اندر مذموم کذب کے شامل ہونے کی وجہ سے ہے اور اس لئے بھی کہ اس نے خلاف ورزی کا عزم دوران وعدہ کر رکھا ہے۔ اس طرح کہ علامت نفاق اس کی تحریم کو لازم نہیں کرتی۔ وہ مکروہ اس لئے ہے کیونکہ وہ حرام کی طرف لے جانے والا ہے پس حرام کی علامت ہونا اس کا صحیح ہے۔ اس کی نظیر علامات قیامت ہیں ان میں بعض ایسی ہیں جو حرام نہیں۔

و اذا اؤتمن خان: ان خصائل کو خاص طور پر لائے۔ کیونکہ یہ ایسی مخالفت پر مشتمل ہیں جن پر نفاق کی بنیاد ہے یعنی ظاہر و باطن کا مخالف ہونا۔ کذب یعنی واقع کے خلاف اطلاع دینا اور امانت کا حق تو یہ ہے کہ اس کو صاحب حق کو دے دیں اور خیانت اس کی خلاف ورزی کرنے کو کہتے ہیں اور وعدہ کی خلاف ورزی تو ظاہر ہے۔ اسی لئے خلاف ورزی کی تصدیق کر دی۔

تخریج: أخرجه احمد (۳/۹۱۶۹) والبخاری (۳۳) و مسلم (۵۹) والترمذی (۲۶۳۱) والنسائی (۵۰۳۶) وابن حبان (۲۵۷) وابن مندة فی الإیمان (۵۲۷) و أبو عوانة (۲۱/۱) والبیهقی (۲۸۸/۶)

الفرائد: صرف کی روایت میں **وان صام وصلی** یعنی اگر چہ وہ ایمان والوں جیسے عمل کرے مثلاً نماز روزہ وغیرہ کرے یہ شرط آیاتِ مجملہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ بعض روایات میں **وحج واعتمر و قال انی مسلم** کے الفاظ بھی

ہیں۔ وزعم انه مسلم کہ وہ کامل الاسلام ہے۔ قرطبی کہتے ہیں ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس میں یہ تینوں خصائل پائے جائیں وہ ایسے نفاق کے درجہ میں پہنچ جاتا ہے جو کہ کفر ہے۔ جس کے متعلق مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: نفاق کا لفظ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آج کل کے زندقہ کے ہم معنی تھا۔ مگر یہ اس ظاہر کے مطابق معاملہ نہیں کیونکہ کتاب الایمان میں ہم لکھ چکے ہیں کہ معاصی سے انسان ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ اب جب اہل سنت کے مطابق ظاہری معنی نہیں تو اس کے معانی میں اختلاف ہے۔ ① نفاق عملی مراد ہے۔ ان کی فعلی صفات کفار والی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس میں یہ صفات ہوں وہ اس کا الٹ ظاہر کرتا پس منافق کا لفظ اس پر صادق آتا ہے۔ ② ایسا آدمی مراد ہے جس پر ان خصال کا غلبہ ہو جائے۔ وہ ان کو عادت بنالے اور اپنے معاملات میں تعاون استخفاف کی بھی پرواہ نہ کرے۔ جو اس طرح ہو وہ فاسد الاعتقاد ہونے کی وجہ سے منافق ہے۔

عمدہ تاویل: ③ یہ علامات آپ کے زمانہ میں علامات نفاق تھیں۔ آپ کے اصحاب ان سے گریزاں تھے نہ ان سے یہ واقع ہوئی اور نہ اس کو اپنے مابین پہچانتے تھے۔ اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان سے اس روایت کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور فرمایا: مالکم ولهن انما خصصت بهن المنافقين انتم من ذلك براء یہ روایت قاضی عیاض نے نقل کی ہے اور کہا کہ اسی تاویل کو تابعین اور ائمہ نے اختیار کیا ہے۔

۲۰۲: وَعَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَدِيْثَيْنِ قَدْ رَاَيْتُ اَحَدَهُمَا وَاَنَا اَنْتَظِرُ الْاٰخَرَ حَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ فَعَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَعَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنْ رَّفْعِ الْاَمَانَةِ فَقَالَ: يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ اَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهٗ عَلٰى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَّلَيْسَ فِيْهِ شَيْءٌ ثُمَّ اَخَذَ حَصَاةً فَدَحْرَجَهَا عَلٰى رِجْلِهٖ "فَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُوْنَ فَلَا يَكَادُ اَحَدٌ يُّؤَدِّي الْاَمَانَةَ حَتّٰى يُقَالَ اِنَّ فِيْ بَنِيْ فُلَانٍ رَجُلًا اَمِيْنًا، حَتّٰى يُقَالَ لِلرَّجُلِ مَا اَجْلَدَهٗ مَا اَظْرَفَهٗ مَا اَعْقَلَهٗ وَمَا فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِيْمَانٍ وَلَقَدْ اَتٰى عَلَيَّ زَمَانٌ وَّمَا اُبَالِيْ اَيُّكُمْ بَايَعْتُ: لَئِنْ كَانَ مُسْلِمًا لَيَرُدَّنَّهٗ عَلَيَّ دِيْنُهٗ، وَلَئِنْ كَانَ نَصْرَانِيًّا اَوْ يَهُوْدِيًّا لَيَرُدَّنَّهٗ عَلَيَّ سَاعِيْهِ وَاَمَّا الْيَوْمَ فَمَا كُنْتُ اُبَايِعُ مِنْكُمْ اِلَّا فُلَانًا وَ فُلَانًا" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

قَوْلُهٗ: "جَذْرٌ" بِفَتْحِ الْجِيْمِ وَاِسْكَانِ الذَّالِ الْمُعْجَمَةِ وَهُوَ اَصْلُ الشَّيْءِ وَ "الْوَكْتُ" بِالتَّاءِ الْمُثَنَّاةِ مِنْ فَوْقُ: الْاَثَرُ الْيَسِيْرُ وَ"الْمَجْلُ" بِفَتْحِ الْمِيْمِ وَاِسْكَانِ الْجِيْمِ وَهُوَ تَنَفُّطٌ فِي الْيَدِ وَنَحْوِهَا مِنْ اَثَرِ عَمَلٍ وَّغَيْرِهٖ - قَوْلُهٗ "مُنْتَبِرًا" مُرْتَفِعًا - قَوْلُهٗ "سَاعِيْهِ" الْوَالِيْ عَلَيْهِ۔

۲۰۲: حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتیں بیان فرمائیں ان میں سے ایک کو دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا منتظر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''امانت لوگوں کے دلوں کی جڑ میں اتری۔ پھر قرآن مجید نازل ہوا۔ پس لوگوں نے امانت کو قرآن مجید اور سنت سے پہچان لیا''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں امانت کے اٹھ جانے کے متعلق بیان فرمایا: ''کہ آدمی سوئے گا اور امانت اس کے دل سے قبض کر لی جائے گی پھر اس کا اثر ایک معمولی نشان کی طرح باقی رہ جائے گا۔ پھر وہ سوئے گا اور امانت اس کے دل سے اٹھالی جائے گی پس اس کا اثر آبلے کی طرح باقی رہ جائے گا۔ جیسے تم ایک انگارے کو اپنے پاؤں پر لڑھکاؤ تو اس پر آبلہ نمودار ہو جائے۔ پس تم اسے اُبھرا ہوا تو دیکھتے ہو مگر اس میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کنکری لی اور اسے پاؤں پر لڑھکایا۔ پس لوگ اس طرح ہو جائیں گے کہ آپس میں خرید و فروخت کرتے ہوں گے مگر ان میں کوئی امانت ادا کرنے کے قریب بھی نہ بھٹکے گا۔ یہاں تک کہا جائے گا کہ فلاں لوگوں میں ایک امانت دار آدمی ہے۔ یہاں تک آدمی کو کہا جائے گا کہ یہ کتنا مضبوط' ہوشیار اور عقلمند ہے۔ حالانکہ اس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا''۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک ایسا زمانہ بھی گزرا کہ میں پرواہ نہ کرتا تھا کہ مجھ سے کس نے خرید و فروخت کی بشرطیکہ وہ مسلمان ہوتا۔ اس لئے کہ اس کا دین مجھ پر میری چیز کو ضرور واپس کردے گا اور اگر وہ یہودی یا عیسائی ہوتا تو اس کا کارندہ مجھ پر میری چیز کو ضرور واپس کردے گا مگر آج کل تو میں صرف فلاں فلاں سے ہی خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہوں۔ (متفق علیہ)

جَذْرٌ: چیز کی اصل۔ الْوَکْت: معمولی اثر اور نشان

اَلْمَجْلُ: کام کاج کے نتیجہ میں ہاتھ پر پڑنے والا اثر۔

مُنْتَبِرًا: اونچا' بلند۔

سَاعِیْہِ: نگران' کارندہ۔

تشریح ۞ حدیثین: سے مراد ① **الامانت نزلت فی جذر قلوب الرجال** اور ② رفع امانت والی روایات مراد ہیں۔ ایک پیش آچکی دوسری کا منتظر ہوں۔ **الامانہ** امانت سے بظاہر امراد بندوں سے لیا جانے والا تکلیفی معاہدہ ہے۔ جو اس ارشاد میں ہے: ﴿**انما عرضنا الامانة**......﴾ صاحب تحریر کہتے ہیں یہ عین ایمان ہے۔ جب بندے کے دل میں یہ پختہ ہو جائے تو وہ تکلیفی ذمہ داریوں کو ادا کرتا ہے۔ اور اس پر جو تکلیف آئے اس کو برداشت کرتا ہے۔ **جذر قلوب الرجال** یعنی وہ فطرت انسانی میں رکھی گئی۔ **ثم نزل القرآن** قرآن مجید جہالتوں کی امراض کے لئے شفاء اور شبہات کے اندھیروں کو دور کرنے والا ہے۔ **فعملوا**: اس امانت کو قرآن مجید کی اس آیت **انا عرضنا الامانہ** سے جانا۔ **علموا من السنہ** اس حدیث مذکور سے جانا۔ حاصل یہ ہے کہ امانت فطرۃ میں بھی تھی اور کسباً بھی قرآن وسنت سے حاصل کر لی۔ **عن رفع الامانة** یعنی علم امانت۔ **النومة**: ایک مرتبہ سونا۔ **فتقبض الامانة** اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے جو اس کا سبب بنے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**ان الله لا يغير ما بقوم**......﴾ جب تک لوگ صحیح بات کو نہیں چھوڑتے اللہ تعالیٰ کی رحمت والا معاملہ بھی نہیں بدلتا اور یہ بھی

ممکن ہے کہ امانت کی مدت دنیا میں ختم ہو چکی ہو۔ الوکت: معمولی اثر (ہروی) بعض نے کہا معمولی سیاہی۔ یا پہلی رنگت میں معمولی تبدیلی۔ ثم ینام النومة: اس کا مکمل اثر جاتا رہے گا۔ المجل: (آبلہ) فتراہ منترا یہ پہلے کا بدل ہے۔ لیس فیہ شئی یعنی خالی ہے مگرا بھرا ہوا ہے۔ ثم کولا کر لڑ کھانے کی کیفیت کو بیان کیا گیا۔

صاحب تحریر کہتے ہیں کہ ظاہر الفاظ روایت کے یہی ہیں مگر روایت کا مطلب یہ ہے کہ امانت دلوں سے آہستہ آہستہ زائل ہوتی ہے۔ جب اس کا پہلا جزء زائل ہوتا ہے تو اس کی روشنی چلی جاتی ہے۔ پھر اندھیرا وکت کی طرح رہ جاتا ہے اور یہ اس پہلے رنگ کے خلاف رنگ ہے اور کوئی چیز زائل ہو جاتی ہے تو وہ مجل کی طرح ہو جاتا ہے جو کہ ایک پختہ اثر ہے جو مدت بعد زائل ہوتا ہے۔ یہ ظلمت پہلی سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ پھر اس نور کے زائل ہونے کو جو کہ پہلے دل میں آیا استقرار پکڑا پھر نکلا اور ظلمت چھوڑ گیا اس کو اس انگارے سے تشبیہ دی جس کو پاؤں پر لڑ کھا دیں تو پاؤں پر اثر ہو جاتا ہے انگارہ تو زائل ہو جاتا ہے مگر آبلہ باقی رہتا ہے اور کنکری لینا یہ مزید وضاحت کے لئے ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ زیادہ بہتر مفہوم ہے۔ فیصبح الناس: اس نیند کے بعد کہ جس میں امانت اٹھائی جائے گی۔ فلا یکاد: کوئی امانت ادا کرنا تو درکنار اس کے قریب بھی نہ جائے گا۔ یقال: اس وصف کے دھوکا اور اس وصف کی شہرت کی وجہ سے لوگ کہتے ہیں امیناً: امانت دار۔ ما اجلدہ ما اظرفہ کہ وہ عمل میں کس قدر مضبوط' کتنا فطین و بیدار مغز ہے۔ من ایمان: ایمان کا ایک ذرہ بھی نہ ہوگا چہ جائیکہ امانت پائی جائے جو کہ اس کا ایک جز ہے۔

بایعت ① معروف بیع سے مراد صاحب تحریر کے نزدیک بیعت خلافت اور امور دین کے سلسلہ میں حلف برداری ہے۔ مگر نووی کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں۔ حدیث کے کئی مقامات اس کی تردید کر رہے ہیں مثلاً متن کان یهودیا او نصرانیا: یہ تو ظاہر ہے کہ یہود سے تو امور دین کے سلسلہ میں عقد نہیں ہو سکتا۔

النحو: جملہ حالیہ ہے اور عائد محذوف ہے یعنی مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں کس کی بیعت کروں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ امانت اور وفاء عہد لوگوں میں باقی ہے۔ میں کسی کے حال کی پڑتال کی بجائے بیعت میں پہل کرنے والا تھا۔ اس لئے کہ لوگوں پر اعتماد تھا۔ اللہ کی قسم لئن کان مسلم لیردنہ تو اس کا دین اس کو امانت کی ادائیگی پر آمادہ کرے گا اور وہ خیانت نہ کرے گا۔ وان کان نصرانیا: اگر وہ ذمی ہے تو اس ایمان تو نہیں جس سے امانت کی ادائیگی کرے مگر اس کا نگران اس کو درست رکھے گا اور وہ میرا حق اس سے دلوا دے گا۔ اما الیوم: امانت کا اکثر حصہ جا چکا۔ وابائع میں فلاں' فلاں افراد سے معاملہ کرتا ہوں کیونکہ ان کو پہچانتا ہوں اور ان پر اعتماد کرتا ہوں۔

کرمانی کہتے ہیں امانت کے اٹھنے کا سلسلہ جب زمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ظاہر ہوا تو پھر حذیفہ رضی اللہ عنہ کے قول انا انتظر الثانیہ کا کیا مطلب یہ ہے۔ جواب یہ ہے اس انتظار سے وہ اٹھنا مراد ہے جس کا اثر مجل کی طرح ہو ورنہ بمثل فلانا کا استثناء درست نہیں ہوگا۔ یہ روایت اعلام نبوت میں سے ہے۔ (متفق علیہ) بخاری نے کتاب الرقاق' الفتن' الاعتصام میں تحریر کی۔ مسلم نے ایمان میں' ترمذی' ابن ماجہ نے فتن میں اسے روایت کیا (اطراف مزی) جِذر یہ جیم کے کسرہ و فتحہ دونوں سے آتا ہے۔ اصل کو کہتے ہیں۔ المجل میں میم مفتوح اور جیم ساکن اور مفتوح دو لغات ہیں۔ مجل و تمجل (آبلہ پڑنا) الساعی والی۔

تخریج: أخرجه البخاری (٦٤٩٧) و مسلم (١٤٣) والترمذی (٢١٧٩) و ابن ماجه (٤٠٥٣)

۲۰۳ : وَعَنْ حُذَيْفَةَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :''يَجْمَعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى النَّاسَ فَيَقُوْمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَيَاْتُوْنَ اٰدَمَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَيَقُوْلُوْنَ :يَا اَبَانَا اسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ :وَهَلْ اَخْرَجَكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ اِلَّا خَطِيْئَةُ اَبِيْكُمْ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اذْهَبُوْا اِلٰى ابْنِيْ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلِ اللّٰهِ قَالَ فَيَاْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ : لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِنَّمَا كُنْتُ خَلِيْلًا مِّنْ وَّرَآءَ وَرَآءَ اعْمِدُوا اِلٰى مُوْسٰى الَّذِيْ كَلَّمَهُ اللّٰهُ تَكْلِيْمًا- فَيَاْتُوْنَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُوْلُ :لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اذْهَبُوْا اِلٰى عِيْسٰى كَلِمَةِ اللّٰهِ وَرُوْحِهٖ فَيَقُوْلُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ فَيَاْتُوْنَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْمُ فَيُؤْذَنُ لَهٗ وَتُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَيَقُوْمَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْنًا وَشِمَالًا فَيَمُرُّ اَوَّلُكُمْ كَالْبَرْقِ قُلْتُ :بِاَبِيْ وَّاُمِّيْ اَيُّ شَيْءٍ كَمَرِّ الْبَرْقِ؟ قَالَ :اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ فِيْ طَرْفَةِ عَيْنٍ ثُمَّ كَمَرِّ الرِّيْحِ ثُمَّ كَمَرِّ الطَّيْرِ وَاَشَدِّ الرِّجَالِ تَجْرِيْ بِهِمْ اَعْمَالُهُمْ وَنَبِيُّكُمْ قَائِمٌ عَلَى الصِّرَاطِ يَقُوْلُ :رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتّٰى تَعْجِزَ اَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتّٰى يَجِيْءَ الرَّجُلُ لَا يَسْتَطِيْعُ السَّيْرَ اِلَّا زَحْفًا وَّفِيْ حَافَتَيِ الصِّرَاطِ كَلَالِيْبُ مُعَلَّقَةٌ مَّامُوْرَةٌ بِاَخْذِ مَنْ اُمِرَتْ بِهٖ ، فَمَخْدُوْشٌ نَاجٍ ، وَمُكَرْدَسٌ فِي النَّارِ'' وَالَّذِيْ نَفْسُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ بِيَدِهٖ اِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعُوْنَ خَرِيْفًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

قَوْلُهٗ ''وَرَآءَ وَرَآءَ'' هُوَ بِالْفَتْحِ فِيْهِمَا وَقِيْلَ بِالضَّمِّ بِلَا تَنْوِيْنٍ وَمَعْنَاهُ لَسْتُ بِتِلْكَ الدَّرَجَةِ الرَّفِيْعَةِ وَهِيَ كَلِمَةٌ تُذْكَرُ عَلٰى سَبِيْلِ التَّوَاضُعِ - وَقَدْ بَسَطْتُّ مَعْنَاهَا فِيْ شَرْحِ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ'' وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

۲۰۳: حضرت حذیفہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع فرمائے گا پس مؤمن کھڑے ہو جائیں گے۔ پھر جنت ان کے قریب کر دی جائے گی پس وہ حضرت آدم کی خدمت میں آئیں گے اور ان سے کہیں گے۔ ابا جان! ہمارے لئے جنت کھلوا دیجئے۔ وہ فرمائیں گے۔ (کیا تمہیں معلوم نہیں) کہ تمہیں تمہارے باپ کی غلطی نے ہی جنت سے نکلوایا تھا۔ اس لئے میں اس کا اہل نہیں۔ تم میرے بیٹے ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ۔ پس وہ ابراہیم کے پاس آئیں گے۔ وہ بھی کہیں گے میں اس کا اہل نہیں۔ میں یقیناً اللہ کا خلیل تھا لیکن یہ منصب اس سے بہت بلند تر ہے۔ تم موسیٰ کے پاس جاؤ جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔ پس وہ موسیٰ کے پاس آئینگے آپ بھی معذرت کر دیں

گے کہ میں اس کا اہل نہیں۔ تم عیسیٰ کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ کا کلمہ اور اسکی روح ہیں۔ عیسیٰ بھی فرمائیں گے میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ پھر وہ لوگ حضرت محمدؐ کے پاس آئیں گے۔ پس آپؐ کھڑے ہوں گے (اور سفارش کریں گے) اور آپؐ کو اجازت سفارش دے دی جائے گی۔ پھر امانت اور صلہ رحمی دونوں کو چھوڑا جائے گا۔ پس وہ پل صراط کے دائیں، بائیں کھڑی ہو جائیں گی۔ پس لوگ گزرنا شروع ہوں گے۔ پہلا تمہارا گروہ بجلی کی طرح گزر جائے گا۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں بجلی کی طرح گزرنے کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بجلی پلک جھپکنے میں گزر کر لوٹ آتی ہے (مراد بہت تیزی سے) پھر دوسرا گروہ ہوا کی مانند۔ پھر پرندے کی مانند۔ مضبوط آدمیوں کو پل صراط پر ان کے اعمال تیز دوڑا کر لے جائیں گے اور تمہارے پیغمبرؐ پل صراط پر کھڑے دعا فرما رہے ہوں گے۔ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔ اے میرے ربّ بچا بچا۔ یہاں تک کہ بندوں کے اعمال انکو تیز چلانے سے عاجز آ جائیں گے۔ یہاں تک کہ آدمی آئے گا جو چلنے کی طاقت ہی نہیں رکھے گا مگر صرف گھسٹ کر چلے گا اور پل صراط کے دونوں کناروں پر کانٹے لٹکے ہوں گے جو اس بات پر مامور ہوں گے کہ جن کے متعلق ان کو پکڑنے کا حکم ملا انکو پکڑ لیں۔ پھر کچھ لوگ زخمی ہوں گے مگر نجات پا جائیں گے اور بعض کو الٹا کر کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں ابو ہریرہ کی جان ہے کہ جہنم کی گہرائی ستر خریف ہے۔ (مسلم)

وَرَاءَ باوُرَاءَ: دونوں طرح ہے۔ مراد یہ ہے کہ میں اس بلند مرتبہ کے لائق نہیں۔ یہ لفظ تواضعاً کہے جاتے ہیں۔ شرح مسلم میں ان کی تفصیل لکھ دی گئی ہے۔

تشریح ۞ **یُجمَع**: یہ مضارع مجہول ہے ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔

النحو: **الناس**: یہ مفعول ہے۔ بعث کے بعد محشر کی زمین میں جمع کیا جائے گا۔ **المؤمنون**: کفار کے علاوہ۔ اوّل منافقین بھی شامل ہوں گے پھر پل صراط پر امتیاز کیا جائے گا۔

تزلف: قریب کردی جائے گی جیسا فرمایا: ﴿**وازلفت الجنه للمتقین**.....﴾

استفتح لنا الجنة: اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے جنت کے کھلنے کا سوال کروتا کہ ہم اس میں داخل ہو جائیں۔

مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام:

هل اخرجكم من الجنه الا خطيئة ابيكم: نووی کہتے ہیں کہ قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ:

① اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نبوت سے پہلے اور بعد کفر سے انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ کبائر سے بھی وہ معصوم ہیں۔ البتہ وجہ عصمت میں اختلاف ہے۔ بطریق عقل، بطریق شرع۔ ابو اسحاق کہتے ہیں یہ دلیل اعجاز کے مقتضیٰ سے ممتنع ہے قاضی باقلانی کہتے ہیں بطریق اجماع یہ ممتنع ہے۔ بقول معتزلہ بطریق عقل۔

② اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان سے جو قولاً ثابت ہے۔ اس میں ہر حال میں عصمت بطریق فعل جو وارد ہے۔ بعض اس میں مطلقاً عصمت کی طرف گئے یہاں تک کہ وہ سہو ونسیان کو بھی جائز نہیں مانتے اور سہو والی روایات کی تاویل کرتے ہیں۔

یہ استاذ ابومظفر سفرائنی اور مشائخ متصوفہ کا مذہب ہے۔ بعض محققین اور جماہیر علماء نسیان وسہو کے جواز کے قائل ہیں اور یہی برحق ہے۔ پھر اس سہو پر ان کو خبر دار کر دیا جاتا اسی وقت جیسا کہ جمہور متکلمین کا قول ہے یا ان کی وفات سے پہلے تاکہ وہ اپنی مدت کے اختتام سے پہلے اس کا حکم لوگوں پر واضح کر دیں اور جوان پر اتارا گیا اس کا پہنچانا کامل ہو جائے۔

③ اس بات میں بھی اتفاق ہے کہ وہ ان تمام صغائر سے معصوم ہیں جو کرنے والے کو عیب دار کرتے ہیں یا اس کے مرتبے کو گراتے ہیں یا ان کی مروت کو عیب دار کرتے ہیں۔

④ اہل تحقیق ونظر کی ایک جماعت نے ان کے علاوہ صغائر سے بھی معصوم تسلیم کیا ہے اور منصب نبوت کو اس سے بلند قرار دیا کہ وہ عمداً اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے صغائر میں مبتلا ہوں۔ ان احادیث وآیات پر بحث کی اور ان کی تاویل کی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کے متعلق آیات وروایات میں جو کچھ وارد ہے وہ تاویل یا سہو یا بلا اذن انہوں نے ایسی اشیاء کو کیا جن میں انہیں نہ کرنے پر مواخذہ کا خدشہ محسوس ہوا اور یہ تینوں حق راہیں ہیں کیونکہ اگر ان سے اور بہت سے اقوال سے اس بات کو قصداً مان لیا جائے تو پھر ان کے افعال واقرا میں اقتداء لازم نہیں رہتی اور اقتداء اقوال وافعال میں تو سب کا اتفاق ہے۔ البتہ اس کے وجوب' مندوب اور مباح ہونے میں اختلاف ہے۔ مزید وضاحت شفاء میں دیکھیں۔ علامہ صابونی بخاری نے بھی اس میں ایک شاندار کتاب لکھی ہے۔

لست بصاحب ذلك: میں اس مقام بلند والا نہیں۔ قاضی کہتے ہیں یہ مقولہ آدم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم وعلی نبینا علیہ السلام نے بطور تواضع اور اس مطالبے کو بہت بڑا سمجھ کر کہا ہے۔ ② اور اس میں یہ بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ یہ مقام میرا نہیں دوسرے کا ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے متعلق بتلاتا جائے گا۔ یہاں تک کہ معاملہ اس مقام والے تک پہنچ جائے گا۔ ③ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ شاید ان کو معلوم ہو کہ یہ مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور ایک دوسرے پر ڈالنا یہ تدریج شفاعت الی نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ اس میں بڑی عمر والے آباء کو ابناء سے مقدم رکھا گیا جس کی حکمت یہ ہے تاکہ آپ کا کمال شرف تمام پر ظاہر ہو جائے۔ اگر لوگ پہلے ہی آپ کے پاس آتے اور آپ ان کی بات کو قبول کر کے شفاعت فرماتے تو کمال امتیاز ظاہر نہ ہوتا یہ احتمال رہتا کہ یہ معاملہ آپ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا مشترک تھا۔ جب ہر ایک اس سے پیچھے ہٹا اور وہ آگے بڑھے جن کو معلوم تھا کہ وہ السید المقدم ہیں تو امتیاز ہو گیا۔

خلیل الرحمان: الخلة: ① خاص کرنا اور چننا' جس سے دوستی کی سب سے کٹ کر اسی کا ہو جانا۔ ② یہ خلت بمعنی حاجت سے لیا گیا ہے۔ ان کو یہ لقب اس لئے ملا کہ انہوں نے اپنی حاجت کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں بند کر دیا۔ ③ ایک قول یہ ہے کہ ایسی خالص دوستی جو رازداری کا باعث ہو۔ ④ ایک قول یہ ہے محبت والطاف (قاضی عیاض) ⑤ نووی وغیرہ نے کہا وہ محب جس کی محبت کامل ہو اور وہ محبّ حقیقت محبت کو پورا کرنے والا ہو۔ یہ دونوں ایسے محبّ ہیں جن کی محبت میں نقص وخلل نہیں ہے۔ ⑥ واحدی نے اسی قول کو اختیار کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ خلیل ابراہیم اور ابراہیم خلیل الرحمان ہیں اور جبکہ خلت کو حاجت کے معنی میں لیا جائے تو اس معنی کا لحاظ کر کے یہ کہنا درست نہیں کہ اللہ ابراہیم علیہ السلام کے خلیل ہیں۔ ذلك سے مقام مراد ہے۔

وراء کی حکمتیں:

وراء وراء: صاحب تحریر نے لکھا ہے یہ کلمہ بطور تواضع ہے یعنی میں اس بلند درجہ میں نہیں۔ایک عجیب بات میرے دل میں آئی کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مکارم جو مجھے دیئے گئے وہ سفارت جبرئیل علیہ السلام سے تھے۔ کلمه الله تکلیما: تم موسیٰ کا قصد کرو اس کو بلا واسطہ سماع نصیب ہوا۔ وراء کو دو مرتبہ لایا گیا کیونکہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر واسطہ کے کلام اور رؤیت ملی۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں موسیٰ کے پیچھے ہوں جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہیں (کذا قال صاحب التحریر) نووی کہتے ہیں وراء میں بلا تنوین فتحہ ہے۔ان کا مبنی علی الضم ہونا بھی درست ہے۔ابوالبقاء نے ضمہ کو درست قرار دیا کیونکہ تقدیر عبارت یہ ہے: او من وراء شی آخر۔

النحو: قرطبی کہتے ہیں لفظاً مضاف نہ ہونے کی وجہ سے یہ مبنی علی الضم ہے اور دوسرا وراء وہ پہلے کی طرح بھی ہوسکتا ہے۔ ② پہلے کی تاکید لفظی بن جائے۔ ③ پہلے کا بدل ④ پہلے کا عطف بیان بھی بن سکتا ہے۔(کذا قال القرطبی) اگر فتحہ پہلے پر درست ہو تو شذر مذر کی طرح کلمہ مؤکد بنے گا اور بین بین گر گیا فتحہ دونوں پر آ گیا مبنی علی الفتحہ پڑھا گیا اور اگر یہ تنوین سے منصوب ہے تو بڑے عمدہ انداز و جواز سے فتحہ ثابت ہے۔ بقول جوہری عرب کہتے ہیں لقیته من وراء: غایت کی بناء پر مرفوع ہے جیسے من قبل اور من بعد جیسا شاعر نے کہا

اذا انا لم او من علیك ولم یکن ☆ لقاؤك الاّ من وراءُ وراءُ

دونوں میں ضمہ ہے۔

قرطبی کہتے ہیں اس میں صحیح روایت مد کے ساتھ دونوں ہمزہ کے مفتوح ہونے کی ہے ان کے شیخ ابوالصبر ایوب نے من وراء من وراء۔ من کے تکرار اور دونوں ہمزہ کے فتحہ سے پڑھا ہے۔ ② یہ اضافت سے منقطع ہو کر مضاف معین مقصود نہ بنا پس یہ اسم علم کی طرح بن گیا اور یہ مونث ہے۔جوہری کہتے ہیں یہ مونث ہے اس کی تصغیر وریئہ ہے۔اس کے مطابق اس کی ہمزہ تانیث کی نہ ہوگی کیونکہ الف تانیث ساکن نہیں ہوتا۔وراء یہ مبنی علی الفتحہ ہے یہ محاورہ عرب فلان یا شیاماء وصباح: کی طرح ہے۔ایک قول میں ضمہ بلا تنوین بھی آیا ہے۔اس وقت یہ اسماء غایات سے ہوگا۔ فیأقول موسی تو وہ فرمائیں گے میں اس مقام والا نہیں۔عیسی یہ الیسوع کا معرب ہے۔جنہوں عیس سے اس کو مشتق قرار دیا وہ تکلف ہے (بیضاوی)

تحقیق کلمۃ اللہ:

کلمة الله: یہ فتحہ کے ساتھ تھا کسرہ دیا گیا۔ ① یہ عیسیٰ علیہ السلام پر بولا جاتا ہے کیونکہ وہ اس کے خاص حکم سے پیدا ہوئے اور وہ یہ ارشاد ہے: کن دون اب پس یہ عالم امر کی نئی ایجادات کی طرح ہوگیا (بیضاوی) ② ابن حجر کہتے ہیں ان کو کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دلیل ہے اس کے بندوں پر کہ اس کو بغیر باپ پیدا کیا اور غیر اداں نطق کے گویائی دی اور ان کے ہاتھ پر مردوں کو زندہ کیا۔ ③ بعض نے کہا کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ کن سے وجود دیا جب وہ اس کے کلام سے ہوئے تو اسی سے نام رکھ دیا جیسے سیف اللہ اسد اللہ۔ ④ بعض نے کہا انہوں نے بچپن میں کہا: انی عبد اللّٰہ تو اعزاز اً ان کو کلمۃ اللہ فرمایا گیا۔

وروحه: اس میں نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے یا دلوں کو زندہ کرتے تھے۔ ② اس کا مضاف مقدر ہے۔ معنی یہ ہے انه ذو روح من الله عزوجل نہ کہ اس پانی کے واسطہ سے جو اصل اور مادہ کی جگہ کام دیتا ہے۔
فیقول عیسی: ان کے آنے اور سوال کرنے کے بعد فرمائیں گے۔ یہ بات کلام کے اندر سے خود معلوم ہو رہی ہے کہ میں اس مقام والا نہیں یہاں با تاکید کے لئے زائدہ ہے۔
فیأتون محمدًا صلی الله علیه وسلم: عیسیٰ علیہ السلام کی راہنمائی کی وجہ سے وہ آپ ﷺ کے ہاں آئیں گے۔ جیسا دوسری روایات میں آیا ہے۔ یہ کلام کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی سمجھ آ رہا ہے کہ وہ کہیں گے یا رسول الله استفتح لنا الجنه یا اشفع لنا فی الاراحة من طول المواقف: جیسا دوسری روایات میں ہے۔ **فیقوم:** پس آپ ﷺ عرش کی طرف کھڑے ہوں گے اور اس کے نیچے سجدہ کریں گے اور آپ ﷺ پر اس وقت وہ محامد کھولے جائیں گے جو اب تک کھولے نہیں گئے۔ **فیوذن له:** پھر شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔ **ترسل الامانه والرحم:** یہ مضارع مجہول ہے۔ وہ قرابت جس کے شرعی تعلق کا مطالبہ ہوگا۔ نووی کہتے ہیں ان کا چھوڑنا ان کی عظمت اور ان کے موقع کی بڑائی کو ظاہر کرنے کے لئے ان کو دو شخصوں کی صورت دی جائے گی۔ صاحب تحریر کہتے ہیں کلام میں اختصار ہے سامع خود سمجھ لیتا ہے کہ یہ دونوں اپنے حق کا مطالبہ کرنے کھڑے ہوں گے جو صراط سے گزرے گا۔ **اولکم:** اے مخاطبین مراد امت ہے۔ جو اعلیٰ اور اوّل ہوگا **کالبرق:** بجلی کی تیزی سے۔ **بابی و امی:** میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان۔ **کمر البرق:** سائل نے کہا اس کا مطلب کیا ہے۔ فرمایا بجلی جیسے آتے جاتے پلک جھپک میں گزر جاتی ہے۔ طرف بطرف پلک کو ایک دوسرے پر رکھنا۔

صاحب کشاف کہتے ہیں: **انا اتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك** ① کم مدت کو بیان کرنے کی مثال بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے کہیں **افعل لحظة وفی ردة طرف** اور جو اسی طرح کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جس سے سرعۃ مقصود ہوتی ہے صاحب تفسیر بیضاوی نے کہا یہ انتہائی تیزی کو بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے۔ **ثم** رتبہ میں تراخی کے لئے ہے یعنی پھر وہ جماعت گزرے گی جو پہلی کے بعد ہے۔ **ثم** یہ تیسری جماعت ہے جو پرندے کی طرح اور **شد الرجال:** یہ راجل کی جمع ہے مشہور روایت یہی ہے۔ **شد** مکمل دوڑ کو کہتے ہیں۔ **تجری بهم اعمالهم** یہ **فیمر اولکم** کے لئے تفسیر کی طرح ہے۔ یعنی تم رفتار کی تیزی میں اعمال و مراتب کے لحاظ سے ہوگے۔ **ونبیکم:** امت پر مزید شفقت و عنایت کی وجہ سے پل صراط کے پاس کھڑے ہوں گے تا کہ آپ ﷺ کی امت خوف کے مقامات سے بچ جائے اور آپ ﷺ کی وجہ سے کئی قسم کی تکالیف دور کر دی جائیں گی۔ **یقول:** اور یہ دعا فرماتے ہوں گے: **رب سلم سلم** کیونکہ پل صراط پر گزرنے میں خوفناکیاں اور پھسلنیں ہیں۔

النّحو: یہ مبتداء سے حال ہے۔ ② دوسری خبر ہے جو بصورت جملہ ہے۔ ③ سوال مقدر کا جواب بن کر جملہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ کے قیام کی کیفیت کیا ہوگی جواب دیا دعا فرما رہے ہوں گے۔ **رب** سے پہلے اختصار کے لئے حرف نداء حذف کر دیا اور مسلم کی روایت میں انبیاء علیہم السلام کی دعا مذکور ہے **اللهم سلم سلم**۔ شاید کبھی اللهم اور کبھی رب کہتے ہوں۔

فَائِدَة: دعا حسب موقعہ ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام ہر مقام پر مناسب دعا فرماتے ہیں۔

حتی تعجر اعمال العباد: راستہ پر تیزی میں پیچھے رہنے والوں کے اعمال تیز چلنے سے عاجز کردیں گے۔ وہ آہستہ چلیں گے یہاں تک کہ چلنے سے عاجز آجائیں گے۔ لیکن ان میں چلنے کو برداشت کی قوت ہوگی اور آدمی آئے گا اور پل پر چلنے کی طاقت نہ ہوگی۔ فقط زحفا: گھسٹ کر۔ کیونکہ قوت رفتار ختم ہوچکی ہوگی۔ سیوطی کہتے ہیں زحف: سرین پر گھسٹ کر چلنا۔ مسلم کی روایت میں **یسحب سحبًا** کے لفظ آخری گزرنے والے کے لئے آئے ہیں۔ **وحافتنی الصراط** یعنی واؤ حالیہ یا عاطفہ۔ دونوں اطراف۔ **کلا لیب** جمع کَلُّوب مڑے ہوئے سر والا لوہا جس پر گوشت لٹکایا جاتا ہے اور تنور میں لٹکا دیا جاتا ہے۔ مگر صاحب مطالع نے ایسی لکڑی جس کے آخر میں لوہے کا کیل لگا ہو کبھی تمام تر لوہے کا بھی ہوتا ہے ایک کو کلاب بھی کہتے ہیں یہ پل صراط کے ساتھ لٹکے ہوں گے۔ **باخذ من امرت** ممکن ہے کہ ان میں ادراک ہو ان کو پکڑیں گے جن کے لئے ان کو مامور کیا گیا ہے۔ ② اور یہ بھی ہے کہ ان کا چلایا جانا ہی ان کے قریب سے ہوتا کہ یہ پکڑے جائیں۔

النحو : **معلّقه مامورة** یہ کلالیب کی صفت مرفوعہ ہے۔ ② البتہ حال متداخلہ یا مترافہ کی صورت میں نصب بھی جائز ہے۔ اس صورت میں کلالیب خبر مقدم کی وجہ سے خاص ہوگا۔ مخدوش: خراش والے۔ پل صراط پر لٹکی چیزوں سے۔ ناج: یہ خراش والوں کی نجات پانے والی جماعت ہوگی۔ **سکردس فی النار** یہ مخدوش کی دوسری قسم ہے۔ یہ مکدوس اور وال کے ساتھ اور مکدوس دال واؤ کے ساتھ قریب المعنی روایات میں آئے ہیں۔ اس کا معنی ایک دوسرے پر چڑھ جانا۔ قاضی عیاض نے اسی طرح روایات نقل کی اور عذری نے شین سے بیان کیا اور اس کا معنی چلانا ہے۔ بیدہ سے مراد ارادۂ قدرت ہے۔ یہ دوسری حدیث کی وجہ سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مدرج کلام ہے۔

ان قعر جهنم لسبعون: یہ واؤ سے ہے۔ اس میں حذف ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ **انه مسافة قعر جهنم سیر سبعین خریفًا** اور بعض روایات میں سبعین وارد ہے اور یہ صحیح ہے۔ ① حذف مضاف کی وجہ سے **ای سیر سبعین** ② قعر مصدر ہے جیسے کہتے ہیں: **قعرت الشی**: گہرائی میں پہنچنا۔ سبعین ظرف زمان اور اس میں ان کی خبر ہے۔ تقدیر یہ ہے **ان بلوغ قعر جهنم لکائن فی سبعین خریفا**۔

خریف: سال کو کہتے ہیں (مسلم) بخاری اس میں منفرد ہیں اور اسی طرح اصحاب سنن۔

تخریج: أخرجه مسلم (۱۹۵)

٢٠٤ : وَعَنْ اَبِیْ خُبَیْبٍ "بِضَمِّ الْخَآءِ وَالْمُعْجَمَةِ" عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَیْرِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ : لَمَّا وَقَفَ الزُّبَیْرُ یَوْمَ الْجَمَلِ دَعَانِیْ فَقُمْتُ اِلٰی جَنْبِهٖ فَقَالَ : یَا بُنَیَّ اِنَّهٗ لَا یُقْتَلُ الْیَوْمَ اِلَّا ظَالِمٌ اَوْ مَظْلُوْمٌ وَّاِنِّیْ لَا اُرَانِیْ اِلَّا سَاُقْتَلُ الْیَوْمَ مَظْلُوْمًا وَاِنَّ مِنْ اَکْبَرِ هَمِّیْ لَدَیْنِیْ اَفَتَرٰی دَیْنَنَا یُبْقِیْ مِنْ مَّالِنَا شَیْئًا؟ ثُمَّ قَالَ : یَا بُنَیَّ بِعْ مَالَنَا وَاقْضِ دَیْنِیْ ، وَاَوْصٰی بِالثُّلُثِ وَثُلُثَهٗ لِبَنِیْهِ ، یَعْنِیْ لِبَنِیْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَیْرِ ثُلُثُ الثُّلُثِ ۔ قَالَ فَاِنْ فَضَلَ مِنْ مَالِنَا بَعْدَ قَضَآءِ الدَّیْنِ شَیْءٌ فَثُلُثُهٗ لِبَنِیْكَ

قَالَ هِشَامٌ وَّكَانَ وَلَدُ عَبْدِ اللّٰهِ قَدْ رَاٰى بَعْضَ بَنِى الزُّبَيْرِ خُبَيْبٍ وَّعِبَادٍ وَّلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعَةُ بَنِيْنَ وَتِسْعُ بَنَاتٍ ـ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ : فَجَعَلَ يُوْصِيْنِى بِدَيْنِهٖ وَيَقُوْلُ : يَا بُنَىَّ اِنْ عَجَزْتَ عَنْ شَىْءٍ مِّنْهُ فَاسْتَعِنْ عَلَيْهِ بِمَوْلَاىَ ـ قَالَ : فَوَ اللّٰهِ مَا دَرَيْتُ مَا اَرَادَ حَتّٰى قُلْتُ : يَا اَبَتِ مَنْ مَوْلَاكَ؟ قَالَ : اَللّٰهُ قَالَ : مَا وَقَعْتُ فِىْ كُرْبَةٍ مِّنْ دَيْنِهٖ اِلَّا قُلْتُ يَا مَوْلَى الزُّبَيْرِ اقْضِ عَنْهُ دَيْنَهٗ فَيَقْضِيْهِ قَالَ : فَقُتِلَ الزُّبَيْرُ وَلَمْ يَدَعْ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا اِلَّا اَرَضِيْنَ مِنْهَا الْغَابَةُ وَاِحْدٰى عَشْرَةَ دَارًا بِالْمَدِيْنَةِ وَ دَارَيْنِ بِالْبَصْرَةِ وَدَارًا بِالْكُوْفَةِ وَ دَارًا بِمِصْرَ ـ قَالَ : وَاِنَّمَا كَانَ دَيْنُهُ الَّذِىْ كَانَ عَلَيْهِ اَنَّ الرَّجُلَ كَانَ يَاْتِيْهِ فَيَسْتَوْدِعُهٗ اِيَّاهُ فَيَقُوْلُ الزُّبَيْرُ : لَا وَلٰكِنْ هُوَ سَلَفٌ اِنِّىْ اَخْشٰى عَلَيْهِ الضَّيْعَةَ وَمَا وَلِىَ اِمَارَةً قَطُّ وَلَا جِبَايَةً وَّلَا شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فِىْ غَزْوٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ مَعَ اَبِىْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَ عُثْمَانَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : فَحَسَبْتُ مَا كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الدَّيْنِ فَوَجَدْتُّهٗ اَلْفَىْ اَلْفٍ وَّمِائَتَىْ اَلْفٍ! فَلَقِىَ حَكِيْمُ بْنُ حِزَامٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ الزُّبَيْرِ فَقَالَ : يَا ابْنَ اَخِىْ كَمْ عَلٰى اَخِىْ مِنَ الدَّيْنِ فَكَتَمْتُهٗ وَقُلْتُ : مِائَةُ اَلْفٍ . فَقَالَ حَكِيْمٌ : وَاللّٰهِ مَا اَرٰى اَمْوَالَكُمْ تَسَعُ هٰذِهٖ ـ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : اَرَاَيْتَكَ اِنْ كَانَتْ اَلْفَىْ اَلْفٍ وَّمِائَتَىْ اَلْفٍ؟ قَالَ : مَا اَرَاكُمْ تُطِيْقُوْنَ هٰذَا فَاِنْ عَجَزْتُمْ عَنْ شَىْءٍ مِّنْهُ فَاسْتَعِيْنُوْا بِىْ قَالَ : وَكَانَ الزُّبَيْرُ قَدِ اشْتَرَى الْغَابَةَ بِسَبْعِيْنَ وَمِائَةِ اَلْفٍ فَبَاعَهَا عَبْدُ اللّٰهِ بِاَلْفِ اَلْفٍ وَّسِتِّمِائَةِ اَلْفٍ ثُمَّ قَامَ فَقَالَ : مَنْ كَانَ لَهٗ عَلَى الزُّبَيْرِ شَىْءٌ فَلْيُوَافِنَا بِالْغَابَةِ فَاَتَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَّكَانَ لَهٗ عَلَى الزُّبَيْرِ اَرْبَعُ مِائَةِ اَلْفٍ، فَقَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ : اِنْ شِئْتُمْ تَرَكْتُهَا لَكُمْ؟ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : لَا ، قَالَ : فَاِنْ شِئْتُمْ جَعَلْتُمُوْهَا فِيْمَا تُؤَخِّرُوْنَ اِنْ اَخَّرْتُمْ ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : لَا، قَالَ : فَاقْطَعُوْا لِىْ قِطْعَةً ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : لَكَ مِنْ هٰهُنَا اِلٰى هٰهُنَا. فَبَاعَ عَبْدُ اللّٰهِ مِنْهَا فَقَضٰى عَنْهُ دَيْنَهٗ وَاَوْفَاهُ وَبَقِىَ مِنْهَا اَرْبَعَةُ اَسْهُمٍ وَّنِصْفٌ ، فَقَدِمَ عَلٰى مُعَاوِيَةَ وَعِنْدَهٗ عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ وَالْمُنْذِرُ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ زَمْعَةَ ـ فَقَالَ لَهٗ مُعَاوِيَةُ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ : كَمْ قُوِّمَتِ الْغَابَةُ؟ قَالَ : كُلُّ سَهْمٍ بِمِائَةِ اَلْفٍ قَالَ : كَمْ بَقِىَ مِنْهَا؟ قَالَ اَرْبَعَةُ اَسْهُمٍ وَّنِصْفٌ فَقَالَ الْمُنْذِرُ ابْنُ الزُّبَيْرِ : قَدْ اَخَذْتُ مِنْهَا سَهْمًا بِمِائَةِ اَلْفٍ ، وَقَالَ عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَدْ اَخَذْتُ مِنْهَا سَهْمًا بِمِائَةِ اَلْفٍ ، وَقَالَ ابْنُ زَمْعَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ : قَدْ اَخَذْتُ سَهْمًا بِمِائَةِ اَلْفٍ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ : كَمْ بَقِىَ مِنْهَا؟ قَالَ : سَهْمٌ وَّنِصْفُ سَهْمٍ قَالَ : قَدْ اَخَذْتُهٗ بِخَمْسِيْنَ مِائَةِ اَلْفٍ قَالَ : وَبَاعَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ نَصِيْبَهٗ مِنْ مُّعَاوِيَةَ رَضِىَ

اللّٰهُ عَنْهُ بِسِتِّ مِائَةِ اَلْفٍ۔ فَلَمَّا فَرَغَ ابْنُ الزُّبَيْرِ مِنْ قَضَآءِ دَيْنِهٖ قَالَ بَنُو الزُّبَيْرِ :اقْسِمْ بَيْنَنَا مِيْرَاثَنَا. قَالَ وَاللّٰهِ لَا اَقْسِمُ بَيْنَكُمْ حَتّٰى اُنَادِيَ بِالْمَوْسِمِ اَرْبَعَ سِنِيْنَ اَلَا مَنْ كَانَ لَهٗ عَلَى الزُّبَيْرِ دَيْنٌ فَلْيَاْتِنَا فَلْيَقْضِهٖ فَجَعَلَ يُنَادِيْ فِي الْمَوْسِمِ فَلَمَّا مَضٰى اَرْبَعُ سِنِيْنَ قَسَمَ بَيْنَهُمْ وَدَفَعَ الثُّلُثَ وَكَانَ لِلزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَرْبَعُ نِسْوَةٍ فَاَصَابَ كُلَّ امْرَاَةٍ اَلْفُ اَلْفٍ وَّمِائَتَا اَلْفٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۲۰۴: حضرت ابوخبیب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب زبیر جنگ جمل کے دن کھڑے ہوئے تو مجھے بلایا چنانچہ میں آ کر آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ پھر فرمایا بیٹا! آج جو لوگ قتل ہوں گے ظالم ہوں گے یا مظلوم۔ میرا اپنے متعلق گمان یہ ہے کہ میں مظلومانہ قتل کیا جاؤں گا۔ میرا سب سے بڑا غم و فکر میرا قرضہ ہے۔ تیرا کیا خیال ہے کہ ہمارا قرضہ ہمارے کچھ مال کو چھوڑے گا؟ پھر ارشاد فرمایا: پیارے بیٹے! ہمارے مال کو فروخت کر کے میرے قرض کو ادا کر دینا۔ اور ثلث مال کے متعلق وصیت فرمائی اور تہائی کے تہائی مال کی وصیت عبداللہ بن زبیر کے بیٹوں (یعنی پوتوں) کے لئے فرمائی۔ پھر فرمایا اگر قرض کی ادائیگی کے بعد ہمارے مال میں سے کچھ بچ جائے تو اس کا تیسرا حصہ بھی تیرے بیٹوں کے لئے ہے۔ ہشام راوی حدیث کہتے ہیں کہ عبداللہ کے بیٹے خبیب اور عباد نے حضرت زبیرؓ کے بعض بیٹوں کو دیکھا تھا اور حضرت زبیر کے اس وقت نو بیٹے اور نو بیٹیاں تھیں۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ وہ مجھے اپنے قرض کے متعلق وصیت فرماتے رہے۔ اس دوران میں فرمانے لگے اے بیٹے! اگر تو قرض کے بعض حصہ کی ادائیگی سے عاجز آ جائے تو میرے مولیٰ سے مدد طلب کرنا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ بخدا! مجھے سمجھ نہ آیا کہ مولیٰ سے کیا مراد ہے؟ یہاں تک کہ میں نے عرض کیا ابا جان! آپ کا مولیٰ کون ہے؟ آپ نے جواباً فرمایا اللہ۔ عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ جب کبھی مجھے ان کے قرضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں کوئی مشکل درپیش ہوئی تو میں کہتا اے زبیر کے مولیٰ ان کا قرضہ ان کے ذمہ سے ادا فرما پس وہ ادا فرما دیتا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد قتل ہو گئے انہوں نے کوئی درہم و دینار نقد نہ چھوڑا۔ صرف الغابہ کی زمینیں۔ مدینہ میں گیارہ مکانات' بصرہ میں دو مکان' ایک مکان کوفہ میں اور ایک مکان مصر میں۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ ان پر قرضہ کی صورت یہ تھی کہ کوئی آدمی آپ کے پاس اپنے مال امانت کے طور پر لاتا اور آپ کے سپرد کر دیتا آپ کہتے یہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے۔ اس لئے کہ مجھے اس کے ضائع ہونے کا ڈر ہے (امانت کا ضمانی نہیں بلکہ قرض کا ضمان ہے) اور آپ کسی بھی عہدے پر مقرر نہ ہوئے اور نہ آپ نے ٹیکس یا اور کسی وصولی کی ذمہ داری قبول کی۔ صرف آنحضرتؐ اور ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے (یہ مکانات مالِ غنیمت کا ثمرہ تھے) حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کے ذمہ قرضہ کی رقم کو شمار کیا تو بائیس لاکھ تھی۔ پھر عبداللہ کو حکیم بن حزامؓ ملے۔ اور فرمایا اے بھتیجے! میرے بھائی کے ذمہ کتنا قرضہ ہے؟ میں نے قرضے کو چھپایا اور کہا ایک لاکھ۔ حضرت حکیم نے کہا میرے خیال میں تو

تمہارا مال (وراثت) اس قرض کی گنجائش نہیں رکھتا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا حضرت! اگر بائیس لاکھ ہوتو پھر کیا خیال ہے؟ اس پر انہوں نے فرمایا میرے خیال میں اتنے بڑے قرضے کو ادا کرنے کی تم طاقت نہیں رکھتے۔ پس اگر تم اس میں سے کسی قدر عاجز ہو جاؤ تو مجھ سے معاونت طلب کرنا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد نے الغابہ کی زمین ایک لاکھ ستر ہزار میں خریدی تھی۔ عبداللہ نے اس کو ۱۶ لاکھ میں فروخت کیا پھر انہوں نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ جس کا میرے والد زبیرؓ کے ذمہ قرضہ ہو تو وہ مجھے الغابہ کی زمین پر ملے اور اپنا قرض وصول کرلے۔ چنانچہ عبداللہ بن جعفر آئے ان کا حضرت زبیرؓ کے ذمہ چار لاکھ قرضہ تھا۔ انہوں نے عبد اللہ بن زبیر سے کہا اگر تم چاہو تو میں یہ قرضہ تمہارے لئے معاف کر دیتا ہوں۔ عبداللہ نے کہا نہیں۔ انہوں نے پھر کہا اگر تم چاہو تو میں اس کو تاخیر سے ادا کئے جانے والے قرضوں میں شمار کرلوں۔ اگر تم بہت مہلت چاہتے ہو۔ عبداللہ بن زبیر نے کہا نہیں۔ پھر عبداللہ بن جعفر نے کہا تو مجھے زمین کا ایک ٹکڑا دے دو۔ اس پر عبداللہ بن زبیر نے کہا یہاں سے لے کر یہاں تک زمین تمہارا حصہ ہو گیا۔ پھر عبداللہ بن زبیر نے بقیہ زمین کا کچھ حصہ فروخت کر کے اس سے حضرت زبیرؓ کا قرضہ پورا پورا ادا کر دیا۔ پھر اس بقیہ میں ساڑھے چار حصے باقی رہ گئے۔ پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حضرت معاویہؓ کے پاس آئے جبکہ ان کے پاس عمرو بن عثمان' منذر بن زبیر اور ابن زمعہ رضی اللہ عنہم بیٹھے تھے۔ حضرت معاویہ نے عبداللہ سے پوچھا الغابہ کی کتنی قیمت لگی؟ تو انہوں نے جواب دیا ہر حصہ ایک لاکھ کا۔ انہوں نے پوچھا کتنے حصے باقی ہیں۔ عبداللہ نے کہا ساڑھے چار حصے۔ اس پر منذر بن زبیرؓ نے کہا ایک حصہ میں ایک لاکھ کا لیتا ہوں۔ اور عمرو بن عثمانؓ نے کہا ایک حصہ میں نے ایک لاکھ میں خرید کیا۔ ابن زمعہؓ نے کہا ایک حصہ میں نے ایک لاکھ میں خرید لیا۔ اس پر حضرت معاویہؓ نے کہا اب کتنا باقی ہے؟ عبداللہ نے جواب دیا ڈیڑھ حصہ۔ انہوں نے کہا میں نے ڈیڑھ لاکھ میں وہ خرید لیا۔ حضرت عبداللہؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنا حصہ حضرت معاویہؓ کے ہاتھ چھ لاکھ میں فروخت کیا۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ان کے قرضہ کی ادائیگی سے فارغ ہو گئے تو حضرت زبیرؓ کے دوسرے بیٹوں نے کہا ہماری میراث ہم میں تقسیم کر دو۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا میں اس وقت تک تقسیم نہ کروں گا جب تک کہ چار سال موسم حج میں اعلان نہ کرلوں کہ اگر کسی کا زبیرؓ کے ذمہ قرضہ ہو تو وہ آ کر لے جائے۔ عبداللہؓ چار سال تک حج کے موقعہ پر اعلان کرتے رہے۔ پھر چار سال بعد انہوں نے ان کے درمیان میراث تقسیم کر دی اور ثلث وصیت کے مطابق اوصیاء کو دے دیا۔ زبیرؓ کی چار بیویاں تھیں ان میں سے ہر ایک بیوی کو بارہ بارہ لاکھ حصہ میں آیا پس حضرت زبیرؓ کا کل ترکہ ۵ کروڑ دو لاکھ درہم تھا۔ (بخاری)

تشریح ۞ یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔ یہ ان کے بڑے لڑکے کا نام ہے۔ ابوخبیب علقمی نے ان کی تین کنیتوں کا ذکر کیا ہے۔ ابوخبیب' ابوبکر' ابوبکیر (جامع صغیر' تاریخ بخاری) ابن حجر کہتے ہیں ان کو اس کنیت سے وہ بلاتا جو ان کی تعظیم کا قائل نہ تھا کیونکہ انہوں نے پہلے اپنے نانا کے نام سے کنیت رکھی تھی۔ ان کے والد زبیر بن العوام قرشی اسدی ہیں' مکی مدنی ہیں یہ صحابی بن صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہما۔ ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر ذات النطاقین ہیں۔ ان کے والد عشرہ مبسرہ سے

ہیں۔ ان کو حواری الرسول کا لقب ملا۔ ان کی دادی صفیہ بنت عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ہیں۔ ان کے والد کی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ہیں۔ عبداللہ کی خالہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ مہاجرین کے مدینہ جانے کے بعد یہ سب سے پہلے پیدا ہوئے۔ مسلمان ان کی ولادت پر خوش ہوئے کیونکہ یہود نے پروپیگنڈہ کر رکھا تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر سحر کر دیا ہے ان کے کوئی اولاد نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جھوٹا کر دیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحنیک کھجور اپنے منہ میں چبا کر فرمائی۔ ان کی کنیت ابوبکر نانا کی وجہ سے اور نام عبداللہ رکھا۔ یہ ہجرت کے بیس ماہ بعد پیدا ہوئے۔ بعض نے پہلا سال بتلایا۔ عبداللہ بڑے روزہ رکھنے والے اور قیام کرنے والے تھے۔ صلہ رحمی کرنے والے بڑے بہادر تھے۔ یزید بن معاویہ کی موت کے بعد ان کی اہل یمن وحجاز وعرق' خراسان نے بیعت کر لی۔ بیت اللہ کی عمارت نئے سرے سے تعمیر کی۔ حجاج بن یوسف کے محاصرہ تک خلافت رہی۔ ۷۲ھ ذی الحجہ کی پہلی رات مکہ کا محاصرہ ہوا۔ حجاج نے لوگوں کو حج کرائی' ان کا محاصرہ رہا یہاں تک کہ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۷۳ھ میں بروز منگل یہ شہید ہو گئے۔ بعض نے ۱۵ جمادی الاخرہ ۷۲ھ لکھا ہے پہلا قول معروف ہے۔ ان کی مرویات ۳۳ ہیں۔ متفق علیہ ۶ اور دو میں مسلم منفرد ہے۔

نووی تہذیب میں فرماتے ہیں عبداللہ یہ عبادلہ اربعہ میں سے ایک ہیں۔ وہ ابن عمر' ابن عباس' ابن زبیر' ابن عمرو ہیں یہ تمام محدثین اور امام احمد کا قول ہے۔ امام احمد سے کسی نے سوال کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو انہوں نے کہا وہ شامل نہیں۔

بیہقی کہتے ہیں یہ چاروں حضرات عرصہ تک زندہ رہے۔ یہاں تک کہ ان کے علم سے استفادہ کیا گیا۔ اسی لئے کہتے ہیں یہ عبادلہ کا قول ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو عبداللہ کے نام سے چیزیں ذکر کی جاتی ہیں ان میں سے ۲۲۰ عبداللہ سے ملتی ہیں۔

جوہری کہتے ہیں ابن مسعود عبادلہ میں شامل نہیں کہ ابن العاص۔ مگر ان کا یہ قول غلط ہے۔ مگر سخاوی نے ایک اور راہ اپنائی ہے کہ عبادلہ سے مراد وہ اشخاص جو ان ناموں سے سمجھے جاتے ہیں نہ وہ جو کہ عبادلہ مشہور ہیں اب یہ اعتراض ہی غلط ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عبادلہ سے نہیں۔

لما وقف الزبير يوم الجمل: یوم جمل یہ مشہور واقعہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان پیش آیا۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یوم جمل نام کی وجہ یہ ہے کہ حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک بڑے اونٹ جس کا نام عسکر تھا پر سوار کیا جس کو ایک سو دینار میں خریدا تھا بعض نے ۸۰ دینار اور بعض نے اس سے زیادہ لکھے ہیں۔ وہ اونٹ صفوں کے درمیان کھڑا کیا گیا۔ فوج کے افراد اونٹ کے گرد لڑتے رہے یہاں تک کہ اونٹ کی ٹانگیں کاٹ دی گئیں اس پر فوج شکست کھا گئی۔ ۳۶ھ جمادی الاولیٰ یا اخریٰ کا واقعہ ہے۔

انه لا يقتل اليوم الاظالم او مظلوم ابن متین کہتے ہیں کیونکہ یا تو وہ صحابی ہوگا وہ تاویل کرنے والا ہوگا وہ تو مظلوم ہوگا۔ یا غیر صحابی ہوگا وہ دنیا کی خاطر لڑنے والا ہوگا تو وہ ظالم ہوگا۔

کرمانی کہتے ہیں اگر کوئی کہے تمام لڑائیوں کا یہی حکم ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ سب سے پہلی لڑائی تھی جو مسلمانوں کے

مابین ہوئی۔ابن حجر کہتے ہیں ① احتمال ہے کہ یہ او شک کے لئے ہو اور یہ راوی کی طرف سے الفاظ کے سلسلہ میں ظاہر کیا گیا ہو کہ زبیر نے ان میں سے ایک لفظ کہا۔ ② تنویع کے لئے ہو لا یقتل الیوم الا ظالم کا مطلب یہ ہے اس نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو جلد بدلہ دیتے ہیں یا مظلوم مقتول ہوگا اس بناء پر کہ وہ درست بات کو پانے والا تھا یا اس وجہ سے کہ اس نے علی رضی اللہ عنہ کی طرح یہ روایت سنی تھی: ابشر قاتل ابن صفیه بالنار احمد بسند صحیح اسی روایت میں حاکم کی سند میں یہ الفاظ بھی ہیں: واللہ لئن قتلت لاقتلن مظلوماً واللہ ما فعلت وما فعلت یعنی اشیاء فی المعاصی۔ پھر طلحہ وزبیر اور دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکلنا قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ اور ان پر حد کے قیام کے سلسلہ میں تھا۔علی رضی اللہ عنہ سے قتال مقصود نہ تھا کیونکہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں تمام اہل زمانہ میں سب سے زیادہ خلافت کے حقدار تھے اور قاتلین عثمان نے علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پناہ لی تھی۔ پس انہوں نے خیال کیا کہ ان کو قتل کے حوالہ نہیں کر سکتے یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو اور معاملات اسی انداز سے چلنے لگیں جس کو وہ پسند کرتے ہیں۔مگر جو تقدیر کے قلم سے لکھا تھا وہ امور پیش آ کر رہے۔اسی لئے زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا جبکہ معاملے کی شدت دیکھی اور اندازہ کیا کہ اب سوائے لڑائی کے چارہ کار نہیں تو فرمایا: وانی لا ارانی الاقتل یہ اظن کے معنی میں ہے۔ الیوم مظلوماً: ابن حجر کہتے ہیں۔ اقتل اعتقاد کے معنی میں ہے اور یہ معاملہ اسی طرح پیش آیا کہ ان کو دھوکا سے قتل کیا گیا۔علی رضی اللہ عنہ نے ان کو یاد دلایا تو وہ لڑائی سے لوٹ گئے اور ایک جگہ آرام فرما رہے تھے کہ بنو تمیم کے ایک شخص ابن جرموز نے وادی سباع میں ان کو شہید کر دیا۔ حاکم نے متعدد طرق سے یہ بات نقل کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے زبیر رضی اللہ عنہ کو یاد دلایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرو گے اور تم ان کے ساتھ زیادتی کرنے والے ہو گے تو اس پر زبیر رضی اللہ عنہ لوٹ پڑے۔

وان من اکبر همی لو بینی: غنام کی روایت میں یہ ہے: انظر یا نبیّ دینی فاه لا ادع شیئا اهم منه علیّ: یعنی مجھے سب سے زیادہ فکر اس وقت قرض کی ہے۔ افتری: کیا تم گمان کرتے ہو۔ ان دیننا یبقی من مالنا شیئا: اپنے قرضہ کی کثرت ظاہر کرتے اور اس سے ڈراتے ہوئے فرمایا۔لڑائی اسباب موت میں سے ہے اور ایسے وقت میں وصیت کی جا رہی ہے۔اوصی بالثلث: کل مال کا ثلث جو قرض سے بچ جائے۔ وثلثه تیسرے کا تیسرا حصہ وہ عبداللہ کے بیٹوں کا۔کرمانی کہتے ہیں انہوں نے ثلث بچ جانے والے کی مطلقاً وصیت کی اور ثلث کا ثلث پوتوں کو وصیت کی۔ابن حجر نے کہا ثلث کی وصیت اور اسی ثلث کا ثلث اولاد عبداللہ کو۔ زبیر کہنے لگے اگر ہمارے مال سے ادائیگی قرضہ کے بعد کوئی چیز بچ جائے تو اس کا ثلث تمہارے بیٹوں کا ہے یہ ثُلُث: کا لفظ بعض نے ثُلّثْ لام کی تشدید سے روایت کیا وہ زیادہ مناسب ہے۔ دمامینی کہتے ہیں کہ ثلث کے ثلث کی وصیت پوتوں کو کی گئی تھی۔ فان فضل فثلثه لبنیك: اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ثلث فاضل مطلقاً عبداللہ کے بیٹوں کو دیا جائے اور پہلے یہ تصریح گزر چکی کہ وصیت صرف ثلث الثلث کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قرضہ کے بعد کوئی چیز بچے تو اس کو وصیت کی طرف پھیرا جائے پھر اس کا ثلث عبداللہ کے بیٹوں کو دیا جائے اور حافظ نے اوصی بالثلث وثلثه واؤ کے ساتھ تشریح کی ہے۔فاستعن بمولای: مولا سے اللہ تعالیٰ مراد ہیں اور ان کا اللہ پر کمال وثوق اور ہر

حالت میں اسی سے استعانت طلب کرنا ظاہر ہوتا ہے۔اوریت: نہ پہچانا۔ ما اراد یعنی مولیٰ کی مراد میری سمجھ میں نہ آئی کیونکہ ولاء حلف' ولاء عتاقہ کا احتمال تھا مولیٰ کا لفظ مشترک ہے مددگار' چچازاد' آزاد کرنے والا' آزاد کیا ہوا' حلیف' کارساز۔ النہایہ میں نے سوال کیا:من مولاك توانہوں نے کہا اللہ۔

النَّحْو :خبر محذوف ہے۔مبتداء بھی محذوف ہوسکتا ہے ای هو الله۔ کربة: وہ غم جونفس پر چھا جائے اور اس کی جمع کُرَب ہے۔فیقضیه: اللہ تعالیٰ ایسی سہولت فرماتے جس سے قرضہ پورا ہو جاتا۔

فَائِدَہ: جو اللہ تعالیٰ سے اعانت کا طلب گار ہو وہ معان ہے۔الا ارضین: یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔دمامینی کہتے ہیں یہ ارض کی جمع تکسیر ہے۔منها الغابه یہ عوال مدینہ کی عظیم مشہور زمین ہے۔ابن حجر کہتے ہیں منہا آیا مگر صحیح منهما ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارضین تثنیہ ہے نہ کہ جمع۔دمامینی کی بات درست نہیں لگتی۔بالبصره و داراً بالکوفة: یہ دونوں معروف شہر ہیں جن کو فاروق اعظم نے فوجی چھاؤنیوں کے طور پر آباد کرایا۔کوفہ کہنے کی وجہ سے اس کی گوندئی ہے۔عرب کہتے ہیں رأیت کوفاناً کوفہ ریت کا گول ٹیلہ۔دوسرا قول یہ لوگوں کے اجتماع کی وجہ سے کوفہ کہتے ہیں یہ تکوف الرمل سے لیا گیا ہے جب وہ ایک دوسرے پر چڑھ جائے۔بعض نے کہا اس کی مٹی کنکریوں سے ملی ہوئی ہے۔عرب ہر ایسی جگہ کو کوفہ کہتے ہیں۔حازمی کہتے ہیں کہ کوفہ کو کُوفان کہتے ہیں۔ابن قتیبہ نے اپنے غرائب میں لکھا کُوفَان اور کُوفَان۔ مصر یہ غیر منصرف ہے۔یہ اس علاقہ کا نام ہے جس کی حدود طول میں برقہ سے شروع ہو کر بحر روم کے جنوب میں ایلہ تک ہے اور چوڑائی میں مدینہ اسوان اور صعید اعلیٰ میں اس کی چوٹیوں سے ہوتا ہوا رشید اور اس کے بالمقابل نیل کے بحر روم میں گرنے کی جگہ تک اس کا نام مصر بن بنصر بن سام بن نوح کے نام سے پڑا۔یہ قرض اللہ تعالیٰ کی مدد سے ادا ہوا۔ورنہ اتنی جائیداد سے قرضے کی ادائیگی ممکن نہ تھی۔اب آگے قرض کی وجہ بتلاتے ہیں۔

فیقول لا: یعنی میں اس کو امانتاً نہیں رکھتا کیونکہ وہ اپنے نفس کی سخاوت کو جانتے تھے۔پس انہیں اس کے خرچ کا خطرہ ہوا۔ اگرچہ ان سے ہوا نہیں مگر بطور سد ذرائع انہوں نے اس کو قرض بنایا۔

النَّحْو :اِن اور اس کا معمول یہ کان اول کی خبر ہے۔کان ثالثہ کا اسم ضمیر ہے جو رجل کی طرف لوٹتی ہے اور اس کی خبریأ تیہ ہے۔انی اخشی علیه الضیعة: مجھے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔

یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔اس جملے میں بتلایا کہ امانت کی بجائے میں نے قرض سے کیوں بنایا۔① سخاوت میں خرچ ہو جائے گا۔② کوئی اڑالے جائے گا۔③ چور چرالے۔تو امانت کا ضمان نہیں جبکہ مکمل حفاظت کا انتظام کیا ہو۔انہوں نے چاہا کہ مال ان کے ذمہ محفوظ ہو جائے۔ابن حجر کہتے ہیں ان کو خطرہ ہوا کہ مال ضائع ہو اور آدمی یہ گمان کر لے کہ اس نے پوری حفاظت نہیں کی۔پس انہوں نے خیال کیا کہ اس کا ضامن بن جانا صاحب مال کے لئے زیادہ قابل وثوق اور ان کی مروّت کو باقی رکھنے والا ہے۔ابن بطال کہتے ہیں تاکہ اس مال کا نفع ان کے لئے حلال ہو جائے۔ابن بکار کہتے ہیں عثمان' عبدالرحمان بن عوف' مطیع بن اسود' ابوالعاص بن ربیع' عبداللہ بن مسعود' مقداد بن عمرو تمام نے زبیر بن العوام کے متعلق وصیت کی تھی۔ امارة: یہ امر کا مصدر ہے۔والی بننا (قاموس) قط: استغراق نفی کے لئے آتا ہے۔جبایة: مال کو اس کے گمان کے مقامات سے

نکلوانا۔ خراجًا: خراجی زمین پرٹیکس۔ یہ ابن بکار کی اس نقل کے خلاف نہیں۔ للزبیر الف مملوك یؤدون الیه الخراج۔ (اس سے مراد آمدنی)

ولا شیئًا الا ان یکون فی غزوۃ: ابن حجر کہتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ کثرت مال ان اطراف سے نہیں ہوا کیونکہ یہ مقامات ظن سوء کے مقتضی ہیں بلکہ ان کے ہاں مال صرف غنیمت سے تھا (یا تجارت جو وہ کرتے تھے) **حکیم بن حِزَام:** قریش میں یہ حا کے کسرہ کے ساتھ ہے اور انصار میں حَزَام: حاوزا کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ زبیر کے ابن عم ہیں۔ **یابن اخی:** یہ کم عمری کی وجہ سے خطاب فرمایا۔ حکیم کی عمر اس وقت ۱۰۰ سال اور عبداللہ تقریباً ۴۰ سال کے تھے۔ **مالة الف:** ابن بطال کہتے ہیں عبداللہ نے بات اس لئے چھپائی تا کہ حکیم قرض کو زیادہ خیال کر کے ان کے متعلق بے احتیاطی کا گمان نہ کریں اور عبداللہ کے متعلق پورا نہ کر سکنے کا خیال فرمائیں۔ پھر وہ ان کی طرف احتیاج کی نگاہ سے دیکھیں۔ جب حکیم نے ایک لاکھ کو بھی بہت سمجھا تو انہوں نے پورا قرضہ سوالیہ انداز میں ذکر کر دیا۔ ابن بطال کہتے ہیں مالۃ الف کہنا اور بقیہ چھپانا یہ کذب نہیں کیونکہ یہ بعض کی اطلاع اور باقی سے سکوت ہے۔ اس لئے وہ صادق ہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں عدد کو جاننے والا اس کو غیر واقعی خبر خیال کرتا ہے۔ اسی لئے ابن التین نے کہا یہ کتمان عبداللہ مجازاً ہے۔

ما اُرَاکم: اگر ہمزہ کا ضمہ پڑھیں تو معنی گمان کرنا اور فتحہ پڑھیں تو یقین کرنا ہوگا۔ **فان عجزتم عن شئی منه فاستعینوا بی** ابن حجر کہتے ہیں عبداللہ بن مبارک نقل کرتے ہیں کہ حکیم نے قرض کی ادائیگی کیلئے چار لاکھ تک پیش کش کی مگر عبداللہ نے قبول نہ کی۔ بلکہ کہا تم صرف میرے ساتھ عبداللہ بن جعفر کے ہاں چلو چنانچہ وہ ان کو اور عبداللہ بن عمرؓ کو لے کر سفارش کے لئے گئے۔ عبداللہ نے کہا کیا تم ان کو سفارشی لائے ہو۔ وہ میں نے تمہیں دے دیا۔ انہوں نے کہا میرا یہ مقصد نہیں۔ عبداللہ نے کہا تم مجھے اس کے بدلے اپنے یہ جوتے دے دو۔ اس نے کہا میں یہ نہیں چاہتا۔ عبداللہ نے کہا وہ تمہارے ذمہ قیامت تک ہے (یعنی جب چاہو دو) اس نے کہا میں یہ بھی نہیں چاہتا۔ عبداللہ بن جعفرؓ نے کہا اب تم جو حکم کرو۔ ابن زبیر کہنے لگے میں اس کے بدلہ میں زمین دینا چاہتا ہوں۔ ابن جعفر نے منظور کر لیا۔ اس زمین کو معاویہ نے اس سے زیادہ قیمت سے لے لیا۔ **بالف الف وستمائة الف** گویا انہوں نے اس کے سترہ پلاٹ بنائے اور ہر پلاٹ ایک لاکھ میں فروخت کیا۔ عبداللہ بن جعفرؓ نے چار لاکھ قرضہ میں زمین کا ایک ٹکڑا لیا۔ علقمی نے حاشیہ جامع صغیر میں لکھا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا تم اور میں صرف موقعہ پر ہونے چاہئیں۔ ان کو ایک بے آباد زمین جس میں کوئی حصہ آباد نہ تھا وہ دے دی۔ فراغت کے بعد ابن جعفر نے غلام کو کہا۔ میرا مصلیٰ اس سخت جگہ ڈال دو۔ وہاں دو رکعت نماز پڑھی اور ایک طویل سجدہ کیا جس میں دعائیں کرتے رہے۔ دعا سے فارغ ہوئے تو غلام کو کہا میرے سجدہ والی جگہ کھودو۔ جب کھدائی کی گئی تو ایک جوش مارنے والا چشمہ نکلا پھر اس کا پانی نکالا۔ ابن زبیر نے کہا تم اقالہ کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو قبول کیا ہے۔ پس میں اقالہ نہ کروں گا۔ تو وہ حصہ زیادہ آبادی والا بن گیا۔ اس کی بنسبت جو آل زبیر کے قبضہ میں تھی۔ **فقدم علی معاویة** یعنی خلافت معاویہ کے زمانہ میں ابن حجر نے اسی پر اعتماد کیا ہے۔ یہ قرض خواہوں کے انتظار کے بعد تا کہ بقیہ کے قرض سے وہ بری الذمہ ہو جائیں۔ **قُومت** یہ ماضی مجہول ہے۔ بعض نے معروف پڑھا۔

کم بقی: سے مراد غابہ یا سہام باقیہ یہ زیادہ بہتر ہے۔
سھم و نصف اس کا مبتداء محذوف ہے یا بقی منہا سم کو یا فعل مقدر کا فاعل ہے۔
بستمائه الف: تو ابن جعفر کو ۲ لاکھ نفع ہوا۔ دینه وہ قرضہ جو لکھا تھا یا ان کو معلوم ہو سکا۔ **بنو الزبیر** ① وہ عبداللہ‘ عروہ‘ منذر یہ تمام اسماء کے بیٹے ہیں۔ اور ② عمر‘ خالد ان کی والدہ خالد بن سعید کی بیٹی ہے۔ ③ معصب‘ حمزہ ان کی والدہ رباب بنت النیف ہے۔ ④ عبیدہ‘ جعفران کی والدہ زینب بنت بشر ہے۔ ⑤ زینب اس کی والدہ ام کلثوم بنت عقبہ ہے۔ بقیہ اولاد ان سے پہلے فوت ہوگئی۔ **ینادی فی الموسم** وہ حج کے موقعہ پر اعلان کرتے کہ جس کا زبیر کے ذمہ قرضہ ہو وہ آئے اور لے لے۔ ابن حجر کہتے ہیں اس قسم کی چیز تمام ورثاء کی رضامندی پر موقوف ہے۔ ورنہ معلوم قرضہ جات کی ادائیگی کے بعد اگر ورثاء تقسیم کا مطالبہ کریں تو متوہم قرضہ کی وجہ سے روکا نہ جائے گا۔ پھر جب اس کے بعد قرضہ ثابت ہوگا تو اس سے اس کے حصہ کی مقدار واپس کر لی جائے گی۔ ابن زبیرؓ نے تاخیر کو اسلئے پسند کیا کیونکہ بڑے شہر جن میں حجاز میں لوگ آتے تھے وہ چار تھے یمن‘ عراق‘ شام‘ مصر۔ تو انہوں نے ہر ہر طرف والوں کے لئے ایک ایک سال کی تاخیر کی تاکہ چوتھے سال ان کا دوبارہ لوٹنا ہوگا۔ ان میں سے بعض کو اس طویل مدت میں اطلاع پہنچ جائے گی اور حج کے مجمع کو اس لئے منتخب کیا کہ وہاں تمام اطراف سے لوگ آتے ہیں۔ **فلما مضی اربع سنین:** یہ مجازاً کہا گیا کیونکہ اگر ۳۶ھ کا حج شمار کریں تو ساڑھے تین سال بنتے ہیں اور اگر اس کو شمار نہ کریں تو پھر چار سال چھ ماہ بنیں گے۔ اس طرح کہیں گے کہ کسر کو چھوڑ دیا۔ یا پہلے میں کسر کو ختم کر کے پورا کر لیا۔ **قسم:** تو قرض اور وصیت کے بعد تقسیم کیا۔ **دفع الثلث** یعنی ان کو دیا جن کے متعلق وصیت کی گئی تھی۔ **اربع نسوة** چار بقید حیات تھیں۔ بقیہ وفات پا چکی تھیں ان کے نام یہ ہیں ① ام خالد ② الرباب ③ زینب ④ بعض نے عاتکہ بنت زید کا نام لیا ہے یہ سعید بن زید کی بہن تھیں۔ دو مطلقہ تھیں ① اسماء ② ام کلثوم۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اسماء سے رجوع کر لیا اور عاتکہ کو طلاق دے دی۔ یہ عدت طلاق میں تھیں کہ زبیر شہید ہوگئے۔ پس ان کو آٹھویں حصہ کا چوتھائی مل گیا جس کی مقدار ۸۰ ہزار تھی۔

فاصاب کل امرأة: ہر بیوی کو ایک لاکھ بیس ہزار ملا۔ (اس سے اوپر والا قول غلط ہوگیا) یہ اصل حصہ ہے۔ مصالحت کا حصہ چار لاکھ تھا وہ بھی ان پر تقسیم ہوا۔

امام بخاری کہتے ہیں **فجمیع ماله** ۵ کروڑ دو لاکھ تھا۔

ابن بطال قاضی نے کہا یہ حساب کے لحاظ سے غلط ہے۔ کرمانی کہتے ہیں جب آٹھواں چار لاکھ اسی ہزار ہے تو تمام مقدار تین کروڑ ستاسی لاکھ بنتا ہے اور قرض سمیت ۵ کروڑ ۹۸ لاکھ بنتا ہے۔ تمام صورتوں میں حساب درست نہیں۔ کرمانی کہتے ہیں شاید وفات کے وقت اتنی مقدار ہو جو بخاری نے کہی پھر چار سال اموال کی آمدنی پانچ کروڑ اسی لاکھ بن گئی۔

تخریج: أخرجه البخاری (۳۱۲۹)

۲۶ :بَابُ تَحْرِيْمِ الظُّلْمِ وَالْاَمْرِ بِرَدِّ الْمَظَالِمِ

باب: ظلم کی حرمت اور مظالم کے لوٹانے کا حکم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى :

﴿مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ﴾ [غافر:۱۸]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''کہ ظالموں کے لئے کوئی دوست ہوگا نہ سفارشی جس کی بات مانی جائے''۔(غافر)

وَقَالَ تَعَالٰى :

﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ﴾ [الحج:۷۱]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا''۔(الحج)

وَاَمَّا الْاَحَادِيْثُ فَمِنْهَا حَدِيْثُ اَبِىْ ذَرٍّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ الْمُتَقَدِّمُ فِىْ اٰخِرِ بَابِ الْمُجَاهَدَةِ۔

پھر احادیث میں سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو باب مجاہدہ کے آخر میں پہلے گزری۔

ظلم لغت میں کسی چیز کو اس کے غیر مقام میں رکھنا۔

شرعاً: ناحق کسی دوسرے کے حق میں تصرف کرنا یا حد سے تجاوز کرنا۔ **بردا المظالم**: اگر چیز باقی ہو تو بعینہ اور اگر تلف ہوگئی اگر وہ مثلی ہے تو اس کی مثل اور اگر مثلی نہیں بلکہ قیمت والی ہے تو اس کی قیمت ادا کرے۔ **الی اصحابها** اگر اس کا کوئی مالک باقی ہو ورنہ ان کے ورثاء اور اگر مستحق معلوم نہیں رہا اس کے ملنے کی امید نہیں تو امانت دار قاضی کے سپرد کر دے اگرچہ اس کے شہر کا نہ ہو۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو (جیسا آج کل قاضی ہی نہیں) تو فقراء پر چٹی کی نیت سے صدقہ کر دے کہ اگر وہ مل گیا تو اس کا بدل دے دوں گا یا اپنے ہاں چھوڑ دے اور اس کے لئے خیر کی بہتر وجہ تلاش کرے اور یہ قول ظاہر ہے عز بن جماعہ کا قول بھی اسی کی طرف مشیر ہے اور اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ اگر خود حاجت مند ہو تو اس کو خود صرف کرے۔ غزالی بھی اسی طرف گئے ہیں کہ اس کو اس سلسلہ میں میانہ روی اختیار کرنی چاہئے ابن جماعہ نے اس کو احکام شرعیہ کے جاننے سے مقید کیا۔

ابن حجر ہیثمی کہتے ہیں یہ شرط نہیں البتہ یہ ضرور شرط ہے کہ اس کو اپنے اوپر اس وقت صرف کرنا چاہئے جب اس کو معلوم ہو کہ اس کو خرچ کرنا جائز ہے مثلاً اہل وعیال جن کی مونت اس پر لازم ہے۔

آیت ① ﴿مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ ......﴾ حمیم وہ قریبی جو مشفق ہو۔ **ولا شفیع یطاع** اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جو سفارش کرے۔ یہاں ضمیر ھم کی بجائے ظالمین کا لفظ لائے تا کہ بتلایا جائے کہ یہ سلوک ان کے ظلم کی وجہ سے ہے۔

آیت ② ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ﴾ یعنی ظالم لوگ بے یار و مددگار جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

نوٹ: یہ آیت پہلے نسخوں میں غلط لکھی گئی۔ **وَمَا للظالمین من ولی ولا نصیر** جو کہ کاتب کی غلطی ہے۔ پہلے حدیث

ابوذر باب المجاہدہ میں گزری ہے۔ مزید روایات آتی ہیں۔

الفرائد : ① موت کے اسباب یقینی ہو جائیں تو وصیت مستحب ہے اور واجب امور میں واجب ہے۔ ② ادائیگی قرض کے بعد وراثت تقسیم ہوگی۔ ③ ادائیگی قرضہ میں انتظار درست ہے جبکہ ترکہ نقدی کی شکل میں نہ ہو۔ ④ وارث ... کے علاوہ اگر دوسرے کا حصہ خریدنا چاہے تو اس میں حرج نہیں۔ ⑤ اگر حقوق کی ادائیگی کر دی گئی ہو تو زیادہ مال ممنوع نہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ سے غافل نہ کرے۔ ⑥ حضرت زبیرؓ کے اللہ عزوجل پر یقین و توکل کا مرتبہ ظاہر ہوا۔ ⑦ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی قوت نفس بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ احباب سے اعانت کو قبول نہ کیا۔

۲۰۵ :وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :"اتَّقُوا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ' وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَآءَ هُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۰۵ : حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ظلم سے بچو! اس لئے کہ ظالم قیامت کے دن اندھیرے میں ہوں گے اور بخل سے باز رہو اس لئے کہ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ ان کو ایک دوسرے کا خون بہانے اور حرام کو حلال قرار دینے پر آمادہ کیا'' ۔ (مسلم)

تشریح ✿ **اتقوا الظلم**: بندوں پر ظلم سے پرہیز کرو۔ ان میں سے نفس پر ظلم بھی ہے۔ نفس سے اس کا حق روکنا۔ ② نفس کی اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اعانت کرنا اور اس کے پیچھے چلنا۔ **فان الظلم**: قاضی عیاض کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ظلم ظالم کے لئے باعث اندھیرا ہوگا اور دنیا میں کئے ہوئے ظلم کے سبب قیامت میں وہ ہدایت نہ پائے گا۔ جیسا کہ مؤمن کے ایمان کی روشنی قیامت کے دن ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿**یسعٰی نورھم بین ایدیھم وبایمانھم**......﴾ (الحدید:۱۲) ② بعض نے کہا ظلمات سے مراد سختیاں ہیں۔ جیسا اس آیت کی تفسیر کی گئی ہے۔ ﴿**قل من ینجیکم من ظلمات البر والبحر**﴾ (الانعام:۶۳) ③ یہ عقوبات و سزاؤں کی تعبیر ہے۔

④ طیبی کہتے ہیں ظاہر سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ظلمات یہاں حقیقت ہے مجاز نہیں مگر وہ مجاز ہے کیونکہ مسبب کو سبب پر محمول کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اندھیرے حقیقت میں ظلم کا سبب ہیں۔

فرق انکال ☆: اور انکال اور شدائد میں فرق یہ ہے کہ شدائد تو میادین قیامت میں دخول نار سے پہلے پیش آئیں گے اور انکال آگ میں داخلہ کے بعد۔ (طیبی)

⑤ ابن جوزی فرماتے ہیں ظلم کے دو معاصی پر مشتمل ہے: ① ناحق دوسرے کا حق لینا ② اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور مبارزت ہے ان میں ہر ایک گناہوں میں دوسروں سے بڑھ کر ہے کیونکہ اگر دل ہدایت کے نور سے روشن ہوا تو ضرور عبرت حاصل کرے گا۔

نکتہ ☆: **واتقوا الشح**: ① الشُح: انتہائی بخل۔ ② بخل مع الحرص۔ ③ بخل انفرادی معاملات میں ہوتا ہے اور شح عام ہے۔ ④ بخل کا تعلق صرف مال سے ہے اور شح مال و معروف ہر دو سے ہے۔

من کان قبلکم: اس سے پہلی اسم مراد ہیں۔ ھلاکت ① معنوی ② حسی اوراس کی تائید حملھم علی ان سکفراد فاء ھم یعنی ایک دوسرے کوقتل کرنے لگے۔ جیسا کہ اس اسرائیلی نے اپنے ابن عم کوجلد میراث کے لئے قتل کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے حقیقت منکشف کردی۔ انہوں نے محارم کوحلال قرار دیا۔

بقول مظہری انہیں مال حرام جمع کرنے کی شدید حرص تھی وہ حصول مال کے لئے ایک دوسرے کو مار ڈالتے۔ واستحلوا محارمھم اللہ تعالیٰ نے جس بات کوان کی عورتوں کے سلسلہ میں حرام کررکھا تھا انہوں نے اسے حلال قرار دیا یعنی ان سے بے حیائی کرنے لگے اور ② اس سے زیادہ قریب بات یہ ہے کہ جن چیزوں کی خرید وفروخت ان پرحرام کی گئی تھی انہوں نے اس کے لئے حیلہ بازی کی مثلاً چربی انہوں نے اس کو پگھلا کرفروخت کرکے اس کی رقم استعمال کی۔ ہفتہ کے روز شکار انہوں نے شکار کے لئے گڑھے کھودے ہفتہ والے دن مچھلی اس میں روک لی اور اتوار کو شکار کرلیا۔ اس میں اس بات کی مذمت کی گئی کہ جس چیز میں حرام سے نکلنے کی کوئی راہ نہ ہو اس کے لئے حیلہ بازی نہ کی جائے۔ مثلاً عمدہ کھجور ایک مد کے بدلے دو مدردی بیچنا ناجائز ہے۔

اوراگر ردی کواس کی اپنی قیمت سے فروخت کردے اور پھراس قیمت سے عمدہ خرید لے تو اس میں قباحت نہیں۔

تخریج ☆ رواہ مسلم۔ اس کو بقول سیوطی احمد' بخاری نے ادب میں ذکر کیا اور الظلم ظلمات یوم القیامہ کو بخاری' مسلم' ترمذی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

الفرائد : ① ظلم سے بہر صورت بچنا چاہئے۔ ② حرص وبخل انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں۔

۲۰۶ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :"لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ اِلٰی اَهْلِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ حَتّٰی یُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَآءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۰۶ : حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:"تم سے ضرور حقوق والوں کے حقوق ادا کروائے جائیں گے یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے بغیر سینگ والی بکری کو بدلہ دلوایا جائے گا"۔ (مسلم)

تشریح ☆ لتؤدُنَّ الحُقوق: یہ لام تاکید با نون ثقلیہ مجہول مخاطب کا صیغہ ہے۔

حتی یقاد للشاۃ الجلحاء: حتی انتہائی غایت کے لئے ہے۔ الجلحاء: بے سینگ بکری۔ من الشاہ القرناء: سینگ والی بکری۔ نووی کہتے ہیں اس میں تصریح ہے کہ جانوروں کا بھی اسی طرح حشر ہوگا جیسا اہل تکلیف جن وانس اور جیسا کہ بچوں اور مجانین کا بھی۔

اس پر کتاب وسنت کے دلائل ہیں فرمایا: ﴿واذا الوحوش حشرت﴾ (التکویر)

قاعدہ ☆: جب شرع میں کوئی لفظ وارد ہو اور عقل وشرع اس کو ظاہر پر رکھنے میں مانع نہ ہوں تو اس کو ظاہر پر رکھنا ضروری ہے۔ علماء کا قول ہے حشر کی شرط مجازات' عقاب' ثواب نہیں ہے۔ باقی سینگ والی سے بے سینگ کا قصاص یہ قصاص مکلف نہیں بلکہ یہ قصاص تقابل ہے۔ (النووی)

تخریج: أخرجه مسلم (۲۵۸۲)

۲۰۷ :وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُما قَالَ: كُنَّا نَتَحَدَّثُ عَنْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَالنَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ اَظْهُرِنَا وَلَا نَدْرِیْ مَا حَجَّةُ الْوَدَاعِ حَتّٰى حَمِدَ اللّٰهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ ذَكَرَ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالِ فَاَطْنَبَ فِیْ ذِكْرِهٖ ، وَقَالَ :"مَا بَعَثَ اللّٰهُ مِنْ نَّبِيٍّ اِلَّا اَنْذَرَهٗ اُمَّتَهٗ :اَنْذَرَهٗ نُوْحٌ وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ بَعْدِهٖ ، وَاِنَّهٗ اِنْ يَّخْرُجُ فِيْكُمْ فَمَا خَفِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ شَاْنِهٖ فَلَيْسَ يَخْفٰى عَلَيْكُمْ اِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ وَاِنَّهٗ اَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنٰى كَاَنَّ عَيْنَهٗ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ۔ اَلَا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَآءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِكُمْ هٰذَا اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ" قَالُوْا :نَعَمْ قَالَ : "اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ" ثَلَاثًا وَيْلَكُمْ اَوْ وَيْحَكُمْ اُنْظُرُوْا :لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَرَوٰی مُسْلِمٌ بَعْضَهٗ۔

۲۰۷: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ہم حجۃ الوداع کے متعلق گفتگو کر رہے تھے اس دوران حضور ﷺ ہمارے درمیان موجود تھے۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ حجۃ الوداع کیا ہے؟ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی پھر مسیح دجال کا طویل تذکرہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس پیغمبر کو مبعوث فرمایا اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا۔ نوح علیہ السلام نے اس سے اپنی قوم کو ڈرایا اور ان کے بعد والے انبیاء علیہم السلام نے بھی اور اگر وہ تم میں نکل آئے تو تم پر اس کا حال مخفی اور پوشیدہ نہ رہے گا۔ (بلکہ آسانی سے تم پہچان لو گے) بے شک تمہارا رب کانا نہیں اور وہ دجال بلاشبہ دائیں کانی آنکھ والا ہے۔ اس کی وہ آنکھ گویا ابھرا ہوا انگور ہے۔ پھر فرمایا خبردار! بیشک اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے خون اور تمہارے مال حرام کر دیئے ہیں جس طرح تمہارے اس مہینے میں یہ دن حرمت والا ہے۔ خبردار! کیا میں نے تم تک پیغام پہنچا دیا؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ تو بھی گواہ ہو جا''۔ یہ تین مرتبہ فرمایا پھر فرمایا تمہارے لئے ہلاکت وافسوس ہے! دیکھنا میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ بخاری نے اس کو روایت کیا اور مسلم نے کچھ حصہ روایت کیا۔

تشریح ۞ حجۃ الوداع: اس کا نام حجۃ الوداع اس لئے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں امت کو الوداع فرمایا۔ اس کو حجۃ البلاغ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں "هل بلغت" کا کلمہ بار بار فرمایا۔ اس کو حجۃ الاسلام کہتے ہیں کیونکہ اس میں کوئی مشرک نہ تھا۔ (ابن النحوی علی جامع الصغیر)

بین اظهرنا: یہ جملہ محل حال میں واقع ہے۔ یعنی ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔ اظهرنا اور ظهرانینا کا معنی ایک ہی ہے۔

لا ندری ما حجة الوداع: ہم اس حج کی وجہ تسمیہ نہ جانتے تھے۔ توشیح میں ہے کہ گویا یہ بات آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمائی اور صحابہ نے بیان کر دی۔ مگر وداع کی مراد سمجھ نہ آئی کہ وداع سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جدا ہونا ہے یہاں

تک کہ آپ کی جلد وفات ہوگئی۔

النحو: حمد اللّٰہ و اثنٰی کا عطف مغایرت بھی ہوسکتا ہے اور عطف ردیف بھی۔

الدّجال: جھوٹ میں مبالغہ کرنے والا اس لئے کہ وہ مارنے اور زندہ کرنے کا مدعی ہوگا ہر عاقل اس کے دعویٰ کو جھوٹ قرار دے گا چہ جائیکہ ایک مؤمن۔ المسیح کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہوتے ہیں۔ دجال کے لئے اسی لئے اس کو مقید استعمال کیا گیا ہے۔ ابوداؤد کا قول یہ ہے کہ دجال کے لئے یہ سین کی تشدید کے ساتھ ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تخفیف کے ساتھ۔ مگر مشہور پہلا ہے۔ ایک قول یہ ہے ہر ایک میں تشدید و تخفیف مستعمل ہے۔ دجال کا لقب تو اس لئے ہے کہ وہ ممسوح العین الواحد ہے۔ ایک اور قول یہ ہے اس کے چہرے کی ایک جانب ممسوح ہے نہ اس میں آنکھ ہے نہ آبرو۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ ہر خیر سے ہانکا اور دور کیا ہوا ہے۔ بہرصورت فعیل بمعنی مفعول ہے۔ مگر ایک قول یہ ہے کہ فعیل بمعنی فاعل ہے۔ پھر دجال کو دجال کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ زمین کا بڑا حصہ تھوڑے وقت میں طے کرے گا۔ بعض نے کہا مَسّیحٌ، مَسّکنٌ کے وزن پر ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں یہ اصل زبان میں شین سے تھا پھر عربی میں آیا تو سین سے بدل گیا۔

فاطنب آپ نے اس کے فتنہ سے خبردار کرتے ہوئے تفصیل فرمائی۔ من نبی: ہر مرسل نے اس کے فتنے سے خبردار کیا۔ من عموم استغراق کے لئے ہے۔ انذر امتہ یعنی اس کے بعض اوصاف بتلائے۔ انذرہ نوح۔ انذر منه نوح قومه: یہ ماقبل کی تفصیل کرنے والا جملہ ہے۔ اپنی اپنی امتوں کو ڈرایا۔ یخرج فیکم کیونکہ تمہارے بعد کوئی امت نہیں۔ پس اس کا نکلنا ضروری ہے کیونکہ پچھلی امتوں میں نہیں نکلا۔ فما شرطیہ ہے ای شئی یخفی علیکم اِن ربکم۔

اَنّ اپنے معمول سے مل کر یخفی کا فاعل ہے۔ مگر صحیح نسخہ میں یہ اِنّ الگ جملہ ہے ای لا یخفی علیکم مضمون هذا الکلام۔

اِنّه اعور: یہ جملہ مستانفہ ہے یا پہلے اِنّ: سے بدل ہے (کرمانی) بصریین کے نزدیک اصل یہ ہے اعور عین صفحةِ وجهِهِ الیمنٰی: اس کے چہرے کی دائیں جانب والی آنکھ اندھی ہے۔ کان عینه عنبه طافية: اس میں محسن بدیعی ہے جیسا اس حدیث میں ارفع ازارك فانه اتقٰی و ابقٰی و انقٰی: تم اپنی چادر ٹخنوں سے اوپر کرلو یہ زیادہ تقویٰ زیادہ بقاء اور زیادہ ستھرائی کا باعث ہے۔ طفٰی یطفو: تیرنا بلند ہونا۔ اس کی آنکھ کو گچھے میں اپنے مثل دانوں سے الگ ظاہر ہونے والے دانے سے تشبیہ دی ہے۔ الا یہ کلمہ تنبیہ ہے۔ دماء کم و اموالکم یعنی خون بہانا اور مال لینا حرام کیا ان کی ذوات حرام نہیں۔ هذا سے یوم النحر مراد ہے۔ فی بلدکم هذا حرم مکہ مراد ہے۔ ایک سوال۔ مشبہ بہ مشبہ سے کم درجہ ہے یہ خلاف قاعدہ ہے۔

الجواب: اہل عرب کے دلوں میں اس دن اور مکہ شریف کی عظمت ثابت شدہ تھی۔ مگر نفوس و اموال کو جاہلیت میں ہر طرح مباح سمجھا جاتا تھا۔ تشبیہ میں ان کے ہاں ثابت شدہ بات کو سامنے رکھا گیا گویا مناط تشبیہ سامع کے ہاں اس چیز کا ظہور ہے۔ هل بلغت: حاضرین کو خطاب ہے۔ مفعول کو عموم کے لئے حذف کیا گیا ہے۔ ای هل بلغتکم۔ اللھم یہ اصل میں یا اللہ ہے۔ حرف نداء حذف کر کے میم اس کی جگہ لائے۔ اشھد: تو گواہ ہوجا ان کی گواہی پر تاکہ قیامت کو کوئی انکار کرنے والا انکار نہ کر سکے۔ ثلاثا یعنی ثلاث مرات (تین مرتبہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تاکید والی بات کو تین مرتبہ دہراتے۔ کان اذا تکلم بکلام

اعاده ثلاث ليفهم عنه"۔

ويلكم: یہ ویح کی طرح ہے۔ یہ سزا کے لئے آتا ہے۔ کہا جاتا ہے ويلك و ويله۔

اس کا نصب اضمار فعل کی وجہ سے ہے ای الزمه الله ويلاً۔ جب مضاف نہ ہو تو رفع ابتداء کی وجہ سے آتا ہے۔ اگر مرفوع پڑھیں تو اس کی خبر نہیں۔ اضافت کی صورت میں نصب متعین ہے۔ او ويحكم او راوی کو شک ہے کہ کونسا کلمہ فرمایا۔ ویح یہ کلمہ رحمت ہے۔ بقول یزیدی اس کا معنی ایک ہے۔ ولا ترجعوا: رجع 'صیر کے معنی میں ہے اور عمل بھی وہی کرتا ہے جیسا یہی روایت ہے یعنی مت ہلو جاؤ۔ بعدی کفاراً: یہ کالکفار مانیں تو تشبیہ ہے۔ ② مجاز ہو تو بطور تغلیظ یہ بات فرمائی۔ لغۃ چھپانا معنی ہے۔ سیوطی نے دس قول لکھے ہیں جامع صغیر دیکھیں۔ سب سے بہتر اس کو ظاہر پر رکھنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارتداد سے منع فرمایا (جیسا وفات شریف کے بعد ارتداد کا فتنہ زور سے پھیلا اسی کی طرف اشارہ ہے) خوارج نے اس کا معنی کفر سے کیا جو کہ ملت سے نکلنا ہے۔ ان کے ہاں تو ہر معصیت باعث کفر ہے۔ يضرب بعضكم اقاب بعض: قاضی عیاض کہتے ہیں يضرب مضارع مرفوع ہی صحیح روایت ہے۔ ابن ملک کہتے ہیں: ① یہ جملہ کفار کی صفت ہے۔ ای لا ترجعوا بعدی كفرًا متصفين بهذه الصفة يعني يضرب بعضكم: تم میرے بعد کافروں کی طرح نہ ہو جانا کہ ان کی طرح ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔ ② لا ترجعوا: کی ضمیر سے حال ہو۔ تم مت کفر کرنا اس حالت میں کہ ایک دوسرے کی گردنیں مار رہے ہو اس امر کی وجہ سے جو تمہارے درمیان پیش آئے جس سے ناحق قتل کو حلال قرار دے لو۔ ③ کفار کی طرح مقاتلہ کی حالت میں مت لوٹو کہ فتنے اٹھاؤ اور شر بھڑکاؤ۔ اس طرح کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے میں کوئی پرواہی نہ ہو۔

③ با کے جزم سے بھی مروی ہے۔ اس صورت میں ترجعوا کا بدل ہے۔

مت مارو ایک دوسرے کی گردن جیسے کافر کرتے ہیں۔

④ شرط کی جزاء مقدار بھی ہوسکتی ہے۔ پس اگر تم لوٹ گئے تو تم ایک دوسرے کی گردنیں مارو گے۔ (کسائی)

مغلطائی نے جزم پر جزم کر کے کفر والی تاویل کو اختیار کیا ہے اور جنہوں نے مضارع مرفوع مانا ہے وہ حال یا جملہ مستانفہ بناتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

تخریج: بخاری کتاب المغازی من حدیث ابن وہب بسندہ۔ اور دوسرے مقامات پر مختصراً نقل کیا ہے۔ مسلم نے اس کا کچھ حصہ کتاب الایمان میں ابن عمر یہی جملہ نقل کیا: ويلكم لا ترجعوا الحديث مزی کہتے ہیں اس کو ابوداؤد فی السنہ' نسائی فی المحاربہ' ابن ماجہ فی الفتن میں مختصراً نقل کیا ہے۔ (اطراف للمزی)

الفرائد: ① مسیح دجال کے فتنہ سے پناہ مانگنی چاہئے۔ ② مسلمان کا خون مسلمان پر حرام ہے۔ ③ امت کو نصیحت فرمائی گئی کہ زوال پذیر دُنیا کی خاطر وہ ایک دوسرے کا خون مباح نہ قرار دیں اس لئے کہ یہ شدید ترین ظلم ہے۔ ④ دم مسلم کی حرمت کو بلا حرام کی حرمت سے تشبیہ دے کر حرمت میں مبالغہ فرمایا گیا ہے۔

۲۰۸ : وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "مَنْ ظَلَمَ قِيْدَ شِبْرٍ مِّنَ الْاَرْضِ طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ اَرَضِيْنَ"۔ مُتَّفقٌ عَلَيْهِ۔

۲۰۸ : حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے ایک بالشت کے برابر زمین ظلماً قبضہ میں لی اللہ تعالیٰ اس کو سات زمینوں کا طوق گلے میں پہنائے گا''۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ قید: مقدار۔ شبر من ارض یہ قلیل مقدار کا تذکرہ فرما کر ظاہر کر دیا کہ تھوڑی زیادہ مقدار اس میں برابر ہے۔ طُوِّقه طوّقه الله: اللہ تعالیٰ اس کے گلے میں طوق بنا دیں گے۔

خطابی کہتے ہیں: ① اس کو تکلیف دی جائے گی کہ جو اس نے زمین کے ذریعہ ظلم کیا وہ قیامت میں منتقل کرے وہ ظلم گویا اسکے گلے کا ہار بن گیا۔ یہ نہیں کہ حقیقت اس کا طوق بنایا جائے گا۔

② اس کو ساتوں زمینوں تک دھنسا دیں گے۔ تو اس حالت میں ہر زمین اس کا طوق بن جائے گی۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ دوسری تاویل کی تائید ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بخاری والی روایت کر رہی ہے: ''خسف به الی سبع ارضین''۔

③ بعض نے پہلے کی طرح معنی کیا۔ لیکن کہا کہ ظلم منتقل کرنے کے بعد ان مظالم کو اسکی گردن میں طوق بنا دیا جائیگا اور اسکی گردن بڑی کر دی جائیگی تا کہ وہ اس میں پورا آسکے۔ جیسا کہ کافر کے چمڑے کی موٹائی اور بیٹھنے کی جگہ احادیث میں وارد ہے۔

④ اس کو کہا جائے گا کہ اس زمین کو تو اپنے گلے میں ڈال لے۔ وہ اس کی طاقت نہ رکھ سکے گا تو اس کی وجہ سے اسے عذاب دیا جائے گا۔ جیسا جھوٹا خواب بیان کرنے والے کو کہا جائے گا دو جو میں گرہ لگاؤ تو وہ نہ لگا سکے گا تو پٹائی کی جائے گی۔

⑤ گناہ کو اس کے گلے میں لٹکا دیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ مذکورہ ظلم اس کی گردن کو لازم کرنے والا ہوگا جیسا اس ارشاد میں ہے: ﴿والزمناه طائره فی عنقه﴾ (الاسراء) ہر آدمی کا نصیب اس کی گردن میں ڈال دیا جائے گا۔

پہلی تاویل پر قشیری اور بغوی نے جزم کیا۔ ممکن ہے کہ اس جنایت پر یہ ساری عذاب کی اقسام اس کے لئے ہوں یا اس جرم کے مرتکب اپنے فساد کی نوعیت سے اسی انداز کی سزا پائیں جیسا جرم ہو۔

تخریج ☆: متفق علیہ ابن ماجہ عن عائشہ۔ جامع صغیر سیوطی۔ مزی نے سعید بن زید سے نقل کی اور بخاری فی المظالم' ابن ماجہ کا تذکرہ کیا (اطراف للمزی) مسلم کا تذکرہ نہیں کیا۔

الفرائد : ① غصب وظلم حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ ② جو زمین کا مالک ہو وہ تحت الثریٰ تک مالک بن جاتا ہے۔ ③ تمام زمینیں باہم ملی ہوئی ہیں۔ (دراوردی) ④ سبع ارضین کو سبع اقلیم قرار دینے کا نظریہ غلط ہے۔

۲۰۹ : وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِیْ لِلظَّالِمِ فَاِذَا اَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِیَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ [هود: ۱۰۲] مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۲۰۹: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتے ہیں۔ پھر جب اچانک اس کو پکڑتے ہیں تو اس کو بالکل نہیں چھوڑتے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ ......﴾ ''اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ شہروں کو پکڑتے ہیں جبکہ وہ ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یقیناً اس کی پکڑ بڑی دردناک ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ۞ **یملی**: مہلت دیتا ہے۔ **لا ظالم**: ظالم کو اور جلد سزا نہیں دیتا۔ **فاذا اخذہ**: گناہ کے بدلے سزا دیتا ہے۔ **یفلتہ**: اس کو چھٹکارا نہیں دیتا یعنی جب ہلاک کرنا چاہتا ہے تو پھر ہلاکت اس سے دور نہیں کرتا بلکہ ہلاک کر دیتا ہے۔

① اگر کافر ہو تو ظلم کو شرک سے بھی عام سمجھا جائے گا۔

ابن حجر کہتے ہیں **لم یفلتہ**: کا معنی مؤخر نہ کرنا ہو تو یہ توجیہ بہتر ہے کیونکہ اس سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ ظالم جب منصب سے ہٹا دیا جائے تو پھر وہ نہ لوٹے گا حالانکہ ایسا مشاہدہ کے خلاف ہے۔ بہتر ہے کہ اس کو ہماری تاویل پر محمول کریں (فتح الباری) کرمانی کا قول بھی اس کے قریب تر ہے۔ اس کے کثرت مظالم کی وجہ سے نہیں چھوڑتے' اگر وہ کافر ہو تو تابید کی نفی ہے یعنی کبھی نہیں چھوڑتے اور اگر وہ مومن ہے تو مدت طویل تک نہیں چھوڑتے ایک روایت میں **لم یکد**: مذکور ہی نہیں۔ پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿**کذلك اخذ ربك**﴾ (ہود: ۱۰۲) تلاوت فرمائی۔ بیضاوی کہتے ہیں فعل کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس وقت **کذلك** کا کاف محل مصدر میں منصوب ہوگا۔

القری: کا الف لام عوض مضاف ای **اھل القریٰ۔ وھی ظالمۃ**: یہ القریٰ سے حال ہے۔ **ھی** اصل تو اہل کے لئے لائی گئی مگر جب القریٰ اس کی جگہ لائی گئی تو اسی کے مطابق ضمیر لائے اور اس کا ① فائدہ یہ ہے کہ ان کے پکڑنے کی وجہ بتلائی کہ وہ ظلم ہے۔ ② ہر ظالم کو اپنے انجام سے ڈرنا چاہئے۔ ③ دوسروں کو ظلم کے برے انجام سے ڈرانا مقصود ہے۔

اِن اخذہ الیم شدیدٌ: ایسی دکھ آمیز ہوتی ہے جس سے خلاصی کی امید نہیں ہوتی۔ یہ تہدید و تحذیر ہے۔ معتزلہ نے اس کو تمام گناہ گاروں پر جاری کیا ہے۔ (حالانکہ روایت اس کا ساتھ نہیں دیتی۔

تخریج: أخرجه البخاری (٤٦٨٦) و مسلم (٢٥٨٣) والترمذی (٣١١٠) والنسائی فی الکبری (٦/١١٢٤٥) وابن ماجه (٤٠١٨) وابن حبان (٥١٧٥) والبیهقی فی الکبری (٦/٩٤) و فی الأسماء والصفات (١/٨٢)

الفرائد: ① ظلم کا انجام نہایت خطرناک ہے۔ ② معصیت کے باوجود اگر خوشحالی ہو تو یہ استدراج ہے۔ (مسند احمد عن عقبہ)

۲۱۰: وَعَنْ مُعَاذٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اِنَّكَ تَاْتِیْ قَوْمًا مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَادْعُهُمْ اِلٰی شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ، فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ كُلِّ يَوْمٍ لَيْلَةٍ، فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدِ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَآئِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَآئِهِمْ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاِيَّاكَ وَكَرَآئِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ''

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۲۱۰: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یمن) بھیجا تو ارشاد فرمایا: ''تم جن لوگوں کے پاس جارہے ہو وہ اہل کتاب ہیں سب سے اوّل ان کو لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی دعوت دو۔ اگر وہ اس کو مان لیں تو پھر ان کو بتلانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لے کر ان کے فقراء میں تقسیم ہوگی۔ اگر وہ اس بات کو بھی تسلیم کر لیں۔ تو (وصولی کے وقت) ان کے عمدہ اموال کو لینے سے پرہیز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا۔ اس لئے کہ اس کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں (یعنی رد نہیں کی جاتی)''۔ (متفق علیہ)

تشریح ۞ **مُعاذ**: میم کے ضمہ کے ساتھ۔ **بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** یعنی یمن کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ ۹ھ تبوک سے واپسی کے بعد کی بات ہے۔ (واقدی) یہ یمن سے خلافت فاروقی میں واپس آئے پھر شام کی طرف چلے گئے۔ وہاں طاعون عمواس میں وفات پائی۔ **فقال..... اهل الكتاب**: یہود و نصاریٰ کی تعداد یمن میں مشرکین کی بنسبت زیادہ تھی۔ ان کو متنبہ کیا تاکہ ان کے ساتھ مناظرہ کے لئے تیار ہو جائیں اور ان کے لاجواب کرنے کے لئے دلائل جمع کر لیں کیونکہ وہ مشرکین کی بنسبت اہل علم ہیں۔ **لذلك**: کلمہ توحید کا اقرار کر لیں۔ قرطبی کہتے ہیں یہ وہ چیز ہے جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا یہی دعوت قبل القتال ہے۔ جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امراء کو وصیت فرمائی۔ اس کے حکم میں اختلاف ہے مگر اس روایت میں ان کی دلیل ہے کہ پہلی ضروری بات اقرار شہادتین ہے۔ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے ہاں سب سے پہلا فرض ہر مکلف کے لئے وہ تصدیق یقین ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور کتابوں اور جو وحی انبیاء علیہم السلام پر اتری اس مین شک نہ رہے۔ جس طرح بھی یہ ایمان حاصل ہو اور جس راہ سے اس تک پہنچا جائے۔ زبان کا اقرار دل میں مستقر ہونے والے اسی ایمان کو ظاہر کرنے والا ہے اور ظاہر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر اسلام کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔ اس روایت میں ان لوگوں کے لئے کوئی دلیل نہیں جو کفار کے متعلق فروعات کے خطاب کو حجت نہیں مانتے ہیں۔ اس کے بعد کہ انہوں نے شہادتین کا زبان سے اقرار کر لیا ہے کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے اور اس کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایمان اعمال صالحہ کی درستگی کے لئے شرط ہے۔ فروع کے خطاب کے لئے نہیں۔ اسلئے کہ فروعات کا کرنا اسی وقت درست ہے جب پہلے ایمان ہو اور ایک ہی وقت میں ایمان اور فروع سے خطاب درست ہے۔ اگرچہ وجود میں ایک دوسرے کے بعد ہیں۔

قرطبی کہتے ہیں یہ احتمال اس سلسلہ میں ظاہر ہے جس سے انہوں نے استدلال لیا ہے اگر ظاہر نہ مانو تو کم از کم برابر ہے۔ پس اس حکم کی نسبت سے یہ خطاب مجمل ہوگا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اهم فلاهم کے پیش نظر یہ قواعد مرتب فرمائے۔

النَّحو: **فان هم اطاعوا** میں ان شرطیہ ہے اور هم فعل محذوف کا فاعل ہے۔ اس کی نظیر یہ آیت (الفهم) ہے۔ ﴿وان احدٌ من المشركين استجارك﴾ (توبہ:٦) اور فاعلمهم اس کا جواب ہے۔ **اطاعوك لذلك** یعنی وجوب کا اقرار اور اس

کے کرنے کا پختہ عزم کرلیں۔ صدقة: سے مراد زکاۃ ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے اس کو صدقہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دل سے ایمان کی سچائی پر دلالت کرتا ہے۔ من اغنیائهم یعنی ان کے اموال سے اور مسلم میں یہ الفاظ ہیں :تو خذ من اموالكم۔ اموالهم کی تعبیر بتلاتی ہے کہ اگر وہ زکوٰۃ کا انکار کریں گے تو ان کے مال سے زبردستی لیا جائے گا اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ رہا یہ سوال کہ وہ بری الذمہ ہو جائیں گے اور باطناً ان کے لئے بھی درست ہو جائیگا یا نہیں دونوں قسم کے قول ملتے ہیں۔ فترد: مسلم میں فا کے بغیر ہے۔ امام مالک نے اسی روایت سے استدلال کیا کہ اصناف مذکورہ پر زکوٰۃ کی تقسیم لازم نہیں۔ بلکہ امام کو اختیار ہے کہ کسی ایک قسم کو دے دے جبکہ اس میں کوئی دینی مصلحت ہو۔ (کذا قال تو لجی) ابن دقیق العید کہتے ہیں یہ قابل بحث ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ فقراء کا تذکرہ ان کے غالب ہونے کی وجہ سے ہو اور ان کے اور اغنیاء میں مطابقت کے لئے یہ فرمادیا۔

النحو : اياك و كرالم اموالهم یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اس کا اظہار جائز نہیں۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں واؤ کا حذف جائز نہیں۔ کرائم جمع کریمة یعنی نفیس۔

فائدہ : اس میں عمدہ مال لینے کی ممانعت ہے۔ اس میں اہم بات یہ ہے' زکوٰۃ فقراء کی ہمدردی کے لئے ہے۔ اس کی وجہ سے اغنیاء کے اموال کو چھیننا جائز نہیں البتہ اگر وہ اپنی رضا مندی سے اعلیٰ مال دیں تو لے لیا جائے گا۔ واتق وعدة المظلوم: ابن حجر کہتے ہیں ظلم سے بچو تا کہ تیرے خلاف کوئی مظلوم بد دعا نہ کرے۔ اس سے ہر قسم کے ظلم سے روکا۔ عمدہ مال لینے کے بعد۔

نکتہ ☆: اس کو ذکر کرنے میں نکتہ یہ ہے کہ یہ لینا بھی ظلم بنے گا۔ بعض کہتے ہیں اتق: کا عطف ایاك کے عامل فعل پر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: واتق نفسك ان تتعرض ملكرائم۔ اپنے کو عمدہ اموال کی طرف تعرض سے بچاؤ۔ ② اس عطف سے اشارہ کیا کہ عمدہ مال لینا ظلم ہے۔ لیکن ظلم سے مطلقاً بچنے کے لئے اشارہ عام کیا۔ فانه ليس بينها وبين الله حجاب۔ ہ ضمیر عموماً مذکر آتی ہے یہ دعاء کی طرف لوٹتی ہے مسلم نے فانها مونث نقل کی ہے۔ وہ لفظ دعوت کی طرف راجع ہوگی۔ حجاب کا مطلب یہ ہے کہ اس دعا کو کوئی روکنے اور پھیرنے والا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ گناہ گار کی بد دعا بھی قبول ہو جائے گی جیسا کہ فرمایا: اس کا گناہ اپنے مقام پر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حجاب ہے۔ جو اس کو لوگوں سے روکنے والا ہے۔ طیبی کہتے ہیں عمدہ مال لینے کے خاص ظلم اور دیگر ظلم پر مشتمل ہونے کے متعلق آخری بات کہہ جا رہی ہے۔ یہ تقویٰ کی تعلیل اور دعا کی تمثیل ہے۔ جیسا جو آدمی مظلوم بن کر بادشاہ کے دروازے کا قصد کرے اسے روکا نہیں جاتا۔

ابن العربی کہتے ہیں یہ اگرچہ ظاہر میں مطلق ہے مگر دوسری روایت سے مقید ہے۔ دعا کرنے والے کے تین مراتب ہیں: ① اس کا مطلوب جلد مل جائے۔ ② اس سے بہتر جمع کر لیا جائے۔ ③ اس کی تکلیف رفع کر دی جائے۔ یہ اس طرح مطلق مقید ہے۔ ﴿امن يجيب المضطر اذا دعاهُ﴾ (النمل: ۶۲) اس کو مقید کرنا والا ﴿فيكشف ما تدعون اليه ان شاء﴾ (انعام: ۴۱)

فائدہ : حدیث میں صوم' حج کا تذکرہ نہیں حالانکہ معاذ رضی اللہ عنہ کو اواخر میں بھیجا گیا۔

الجواب: ابن حجر کہتے ہیں علامہ بلقینی نے فرمایا جب موقعہ بیان ارکان کا ہو تو شارع کوئی چیز نہیں چھوڑتے جیسے روایت ابن عمر **بنی الاسلام علی خمس** اور جب اسلام کی طرف دعوت کا موقعہ ہو تو پھر شہادۃ' نماز و زکوٰۃ کا تذکرہ ہوتا ہے۔ خواہ فرضیت صوم و حج کے بعد ہی ہو جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فان تابوا واقاموا الصلاۃ واتوا الزکاۃ﴾ (التوبۃ: ۵) توبہ کی آیات قطعی طور پر فرضیت صوم و حج کے بعد اتری ہیں مگر تذکرہ تین ارکان کا کیا گیا ہے (کہ یہ موقعہ دعوت ہے)

روایت ابن عمر امرت ان اقاتل الناس حتی یشھد ان لا الہ الا اللّٰہ ویقیمو الصلاۃ ویؤتوا الزکوۃ وغیرہ احادیث میں ان تین باتوں کا تذکرہ ہے ① اس کی حکمت یہ ہے کہ ارکان میں پانچوں چیزیں اعتقادی عبادت ہیں۔ ① شہادت (زبانی عبادت) نماز (بدنی عبادت) زکاۃ (مالی عبادت) دعوت میں ان تین پر اکتفاء کر کے دوسرے دو ارکان کو ان پر متفرع کیا۔ اس لئے کہ روزہ وہ محض بدنی عبادت اور حج مالی' بدنی کا مجموعہ ہے گویا ان میں یہ بھی آ گئے۔

② کلمہ اسلام کفار پر گراں ہے۔ نماز گراں ہے کہ بار بار ادا کرنا پڑھتی ہے اور زکاۃ گراں ہے کہ جبلت انسان میں حب مال ہے۔ جب ان تین پر کامل یقین ہو جائے گا تو دوسری آسان ہو جائیں گی۔

تخریج: أخرجه احد (۱/۲۰۷۱) والبخاری (۱۳۹۵) و مسلم (۱۹) و أبو داود (۱۵۸٤) والترمذی (٦۲۵) والنسائی (۲٤۳٤) وابن ماجه (۱۷۸۳) والدارمی (۱/۳۷۹) وابن منده (۱۱٦) و ابن حبان (۱۵٦) والطبرانی (۱۲٤۰۸) والدارقطنی (۲/۱۳٦) و ابن أبی شیبة (۳/۱۱٤) وغیرھم۔

الفرائد: ① قتال سے پہلے دعوت دینی چاہئے۔ ② احکام میں اہم ترین اہم کی طرف لوٹیں گے۔ ③ خطاب میں نرمی اختیار کرنی چاہئے۔ اگر پہلی ہی مرتبہ تمام اعمال کا مطالبہ ہوگا تو نفرت پیدا ہوگی۔ ④ خبر واحد قابل عمل ہے۔ ⑤ زکوٰۃ میں اعلیٰ اموال نہ لئے جائیں بلکہ متوسط مال لیا جائے۔

۲۱۱ : وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ : اسْتَعْمَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِّنَ الْاَزْدِ یُقَالُ لَہٗ: ابْنُ اللُّتْبِیَّۃِ عَلَی الصَّدَقَۃِ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ : ھٰذَا لَکُمْ وَھٰذَا اُھْدِیَ اِلَیَّ ، فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ : اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَسْتَعْمِلُ الرَّجُلَ مِنْکُمْ عَلَی الْعَمَلِ مِمَّا وَلَّانِیَ اللّٰہُ فَیَاْتِیْ فَیَقُوْلُ : ھٰذَا لَکُمْ وَھٰذَا ھَدِیَّۃٌ اُھْدِیَتْ اِلَیَّ اَفَلَا جَلَسَ فِیْ بَیْتِ اَبِیْہِ اَوْ اُمِّہٖ حَتّٰی تَاْتِیَہٗ ھَدِیَّتُہٗ اِنْ کَانَ صَادِقًا وَاللّٰہِ لَا یَاْخُذُ اَحَدٌ مِنْکُمْ شَیْئًا بِغَیْرِ حَقِّہٖ اِلَّا لَقِیَ اللّٰہَ تَعَالٰی یَحْمِلُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَلَا اَعْرِفَنَّ اَحَدًا مِّنْکُمْ لَقِیَ اللّٰہَ یَحْمِلُ بَعِیْرًا لَّہٗ رُغَآءٌ اَوْ بَقَرَۃً لَّھَا خُوَارٌ اَوْ شَاۃً تَیْعَرُ" ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی رُؤِیَ بَیَاضُ اِبِطَیْہِ فَقَالَ : اَللّٰھُمَّ ھَلْ بَلَّغْتُ ثَلَاثًا۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

۲۱۱: حضرت ابوحمید عبدالرحمٰن بن سعد الساعدیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص جس کو ابن لتبیہ کہا جاتا تھا ازد قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا' زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر فرمایا۔ جب وہ (وصولی کر کے) واپس آیا تو کہنے لگا۔ یہ

تمہارے لئے ہے اور یہ مجھے ہدیہ دیا گیا ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی۔ پھر فرمایا: ''امابعد! میں تم میں سے کسی آدمی کو کسی کام پر مقرر کرتا ہوں۔ وہ کام جن کا نگران اللہ نے مجھے بنایا ہے۔ پس وہ واپس آ کر کہتا ہے یہ تمہارے لئے اور یہ مجھے لوگوں کی طرف سے ہدیہ دیا گیا ہے۔ پس وہ اپنے باپ یا ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا تا کہ اس کا ہدیہ آئے۔ اگر وہ سچا ہے۔ اللہ کی قسم! تم میں سے جو شخص کوئی چیز اس کے حق کے بغیر لے گا۔ وہ اللہ کو اس حالت میں ملے گا کہ اس مال کو اٹھائے ہوئے ہوگا۔ پس میں تم میں سے کسی آدمی کو نہ دیکھوں کہ وہ اللہ سے ملاقات کے وقت اپنی گردن پر اونٹ اٹھائے ہوئے ہو اور وہ اونٹ بلبلا رہا ہو یا گائے اور وہ ڈکار رہی ہو یا بکری اور وہ ممیا رہی ہو۔ پھر آپ ﷺ نے دست اقدس اتنے بلند اٹھائے کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی اور آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: ''اے اللہ! کیا میں نے بات پہنچا دی''۔ (متفق علیہ)

تشریح ✿ ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ ان کا نام عبدالرحمان بن عمرو بن سعد (تجرید ذہبی) بعض نے والد کا نام منذر بن سعد بتلایا۔ ابن اثیر نے بن مالک بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن الخزرج۔ نووی نے ابن ساعدہ بن کعب بن الخزرج کا اضافہ فرمایا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ابن عمرو بن سعد بن المنذر بن مالک کو اہل مدینہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ خلافت معاویہ میں وفات ہوئی۔ انکی مرویات ۱۲۰ ہیں۔ بخاری و مسلم نے تین' بخاری نے ایک مسلم نے ایک روایت کی ہے۔

رجلا من الازد: عجالۃ المبتدی میں حازمی کہتے ہیں ازد کا نام داؤد ہے بعض دراء بن غوث بن مالک بن ردد بن کہلان بن سباء بن یشجب بن یعرب بن قحطان ہے۔ قحطان میں انصار سے نسب مل جاتا ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے اگر ہم ازد سے نہیں تو ہم انسان ہی نہیں۔

حدیث میں وارد ہے: **الازد جرثومة العرب** ازد عرب کی اصل ہے اور روایات میں ان کا تعریفی تذکرہ موجود ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **الازد اسد اللّٰه فی الارض یرید الناس ان یضعوهم ویأبی اللّٰه الا ان یرفعهم ولیأتین علی الناس زمان یقول الرجل یالیتنی کان ابی ازد یا یالیتنی کانت امی ازدیة** یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو اسی سند سے جانتے ہیں۔ ''ازد زمین میں اللہ کے شیر ہیں لوگ ان کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔ آئندہ زمانے میں لوگ اپنی نسبت ازد کی طرف ہونے کی تمنا کریں گے۔

ابن اللتبیه: یہ بنی لُتب کی طرف نسبت ہے جو قبیلہ بنو اسد کا ایک خاندان ہے۔ نووی کہتے ہیں: لُتبیّہ اور ابن اتبیہ یہ ہمزہ اور اسکان تا کے ساتھ درست نہیں پہلا ہی درست ہے۔ اس آدمی کا نام عبداللہ تھا۔ ذہبی نے بھی تجرید میں یہی لکھا ہے۔ **الصدقه** سے مراد زکوٰۃ ہے۔ **هذا لكم** یہ مسلمانوں کا اُهدی یہ ماضی مجہول ہے۔ **المنبر** یہ النبر سے لیا گیا وہ بلندی کو کہتے ہیں۔ **استعمل الرجل** میں اس عمل پر تم میں سے کسی کو مقرر کرتا ہوں۔ **ولانی اللّٰه:** یہ اصل میں **ولانیه اللّٰه** ہے۔ یعنی زکاۃ وغنائم جن میں مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ **اهدیت لی:** یہ بات عامل کے متعلق فرمائی مراد اس کو خبردار کرنا تھا۔ یہ آپ کا حسن خلق اور عظمت ہے کہ عام انداز میں بات فرمائی۔ **بیت ابیه او بیت امه:** اوہیں کہتے ہیں یہاں شک یا تنویع کے لئے ہے۔ **اهدی الی** سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کی ذات کو ہدیہ کیا گیا مگر یہ اس کے عہدہ کی وجہ سے ملا تھا۔ عاقولی کہتے ہیں کہ اس میں اس

پر تعریض ہے کہ اگر یہ عہدہ نہ ہوتا تو اس کو کوئی نہ پوچھتا۔ پس ہدایا عہدہ کی وجہ سے ملے ہیں۔

فائدہ: حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عمال کے ہدایا مطلقاً حرام ہیں۔ واللّٰہ: یہ تاکیداً فرمایا۔ اے گروہ عمال تم کوئی چیز نہ لو۔ یحمله یوم القیامة: بخاری ومسلم کی روایت میں علی رقبته اگر کہیں کہ آیت هم یحملون اوزارهم علی ظهورهم ہے تو جواب یہ ہے: ① پشت قریب تر کو شامل ہے۔ ② آیت کفار کے لئے ہے اور یہ مؤمن کے لئے ہے۔ ③ وہ مطلق بوجھ سے متعلق ہے اور یہ عامل زکاۃ کے متعلق خاص ہے یہ بطور امتیاز اس لئے لائے تاکہ اس کی مزید قباحت کی طرف اشارہ ہو کہ اس میں دو حق ہیں (۱) آدمی کا حق، (۲) اللہ تعالیٰ کا حق۔

النحو: یحمل بعیراً له رغاء: یہ ماقبل سے حال ہے۔ رغا: رغو اونٹ کا بولنا۔ خوار: گائے کے ڈھکارنے کی آواز۔ تیعَرُ الیعاد مصدر سے ہے بکری کا ممیانہ۔ حکمت یہ ہے ان جانوروں کو اٹھانے اور ان کے آواز نکالنے میں آدمی کی فضیحت زیادہ ہے۔ حتی رأینا عفرة ابطیه: حتی غایت کے لئے لاکر رفع میں مبالغہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ عُفرة: وہ سفیدی جس کا رنگ مٹیالا ہو۔ ① یہ دور سے ایسا نظر آیا۔ ② وہاں شاید بال ہوں ان کی وجہ سے ایسا نظر آیا۔ دوسری روایات میں بیاض ابطیه آیا ہے۔ شاید یہ قرب اور عدم شعر کی وجہ سے دونوں روایات میں منافات نہیں۔ حافظ عراقی کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں بغل کے بالوں کا نہ ہونا ہے۔ کسی روایات میں بالوں کا ثبوت نہیں۔ بیاض ابطیه: والی روایت عُفرة ابطیه کے معارض ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ بغل میں بدبو نہ تھی۔

تخریج: أخرجه البخاری (۹۱۵) و مسلم (۱۸۳۲) و أبو داود (۲۹۴۶)

الفرائد: ① حکام کے ہدایا خیانت ورشوت ہیں۔ ② امیر المؤمنین کو ہمیشہ رعایا سے خیر خواہی برتنی چاہئے۔

۲۱۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "مَنْ كَانَتْ عِنْدَهٗ مَظْلِمَةٌ لِاَخِیْهِ: مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ مِنْ شَیْءٍ فَلْیَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْیَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا یَكُوْنَ دِیْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ: اِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ، وَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَیِّئَاتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَیْهِ" رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ۔

۲۱۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کسی مسلمان پر اپنے دوسرے بھائی کا کوئی حق ہو خواہ وہ عزت وآبرو سے متعلق ہو یا کسی اور چیز سے متعلق ہو وہ آج ہی اس سے معاف کروالے اس دن سے پہلے کہ جس میں کسی کے پاس (ازالہ حق کے لئے) نہ کوئی دینار و درہم ہوں گے۔ اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو وہ اس ظلم کی بقدر لے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو حق والے کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی''۔ (بخاری)

النحو: مَظلمه لاخیه من عرضه لاخیہ محل حال میں مَظلمه: کا بیان ہے۔ او من شئی عام کا خاص پر عطف ہے۔ پس تھپڑ بھی اس میں داخل ہے۔ ترمذی کی روایت من عرض او مالٍ: کے لفظ ہیں۔ العرض: ذات، جیسا کہتے ہیں اکرمت

عنه عرضی وفلان نقی العرضی یعنی عیب وشتم سے بری ہے۔(صحاح) بعض نے حسب مراد لیا ہے۔صاحب توشیح کہتے ہیں انسان کے مدح وذم کا مقام خواہ ذات ہو یا حسب۔ الیوم سے مراد دنیا ہے۔ الایکون دینار کون وجود کے معنی میں ہے یہ قیامت کا دن ہے۔ابن حجر کہتے ہیں یہ علی بن جعد کی روایت میں ہے:ان کان له ای عنده اس کے ذمہ حق ہو۔ عمل صالح اخذ یہ معروف پڑھیں حق والا لے لے گا۔ ② مجہول پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لینے کا حکم دیں گے۔ له حسنات یہاں جمع کا مفہوم مراد نہیں یعنی اگر حسنہ نہ ہو جس کے عمل صالح میں نیکی ہو وہ قسم کے افراد سے نہ ہوگا۔ صاحبه: حق والا۔ حمل علیه: ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔(بخاری) ابن حجر کہتے ہیں مسلم نے اور سند سے واضح تر سیاق سے اس طرح روایت کی ہے۔ المفلس من امتی من یأتی یوم القیامة بصلاة وصیام وزکاة اس روایت اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں تعارض نہیں:﴿ولا تزر وازرة وزر اخری﴾ (الانعام:۱۶۴) کیونکہ یہ سزا اپنے فعل ظلم کی وجہ سے ملی ہے۔بغیر جرم سزا نہ دی جائے گی' کیونکہ اس کے اپنے فعل اور ظلم کے سبب سے وہ سزا یافتہ ہوا۔اس کو بلا جرم سزا نہیں ملی۔حسنات وسیئات کا تقابل عدل الٰہی کے مطابق کیا گیا ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (۳/۹۶۲۱) والبخاری (۲۴۴۹) والطیالسی (۳۲۱۸) وابن حبان (۷۳۶۱) والبیهقی (۳/۳۶۹)

الفرائد: ① زیادتی مظلوم سے معاف کروانی چاہئے۔ ② مسلمانوں کی عزت میں زبان کو نہ چلانا چاہئے۔

۲۱۳: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

۲۱۳: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دے''۔(متفق علیہ)

تشریح: العاص: کا لفظ کتب حدیث میں حذف یا کے ساتھ آتا ہے وہ ایک لغت ہے۔فصیح لغت میں العاصی ہے۔یا حذف یا کثرت سے آتا ہے۔(نووی) مصری کہتے ہیں صحیح تر بات یہ ہے کہ یا ثابت نہیں خواہ تخفیف کی وجہ ہو یا اجوف ہو۔ قاموس میں ہے:الاعیاص من قریش یہ امیہ بن عبدشمس بن العاص کی اولاد کو کہا جاتا ہے۔ابوالعاص'العیص پس اس وجہ سے اس کی کتابت یا سے درست نہیں نہ وقفاً نہ وصلاً ایسا پڑھنا درست ہے۔ اس لئے کہ یہ معتل العین ہے۔ ایسا نہیں جیسا بعض لوگوں نے اس کو معتل لام سے اسم فاعل بنا ڈالا۔(القاموس)

المسلم: کامل الاسلام۔نووی کہتے ہیں جس میں صفت نہ ہو اس سے اصل اسلام کی نفی مراد نہیں۔من سلم المسلمون: یہ اسی طرح ہے جیسا کہتے ہیں:العلم ما لقع یا العالم زید یعنی کامل یا محبوب ان تمام میں فضیلت مراد ہے حصر مراد نہیں۔پھر مسلمانوں کا تذکرہ غالب کے لحاظ سے ہے کیونکہ مسلمان کا مسلمان کو تکلیف سے بچانا زیادہ اہم ہے کفار تو لڑائی کے لائق ہیں

اگر چہ ان میں بھی کچھ ایسے ہیں جن سے ہاتھ روکنا ضروری ہے۔ جمع مذکر بطور تغلیب لائے مسلمان عورتیں بھی اس میں داخل ہیں۔ جسم میں سے زبان کا تذکرہ اس لئے کیا گیا کیونکہ زبان دل و ہاتھ یعنی جو کچھ ہو اس کی تعبیر کرتی ہے۔ اور اکثر افعال کا ذریعہ ہے زبان کی نسبت سے بات عام ہے ہاتھ سے نہیں کیونکہ گزشتہ لوگوں اور موجودین نئے پیدا ہونے والوں کے متعلق بات ہو سکتی ہے۔ ہاتھ سے یہ ممکن نہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ ہاتھ کی کتابت میں زبان شریک ہو اور اسکا اثر اس سلسلہ میں بڑا ہے اور اس سے شرعاً وہ کام مستثنیٰ ہیں جو فقط ہاتھ سے ہوتے ہیں مثلاً اقامت حدود' قیام تعزیرات۔

یہاں لسان کا لفظ لایا گیا۔ قول نہیں لائے اس تعبیر میں نکتہ یہ ہے۔

ایک نکتہ: تا کہ اس میں زبان کا بطور استہزاء نکالنا بھی داخل رہے۔ (حالانکہ اس نے کوئی کلمہ نہیں کہا) ید کو لائے اور کسی جوارح کا ذکر نہیں کیا تا کہ معنوی ید یعنی غلبہ علی حق الغیر بھی اس میں شامل رہے۔

فَائِدَہ: اسلام اور مسلم کی کمال اور بھی بہت سے خصال پر موقوف ہے ان کا تذکرہ خاص ضرورت کی وجہ سے کیا۔

المهاجر: یہ ہجر سے ہے۔ وہ چھوڑنے کو کہتے ہیں یہاں چھوڑنے والا مراد ہے۔ اگر چہ باب مفاعلہ فعل کے طرفین سے وقوع کو چاہتا ہے لیکن یہاں مسافر کی طرح ایک جانب مراد ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں مفاعلہ کا باب مراد ہو کیونکہ وطن چھوڑنے والے کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ہجرت کی دو قسمیں ہیں: ① فتنوں سے بچانے کے لئے دین کو لے کر بھاگ جانا۔ ② جن برائیوں کی طرف نفس امارہ دعوت دے ان کو چھوڑنا۔ اسی کی طرف من هجر ما حرم الله: میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مہاجرین کو خصوصاً خبردار کیا تا کہ وہ صرف ترک وطن پر اکتفاء نہ کریں بلکہ شرع کے اوامر و نواہی پر چلیں۔ ممکن ہے کہ یہ قول ہجرت کے انقطاع کے بعد کہا گیا ہو۔ جبکہ مکہ فتح ہو گیا۔ تو جن لوگوں کو ہجرت کا موقعہ نہ ملا تھا ان کے دلوں کو رکھنے کیلئے فرمایا گیا کہ اصل ہجرت ممنوعات الٰہیہ سے باز رہنا ہے۔ یہ کلمات بہت سے معانی کو شامل ہیں۔ یہ جوامع الکلم میں سے ہے۔

تخریج: أخرجه أحمد (۲/۶۵۲۵) والبخاری (۱۰) و مسلم (٤٠) نحوه۔

الفرائِد: ① ہر طرح کی ایذاء سے دوسرے مسلمان کو بچانا چاہئے۔ ② اصل ہجرت ترکِ منکرات معاصی ہے۔

۲۱۴: وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ عَلٰى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُّقَالُ لَهٗ كِرْكِرَةٌ فَمَاتَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "هُوَ فِي النَّارِ" فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ إِلَيْهِ فَوَجَدُوْا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۲۱۴: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کی نگرانی پر ایک آدمی مقرر تھا۔ اس کو کرہ کہتے تھے۔ وہ فوت ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جہنم میں ہے۔ پس اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم غور کرنے لگے (کہ وہ آگ میں کیوں گیا) پس انہوں نے اس کے پاس ایک دھاری دار چادر پائی جس کو اس نے مالِ غنیمت میں سے چرالیا تھا''۔ (بخاری)

تشریح: ثقل: جس سامان کا اٹھانا گراں ہو اور اہل وعیال۔ کَرِکَرۃ: ابن حجر کہتے ہیں واقدی نے کہا یہ سیاہ رنگ

تھے' لڑائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جانور تھامتے تھے۔ ابو سعید نیشا پوری نے شرف المصطفیٰ ﷺ میں لکھا ہے کہ یہ نوبہ کے رہنے والے تھے۔ انہیں ہودہ بن علی الحنفی رئیس یمامہ نے آپ ﷺ کو ہدیہ بھیجا۔ آپ ﷺ نے آزاد کر دیا۔ بلاذری کہتے ہیں انہوں نے غلامی میں وفات پائی۔ عیاض نے دونوں کاف کا فتحہ وکسرہ دونوں نقل کئے۔ نووی نے پہلے کاف کو مختلف فیہ اور دوسرے کو مکسور مانا ہے مگر بخاری نے اس کے برعکس کہا ہے۔ هو فی النار: گناہ پر سزامل رہی ہے یا وہ آگ ہے اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی نہ ہوئی۔

ینظرون الیه: عذاب لانے والے سبب کے متلاشی ہوئے۔ عباء جمع اعبیہ مشہور کپڑا ہے۔ ابن درید۔ خلیل سیاہ خطوط والا کپڑا۔ زبیدی نے اس کو بلا ہمزہ مانا ہے۔ دوسروں نے عباءۃ: یہ اس میں دو لغتیں ہیں۔ ہر دھاری دار کپڑا۔ غلّھا: غلول مال غنیمت کی خیانت۔ اس کے نام کی وجہ یہ ہے کہ اس کا لینے والا اس کو اپنے سامان میں چھپا لیتا ہے۔ نووی نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال غنیمت میں تھوڑی یا زیادہ خیانت کرنا گناہ ہے۔ (بخاری) کتاب الجہاد' ابن ماجہ میں ہے۔

تخریج: أخرجه احمد (۲/۲۵۰۳) والبخاری (۳۰۷۴) وابن ماجه (۲۸۴۹)

الفوائد: ① مالِ غنیمت میں تھوڑی یا زیادہ خیانت حرام ہے۔ ② ناحق کسی کی چیز لے لینے والا عذاب میں مبتلا ہوگا۔ خواہ وہ افضل الخلق کا خادم ہو۔ ③ موت کی آمد سے پہلے اس کا استحضار ہونا چاہئے اور حقوق بھی واپس کر دینے چاہئیں۔

۲۱۵: وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ نُفَیْعِ ابْنِ الْحَارِثِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ کَهَیْئَتِهٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِّنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ: ثَلَاثٌ مُتَوَالِیَاتٌ: ذُوا لْقَعْدَةِ وَ ذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِیْ بَیْنَ جُمَادٰی وَشَعْبَانَ اَیُّ شَهْرٍ هٰذَا؟" قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ' فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ بِغَیْرِ اسْمِهٖ قَالَ: "اَلَیْسَ ذَا الْحِجَّةِ؟" قُلْنَا: بَلٰی۔ قَالَ: "فَاَیُّ بَلَدٍ هٰذَا؟" قُلْنَا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ بِغَیْرِ اسْمِهٖ. قَالَ: "اَلَیْسَ الْبَلْدَةَ؟" قُلْنَا۔ بَلٰی قَالَ: "فَاَیُّ یَوْمٍ هٰذَا؟" قُلْنَا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ' فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ بِغَیْرِ اسْمِهٖ۔ فَقَالَ: "اَلَیْسَ یَوْمَ النَّحْرِ؟" قُلْنَا: بَلٰی۔ قَالَ: "فَاِنَّ دِمَآءَ کُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْاَلُکُمْ عَنْ اَعْمَالِکُمْ اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ کُفَّارًا یَّضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ' اَلَا لِیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ یُّبَلِّغُهٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَوْعٰی لَهٗ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهٗ" ثُمَّ قَالَ: "اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟" قُلْنَا: نَعَمْ قَالَ: "اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ" مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ۔

۲۱۵: حضرت ابوبکرہ نفیع بن حارث ؓ سے روایت ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''بے شک زمانہ اپنی اسی حالت پر گھوم کر آ گیا جس میں اللہ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے بعد پیدا فرمایا۔ سال بارہ ماہ کا ہے جن میں سے چار حرمت والے ہیں۔ تین مسلسل۔ ذوالقعدہ ذوالحجہ محرم اور (چوتھا) رجب مضر جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔ پھر آپ ؐ نے دریافت فرمایا: یہ کونسا مہینہ ہے؟۔ ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ ؐ خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ ؐ اس کا اور نام تجویز فرمائیں گے۔ آپ ؐ نے فرمایا: ''کیا یہ ذوالحجہ نہیں؟ ''ہم نے کہا کیوں نہیں؟ پھر آپ ؐ نے دریافت فرمایا: ''یہ کون سا شہر ہے؟'' ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ ؐ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ اس کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے۔ آپ ؐ نے فرمایا: ''کیا یہ خاص شہر (مکہ) نہیں؟''۔ ہم نے کہا کیوں نہیں۔ آپ ؐ نے پھر دریافت فرمایا: ''یہ کونسا دن ہے؟'' ہم نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ پھر آپ ؐ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ اس کا کوئی دوسرا نام تجویز فرمائیں گے۔ پس آپ ؐ نے فرمایا: ''کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟'' ہم نے کہا کیوں نہیں۔ اس پر آپ ؐ نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر اس طرح حرام ہیں جس طرح تمہارے اس دن کی حرمت تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینہ میں ہے۔ عنقریب تم نے اپنے رب سے ملاقات کرنی ہے۔ پس وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق باز پرس کرے گا۔ خبردار! تم میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔ اچھی طرح سن لو! جو یہاں موجود ہے وہ غائب کو (پیغام) پہنچا دے شاید کہ وہ شخص جس کو بات پہنچائی جائے وہ ان سے زیادہ یاد رکھنے والا ہو جنہوں نے مجھ سے یہ بات سنی ہے۔ پھر فرمایا: ''اچھی طرح سنو! کیا میں نے (پیغام) پہنچا دیا ہے۔ پھر فرمایا: ''خبردار! بتلاؤ! کیا میں نے پہنچا دیا ہے؟''۔ ہم نے کہا جی ہاں۔ آپ ؐ نے فرمایا: ''اے اللہ! تو گواہ رہ''۔ (متفق علیہ)

تشریح ❁ ابوبکرہ: ان کی کنیت اس لئے پڑی کہ یہ قلعہ طائف سے محاصرہ کے وقت صبح سویرے لٹک کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ ان کا نام نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ ہے۔ قال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر یوم نحر کے دن جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں فرمایا: ان الزمان: الزمان سے سال مراد ہے۔ جیسا کہ اس کی وضاحت اثنا عشر شھراً سے معلوم ہوتا ہے۔ متکلمین کی اصطلاح میں متجدد موہوم کی متجدد معلوم کے ساتھ مقارنت کے لئے لایا گیا تا کہ دوسرے کی مقارنت کی وجہ سے اول میں جو ابہام پیدا ہوتا ہے وہ زائل ہو جائے۔ استدار: یہ دار کی طرح ہے اس کا معنی کسی چیز کے گرد گھومنا اور اس مقام کی طرف لوٹنا جس سے ابتداء ہوا ور کھیئتہ: کی مراد یہی ہے یعنی استدارت مثل ھیئتہ اور وہ اس کی صورت، شکل اور حالت ہے جس پر وہ پہلے تھا۔

یوم خلق السموٰت والارض: یعنی سورج و چاند اس میں تھے۔ کیونکہ زمانے کی حقیقت سالوں، مہینوں اور ایام ہیں اور یہ سورج چاند کی پیدائش سے پایا گیا۔ اس سے قبل معاملہ اسی طرح تھا جیسا جنت میں ہوگا کیونکہ وہاں جو ہوگا اس کا نام زمانہ نہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ زمانہ اپنی تقسیم سالوں، مہینوں میں اور اپنی مقررہ مہینوں کی تقسیم میں اسی جگہ کی طرف لوٹ آیا جو اللہ

تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کی ہے۔
السنة اثنا عشر شهراً: یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یہ مذکورہ استدار کو بیان کیا گیا ہے۔ **اربعة حرم ثلاث متوالیات**: تین مسلسل ہیں **ورجب مضر**: اس کی نسبت اس لئے کی کہ اس کی حرمت تمام عرب میں خوب کی جاتی تھی۔ **الذی بین جمادیٰ وشعبان**: یہ جملہ تاکید اور اس کی عظمت کو بیان کے لئے لایا گیا ہے اور نسئ کی رسم بد کی وجہ سے اس میں جو اشتباہ تھا اس کے ازالہ کے لئے لائے زمانہ جاہلیت کی نسئ سے جو تفاوت پڑا تھا ان کے حساب سے بھی رجب اس سال جمادیٰ اور شعبان کے درمیان تھا۔ نسئ کا مطلب یہ تھا کہ جب ان کو حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی ضرورت ہوتی تو حرمت والے مہینے کو حلال کر لیتے اور اس کی حرمت اس کے بعد والے مہینے میں بدل ڈالتے اور قبائل عرب میں اس کا اعلان کرتے اور حج کا حساب اسی کے مطابق کرتے۔ حجۃ الوداع والے سال تمام مہینے اپنی اصل وضع کے مطابق اپنے اپنے ٹھکانے پر تھے اور اس سال کا آخری مہینہ ذی الحجہ ہی تھا جیسا کہ واقعہ میں بھی اسی طرح ہے اور اس کے بعد والا سال کا پہلا مہینہ محرم ہی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح طور پر بات رسم نسئ کو باطل کرنے کے لئے فرمائی تاکہ اس کا ابطال خوب مشہور ہو جائے اور پھر اسکی طرف کسی طور پر بھی نہ لوٹا جائے۔ مگر راجح بات یہ ہے کہ زمانے کے چکر کی تکمیل تو فتح مکہ والے سال ہی ہو چکی تھی۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کو اسی سال حج کا حکم دیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ۹ ھ میں حج کا حکم فرمایا۔ اگر یہ بات نہ مانی جائے تو غیر زمانہ میں ہونے کی وجہ سے دونوں حج کو باطل ماننا پڑے گا اور شارع باطل طریقے کے مطابق نسک کی ادائیگی کا حکم نہیں دے سکتے (واللہ اعلم)
ای شهر هذا: ان کے دلوں میں مہینے کی عظمت کو پختہ کرنے کے لئے یہ استفہام تقریری فرمایا۔ پس اس پر آئندہ بات کی بناء صحیح ہے۔ **الله ورسوله اعلم**: اس میں ادب کی رعایت سکھائی گئی اور جس سوال کی غرض معلوم نہ ہو اس میں توقف سکھایا گیا۔
فسکت: صحابہ کرامؓ نے خیال کیا کہ آپ ﷺ کا سکوت اس کا مناسب نام تجویز کرنے میں سوچ و بچار کرنے کی وجہ سے ہے جو کہ معروف نام کے علاوہ تجویز فرمائیں گے اور جو استفہام اور ان کے جواب میں ذکر ہوا اس پر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔
قال: کیا اس کا نام ذوالحجہ نہیں۔ **الیس البلدة الحرام**: کیا یہ جگہ حرمت والا شہر نہیں۔ ایک روایت میں **البلد الحرام**: بھی ہے۔ الحرام کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے۔ بلد کا لفظ ہر شہر پر بولا جاتا ہے۔ اب تغلیباً البلدۃ الحرام اس کا علم بن گیا۔ اس سے اشارہ کر دیا کہ تمام فضائل متفرقہ کا جامع اور زائد فضائل والا شہر مکہ ہے۔ **فان دماء کم**: فا فصیحہ ہے۔ جب تم یہ جان چکے تو اس سے ایک دوسری حرمت کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو اس سے بہت بڑھ کر ہے اور وہ خون اور اس کے مابعد والی چیزیں ہیں اور ان چیزوں کو یوم نحر اور مکہ مکرمہ اور ذوالحجہ سے تشبیہ دی حالانکہ یہ حرمت میں مشبہ بہ سے افضل ہیں۔ مشبہ بہ کا زیادہ مشہور ہونا اور اس چیز کو تشبیہ دینا جو کہ مشہور نہیں اگرچہ وہ افضل ہو اس سے جو مشہور تر ہے اور وہ مفضول ہو یہ تشبیہ استعمال ہوتی ہے اور درست ہے۔ یہ قول اسی قسم میں سے قرار دیا گیا ہے جیسے: "**اللّٰهم صلّ علی محمد کما صلیت علی ابراهیم**" ان کو تاکید مقام کیلئے لائے۔ **دماء**: سے ابتداء کی باوجودیکہ اس سے اعراض سب سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ اس میں ابتلاء بہت ہے اور اس کا خطرہ بھی زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے شرک کے بعد اس کو اکبر الکبائر کہا گیا۔ **واموالکم واعراضکم**: اموال کو

مقدم کیا کیونکہ اس سلسلہ میں ابتلاء زیادہ ہے۔ العرض کی جمع ہے انسان میں مدح و مذمت کی جگہ کو کہتے ہیں خواہ اس کی ذات میں ہو یا اس کے سامان میں ہو۔ اسکی حرمت سے مراد یہ ہے کہ انسان عار دلانے والی چیز کی طرف تعرض کرے یا جس کی وجہ سے اپنی ذات میں کمی آئے یا اقارب واحباب کی عزت میں کمی آئے اس سے تعرض کرے۔ (فتح الدلالہ) **یومکم هذا** اس میں معصیت حرام ہے یوم تو مجازاً کہا۔ **فی بلدکم هذا** بالاجماع اس میں معصیت بڑا گناہ ہے۔ البتہ نیکیوں کی طرح گناہ میں بھی کئی گنا اضافہ ہوتا ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ راجح نہ بڑھنا ہے جیسا کہ اس آیت کا عموم بتا رہا ہے۔ ﴿من جاء بالسیئه فلا یجزٰی الا مثلها﴾: (انعام: ۱۶۰) اور اس کی مخصص کوئی آیت نہیں۔ **فی شهرکم**: اس کے شرف کی عظمت سے اس میں معصیت بڑھ جائے گی۔ **وستلقون ربکم**: آخرت میں آنکھوں سے دیدار ہوگا جو حلال واتحاد اور جہت وتحیز و احاطہ سے پاک ہوگا۔ **فیسألکم عن اموالکم**: ایک نسخہ میں **اعمالکم والنار عن شمائلکم والجنة عن ایمانکم الموازین قد نصبت والصراط قد نصب علی قتن جهنم والرسل شعارهم یومئذ سلم سلم والشهود والجوارح والحاکم الاعظم قد تجلی قد غضب غضباً یغضب قبله ولا بعده مثله** وہ تمہارے اموال واعمال کے متعلق سوال کرے گا جبکہ آگ تمہارے بائیں اور جنت دائیں طرف اور میزان قائم کئے جا چکے ہوں گے۔ پل صراط جہنم کی پشت پر رکھ دیا گیا ہوگا۔ رسولوں کا شعار اس دن مسلم مسلم ہوگا اور گواہ اور اعضاء پیش ہوں گے حاکم اعظم اپنی تجلیات قہریہ سے ایسے غضب کا اظہار کر رہے ہوں گے کہ آج تک اتنے غضبناک نہیں ہوئے۔

الا لا ترجعوا بعدی: الاکلمہ تنبیہ ہے۔ ترجعوا تصیر کے معنی میں ہے۔ تبلیغ ان باتوں کی جن پر انحصار ہے ضروری ہے۔ بقیہ میں کفایہ ہے۔ **الشاهد منکم**: جو سن کر یا روایت سے جان لے۔ ان کو جو معلوم نہ ہو۔ **من یُبَلَّغُهُ**: مضارع مجہول ہے اور ضمیر مفعول لہ ہے۔ ممکن ہے جس کو بات پہنچائی جائے وہ قوت استعداد وقوت فہم اور توجہ میں مبلغ سے بڑھا ہوا ہو۔ **اوعی**: زیادہ فہم والا ہو۔ وہ اس بات سے وہ استفادہ حاصل کرے جو سننے والے کو حاصل نہیں ہوا۔ اس وجہ سے نہیں کہ اس کے فہم میں کوئی کمی تھی بلکہ وہ اس سے اہم تر کام جہاد وغیرہ میں مشغول رہا۔ اکثر صحابہ کرام کو یہی پیش آیا۔ پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تابعین یا بعد والے لوگوں کو صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر علم تھا۔ اس لئے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک کسی درشت مزاج بدو پر پڑ جاتی تو وہ اسی وقت حکمت کے موتی برساتا تھا۔ یہ آپ ﷺ کے خصائص میں سے تھا۔ اب اس کے متعلق منافقین کی بات سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان پر کلام وصحبت کے اثرات کے لئے موانع موجود تھے جس کی وجہ سے وہ جماد کی طرح تھے۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات مفضول میں کئی خصوصیات ہوتی ہیں جو فاضل میں نہیں ہوتیں۔ پس ہم بالیقین یہ کہتے ہیں کہ تمام صحابہ بعد والی تمام امت سے افضل ہیں اور یہ بات جائز ہے کہ غیر صحابی میں فہم، استنباط زیادہ ہو۔ اگرچہ افضل اور مراتب میں اجل تو صحابی ہی ہے۔ یہ بات من یبلغہ کے زیادہ مناسب ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کے ثمرات کا ذکر فرمایا۔ جن میں علم کا پھیلنا اور دینی نفع کا عام ہونا اور عرصہ گزرنے پر قیامت سے پہلے تک دین کا محفوظ رہنا وغیرہ ہیں وہ اسی طرح ہوا جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ **الا هل بلغت**: جو مجھے حکم ملا۔ تکرار تاکید کے لئے فرمایا۔ ہم کہا نعم: یعنی آپ پیغام رسالت اور امانت کو پہنچا دیا اور امت کی کامل خیر خواہی فرما دی اور ان سے غم کو دور کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کا

حق ادا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا وہ بدلہ عنایت فرمائیں جو کسی بھی پیغمبر کو اس کی امت کی طرف سے دیا گیا اور وہ بدلہ دے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق ہے۔ پھر فرمایا: **اللهم اشهد۔**

تخریج: أخرجه احمد (٢٠٤٠٨/٧) والبخاری (٦٧) و مسلم (١٦٧٩) و أبو داود (١٩٤٨) وابن ماجه (٢٣٣) وابن حبان (٣٨٤٨) وابن خزيمة (٢٩٥٢) والبيهقى (٢٩٨/٣)

الفرائد: ① خطبہ بلند جگہ پر دیا جائے۔ ② جانوروں کی پشت پر بیٹھنا جائز ہے جبکہ جانور کھڑا ہو۔ ③ مسلمان کا مال جان وعزت بہت عزیز چیزیں ہیں۔ ④ بات کو پہنچانے میں فہم شرط نہیں۔ بسا اوقات بعد والا زیادہ فہیم ہوتا ہے۔ ⑤ یہ شفقت نبوت ہے کہ امت کی بھلائی کے لئے خیر کی بات ان کو صرف پہنچائی ہی نہیں بلکہ حق ادا کر دیا۔

٢١٦ : وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اِيَاسِ ابْنِ ثَعْلَبَةَ الْحَارِثِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : "مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ" فَقَالَ رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ شَيْئًا يَّسِيْرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ : "وَاِنْ قَضِيْبًا مِّنْ اَرَاكٍ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔

٢١٦: حضرت ابوامامہ ایاس بن ثعلبہ حارثی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے کسی مسلمان کا حق اپنی (جھوٹی قسم) سے غصب کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے آگ کو لازم کر دیتے ہیں اور جنت کو حرام کر دیتے ہیں"۔ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ وہ معمولی حق ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خواہ پیلو کی ایک شاخ ہو"۔ (رواہ مسلم)

تشریح: ✿ **ابو اُمامہ اِیاس بن ثعلبۃ:** یہ نام معروف ہے۔ ابو حاتم رازی نے کہا ان کا نام عبداللہ بن ثعلبہ ہے اور ثعلبہ بن عبداللہ بھی کہا جاتا ہے۔ (نووی)

الحارثی: یہ حارث بن خزرج کی اولاد سے ہیں۔ بعض نے ان کو بلوی کہا یہ بنی حارثہ کے حلیف تھے۔ یہ ابو بردہ بن دینار کے بھانجے ہیں۔ ذہبی کہتے ہیں ان کی مرویات تین ہیں۔ ابن حزم ابن جوزی نے کہا کہ ان کی دو روایتیں ہیں۔ ایک مسلم نے روایت نقل کی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُحد سے واپس لوٹے تو ان کی وفات ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ابن اثیر کہتے ہیں بدر سے واپسی پر ان کی والدہ کی وفات ہوئی تھی نہ کہ ان کی۔ بدر کی حاضری سے ان کی بیماری رکاوٹ بنی۔ یہ احد میں شہید نہیں ہوئے۔ جیسا مسلم نے نقل کیا۔ عن عبداللہ بن کعب عن ابی امامہ بن ثعلبہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی وفات احد میں نہیں ہوئی ورنہ یہ روایت منقطع ہوتی کیونکہ عبداللہ بن کعب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا۔ اسی لئے مسلم نے عبداللہ کی روایت مسلم میں بطور صحابی نہیں لی۔ (اسد الغابہ) نووی کہتے ہیں: **من اقتطع حق امری مسلم بیمینہ:** اقتطاع۔ لے لینا۔ حق میں تمام حقوق خواہ مالیہ ہوں یا غیر مالیہ ہوں مثلاً حد قذف وغیرہ اور کوئی بھی فائدہ انسان کی چیز مثلاً گندے نالے کا پانی جو زمین کو سیراب کرتا ہے۔ ذمی کا مال بھی اس میں شامل ہے۔ مسلم کی قید تو تاکید کے لئے ہے۔ اس کے لئے جہنم واجب ہے۔ ممکن ہے ذمی کے مال میں اس سے کم سزا ہو مگر ظاہر الفاظ کی وجہ سے تاویل کی حاجت نہیں۔ اگر ان

حقوق کو حلال سمجھ کر کیا اور بغیر توبہ مرگیا تو خلود نار ہے اور اگر معافی مانگ لی تو معاف ہو جائے گا ورنہ اوّل داخلہ سے محروم ہوگا۔

نووی کہتے ہیں یہ وعید ان کے لئے ہے جو بلا توبہ مرجائے۔ جو ندامت والی توبہ کرلے اور حقوق واپس کردے تو اس سے گناہ ساقط ہو جائے گا۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا اگرچہ معمولی چیز لی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

النحو: وان قضیبٌ من اراكٍ: بعض اصول میں قضیب مرفوع ہے۔ اکثر نسخوں میں منصوب ہے اور کان محذوف کی خبر ہے۔ یا فعل محذوف کا مفعول ہے ای اقتطع۔ اراك: پیلو بن کا درخت اس کی مسواک سب سے بہتر ہے۔ جیسا شاعر نے کہا:

بالله ان جزتِ سوادی الا راك ☆ وقبلت اغصانه الخضر فاك

تخريج: أخرجه مسلم (١٣٧) والنسائي (٥٤٣٤) وابن ماجه (٤٣٢٤)

الفرائد: ① لوگوں کا حق مارنے والے پر جنت حرام ہے۔ ② معمولی ظلم بھی اللہ کے ہاں بڑا ہے۔

٢١٧ : وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ عُمَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَقُوْلُ : ''مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهٗ كَانَ غُلُوْلًا يَأْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ'' فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ اَسْوَدُ مِنَ الْاَنْصَارِ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ فَقَالَ : ''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اقْبَلْ عَنِّيْ عَمَلَكَ قَالَ : ''وَمَالَكَ؟'' قَالَ : سَمِعْتُكَ تَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا قَالَ : ''وَاَنَا اَقُوْلُ الْاٰنَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَلْيَجِئْ بِقَلِيْلِهٖ وَكَثِيْرِهٖ فَمَا اُوْتِيَ مِنْهُ اَخَذَ وَمَا نُهِيَ عَنْهُ انْتَهٰى'' رَوَاهُ مُسْلِمٌ

٢١٧: حضرت عدی بن عمیرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: ''جس کو ہم تم میں سے کسی کام پر عامل مقرر کریں وہ اس میں ہم سے ایک دھاگہ چھپائے یا اس سے بھی کم تر تو یہ خیانت شمار ہوگی جس کو وہ قیامت کے دن لائے گا''۔ اسی وقت انصار میں سے ایک سیاہ آدمی کھڑا ہوا۔ گویا اب بھی یہ منظر میرے سامنے ہے اور عرض کیا میری طرف سے اپنا عمل واپس قبول فرمالیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''تجھے کیا ہوا؟''۔ اس نے کہا میں نے سنا آپؐ اس اس طرح فرما رہے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''میں تو اب بھی کہتا ہوں جس کو ہم کسی کام پر نگران بنائیں وہ اس کا تھوڑا اور زیادہ سب ادا کردے جو اس کو دیا جائے وہ اس کو قبول کرے اور جس سے روک دیا جائے اس سے باز رہے''۔ (رواہ مسلم)

تشریح ۞ عَدی بن عَمِیرَۃ: نووی کہتے ہیں مردوں میں عمیرہ صرف عین کے فتحہ اور میم کے کسرہ سے استعمال ہوتا مگر عورتوں میں عین کے ضمہ اور فتحہ دونوں سے استعمال ہوتا ہے۔ یہ ابن فروہ بن زرارہ الکندی رضی اللہ عنہ حافظ مزی نے اطراف میں ان سے تین روایات نقل کی ہے۔ ایک مسلم نے لی ہے مگر بخاری نے نقل نہیں کی۔ علی عمل سے مراد عامل زکوۃ یا غنائم اور کسی نگرانی پر۔ مخیطاً: سوئی۔ فما فوقه: اس سے چھوٹائی میں بڑھ کر جیسے عرب کہتے ہیں: اتراه قصیداً: تو جواب میں کہیں گے فوق ذلك: یعنی وہ بہت ہی چھوٹا ہے۔

کان غلولاً: وہ چھپائی ہوئی چیز خیانت بنے گی۔ ابوداؤد کی روایت میں غلّ ہے۔ طوق میدانِ محشر میں وہ طوق بن کر گلے میں

ہوگی یا ممکن ہے جہنم میں طوق بن جائے۔

فائدہ: اس میں خیانت کی شدید وعید ہے وہ حرام ہے اگرچہ معمولی چیز ہوتب بھی کبیرہ گناہ ہے۔ عامل کو واپس کرنا ضروری ہے۔ اگر لشکر منتشر ہو گیا اب اس حق کو پہنچانا مشکل ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں تمام ضائع مال امام کے حوالے کر دے۔ جمہور علماء وصحابہؓ فرماتے ہیں خمس امام کو دے باقی صدقہ کر دے۔ رجل اسود: اس کا نام کہیں مذکور نہیں۔ **اقبل علی عملی**: ولایت وعہدہ محتاج قبولیت نہیں بلکہ وہ عزلت کہتا تو معزول ہو جاتا مگر معلوم ہوتا ہے اس نے بطور مشورہ کہا ہو۔

اس نسخہ میں **مالك؟** کے الفاظ ہیں مگر ابن رسلان نے ابوداؤد کی شرح میں کہا کہ مسلم کے لفظ **و ما ذاك** ہیں یعنی تم نے یہ بات کس وجہ سے کہی۔ **تقول كذا كذا**: یہ دونوں کنایہ کے الفاظ ہیں۔ جیسے کیت کیت۔

من استعملناهٗ: اس میں قضاء، حساب، دیگر تمام اعمال شامل ہیں۔

فليجئ: یہ لام امر ہے۔ قرطبی کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ عامل اس میں سے اجرت کے طور پر کوئی چیز نہیں رکھ سکتا نہ اپنے لئے نہ دوسروں کے لئے۔ مگر یہ کہ امام اجازت دے (المفہم) ابن رسلان کہتے ہیں۔ اس کے عموم میں ہدایا بھی شامل ہیں جیسا حدیث لُتَبِیَّہ: میں ہے: **اِذ لو كان فى بيت امه لم يُهد له** خواہ نفلی صدقہ ہو یا فرضی جب وہ کوئی چیز لے گا خیانت کرے گا۔ **اُوتی** یہ مجہول کا صیغہ ہے۔ **اخذ**: معروف ہے (جو دیا جائے وہ لے لے) **نُهِی** یہ بھی بصیغہ مجہول ہے۔ **انتھٰی** یہ معروف ہے ابن رسلان کہتے ہیں عامل ان تمام جہات کا ذکر کرے جن سے مال وصول ہوا۔ جس کا لینا اسے جائز ہے وہ لے اور دوسرا حاکم کے حوالے کر دے اور شریعت کے مطابق کرے۔

تخریج: أخرجه مسلم (۱۸۳۳) و أبو داود (۳۵۸۱)

الفرائد: ① خیانت میں مبتلا حکام کے لئے شدید وعید ہے۔ ② حکام جو چیز چھپائیں گے وہ خیانت میں شمار اور گناہِ کبیرہ ہے۔ ③ اس مال کی واپسی صاحب حق کی طرف لازم ہے۔

۲۱۸: وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ اَقْبَلَ نَفَرٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوْا: فُلَانٌ شَهِيْدٌ وَّفُلَانٌ شَهِيْدٌ حَتّٰى مَرُّوْا عَلٰى رَجُلٍ فَقَالُوْا: فُلَانٌ شَهِيْدٌ۔ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كَلَّا اِنِّىْ رَاَيْتُهٗ فِى النَّارِ فِىْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا اَوْ عَبَاءَةٍ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۱۸: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب خیبر والا دن ہوا تو اصحاب رسول ﷺ میں سے کچھ احباب آئے اور انہوں نے کہا کہ فلاں شخص شہید ہے اور فلاں شہید ہے۔ یہاں تک کہ ان کا گزر ایک آدمی کے پاس سے ہوا تو کہاں فلاں (بھی) شہید ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے اس ایک چادر کی وجہ سے جو اس نے مالِ غنیمت میں سے چرائی تھی۔

النحو: خیبر: مکان ہونے کی وجہ سے منصرف پڑھنا جائز ہے۔ علاقہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اکثر محدث اس طرح پڑھتے ہیں۔ واقعہ خیبر ۶ ھ میں پیش آیا۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے لوٹے۔ بعض رواۃ موطا نے حنین نقل کیا

ہے واللہ اعلم۔ (قاضی عیاض)

نفر: تین سے دس تک مردوں کے لئے بولتے ہیں۔ یہ اسم جمع ہے۔ (النہایہ)

مرّوا علی رجل: بات کی انتہاء میں گزرنا یا مردہ کے پاس سے گزرنا۔ (پہلی صورت میں ترجمہ تذکرہ ہوا) اور پہلا زیادہ مناسب ہے۔ **کلا** یہ ردعیہ ہے۔ اس کے متعلق شہادت کی خبر **لو منازل ابدیه علیه** کی متقاضی تھی جیسا اس آیت میں فرمایا: ﴿**بل احیاء عند ربھم**﴾ [ال عمران : ۱۹۶] **بردہ:** دھاری دار چادر۔ **غلّھا:** مال غنیمت سے بلا اجازت نے لی۔ **او:** یہ راوی کو شک ہے۔ **عباءۃ**۔

تخریج ☆: مسلم کتاب الایمان۔ ترمذی میں اس کے الفاظ اس طرح ہیں یا **رسول اللّٰہ ان فلاناً استشھد:** آپ نے فرمایا: کلا۔

الفرائد: ① خیانت کرنے والا جہنمی ہے۔ ② فیصلہ پورے غور وفکر سے کرنا چاہیے۔

۲۱۹ : وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ الْحَارِثِ ابْنِ رَبْعِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَنَّہٗ قَامَ فِیْھِمْ فَذَکَرَ لَھُمْ اَنَّ الْجِھَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْاِیْمَانَ بِاللّٰہِ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَتُکَفَّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ؟ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : "نَعَمْ اِنْ قُتِلْتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُّحْتَسِبٌ مُّقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ" ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ قُلْتَ؟" قَالَ : اَرَاَیْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَتُکَفَّرُ عَنِّیْ خَطَایَایَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "نَعَمْ اِنْ قُتِلْتَ وَاَنْتَ صَابِرٌ مُّحْتَسِبٌ مُّقْبِلٌ غَیْرُ مُدْبِرٍ اِلَّا الدَّیْنَ فَاِنَّ جِبْرِیْلَ قَالَ لِیْ ذٰلِکَ" رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

۲۱۹: حضرت ابوقتادہ حارث بن ربعی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کھڑے ہو کر (وعظ میں) تذکرہ فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ اور ایمان باللہ تمام اعمال میں افضل ہیں۔ اس پر ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ (ﷺ) ارشاد فرمائیں کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں کیا میری ساری خطائیں معاف کر دی جائیں گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہاں! اگر تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ثابت قدمی اور ثواب کی نیت کرتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھنے والا' نہ فرار ہونے والا ہو کر قتل ہو (تو تیری تمام خطائیں معاف ہو جائیں گی)"۔ پھر فرمایا: "تم نے کیسے سوال کیا؟" اس نے کہا اگر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں کیا میری ساری خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں جبکہ تو میدان میں ثابت قدم' ثواب کا امیدوار بن کر' دشمن پر حملہ آور ہونے والا نہ پیچھے مڑ کر بھاگنے والا ہو (تو تیرے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے) مگر قرضہ معاف نہ ہوگا۔ مجھے جبرئیل نے یہی بات کہی ہے"۔ (رواہ مسلم)

تشریح ۞ ابوقتادہ حارث بن ربعی بن بلزمہ بن حناس بن عبید بن غنم بن کعب بن سلمہ بن سعد الانصاری الخزرجی

السلمی۔ یہ فارس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بعض نے ان کا نام نعمان رضی اللہ عنہ کہا ہے۔ بدر کی حاضری میں اختلاف ہے۔ البتہ احد اور اس کے بعد تمام معارک میں شرکت رہی۔ ذی قرد کے دن ان کے چہرے پر ایک تیر لگا۔ آپؐ نے اس پر لعاب مبارک لگا دیا تو درست ہو گیا پھر ان کے چہرے پر تیر کبھی نہ لگا۔ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے دعا کی: "**اللهم بارك في شعره وبشره**"۔ اور سفر میں آپ ﷺ نے دعا دی: **حَفِظَكَ الله كما حفظت نبيَّهٗ**" (ابوداؤد)

ان کی وفات ۳۴ھ میں ہوئی۔ بعض نے مدینہ منورہ اور بعض نے کوفہ لکھی ہے۔ یہ زمانہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور سات تکبیرات کہیں۔ شعبی کہتے ہیں چھ تکبیرات کہیں۔ یہ بدری صحابی تھے۔ ان کی مرویات ۱۷۰ ہیں۔ ۱۱ متفق علیہ، دو میں بخاری اور ۸ میں مسلم منفرد ہیں۔ **انه**: یہ إِنَّ اور أَنَّ دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ **قام**: آپ ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے۔ **الجهاد في سبيل الله**: جہاد اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہونا چاہئے۔

النّحو: **والايمان**: واؤ مطلق جمع کے لئے ہے۔ **افضل الاعمال**: مجموعہ یا فرد کا لحاظ کریں تو ایمان ہی افضل ہے یا یہاں من مقدر ہے۔ جیسا اس روایت میں: **اي الاعمال افضل**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا: **الصلاة في اول الوقت**: (الحدیث)

قرطبی کہتے ہیں جہاد کو ایمان کے ساتھ یہاں افضلیت میں ملایا مگر اس کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت یعنی ضبانی السلام میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے مبانی مکمل طور پر قائم نہیں ہو سکتے جب تک دین اسلام کا غلبہ تمام ادیان پر جہاد کے ذریعہ نہ ہو جائے۔ پس اس طرح گویا وہ تمام مبانی کی اصل و جڑ ہے۔ اور ایمان تمام مبانی کی درستگی کے لئے اصل ہے تو افضلیت میں دونوں اصلوں کو جمع کر دیا گیا۔ **ارأيت**: یہ اخبرنی کے معنی میں ہے۔ **في سبيل الله**: کہنے کا مطلب ہی اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ کیونکہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔ **تكفّر**: مضارع مجہول ہے اور ہمزہ مقدر ہے اور خطایا سے وہ مراد ہیں جن کا تعلق حقوق اللہ اور حقوق العباد سے ہے۔ آپ ﷺ نے نعم سے جواب دیا جبکہ **انت صابر**: لڑائی کے مصائب و زخموں پر صبر کرنے والے ہو۔ **محتسب**: محض اللہ کیلئے لڑنے والے ہو۔ کسی گناہ یا مال یا شہرت وغیرہ کی نیت نہیں تب یہ ثواب ملے گا۔ **مقبل غير مدبر**: جنگ سے فرار اختیار نہ کرنے والا ہو۔ البتہ حملہ کے لئے پیچھے ہٹنا جائز ہے یا اپنی فوج کے ساتھ ملنے کے لئے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ثواب مل جائے گا مگر احتمال یہ بھی ہے کہ گناہ ساقط ہوگا۔

النّحو: اِن شرطیہ کا جواب محذوف ہے کیونکہ سوال میں موجود ہے۔ پھر آپ ﷺ نے قرض کو مستثنیٰ کرنے کے لئے اس سے سابقہ کلام کا اعادہ کروایا اور پھر فرمایا: **الا الدين** کہ حقوق انسانی کا کفارہ جہاد شہادت بھی نہیں۔ یہ حقوق اللہ اور صغائر کا کفارہ بنیں گے۔ قرطبی کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب ادائیگی حقوق کی طاقت ہونے کے باوجود ادا نہیں کئے ورنہ جب وہ مجبور ہو تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے امید ہے کہ اگر اس کی نیت اور توبہ سچی ہوگی اور ان کے حقوق چاہنے والا راضی ہو تو اس کی بخشش کر دی جائے گی۔ جیسا کہ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ میں وارد ہے۔ **هكذا قال لي جبريل** نووی کہتے ہیں کہ یہ اسی وقت وحی اتاری گئی۔

تخريج: أخرجه مسلم (١٨٨٥) والترمذى (١٧١٢) والنسائى (٣١٥٦)

الفرائد : ① مجاہد کو حقوقِ انسانی کے علاوہ ہر گناہ معاف ہے۔ ② اعمال کے نفع بخش ہونے کے لئے نیت و اخلاص ضروری ہے۔ ③ جہاد و شہادت عظیم اعمال ہیں۔

۲۲۰ : وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ : قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ؟ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَّصِیَامٍ وَّزَکٰوةٍ وَّیَاْتِیْ وَقَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَ اَکَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَیُعْطٰی هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ یُّقْضٰی مَا عَلَیْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ" رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

۲۲۰ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ''کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ نقدی ہو اور نہ سامان۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز' روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا مگر وہ اس حال میں ہوگا کہ کسی کو اس نے گالی دی ہوگی' کسی پر بہتان لگایا ہوگا' کسی کا مال کھایا ہوگا' کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ پس ان (حقوق والوں) کو اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی۔ پس اگر نیکیاں ختم ہو جائیں گی اس سے پہلے کہ ان کے حقوق پورے ہوں تو ان کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ پھر اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا''۔ (مسلم)

تشریح ۞ **أتدرون**: یہ الدرایۃ سے ہے بقول ایسی پہچان جس میں حیلہ بازی اور دھوکا ہو۔ **من المفلس**: صحابہ نے عرف کے لحاظ سے جواب دیا کہ جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں۔ **متاع**: دنیا کا تھوڑا زیادہ سامان جس سے نفع اٹھایا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ دنیا کی تکالیف کو حقیقت افلاس نہیں کہا جا سکتا یہ تو معمولی خوشحالی سے ختم ہو جاتا ہے۔ **ان المفلس من امتی**: آخرت کے بلند درجات سے محروم مسلمان مفلس ہے۔

بصلاۃ و صیام: اس میں سفیان بن عیینہ کے اس قول کی تردید ہے کہ تمام گناہ کے نتیجہ میں نیکیاں دی جاتی رہیں گی جب روزے کی باری آئے گی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے :**الصوم لی وانا اجزی بہ** اور اس کے مطالبہ والوں کو راضی کر دیا جائے گا۔ **ویأتی**: اس کا عطف پہلے یأتی پر ہے۔ **شتم**: گالی دینا (الصحاح) **قذف**: تہمت زنا۔ **اکل مال هذا**: اس کی رضامندی کے بغیر۔ تمام اتلافات اس میں شامل ہیں۔ مال کھانے کے سلسلہ میں کثرت ابتلاء ہے اس سے اس کا ذکر کر دیا۔ **سفاك**: خون بہانا۔ **فیعطی هذا من حسناته**: جس پر زیادتی کی گئی اس کی نیکیوں کا ثواب دے دیا جائے گا یا ممکن ہے بعینہٖ نیکیاں دے کر اس کے کھاتے میں بدلہ ڈال دیا جائے۔ یہ سابقہ روایت **ان کان له عمل صالح اخذ منه**: کی طرح ہے۔

ما علیه: گناہ و مظالم۔ **اخذ خطایاهم**: ماضی مجہول خطایا سے مراد حق سے متعلق یا مخلوق سے متعلق۔ **ثم طرح فی النار**: اپنے برے اعمال اور سزا کے طور پر ڈالے گئے برے اعمال کا بدلہ چکانے تک۔ (رواہ مسلم) بعض عارفین نے کہا اس میں انتہائی

وعید ہے۔انسان کے اعمال وافعال ریاءٗ شیطانی مکر سے بہت کم خالی ہوتے ہیں۔اگر اس سے خالی ہوں تو پھر مخلوقات کی ایذاء سے بچنا مشکل ہے۔جب قیامت کا دن ہوگا تو تیری سالم نیکی کو مظلوم طلب کر کے لے لے گا اور مال تو ہوگا ہی نہیں کہ جس سے تو حق ادا کرے بلکہ تیری نیکیاں مرہون ہونگیں دن کا روزہ رات کا قیام' طاعت الٰہی کے لئے محنتیں اور مسلمانوں کی غیبت سے بچے رہنا تو نایاب ہے۔اسی طرح ان کو ایذاء دینے اور ان کا مال لینے سے سلامت رہنا مشکل ہے۔یہ تو طاعت گزاروں کا حال ہے۔ان کا حال کیا ہوگا جو ہماری طرح سیئات اور حرام خوری اور شبہات و کوتاہیوں میں مصروف ہیں۔ طاعات میں کسل اور سیئات میں سبقت کرنے والوں کا کیا حال ہوگا۔اللھم اعزنا منھا۔

تخریج: أخرجه احمد (۳/۸۴۲۲) و مسلم (۲۵۸۱)

الفرائد: ① مسلمان کو کسی بھی قسم کی ایذاء پہنچانا خواہ مال' دم' عزت کی قسم سے ہو حرام ہے۔② مجرم کا اُجر کم ہو جائے گا۔

۲۲۱ :وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ :''اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَّاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيَ لَهٗ بِنَحْوِ مَا اَسْمَعُ ' فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِحَقِّ اَخِيْهِ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

''اَلْحَنَ'' اَیْ اَعْلَمَ۔

۲۲۱: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''بے شک میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے بعض اپنی دلیل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ چرب زبان ہو۔پس میں جو کچھ سنوں اس کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔پس جس شخص کیلئے میں اس کے بھائی کے حصہ کا فیصلہ کر دوں تو بے شک میں اس کیلئے جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں'' (بخاری و مسلم)

اَلْحَنُ :زیادہ علم و سمجھ والا۔

تشریح ۞ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام ہند بنت ابوامیہ مخزومی ہے۔انما انا بشر: قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصر خاص ہے۔تورپشتی کہتے ہیں اس جملہ سے ابتداء اس لئے فرمائی تاکہ بتلا دیں کہ سہو و نسیان انسان کے لئے بعید نہیں۔انسانی ساخت امور کو ظاہر سے ہی لیتی ہے۔رہا سوال کہ کیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم نہیں؟ جواب یہ ہے کہ عصمت ان کاموں سے متعلق ہے جو ذنب میں داخل ہیں اور جن کو انسان ارادۃً کرتا ہے۔جس بات میں ہم بات کر رہے ہیں اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ سامع سے سنکر اس کے صدق کا خیال ہو۔پس یہ اس میں داخل نہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس بات کا مکلف بنایا جس کا مکلف دوسروں کو بنایا یعنی اجتہاد میں درست بات کو پانا۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت اسپر دلالت کرتی ہے کہ جس میں وحی نہ اتری ہو اس میں اپنی رائے سے فیصلہ کرتا ہوں۔وانکم تختصمون: طیبی کہتے ہیں ان زائدہ لائے تاکہ عسیٰ کو لعل کے مشابہ بنائے۔یعنی شاید کہ تم جھگڑا لاؤ۔

الحن: یہ اسم تفضیل ہے۔ وہ آدمی جو زیادہ فصیح وفطین ہو اور وہ اپنی کلام کو خوبصورت بنا کر پیش کرے اور میں اس دعویٰ میں سچا سمجھ لوں۔ راغب کہتے ہیں لحن کلام کو جاری طرز سے پھیرنا۔ خواہ اعراب اور لگا کر یا تبدیلی الفاظ کرکے اور اس کا استعمال اس معنی میں زیادہ اچھا ہے۔ تصریح سے تعریض کی طرف پھیرنا اور مقصود کی طرف پھیرنا جبکہ وہ اچھا ہو۔ شاعر کے اس قول کا یہی مطلب ہے: **خير الاحاديث ما كان لحناً**: اور اس ارشاد میں بھی یہی معنی ہے: ﴿**ولتعرفنهم في لحن القول**﴾ (محمد: ۳۰) اس سمجھدار آدمی کا وہ کلام جو مقصود کے موافق نہ ہو اس کو لحن کہتے ہیں۔ اس حدیث میں یہی معنی ہے **الحن بحجته**: یعنی زبان آور، فصیح، بات کھول کر بیان کرنے والا۔ دلیل پر زیادہ قدرت رکھنے والا۔

عاقولی کہتے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام کے بعض معاملات میں وہ چیزیں جائز ہیں جو دوسروں کے لئے نہیں (خصوصیات نبوت) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے مابین ظاہر پر فیصلہ فرماتے یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں اور بڑی رسوائی کے پردے میں باقی رہیں اس لئے کہ اگر کسی کو غیب کی اطلاع ہو تو شاہد کا دعویٰ کے لئے قطعاً ضرورت نہ ہو اور ہر باطل والے کا قصد و نیت اسپر ظاہر ہونے کی وجہ شاہد کی احتیاج نہ ہو۔ یہ ان احکام میں ہے جن میں شاہد کی ضرورت پڑتی ہے۔ باقی احکام شرعیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاء اجتہادی پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا۔ بخلاف اوّل کے کیونکہ اس کو تو خطاء کہا ہی نہیں جاتا بلکہ وہ حکم ظاہر ہے جو موافق باطن نہیں۔ وہ قواعد شرعیہ پر ہونے کی وجہ سے صحیح ہے کیونکہ اس کی مراد شاہدین کی گواہی ہے۔ **بحق اخيه**: اس کے ظاہری بیان اور دلیل کو دیکھ کر حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ نفس الامر میں باطل پر ہے۔ پس اسے وہ نہ لینا چاہئے۔ **فانما اقطع له** میں ظاہر امر کی بناء پر اس کو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں۔ وہ اس کیلئے حرام ہے۔ جیسا اس آیت میں فرمایا: ﴿**انما يأكلون في بطونهم ناراً**﴾ (النساء: ۱۰) اگر اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہ کریں تو اس کی سزا یہی ہے۔ (متفق علیہ)

جامع صغیر میں یہ لفظ ہیں: **من قضيت له بحق مسلم فانما هي قطعه من النار۔ فلياخذها او ليتركها** رواہ مالک، احمد والسنۃ عن ام سلمہ) ایک روایت میں یہ لفظ ہیں: **فاذا امرتكم بشئي من رأيي فانما انا بشر۔**

تخريج: أخرجه احمد (۱۰/۲۵۷۲۸) والبخاری (۲۴۵۸) و مسلم (۱۷۱۳) و ابو داود (۳۵۸۳) والترمذی (۱۳۳۹) والنسائی (۵۴۱۶) و ابن ماجه (۲۳۱۷) والدارقطنی (۴/۲۳۹) وابن حبان (۵۰۷۰) وغيرهم

الفرائد: ① قاضی کو باطن کی گہرائی تلاش کرنے کی طرف نہ جانا چاہئے۔ ② قاضی کو فریقین کو حق و باطل کے انجام پر پہلے نصیحت کرنی چاہئے۔ شائد اس تنبیہ سے غلط دعویدار باز آجائے۔

۲۲۲: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِيْ فُسْحَةٍ مِّنْ دِيْنِهٖ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۲۲۲: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مومن ہمیشہ اپنے دین کے متعلق کشادگی میں رہتا ہے جب تک کہ وہ کسی حرام خون کو نہیں بہاتا''۔ (بخاری)

تشریح ۞ **فُسْحَة**: وسعت دینی سے مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھنا اگر چہ اس سے کبیرہ گناہ ہو جاتا ہو۔ **ما لم یصب دمًا حرامًا**: بلاحق کسی جان کو قتل کرادے تو اس پر راہیں بند ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس لوگوں میں لکھا جاتا ہے۔ جیسا حدیث مرفوع میں ہے: **من اعان علی قتل مؤمن ولو بشطر کلمة لقی اللّٰہ مکتوبًا بین عینیه آلیس من رحمة اللّٰہ** شطر کلمہ سے معمولی بات ہے' یہ تغلیظاً فرمایا۔ (بخاری) ابوداؤد نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اس طرح نقل کیا: "**لا یزال المؤمن معنقًا** (تیزی کرنے والا) **فی صالح عمله مالم یصب دماً حرامًا' فاذا اصاب دمًا حرامًا تلج**: جامع صغیر نے طبرانی سے مرفوعاً نقل کیا۔ **لن یزال العبد فی فسحة من دینه مالم یشرب الجمر فاذا شربها خرق اللّٰہ عند سره وکان الشیطان ولیه ومسعه وبصره ورجله لیسوقه الی کل شمر وبصرنه من کل** مرقاۃ ھروی کہتے ہیں یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ اس سے مراد مطلقاً کبائر سے بچنا ہے اور ہر معاملہ موقعہ کے مناسب ذکر کیا گیا ہے۔

تخریج☆: أخرجه البخاری (٦٨٦٢) و (٦٨٦٣)

الفرائد: ① قتل مؤمن بڑے کبائر سے ہے۔ ② ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک عمداً قتل کرنے والے کو فرمایا تو اپنے لئے ٹھنڈا پانی ڈھونڈ لے تو جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (ترمذی) ③ ساری دنیا کی تباہی ایک مسلمان کے قتل سے آسان تر ہے۔ (ترمذی) ④ حیوان کے ناحق قتل کو حرام قرار دیا گیا تو آدمی اور پھر صالح مسلمان اس کا گناہ کس قدر شدید ہوگا۔ (ابن عربی)

۲۲۳: وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ عَامِرٍ الْاَنْصَارِيَّةِ وَهِيَ امْرَاَةُ حَمْزَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ: "اِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِيْ مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔

۲۲۳: حضرت خولہ بنت عامر انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' یہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ ہیں' کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''کہ کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے مال میں ناجائز تصرف کرتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں کے لئے قیامت کے دن آگ ہے''۔ (بخاری)

تشریح ۞ **خولہ بنت عامر**: کو خویلہ بھی کہا جاتا ہے۔ بنت ثامر الانصاریہ رضی اللہ عنہ یہ ام محمد ہے جو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔ مزی نے کتاب الاعراف میں کہا کہ رضی اللہ عنہا مختصر ہے۔ اس کا سلسلہ نسب میسر بن ثعلبہ تک پہنچتا ہے۔ بعض نے کہا حضرت حمزہ کی زوجہ کا نام خولہ بنت ثامر خولانیہ ہے۔ بعض نے کہا ثامر یہ قیس بن فہد کا لقب ہے۔ علی بن المدینی کہتے ہیں خولہ بنت قیس یہی خولہ بنت ثامر ہے۔ ابوعمرو نے بھی یہی کہا۔ ابن اثیر نے خولہ بنت ثامر کا تذکرہ اس میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔ اور خولہ بنت قیس بن فہد النجاریہ کے حالات میں لکھا کہ یہ حمزہ کی زوجہ ہیں ان کی کنیت امّ محمد ہے۔ بعض نے کہا حمزہ کی بیوی خولہ بنت ثامر ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ ثامر قیس بن فہد کا لقب ہے۔ مگر ابوعمرو کا قول زیادہ صحیح

ہے کہ ان کی کنیت ام محمد ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ام حبیبہ اور صحفہ ابن مندہ اس بچی کی ماں ہیں جو احد کے دن شہادت کے وقت ان کے ہاں تھی۔ ان کے بعد نعمان بن عجلان انصاری ذرقی نے ان سے نکاح کیا۔ ابن اثیر نے کہا یہ بات قرین قیاس نہیں کہ ثامر قیس بن فہد کا لقب ہو۔ دونوں کے حالات میں روایت ایک ہے۔ اور وہ یہ ہے: "ان هذا المال حلوة خضرة" واللہ اعلم۔ حافظ نے دونوں سابقہ قول نقل کئے ابن جوزی کہتے ہیں جن کی ۸ روایات ہیں وہ خولہ بنت قیس ہیں۔ بخاری و مسلم کے رواۃ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ بخاری نے خولہ بنت ثامر کی ایک روایت منفرداً نقل کی ہے۔ **یتخوضون:** تصرف کرنا۔ یعنی مسلمانوں کے مال میں ناجائز تصرف کرتے ہیں۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ان میں صرف اپنی خواہش سے تصرف درست نہیں۔ **فلهم النار يوم القيامة:** حافظ ابن حجر کہتے ہیں اس حکم کا دارومدار اس وصف پر ہے یعنی اللہ کے اموال میں ناجائز تصرف کرنا۔ رفعت کی علامت بتلائی گئی ہے۔

(بخاری) ترمذی نے اس کو خولہ بنت قیس کی روایت سے نقل کیا اور اس میں یہ اضافہ ہے: **ان هذا المال حلوة خضره ما اصابه بحقه بورك له فيه ورب متخوض فيما شاء ت نفسه من مال الله و رسوله ليس له يوم القيامة الا النار**" (ترمذی نے حسن صحیح کہا) یہ مال میٹھا سرسبز ہے جو اس کو اپنے حق سے لے اس کو برکت دی جاتی ہے بہت سے اس مال میں اپنی مرضی سے تصرف کرنے والے ہیں جن کو قیامت کے دن آگ کے سوا کچھ میسر نہ ہوگا۔

تخريج: أخرجه احمد (۲۷۳۸٦ _ ۲۷۳۸۷ / ۱۰) والبخاری (۳۱۱۸) والترمذی (۲۳۷٤) والطبرانی (٦۱۷/۲٤)

الفرائد: ① حکام کو ناحق کسی کے مال میں سے ذرہ بھر لینے کا حق نہیں۔ ② صرف چاہت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ممنوعہ اموال میں تصرف کا حق حاکم کو نہیں۔